افتتاحی خطاب جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ لاہور

(۱۹۴۸ء)

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

افتتاحی خطاب جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ لاہور

(فرمودہ ۲۵ دسمبر ۱۹۴۸ء۔ بمقام لاہور)

تشہّد ،تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''اِس وقت میں تقریر کیلئے نہیں بلکہ دعا کیلئے آیا ہوں جیسا کہ میرا طریق ہے کہ دعا سے پہلے کچھ باتیں کہتا ہوں ۔ اِس طریق کے مطابق آپ کے سامنے کچھ باتیں رکھنا چاہتا ہوں ۔

دنیا میں جتنے کام ہوتے ہیں ان کے کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ ہوتا ہے اور جتنے کام کرنے والے ہوتے ہیں ان کے سامنے کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ نہ ہی صحیح راستہ پر چلے بغیر کوئی قوم منزل پر پہنچ سکتی ہے اور نہ مقصد کے بغیر کوئی قوم یک جہتی سے کام کرسکتی ہے۔اس امر کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا ہے کہ وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِھَا [1] ہر گھر جس میں تم داخل ہونا چاہتے ہو اس کے دروازہ میں سے داخل ہو جاؤ۔یعنی ہر وہ کام جسے تم اختیار کرنا چاہتے ہو، اس کے حصول کا جو طریق ہے وہ اختیار کرو۔صحیح طریق اختیار کرنے کے بعد قوم کے پیش نظر کسی مقصد کا ہونا ضروری ہے۔اگر کسی قوم کا کوئی مقصد نہ ہوتو وہ کامیاب نہیں ہوسکتی۔جس طرح دروازے میں داخل ہونے کے بغیر گھر میں داخل ہونا مشکل ہے اسی طرح اپنے مقصد کے مقرر کرنے کے بغیر کامیابی محال ہے۔ قرآن کریم میں ہے لِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیْھَا [2] کہ ہر ذِی عقل شخص کا کوئی مقصد ہوتا ہے جسے سامنے رکھ کر وہ چلتا ہے۔ اِسی طرح ہر قوم کا جو کسی قانون یا تنظیم کے تحت اپنے آپ کو چلاتی ہے کوئی مقصد ہونا چاہئے۔ اگر بغیر مقصد کے کچھ لوگ کسی جگہ اکٹھے ہو جائیں تو ان میں قربانی کی روح پیدا

ہوتی ہے نہ ہی ہمت اور جوش پیدا ہوسکتا ہے نہ وہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی ایسا اعلیٰ پروگرام جس پر عمل کر کے دنیا میں ممتاز جگہ حاصل کرسکیں پیش کر سکتے ہیں۔

پس ہماری جماعت کو یہ دونوں زریں اصول کبھی نہ بھولنے چاہئیں۔ ہمارا مقصد تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرما دیا ہے کہ ''اسلام کو دنیا میں غالب کرنا'' پس ہمارا مقصد ہمارے سامنے ہے۔ اسے حاصل کرنا ہمارا کام ہے۔ ایسا غلبہ جو دلائل اور تعلیم کے لحاظ سے ہم دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں وہ تو قرآن کریم میں موجود ہے اور وہ اعلیٰ تعلیم جس کی وجہ سے یہ تمام مذہبی کتب سے افضل ہے اس میں موجود ہیں اور ہر شخص جو غور کرے اس کو دیکھ سکتا ہے لیکن جب تک ان دلائل کو عملی طور پر پیش نہ کیا جائے محض دلائل سے کوئی شخص قائل نہیں ہوسکتا۔ لوگوں کا عام طریق ہوتا ہے کہ جب وہ دلائل سے عاجز آ جاتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ بتاؤ تم نے اس تعلیم پر عمل کر کے کونسا تغیر اپنے اندر پیدا کر لیا ہے، کون سا اعلیٰ مقام حاصل کر لیا ہے، کون سی فضیلت حاصل کر لی ہے۔ چنانچہ آج دشمن اسی طریق سے اسلام پر طعنہ زن رہا ہے۔ جب ہم اس کے سامنے اسلام کی تعلیم پیش کرتے ہیں تو کہتا ہے بتاؤ اسلامی ممالک نے کون سی رواداری کی مثال پیش کی ہے اور کون سے فتنے فساد اُنہوں نے رفع کئے ہیں کون سا نیا تغیر اُنہوں نے پیدا کیا ہے اور اگر اُنہوں نے اسلام کی تعلیم پر عمل کر کے کچھ نہیں کیا تو اس تعلیم کو تم ہمارے سامنے کیوں پیش کرتے ہو۔ جب اس کے ماننے والے اسے ردّ کر چکے ہیں تو نہ ماننے والے کیونکر قبول کریں۔ یہ ایسا زبردست اعتراض ہے کہ اس کے سامنے ہمارے لئے بولنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ پس ضرورت ہے کہ ہم اپنے اندر تغیر پیدا کریں اور اسلام کی تعلیم کے ساتھ عمل کا ایسا اعلیٰ نمونہ پیش کریں کہ دشمن بھی اسلام کی علمی و عملی برتری کا اقرار کرنے لگے۔ جب تک ہم عملی نمونہ پیش نہ کریں ہم غلبہ نہیں پا سکتے۔

پس یہ وہ دروازہ ہے جس سے گزر کر ہم اپنے مقصد کو پا لیتے ہیں اور اسلام کے غلبہ کی عمارت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک ہمارے مقصد کا تعلق ہے وہ واضح ہے کہ قرآن کریم میں ہمارا فریضہ اسلام کو دوسرے ادیان پر غالب کرنے میں کوشاں رہنا بیان فرمایا ہے لیکن جہاں تک عمل کا سوال ہے اس میں ہم تہی دست ہیں۔

باتیں سننا بھی ضروری ہے اور اچھی باتیں سننی چاہئیں، لیکن اب عمل کا زمانہ ہے باتیں کم سنو عمل زیادہ کرو۔............

تقسیم ہند کے بعد قتل و غارت، لوٹ مار، خیانت، بددیانتی کے جو واقعات پیش آئے ان کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا۔

مجھے افسوس ہے کہ ان شنیع افعال کے ارتکاب سے ہماری جماعت بھی محفوظ نہیں رہ سکی۔ بیشک جماعت کے بعض افراد نے شاندار نمونہ دکھایا ہے لیکن بعض افراد نے اس موقع پر انتہائی کمزوری کا مظاہرہ کیا ہے۔ افسوس ہے کہ بحیثیت جماعت، جماعت نے اچھا نمونہ نہیں دکھایا۔ ہمیشہ مصائب کا زمانہ ہی ایمان کے امتحان کا زمانہ ہوتا ہے لیکن بعض لوگ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ (الفضل ۲۶ ؍دسمبر ۱۹۴۸ء)

---

۱ البقرة: ۱۹۰ ۲ البقرة: ۱۴۹

تقریر جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ لاہور

(۱۹۴۸ء)

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

تقریر جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ لاہور ۱۹۴۸ء

(فرمودہ ۲۶؍دسمبر ۱۹۴۸ء بمقام لاہور)

(غیر مطبوعہ)

تشہّد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

کھانسی کی موجودہ تکلیف کے بعد مجھے کسی لمبی تقریر کرنے کا موقع نہیں ملا۔ یہ پہلا موقع ہے جو مجھے ملا ہے اور گو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے پہلے کی نسبت آرام ہے لیکن چونکہ کھانسی کی تکلیف ابھی باقی ہے اس لئے شاید میں کوئی لمبی تقریر نہ کرسکوں میری آواز بھی اِس وقت بیٹھی ہوئی ہے علاوہ اس کے وہ بھرائی ہوئی ہے لیکن لاؤڈ سپیکر کی وجہ سے میں سمجھتا ہوں کہ میری آواز اِنْشَاءَ اللّٰہ دوستوں تک پہنچ جائے گی اور میں اپنے اُن مختصر خیالات کے اظہار کا موقع پا سکوں گا جن کے اظہار کے لئے میں اِس وقت کھڑا ہوا ہوں۔

جیسا کہ احباب کو معلوم ہے آج کا جلسہ لاہور کی مقامی جماعت کا جلسہ ہے یہ ہمارا جلسہ سالانہ نہیں جو مرکزی جلسہ ہوا کرتا ہے۔ مرکزی جلسہ سالانہ کے متعلق ہمارا ارادہ تھا کہ اِس سال اپنے نئے مرکز میں کیا جائے اور وہ جلسہ ہمارے نئے مرکز کا پہلا جلسہ ہو لیکن بہت سی مشکلات کی وجہ سے جو ہمارے رستہ میں حائل ہوگئیں ہم اس ارادہ کو پورا نہیں کر سکے۔ وہاں اِس وقت تک کوئی عمارت تعمیر نہیں ہوسکی کیونکہ ابھی تک حکومت کے پاس سے کاغذات نہیں نکلے۔ ابھی تک یہی بحث ہو رہی ہے کہ اس جگہ کس شان کا اور کیسے کیسے نئے دریافت شدہ اصولوں کے مطابق شہر بسایا جائے۔ گو حقیقت یہی ہے کہ ہم تو مشرقی پنجاب کے مہاجر ہیں اور

مہاجر بھی ایسے جن کی جائیدادوں کو نہ بیچنے کی اجازت ہے اور نہ یہاں لانے کی اجازت ہے جو جائیداد یہاں لائی نہیں جا سکتی اسے فروخت کرنے کی اجازت نہیں اور جو لائی جا سکتی ہے اسے یہاں لانے کی اجازت نہیں۔ ایسے لوگوں کے پاس روپیہ آیا کہاں سے جس سے وہ جدید ترین طریقوں پر ایک عظیم الشان شہر بسا سکیں۔ اِس موقع پر کسی بڑے شہر کے بسانے کا خیال بھی ہمارے دلوں میں نہیں آ سکتا۔ مگر بہرحال ان دقتوں کی وجہ سے ہم وہاں جلسہ نہیں کر سکے کیونکہ آجکل سردی کا موسم ہے اور اس موسم میں بغیر اس کے کہ عمارتیں بنی ہوئی ہوں اور ہر قسم کے سامان مہیا ہوں جن سے انسان سردی سے بچ سکے کوئی اجتماع نہیں کیا جا سکتا اس لئے بڑے غور و فکر کے بعد ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جلسہ سالانہ ان دنوں کی بجائے ایسٹر ہالیڈیز (EASTER HOLIDAYS) میں کیا جائے۔ ان دنوں چونکہ گرمی ہوتی ہے اس لئے رہائش کیلئے مکانوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر خدانخواستہ ان دنوں میں عمارتیں تعمیر کرنے کا کوئی انتظام نہ بھی ہوا تو ہم جنگل میں بستر بچھا کر یا جو چیز بھی میسر آئی نیچے بچھا کر سو رہیں گے اور دن کے وقت اپنی ہی چادریں پھیلا کر اور ان کے شامیانے بنا کر تقریریں کر لیا کریں گے اور اگر اُس وقت تک خدا تعالیٰ نے عمارتیں تعمیر کرنے کی کوئی صورت پیدا کر دی تو اس سے بہتر جس قدر بھی ہو سکا سامان مہیا کرنے کی کوشش کریں گے بہرحال جلسہ سالانہ ایسٹر کی تعطیلات میں ہوگا۔ اس جلسہ کے التوا سے جماعت احمدیہ لاہور نے فائدہ اُٹھا کر یہ فیصلہ کیا کہ ہم اس موقع پر اپنا جلسہ کر لیتے ہیں اور اُن کے ساتھ اس ارادہ کے نتیجہ میں بہت سی بیرونی جماعتوں کے افراد بھی آ گئے اور انہیں بھی اس اجتماع میں شامل ہونے کا موقع مل گیا۔ اس طرح میں سمجھتا ہوں لاہور کی جماعت کو بھی ثواب مل گیا اور دوسرے لوگوں کو بھی ایک کی بجائے دو نیک تقریبوں میں شامل ہونے کا موقع مل جائے گا۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہمارا جلسہ سالانہ جو آئندہ ہوگا وہ ایسٹر ہالیڈیز میں ہوگا اور ہمارا ارادہ ہے کہ وہ اُسی جگہ کیا جائے جہاں ہم نیا مرکز بنانا چاہتے ہیں اس لحاظ سے وہ ہمارے نئے مرکز کا پہلا جلسہ ہوگا۔ اس لئے ان دوستوں کے ذریعہ جو بیرونجات سے آئے ہوئے ہیں یا جو جلسہ پر تو نہیں آ سکے لیکن اخبار کے ذریعہ ان تک آواز پہنچ سکتی ہے میں جماعت کے احباب کو

توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ وہ اس موقع پر زیادہ سے زیادہ جمع ہونے کی کوشش کریں۔ نئے مرکز میں ہمارا پہلا سالانہ جلسہ ہونے کی وجہ سے یہ خاص طور پر ایک دعائیہ جلسہ ہوگا تا اللہ تعالیٰ ہمارے وہاں رہنے کو بابرکت بنائے۔ ہمارے لئے بھی اور ہم سے بھی زیادہ اسلام اور سچائی کیلئے اور خدا تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کیلئے۔ پس احباب جس قدر زیادہ اس جلسہ میں شامل ہوسکیں شامل ہوں بلکہ ابھی سے اس کیلئے تیاری شروع کر دیں لیکن احباب یہ بھی یاد رکھیں کہ اس سال وہاں کھانے کا سامان اکٹھا نہیں ہوسکا۔ آجکل غلّہ کی قلت ہے اور اس کی خرید پر گورنمنٹ کی طرف سے پابندیاں عائد ہیں جن کی وجہ سے ہم غلّہ جمع نہیں کر سکتے دوسرے غلّہ کی قیمت اتنی بڑھ گئی ہے کہ جماعت کے لئے اس کا خریدنا مشکل ہے اور پھر ایسے زمانہ میں جب کہ جماعت کی تمام دولت اور مال مشرقی پنجاب میں رہ گیا ہے غلّہ خریدنا آسان کام نہیں۔ ان مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اپنے زمیندار بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ ہر وہ شخص جو اس سال جلسہ پر آئے یا وہ افراد جو جلسہ پر آئیں اپنے ساتھ تین تین سیر گیہوں یا آٹا فی کس کے حساب سے لیتے آئیں ان تین سیر میں سے ایک کھانا گیہوں یا آٹا لانے والے کا ہوگا اور ایک کھانا ایک ایسے شخص کا ہوگا جو غریب ہے یا شہری ہے اور باوجود کوشش کے اپنے ساتھ گیہوں یا آٹا نہیں لاسکتا۔ یعنی ڈیڑھ سیر فی کس کھانے کا اندازہ ہے۔ اُن تین سیر گیہوں یا آٹا میں سے ڈیڑھ سیر اُس فرد کا ہوگا اور ڈیڑھ سیر ایک اور شخص کا ہوگا جو خدا تعالیٰ کے دفتر میں اس کا مہمان لکھا جائے گا۔ اگر سب لوگ اس پر عمل کریں تو گندم اتنی کافی جمع ہو جائے گی جس سے جلسہ کے ایام بغیر کسی ایسی تکلیف کے جو منتظمین کیلئے ہو یا مہمانوں کیلئے ہو آسانی کے ساتھ گزر سکیں گے۔

اس موقع پر میں یہ بھی ذکر کر دینا چاہتا ہوں کہ اس جلسہ پر بھی عورتیں نہیں آسکیں۔ اوّل تو اس لئے کہ یہ جلسہ لاہور کی جماعت کا تھا۔ کچھ عورتیں آئی ہیں مگر اتنی نہیں جتنی قادیان میں آیا کرتی تھیں۔ قادیان میں اگر جلسہ کے موقع پر تیس ہزار آدمی آتے تھے تو پندرہ ہزار کے قریب عورتیں ہوا کرتی تھیں اور جلسہ میں حاضری بھی ایسی ہی رہتی تھی۔ مجھے یاد ہے آخری جلسہ سالانہ میں ہم نے مردم شماری کرائی تو مردانہ جلسہ گاہ میں ستائیس ہزار مرد تھے اس کے مقابلہ میں عورتوں کی تعداد تیرہ ساڑھے تیرہ ہزار تھی۔ دوسری میٹنگ میں تیس اکتیس ہزار مرد تھے اور

اس کے مقابلہ میں پندرہ سولہ ہزار کے قریب عورتیں تھیں۔ گو پچھلے دو سال سے عورتیں جلسہ سالانہ میں حصہ نہیں لے رہیں لیکن جب جلسہ سالانہ اس جگہ پر جہاں ہمارا عارضی مرکز بنے گا قائم ہوگا تو عورتوں اور بچوں کو بھی اس میں آنے کی اجازت ہوگی۔ اگر جلسہ سالانہ سے پہلے کچھ عمارتیں تعمیر ہو گئیں تو عورتیں اور بچے ان میں گزارہ کر لیں گے اور مرد باہر میدان میں سو رہیں گے اور اگر مکانات تعمیر نہ ہوئے تو عورتوں اور بچوں کے لئے قناتیں لگا دی جائیں گی چونکہ گرمی کا موسم ہوگا اس لئے عورتیں پردے کے اندر گزارہ کر سکیں گی اور مرد باہر گزارہ کر لیں گے۔ بہرحال یہ ایک نہایت ہی خوش کن اور ایمان افزاء نظارہ ہوگا۔ خانہ کعبہ میں تو یہ نظارہ ہر سال نظر آتا ہے مکہ میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی کہ سب لوگ آسانی کے ساتھ بسر کر سکیں۔ لوگ رات کو سڑکوں پر ہی سو رہتے ہیں۔ مکہ کا موسم چونکہ اتنا ٹھنڈا نہیں ہوتا اس لئے زیادہ تکلیف محسوس نہیں ہوتی لوگ سڑکوں اور میدانوں میں پڑے رہتے ہیں اور جن لوگوں کو کمرے مل جاتے ہیں وہ بھی ایک ایک کمرہ میں پچیس پچیس تیس تیس ہوتے ہیں اور بعض لوگ تو کمرے لے لیتے ہیں مگر ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ رات کو باہر سو گئے اور صبح اُٹھ کر سامان کمرہ میں رکھا اور تالا لگا دیا۔ اس جلسہ پر بھی یہی نظارہ نظر آئے گا۔ درحقیقت وہ ابتدائی سادگی جو انسانی فطرت میں پیدا کی گئی ہے وہی دنیا میں حقیقی امن پیدا کر سکتی ہے۔ جب تک لوگ تکلفات میں پڑے رہیں گے، جب تک لوگ ایسا طریق عمل تلاش کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے نہیں بنایا بلکہ انسانوں نے بنایا ہے اُس وقت تک حقیقی امن قائم نہیں ہوگا۔ حقیقی امن اُسی وقت قائم ہوگا جب انسان اپنی زندگی کو سادہ بنا کر ان چیزوں پر اکتفا کرے گا جو خدا تعالیٰ نے اس کیلئے بنائی ہیں یا نیچر نے اس کے لئے پیدا کی ہیں۔ تب ضرورت کے مطابق اسے چیزیں مل سکیں گی اور حسد اور کینہ جاتا رہے گا۔ لڑائیاں جاتی رہیں گی فتنے اور فساد مٹ جائیں گے اور لوگ امن اور پیار کی زندگی بسر کر سکیں گے۔

اسی طرح میں یہ بھی تحریک کرتا ہوں کہ لوگ اپنی اپنی جگہ جا کر دالیں بھی جمع کریں۔ یہ دالیں بطور چندہ کے ہونگی مگر یہ چندہ جلسہ سالانہ کے چندہ کے علاوہ ہوگا۔ یہ گویا نئے مرکز میں ہمارے پہلے جلسہ سالانہ کے انتظام کیلئے خاص چندہ ہوگا۔ ہر ایک شخص اپنی توفیق کے مطابق

جتنی دال دے سکتا ہے دے دے۔ دال ماش، چنا، مونگ اور مسور ثابت ہوں اور اگر چنے اور ماش ثابت بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں اگر یہ چیزیں دو تین ماہ پہلے آ جائیں تو دال تیار کرائی جاسکتی ہے۔ تھوڑی تھوڑی چیز جمع کر کے اتنی کافی ہو جاتی ہے کہ اس سے کام چل سکتا ہے۔

میں ایک اور تحریک بھی کرنا چاہتا ہوں اِس وقت ربوہ میں چیزیں ویسی ہی سستی ہیں جیسے گاؤں میں سستی ہوا کرتی ہیں لیکن جونہی وہاں قصبہ بنے گا لوگ چیزوں کو گراں کرنا شروع کر دیں گے جس وقت ہمارے آدمی وہاں گئے ہیں روپے کا چار پانچ سیر دودھ ملتا تھا مگر جوں ہی وہاں پچاس ساٹھ خیمے لگائے گئے دودھ مہنگا ہو گیا۔ اب وہاں روپے کا تین سیر دودھ ملتا ہے۔ اگر وہاں قصبہ بن گیا تو وہی لاہور والا حساب ہو جائے گا یعنی دودھ پونے دوسیر فی روپیہ کے حساب سے ملے گا۔ پس ایسے علاقوں کے لوگ جہاں بھینسیں کثرت سے پالی جاتی ہیں یا وہ لوگ جن کے پاس بھینسیں ہوں انہیں اِس طرف توجہ کرنی چاہئے۔ ایسے لوگ جن کے پاس بھینسیں ہوتی ہیں وہ بسا اوقات خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کیلئے صدقے بھی دیتے رہتے ہیں جس میں بھینسیں وغیرہ دے دیتے ہیں۔ پس وہ لوگ جن کے پاس بھینسیں ہوں یا جن کے دل میں خدا تعالیٰ یہ ڈالے کہ ایک بے آب وگیاہ جگہ میں رہنے والے لوگ خدا تعالیٰ کے فضل کو دودھ کی شکل میں پئیں اُن کو میں یہ تحریک کرتا ہوں کہ وہ ایسی بھینسیں جو کارآمد ہوں اور دودھ دینے والی ہوں مرکز کو ھدیۃً پیش کریں۔ میرا خیال ہے کہ وہاں جانے سے پہلے وہاں اتنی بھینسیں جمع کر دی جائیں کہ ہمیں اِردگرد کے علاقہ سے دودھ نہ خریدنا پڑے اور علاقہ میں اشیاء کی قیمتیں بِلا وجہ گراں نہ ہو جائیں۔

میں نے ربوہ میں عمارتیں تعمیر کرنے کیلئے یہ تحریک کروائی تھی کہ کاریگر اپنا نام پیش کریں چنانچہ کئی سَو لوہار، بڑھئی اور دوسرے کاریگروں کی درخواستیں آ گئی ہیں۔ ایسے لوگوں سے اگر وہ یہاں ہوں (اگر وہ یہاں نہیں ہیں تو اُن کو اطلاع دے دی جائے) میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ پابہ رکاب رہیں۔ مرکز کی طرف سے جس وقت انہیں اطلاع ملے فوراً وہاں پہنچ جائیں اور کام شروع کر دیں۔ ہمارے لئے ایک ایک دن نہایت قیمتی ہے اور ایک ایک دن کی دیر ہمارے لئے مُضر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ہمیں وہاں تعمیر کی اجازت دلا دے فوراً ہی ہمیں سینکڑوں معمار،

بڑھئی اور درجنوں لوہار اور دوسرے پیشہ ور درکار ہوں گے جو وہاں عارضی طور پر رہنا چاہیں یا مستقل طور پر رہائش اختیار کرنا چاہیں۔ عارضی وہ جو وہاں رہائش اختیار کرنا نہیں چاہتے اور مستقل وہ جن کا یہ ارادہ ہو کہ وہ وہیں بس جائیں۔

ربوہ کی زمین کے متعلق بعض غلط فہمیاں بھی پیدا ہوگئی ہیں جن کے متعلق میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ربوہ ہم نے اس زمین کا نام رکھا ہے جو نیا شہر بسانے کیلئے گورنمنٹ سے خریدی گئی ہے۔ ابھی تک ہمیں وہاں عمارت بنانے کی اجازت نہیں ملی جو زمین ذاتی ہو اُس پر ہر وقت عمارتیں تعمیر کی جاسکتی ہیں مگر جو زمین گورنمنٹ سے خریدی گئی ہو اُس کا نقشہ جب تک حکومت پاس نہ کرے کسی قسم کی تعمیر کی اجازت نہیں ہوتی۔ پس بوجہ گورنمنٹ کی زمین ہونے کے جب تک نقشہ کی منظوری نہ ملے ہم وہاں کوئی عمارت نہیں بنا سکتے۔ یہ زمین جو خریدی گئی ہے اس کے متعلق لوگوں میں مختلف قسم کی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں مثلاً بعض لوگوں نے زمین کی قیمت بھجوائی لیکن اس قیمت پر انہیں زمین نہیں دی گئی۔ اس کی پہلے بھی وضاحت کی گئی تھی اور اب بھی اُس کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں۔ مؤمن کا ذہن تیز اور اُس کی عقل صاف ہونی چاہئے کیونکہ مؤمن کے سپرد جتنا کام ہوتا ہے وہ اگر کند ذہنی سے کام لے تو وہ اس کو پورے طور پر سرانجام نہیں دے سکتا۔ مؤمن کا ذہن اتنا تیز ہونا چاہئے کہ وہ سنتے ہی بات کو سمجھ جائے۔

ربوہ کے متعلق جو پہلے اعلان کیا گیا تھا یہ تھا کہ ۵۰۰ کنال تک زمین کی قیمت سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے لی جائے گی اور پندرہ اکتوبر تک لی جائے گی۔ اس اعلان کے یہ صاف معنی تھے کہ ۵۰۰ کنال تک زمین کی قیمت ایک سَو روپیہ فی کنال ہوگی یا پندرہ اکتوبر تک زمین کی قیمت ایک سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے لی جائے گی۔ اب اگر پندرہ اکتوبر تک ۵۰۰ کنال زمین پوری فروخت نہ ہوتی تب بھی یہ تاریخ گزرنے پر قیمت بدل جاتی اور اگر پندرہ اکتوبر سے پہلے ۵۰۰ کنال زمین ختم ہوتی تب بھی قیمت بدل جاتی اِس قسم کی عبارت کے ہمیشہ یہ معنی ہوا کرتے ہیں کہ ان دونوں میں سے جو چیز بھی پہلے ختم ہو جائے گی اُس کے ساتھ ہی قیمت بھی ختم ہو جائے گی۔ اگر ۵۰۰ کنال پندرہ اکتوبر تک بکے تو پندرہ اکتوبر تک تو وہ زمین ایک سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے مل جائے گی لیکن اس تاریخ کے بعد اِسی نرخ پر زمین نہیں ملے گی اسی

طرح اگر ۵۰۰ کنال ختم ہو جائے اور مقررہ تاریخ میں خواہ پندرہ دن باقی ہوں تو چونکہ رقبہ ختم ہوگیا اس لئے باقی دنوں میں زمین اسی قیمت پر نہیں ملے گی۔ مگر دوستوں نے اس اعلان کو نہ سمجھا وہ سمجھتے رہے کہ انہیں لازمی طور پر ۱۵ / اکتوبر تک ایک سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے زمین ملے گی پس جن لوگوں کو بتایا گیا کہ وہ زمین جس کے متعلق یہ اعلان کیا گیا تھا کہ وہ ایک سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے ملے گی وہ ختم ہوگئی ہے اور اب اس نرخ پر زمین نہیں مل سکتی تو انہوں نے اعتراض کرنے شروع کر دیئے لیکن یہ درست نہیں یہ دونوں چیزیں بہ یک وقت اخبار میں شائع شدہ موجود ہیں یعنی ۵۰۰ کنال ایک سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے دی جائے گی اور پندرہ اکتوبر تک ملے گی۔ اس زمین کو بعد میں ۸۰۰ کنال بھی کر دیا گیا مگر وہ ۸۰۰ کنال بھی ۶ یا ۷/ اکتوبر تک ختم ہوگئی اور اس کے بعد جو درخواستیں موصول ہوئیں وہ ردّ کر دی گئیں لیکن بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے وہ اتنی وضاحت کے باوجود اتنے بھولے پن سے جواب دیتے ہیں کہ اگر نظام کا سوال نہ ہوتا تو شاید اُن کے بھولے پن کی وجہ سے میں صدر انجمن احمدیہ کو مشورہ دیتا کہ اُن کو اِسی قیمت پر زمین دے دی جائے۔

کہتے ہیں کہ جہانگیر بادشاہ نے نور جہاں کے ہاتھ میں دو کبوتر دے کر کہا کہ انہیں پکڑے رکھنا چھوڑنا نہیں اور خود کسی کام کیلئے چلا گیا۔ نور جہاں ابھی بچی تھی اس کے ہاتھ سے اتفاقاً ایک کبوتر اُڑ گیا۔ جہانگیر واپس آیا تو اُس نے نور جہاں سے پوچھا کہ دوسرا کبوتر کہاں گیا؟ اس نے جواب دیا اُڑ گیا ہے۔ جہانگیر نے پوچھا کس طرح؟ نور جہاں نے دوسرا کبوتر اپنے ہاتھ سے چھوڑتے ہوئے کہا کہ اس طرح۔ کہتے ہیں جہانگیر کا نور جہاں سے عشق یہیں سے شروع ہوا تھا۔ اِس واقعہ میں کوئی حقیقت ہو یا نہ ہو بہرحال بعض لوگوں کی سادگی ایسی انتہاء تک پہنچ گئی ہے کہ اگر نظام کا سوال نہ ہوتا تو شاید میں انہیں اسی قیمت پر زمین دے دینے کی سفارش کر دیتا۔ بعض دوستوں نے لکھا ہے کہ ہم نے تو روپیہ ۱۴/ اکتوبر کو بھیج دیا تھا دفتر والوں نے انہیں یہ جواب دیا کہ ۸۰۰ کنال زمین ختم ہوگئی ہے اور اب اِس قیمت پر زمین نہیں مل سکتی اب زمین کا نرخ دوسَو روپیہ فی کنال ہے اگر آپ اِس قیمت پر زمین لینا چاہیں تو زمین مل سکتی ہے مگر آپ جلدی اطلاع دیں کہ آیا آپ کے لئے ایک سَو روپیہ میں ۱۰ مرلہ زمین وقف کر دی جائے

یا آپ اور روپیہ بھیج دیں گے تا آپ کے نام پر پوری ایک کنال زمین ریز رو کر دی جائے۔ بجائے اس کے کہ وہ دفتر والوں کو اطلاع دیتے کہ ان کے لئے دس مرلہ زمین ہی ریز رو کر دی جائے یا وہ ایک سَو روپیہ اور بھیج دیں گے اور ان کے نام پر ایک کنال زمین ریز رو کر دی جائے اُنہوں نے بحث جاری رکھی اور مجھے لکھنا شروع کر دیا کہ حضور نے فرمایا تھا کہ ۱۵/ اکتوبر تک زمین ایک سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے دی جائے گی ہم نے ۱۵/ اکتوبر سے پہلے روپے ارسال کر دیئے تھے پھر ہمیں زمین سَو روپیہ پر کیوں نہیں ملتی؟ اور اس عرصہ میں وہ دوسَو روپیہ کنال والی زمین بھی ختم ہوگئی اور دفتر والوں نے انہیں لکھا کہ اب زمین کی قیمت تین سَو روپیہ فی کنال ہے اگر آپ پچاس روپیہ اور بھیج دیں تو آپ کیلئے دس مرلہ زمین ریز رو ہو سکتی ہے اور اگر آپ مزید روپیہ نہیں بھیجنا چاہتے تو اپنا روپیہ واپس لے لیں کیونکہ دس مرلہ سے کم زمین نہیں مل سکتی۔ اس پر انہوں نے یہ لکھنا شروع کر دیا کہ ابھی تو آپ دوسَو روپیہ پر ایک کنال زمین دے رہے تھے اور اب آپ لکھ رہے ہیں کہ زمین تین سَو روپیہ پر ملے گی ہمیں دوسَو روپیہ فی کنال کے حساب سے زمین لینی منظور ہے۔ پھر وہ ایسی بحث میں مشغول رہے اور زمین کی قیمت ۵۰۰ سَو روپیہ فی کنال ہوگئی اور انہیں لکھ دیا گیا کہ اب زمین کی قیمت پانچ سَو روپیہ فی کنال ہے اگر آپ زمین لینا چاہتے ہیں تو اور روپیہ بھیج دیں ورنہ آپ اپنی رقم واپس لے سکتے ہیں۔ اُنہوں نے لکھا کہ ابھی تو آپ تین سَو روپیہ پر ہمیں ایک کنال دے رہے تھے اور اب آپ کہتے ہیں کہ زمین کی قیمت پانچ سَو روپیہ فی کنال ہوگئی ہے۔ ہمیں تین سَو روپیہ پر ایک کنال منظور ہے۔ آپ ہمیں اِسی قیمت پر زمین دے دیں۔ غرض ان کے بھولے پن کی وجہ سے زمین کی قیمت ایک سَو روپیہ سے پانچ سَو روپیہ فی کنال ہوگئی اور ابھی قیمتیں یقیناً اور بڑھیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ قلیل سے قلیل حیثیت کا قصبہ بھی پچیس تیس لاکھ روپیہ کے بغیر تعمیر نہیں ہو سکتا اور یہ ایسی عمارتیں ہونگی جو سارے قصبہ کے کام آئیں گی۔ اب یہ صاف بات ہے کہ یہ روپیہ کوئی ایک شخص نہیں دے گا بلکہ یہ خرچ تمام قصبہ پر پڑے گا۔

قادیان کے لوگوں کی تکالیف کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے زمین کا کافی رقبہ اُن لوگوں کیلئے مخصوص کر دیا تھا تا کہ جو نئے مرکز میں مکان کیلئے زمین لینا چاہیں وہ ایک سَو روپیہ فی کنال

کے حساب سے لے لیں اور کچھ لوگوں کو زمین مفت بھی دی گئی ہے کیونکہ بعض لوگ اتنے غریب تھے کہ وہ ایک سَو روپیہ کنال کے حساب سے بھی زمین نہیں خرید سکتے تھے۔ زمین کا سارا رقبہ جو قابل عمارت ہے وہ چار ہزار کنال ہے۔ اس میں سے دو ہزار کنال تو ایسی عمارتوں کے لئے ہے جو جماعتی عمارتیں ہیں مثلاً مساجد ہیں، کالج ہے، مقبرے ہیں، عید گاہ ہے، دفاتر ہیں، ہسپتال ہے۔ ان پر نصف کے قریب زمین خرچ ہو جائے گی۔ باقی دو ہزار کنال زمین رہ جاتی ہے اب اگر اس دو ہزار کنال زمین کو سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے بیچیں تو صرف دو لاکھ روپیہ مل سکتا ہے پچیس لاکھ روپیہ نہیں مل سکتا اور اگر یہ زمین پانچ سَو روپیہ فی کنال کی اوسط پر بِکے تو دس لاکھ روپیہ مل سکتا ہے لیکن اگر صحیح طور پر بھی خرچ کیا جائے تو نیا قصبہ بنانے پر کم سے کم ۲۵ لاکھ روپیہ صرف ہونا چاہئے۔ ہم نے کچی عمارتیں بنانے کا فیصلہ کیا ہے تب بھی ہمارا خرچ کا اندازہ ۱۳ لاکھ روپیہ ہے اور یہ صاف بات ہے کہ اگر زمین ۵۰۰ سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے بِکے تب بھی اس سے ۱۳ لاکھ روپیہ نہیں آ سکتا۔ اگر اوسط قیمت چھ سَو روپیہ فی کنال ہو پھر کہیں ۱۲ لاکھ روپیہ آ سکتا ہے اور اگر ساڑھے چھ سَو روپیہ فی کنال ہو تو پھر تیرہ لاکھ روپیہ آ سکتا ہے۔ اب چونکہ قریباً ایک ہزار کنال تو ایک سَو روپیہ فی کنال کے نرخ پر ہی بِک گئی ہے اس لئے اس کے یہ معنی ہیں کہ باقی زمین کی قیمت اتنی بڑھائی جائے کہ دس بارہ لاکھ روپیہ مل جائے اور یہ روپیہ آ نہیں سکتا جب تک کہ زمین ہزار ڈیڑھ ہزار روپیہ فی کنال کے حساب سے نہ بِکے۔ ہمارے لئے اِس وقت دو ہی راستے ہیں یا تو یہ کہ یہ رقم ہم خریداروں سے لیں اور یا یہ کہ بطور چندہ جماعت سے اکٹھی کریں۔ اب یہ صاف بات ہے کہ باقی لوگوں کے لئے کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہ اس کے لئے چندہ دیں۔ وہ لوگ کہیں گے کہ یہ چیزیں تو مقامی ضرورتوں کیلئے ہیں جب ہم وہاں نہیں رہتے تو ہم چندہ کیوں دیں۔ بے شک ایسے مخلص لوگ بھی ہونگے جو چندہ دیں گے مگر اخلاقی طور پر وہ اس سوال کا حق رکھتے ہیں کہ وہ کیوں چندہ دیں۔ بہرحال اخراجات کا بیشتر حصہ انہی لوگوں پر پڑے گا جو وہاں آباد ہونگے اور یہ اسی طرح ہی ہوسکتا ہے کہ زمین کی قیمت پانچ سَو، سات سَو، ایک ہزار بلکہ ڈیڑھ ہزار روپیہ فی کنال کر دی جائے۔ پس جن لوگوں نے وہاں مکانات بنانے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ بحث چھوڑیں اور جلدی سے رقبہ

محفوظ کرا لیں۔ مجھے ابھی تک خط آ رہے ہیں کہ ہمیں دو سَو روپیہ یا تین سَو روپیہ پر زمین دے دی جائے حالانکہ کچھ عرصہ کے بعد پانچ سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے بھی زمین نہیں مل سکے گی۔ اگر یہ لوگ بحث ہی کرتے رہے تو وہ موجودہ نرخ پر زمین خریدنے سے بھی محروم رہ جائیں گے۔ ہم ربوہ کی آبادی کے لئے عمارتی سامان بھی اکٹھا کر رہے ہیں کیونکہ عقل یہ چاہتی ہے کہ عمارتوں کی تعمیر پر کم سے کم خرچ ہو اور ہم اِس کام کو تنظیم کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ایسے نقشے تیار کروا رہے ہیں جن کے مطابق مکان سستے سے سستا بن سکے۔ ہم نے انجینئروں کو ہدایتیں دی ہیں کہ مختلف ممالک میں جو نئی ترکیبیں مکانات بنانے کی نکلی ہیں اُن کے مطابق اور مختلف انجینئروں سے مشورہ کرنے کے بعد وہ طریق دریافت کریں جس سے مضبوط اور صحت افزاء مکانات کم سے کم خرچ میں تیار ہو سکیں۔ اِس وقت تک جو ہم نے اندازہ لگایا ہے اُس کے مطابق مکان اگر تین کمروں کا ہو اور اُس کے ساتھ برآمدہ، پاخانہ[۱]، باورچی خانہ اور چاردیواری ہو، بنیادیں پکی ہوں اور عمارت کچی ہو تو اکتیس سَو روپیہ میں بن سکتا ہے۔ اِس سے گھٹیا درجہ کے مکان کا اندازہ اس سے کم ہے۔ ہمارا آخری اندازہ یہ ہے کہ ایک معمولی مکان جس میں دو تین کمرے ہوں سات آٹھ سَو روپیہ میں بن سکتا ہے۔ آجکل چیزیں بہت گراں ہیں اور انہیں حاصل کرنا اور بھی مشکل ہے لیکن پھر بھی بعض صورتوں میں تو ہمارا اندازہ ہے کہ دو کمرے والا مکان غالباً چار پانچ سَو روپیہ میں ہی بن جائے گا۔ یہی روپیہ جو ربوہ کی قیمت کے طور پر آیا ہے اس سے ہم نے سامان اکٹھا کرنا شروع کر دیا ہے۔ ہمیں جہاں جہاں سامان کا پتہ چلتا ہے ہم اُسے خریدنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک ایروڈرام کی عمارتیں نیلام ہو رہی تھیں اُس کا سامان ہم نے خرید لیا ہے اس میں سینکڑوں بالے، روشندان، کھڑکیاں اور دروازے وغیرہ ہیں۔ اگر وہ سامان بازار سے خریدا جاتا تو وہ پندرہ سولہ ہزار میں بھی نہیں مل سکتا تھا۔ اِسی طرح لکڑی اور لوہے کا سامان حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ پس وہ لوگ جو چاہتے ہوں کہ ربوہ میں مکان بنوانے کا کام فوراً شروع کرا دیں تو وہ خزانہ میں روپیہ جمع کرا دیں تا جب بھی سامان خریدا جائے، انہیں اصل لاگت پر مہیا کر دیا جائے۔ صرف پانچ فیصدی مرکزی اخراجات کے لئے ان سے لیا جائے گا اور کوئی نفع نہیں لیا جائے گا۔

ربوہ میں مکانات بنوانے کے متعلق بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس کی مدت بہت کم رکھی گئی ہے۔ اخبار الفضل میں اس کے متعلق اعلان ہونے پر مختلف لوگوں کی طرف سے مختلف قسم کے سوالات کئے گئے ہیں۔ جن کے جوابات بھی دیئے گئے تھے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اُن کے متعلق پھر کچھ کہہ دوں۔

قریب میں ہی مجھے ایک رؤیا ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسی بات ہے جو بہت سے لوگوں کے دلوں میں ابھی تک قائم ہے۔ دو تین دن کی بات ہے مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ کوئی دوست آئے ہیں اُس وقت میری جیب میں بہت سی قلمیں ہیں جن میں سے کچھ کانے کی ہیں اور کچھ فاؤنٹین پن ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اُس دوست کو تبرک کے طور پر کچھ دوں۔ چنانچہ میں نے چاہا کہ کانے کی خوبصورت قلمیں جو میری جیب میں ہیں اُن میں سے کچھ اُسے بطور تبرک کے دے دوں۔ میں نے جب انہیں جیب میں سے نکال کر دیکھا تو وہ ٹوٹی ہوئی تھیں۔ میں اپنے ذہن میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اُسے صرف بطور تبرک کے کچھ چاہئے اور جو چیز بطور تبرک دی جاتی ہے اس کے لئے صرف یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ جسم کے ساتھ چھوئی ہوئی ہو یا کچھ عرصہ ساتھ رہی ہو۔ اس کا سلامت ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں نے کہا کہ یہی بطور تبرک دے دیتا ہوں۔ ان لوگوں میں جو میرے سامنے کھڑے ہوئے ہیں ڈاکٹر عبدالحق صاحب ڈینٹسٹ (DENTIST) بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ نے ربوہ میں مکانات بنانے کے لئے جو شرط لگا دی ہے کہ دو ماہ کے اندر اندر بنائے جائیں اِس پر کیسے عمل ہو سکتا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اخبار میں چھ ماہ کے اندر مکان تعمیر کرنے کا اعلان ہوا تھا مگر ہو سکتا ہے کہ کہیں دو ماہ بھی لکھا گیا ہو۔ مجھ سے بعض لوگوں نے بیداری میں بھی دو ماہ کی ہی مدت کا ذکر کیا ہے بہرحال ڈاکٹر صاحب خواب میں مجھ سے یہی کہتے ہیں۔ میں انہیں کہتا ہوں اصل چیز تو یہ ہے کہ ہمیں مکان بنانے کی نیت کر لینی چاہئے۔ پھر اس میں جو مشکلات پیش آئیں گی وہ سب کیلئے ہونگی۔ چھ ماہ کی مدت تو اس لئے رکھی گئی ہے تا جماعت کے اندر ایک بیداری پیدا ہو جائے اور وہاں جلد آبادی ہو جائے۔ اس خیال کی وجہ سے کہ کوئی شخص اس عرصہ میں مکان کیسے تعمیر کرے گا ربوہ میں زمین خریدنے سے اُسے نہیں رُکنا چاہئے۔ اس رؤیا سے معلوم ہوتا ہے کہ

بہت سے لوگوں کے دلوں میں ایسا خیال پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے مجھے یہ رؤیا ہوئی ہے۔ یہ سیدھی بات ہے کہ جو مشکلات ان کے سامنے پیش آئیں گی وہ ساروں کے لئے ہونگی اگر وہ ناقابل برداشت ہونگی تو صرف اُن کیلئے ہی ناقابل برداشت نہیں ہونگی بلکہ سب کے لئے ناقابل برداشت ہونگی اور اگر قابل حل ہوئیں تو جیسے باقی حل کر لیں گے وہ بھی حل کر لیں۔ بہرحال یہ سیدھی بات ہے کہ کوئی شخص کسی سے ناممکن کام نہیں کرا سکتا جو مشکلات پیش آئیں گی انہیں حل کرنے کی کوشش کی جائے گی کیونکہ یہ عقل کے خلاف ہے کہ سلسلہ جماعت کے دوستوں کو اُس کام کے کرنے پر مجبور کرے جس کا کرنا ان کے لئے ناممکن ہو۔

اب میں اس کے متعلق ایک سوال لیتا ہوں جو بعض لوگوں کے دلوں میں وساوس پیدا کر رہا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ربوہ کی زمین کے متعلق مختلف قسم کی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں اور لوگوں میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ اگر قادیان ہمیں واپس مل جانا ہے تو پھر ایک نیا شہر آباد کرنے کی ضرورت کیا ہے ایک نئے شہر کا آباد کرنا بتاتا ہے کہ ہمیں قادیان کے واپس ملنے کے متعلق شُبہ ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جماعت کے اندر کچھ منافقین پائے جاتے ہیں جو آہستہ آہستہ جماعت کے اندر وساوس پیدا کرتے رہیں گے وہ کہتے ہیں دیکھو! اگر قادیان کے واپس مل جانے کا ہمیں یقین ہوتا تو کسی اور شہر کے بسانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ دوسری جگہ ایک نیا شہر آباد کرنے کی کوشش کرنا وہاں سکول اور کالج وغیرہ بنانا اور دوسرے لوگوں کو وہاں آباد ہونے کی تحریک کرنا بتاتا ہے کہ انہیں یہ یقین ہے کہ قادیان واپس نہیں ملے گا۔ اس اعتراض کے میں چند جواب دیتا ہوں۔

اوّل میرے یا کسی اور کے دل کے وسوسہ کا یہاں سوال نہیں۔ سوال یہ ہے کہ میرے ساتھ کسی کو عداوت ہو یا خلافت کے ساتھ کسی کو اختلاف ہو یا تنظیم سے کسی کو اختلاف ہو تو ایک اور بات ہے مگر جو شخص احمدی ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تو کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہمارا مرکز دائمی طور پر قادیان مقرر فرمایا ہے۔ اب یہ جو آپ نے فرمایا ہے اس میں کسی جھوٹ کا امکان نہیں ہوسکتا نہ میرے وسوسے، میری کمزوری یا نظام کی کسی غلطی کی وجہ

سے یہ بات غلط ہوسکتی ہے۔ اگر کوئی شخص احمدیت پر یقین رکھتا ہے اگر کوئی شخص حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے دعویٰ میں سچا مانتا ہے تو اسے میری دشمنی کی وجہ سے خلافت یا تنظیم سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے یہ حق تو نہیں ہوسکتا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی میں شُبہ کرے کیونکہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان رکھتا ہے پھر میں ایسے شخص سے جو یہ خیال کرتا ہے کہ چونکہ ہم اپنا مرکز ایک نئے مقام پر بنانے لگے ہیں اس لئے ہمیں قادیان کے واپس ملنے کی امید نہیں ہے دریافت کرتا ہوں کہ جب حکومت ریلیں بناتی ہے، نہریں بناتی ہے یا کوئی اور بڑا کام کرتی ہے تو وہ عارضی عمارتیں بناتی ہے یا نہیں؟ ہم نے تو کئی جگہ پر دیکھا ہے کہ جب بھی حکومت کوئی بڑا کام کرتی ہے وہ لاکھوں کی عمارتیں کھڑی کر دیتی ہے۔ لائیڈ بیراج کے وقت بھی لاکھوں کی عمارتیں بنائی گئی تھیں۔ اب جب دریائے سندھ کا بند ٹوٹا ہے میں کوئٹہ سے واپس آیا تو راستہ میں پھونس کے چھپر سینکڑوں کی تعداد میں بنے ہوئے تھے ان میں مزدور رہتے تھے اور وہ بند کی مرمت کرتے تھے۔ پس جب عارضی کام کے لئے کئی عمارتیں بنائی جاتی ہیں اور اُن پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تو اس پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی تھی اُس وقت آپ نے خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ اے خدا! میں یہ گھر اس لئے بناتا ہوں کہ اس کے ساتھ تعلق رکھنے والا ایک شخص پیدا ہو جو تیرا نبی ہو اور وہ تیری آیات پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سنائے، تیری کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کا تزکیۂ نفوس کرے۔ اِس دعا کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو قائم کیا اور وہاں اپنی اولاد کو بسایا۔ اس دعا کے سَو سال بعد تک وہ آدمی نہیں آیا جس کے لئے دعا کی گئی تھی لیکن عربوں نے اپنے یقین کو نہ چھوڑا اور انہوں نے سمجھا کہ وعدۂ ابراہیمی ضرور پورا ہوکر رہے گا۔ دوسَو سال گزرنے کے بعد بھی وہ نبی نہ آیا۔ پھر بھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ پیشگوئی غلط ثابت ہوئی۔ تین سَو، چار سَو بلکہ پانچ سَو سال گزرنے کے بعد بھی کسی نے اس پیشگوئی کے پورا ہونے میں شک نہیں کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا فاصلہ ساڑھے بائیس سَو سال کا ہے بلکہ بعض روایات کے مطابق پچیس یا چھبیس سَو سال کا فاصلہ ہے۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشگوئی آپ

کے بعد اڑھائی ہزار سال گزرنے تک بھی پوری نہ ہوئی۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ساڑھے بائیس سَو سال کا عرصہ ہی سمجھ لیا جائے تب بھی اتنے لمبے عرصہ میں کتنی چیزیں غائب ہو جاتی ہیں۔ اتنا لمبا عرصہ گزرنے کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پیدا ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا پوری ہوئی کہ اے خدا! تو اُن میں اپنا رسول مبعوث فرما جو تیری آیات پڑھ پڑھ کر انہیں سنائے، انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور اُن کا تزکیہ نفوس کرے۔ اتنے سالوں تک انتظار کرنے میں خواہ عرب مکہ میں رہے یا باہر بہرحال ان کے اندر کوئی مایوسی پیدا نہیں ہوئی۔ پھر یہ کونسی عقل کی بات ہے کہ ہم ایک سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد ہی مایوس ہو جائیں اور خیال کر لیں کہ قادیان ہمیں واپس نہیں ملے گا۔ محض خیال کر لینا کہ چونکہ ایک سال کا عرصہ گزر گیا ہے اور ہمیں قادیان نہیں ملا اس لئے اب ہمیں اس کے واپس ملنے کی کوئی امید نہیں، قطعی طور پر غلط ہے ہمیں امید تو یہی ہے کہ قادیان ہمیں واپس مل جائے گا مگر کیا احمدی اتنے گرے ہوئے ہیں کہ وہ کچھ مدت کا انتظار بھی نہیں کر سکتے۔ پس ہم نے جو نیا مرکز بنانا ہے یہ مایوسی کی وجہ سے نہیں بلکہ درمیان اور عارضی زمانہ کے لئے بھی لوگ کام کیا کرتے ہیں اس لئے ہم نے بھی یہ کام کیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کیا پیشگوئی کرنے والا جھوٹا ہے اور کیا اس کی یہی ایک پیشگوئی ہے یا اس کی صداقت کے اور بھی نشانات ہیں؟ آخر ہم میں سے بعض نے یہ خیال کیوں کر لیا کہ ہمیں قادیان واپس نہیں ملے گا یا وہ کیوں کہتے ہیں کہ ہمیں قادیان کے واپس ملنے میں شُبہ ہے اس کی دو ہی وجہیں ہیں۔ اوّل اس لئے کہ ایک سال ہو گیا ہے مگر ہمیں قادیان واپس نہیں ملا اس کے جواب میں میں نے یہ دلیل دی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے متعلق جو پیشگوئی کی اس کے بعد ساڑھے بائیس سَو سال تک وہ شخص نہ آیا جس کے متعلق آپ نے پیشگوئی کی تھی مگر عربوں کو اس کے پورا ہونے میں کوئی شُبہ نہ گزرا۔ پھر قادیان کے واپس ملنے میں ہمیں شُبہ کیوں ہو۔ دوسرا جواب میں نے یہ دیا ہے کہ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ اکیلی پیشگوئی ہے یا کوئی اور بھی ہے اگر آپ کی اور بھی پیشگوئیاں ہیں اور وہ پوری ہوگئی ہیں تو یہ پوری کیوں نہیں ہوگی۔ اگر یہ ایک پیشگوئی ہوتب تو یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ ممکن ہے ہمیں قادیان واپس نہ ملے

لیکن جب آپ کی سینکڑوں اور ہزاروں پیشگوئیاں پوری ہو کر لوگوں کی حیرت کا موجب ہوئیں تو ہمیں کیسے شُبہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوگی۔ ان حیرت انگیز انکشافات کو پورا ہوتے دیکھ کر جو آپ پر ظاہر ہوئے ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوگی بلکہ یہ یقینی اور قطعی بات ہے کہ یہ پیشگوئی بھی ضرور پوری ہوگی اور ہم یہ شُبہ نہیں کر سکتے کہ ہمیں قادیان واپس نہیں ملے گا۔

قادیان میں کئی لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آتے تھے اور آپ سے کہتے تھے کہ آپ کوئی معجزہ دکھائیں۔ مجھے خوب یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ جو معجزے پہلے دکھائے جا چکے ہیں اُن سے آپ نے کیا فائدہ اُٹھایا ہے؟ آخر پہلے جو معجزے دکھائے گئے ہیں آپ ان کے متعلق غور کریں کہ وہ صحیح تھے یا نہیں۔ اگر وہ غلط تھے تو پھر میرا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا ایسی صورت میں مجھ سے اور معجزات مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور اگر پہلے جو معجزات دکھائے گئے تھے وہ سچے تھے تب بھی نئے معجزات تمہارے لئے فائدہ مند نہیں ہو سکتے کیونکہ جب آپ نے پہلے معجزات سے فائدہ نہیں اُٹھایا تو اب نئے معجزات سے تم کیا فائدہ اُٹھاؤ گے۔ یہی جواب میں قادیان کے متعلق دیتا ہوں۔ قادیان کے واپس ملنے کے متعلق ہمیں شُبہ تب پڑ سکتا تھا جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی اور پیشگوئی نہ ہوتی۔ اگر آپ کی اور بھی پیشگوئیاں اور نشانات ہیں جو اپنے اپنے وقت پر پورے ہوئے جنہوں نے قطعی اور یقینی طور پر ثابت کر دیا کہ آپ سچے رسول ہیں تو آپ کی ایک پیشگوئی کے متعلق ہم کیسے شُبہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں ہم جنہوں نے آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ہم صرف آپ کو دیکھ کر ہی جانتے ہیں کہ آپ سچے تھے جھوٹے نہیں تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ فرمایا اُس وقت حضرت ابوبکرؓ کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ آپ جب واپس مکہ میں آئے تو رستہ میں ایک دوست کے ہاں آرام کرنے کیلئے ٹھہر گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مئی کے مہینہ میں دعویٰ نبوت فرمایا تھا اور چونکہ سخت گرمی کا موسم تھا آپ نے بجائے گھر جانے کے مناسب خیال کیا کہ آپ اپنے دوست کے ہاں دوپہر کاٹ لیں۔ آپ ابھی اپنے دوست کے گھر بیٹھے ہی تھے کہ اُس کی ایک لونڈی آئی اور کہنے لگی ہائے تیرا دوست تو پاگل

ہو گیا ہے۔ آپ نے پوچھا کون؟ کہنے لگی! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے پوچھا اُسے کیا ہوا؟ اس لونڈی نے جواب دیا۔ وہ کہتا ہے کہ مجھ سے خدا تعالیٰ کلام کرتا ہے اور مجھ پر فرشتے اُترتے ہیں۔ آپ نے فوراً اپنی چادر سنبھالی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کے دوست نے اصرار کیا کہ گرمی زیادہ ہے دوپہر کا وقت ہے ذرا آرام کرلیں مگر آپ نے فرمایا اب میں ٹھہر نہیں سکتا۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر تشریف لائے اور دستک دی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ کھولا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب آپ کو دیکھا تو دیکھتے ہی کہا۔ میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ کیا آپ نے یہ کہا ہے کہ مجھ پر فرشتے اُترتے ہیں اور خدا تعالیٰ مجھ سے کلام کرتا ہے؟ چونکہ مکہ میں ایک شور پڑا ہوا تھا اور حضرت ابوبکرؓ آپ کے پُرانے دوست تھے آپ نے خیال کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُسے ٹھوکر لگ جائے۔ آپ نے فرمایا۔ ابوبکر بات یہ ہے کہ...... آپ تشریح کر کے اپنا دعویٰ بتانے لگے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ میں یہ نہیں سننا چاہتا۔ آپ مجھے صرف یہ بتائیں کہ کیا آپ نے کہا ہے کہ مجھ پر فرشتے اُترتے ہیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا ابوبکر! جلال میں کیوں آتے ہو بات تو سنو اصل بات یہ ہے کہ............ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں آپ کو خدا تعالیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ اور کوئی بات نہ کریں آپ مجھے صرف یہ بتائیں کہ کیا آپ نے یہ کہا ہے یا نہیں کہ مجھ پر فرشتے اُترتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے باتیں کرتا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! میں نے ایسا کہا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں آپ پر ایمان لاتا ہوں [۲] اس کے بعد اُنہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ تو دلیلیں دے کر میرے ایمان کو خراب کرنے لگے تھے۔ جب میں نے آپ کو پہلے ہی دیکھا ہوا تھا اور میں جانتا تھا کہ آپ جھوٹ نہیں بولتے تو پھر کسی دلیل کی ضرورت ہی کیا تھی۔ آپ دلیلیں دے کر میرے ایمان کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔ گویا میں مشاہدے کے بعد بھی کسی اور دلیل کا محتاج ہوں۔ غرض

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنی دلیل آپ ہوتی ہیں ان کو دیکھنے کے بعد کسی اور دلیل کی

ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ یہی حال ہم نے دیکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دیکھنے کے بعد ہمیں یہ احساس بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ آپ جھوٹ بول سکتے ہیں۔

ایک دوست منشی اروڑے خاں صاحب ہوتے تھے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُرانے صحابی تھے اُنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دعویٰ سے پہلے بھی دیکھا ہوا تھا اور آپ سے ملتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھنے کیلئے قادیان تشریف لا رہے تھے کہ لوگ آپ کو پکڑ کر مولوی ثناء اللہ صاحب کے پاس لے گئے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب سے اُن لوگوں نے کہا کہ یہ (منشی صاحب) کپورتھلہ سے آ رہے ہیں اور قادیان جا رہے ہیں۔ یہ مرزا صاحب کے بڑے مرید ہیں آپ انہیں سمجھائیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب دلائل دیتے رہے اور وہ خاموش بیٹھے سنتے رہے۔ جب مولوی صاحب اپنے دلائل دے چکے تو لوگوں نے منشی صاحب سے کہا اب بتایئے کیا مرزا صاحب سچے ثابت ہوئے ہیں یا جھوٹے؟ منشی صاحب نے فرمایا مولوی صاحب آپ نے پندرہ بیس منٹ تقریر کی ہے آپ خواہ دو دن بھی تقریر کریں میں نے تو حضرت مرزا صاحب کا منہ دیکھا ہوا ہے مجھ پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوسکتا۔ میں نے حضرت مرزا صاحب کا چہرہ دیکھا ہے اور آپ کو دیکھنے کے بعد میں یہ جانتا ہوں کہ وہ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ اسی طرح ہم جو آپ کو بچپن سے دیکھتے رہے ہیں کسی طرح یہ قیاس بھی نہیں کر سکتے کہ آپ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) اسلام کے دشمن تھے۔

میں ابھی چھوٹا تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام بچوں کے ساتھ بڑی مہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے اور بڑی محبت کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کسی کتاب کا مسودہ لکھ رہے تھے اُس وقت میری عمر گیارہ بارہ سال کی تھی آپ کی عادت تھی کہ آپ ٹہلتے بھی جاتے تھے اور لکھتے بھی جاتے تھے۔ اسی طرح آپ اُس وقت ٹہلتے بھی جاتے تھے اور لکھ بھی رہے تھے۔ مسجد کے پاس ہی ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جسے بیت الفکر کہتے ہیں۔ اُس کی ایک کھڑکی مسجد کی طرف کھلتی تھی۔ میں بھی پہلے اُس کھڑکی سے گزر کر نماز پڑھانے کے لئے آیا کرتا تھا بعد میں ہجوم زیادہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسری کھڑکی بنا دی گئی اور میں نے اُس سے آنا شروع کر دیا۔ اس کمرے یعنی بیت الفکر میں حضرت (اماں جان) رحل پر قرآن کریم رکھے تلاوت کر رہی تھیں۔ آپ کے پاس ہمارا

چھوٹا بھائی مبارک احمد بھی بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبارک احمد سے بے حد پیار تھا بلکہ آپ کا پیار عشق کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام ٹہلتے بھی جاتے تھے اور لکھ بھی رہے تھے میں بھی پاس کھڑا تھا میں نے دیکھا کہ جیسے چیل جھپٹا مارتی ہے آپ کود کر اُس کمرہ میں گئے اور مبارک احمد کو ایسا تھپڑ مارا کہ اُس کے منہ پر سرخ نشان پڑ گئے۔ میں حیران تھا کہ ہوا کیا؟ ساتھ ہی آپ نے یہ الفاظ کہے تجھے شرم نہیں آتی کہ تم اللہ تعالیٰ کے کلام کی بے حرمتی کرتے ہو! بعد میں میں نے والدہ صاحبہ سے پوچھا تو اُنہوں نے بتایا کہ مبارک احمد کوئی چیز مانگ رہا تھا میں نے کہا کہ تلاوت کے بعد میں تمہیں وہ چیز دوں گی۔ اِس پر اُس نے رحل کو دھکا دیا اور کہا یہ چھوڑ دو اور مجھے وہ چیز دو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ سنتے ہی کود کر اندر آئے اور ایسے زور کے ساتھ اُسے تھپڑا مارا کہ اس کے منہ پر نشان پڑ گئے۔ حالانکہ مبارک احمد اُس وقت ایک چھوٹا بچہ تھا اور آپ اس سے حد درجہ پیار کرتے تھے اب کوئی شخص خواہ کتنی دلیلیں دے خواہ دس کروڑ دلیلیں دے اور کہے کہ آپ کو قرآن کریم سے عشق نہیں تھا تو ہم پر اس کا کیا اثر ہوسکتا ہے۔ جس نے وہ نظارہ دیکھا ہے۔ جس نے آپ کی وہ غیرت اور وہ جوش دیکھا ہے کیا وہ ایک لمحہ کیلئے بھی مان سکتا ہے کہ آپ کے دل میں اسلام کی کوئی غیرت نہیں تھی، قرآن کریم کی کوئی غیرت نہیں تھی یا آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو محبت آپ کو تھی اس کا اندازہ مرزا سلطان احمد صاحب کے ایک واقعہ سے بھی ہوسکتا ہے۔ مرزا سلطان احمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں آپ پر ایمان نہیں لائے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد انبیاء کی ہتک کے متعلق جب قانون پاس ہوا اُن دنوں میں اُن کی عیادت کے لئے گیا وہ اُن دنوں بیمار تھے۔ مجھے دیکھتے ہی اُنہوں نے کہا۔ بڑا شکر ہے کہ مرزا صاحب فوت ہوگئے۔ مجھے اس بات پر سخت غصہ آیا کیونکہ وہ احمدی نہ ہونے کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ادب اور احترام نہیں کرتے تھے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگے آج اگر مرزا صاحب زندہ ہوتے تو وہ ضرور قید ہوجاتے کیونکہ ان کے سامنے اگر کوئی شخص محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہتک آمیز فقرہ کہہ دیتا تو اُنہوں نے اُس کے سب اوتاروں کو رگڑ دینا تھا۔ یہ ایک ایسے شخص کی روایت ہے جو آپ کی زندگی میں احمدیت میں داخل نہیں ہوا تھا۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے ایک احمدی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہے یہ خیال بھی کیسے کرسکتا ہے کہ آپ کی یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوگی اور قادیان ہمیں واپس نہیں ملے گا۔

قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ اس دلیل کو لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ [۳] یعنی اگر آپ فوت ہو جائیں یا قتل کئے جائیں تو کیا تم اپنی اعقاب پر پھر جاؤ گے۔ یہ آیت جنگ اُحد کے متعلق ہے جس میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر یہ خبر صحیح بھی ہوتی کہ آپ شہید ہو گئے ہیں تو کیا تم مرتد ہو جاتے۔ حالانکہ یہ صاف بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آپ سے وعدہ تھا اور یہ وعدہ قرآنِ کریم میں موجود ہے کہ آپ انسانی ہاتھوں سے قتل نہیں ہونگے۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ [۴] اللہ تعالیٰ آپ کو انسانی ہاتھوں سے محفوظ رکھے گا اور قتل نہیں ہونے دے گا۔ اِدھر تورات میں بھی یہ موجود تھا کہ آخری نبی کو کوئی شخص مار نہیں سکتا اگر کسی نے دعویٰ نبوت کیا اور پھر وہ مارا گیا تو وہ جھوٹا ہوگا۔ مگر باوجود اس کے کہ تورات میں بھی یہ بات موجود تھی کہ آخری نبی انسانی ہاتھوں سے مارا نہیں جائے گا اور قرآن کریم میں بھی یہ لکھا تھا وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ آپ انسانی ہاتھوں سے مارے نہیں جائیں گے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی اعقاب پر پھر جاؤ گے؟ اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب یہی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا آپ سے وعدہ تھا کہ آپ قتل نہیں ہونگے۔ بے شک تورات میں بھی یہ لکھا تھا کہ آخری نبی مارا نہیں جائے گا لیکن سوال یہ ہے کہ اگر آپ مارے جاتے تو کیا آپ جھوٹے ہوتے؟ کیا آپ کی صداقت کے اور بھی دلائل موجود ہیں یا نہیں؟ آپ کی صداقت کے تو اِس قدر دلائل موجود ہیں کہ تم نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ یہ وعدہ پورا نہیں ہوا اس لئے آپ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ جھوٹے ہیں۔ تم یہی کہہ سکتے ہو کہ پھر ہم اس پیشگوئی کے

معنی غلط سمجھے ہیں۔ اگر ۹۹ پیشگوئیاں ایک طرف ہوں اور ایک پیشگوئی ایک طرف ہو تو ایک پیشگوئی کے صادق نہ آنے کی وجہ سے باقی ننانوے پیشگوئیاں غلط نہیں ہو جائیں گی۔ اگر آپ کے صدق کے ننانوے اَور دلائل موجود ہیں تو ایک پیشگوئی اگر صادق نہ آئے تو ہم یہ نہیں کہیں گے کہ آپ جھوٹے ہیں بلکہ یہ کہیں گے کہ ہم نے اس پیشگوئی کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ بہرحال جب کسی کی صداقت کے بہت سے نشانات اور دلائل ہوں تو کسی ایک نشان یا دلیل کے پورا نہ ہونے سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ اس کے باقی نشانات اور دلائل بھی غلط ہیں۔ کثرت کے ماتحت قلت ہوتی ہے قلت کے ماتحت کثرت نہیں ہوتی۔

تیسرا جواب اس کا یہ ہے کہ ہماری ہجرت کے متعلق پہلے سے پیشگوئی موجود تھی۔ اگر یہ پیشگوئی پہلے سے موجود نہ ہوتی تب بھی کوئی بات تھی۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ یہ پیشگوئی صراحتاً موجود ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے ''داغِ ہجرت''[۵] جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہمیں قادیان چھوڑنی پڑے گی۔ اسی طرح آپ پر اللہ تعالیٰ نے وہی وحی نازل فرمائی جو اس نے رسول کریم ﷺ پر ہجرت کے متعلق نازل فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ[۶] ہم اس ہستی کی قسم کھا کر کہتے ہیں جس نے تجھ پر قرآن کریم فرض کیا ہے کہ تو مکہ سے نکالا جائے گا اور پھر مکہ میں واپس لایا جائے گا۔ یہی الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہوا[۷] جب یہی الہام آپ کو ہوا ہے تو پھر اس کے معنی بھی وہی ہوں گے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کے تھے کہ وہ تمہیں قادیان سے نکالے گا اور پھر قادیان میں اپنے فضل سے واپس لائے گا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو وفات پا گئے ہیں اور پیشگوئی آپ کے بعد پوری ہوئی۔ اگر اس پیشگوئی نے پورا ہونا تھا تو آپ کی زندگی میں ہی کیوں پوری نہ ہوئی؟ اس سوال کا جواب خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں موجود ہے۔ آپ فرماتے ہیں میرے ہاتھ میں قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں[۸] لیکن واقعہ یہ ہے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں آپ کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں بلکہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں دی گئیں جو آپ کے خلیفہ دوم تھے۔ گویا اُس چیز کو جو حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں آنے والی تھی

اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا جانا قرار دیا۔ درحقیقت یہ ایک عام دستور ہے کہ کبھی وہ بات جو ماتحت کے ساتھ کی جاتی ہے اُسے بزرگ کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے اور کبھی وہ بات جو بزرگ کے ساتھ کی جاتی ہے اُسے ماتحت کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا یہ تھا کہ آپ کے ہاتھ میں قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں ہیں مگر ہوا یہ کہ وہ کنجیاں حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں دی گئیں۔

اسی طرح آپ کی ایک اور رؤیا بھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ میرے پاس جنتی انگوروں کے دو خوشے لایا میں نے اس سے پوچھا یہ کس کیلئے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ ان میں سے ایک خوشہ آپ کے لئے ہے اور دوسرا ابوجہل کے لئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اس کے جواب میں اتنا گھبرایا کہ میری آنکھ کھل گئی اور میں نے کہا کہ کیا خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کا ایک نبی اور دشمن دونوں ایک ہی مقام پر ہیں؟ خدا تعالیٰ کے نبی کیلئے بھی بہشت کے انگوروں کا خوشہ آیا ہے اور اس کے دشمن کے لئے بھی بہشت سے انگوروں کا خوشہ آیا ہے۔[9] آپ فرماتے ہیں میرے دل پر اس رؤیا کی وجہ سے ایک بوجھ سا رہا۔ یہاں تک کہ عکرمہؓ ایمان لایا تب اس رؤیا کی تعبیر میری سمجھ میں آئی کہ ابوجہل سے مراد عکرمہؓ تھا۔

اب دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ ابوجہل دکھایا گیا مگر اس سے مراد اس کا بیٹا تھا اور دوسری جگہ آپ کو یہ دکھایا گیا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں آپ کو ملیں مگر ملیں حضرت عمرؓ کو جو آپ کے دوسرے خلیفہ تھے۔ اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''داغِ ہجرت'' کا الہام تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہوا مگر یہ پیشگوئی درحقیقت آپ کے خلیفہ دوم کے ساتھ وابستہ ہے۔ چنانچہ یہ ہجرت کا واقعہ میری زندگی میں ہوا اور میں ہی آپ کا خلیفہ دوم ہوں۔

اس کے علاوہ خدا تعالیٰ نے خود مجھ پر اس پیشگوئی کو اس طرح بار بار کھولا ہے کہ حیرت آجاتی ہے میں نے اپنے رؤیا کئی لوگوں کو سنائے ہیں اور وہ اقرار کرتے ہیں کہ یہ واقعی حیرت انگیز ہیں۔ میں نے ۱۹۴۱ء میں ایک رؤیا دیکھا تھا جو ۱۳؍ جنوری ۱۹۴۲ء کے الفضل میں شائع شُدہ موجود ہے میں نے دیکھا کہ قادیان پر حملہ ہوا ہے اور اس حملہ میں دشمن نے ہر قسم کے ہتھیار استعمال کئے ہیں اس کے نتیجہ میں ہمیں قادیان چھوڑنا پڑا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں قادیان

سے اس غرض کے لئے نکلا ہوں کہ میں مرکز کے لئے نئی جگہ تلاش کروں تا کہ ہم وہاں اکٹھے ہو کر قادیان کو واپس لینے کی کوشش کریں۔ جب میں اس جگہ پر پہنچا ہوں (میں تفصیل کو چھوڑتا ہوں کیونکہ وہ الفضل میں چھپی ہوئی ہے) تو ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے کہا بڑی تباہی ہے، بڑی تباہی ہے۔ جالندھر میں بھی بڑی تباہی ہوئی ہے اور لوگوں کو کہیں پناہ نہیں ملی۔ پھر میں نے دیکھا کہ قادیان کے سارے محلے دشمن نے لے لئے ہیں۔ میں نے ایک دوست سے پوچھا۔ مسجد مبارک کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ لوگ تو اب تک مقابلہ کر رہے ہیں۔ میں نے کہا اگر وہ مقابلہ کر رہے ہیں تو پھر ہمیں کامیابی ہو جائے گی۔

بھلا ۱۹۴۲ء میں کس کو خیال تھا کہ جنگ ہوگی۔ پھر کس کو خیال تھا کہ توپیں چلیں گی رائفلوں سے لڑائیاں ہونگی اور پھر قادیان اس علاقہ میں ہوگا جس پر دشمن کا قبضہ ہوگا پھر یہ تباہی جالندھر تک ہوگی اور یہ کہ قادیان کے تمام محلے خالی ہو جائیں گے۔ صرف حلقہ مسجد مبارک اپنی جگہ پر جما رہے گا۔ میری یہ رؤیا اخبار میں چھپی ہوئی موجود ہے اور اخبار ساری دنیا میں پھیل جاتے ہیں اور اُن کی ایک کاپی سرکاری دفاتر میں بھی محفوظ رہتی ہے اس لئے اس میں بناوٹ کا احتمال نہیں ہوسکتا یہ پیشگوئی ساری کی ساری پوری ہوئی ہے حملے بھی ہوئے، تباہی بھی آئی اور پھر یہ غیر معمولی بات ہے کہ سارے مشرقی پنجاب میں صرف قادیان ایک ایسا مقام ہے جہاں مسجد مبارک کے حلقہ میں اب تک اذانیں دی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کیا جاتا ہے یہ باتیں ایسی ہیں جنہیں دیکھ کر کوئی انسان اس پیشگوئی میں شُبہ نہیں کرسکتا اور اسے ماننا پڑتا ہے کہ ہمیں خدائی کلام کے ماتحت قادیان چھوڑنا پڑا ہے اور وہ بہر حال ہمیں ایک دن واپس ملے گا۔

اسی طرح PARTITION کے اعلان سے چند دن پہلے میں دعا کرتا ہوا لیٹ گیا۔ غالباً اُس دن آخری روزہ تھا۔ مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی اور پھر الہام ہوا **اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یَأْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا**۔ یعنی تم جہاں کہیں بھی جاؤ گے خدا تعالیٰ تمہیں اکٹھا کر کے لے آئے گا۔ اس وقت پارٹیشن (PARTITION) کا اعلان نہیں ہوا تھا اور ضلع گورداسپور پاکستان میں تھا اس وقت خدا تعالیٰ نے مجھے الہام میں بتایا کہ **اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یَأْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا** تم جہاں کہیں بھی جاؤ گے اللہ تعالیٰ تمہیں اکٹھا کر کے واپس لے آئے گا۔

اب دیکھو اس الہام میں ہمارے قادیان سے دوسری جگہ جانے کی بھی خبر ہے اور پھر واپس آنے کی بھی خبر ہے۔ PARTITION کے اعلان سے پہلے صبح کے دس بجے کے قریب مجھے یہ الہام ہوا تھا اور رات کو یہ اعلان ہوا کہ گورداسپور انڈین یونین میں شامل کر دیا گیا ہے۔

پس یہاں شُبہ کی کوئی وجہ ہی نہیں۔ جب اس پیشگوئی کا وہ حصہ پورا ہو گیا جو انذار کا تھا تو اس کا وہ حصہ کیوں پورا نہیں ہوگا جو تبشیر کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے اور تمام صوفیاء اس پر متفق ہیں کہ جب اس کی طرف سے سختی اور تلخی کی کوئی خبر دی جاتی ہے تو وہ دعا اور گریہ وزاری سے ٹل جاتی ہے لیکن اس کی طرف سے بشارت کی خبر نہیں ٹل سکتی کیونکہ انذار کی خبر کو ٹلا دینا رحم اور خوبی ہے اور وعدے کو ٹلا دینا بے وفائی اور بدعہدی ہے اور خدا تعالیٰ رحم تو کر سکتا ہے بے وفائی اور بدعہدی نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ انذار کی خبر کو ٹلا سکتا ہے خوشی کی خبر کو نہیں ٹلا سکتا۔ پس جب وہ بات جو اصول کے مطابق ٹل سکتی تھی نہیں ٹلی تو جو نہیں ٹل سکتی اُس کے متعلق تم کس طرح یہ خیال کر سکتے ہو کہ وہ واقع نہیں ہوگی۔

دوسرا شُبہ جو قادیان کے واپس ملنے کے متعلق لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گیا ہے وہ یہ ہے کہ جب قادیان ملنا ہے تو پھر ربوہ کی تعمیر کی کیا ضرورت ہے اور ایک نیا مرکز کیوں تعمیر کیا جا رہا ہے؟ اس کی کئی وجوہ ہیں اوّل پیشگوئیوں کو پورا کرنے کیلئے بھی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ تھا کہ مکہ آپ کو واپس دیا جائے گا مگر کیا مکہ کو واپس لینے کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے جہاد نہیں کیا لڑائیاں نہیں کیں اور وہ تمام کی تمام تدابیر اختیار نہیں کیں جن سے فتح حاصل کی جا سکتی ہے فتح مکہ کے لئے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو متواتر جنگوں میں سے گزرنا پڑا۔ آپ نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا بیسیوں صحابہ کو شہید کروایا صرف اس لئے کہ مکہ واپس مل جائے۔ اگر آپ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتے تو کیا یہ پیشگوئی پوری ہو سکتی تھی پس اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود نہایت اعلیٰ شان رکھنے کے جس کی گرد کو بھی ہم نہیں پہنچ سکتے اس پیشگوئی کے ہوتے ہوئے باقی تدابیر کو ترک نہیں کیا تو ہم کون ہیں جو اس پیشگوئی کا بہانہ بنا کر اور اس کی آڑ لے کر اس

جدوجہد کو چھوڑ دیں جس کو خدا تعالیٰ نے قادیان کی واپسی کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔

(اس موقع پر حضور نے فرمایا:)

ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ اگر آپ کو پاکستان کے متعلق کوئی رؤیا ہوا ہو تو بتائیں اور اگر اب تک کوئی رؤیا نہیں ہوا تو جب بھی کوئی رؤیا ہو ہمیں بتا دیا جائے۔ یہ سوال عجیب قسم کا ہے۔ پاکستان قائم ہو چکا ہے اور جو چیز قائم ہو چکی ہو اس کے متعلق کسی رؤیا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں سمجھتا ہوں غالباً اِس دوست کا یہ مطلب ہے کہ اگر پاکستان کے استحکام کے متعلق کوئی رؤیا ہوا ہو تو وہ بتایا جائے۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ پاکستان کا قیام خدائی تقدیروں میں سے ایک تقدیر ہے اور اس میں شُبہ کی کوئی بھی گنجائش نہیں کہ اب اسلام کے لئے ترقی کا زمانہ آ گیا ہے ہم لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں اسی لئے ایمان رکھتے ہیں کہ ہم پورے یقین کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ اب آپ کے ذریعہ سے اسلام کو دوبارہ مستحکم کیا جائے گا اس لئے اب یہ سوال نہیں کہ فلاں علاقہ کے لوگ آگے بڑھیں گے یا ہم بلکہ اب اسلام یقیناً دوسری قوموں کو رگیدتا ہوا آگے ہی آگے اپنا قدم بڑھاتا چلا جائے گا۔ اب اسلام کے غالب ہونے کی باری ہے کفر کے غالب ہونے کی باری ختم ہو چکی ہے۔

(سلسلہ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے حضور نے فرمایا:)

میں نے بتایا ہے کہ پیشگوئیوں کو پورا کرنے کے لئے جدوجہد کی بھی ضرورت ہوتی ہے صرف یہ کہہ دینا کہ فلاں چیز کے لئے پہلے سے پیشگوئی موجود ہے کافی نہیں ہوتا۔ پس جب پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے جدوجہد کی بھی ضرورت ہوا کرتی ہے تو یہ لازمی بات ہے کہ اس کو پورا کرنے کیلئے ایک مرکز بھی ہو۔ فوج لڑتی ہے تو اس کے لئے کمانڈر کی ضرورت ہوتی ہے، سٹاف اور عملہ کی ضرورت ہوتی ہے، مرکز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ ہمیں جب یہ یقین ہے کہ ہم ہی جیتیں گے تو پھر کسی کمانڈر کی کیا ضرورت ہے۔ سٹاف اور عملہ کی کیا ضرورت ہے تو سب لوگ اُس کی حماقت پر ہنس پڑیں گے۔ جب لڑائی ہوگی تو اُس کا ہیڈ بھی ہوگا سٹاف اور عملہ بھی ہوگا۔ خواہ بڑی سے بڑی حکومت ہو یا چھوٹی سے چھوٹی۔ سب کیلئے ان چیزوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ انگریز جب قبائلیوں پر حملہ کرتے تھے تو اُن کا بھی کمانڈر ہوتا

تھا، سٹاف اور عملہ ہوتا تھا۔ اسی طرح بے شک قادیان کے متعلق خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ہمیں واپس ملے گا لیکن باوجود اس وعدہ کے اُسے واپس لینے کیلئے ایک مرکز کی ضرورت ہے تا وہاں اکٹھے ہو کر جدوجہد کی جا سکے جیسا کہ رؤیا میں دکھایا گیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ قادیان میں جو مرکز قائم تھا اس کا کوئی مقصد تھا یا نہیں۔ آیا وہ مرکز محض قادیان کے لحاظ سے تھا یا کوئی کام کرنے کیلئے تھا۔ اگر کوئی کام کرنے کیلئے تھا تو وہ کام کیا تھا؟ وہ مقصد جس کے لئے قادیان میں مرکز قائم کیا گیا تھا ظاہر ہے یعنی اسلام کی اشاعت کرنا، جماعت کی تربیت کرنا، جماعت کو اکٹھا کر کے اسلام کے غلبہ کے لئے مشترکہ جدوجہد کے لئے تیار کرنا، ایسی جدوجہد جو کفر کو ہمیشہ کے لئے پسپا کر دے۔ یہ وہ غرض تھی جس کے ماتحت قادیان میں مرکز قائم کیا گیا تھا اگر یہ غرض نہ ہوتی تو نہ قادیان کی ضرورت تھی اور نہ کسی اور مرکز کی۔ مکہ اور مدینہ میں بھی لوگ جاتے ہیں اور حج کر کے واپس آ جاتے ہیں مگر جب تک کوئی خاص مقصد نہ ہو کوئی آرگنائزیشن (ORGANISATION) بھی نہیں ہو سکتی۔ چونکہ لوگوں نے اس غرض کو فراموش کر دیا ہے جس کے لئے مکہ اور مدینہ قائم کئے گئے تھے اس لئے لوگ وہاں جاتے ہیں اور حج کر کے واپس آ جاتے ہیں وہاں کوئی ایسی انجمن قائم نہیں جو تبلیغ کروائے اور مسلمانوں کے اندر خالص دینی روح پیدا کرے۔

قادیان کے متعلق ہمارا دعویٰ ہے کہ جو مرکز وہاں قائم کیا گیا تھا وہ صرف اس لئے قائم نہیں کیا گیا تھا کہ وہ قادیان ہے بلکہ اس لئے قائم کیا گیا تھا کہ ہم اسلام کو پھیلائیں، اسلام کو دنیا میں قائم کریں اور اسلامی روح لوگوں میں زندہ کریں تا کفر کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اگر قادیان میں مرکز بنانے کی ہماری یہی غرض تھی اور یقیناً تھی تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ کام عارضی تھا یا مستقل۔ ایک کام موسمی ہوتے ہیں اور موسم گزر جانے کے بعد ان کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن جو کام مستقل ہوتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے اُن کی ضرورت ہوتی ہے اگر تو وہ کام جس کے لئے ہم نے قادیان میں مرکز قائم کیا تھا موسمی تھا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ قادیان میں واپس جا کر پھر اس کام کو دوبارہ شروع کر دیں گے یا اب چونکہ قادیان ہمارے ہاتھوں سے جاتا رہا ہے اس لئے اب اس کی ضرورت نہیں لیکن اگر وہ کام مستقل تھا تو ہم کہیں بھی جائیں وہ کام ہمیں بہرحال کرنا

پڑے گا مثلاً اگر ہم اپنے گھروں میں ہوں تو کھانا کھاتے ہیں لیکن اگر ہم سفر کی حالت میں ہوں تو کیا ہم کھانا کھانا چھوڑ دیں گے؟ یا کپڑا ہے اگر ہم گھروں میں ہوں تو کپڑا پہننا ضروری ہے لیکن اگر ہم سفر پر ہوں تو کیا ہم کپڑا پہننا چھوڑ دیں گے؟ اگر کھانا اور کپڑا پہننا سفر میں بھی ضروری ہے اور حضر میں بھی ضروری ہے تو خواہ ہم قادیان میں ہوں یا کسی اور جگہ پر ہمیں وہ کام کرنا پڑے گا جس کے لئے ہم نے قادیان میں مرکز قائم کیا تھا اگر وہ قادیان کے باہر رہ کر بھی ہمیں لازمی طور پر کرنا ہے تو پھر اس کے لئے ایک مرکز کی بھی ضرورت ہے اگر ہمارا کوئی مرکز نہیں ہوگا تو وہ کام بھی نہیں ہو سکے گا اور اگر ہمارا کام نہیں چلے گا تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ ہم نے اس غرض کو باطل کر دیا ہے جس کیلئے قادیان کو مرکز قرار دیا گیا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ مقصد بیان نہیں فرمایا کہ وہ ہمیں قادیان میں بسائیں گے بلکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے مبعوث کیا تھا تا آپ اسلام کو دوسرے تمام ادیان پر غالب کریں۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ [۱] اگر ہمارا قادیان میں مرکز بنانے کا یہ مقصد تھا تو وہ مقصد اب فوت کیسے ہو گیا۔ اگر وہ مقصد زندہ ہے تو لازماً اس کے لئے ہمیں کسی مرکز کی بھی ضرورت ہے۔

تیسرا جواب اس کا یہ ہے کہ جہاں الٰہی پیشگوئیوں میں قادیان سے ہجرت کی خبر ہے وہاں ساتھ ہی قادیان میں واپس جانے کی بھی خبر ہے۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ الہام ہے کہ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ہم اُس ہستی کی قسم کھا کر کہتے ہیں جس نے تجھ پر قرآن کریم ایک رنگ میں دوبارہ نازل کیا کہ ہم تجھے ضرور قادیان میں واپس لائیں گے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام ہے ’’داغِ ہجرت‘‘ اور ہجرت ہمیشہ ایک مقام کی طرف ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ ہجرت مدینہ کی طرف کی گئی تھی اور یہاں بھی ہجرت کسی اور مقام کی طرف ہوگی۔ میری رؤیا میں بھی صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ میں کسی جگہ پر مرکز بناؤں گا اور قادیان کو واپس لینے کی کوشش کروں گا۔ جب یہ چیز بالکل واضح ہے تو ایک حصہ کے بعد دوسرے حصہ کو چھوڑ دینے

کی کیا وجہ ہے۔ پس ضروری ہے کہ ہم ایک نیا مرکز بنائیں اور وہاں اکٹھے ہو کر قادیان کو واپس لینے کی کوشش کریں۔ پھر مصلح موعود والی رؤیا میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ مصلح موعود والی رؤیا میں مجھے دکھایا گیا تھا کہ قادیان پر حملہ ہوا ہے اور میں وہاں سے بھاگا ہوں۔

تیسرا شُبہ بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ اگر مرکز بنانا ضروری ہے تو وہ بنا لیا جائے مگر وہاں سکول، کالج، دفاتر اور مقبرے بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ بھی کم عقلی کی بات ہے یہ صاف بات ہے کہ جب وہاں مرکز بنے گا تو ضروری ہے کہ وہاں پڑھنے والے ہوں۔ جب یہ جگہ آباد ہوگی تو ضروری ہے کہ وہاں دُکانوں والے ہوں۔ کیا لوگ سائیکلوں پر جا کر دس دس میل دور سے سودے لایا کریں گے۔ پھر لازمی بات ہے کہ اگر وہاں آبادی ہوگی تو نائی، دھوبی، معمار اور نجار وغیرہ بھی ضرور ہونگے اور مختلف قسم کے اور پیشہ ور بھی ہونگے وہ وہاں رہ کر اپنی زندگیوں کو بھی سنواریں گے اور وہاں کے لوگوں کی ضرورتوں کو بھی پورا کریں گے۔

ایک سوال یہ بھی کیا گیا ہے کہ کیا وہ جگہ جہاں نیا مرکز بنایا جائے گا مقدس ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ احمدیہ مرکز صرف عمارتوں کی وجہ سے برکت نہیں پاتا بلکہ تعلیم و تربیت اور دینی کاموں کی وجہ سے برکت پاتا ہے اور یہ چیز جہاں بھی ہوگی وہ جگہ برکت پائے گی اور وہاں جو بھی احمدی جائیں گے برکت پائیں گے۔ مثلاً خلیفہ کا وجود ہے اگر اُس کی مجلس میں بیٹھنا بابرکت ہے اور اگر قادیان کی سب سے بڑی برکت یہی تھی کہ وہاں خلیفہ کا وجود تھا تو لازمی بات ہے کہ وہ جہاں بھی جائے گا وہ مقام بابرکت ہو جائے گا۔ پھر اگر قادیان کی برکت اُس نظام کی وجہ سے تھی جو وہاں قائم کیا گیا تھا تو یہ لازمی بات ہے کہ یہ نظام جہاں بھی جائے گا وہ جگہ بابرکت ہوگی یہ تو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ قادیان میں خلیفہ ہو تو وہ بابرکت ہے اور اگر باہر چلا جائے تو پھر وہ جگہ بابرکت نہیں ہوسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کے ذریعہ تعلیم و تربیت جاری رہے گی، جس کے ذریعہ خدائی باتیں دنیا میں پھیلیں گی اور جس کے ذریعہ تبلیغ اور اشاعت کا کام ہوگا وہ جہاں بھی جائے گا مرکز بن جائے گا اور جہاں بھی رہے گا وہ مقام بابرکت ہوگا۔ کسی نے کہا ہے

صدر ہر جا کہ نشیند صدر است

صدر جہاں بھی بیٹھے، صدر ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں خلیفہ اگر کالے پانی بھی چلا جائے تو وہ بھی بابرکت بن جائے گا۔ برکت مکانوں سے بھی ملتی ہے لیکن مکینوں سے زیادہ ملتی ہے۔ مکان دعائیں نہیں کرتے مکین دعائیں کیا کرتے ہیں۔ مکان جدوجہد نہیں کرتے مکین جدوجہد کیا کرتے ہیں۔ مکان بولا نہیں کرتے مکین بولا کرتے ہیں۔ مکان تنظیم نہیں کرتے مکین تنظیم کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ سب باتیں جو جماعت کو بڑھانے والی ہیں مکان کے ساتھ وابستہ نہیں مکین کے ساتھ وابستہ ہیں۔ مکان ایک ذریعہ ہوتے ہیں اور مکین وہ مقصود ہوتے ہیں جن کے ذریعہ دنیا ایک نئی زندگی پاتی ہے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑا تو مدینہ کیا تھا۔ ایک معمولی سی بستی تھی جہاں مشرک اور یہودی بستے تھے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد وہی مدینہ برکتوں سے مالا مال ہو گیا اور آج تک برکتوں سے بھرا ہوا ہے۔ آپ کے مدینہ سے چلے جانے کی وجہ سے مکہ کی برکت زائل نہیں ہوئی بلکہ مدینہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اور برکت مل گئی۔ خدا تعالیٰ کے خزانے میں صرف ایک برکت نہیں تھی بلکہ اس کے خزانے ہر قسم کی برکتوں سے بھرے پڑے ہیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو لوگوں میں قدرتاً یہ خیال پیدا ہوا کہ مکہ ایک بابرکت اور مقدس مقام تھا۔ اب مدینہ میں ویسی برکت کیا ہوسکتی ہے اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ اے خدا! میں مدینہ کے متعلق وہ ساری برکتیں تجھ سے مانگتا ہوں جو مکہ کو حاصل تھیں پھر آپ نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا۔ اے لوگو سنو! آج سے ہر برکت جو مکہ کو حاصل تھی مدینہ کو بھی حاصل ہے جو ذمہ داریاں تم پر مکہ میں رہنے کی وجہ سے عائد تھیں وہی ذمہ داریاں یہاں مدینہ میں رہ کر بھی تم پر عائد ہیں۔ جس طرح مکہ میں قتل و غارت اور لڑائیاں منع تھیں اسی طرح مدینہ میں بھی قتل و غارت اور لڑائیاں منع ہیں۔ پس جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے سے مدینہ بابرکت ہو گیا تھا اسی طرح ہر وہ جگہ جہاں خدا تعالیٰ کے نام کو بلند رکھنے کیلئے کوشش کی جائے گی، ہر وہ جگہ جہاں اسلام کے غلبہ کے لئے کوشش کی جائے گی، ہر وہ جگہ جہاں اسلام کی اشاعت کیلئے کوشش کی جائے گی وہ بابرکت ہو جائے گی چاہے دنیا کا سارا شورا اور نمک اُس جگہ پر کیوں

نہ اکٹھا ہو جائے۔ اس قسم کا اعتراض کرنے والے بعض منافق ہیں لیکن پھر بھی مجھے حیرت آتی ہے کہ سکھوں کا گرو اگر کسی جگہ پر بیٹھا ہے تو اُنہوں نے اُسے پیڑھا صاحب کہنا شروع کر دیا۔ اگر اُن کا گرو کسی چارپائی پر بیٹھا ہے تو اُنہوں نے اُسے منجا صاحب کہنا شروع کر دیا۔ اگر کسی بیری کے نیچے کھڑا ہوا تو اُنہوں نے اُسے بیری صاحب کہنا شروع کر دیا۔ جب کسی سِکھ سے پوچھا جائے کہ یہ بیری صاحب کیا ہے تو وہ کہے گا ہمارے گرو صاحب اس کے نیچے بیٹھے تھے۔ جب کسی سِکھ سے پوچھا جائے یہ پیڑھی صاحب کیا ہے وہ کہے گا ہمارے گرو صاحب اس پر بیٹھے تھے۔ جب پوچھا جائے کہ یہ منجا صاحب کیا ہے وہ کہے گا ہمارے گرو صاحب اس چارپائی پر بیٹھے تھے۔ وہ وحشی قوم جو تمام روحانی اصولوں سے عاری ہے وہ سمجھتی ہے کہ ایک پیڑھی کو اس لئے برکت حاصل ہوسکتی ہے کہ اُن کا گرو اس پر بیٹھا تھا۔ ایک چارپائی کو برکت حاصل ہوسکتی ہے کہ ان کا گرو اس پر بیٹھا تھا۔ ایک بیری کو برکت حاصل ہوسکتی ہے اس لئے کہ ان کا گرو اس کے نیچے کبھی بیٹھا تھا۔ مگر یہ منافق اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ وہ جگہ جہاں خلافت قائم ہوگی کیا بابرکت نہیں ہوگی؟ وہ جگہ یقیناً بابرکت ہوگی اور یقیناً جب تک اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کیا جائے گا، اس کی کتاب کو شائع کیا جائے گا، اس کے دین کو پھیلانے کیلئے جدوجہد کی جائے گی وہ بابرکت رہے گی اور صرف وہ زمین ہی بابرکت نہیں ہوگی بلکہ اس کے رہنے والوں پر فرشتے اُترتے رہیں گے اور اس کی برکات کو دنیا کے دوسرے کناروں تک پہنچاتے رہیں گے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جب قادیان مل جائے گا تو گو ہمارا اصل مرکز وہی ہوگا لیکن ایک مرکز سے ساری دنیا کا کام نہیں چل سکتا بلکہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس کے ماتحت اور بھی چھوٹے چھوٹے مرکز قائم کریں۔ کیا کسی مُلک کے انتظام کے لئے صرف ایک بادشاہ کافی ہوتا ہے۔ کسی مُلک کے انتظام کے لئے ایک بادشاہ کافی نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ اس کے ماتحت مختلف صوبوں میں گورنر ہوتے ہیں جو اُن صوبوں میں اُس کے نائب ہوتے ہیں مثلاً برطانیہ ہے بادشاہ تو برطانیہ میں رہتا ہے مگر آسٹریلیا، کینیڈا وغیرہ ممالک میں الگ الگ انتظام موجود ہے۔ اسی طرح اگرچہ ہمارا مرکز قادیان ہی ہوگا مگر اس کے ماتحت ہمیں اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے مراکز قائم کرنے پڑیں گے تاکہ وہاں اِردگرد کے لوگ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے اکٹھے

ہوں اور وہاں مل کر کام کریں۔ قادیان میں ہمارا ہائی سکول تھا اب اگر پشاور اور سیالکوٹ وغیرہ میں ہمارے ہائی سکول قائم ہو جائیں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہوگی۔ ان جگہوں کے لڑکے وہاں قائم شُدہ اسکولوں میں تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ صرف ایک جگہ پر ہی ہائی اسکول کا ہونا کافی نہیں۔ اب بھی ہمارے مدرسے کئی جگہوں پر ہیں۔ اسی طرح نئے مرکز میں بھی لوگ آئیں گے اور سکولوں سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ یہ جگہ تو چھوٹی سی ہے اگر اسے اِردگرد کے تین چار ضلعوں کا بھی مرکز بنا دیا جائے تو احمدیت کی ترقی کے بعد ہمیں اس سے بہت زیادہ جگہ کی ضرورت ہوگی۔ اس جگہ کا آبادی والا رقبہ صرف چار ہزار کنال ہے۔ اگر اس کو تین چار ضلعوں کا بھی مرکز بنا دیا جائے تو احمدیت کی ترقی کے بعد اس میں اور زیادہ توسیع کی ضرورت ہوگی۔ احمدیوں کی ہندوستان میں سرِدست دو تین لاکھ کی آبادی ہے جس کا مرکز قادیان تھا اس دو تین لاکھ کی آبادی کا مرکز کتنا بڑا ہو گیا تھا۔ اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ربوہ کو اِردگرد کے پانچ ضلعوں کا مرکز قرار دے دیا جائے یعنی اسے شیخوپورہ، سرگودھا، گوجرانوالہ، گجرات اور جہلم کا مرکز قرار دیا جائے تو ان ضلعوں کی آبادی پچاس لاکھ ہے اگر یہ سب لوگ احمدی ہو جائیں تو یقیناً ان کے لئے ہمیں بہت بڑے مرکز کی ضرورت ہوگی۔ پس قادیان کے مل جانے کے بعد بھی ربوہ اپنی حیثیت کو کھو نہیں سکتا۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ خانہ کعبہ اصل مسجد ہے مگر کیا اس خیال سے کہ ہم اس میں نمازیں ادا نہیں کر سکتے ہم دوسری مسجدیں بنانا چھوڑ دیتے ہیں؟ مسجد تو اصل وہ ہے مگر کیا ہر شہر، ہر محلّہ اور ہر گاؤں میں مسجدیں نہیں بنائی گئیں؟ باوجود اس کے کہ اصل مسجد موجود ہے۔ دنیا میں ہمیشہ نئی سے نئی مسجدیں بنائی جاتی ہیں۔ اگر ہم زمانہ کے لحاظ سے یا خرچ اور سفر کی وجہ سے خانہ کعبہ نہیں جا سکتے اور دوسری جگہوں پر مساجد بنا لیتے ہیں اور انہیں بے برکت قرار نہیں دیتے تو یہ کتنی بڑی بیوقوفی کی بات ہے کہ اگر ہم ایک نیا مرکز بنا لیں گے تو وہ بابرکت نہیں ہوگا۔ دیکھو کانپور میں ایک مسجد کے غسلخانے کی ایک دیوار گرا دی گئی تھی جس پر ہندوستان میں شور برپا ہو گیا تھا حالانکہ وہ مسجد نہیں، مسجد کا غسلخانہ نہیں، مسجد کے غسلخانہ کی صرف ایک دیوار تھی جس پر شور برپا ہو گیا۔ خانہ کعبہ کی نقل میں پہلے عرب میں مسجدیں بنائی گئیں۔ پھر عرب کی نقل میں ایران میں

مسجدیں بنائی گئیں؟ پھر ایران کی نقل میں افغانستان میں مسجدیں بنائی گئیں؟ پھر افغانستان کی نقل میں پنجاب میں مسجدیں بنائی گئیں؟ پھر پنجاب کی نقل میں دہلی، آگرہ اور کانپور میں مسجدیں بنائی گئیں۔ غرض وہ مسجد بیسیوں نقلوں کی نقل تھی اس کے غسلخانے کا مسلمانوں میں اتنا احترام تھا کہ جب اُس کی ایک دیوار گرائی گئی تو سارے ہندوستان میں ایک شور مچ گیا اور مسلمانوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مسجد کی بے حرمتی کی گئی ہے۔ جب ہزار نقلوں کی نقل نہیں بلکہ اس نقل کے غسلخانہ کی ایک دیوار بابرکت ہوسکتی ہے تو قادیان کے مرکز کی جو نقل ہوگا وہ کیوں بابرکت نہیں ہوگا۔ آخر مسجد بھی تو نقل ہے خانہ کعبہ کی۔ مگر کیا کوئی شخص جرأت کرسکتا ہے کہ اس کی بے حرمتی کرے اس لئے کہ وہ اصل مسجد نہیں۔ اسی طرح بے شک ربوہ قادیان کی نقل ہوگا مگر جو فعال نقل بنائی جائے گی عام نقلیں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں بلکہ میں کہتا ہوں اگر ویسٹ افریقہ میں بھی کوئی مرکز بنایا جائے تو وہ جگہ بھی بابرکت ہو جائے گی کُجا وہ جگہ جو قادیان کے لوگوں کو پناہ دینے کے لئے بنائی جائے وہ بابرکت نہ ہو وہ تو یقیناً بابرکت ہوگی اور اس کے بابرکت ہونے میں کوئی شُبہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب شبہات قیاسات سے پیدا ہوئے ہیں جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا مقصد کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ تنظیم کے لئے مرکز کی کیسی شدید ضرورت ہوا کرتی ہے۔ مجھے تو حیرت آتی ہے کہ اس قسم کے شبہات پیدا کس طرح ہو جاتے ہیں۔ جب شہد تیار ہو جاتا ہے اور لوگ اس شہد کو لینے کے لئے جاتے ہیں تو ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جب کوئی شہد لینے کے لئے چھتے کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے تو فوراً ایک مکھی جو کوئین (QUEEN) ہوتی ہے اس کی ایک بیٹی اور دوسری مکھیوں کا ایک جھنڈ اُڑ کر دوسری جگہ چلا جاتا ہے اور نئے چھتے کی تلاش کرتا ہے اور پیشتر اس کے کہ شہد لینے والا شہد حاصل کرے شہد کی مکھیاں دوسری جگہ پر نیا چھتہ تیار کرنا شروع کر دیتی ہیں باوجود اس کے کہ شہد کی مکھیوں کو شہد کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، باوجود اس کے کہ وہ ان کے کسی کام نہیں آتا بلکہ دوسرا شخص شہد لے جاتا ہے صرف اس لئے کہ یہ کام ان کے سپرد ہوا ہے وہ فوراً وہاں سے اُڑ جاتی ہیں اور دوسرا چھتہ تیار کر لیتی ہیں کیا انسان کے اندر مکھی جتنی بھی عقل نہیں کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اعتراض کرنے شروع کر دیتا ہے۔ درحقیقت یہ تو ہماری کوتاہی

اور غفلت کی علامت ہے کہ ہم اتنی دیر تک کوئی نیا مرکز قائم نہیں کر سکے۔
مجھے ایک شخص کی بات پر جو ایک قسم کی جہالت تھی حیرت آتی ہے۔ مجھے ایک احمدی دوست نے بتایا کہ اس کے پاس ایک زمیندار آیا اور اس نے باتیں کرنی شروع کر دیں۔ گفتگو کے دوران میں اس نے کہا تقسیم سے پہلے احمدیہ جماعت کی عظمت کا مجھ پر بہت اثر تھا اور میں سمجھتا تھا کہ باقی مسلمان تو یونہی ہیں اصل کام کرنے والی یہی جماعت ہے مگر تقسیم کے بعد ان کا مجھ پر وہ اثر نہیں رہا۔ اس احمدی دوست نے بتایا کہ میں نے اُس سے سوال کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک سال ہو گیا ہے مگر یہ ایک جگہ پر ابھی بیٹھے بھی نہیں انہیں چاہئے تھا کہ فوراً اپنا کام شروع کر دیتے اور اپنے لئے ایک مرکز بنا لیتے۔ میں نے کہا گورنمنٹ کے ساتھ خط و کتابت ہو رہی ہے اس لئے دیر ہو گئی ہے۔ اس نے کہا یہی تو مجھے اعتراض ہے اگر ان لوگوں میں جنون ہوتا تو وہ زبردستی اپنا مرکز قائم کر لیتے خواہ انہیں گولیاں چلا کر مار دیا جاتا۔ چاہے یہ مکمل عقل کی بات نہیں مگر اس حد تک دانائی کی بات ہے کہ ہمیں چاہئے تھا کہ فوراً مرکز قائم کر کے اپنا کام شروع کر دیتے۔ اگر ہماری جماعت اس بارہ میں کوتاہی اور غفلت سے کام لیتی ہے اور مرکز کے بنانے میں دیر کرتی ہے تو وہ اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑا مارتی ہے اور اگر وہ مرکز کی حقیقت کو نہیں سمجھتی تو وہ روحانی بینائی سے محروم ہے۔
بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم وہاں مکان بنائیں گے اور پھر قادیان کے واپس ملنے پر وہاں چلے جائیں گے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہمارا روپیہ ضائع ہو گیا مگر یہ بالکل غلط اعتراض ہے۔ اس کا جواب میں نے پہلے بھی کئی بار دیا ہے۔ قادیان کے ملنے میں آخر کچھ وقت تو لگے گا جب ہم سفر کے لئے جاتے ہیں تو باوجود اس کے کہ وہ پانچ دس گھنٹے کا ہوتا ہے ہم اس کے لئے فرسٹ یا سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لے لیتے ہیں یا فرسٹ اور سیکنڈ کلاس کے ٹکٹ لینے کی توفیق نہیں ہوتی تو ہم تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لے لیتے ہیں اور ساتھ ہی ایسی چیزیں رکھ لیتے ہیں جو رستہ میں کام آتی ہیں تا وہ چند گھنٹوں کا سفر آرام سے کٹ جائے۔ مثلاً ہم کھانے پینے کی چیزیں ساتھ رکھ لیتے ہیں، پانی کی صراحی ساتھ رکھ لیتے ہیں یا کوئی اور چیز ساتھ لے لیتے ہیں۔ ہم دو چار گھنٹہ کے سفر کے لئے تو ایسا کرتے ہیں لیکن دوسری طرف ہم خیال کرتے ہیں کہ وہ مرکز جہاں

ہم نے اکٹھے ہوکر دنیا کو فتح کرنے کی سکیمیں سوچنی ہیں اُس پر خرچ کیا ہوا روپیہ ضائع چلا جائے گا۔ اوّل تو وہ روپیہ ضائع نہیں ہوگا لیکن اگر ہمارا دس بیس لاکھ روپیہ ضائع بھی ہو جائے تو اس کام کے مقابلہ میں جو ہم نے کرنا ہے اس روپے کی پرواہ ہی کیا ہے۔ اس روپیہ کے ضائع ہونے کی ہمیں اتنی بھی حس نہیں ہونی چاہیئے جتنی کہ جسم کی مَیل اُتر جانے کی ہوتی ہے۔

کہتے ہیں جب شاہ جہاں کی بیوی ممتاز محل فوت ہوئی تو اُس نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ آیا اور اُس نے نقشہ کھینچ کر بتایا کہ ممتاز محل کے لئے جنت میں ایسی جگہ تیار کی گئی ہے۔ شاہ جہاں نے چاہا کہ وہ اِس قسم کا روضہ تیار کرائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شاہ جہاں نے ممتاز محل کی زندگی میں ہی یہ خواب دیکھی تھی۔ بہرحال شاہ جہاں نے جب اس کا انجینئروں سے ذکر کیا تو اُنہوں نے کہا ہم ایسی عمارت نہیں بنا سکتے۔ اُن دِنوں ایک انجینئر ایران سے آیا ہوا تھا اس نے بادشاہ سے کہا ایسی عمارت بن تو سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے آپ دو لاکھ کے توڑے اپنے ساتھ لے لیں اور میرے ساتھ دریا کے پار جائیں۔ شاہ جہاں نے ایک ایک ہزار کے دوسَو توڑے لے لئے۔ جب کشتی چلی تو اس انجینئر نے ایک توڑا اُٹھایا اور دریا میں پھینک کر کہا کہ بادشاہ سلامت اس طرح روپیہ خرچ ہوگا تب عمارت بنے گی۔ شاہ جہاں نے کہا کوئی حرج نہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے ایک اور توڑا دریا میں پھینک کر کہا۔ بادشاہ سلامت اس طرح روپیہ خرچ ہوگا۔ پھر اس نے ایک اور توڑا پھینکا مگر شاہ جہاں نے اُس کی ذرا بھی پرواہ نہ کی یہاں تک کہ دریا کے آخر تک دو لاکھ کے توڑے ختم ہوگئے اور شاہ جہاں کے چہرے پر قطعاً ملال کے کوئی آثار ظاہر نہ ہوئے۔ جب انجینئر دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچا تو اس نے کہا بادشاہ سلامت! آپ کی خواہش کے مطابق عمارت بن جائے گی۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسی عمارت وہ دوسرے انجینئر بھی بنا سکتے تھے لیکن اُنہوں نے یہ خیال کیا کہ اس عمارت کے تیار کرنے پر بہت زیادہ روپیہ خرچ ہوگا۔ اگر ہم نے یہ عمارت شروع کی تو کہیں ہم مار نہ دیئے جائیں اس لئے کہ ہم نے خزانہ کا اِس قدر روپیہ کیوں خرچ کرایا۔ میں نے آپ کا امتحان لے لیا ہے میں نے دو لاکھ کے توڑے دریا میں پھینک دیئے مگر آپ نے اُف تک نہیں کی تب میں سمجھا کہ اگر اس عمارت کی تیاری پر آپ کا دو کروڑ روپیہ بھی لگ جائے گا تو

آپ اس کی پرواہ نہیں کریں گے۔

پس بڑے اور بلند کاموں کے لئے ان چیزوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب اتنا بڑا کام ہمارے سپرد ہوا ہے یعنی ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کو تمام دنیا میں قائم کرنا ہے اور اسلام کو باقی تمام ادیان پر غالب کرنا ہے تو پھر یہ سوال ہی کیا ہے کہ اس پر ہمارا روپیہ ضائع چلا جائے گا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر ہم ہر سال بھی ایک نیا مرکز بنائیں تو جماعت کے مخلص لوگ اس کی پرواہ نہیں کریں گے جب انہیں ایک مرکز سے نکال دیا جائے گا تو وہ آگے جا کر ایک اور نیا مرکز بنا لیں گے اور سمجھیں گے کہ جو خدا تعالیٰ نے انہیں دیا تھا وہ اس کے کاموں میں صرف ہو گیا اور اس سے بڑھ کر اور نعمت ہی کیا ہے کہ ہم خدا کا دیا ہوا روپیہ اُسی کے کاموں پر خرچ کریں۔

پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس عارضی مرکز کے بارہ میں غفلت میں نہ رہے۔ زمین کی قیمتیں بڑھتی چلی جائیں گی۔ قادیان میں ایسا ہی ہوا تھا یہاں تک کہ بیس بیس ہزار روپیہ فی کنال تک قیمت پہنچ گئی تھی۔ ہم نے خود انجمن کے لئے ساٹھ ہزار روپیہ پر ایک ٹکڑہ زمین خریدا تھا اسی طرح جو اس جگہ میں برکتیں ہونگی ان سے بھی ان کو حصہ ملتا رہے گا۔ درس و تدریس ہوگا، نئی نئی تحریکوں میں جلد از جلد حصہ لینے کا موقع ملے گا۔ پس جماعت کو اس بارہ میں سستی نہیں کرنی چاہئے۔ جس خدا نے مکہ کو برکت دی ہے، جس خدا نے مدینہ کو برکت دی ہے، جس خدا نے قادیان کو برکت دی ہے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اُس کے خزانے میں ابھی بہت سی برکتیں باقی ہیں تم گھبراؤ نہیں خدا تعالیٰ اِس جگہ کو بھی بابرکت بنا دے گا۔ تمہاری نیت یہی ہونی چاہئے کہ تم وہاں جا کر دین کی خدمت کرو۔ جب تم وہ نیت کر لو گے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی، جب تم وہ نیت کر لو گے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی تھی تو تمہیں وہ برکتیں ملیں گی جو اُنہیں ملیں کیونکہ جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کی تکمیل کے لئے کھڑا ہوگا اُس کا کام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہوگا۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام خدا تعالیٰ کا کام تھا۔

اس کے بعد میں جماعت کو اس طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں

کہ ہمارے دفاتر ربوہ چلے گئے ہیں۔ دفاتر کے وہاں چلے جانے کے بعد چندے میں یکدم کمی آ گئی ہے اب چونکہ دو جگہیں بن گئی ہیں اِس لئے دوست سمجھتے ہیں کہ جب تمام دفاتر وہاں چلے جائیں گے تب چندے بھیج دیں گے یا پہلے لاہور چل کر پتہ کر لیں پھر چندے بھیجیں گے غالباً اس کے نتیجہ میں ہی چندوں میں کمی واقع ہوگئی ہے اور پچھلے تین مہینہ میں سلسلہ کا ایک لاکھ روپیہ کا نقصان ہوا ہے آخر یہ کام آپ لوگوں نے ہی کرنا ہے اور کسی نے نہیں کرنا۔ چندہ اکٹھا دینا مشکل ہوتا ہے اور قسط وار دینا آسان ہوتا ہے۔ اس لئے میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے چندے جلد از جلد ربوہ میں بھجوانے شروع کر دیں۔ عارضی دفاتر یہاں ہیں اصل دفاتر ربوہ میں ہیں اس لئے جو چندے جمع ہوں اُنہیں جلد از جلد ربوہ میں بھجوا دینا چاہئے۔ اگر چندوں میں اسی طرح سستی ہوتی رہی اور روپیہ نہ آیا تو سلسلہ کے کاموں کو نقصان پہنچے گا اور چونکہ ہم نیا مرکز بنانے والے ہیں اس لئے ہمیں زیادہ روپیہ کی ضرورت ہے کم روپیہ کفایت نہیں کر سکتا۔

اب میں آخری بات جس کی طرف ہماری جماعت کا توجہ کرنا ضروری ہے کہہ کر اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ پہلے مسلمانوں کے پاس اپنا کوئی وطن نہیں تھا لیکن اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل سے ایک مقام عطا فرمایا ہے جسے ہم اپنا وطن کہہ سکتے ہیں۔ بیشک ہم کہلاتے تو اُس وقت بھی ہندوستانی تھے لیکن جب ہمارے وطن کی باگ ڈور کسی اور قوم کے ہاتھ میں تھی تو یہ وطن درحقیقت نہ ہونے کے برابر تھا۔ مسلمانوں نے خدا تعالیٰ کے سامنے التجا کی کہ وہ انہیں ایک علیحدہ وطن بخشے اور اس کے لئے اُنہوں نے کوشش بھی کی تو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ایک علیحدہ وطن بخش دیا جس کا نام پاکستان رکھا گیا ہے۔ اس وطن کے مل جانے کے بعد ہماری ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ پہلے زمانہ میں اگر کوئی مُلک اِس پر حملہ کرتا تھا یا کسی مُلک سے ہمارے مُلک کی لڑائی ہو جاتی تھی تو ہم کہتے تھے کہ اس مُلک پر انگریز حکومت کرتا ہے اس لئے ہمیں لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ انگریز جائے اور دشمن سے لڑے گویا اُس وقت آسانی کے ساتھ ہم وہی کچھ کہہ سکتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے آپ سے کہا آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کنعان کا مُلک تمہارے لئے مقدر کیا ہوا ہے تم لڑائی کرو اور مُلک لے لو۔ موسیٰ علیہ السلام کی

قوم نے جواب دیا کہ جب خدا تعالیٰ کا ہم سے وعدہ ہے کہ وہ ہمیں یہ مُلک دے گا تو پھر ہمیں لڑائی کے لئے کیوں کہا جاتا ہے تو جا اور تیرا خدا دونوں لڑو اور اس مُلک کو حاصل کرو جب یہ مُلک فتح ہو جائے گا تو ہم اس میں داخل ہو جائیں گے۔ وہ بیوقوف یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ اُنہی کا کام تھا خدا تعالیٰ کا اس میں کوئی فائدہ نہیں تھا لیکن بہرحال جب ہندوستان پر انگریز کی حکومت تھی اس وقت یہ کہا جا سکتا تھا کہ انگریز ہم پر حکومت کرتا ہے وہ لڑتا پھرے ہم تو اسے ٹیکس ادا کر دیتے ہیں ہمیں لڑنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اب خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمیں ایک وطن مل گیا ہے اور اس نئے وطن کے مل جانے کے بعد ہماری ذمہ داریاں بدل گئی ہیں اب اس کی حفاظت انگریز کے ذمہ نہیں۔ اب انگریز کی اِس مُلک پر حکومت نہیں کہ وہ جائے اور دشمن سے لڑے۔ اب اس مُلک پر ہماری حکومت ہے اور اس کی حفاظت کے لئے ان لوگوں کو ہی لڑنا پڑے گا جو اس میں بستے ہیں اور جن کا یہ وطن ہے۔ دیکھو! جس شخص کا بچہ بیمار ہوتا ہے وہی اس کا علاج کرتا ہے جس کا گھر ٹپکتا ہے وہی اس پر مٹی ڈالتا ہے جس پر کوئی درندہ حملہ کرتا ہے اسی کو دفاع کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ دوسرے لوگ اگر اُس کی مدد کے لئے آ جائیں تو یہ ان کا احسان ہوگا لیکن اصل ذمہ داری اُسی کی ہوگی۔ بہرحال مسلمانوں کو ایک وطن مل گیا ہے جس کو وہ اپنا وطن کہہ سکتے ہیں اور اس کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری اخلاقی اور مادی طور پر مسلمانوں پر ہی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ محفوظ مُلک نہیں۔

میں اِس وقت تفصیل کے ساتھ یہ نہیں بتا سکتا کہ پاکستان کو کیا کیا خطرات درپیش ہیں لیکن ظاہر ہے کہ تقسیم کے بعد پاکستان کی آبادی دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ اس کی کثیر آبادی مشرقی پاکستان میں ہے اور قلیل آبادی مغربی پاکستان میں ہے۔ مغربی پاکستان کی آبادی تین کروڑ سے کچھ زیادہ اور مشرقی پاکستان کی آبادوی چار کروڑ سے کچھ کم ہے لیکن مشرقی پاکستان کی جو آبادی ہے وہ جنگی نہیں۔ ایک لمبے عرصے سے وہ لوگ فنونِ جنگ سے بے بہرہ ہیں۔ اُن میں وہ جرأت اور بہادری نہیں پائی جاتی جو ایک آزاد قوم میں پائی جانی ضروری ہے لیکن اُس میں بعض معدنیات اور بعض زرعی اشیاء ایسی پائی جاتی ہیں جن کے بغیر پاکستان زندہ نہیں رہ سکتا۔ جوٹ اور بعض دھاتیں جو وہاں پائی جاتی ہیں ایسی ہیں جو صرف پاکستان کے خزانے کو ہی

مضبوط کرنے والی نہیں بلکہ اس کے خارجی تعلقات کو بھی مضبوط کرنے والی ہیں اگر مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے کٹ جائے تو مغربی پاکستان کا قیام نہایت مشکل ہو جاتا ہے۔ بے شک مغربی پاکستان میں بھی زرعی اشیاء اور قیمتی دھاتیں پائی جاتی ہیں مگر اُس کی آبادی اتنی تھوڑی ہے کہ وہ بڑی آبادی والے مُلکوں کے مقابلہ میں جیت نہیں سکتا۔ پھر اس زمانہ میں جب کہ جمہوریت قائم ہو چکی ہے اور لڑائی صرف بادشاہوں اور سپاہیوں کی ہی نہیں ہوتی بلکہ مُلک کے ہر فرد کو لڑائی میں حصہ لینا پڑتا ہے کسی مُلک کی آبادی کا کم ہونا اس کے لئے نہایت مضر ہے۔ چنانچہ نئے تغیرات کے بعد آبادی کی زیادتی کی قیمت بجائے اس کے کہ وہ کم ہوتی پہلے سے بڑھ گئی ہے۔ پُرانے زمانے میں چھوٹے چھوٹے مُلک اُٹھتے تھے اور بڑے بڑے ممالک پر فتح حاصل کر لیتے تھے کیونکہ اُس وقت صرف بادشاہوں اور سپاہیوں کی لڑائی ہوتی تھی مُلک کے ہر فرد کو لڑائی میں حصہ نہیں لینا پڑتا تھا کسی مُلک کی فوج کا تعداد میں زیادہ ہونا اور مضبوط ہونا ہی اُس کی فتح کے لئے کافی ہوتا تھا۔ یونان کی آبادی کتنی تھوڑی تھی۔ دس بارہ لاکھ سے زیادہ نہ تھی لیکن وہاں سے سکندر نکلا اور اس نے عرب اور مصر اور عراق اور ایران اور افغانستان وغیرہ ممالک کو فتح کر لیا اور اس کے بعد ہندوستان کو بھی فتح کر لیا۔ غرض ایک دس بارہ لاکھ کی آبادی والے مُلک نے کروڑوں کروڑ کی آبادی والے مُلکوں کو فتح کر لیا۔ اِسی طرح مغل نکلے۔ مغلوں کی دو قومیں تھیں۔ برلاس اور چغتائی۔ پہلے چغتائی نکلے اور اُنہوں نے ایک طرف جہاں یورپ کو فتح کر لیا وہاں دوسری طرف وہ چین کے انتہائی کناروں تک پہنچ گئے اور جاپان پر بھی قابض ہو گئے حالانکہ ان کی اپنی آبادی صرف دو تین لاکھ تھی۔ پھر برلاس نکلے اُن کی آبادی بھی دو تین لاکھ سے زیادہ نہ تھی مگر اُنہوں نے کروڑوں کروڑ کی آبادی رکھنے والے ممالک کو فتح کر لیا۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اُس زمانہ میں صرف بادشاہ لڑتے تھے اُن کی رعایا نہیں لڑتی تھی۔ بادشاہ جتنی فوج رکھتا تھا اگر وہ شکست کھا جاتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ مُلک شکست کھا گیا اور اگر فوج جیت جاتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ مُلک فتح پا گیا۔ مثلاً ہندوستان کے بادشاہ کے پاس پچاس ہزار کی فوج ہے اگر کوئی دوسرا قبیلہ اُٹھتا ہے اور اس کی فوج پچاس ہزار ہے یا کچھ زیادہ ہے تو پُرانے زمانہ کے دستور کے مطابق وہ

ہندوستان پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے کیونکہ ہندوستان کی فوج بھی پچاس ہزار ہے اور اس قبیلہ کی فوج بھی پچاس ہزار ہے خواہ اس کی اپنی آبادی دو لاکھ کی ہو اور ہندوستان کی آبادی دس کروڑ ہو لیکن اب صرف حکومت ہی نہیں لڑتی بلکہ مُلک لڑتا ہے۔ حکومت اب عوام کے ہاتھ میں چلی گئی ہے اور چونکہ اب حکومت عوام کے ہاتھ میں چلی گئی ہے اس لئے جب کسی مُلک کی دوسرے سے لڑائی ہو جاتی ہے تو اس کا ہر فرد لڑائی کیلئے تیار ہو جاتا ہے اس لئے اب آبادی کی بڑی قیمت ہے۔ اگر کسی مُلک کی آبادی دو کروڑ ہو اور وہاں جمہوریت قائم ہو تو جب کبھی اس کی دوسرے مُلک سے لڑائی ہوگی اُس کا ہر فرد لڑائی کے لئے تیار ہو جائے گا۔ یہ چیز پہلے زمانہ میں نہیں ہوتی تھی۔

اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے تم یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ تمہارے ایک ہمسایہ مُلک کی آبادی تیس کروڑ ہے اور مغربی پاکستان کی آبادی صرف سَوا تین کروڑ ہے گویا مغربی پاکستان کے ایک آدمی کے مقابلہ میں ہندوستان کے پاس دس آدمی ہیں۔ اگر جمہوریت کی کوئی جنگ ہوئی ہم نہیں جانتے کہ جنگ ہوگی بھی یا نہیں لیکن وہ آدمی بے وقوف ہوتا ہے جو امکانات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اگر جمہوریت کی جنگ ہوئی تو یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ ہندوستان کے پاس ڈیڑھ لاکھ کی فوج ہے اور پاکستان کے پاس اسّی ہزار، اور ہوسکتا ہے کہ اسّی ہزار ڈیڑھ لاکھ پر غالب آ جائے بلکہ اس وقت ہمارے مقابلہ میں ہندوستان کی تیس کروڑ کی آبادی ہوگی۔ اگر مغربی پاکستان کا ہر ایک فرد جنگ کے لئے تیار ہو جائے تو اس کی کل آبادی سَوا تین کروڑ ہے۔ اگر یہاں کے سب کے سب افراد لڑائی کے لئے پوری طرح تیار ہو جائیں تو یہ سوا تین کروڑ تیس کروڑ کے مقابلہ میں ہوگا اور اگر سب نے اپنی ذمہ داری کو نہ سمجھا۔ ان کے اندر قربانی کا احساس پیدا نہ ہوا، ان کے اندر اپنے مُلک کی حفاظت کے لئے جوش پیدا نہ ہوا بلکہ ان میں سے نصف کے اندر یہ بات پیدا ہوئی تو صرف ڈیڑھ کروڑ تیس کروڑ کے مقابلہ میں ہوگا اور اگر صرف چوتھائی حصہ میں یہ بات پیدا ہوئی تو ہمارے پاس صرف پچھتر لاکھ آدمی لڑنے والا ہوگا۔ اس کیفیت کو سمجھو اور غور کرو کہ تمہیں کس قسم کی قربانی کی ضرورت ہے اگر تم میں سے ہر ایک شخص یہ فیصلہ کر لے کہ اُسے اپنے مُلک کی خاطر اگر کوئی قربانی کرنی پڑی تو وہ اس

سے کوئی دریغ نہیں کرے گا اور وہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنے مُلک کو آزاد رکھنے کیلئے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہوگا۔ تب بھی ہندوستان کی تیس کروڑ آبادی کے مقابلہ میں ہمارا صرف تین کروڑ ہوگا یہ بھی ایک غیر طبعی مقابلہ ہے مگر بہر حال اتنی بات تو ہے کہ ایک اور پونے دس کی نسبت ہوگی۔ دُنیوی تدبیر کے لحاظ سے یہ نقطۂ نگاہ ہماری تسلی کا موجب نہیں ہوسکتا لیکن ایک اور امر ایسا ہے جو ہمارے لئے تسلی کا موجب ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ اگر تم سچے مؤمن بن جاؤ تو تم میں سے ایک مؤمن دس کافروں پر غالب آ سکتا ہے۔ اب اگر سَوا تین کروڑ آدمی کے اندر اسلام کا حقیقی درد ہو اور وہ اپنے اندر جرأت اور ایثار پیدا کر لیں، اگر وہ اپنے اندر قربانی کی روح پیدا کر لیں تو یہ سَوا تین کروڑ پینتیس کروڑ کافروں پر غالب آ سکتے ہیں گویا اگر ہمارے لئے کامیابی کی کوئی مادی صورت موجود نہیں تو روحانی صورت ضرور موجود ہے۔ اگر تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ ایک دس پر غالب آیا ہو تو قرآن کریم کی ایک آیت ضرور کہتی ہے کہ اگر تم سچے مؤمن بن جاؤ تو تم قلیل ہو کر کثیر پر غالب آ سکتے ہو۔ قرآن کریم کے یہ الفاظ ہمیں بتاتے ہیں کہ اگر ہم سچے طور پر کوشش کریں اور اسلام کے اصول کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں تو ہم اپنے ہمسایوں پر غالب آ سکتے ہیں۔ مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر بیداری پیدا کریں اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی کوشش کریں ہم کبھی یہ اُمید نہیں کر سکتے کہ ہم سارا وقت سینماؤں اور گانوں میں لگا دیں لیکن لڑائی کے وقت فرشتے ہماری پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر ہمیں دشمن پر غلبہ دے دیں گے۔ جیسے پُرانے زمانوں میں فقیروں کا دستور تھا کہ جب کوئی فقیر آ کر پیسہ مانگتا اور دوسرا شخص انکار کر دیتا تو وہ کہتا تھا۔ اُلٹا دوں چودہ طبق۔ حالانکہ اگر چودہ طبق اس کے قبضہ میں ہوتے تو وہ پیسہ پیسہ کیوں مانگتا۔ اسی طرح اگر ہم بھی یہ سمجھتے رہیں گے کہ فرشتے اُتریں گے اور وہ فنونِ جنگ کا علم ہمارے سینوں میں بھر دیں گے تو یہ ایک نامعقول بات ہوگی اگر دنیا میں پہلے کبھی ایسا ہوا ہوتا تب بھی کوئی بات تھی لیکن اگر ایسا کبھی نہیں ہوا تو ہمیں بھی وہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اختیار کیا تھا، ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا جو عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اختیار کیا تھا، ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں صحابہؓ نے

اختیار کیا تھا ہمیں اس قسم کے واقعات آنے سے پہلے ہر قسم کی تیاری کرنی پڑے گی۔ اگر ہم پہلے سے تیاری نہیں کرتے اور عین وقت پر خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں تو اس کے فرشتے ہم پر لعنت بھیجیں گے اور کہیں گے کہ تم خدا تعالیٰ کا نام گستاخی سے لیتے ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ باوجود اس کے کہ آپ سارا دن دینی کاموں میں مصروف رہتے تھے، سارا دن آپ مقدمات کے فیصلوں میں خرچ کر دیتے تھے۔ سارا دن آپ عبادت میں لگا دیتے تھے تو پھر بھی آپ کوئی نہ کوئی ایسا وقت نکال لیتے تھے جس میں آپ صحابہ سے پریڈ کروایا کرتے تھے، آپ ان سے تیر اندازی کرواتے اور انہیں فوجی ٹریننگ دیتے بلکہ بعض دفعہ آپ کو باہر جانے کی فرصت نہیں ہوتی تھی تو آپ مسجد میں ہی یہ مشق کروا لیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے بخاری میں روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن آپ سے فرمایا۔ عائشہ! کیا تم نے تماشہ دیکھنا ہے اگر تم تماشہ دیکھنا چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہاں یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ دروازے میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا عائشہ! میرے پیچھے کھڑی ہو جاؤ اور میری گردن کے پاس سے دیکھو۔ پھر آپ نے حبشی اور عرب قبائل کی مصنوعی لڑائی مجھے دکھائی [۱۱]۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بھی یہ چیزیں سکھاتے رہتے تھے۔ اب تو کئی ایسے ذرائع نکل آئے ہیں جن سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے مثلاً ہوم گارڈ ہے، نیشنل گارڈ ہے ان کے ذریعہ جو شخص چاہے فوجی تربیت حاصل کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص لڑائی کے فنون سیکھے گا تو وقت پر یہ اُس کے کام آ سکیں گے اِس کے علاوہ جس کو بھی اللہ تعالیٰ توفیق دے وہ لائسنس حاصل کرے اور بندوق چلانے کی مشق کرے۔ میں نے دیکھا ہے بعض لوگ بندوق خرید لیتے ہیں لیکن وہ چلا نہیں سکتے۔ قادیان پر جن دنوں حملہ ہوا ہے اُن دنوں ہم نے دریافت کیا کہ کن کن لوگوں کے پاس لائسنس ہیں جب ہم کسی سے پوچھتے تھے کہ کیا تمہارے پاس لائسنس ہے؟ تو وہ جواب دیتا تھا جی ہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہے جب ہم پوچھتے تھے کیا تمہارے پاس بندوق ہے؟ تو وہ جواب دیتا تھا جی ہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہے۔ لیکن جب ہم پوچھتے کہ کیا کارتوس ہیں؟ تو وہ جواب دیتا جی کارتوس تو نہیں۔ جب کارتوس نہیں تو تم نے لڑنا کس چیز سے ہے۔ اگر کارتوس نہ ہوں تو

بندوق اور لٹھ میں کیا فرق ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ شاید بندوق آپ ہی آپ چلا کرتی ہے۔ جب کارتوس نہیں ہونگے تو نشانہ بازی کیسے کی جاسکتی ہے اور جب تک بندوق چلائی نہ جائے مشق کیسے ہوسکتی ہے۔ میں بچپن سے ہی بندوق چلاتا آرہا ہوں اب کبھی کبھی ناغہ ہوجاتا ہے۔ اپنے وقت میں میں نے پستول کے ساتھ جانور مارے ہیں لیکن کچھ دن اگر گزر جائیں تو نشانہ درست نہیں رہتا۔ اس دفعہ جب میں کوئٹہ گیا تو میں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ آؤ تمہیں نشانہ سکھائیں۔ مجھے چونکہ مشق کئے دیر ہوچکی تھی اور وہ صبح شام مشق کرتی رہیں تیسرے چوتھے دن میری بیٹی نے مجھے بڑی شکست دی میں نے سمجھا کہ میری بیٹی دل میں کہتی ہوگی کہ ابا جان یونہی کہتے رہتے ہیں کہ ہم یوں نشانہ بازی کیا کرتے تھے اصل بات یہ ہے کہ اس کام کے لئے مشق کی ضرورت ہے۔ پس تم ہتھیار لو تو مشق کرو لیکن اس طرح کی مشق نہیں جیسے زمیندار مشق کیا کرتے ہیں۔ زمیندار ہمیشہ اپنے بنے کے شریک پر مشق کیا کرتے ہیں تم بیشک مشق کرو لیکن درخت اور دیوار وغیرہ پر کرو۔ کسی آدمی کے سینہ پر نہ کرو اور اگر کسی آدمی کے سینہ پر ہی کرنی ہے تو پھر وقت آنے پر دشمن کے سینہ پر کرنا پہلے نہ کرنا۔

ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ آجکل بعض لوگوں کی طرف سے یہ سوال اُٹھایا جارہا ہے کہ کشمیر کی جنگ جہاد ہے یا نہیں؟ قطع نظر اس کے کہ یہ سوال کتنی اہمیت رکھتا ہے دیکھنا یہ ہے کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمیں کشمیر سے ہمدردی ہے اور یہ لڑائی جہاد ہے وہ خود اس میں حصہ کیوں نہیں لیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ پنجابیوں نے اس میں بہت کم حصہ لیا ہے حکومت کی طرف سے کام کرنے والوں کے علاوہ سوائے ایک مثال کے اور کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی جماعت یا فرقہ نے طوعی طور پر کشمیر کی مدد کی ہو۔ بڑا کام یہی سمجھا جاتا ہے کہ جلسہ کیا۔ چند ریزولیوشن پاس کئے اور ''غلام عباس زندہ باد'' اور ''سردار ابراہیم زندہ باد'' کے نعرے لگائے اور سمجھ لیا کہ یہ پچیس پاؤنڈر توپیں ہیں جو دشمن کے خلاف کام کررہی ہیں حالانکہ جب تک تم کشمیر میں جاکر اور لڑائی میں حصہ لے کر ہندوستانیوں کو مردہ باد نہیں کرلیتے یہ لوگ ''زندہ باد'' کیسے ہوسکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طریق پر جنگ جاری ہے اور جس طرح وہ لمبی ہورہی ہے میں تفصیل میں تو نہیں جانا چاہتا لیکن پھر بھی میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ صورتِ حالات نہایت ہی خطرناک

ہے۔ اگر اب بھی تم نے اپنی ذمہ داریوں کو نہ سمجھا تو تم اس سے بھی زیادہ حسرت کے ساتھ اپنے ہاتھ ملو گے جس قدر حسرت کے ساتھ تم نے مشرقی پنجاب میں اپنے ہاتھ ملے تھے۔ اِس وقت بجائے اس کے کہ کشمیر کی مدد کی جاتی یہ بحثیں شروع ہو گئی ہیں کہ آیا کشمیر کی جنگ جہاد ہے یا نہیں۔ گویا جہاد کے سِوا وہ اور کوئی کام ہی نہیں کرتے۔ روٹی کھانا کیا جہاد ہے مگر کیا تم کھاتے ہو یا نہیں؟ پھر پانی پینا کیا جہاد ہے مگر دن اور رات میں تم کتنے گلاس پانی کے پی جاتے ہو۔ پھر لسّی اور دودھ پینا کیا جہاد ہے جب تمہیں کوئی شخص لسّی یا دودھ دیتا ہے تو تم یہ نہیں کہتے کہ پھینکو پَرے یہ جہاد نہیں بلکہ کہتے ہو لاؤ بِسْمِ اللّٰہِ۔ پھر تم بچے کو پیار کرتے ہو جب تم یہ کام کرتے ہو اور یہ کبھی سوال نہیں اُٹھاتے کہ یہ کام جہاد ہے یا نہیں تو اس لڑائی کے وقت جہاد کا سوال کرنا کون سی عقلمندی ہے۔ تم پانی پیتے ہو اس لئے کہ اگر تم پانی نہیں پیو گے تو پیاسے مر جاؤ گے، تم روٹی کھاتے ہو اس لئے کہ اگر تم روٹی نہیں کھاؤ گے تو بھوکے مر جاؤ گے، تم کپڑے پہنتے ہو اس لئے کہ اگر تم کپڑے نہیں پہنو گے تو تم ننگے ہو جاؤ گے لیکن اگر تم اس لڑائی میں شامل نہ ہوئے تو کیا خیریت رہے گی؟ اگر خیریت رہے گی تو بے شک تم یہ کام نہ کرو لیکن اگر خیریت نہیں رہے گی تو جہاد کا سوال ہی کیا ہے۔ تم روزانہ سینکڑوں کام کرتے ہو مگر کیا انہیں جہاد سمجھ کر کرتے ہو۔ تم صبح ہی اُٹھتے ہو تو اگر تمہیں حقہ کی عادت ہے تو حقہ لے کر اُسے تازہ کرتے ہو کیا یہ جہاد ہے، پھر اپنے جانوروں کو چارہ ڈالتے ہو کیا یہ جہاد ہے، پھر ہل چلاتے ہو کیا یہ جہاد ہے، پھر اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر گپیں ہانکتے ہو کیا یہ جہاد ہے، پھر اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ پیار کرتے ہو کیا یہ جہاد ہے، پھر اگر تمہارا کوئی دوست یا رشتہ دار کوئی تحفہ لاتا ہے تو تم اُسے قبول کرتے ہو کیا یہ جہاد ہے، تم پاخانہ کرتے ہو کیا یہ جہاد ہے، تم نہاتے ہو کیا یہ جہاد ہے، تم کپڑے دھوتے ہو کیا یہ جہاد ہے، تم تیل لگاتے ہو، تم کنگھی کرتے ہو، تم مسواک کرتے ہو کیا یہ جہاد ہے، اگر تم اپنے دن بھر کے کام گننے لگو تو وہ کروڑوں بن جاتے ہیں مگر کیا تم یہ سب کام جہاد سمجھ کر کرتے ہو۔ جب اپنی ضرورت آتی ہے تو تم وہ کام کر لیتے ہو اور کہتے ہو کہ ہماری عقل یہ کہتی ہے کہ یہ کام کرنا چاہئے اور تم یہ سوال نہیں کرتے کہ آیا یہ جہاد ہے یا نہیں۔ اگر جہاد ہے تو ہم کریں گے اور اگر جہاد نہیں تو نہیں کریں گے مگر جب خدا تعالیٰ کا سوال آتا ہے، جب اسلام کا

سوال آتا ہے، جب قوم اور وطن کا سوال آتا ہے تو تم پوچھتے ہو کہ آیا یہ جہاد ہے؟ گویا تم نے اپنی ساری عمر میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جو جہاد نہیں تھا۔ تم نے جو کام بھی کیا ہے اُسے جہاد سمجھ کر ہی کیا ہے۔ جب سے تمہیں ہوش آئی ہے تم کافر ہی مارتے رہے ہو۔ یہ کتنی بڑی شرم کی بات ہے کہ جب قوم اور وطن کے لئے قربانی کرنے کا سوال آیا تو تم پوچھتے ہو کیا یہ جہاد ہے؟ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ کشمیر کی جنگ میں وہ شرطیں نہیں پائی جاتیں جن شرائط کے پائے جانے سے یہ جہاد کہلا سکتی ہے مثلاً جہاد کی یہ شرط ہے کہ ایک امام ہو مگر یہاں کوئی امام نہیں۔ مگر یہ سوال تو تب ہو سکتا تھا جب تمہارے سب کام جہاد کے مطابق ہوتے۔ جب تم سب کام عقل کے ساتھ کرتے ہو اور یہ سمجھ کر نہیں کرتے کہ یہ جہاد ہے تو یہاں اس سوال کی کیا ضرورت ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِہٖ وَ عِرْضِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ[۱۲] جو شخص اپنے مال کو اور اپنی عزت کو بچاتے ہوئے مارا جاتا ہے وہ شہید ہے۔ آپ نے اس لڑائی کو جہاد نہیں کہا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے مال یا اپنی عزت کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے۔ تم میں سے ہر وہ شخص جو اپنی بیوی کی عزت کی حفاظت کرتا ہوا یا اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہوا مارا جاتا ہے وہ یقیناً شہید ہے۔ جو لوگ مشرقی پنجاب سے اپنی بیویوں، بیٹیوں، بہنوں اور ماؤں کو بچا کر لے آئے ہیں میں اُن پر کوئی اعتراض نہیں کرتا مگر جو لوگ اُنہیں وہیں چھوڑ کر آئے ہیں میں اُن سے کہتا ہوں کہ کیا آپ لوگوں کی رگِ حمیت اب بھی نہیں پھڑکی؟ آخر تم میں سے کتنے ہیں جو اپنے وطن کی خاطر یا اپنی قوم کی خاطر لڑائی کیلئے کشمیر جا رہے ہیں اگر اس میں جہاد سے کم ثواب ہے تو کیا لوگ ہر اُس کام کو جس کا ثواب تھوڑا ہو چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا ہے اُسے زیادہ ثواب ملتا ہے۔[۱۳] اب اگر جماعت کے ساتھ نماز نہ ملے تو کیا تم نماز نہیں پڑھا کرتے؟ کیا تم نماز چھوڑ دیا کرتے ہو؟ پھر فرض لیں، کیا تم فرضوں کی وجہ سے سنتوں کو چھوڑ دیا کرتے ہو اس لئے کہ اُن کا ثواب کم ہے یا کیا تم سنتوں کی وجہ سے نوافل کو چھوڑ دیا کرتے ہو اس لئے کہ اُن کا ثواب کم ہوتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ ساری چیزیں ہی اپنی اپنی جگہ پر ضروری ہیں اور وہ اپنے اپنے رنگ میں اہم ہیں پھر یہاں کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ہم تھوڑے

ثواب کو کیا کریں جہاد ہوتا تو شامل ہوتے۔

صحابہؓ میں تو ثواب حاصل کرنے کے لئے خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت اتنا خیال پایا جاتا تھا کہ ایک دفعہ ایک جنازہ ہوا۔ جنازہ کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تو ایک صحابیؓ نے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے۔ آپ فرماتے تھے اگر کوئی شخص جنازہ میں شامل ہو اور نماز جنازہ پڑھے تو اُسے اُحد کے برابر ایک قیراط کا ثواب ملتا ہے اور اگر کوئی شخص جنازہ کو کندھا بھی دے، قبرستان تک ساتھ جائے اور میت کے دفن ہونے تک وہیں رہے تو اسے دو قیراط کا ثواب ہوتا ہے۔ یہ بات سن کر ایک اور صحابیؓ نے غصہ سے کہا۔ آپ نے ہمیں یہ بات اتنا عرصہ کیوں نہ بتائی۔ معلوم نہیں ہم نے کتنے قیراط ثواب ضائع کر دیا ہے۔[۱۴] یہ چیز تھی جو صحابہؓ میں پائی جاتی تھی وہ چھوٹے سے چھوٹے ثواب کو بھی چھوڑنا پسند نہیں کرتے تھے۔ پس یہ غلط بات ہے کہ ہر ایک چیز کا انتہائی ثواب ہی ہو۔ تبھی اُسے کیا جائے، جب کسی چیز کا انتہائی ثواب نہیں ہوگا ہم اس میں حصہ نہیں لیں گے۔ بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِہٖ وَ عِرْضِہٖ فَھُوَشَھِیْدٌ۔ جو شخص اپنے مال یا عزت کو بچاتے ہوئے مارا جاتا ہے وہ شہید ہے۔ اسی طرح فرمایا حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ[۱۵] وطن سے محبت رکھنا بھی ایمان میں داخل ہے۔ پس جو شخص وطن کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے گا وہ گویا ایمان کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید ہوگا۔ پس وہ جہاد جو مخصوص حالات اور زمانوں میں ہوتا ہے اس کے علاوہ جب ہم اور کئی کام کرتے ہیں، جہاد میسر نہ آنے پر بھی ہم روٹی کھاتے ہیں، پانی پیتے ہیں، اپنے بیوی بچوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کے علاوہ دن اور رات میں سینکڑوں کام کرتے ہیں اور ان میں سے کسی کام کے متعلق بھی ہم یہ سوال نہیں کرتے کہ آیا یہ جہاد ہے یا نہیں تو اب اگر وطن کی حفاظت کا سوال آنے پر ہم مختلف قسم کے بہانے بناتے ہیں تو ہم بہانہ خور ہیں۔ ہم یقیناً جھوٹے ہیں سچے نہیں، ہم بے وقوف ہیں عقلمند نہیں اور یہ محض ایک ایسا بودا عذر ہے جس میں ذرّہ بھر بھی حقیقت نہیں پائی جاتی۔

اب ہماری جماعت کو خصوصاً یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارا نظریہ اب بدل جانا چاہئے۔ ایک وقت تھا جب چندہ دینے سے تمہارا فرض ادا ہو جاتا تھا، ایک وقت تھا جب نماز پڑھنے سے تمہارا

فرض ادا ہو جاتا تھا لیکن اب صرف نماز پڑھ لینے سے تمہارا فرض ادا نہیں ہوگا، اب صرف زکوٰۃ دینے سے تمہارا فرض ادا نہیں ہوگا، اب صرف حج کر لینے سے تمہارا فرض ادا نہیں ہوگا اب تمہارے سپرد ایک چیز کی گئی ہے جس کی حفاظت کے لئے تم سے تمہاری جانوں کا مطالبہ کیا جائے گا اور مالی قربانیوں کے علاوہ تمہیں جانی قربانیاں بھی دینی پڑیں گی اور جو شخص اس سے گریز کرتا ہے یا جو شخص موت سے ڈرتا ہے اس کا ایمان ہرگز کامل نہیں اس کا ایمان ناقص ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی امید نہیں کر سکتا۔ مؤمن کے لئے جان کی قربانی پیش کرنا درحقیقت چیز ہی کوئی نہیں ہے۔ غالب کے متعلق لوگ بحثیں کرتے ہیں کہ وہ شراب پیا کرتا تھا یا نہیں۔ مگر میرا تو وہ رشتہ دار ہے اور میں نے اپنی نانیوں اور پھوپھیوں سے سنا ہوا ہے کہ وہ شراب پیتا تھا۔ ایسا شخص جو شراب کا عادی تھا وہ بھی کہتا ہے۔

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

یعنی اگر ہم خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دیتے ہیں تو کیا ہوا یہ جان بھی تو اُسی کی دی ہوئی تھی۔ پس خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اگر کوئی شخص جان بھی دے دیتا ہے تو وہ کوئی بڑی قربانی نہیں کرتا کیونکہ وہ جان بھی اُسی کی چیز ہے اور کسی کی امانت کو واپس کر دینا بڑی قربانی نہیں ہوتا۔

احادیث میں ایک صحابیہؓ کا قصہ آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے شوہر کو کسی اسلامی خدمت کے سلسلہ میں باہر بھیجا۔ اُن کا بچہ بیمار تھا اور اُنہیں اپنے بچہ کی بیماری کا قدرتی طور پر فکر تھا وہ صحابی جب واپس آئے تو ان کی غیر حاضری میں اُن کا بچہ فوت ہو چکا تھا۔ ماں نے اپنے مردہ بچہ پر کپڑا ڈال دیا۔ وہ نہائی دھوئی اور خوشبو لگائی اور بڑے حوصلے کے ساتھ اس نے اپنے خاوند کا استقبال کیا۔ وہ صحابی جب گھر آئے تو اُنہوں نے آتے ہی سوال کیا کہ بچے کا کیا حال ہے۔ اس صحابیہ نے جواب دیا۔ بالکل آرام ہے۔ اُنہوں نے کھانا کھایا پھر تسلی کے ساتھ آرام سے لیٹ گئے اور تعلقاتِ زوجیت بھی پورے کئے۔ جب وہ اپنی بیوی سے مباشرت کر چکے تو بیوی نے کہا میں آپ سے ایک بات دریافت کرنا چاہتی ہوں۔ خاوند نے جواب دیا کیا؟ بیوی نے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی کے پاس امانت رکھ جائے اور کچھ عرصہ کے

بعد وہ چیز واپس لینا چاہے تو کیا وہ چیز اُسے واپس کی جائے یا نہ کی جائے؟ اُنہوں نے جواب دیا وہ کون بے وقوف ہوگا جو کسی کی امانت کو واپس نہیں کرے گا۔ بیوی نے کہا۔ آخر اُسے افسوس تو ہوگا کہ میں امانت واپس کر رہا ہوں۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ افسوس کس بات کا وہ چیز اُس کی اپنی نہیں تھی اگر وہ اُسے واپس کر دے تو اُسے کیا افسوس ہوسکتا ہے۔ بیوی نے کہا اچھا! اگر یہ بات ہے تو ہمارا بچہ جو خدا تعالیٰ کی ایک امانت تھی اُسے خدا تعالیٰ نے ہم سے واپس لے لیا ہے۔[۱۶] یہ حوصلہ تھا جو اُس وقت کی عورتوں میں پایا جاتا تھا۔ پس جان کا دے دینا تو کوئی چیز ہی نہیں۔ خصوصاً مؤمن کے لئے تو یہ معمولی بات ہوتی ہے۔

ہم جہاد کے متعلق بتایا کرتے تھے کہ موجود حالات میں شرعاً جائز نہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اس کے نتیجہ میں بعض لوگ بُزدل بن گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے جہاد کو مسئلہ کی وجہ سے نہیں چھوڑا تھا بلکہ بُزدلی کی وجہ سے چھوڑا تھا۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہم نے جہاد کو محض مسئلہ کی وجہ سے چھوڑا تھا اور جب کہ ہم محض شرعی مسئلہ کی وجہ سے جہاد کو ممنوع قرار دیتے تھے تو اب لوگوں کو خوش ہونا چاہیئے تھا کہ وہ روکیں جو اُن کے رستہ میں حائل تھیں دور ہو گئی ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ بجائے خوش ہونے کے رو رہے ہیں یہ میں جانتا ہوں کہ آئندہ کیا ہوگا۔ پہلے تم چندہ نہیں دیتے تھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان کیا کہ تم تین ماہ میں صرف ایک دھیلہ بطور چندہ دیا کرو۔ اُس وقت لوگ دھیلہ بھی روتے روتے دیتے تھے پھر ایسا مزہ آیا کہ تم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہا کہ دھیلہ کی بجائے آپ پیسہ چندہ کر دیجئے پھر تم نے کہا سہ ماہی کی شرط نہیں ہونی چاہیئے یہ چندہ ماہوار ہونا چاہیئے۔ پھر یہ چندہ پیسہ سے دو پیسہ ہوا اور دو پیسہ سے تین پیسہ ہوا اور اب جماعت میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو اپنی ماہوار آمد کا پچاس فیصدی چندہ دیتے ہیں۔ پس میں جانتا ہوں کہ ان کمزوریوں کی آہستہ آہستہ اصلاح ہو جاتی ہے اور وہ دن ضرور آئے گا جب تم یہ کہو گے کہ جان دینے میں تو کوئی خاص مزہ نہیں آتا کوئی اس سے بھی بڑی قربانی ہونی چاہیئے۔ بہر حال اِس دن کے آنے پر میرا فرض ہے کہ میں جماعت کو توجہ دلاؤں کہ وہ اپنی بُزدلی کو دور کرے اور اپنے اندر جرأت، بہادری اور حوصلہ پیدا کرے۔ میں نہیں جانتا کہ آپ لوگوں کی کیا

کیفیت ہے مگر ہم جب تاریخ اسلام پڑھا کرتے تھے تو ہمارے اندر ایک جوش پیدا ہوتا تھا کہ کاش! ہم بھی اُس وقت ہوتے اور اس قسم کی قربانیاں کرتے پھر ہماری زندگی میں ہی خدا تعالیٰ نے ایسا موقع دے دیا ہے جب ہم وہی قربانیاں پیش کر سکتے ہیں جو صحابہ نے اپنے وقت میں کیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگوں میں یہ جوش نہیں پایا جاتا جو لوگ راسخ الایمان ہیں ان میں بے شک یہ نمونہ بھی پایا جاتا ہے۔

ایک دوست نے مجھے بتایا کہ ایک جگہ ہم نے کشمیر میں جانے کے لئے احمدیوں میں تحریک کی اور بتایا کہ یہ مُلکی سوال ہے وہاں ضرور جانا چاہئے اس پر ایک بیوہ نے جس کا ایک ہی بچہ تھا سوال کیا کہ کیا یہ ہمارا دینی فرض ہے؟ اِس پر اُس دوست نے کہا اِس وقت حفاظت اسلام کا سوال ہے اور وہاں جانا ضروری ہے۔ اِس پر اُس بیوہ نے اپنے اکلوتے بچے کو آواز دی اور کہا او فلانے! تو بولتا کیوں نہیں دین کے لئے تمہاری جان کی ضرورت ہے اور تو چپ بیٹھا ہے۔ اس دوست نے بتایا کہ اس بیوہ نے اُسی وقت اپنے اکلوتے بچے کو کشمیر کے لئے بھیج دیا۔ اسی طرح ایک اور عورت کے متعلق جس کے دو بیٹے اور دو پوتے تھے ایک دوست نے بتایا کہ جب ہم نے اُسے تحریک کی کہ اِس وقت اسلام کی خاطر جان کی قربانی کی ضرورت ہے تو وہ عورت اُس وقت گھر سے باہر کھڑی تھی اُس نے اپنے دونوں بیٹوں اور دونوں پوتوں کو آواز دے کر کہا جب تک تم سب کشمیر چلے نہیں جاؤ گے میں گھر میں داخل نہیں ہونگی۔ کہنے والا کہتا ہے کہ ہم نے کہا چاروں نہیں ہم فی الحال دو کو لے جاتے ہیں مگر اُس عورت نے بڑے اصرار سے کہا نہیں چاروں کو لے جاؤ۔ مگر جب ہم چاروں کے لے جانے پر رضامند نہ ہوئے تو اس نے کہا۔ اچھا دونوں کو لے جاؤ۔ یہ چیز ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ درحقیقت جذبۂ نیک، جذبۂ نیک پیدا کرتا ہے۔ پہلی عورت نے بھی اپنے بیٹے سے کہا کہ دین کو تیری جان کی ضرورت ہے اگر تُو دریغ کرے گا تو میں تجھ سے خوش نہیں ہونگی اور دوسری عورت نے بھی یہی نمونہ دکھایا۔ جس وقت میں نے یہ واقعہ سنا اُس وقت میری وہی کیفیت ہوگئی جو مالک بادشاہ کی ہوئی تھی۔ مالک ۱۸ سال کی عمر میں یتیم ہوگیا تھا۔ اس کے والد (جو ایک بڑا بادشاہ تھا) کے مرنے کے بعد اس کے ایک اور بیٹے اور ایک بھائی نے حصولِ تخت کے لئے لڑائی شروع کر دی۔ نظام الدین طُوسی جو اُس وقت

وزیر اعظم تھا اور مالک کا اُستاد بھی (یہ نظام الدین طُوسی وہی ہیں جن کا نظامِ تعلیم فرنگی محل میں ایک عرصہ تک جاری رہا ہے) اس نے مالک کو اپنے ساتھ لیا اور اُسے موسیٰ رضا کی قبر پر دعا مانگنے کے لئے لے گیا۔ موسیٰ رضا کی قبر پر ان دونوں نے دعا کی۔ مالک بھی دعا کیلئے سجدہ میں گرے اور وزیر بھی سجدہ میں گرا اور دعا کی کہ اے خدا! تُو موسیٰ رضا کے واسطہ سے ہمیں جنگ میں فتح عطا فرما! تاریخ میں آتا ہے جب دونوں دعا سے فارغ ہوئے تو مالک نے وزیر سے پوچھا تم نے کیا دعا کی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ حضور میں نے دعا کی ہے کہ اے اللہ! تُو میرے بادشاہ کو میدانِ جنگ میں فتح عطا فرما اور اس کے دشمنوں کو رسوا کر۔ اِس پر ۱۸ سالہ مالک نے کہا۔ نظام الدین میں نے تو یہ دعا نہیں کی۔ میں نے تو یہ دعا کی ہے کہ اے اللہ! میں نہیں جانتا کہ میں قوم کے لئے مفید ہوں یا نہیں۔ بادشاہ ہونے کا مدعی میں بھی ہوں میرا بھائی بھی ہے اور میرے چچا بھی ہیں تجھے معلوم ہے کہ قوم کے لئے ہم میں سے کون سا وجود مفید ہے اگر تُو جانتا ہے کہ میں قوم کے لئے مفید ہوں تو کل کی جنگ میں مجھے کامیابی عطا فرما۔ اگر میرے بھائی یا چچا قوم کے لئے مفید ہیں تو اے اللہ! کل کی جنگ میں مجھے مروا دیجیئو تا میں اُس نظام کے راستہ میں روک نہ بنوں جس کو تُو قائم کرنا چاہتا ہے۔ گبن جیسا متعصب مؤرخ لکھتا ہے مسلمان کافر ہیں مگر عیسائی دنیا کی تاریخ میں جتنے بڑے بڑے بادشاہ گزرے ہیں ان میں سے کسی ایک کی زبان سے بھی میں نے وہ کلمہ حکمت نہیں سنا جو اس کافر ۱۸ سالہ نوجوان بادشاہ سے سنا ہے۔ مجھ پر یہ بھی اثر ہوا۔ میں نے وہ خط بند کر کے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ میرے بیٹے اور پوتے بھی اس کام میں شامل ہیں اگر اس کام میں جان کی قربانی کی ہی ضرورت ہے تو اے خدا! اس عورت کے بیٹے واپس بھیج دیجیئو اور میرے بیٹوں کو جان کی قربانی کی توفیق عطا فرمائیو۔

پس موت کوئی چیز نہیں جس سے ڈرا جائے۔ کون ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گا موت بہر حال آئے گی لیکن کوئی موت عزت کی ہوتی ہے اور کوئی موت بے عزتی کی ہوتی ہے اگر کوئی شخص اپنے آپ کو موت سے بچانا چاہتا ہے تو اس سے زیادہ احمق اور کوئی نہیں۔ پس اپنے اندر ایک نیا تغیر پیدا کرو اور جو نئی ذمہ داریاں خدا تعالیٰ نے تمہارے سپرد کی ہیں اُنہیں دوسروں سے زیادہ محسوس کرو۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اس وقت حکومت تمہاری نہیں تم پاکستان میں اقلیت

میں ہو اور اس کے فوائد دوسروں کو پہنچیں گے تم کو تو نہیں پہنچیں گے لیکن تم اس بات کے مدعی ہو کہ تم نے خدا تعالیٰ کی مخلوق اور تمام بنی نوع انسان کے لئے کام کرنا ہے۔ تم نے یہ نہیں دیکھنا کہ اس سے تم کو فائدہ پہنچتا ہے یا کسی اور کو۔ تم نے یہ دیکھنا ہے کہ تم اپنی ذمہ داریوں کو سب سے زیادہ ادا کرتے ہو۔ یہ وہ چیز ہے جس سے تم اپنے ایمان کو محفوظ کر سکتے ہو اور یہ وہ چیز ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تمہارے مخالفوں کے سینوں سے بغض اور کینہ دور کر دے گا۔ یہ وہ چیز ہے جس سے تم انہیں کھینچ کھینچ کر اپنی طرف لے آؤ گے اور آخری بات وہی ہوگی جو صحابہؓ کے وقت میں ہوئی۔ وہی لوگ جو اِس وقت ہمیں گالیاں دیتے ہیں اور ہماری مخالفت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اِنہوں نے ایک دن نہایت ادب سے ہمارے سامنے اپنا سر جھکانا ہے اور یقیناً ایک دن ایسا آئے گا جب ہمارے دشمن انتہائی لجاجت سے ہمیں کہیں گے کہ تم ہمارے سر پر ہاتھ رکھو اور ہمیں برکت دو۔ یہ دن خواہ جلد آئے یا دیر سے آئے بہر حال آ کر رہے گا لیکن اس دن کو جلد تر لانے کیلئے ہم کو بھی قربانیاں دینی پڑیں گی۔ ہمیں اعلیٰ اخلاق دکھانے پڑیں گے۔ ہمیں ایثار کا بلند ترین نمونہ پیش کرنا پڑے گا اور جب تک ہم خدا تعالیٰ کی طرف سے عائد شدہ ذمہ داریوں کو ادا نہیں کریں گے اُس دن کے آنے میں دیر ہوتی چلی جائے گی۔

پس میں جماعت کو اچھی طرح آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اب صرف چندوں کے دینے سے کوئی شخص پورا احمدی نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ اب ہماری ذمہ داریاں بدل گئی ہیں۔ جس طرح چار سال کے بچے کا کپڑا اٹھارہ سالہ نوجوان کو کام نہیں دے گا اُسی طرح تمہاری پہلی قربانیاں اب تمہارے کام نہیں آ سکتیں۔ جب تک جانی قربانیوں کی ضرورت نہیں تھی اُس وقت تک تم کامیاب سمجھے جاتے تھے لیکن اب جان کی قربانی کی بھی ضرورت ہے اور قوم اور وطن کی عزت تقاضا کرتی ہے کہ ہم اپنے آپ کو جانی قربانی کیلئے ہر وقت تیار رکھیں۔ تمہاری ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔ اب تمہیں چاہئے کہ تم آگے سے بڑھ کر اپنا نمونہ پیش کرو۔ تم نے پہلے چندے دینے میں ایک بے مثال نمونہ دکھا دیا ہے یہاں تک کہ ہندوستان اور دوسرے آزاد ممالک بھی وہ کام نہیں کر رہے جو تم کر رہے ہو۔ اب تمہیں دنیا کو یہ بھی دکھا دینا چاہئے کہ جان کی قربانی پیش کرنے میں بھی تم سب سے بڑھ کر ہو۔ یہ نمونہ ہے جو میں تم سے دیکھنا چاہتا ہوں یہ نمونہ ہے

جس کی تمہارا امام تم سے امید کرتا ہے اور جب تک تم ایسا نہیں کرو گے تم میری نظروں میں عزت حاصل نہیں کر سکتے۔ اور اگر تم میرے معتقد ہو اور جو بات میں کہتا ہوں اس پر یقین رکھتے ہو تو میرے نقطۂ نگاہ سے تم خدا تعالیٰ کی نظر میں بھی اچھے نہیں سمجھے جا سکتے۔

اب میں اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ جو دوست اس جلسہ پر آئے ہیں اور اُنہوں نے میری باتوں کو سنا ہے انہیں خدا تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ وہ واپس جا کر اپنی جماعتوں میں میرے خیالات کو پھیلا دیں اور اپنی اپنی جماعتوں میں تحریک کریں کہ وہ بُزدلی کو دور کریں۔ بُزدلی اور سستی سے صرف دُنیوی نقصان ہی نہیں پہنچتا بلکہ یہ چیز دین کو بھی کمزور کر دیتی ہے اور میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اب کسی صورت میں بھی بُزدلی اور سستی کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ جو شخص بہادر ہوگا۔ جو شخص ضرورت کے وقت اپنی جان کی قربانی دینے کے لئے تیار رہے گا اور جو شخص قربانیاں پیش کر کے قوم اور وطن کی محبت کو ثابت کر دے گا وہی ہم میں رہنے کا مستحق ہوگا اور جو دوسرے لوگ ہونگے ہم آہستہ آہستہ ان کی اصلاح کی کوشش کریں گے لیکن اگر ان کی اصلاح نہ ہوسکی تو ہم انہیں علیحدہ کر دیں گے کیونکہ ماؤف ٹکڑا سارے جسم کو خراب کر دیتا ہے۔ پس جاؤ اور اپنے بھائیوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں اور نئی نئی ذمہ داریوں کو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن کے ذمہ ڈالی گئی ہیں پورا کریں۔ پہلے ہم کڑھا کرتے تھے کہ ہم انگریز کے ماتحت ہیں اس لئے ہم اپنے مُلک کی، اپنے وطن کی اور اپنی قوم کی کوئی خدمت نہیں کر سکتے لیکن اب ہماری بیڑیاں کاٹ دی گئی ہیں، ہماری طوق اُتار دیئے گئے ہیں۔ ایک شیر کو جب چھوڑ دیا جاتا ہے تو کچھ دیر کے لئے اُس پر کسل طاری ہوتا ہے اور وہ انگڑائیاں لیتا ہے۔ اتنی دیر کے لئے اگر تم پر بھی کسل طاری رہتا ہے یا تم انگڑائیاں لیتے ہو تو تم معافی کے قابل ہو لیکن اگر تم اس کے بعد بھی گرے رہتے ہو، اگر تم اس کے بعد بھی سوئے رہتے ہو تو تم معافی کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔ اگر شیر پنجرے سے نکل کر بھی سویا رہتا ہے تو اس کا مر جانا اس کے زندہ رہنے سے زیادہ بہتر ہے۔ اِس سے بہتر تو گیدڑ ہے جو جانور تو ہے لیکن کم سے کم بے ایمان تو نہیں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ لوگوں کو بھی، میری اولاد کو بھی اور آپ

لوگوں کی اولادوں کو بھی، میرے بچوں کو بھی اور آپ لوگوں کے بچوں کو بھی، میری بیویوں کو بھی اور آپ لوگوں کی بیویوں کو بھی، میرے بہن بھائیوں کو بھی اور آپ لوگوں کے بہن بھائیوں کو بھی اپنے فرائض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور وہ قوت اور طاقت ہمیں عطا فرمائے جس سے ہم اسلام کو دوبارہ زندہ کر سکیں اور وہ ہمیں ان قربانیوں کی توفیق عطا فرمائے جو اسلام کی فتح اور اس کی دوبارہ زندگی کے لئے ضروری ہوں۔

(ماخوذ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

---

۱ پاخانہ: بیت الخلاء

۲ سیرت ابن ھشام جلد ۱ صفحہ ۲۶۹ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۳ اٰل عمران: ۱۴۵ ۴ المائدہ: ۴۸

۵ تذکرہ صفحہ ۲۷۷۔ ایڈیشن چہارم

۶ القصص: ۸۶

۷ تذکرہ صفحہ ۳۰۷۔ ایڈیشن چہارم

۸ السیرۃ الحلبیۃ جلد ۲ صفحہ ۳۳۴۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۹ السیرۃ الحلبیۃ جلد ۳ صفحہ ۱۰۶، ۱۰۷ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۱۰ الصف: ۱۰

۱۱ بخاری کتاب العیدین باب الحراب والدرق یوم العید

۱۲ بخاری کتاب المظالم۔ باب من قتل دون مالہ

۱۳ بخاری کتاب الاذان باب فضل صلوۃ الجماعۃ

۱۴ مسلم کتاب الجنائز باب فضل الصلوٰۃ علی الجنازۃ و اتباعھا

۱۵ موضوعات ملاعلی قاری صفحہ ۳۵۔ مطبع مجتبائی دھلی ۱۳۴۶ھ

۱۶ بخاری کتاب الجنائز باب لَمْ یُظْهِرْ حُزْنَهُ عِنْدَ الْمُصِیْبَةِ

ہر عبدالشکور کنزے کے اعزاز میں دعوتوں کے مواقع پر تین تقاریر

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفة المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ہر[1] عبد الشکور کنزے☆ کے اعزاز میں دعوتوں کے مواقع پر تین تقاریر

پہلی تقریر

(فرمودہ ۱۹؍جنوری ۱۹۴۹ء بمقام رتن باغ لاہور
دعوتِ چائے از نظارت دعوت وتبلیغ)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

''میرے آقا ومولا کے ارشاد کے مطابق اسلام اور اُس کے سچے متبع واقعی وہی کونے کا پتھر ہیں جو جس پر بھی گریں گے وہ پاش پاش ہو جائے گا اور جو اُن پر گرے گا وہ بھی چکنا چور ہو جائے گا۔ دیکھ لیجئے جرمنوں نے اطالویوں کی مدد سے ایک عربی ملک ٹنیشیا پر یورش کی تا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو ختم کریں لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکی، اُنہیں ہزیمت ہوئی اور اب جب اسلام کے مبلغ اُس ملک میں پہنچے تو وہ اُن کے تمدن، اُن کے مذہب اور اُن کی اخلاقیات پر وہی کونے کا پتھر بن کر کچھ اِس طرح گرے کہ اُن کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ ختم ہو گیا اور اُنہیں حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے ہی بنی۔

(حضور نے فرمایا)

☆ موصوف اپنے حالات اور بعض وجوہات کی بناء پر اب جماعتِ احمدیہ کے ممبر نہیں رہے۔ (ناشر)

دل کے تمام گند دھو کر اسلام سے وابستگی حاصل کرنا یقیناً ایک نئی زندگی حاصل کرنا ہے اور مجھے مسرت ہے کہ ہر عبدالشکور کو جو اسلامی لحاظ سے میرا بھائی، دوست اور روحانی بیٹا ہے یہ سعادت حاصل ہوئی۔

(حضور نے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا)

ہر کنزے کا عبدالشکور نام رکھنا بھی میری ایک خواب کی بنا پر ہے جس میں میں نے دیکھا تھا کہ دشمنوں سے تنگ آ کر جرمنی یا اٹلی میں گیا ہوں۔ جہاں میرے تبلیغ کرنے سے متعدد لوگوں کو حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی توفیق ملی ہے اور پھر میں نے وہاں اپنا ایک نائب مقرر کیا ہے جس کو ''عبدالشکور'' نام دیا گیا ہے۔ میں نے اُسی خواب کے مطابق ہر کنزے کا نام ''ہر عبدالشکور کنزے'' رکھا ہے۔ میری دعا ہے کہ میرا خدا انہیں وہی عبدالشکور بننے کی توفیق دے اور اِن کے واسطے ان کے مُلک کو اُن تمام برکات سے نوازے جو اُس موعود عبدالشکور سے وابستہ ہیں۔

(حضور نے فرمایا)

''ہر کنزے'' اِس سے پہلے جس مذہب سے وابستہ تھے اُس میں شریعت کو لعنت قرار دیا گیا تھا لیکن اسلام شریعت کو برکاتِ خداوندی سے معمور گردانتا ہے۔ لہٰذا میں ہر عبدالشکور کو نصیحت کروں گا کہ جو اَب اپنے تمام اعزا و اقرباء کو چھوڑ کر خدا کے دامن سے وابستہ ہو گئے ہیں اِسے اپنی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی کرنے کی کوشش کریں اور جس طرح وہ پہلے کبھی ہر ہٹلر کے سپاہی تھے آج میرے آقا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسا جانثار سپاہی بنیں کہ خدا ان کے ہاتھ پر فتوحات کی بارشیں کرے اور پیدائشی مسلمانوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ایمان و اعتقاد پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

(الفضل ۲۰ جنوری ۱۹۴۹ء)

دوسری تقریر

(فرمودہ ۲۴ جنوری ۱۹۴۹ء بمقام رتن باغ لاہور)

(دعوتِ عشائیہ از جماعت احمدیہ لاہور)

عملی نمونہ دکھانے اور قومی اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریں

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''چونکہ مجھے اُردو میں بولنے کی اجازت دی گئی ہے اس لئے میں اُردو میں تقریر کروں گا۔ ابھی آپ لوگوں کے سامنے شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور نے کنزے صاحب کی آمد پر اُنہیں مبارکباد پیش کی ہے اور یہاں کے لوگوں کی طرف سے انہیں مرحبا کہا ہے۔ مسٹر کنزے جرمنی کے رہنے والے ہیں۔ آپ ٹریپولی میں جنرل رومیل کے ماتحت لڑتے رہے اور وہاں ہی آپ قید ہوئے۔ آپ کو بطور قیدی پہلے امریکہ بھیجا گیا اور پھر امریکہ سے آپ انگلینڈ لائے گئے۔ انگلینڈ آ کر آپ کے اندر مذہب کے لئے ایک تڑپ پیدا ہوئی۔ آپ نے دیکھا کہ دنیا کی حالت دن بدن خراب ہو رہی ہے اِس کا علاج کرنا چاہئے اور آپ نے یہ سمجھا کہ اس کا علاج سوائے مذہب کے اور کوئی نہیں۔ آپ نے وہ مذہب تلاش کرنا چاہا جو اِن خرابیوں کو دور کر سکے۔ اس لئے آپ نے مذاہب کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے اسلام کے لٹریچر کا بھی مطالعہ کیا اور مزید واقفیت کے لئے آپ نے امام مسجد لندن کو چٹھی لکھی۔ آپ نے اُنہیں یہ بھی لکھا کہ آپ اُن سے ملنا چاہتے ہیں۔ اِس چٹھی کے جواب میں امام مسجد لندن نے انہیں لٹریچر بھیجا اور بعض افسروں کی معرفت اجازت لے کر ان سے ملے اور بعض دفعہ آپ کو بھی مسجد میں آنے کی اجازت دی گئی۔ ایک دو ملاقاتوں کے بعد ہی آپ پر اسلام کی حقیقت

کھل گئی اور آپ نے اسلام قبول کر لیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد آپ نے اِس بات کا اظہار کیا کہ آپ اسلام کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کرنا چاہتے ہیں لیکن قیدی ہونے کی صورت میں آپ آزادی سے اپنے اِس ارادہ کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے تھے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد انہیں جبری طور پر جرمنی بھیجا گیا اور وہاں یہ بھی کوشش کرتے رہے اور اِدھر ہم بھی کوشش کرتے رہے اور متواتر دو تین سال کی کوشش کے بعد آپ اپنے ارادہ میں کامیاب ہوئے اور کڑاکے کی سردی میں کئی دن سفر کرتے ہوئے آپ سوئٹزرلینڈ پہنچے وہاں سے جماعت نے آپ کو انگلینڈ پہنچایا اور انگلینڈ سے پھر یہاں آئے۔

یوروپین لوگوں میں سے جنہوں نے اسلام کو بطور اسلام قبول کیا ہے مسٹر کنزے دوسرے آدمی ہیں۔ پہلے آدمی بشیر احمد آرچرڈ ہیں۔ وہ بھی نہایت مخلص اور اسلام کے ساتھ ایک قسم کا عشق رکھنے والے ہیں۔ وہ پہلے آدمی ہیں جس نے مجھ پر یہ اثر ڈالا کہ انگریزوں کی بھی روحانی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اس سے پہلے جو شخص مجھ سے یہ پوچھتا تھا کہ برطانیہ مشن میں آپ کو کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی؟ میں اُس سے کہتا تھا کہ بظاہر ہمیں اُس کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا اور جہاں تک مذہب کا سوال ہے ہمیں کوئی انگریز مسلمان ہوتا نظر نہیں آتا۔ انگریز لوگ ایک سوسائٹی کے طور پر دوسرے مذہب کو قبول کر لیتے ہیں۔ وہ اپنا لباس بدل لیتے ہیں، اپنی خوراک بدل لیتے ہیں اور اسلام یا کسی اور مذہب میں داخل ہو جاتے ہیں لیکن اُس کی اہمیت کو نہیں سمجھتے۔ اُن کے اندر یہ احساس نہیں ہوتا کہ ہم نے اپنی ہر چیز کو اِس کے لئے قربان کرنا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کیا یہ کوئی کم احسان ہے کہ ہم نے اِس مذہب کو قبول کر لیا ہے۔ اُنہوں نے جو قربانی کرنی تھی وہ مذہب تبدیل کر کے اُنہوں نے کر لی ہے لیکن بشیر احمد آرچرڈ پہلا شخص تھا جس نے سچائی کے طور پر اسلام کو قبول کیا اور صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ خدمت اسلام کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی اور اب وہ بڑے اخلاص کے ساتھ خدمت اسلام کر رہا ہے۔ اس سے پہلے بھی کچھ آدمی تھے مثلاً عبداللہ کوئلم وغیرہ جو اسلام کو ہی سچا مذہب سمجھتے تھے اور اُن کے اندر اخلاص بھی پایا جاتا تھا لیکن وہ اسلام کو اُس کی اصولی تعلیم کے لحاظ سے سچا مانتے تھے اور اس پر عملاً کاربند نہیں ہوتے تھے۔ بعض مواقع پر وہ شراب بھی پی لیں گے اور اگر وقت نہیں ملا تو وہ نماز بھی چھوڑ دیں

گے۔ وہ نماز پڑھتے تھے لیکن وہ نمازوں میں بے قاعدہ تھے۔ وہ شراب پینا چھوڑ دیتے تھے لیکن بعض اوقات شراب پینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

مسٹر آرچرڈ پہلے انگریز ہیں جنہوں نے اسلام کو اسلام کے طور پر قبول کیا۔ آپ جب مجھے پہلی دفعہ قادیان ملنے کے لئے گئے اُس وقت آپ فوج میں لیفٹیننٹ تھے۔ آپ جب مجھ سے ملے اُس وقت آپ کے اندر یہ احساس پایا جاتا تھا کہ دنیا میں کوئی بھی سچا مذہب نہیں اور مجھ سے لمبی بحث کی کہ کوئی مذہب سچا نہیں ہاں! ہر مذہب میں ایک حد تک سچائی پائی جاتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میں اُن سب سچائیوں کو اکٹھا کر کے ایک نیا مذہب بناؤں۔ پانچ سات دن رہنے کے بعد آپ واپس تشریف لے گئے۔ میں نے سمجھا کہ وہ کورے کے کورے ہی واپس چلے گئے ہیں لیکن جب وہ کلکتہ گئے (شاید وہ برما کی طرف جا رہے تھے) وہاں سے اُنہوں نے مجھے بیعت کا خط لکھا۔ مجھے اِس بات پر سخت حیرت ہوئی۔ بعد میں مَیں نے اُن سے پوچھا تو اُنہوں نے بتایا میں جب تک قادیان میں رہا میں یہ سمجھتا رہا کہ یہ لوگ میرے مخالف ہیں اور میری روح کو کچل دینا چاہتے ہیں اس لئے میرے اندر مقابلہ کی روح پیدا ہوئی۔ میں سات آٹھ دن قادیان میں رہا اِس خیال سے کہ میں جن لوگوں کے پاس جا رہا ہوں انہی کے طریق پر مجھے عمل کرنا چاہیئے۔ میں اپنے ساتھ شراب نہیں لایا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اب میں پہلے سے بہتر معلوم ہوتا ہوں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں جب میں امرتسر پہنچا تو میں کھانے کے لئے ریسٹورنٹ میں گیا اور دوسرے لوگ بھی گئے اور انہوں نے شراب مانگی۔ باقی لوگوں کو دیکھ کر میں نے بھی شراب کے لئے آرڈر دیا لیکن بعد میں خیال آیا کہ میں جن لوگوں کے پاس سے آیا ہوں مجھے اُن کا اِس قدر تو احترام کرنا چاہیئے کہ میں رستہ میں شراب نہ پیؤں۔ چنانچہ میں جتنا عرصہ ریل میں رہا شراب نہیں پی۔ جب میں کلکتہ پہنچا تو میری حالت زیادہ سے زیادہ اچھی معلوم ہوئی۔ پھر میں نے غور کرنا شروع کیا کہ آخر اِس کی وجہ کیا ہے؟ اور میں نے سمجھ لیا کہ درحقیقت میں غلطی پر تھا۔ دراصل اسلام ہی سچا مذہب ہے اور اس سے ہی دنیا کی تمام خرابیوں کا علاج کیا جا سکتا ہے پھر میں نے اسلام قبول کر لیا۔

مسٹر آرچرڈ کے اسلام قبول کر لینے پر دوسرے انگریزوں نے اُنہیں تکلیفیں دینا شروع

کیں۔ اُن کے ساتھ کھانا پینا بند کر دیا گیا اور اُن کا مکمل بائیکاٹ کر دیا گیا۔ اُن کے ساتھ انگریزوں نے ایسا ہی سلوک کیا جس طرح ہمارے ملک میں ایک نئے احمدی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ فوج میں آپ کو بہت تکلیفیں دی گئیں لیکن آپ گھبرائے نہیں۔ آپ نے نہ صرف پانچوں نمازیں پڑھنی شروع کر دیں، نہ صرف آپ نے محرمات کو ہی چھوڑا بلکہ تہجد بھی پڑھنی شروع کر دی۔ آپ جب تک قادیان میں رہے باقاعدہ تہجد پڑھتے رہے۔ اِس کے بعد اُنہوں نے اسلام کی خدمت کیلئے زندگی وقف کی اور اب انگلینڈ میں وہ ہمارے مبلغ ہیں۔

مسٹر کنزے دوسرے آدمی ہیں جنہوں نے اسلام کو بطور اسلام کے قبول کیا ہے۔ آپ نے نہ صرف اسلام کو قبول کیا بلکہ یہ سمجھا کہ جب تک میں خود اسلام کو اچھی طرح نہیں سمجھتا، جب تک میں خود اسلام کی تعلیم حاصل نہیں کرتا یہ فضول بات ہے کہ میں دوسروں کو اِس کی تبلیغ کروں۔ مجھے پہلے خود دینی تعلیم حاصل کرنی چاہیئے اور اِس کے بعد اسلام کو اس ملک میں پھیلانا چاہیئے۔ آپ نے اسلام کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کی اور دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے پاکستان تشریف لے آئے۔ اور بھی بعض لوگوں کے اندر یہ روح پائی جاتی ہے۔ دو اور جرمن نومسلموں کی طرف سے بھی وقف کے لئے درخواستیں آئی ہیں وہ دونوں میاں بیوی ہیں اور جرمنی کے مشہور جرنلسٹ اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اِسی طرح پولینڈ سے بھی ایک دوست کی وقف کے لئے درخواست آئی ہے وہ بھی اِس وقت قید ہے۔ حکومت نے اُسے ففتھ کالمسٹ قرار دے دیا ہے بلکہ اب تو امریکہ میں یہ احساس پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ مجھے کئی خطوط آتے ہیں جن میں اس کا اظہار کیا گیا ہے اور وہ سوچ رہے ہیں کہ وہ بھی کسی طرح زندگی وقف کر کے اسلام کی خدمت کریں۔

مسٹر کنزے ہماری تبلیغ کے دوسرے پھل ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح یہ قوم سائنس اور دیگر دنیاوی علوم میں آگے بڑھی ہوئی ہے، جس طرح وہ علمی طور پر یورپ کو لیڈ کر رہی ہے اِسی طرح وہ مذہب میں بھی آگے بڑھ جائے گی اور تمام یورپ کو مذہبی طور پر لیڈ کرے گی۔ جنگ میں اگرچہ وہ ہار گئی ہے لیکن اِس قوم میں ترقی کی روح پائی جاتی ہے اِس لئے میں امید کرتا ہوں کہ جب اِس قوم میں اسلام پھیل جائے گا تو یہ لوگ دین کے اچھے خادم ثابت ہوں گے۔

میں نے اس بات پر بہت غور کیا ہے اور بعض جرمن احمدیوں کو جب میں نے چٹھیاں لکھیں تو اُن پر اس بات کو واضح کیا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ قوم عمل اور قربانی میں دوسری قوموں سے زیادہ ہے لیکن اِس کے باوجود وہ ایک سَو سال سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی ہے مگر وہ ہمیشہ ناکام رہی ہے اور اُس نے ہمیشہ ڈپلومیسی میں شکست کھائی ہے اور جس مقام کے حاصل کرنے کا اُسے حق حاصل تھا اُسے وہ حاصل نہیں کر سکی۔ اِس کی کئی وجوہ دوسرے لوگوں نے بتائی ہیں لیکن میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اِس قوم میں اسلام پھیلانا چاہتا ہے اور چونکہ اِس قوم میں اسلام پھیلنا ہے اس لئے جب بھی وہ کسی دنیاوی ترقی کیلئے کوشش کرتی ہے ناکام رہتی ہے۔

یورپ میں اسلام کا بھی حصہ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام بیشک ایشیا میں پیدا ہوئے تھے مگر بعد میں عیسائیت یورپ میں بھی پھیلی۔ اسی طرح اب اسلام کی بھی یورپ میں پھیلنے کی باری ہے اور جس طرح اٹلی کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ اُس نے ابتدا میں عیسائیت کو قبول کیا اور اس کے بعد عیسائیت کو تمام یورپ میں پھیلایا اُسی طرح اسلام کے لئے بھی تو کوئی نہ کوئی ملک مقدر ہوگا جو اسلام کو قبول کر کے اُسے آگے تمام یورپ میں پھیلائے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ وہ ملک جرمنی ہے پچھلے سَو سال کے عرصہ میں جب بھی اُنہوں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی ہمیشہ ناکام رہے۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ مذہب کو لیڈ کریں اِس لئے جب بھی اُنہوں نے آگے بڑھنے کے لئے جدوجہد کی اُس میں ناکام رہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب اِس قوم میں اسلام پھیلے گا وہ اسلام کے لئے ہر ممکن قربانی کرے گی۔ میں دیکھتا ہوں کہ انگلینڈ میں ہماری سالہا سال کی کوششوں کے بعد جتنے مسلمان ہوئے ہیں جرمنی میں ہماری ایک سال کی کوشش سے اُتنے احمدی ہو گئے ہیں اور مجھے کثرت سے خطوط آ رہے ہیں کہ وہ اسلام کی تحقیق کر رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ احمدیت کی آئندہ ترقی میں اِن کا بہت زیادہ حصہ ہوگا۔

ان لوگوں میں اتنا جوش پایا جاتا ہے کہ جب پاکستان پر مصیبت آئی تو حکومت نے چاہا کہ جرمنی سے کچھ افسر منگوائے جائیں اور فوج میں رکھے جائیں تا مُلکی دفاع کو مضبوط کیا جا سکے۔ اُس وقت جرمنی میں ایک ہی احمدی تھا (مسٹر کنزے کے علاوہ ایک اور احمدی تھے جو ہمبرگ

میں رہتے تھے۔ مسٹر کنزے برلن کے رہنے والے ہیں) میں نے اُسے لکھا۔ اُس کی محبت کا اِس بات سے پتہ لگتا ہے کہ جب میں نے اُسے لکھا کہ ہمیں پاکستان آرمی کے لئے چند جرمن فوجی افسروں کی ضرورت ہے تو اُس نے رات دن ایک کر کے اور اپنے خرچ پر لمبے لمبے سفر کر کے اُن لوگوں کو پاکستان آنے کیلئے تیار کیا جو ہٹلر کے وقت میں فوج میں مختلف عہدوں پر تھے اور مجھے گیارہ آدمیوں کی ایک ٹیم بھجوائی اور لکھا پاکستان کیلئے جتنے عہدوں پر جرمن رکھنے کی ضرورت ہو اُن کے لئے یہ کافی ہیں اور وہ اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ اُنہوں نے صرف ایک شرط رکھی تھی کہ ہمیں انگریزوں سے ذلیل نہ کروایا جائے بلکہ انگریزوں والی ٹرمز (TERMS) ہمیں بھی دی جائیں تا ہم اُن کے سامنے ذلیل نہ ہوں اِس سے زیادہ ہم کچھ نہیں چاہتے لیکن حکومت نے اُس وقت یہ خیال کیا کہ اگر ہم نے فوج میں جرمن آفیسرز رکھ لئے تو کہیں انگریز ناراض نہ ہو جائے گو یہ تحریک بھی حکومت نے خود کی تھی لیکن جب بعض لوگوں نے اپنی خدمات پیش کیں تو حکومت نے کہہ دیا شکریہ۔ ہم نے اگر انہیں ملازم رکھا تو انگریز خفا ہو جائیں گے۔ حکومت پاکستان کے اس رویہ سے اُس دوست کو تکلیف بھی پہنچی لیکن بہر حال اِس بات سے یہ پتہ لگتا ہے کہ اِنہیں اب اِس قدر احساس ہو چکا ہے کہ وہ سیاسی طور پر بھی مشکلات کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسا کرنے کے لئے اپنا روپیہ خرچ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

میں سمجھتا ہوں ایک اَور بھی چیز ہے جو ہمیں بھولنی نہیں چاہئے اور وہ یہ ہے کہ بیرونِ ممالک میں جو لوگ احمدی ہوں گے وہ اُردو زبان بھی سیکھیں گے اِس لئے اشاعت احمدیت سے اُردو زبان کو بھی بہت زیادہ تقویت پہنچے گی۔ انڈونیشیا میں ہمارا مشن قائم ہے۔ وہاں جو لوگ احمدی ہوئے اُن میں سے بعض نے اُردو زبان سیکھی اور پھر بعض نے اپنے بچوں کو قادیان میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھی بھیجا۔ مشرقی افریقہ میں اُردو جاننے والوں میں اکثریت اُن لوگوں کی ہے جو احمدی ہیں۔ بعض لوگ ایسے تھے جو اُردو زبان کے بہت ہی مخالف تھے۔ ایک دوست ابوالہاشم صاحب تھے انہیں احمدی ہونے سے قبل صرف احمدیت سے ہی نفرت نہیں تھی بلکہ وہ اُردو زبان کو بھی سننا نہیں چاہتے تھے۔ وہ جب احمدی ہوئے تو اُنہوں نے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب پڑھنے کے لئے بڑھاپے میں اُردو زبان سیکھی اور پھر اپنے بچوں کو بھی سکھائی۔ اسی طرح عرب ممالک سے بھی بعض دوست آئے ہیں اور اُنہوں نے اُردو زبان سیکھی۔ مسٹر بشیر احمد آرچرڈ انگلینڈ سے آئے اور اُنہوں نے اُردو زبان سیکھی اور مسٹر کنزے جرمنی سے آئے ہیں وہ بھی اُردو زبان سیکھیں گے۔ پس میں سمجھتا ہوں کہ احمدیت کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اُردو زبان بھی پھیلتی جائے گی۔ یہ لوگ جب واپس جائیں گے اور چونکہ اِن میں دوسری زبان سیکھنے کا بہت شوق ہوتا ہے اس لئے یہ اپنے دوسرے دوستوں کو بھی اُردو سکھائیں گے اور یہ چیز اُردو زبان کی ترقی کا موجب ہوگی اور لازماً پاکستان کے تعلقات بھی اُن ممالک سے گہرے ہو جائیں گے۔

ہمارے ملک میں یہ سوال عام طور پر پایا جاتا ہے کہ آیا اُردو زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے یا انگریزی زبان کو بھی ذریعہ تعلیم بنایا جائے؟ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر اُردو زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا گیا تو پاکستان تمام ممالک سے کٹ جائے گا۔ ذریعہ تعلیم اُسی زبان کو ہی بنانا چاہئے جسے دوسرے لوگ بھی سیکھیں۔ احمدیت کی اشاعت سے یہ سوال بھی حل ہو جائے گا۔ احمدیت کی وجہ سے اُردو زبان دوسرے ممالک میں پھیل رہی ہے اور اِنْشَاءَ اللّٰہ ایک دن ایسا آئے گا جب پاکستان کا ہر ایک آدمی یہ سمجھنے لگ جائے گا کہ ہمیں کسی فارن لینگو یج (FORIEGN LANGUAGE) یا اُردو زبان کے علاوہ کسی اَور زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کی ضرورت نہیں۔

شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور نے یہ خواہش کی ہے کہ مسٹر کنزے ایسا نمونہ پیش کریں کہ یہاں کے نوجوانوں میں بھی بیداری پیدا ہو جائے اور وہ اپنی زندگیاں خدمت دین کیلئے وقف کریں۔ مسٹر کنزے میرے روحانی فرزند ہیں اور مجھے اِن سے بے حد محبت ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ جو لوگ یہاں رہتے ہیں وہ نمونہ دکھائیں اور مسٹر کنزے اِس کی اتباع کریں۔ ابتداء ہم میں ہوئی ہے اِس لئے ہم پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ بیشک ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے بھائی بنیں لیکن یہ کہ اُن سے خواہش کی جائے کہ وہ ہمارے لئے نمونہ بنیں درست نہیں۔ ہمیں اپنا نمونہ پیش کرنا چاہئے تا وہ ہم سے اچھا نمونہ لے کر اپنے ملک

میں واپس جائیں اور اپنے ملک والوں سے کہیں کہ تم اسلام کو قبول نہ کر کے ایک قیمتی چیز سے محروم ہو رہے ہو۔ اسلام کو قبول کرو تا تمہارا دین بھی درست ہو اور تمہاری دنیا بھی درست ہو۔

(غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

تیسری تقریر

(فرمودہ ۳ فروری ۱۹۴۹ء بمقام سیالکوٹ)

(دعوتِ عصرانہ از جماعت احمدیہ سیالکوٹ)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''مسٹر کنزے برلن سے تشریف لائے ہیں یہ ہٹلر کی فوج میں ملازم رہے ہیں اور افریقہ کے میدانوں میں پہلے انگریزوں کے خلاف لڑتے رہے ہیں اور پھر امریکنوں اور انگریزوں دونوں کے خلاف لڑتے رہے ہیں۔ غالبًا یہ الجیریا میں قید ہوئے اور اِن کو امریکہ لے جایا گیا۔ وہاں اِن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ عیسائیت دنیا میں امن قائم کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہے اس لئے دوسرے مذاہب پر غور کرنا چاہئے اور ایسا مذہب تلاش کرنا چاہئے جس سے دل تسلی پا سکے اور دنیا میں امن قائم ہو۔ چنانچہ اِنہوں نے دوسرے مذاہب کی کتب کا مطالعہ شروع کیا اور اُن کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ اِسی دوران میں انہیں انگلستان بھجوا دیا گیا۔ انگلستان پہنچنے کے بعد اتفاقاً اِن کو لنڈن مشن کا پتہ معلوم ہوا اور اِنہوں نے وہاں کے موجودہ امام چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ سے جو اتفاقاً سیالکوٹ کے ہی رہنے والے ہیں اور نواب محمد الدین صاحب کے بھتیجے ہیں اسلام کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ اُنہوں نے فوراً اسلامی لٹریچر بھجوا دیا اور اسلام کے متعلق ضروری کوائف بہم پہنچائے۔ چوہدری صاحب نے گورنمنٹ کے افسران سے مل کر اِنہیں بعض دنوں میں مسجد میں آنے کی بھی اجازت لے دی۔ انگلستان میں دوسرے ممالک کی نسبت بہت زیادہ حوصلہ پایا جاتا ہے یہاں تک کہ امریکہ سے بھی جو ڈیماکریسی کا سب سے زیادہ حامی ہے زیادہ حوصلہ ہے۔ چوہدری صاحب کی تحریک پر گورنمنٹ کے افسران نے کہا کہ اگر مسٹر کنزے کو اسلام کی تحقیق کا شوق ہے تو وہ پولیس کی نگرانی

میں مسجد میں چلے جایا کریں اور پولیس کی نگرانی میں واپس آ جایا کریں۔ چنانچہ یہ وقتاً فوقتاً مسجد میں آتے رہے اور اسلام کے متعلق حالات معلوم کرتے رہے۔ دو تین ملاقاتوں کے بعد ہی اِنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جہاں تک اسلام کے متعلق میں علم حاصل کر سکا ہوں اُس کے مطابق اسلام ہی ایک سچا مذہب ہے اور اِس کے ذریعہ ہی دنیا روحانی طور پر تسلی پا سکتی ہے۔ چنانچہ اِنہوں نے جلد ہی اسلام قبول کر لیا اور میں نے اِن کا نام عبدالشکور رکھا۔ یہ نام میں نے اِس لئے رکھا کہ میں نے ایک دفعہ رؤیا میں دیکھا تھا کہ میں ایک علاقہ میں جا رہا ہوں (میں ساری رؤیا کو تو بیان نہیں کرتا صرف اس کا وہ حصہ بیان کر دیتا ہوں جس کا اِن کے ساتھ تعلق ہے) وہاں میری تبلیغ کے ذریعہ کچھ لوگوں نے جو یوروپین معلوم ہوتے ہیں اسلام قبول کر لیا اور جب کچھ لوگ اسلام میں داخل ہو گئے تو میں نے اُن میں سے ایک شخص کو چنا جس کا نام میں نے عبدالشکور رکھا اور میں نے اُسے کہا اے عبدالشکور! میں ابھی اور آگے جانا چاہتا ہوں میں تمہیں اِس علاقہ میں اپنا قائمقام مقرر کرتا ہوں تم ان لوگوں میں اسلام پھیلاؤ اور اُنہیں توحید خالص کی طرف بُلاؤ۔ یہ کہہ کر میں آگے چلا جاتا ہوں اُسی وقت مجھے خیال آیا کہ یہ علاقہ اٹلی یا جرمنی کا ہے۔ اس خیال سے کہ جرمنی کے ساتھ لڑائی ہو رہی تھی میں زیادہ تو یہی سمجھتا تھا کہ وہ علاقہ اٹلی کا ہے لیکن چونکہ اتفاق سے جرمنی میں سب سے پہلے مسٹر کنزے ایمان لے آئے اِس لئے میں نے ان کا نام عبدالشکور رکھا کیونکہ بظاہر ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے جن سے میں نے یہ سمجھا کہ شاید وہ شخص جسے میں نے خواب میں قائمقام مقرر کیا تھا یہی ہے۔

اسلام میں داخل ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد مسٹر عبدالشکور کنزے نے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ عیسائیت سے اِس حد تک متنفر ہیں کہ وہ اب اسلام کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دینا چاہتے ہیں ابھی اِنہوں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ یہ آزاد کر دیئے گئے اور جبری طور پر اِنہیں واپس جرمنی بھیج دیا گیا۔ جرمنی پہنچ کر اِنہوں نے یہ لکھنا شروع کیا اور اصرار کیا کہ میں اسلام کی خدمت کرنا چاہتا ہوں میرے لئے انتظام کیا جائے کہ کسی طرح میں پاکستان پہنچ کر دینی تعلیم حاصل کر سکوں اور پھر اپنے وطن واپس آ کر اسلام کی تبلیغ کروں۔ برلن کے بارہ میں فرانس، روس، امریکہ اور انگلستان کے اختلافات کی وجہ سے جلد کوئی انتظام نہ ہو سکا لیکن کافی

خط و کتابت کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اِنہیں یہاں آنے کی اجازت دی جائے۔ یہ پہلے فرنچ علاقہ سے روسی علاقہ میں آئے اور وہاں سے سوئٹزر لینڈ پہنچے پھر وہاں سے آہستہ آہستہ پاکستان پہنچے۔

جہاں تک اِن کے اخلاص کا تعلق ہے اِس کا ایک چھوٹے سے واقعہ سے پتہ لگ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب مشرقی پنجاب میں فسادات ہوئے اور اِنہیں خبر پہنچی کہ قادیان پر حملہ ہوا ہے تو اِن کے متواتر خطوط آنے لگے اور اِنہوں نے بار بار سوئٹزر لینڈ کے مبلغ کو لکھا (ہمارا جرمنی کے قریب ترین مشن سوئٹزر لینڈ کا ہے اور وہاں کے مبلغ انچارج سے ہی یہ خط و کتابت کرتے رہے) کہ کسی نہ کسی طرح مجھے قادیان پہنچانے کا بندوبست کیا جائے تا میں اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر اسلام کے لئے لڑوں اور قادیان کی حفاظت کروں۔ یہ ایک نہایت ہی نیک جذبہ تھا جو ایک یوروپین اور خاص کر ایک جرمن کے دل میں پیدا ہوا۔ انگلستان کو تو چھوڑ و کیونکہ اُس کے متعلق ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ ایک لمبے عرصہ تک ہندوستان پر حکومت کرنے کی وجہ سے ان کے اندر مسلمانوں کے متعلق ہمدردی کا جذبہ پایا جا سکتا ہے لیکن ایک جرمن کے متعلق خصوصاً اُن کی علمی فوقیت کی وجہ سے جو اُنہیں تمام ممالک پر حاصل ہے یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اُن کے اندر اسلام کی خدمت کے لئے اتنی تڑپ پائی جاتی ہو۔ ایک جرمن کے ان جذبات سے پتہ لگتا ہے کہ اُس کے اندر اسلام کی محبت اِس قدر رچ چکی ہے کہ اُس کے اندر بیتابی پائی جاتی ہے کہ کسی طرح وہ اسلام کے مصائب میں شریک ہو سکے۔ مسٹر کنزے معمولی انگریزی جانتے تھے لیکن بہرحال انگریزی میں اپنے جذبات کا اظہار کر سکتے ہیں۔ اب ان کا ارادہ ہے کہ پاکستان میں رہ کر دینی تعلیم حاصل کریں اور چونکہ اِنہیں اُردو نہیں آتی اس لئے پہلے یہ کوشش کی جائے گی کہ اِنہیں اُردو زبان سکھائی جائے تا یہ عام گفتگو سمجھ سکیں اور دینی تعلیم میں جلد از جلد ترقی کر سکیں۔ چنانچہ اب یہ اُردو زبان سیکھ رہے ہیں۔

آج آپ لوگوں نے اِن سے سورۃ فاتحہ سُنی ہے لاہور میں یہ سورۃ فاتحہ زیادہ اچھی طرح پڑھ سکتے تھے لیکن سیالکوٹ چونکہ اِن کے لئے ایک نئی جگہ ہے اس لئے یہاں یہ گھبرا گئے ہیں اور گھبراہٹ کی وجہ سے ایک آیت کی آیت ہی چھوڑ گئے ہیں۔ لاہور میں یہ سورۃ فاتحہ زیادہ اچھی

طرح پڑھتے تھے۔ صرف اتنا فرق تھا کہ یہ اِھْدِنَا کی دال چھوڑ دیتے تھے اور غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ میں عَلَیْہِمْ چھوڑ جاتے تھے۔اب یہ ٹھیک پڑھنے لگ گئے تھے لیکن آج نئی جگہ ہونے کی وجہ سے گھبرا گئے اور اِس گھبراہٹ کی وجہ سے ایک آیت کی آیت ہی چھوڑ گئے۔ ویسے یہ ساری نماز عربی میں پڑھتے ہیں۔سوائے اِس کے کہ کہیں کہیں غلطی کر جاتے ہیں۔

میرا منشاء ہے کہ ہم اِنہیں عملی طور پر اسلام سکھائیں، دینی مسائل سکھائیں اور قرآن کریم پڑھا کر اسلام کا مبلغ بنائیں۔ان کے اسلام لانے کے بعد جرمن لوگوں میں اسلام کی طرف اَور زیادہ رغبت پیدا ہوگئی ہے اور کچھ اَور لوگ بھی احمدیت میں داخل ہوئے ہیں۔مسٹر کنزے برلن کے رہنے والے ہیں اور دوسرے لوگ ہمبرگ کے رہنے والے ہیں۔ کچھ اَور نوجوانوں میں بھی اسلام کی طرف رغبت پیدا ہو رہی ہے۔ اُن لوگوں میں جو اسلام میں داخل ہوئے ہیں ایک دوست عبداللہ کوہنے بھی ہیں۔ وہ بھی پہلے قید رہے ہیں وہ جزیرہ سائپرس میں قید تھے وہاں اُنہیں ایک مسلمان مل گیا وہ صوبیدار تھا اور شاید جیل خانہ پر اُس کی ڈیوٹی تھی۔اُس صوبیدار سے اِن کی گفتگو ہوتی رہی اور آخر کار وہ اسلام کی طرف مائل ہو گئے۔ وہ صوبیدار صاحب اِن سے پہلے ہی وہاں سے کہیں دوسری جگہ تبدیل ہو کر چلے گئے اِنہوں نے وہاں سے خط لکھا مجھے بھی اور لنڈن مشن کے مبلغ کو بھی کہ میرا ایک مسلمان دوست تھا جس سے اسلام کے متعلق میری گفتگو ہوتی رہتی تھی اب وہ میرے پاس نہیں ہے۔ مجھے اسلام سے رغبت ہوگئی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ مجھے اُس دوست کا پتہ مل جائے اور میں اسلام کے نقطۂ نگاہ کے لحاظ سے اُس پر غور کروں۔ ہم نے اِنہیں اُس صوبیدار کا پتہ بھجوایا۔ وہ جرمن دوست مسٹر کنزے سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں۔ اِن کا پیشہ ہی جرنلزم ہے وہ ایک رسالے کے ایڈیٹر ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور اُن کی بیوی بھی کئی کتابوں کی مصنف ہے۔ وہ چھ سات زبانیں جانتے ہیں اور اُن کی بیوی بھی کئی زبانیں جانتی ہے۔ہم نے اُن سے خط وکتابت شروع کی۔تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ مسلمان ہوگئے۔ان کے بعد اَور بھی کچھ دوست مسلمان ہوئے۔اب جرمنی میں دو جماعتیں قائم ہیں۔ برلن تو مسٹر کنزے کے یہاں آ جانے کی وجہ سے خالی ہو گیا ہے لیکن ہمبرگ میں گیارہ بارہ

احمدی ہیں اور تازہ خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمن لوگوں کے اندر اسلام کے متعلق خاص طور پر رغبت پائی جاتی ہے اور وہ اسلام کی تحقیق کر رہے ہیں۔ مسٹر عبداللہ کو ہنے نے بھی اپنی زندگی وقف کر دی ہے اور اُن کی بیوی نے بھی۔ وہ دونوں پاکستان آنا چاہتے ہیں اور یہاں آکر دینی تعلیم حاصل کریں گے۔ مسٹر عبداللہ کو ہنے ایک عالم آدمی ہیں اور آجکل قرآن کریم کے جرمن ترجمے پر نظر ثانی کر رہے ہیں چونکہ وہ ترجمہ ایسے لوگوں نے کیا تھا جو عیسائی تھے اُن کے خیالات اسلام سے ہمدردانہ نہیں تھے اِس لئے ہوسکتا ہے کہ ترجمہ کرتے وقت اُنہوں نے کوئی غلطی یا کوتاہی کی ہو۔ مسٹر عبداللہ کو ہنے نے اپنے آپ کو اِس کام کے لئے آفر (OFFER) کیا ہے۔ اب تجویز ہے کہ وہ پہلے انگلینڈ آئیں اور قرآن کریم کے جرمن ترجمے کو رِیوائز (REVISE) کریں۔ جب وہ یہ کام ختم کرلیں گے تو پھر پاکستان آجائیں گے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ جرمنی میں اسلام کی اشاعت کے لئے کھولا ہے اور جیسا کہ مسٹر کنزے کا خیال ہے اور مسٹر کوہنے کا بھی (مسٹر کوہنے اٹلی سے تعلق رکھتے ہیں اور وہاں علماء اور پروفیسروں سے اُن کا میل جول تھا) کہ جرمن قوم اسلام کی طرف بہت جلد مائل ہوسکتی ہے وہ کہتے ہیں کہ سب سے بڑی چیز جو جرمن قوم میں پائی جاتی تھی وہ مادیت ہے اور اس میں وہ بالکل ناکام رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اب اُن کی تسلی کے لئے کسی اَور چیز کی ضرورت ہے اور وہ چیز مذہب ہی ہے اور چونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اب اِنہیں صرف مذہب ہی تسلی دے سکتا ہے اِس لئے اِنہیں جتنی بھی تبلیغ کی جائے بہتر ہے اس طرح وہاں اسلام کے لئے رستہ کھل جائے گا۔ اِنہیں عیسائیت سے نفرت ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ تمام یورپین اُن کے خلاف تھے اور وہ کہتے تھے کہ وہ کرسچین سویلزیشن کو بچانے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اس لئے یہ لفظ کسی حد تک انہیں بھیانک معلوم ہوتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عیسائیت ہی اُن کی تباہی کا موجب ہوئی ہے اِسی لئے وہ کسی اور مذہب کی تلاش میں ہیں جس کے ذریعہ وہ ترقی کرسکیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ جب یہ لوگ اسلام کو قبول کرلیں گے تو وہ اِس کے لئے بہت قربانیاں کریں گے۔

چند دن ہوئے مجھے اطلاع ملی تھی کہ اب ہمارا مبلغ بھی وہاں پہنچ گیا ہے۔ پہلے تو ہمارے مبلغ کو وہاں جانیکی اجازت نہیں ملتی تھی اور یہ کہا جاتا تھا کہ غیر کو اِس ملک میں آنے کی اجازت

نہیں دی جا سکتی۔ ہم نے برطانیہ پر زور دیا کہ جب تمہارے پادری وہاں جاتے ہیں اور تم کہتے ہو کہ مذہب کے بارہ میں کلی طور پر آزادی ہونی چاہئے تو کیا وجہ ہے کہ ہم اپنا مبلغ وہاں نہیں بھیج سکتے۔ اِس چیز کا تو وہ کوئی جواب نہ دے سکے لیکن اُنہوں نے یہ بہانہ بنایا کہ ہمارے پادری جو وہاں جاتے ہیں اُن کے راشن اور مکانوں کا انتظام ملٹری کرتی ہے اگر آپ کا مبلغ وہاں گیا تو وہ کہاں رہے گا اور کہاں سے کھائے گا؟ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ وہاں مکانوں کی قلت ہے اکثر مکانات گرائے جا چکے ہیں اور راشن کی بھی دقت ہے۔ چنانچہ ہم نے اپنے نَو مسلموں سے خط و کتابت کی۔ اُنہوں نے لکھا کہ اگر مستقل طور پر نہیں تو عارضی طور پر دس یا پندرہ دن کے لئے تو وہ ہمارے ہاں مہمان رہ سکتے ہیں۔ یہ وہ چیز تھی کہ جس کی وجہ سے وہ کوئی اور حیلہ پیش نہ کر سکے اور پچھلے سال ہی اُنہوں نے ہمارے مبلغوں کو ہر تین ماہ میں پندرہ دن وہاں رہنے کی اجازت دے دی اور ہمارے مبلغ وہاں باری باری جاتے رہے اب جب کہ یہ فیصلہ ہو گیا ہے کہ مغربی جرمنی کا انتظام جرمنی کے سپرد ہی کر دیا جائے ہمیں خیال پیدا ہوا کہ اگر اِس فیصلہ پر عمل شروع ہو گیا تو پھر ہمیں اپنا مبلغ وہاں بھیجنا مشکل ہو جائے گا کیونکہ پھر یہ بہانہ لگا دیا جائے گا کہ جرمن لوگ آپ کے مبلغوں کو نہیں آنے دیتے۔ ہم نے کوشش کی کہ اس عرصہ میں ہمارے لئے کوئی رستہ کھل جائے۔ چنانچہ اب اطلاع آئی ہے کہ ہمارا ایک مبلغ وہاں پہنچ گیا ہے۔ مسٹر عبداللہ کوہنے نے لکھا تھا کہ مکان کا بندوبست ہو گیا ہے اس لئے اب کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں۔ یہ مشن ہیمبرگ میں کھولا گیا ہے۔ برلن میں مشن قائم کرنے میں بہت سی مشکلات تھیں اس لئے وہاں مشن نہیں کھولا گیا۔

بہرحال میں نے آپ لوگوں کو بتایا ہے کہ جرمنی کے علاقہ میں لوگ کس طرح مسلمان ہو رہے ہیں اور کس طرح وہاں اُنہیں اسلام کی طرف رغبت پیدا ہوئی ہے۔ جو قربانی اور کام کی روح ان لوگوں میں پائی جاتی ہے اِس کو مدنظر رکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ جب یہ لوگ اسلام قبول کریں گے تو اسلام کے لئے یہ ویسی ہی قربانیاں کریں گے جس طرح یہ لوگ دنیا کے لئے قربانیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مثلاً مسٹر کنزے ہیں۔ اِنہیں ہمیشہ یہ احساس رہتا ہے کہ جو کام تم دوسرے سے لیتے ہو وہی مجھ سے لو۔ مسٹر کنزے جب لندن میں تھے تو وہاں کے

مشنریوں کی اطلاع تھی کہ یہ ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ جو کام آپ کرتے ہیں وہی کام میں بھی کروں گا۔ وہ مہمان سمجھ کر اِن کا لحاظ کرتے تھے لیکن اِن کی طرف سے ہمیشہ یہ اصرار ہوتا تھا کہ میں ویسے ہی یہاں رہوں گا جس طرح آپ لوگ آپس میں مل جل کر رہتے ہیں۔ ان کا لباس بھی سادہ تھا اور یہ چاہتے ہیں کہ اپنے ہر کام کو ہمارے طریق پر کریں۔ جب ہم لاہور سے سیالکوٹ آ رہے تھے۔ بارش ہو رہی تھی ہم اپنا کھانا ساتھ لائے تھے اور یہاں بھی ہم نے اطلاع دے دی تھی کہ کھانے کا انتظام ہم نے کیا ہوا ہے رستہ میں ہم ایک جگہ پر رُکے۔ مجھے علم تھا کہ ہمارے پاس کوئی تھال وغیرہ نہیں۔ میں نے کہا۔ مسٹر کنزے آج آپ کو پاکستانی طرز پر ہی کھانا کھانا پڑے گا اور ہم بڑی بے تکلفی سے روٹی پر ہی سالن ڈال کر کھا لیتے ہیں۔ مسٹر کنزے نے کہا ہاں میں پاکستانی طرز پر ہی کھاؤں گا بلکہ اِنہوں نے کہا۔ جرمن قوم میں بھی اتنا تکلف نہیں پایا جاتا۔ پھر مجھے معلوم ہوا تھالیاں بھی ہمارے ساتھ ہیں اور ہم نے تھالیوں میں سالن ڈال کر کھانا کھایا لیکن یہ ہاتھ پر ہی روٹی رکھ کر کھانے کو تیار تھے۔ باقی امور میں بھی یہ نقل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ان میں اخلاص بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ نماز کے بھی پابند ہیں اور زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ہر ایک بات کے متعلق پوچھتے رہتے ہیں۔

انگلستان کی نسبت جرمن اسلام کی طرف بہت زیادہ راغب معلوم ہوتے ہیں۔ انگلینڈ میں ہمارا مشن ۱۹۱۸ء سے قائم ہے اور اِس تیس سال کے عرصہ میں ہم متواتر ناکام رہے ہیں۔ یوں تو بعض لوگ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں لیکن اسلامی روح اُن میں پیدا نہیں ہوئی۔ وہ صرف ایک سوسائٹی سمجھ کر اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں اور نام کے مسلمان ہو جانے کے بعد سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے اسلام پر بہت زیادہ احسان کر دیا ہے اب ہم سے کسی مزید قربانی کی کوئی خواہش نہیں کر سکتا۔ کبھی کوئی جمعہ پڑھ لیا یا کسی عید میں آ گئے تو اور بات ہے۔ بہر حال اُن میں اسلام کی زیادہ رغبت نہیں پائی جاتی بلکہ بعض تو چار چار پانچ پانچ سال کے بعد کبھی کبھی آ جاتے ہیں۔ انگلینڈ سے ۳۰ سال کے بعد ہمیں ایک آدمی ملا جس کے اندر اسلام کی حقیقی روح پائی جاتی تھی مگر جرمنی میں وہ پہلے سال ہی مل گیا۔ انگلینڈ میں ۳۰ سال کی متواتر کوششوں کے بعد ہمیں بشیر احمد آرچرڈ ملے۔ وہ یہاں فوج میں ملازم تھے اور اپنی ملازمت کے دوران میں ہی وہ

مسلمان ہوئے۔ بشیر احمد آرچرڈ پہلے مسلمان تھے جنہوں نے اسلام کو صحیح طور پر عمل کے لئے قبول کیا بعد میں اُنہوں نے ملازمت چھوڑ دی اور حصولِ تعلیم کے سلسلہ میں قادیان میں بھی رہے۔ وہ جتنی دیر قادیان رہے میں نے دیکھا کہ وہ تہجد گزار تھے، نمازوں کے وہ بڑے پابند تھے، اُن کے اعمال میں ہر طرح سادگی پائی جاتی تھی اور اِس وقت وہ ہماری طرف سے انگلینڈ میں مبلغ مقرر ہیں۔ اُن کے اندر اِس قدر اخلاص پایا جاتا ہے جو انگلستان کے لئے غیر معمولی ہے اُن کے پاس روپیہ نہیں۔ ہم اپنے مبلغ کو اتنا کم خرچ دیتے ہیں کہ وہ بمشکل اپنا پیٹ بھر سکتا ہے حتّٰی کہ ایک کیپٹن نے جو جہلم کی طرف کے رہنے والے تھے اور احمدی نہیں تھے مجھ سے شکایت کی کہ میں ملایا میں تھا میں نے وہاں آپ کے مبلغوں کو دیکھا ہے آپ اپنے مبلغوں پر ظلم کرتے ہیں اور اُنہیں اتنا کم خرچ دیتے ہیں کہ وہ اپنا پیٹ بھی نہیں بھر سکتے ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے چپڑاسیوں کی حالت بھی اُن سے اچھی ہے۔ میں نے اُنہیں جواب دیا آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔ ہم اگر اپنے مبلغوں کو آپ کے خیال کے مطابق خرچ دیں تو ساری دنیا میں تبلیغ کیسے کریں؟ اگر ہم نے ساری دنیا میں تبلیغ کرنی ہے تو یہ اس طرح ہی ہو سکتی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک فرد قربانی کرے۔ جو لوگ تبلیغ کے لئے باہر نہیں جا سکتے وہ روپیہ دیں اور جو باہر جا سکتے ہیں وہ جائیں اور کم خرچ میں گزارہ کریں۔ بشیر احمد آرچرڈ کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ اگر کوئی پمفلٹ شائع کرنا چاہتے ہیں اور اُن کے پاس خرچ نہیں ہوتا تو وہ بجائے مرکز سے خرچ مانگنے کے وہاں مزدوری کر لیتے ہیں۔ کسی جگہ اگر مزدوری کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ وہاں چلے جاتے ہیں اور آٹھ دس دن کام کرتے ہیں اور پھر اُس آمد سے پمفلٹ شائع کرتے ہیں۔ یہ اِس قسم کی قربانی ہے جو شاید کسی ہندوستانی یا پاکستانی میں بھی نہیں پائی جاتی۔ ہندوستانیوں اور پاکستانیوں میں یہ روح نہیں پائی جاتی کہ وہ دین کے لئے اِس قدر قربانی کریں۔ بوریاں اُٹھائیں اور اُن کی آمد سے پمفلٹ شائع کریں۔ اُن کی سادگی کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ انہیں دیکھ کر باقی نَومسلموں کے اندر بھی قربانی کی روح پیدا ہوگئی ہے۔

میرا ارادہ تھا کہ بشیر احمد آرچرڈ قادیان میں رہ کر اچھی طرح دینی تعلیم حاصل کریں اور اُن کی شادی بھی کسی ہندوستانی لڑکی سے کر دی جائے لیکن مشرقی پنجاب کے فسادات کی وجہ

سے انہیں مزید تعلیم نہ دے سکے اور ہم نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ وہ یہاں رہیں بلکہ واپس انگلینڈ چلے جائیں اور کام کریں۔ جتنی تعلیم اُنہوں نے حاصل کی ہے اتنی ہی کافی ہے اور اگر کوئی کسر رہ گئی تو وہاں ہمارے مشنری پوری کر دیں گے۔ چنانچہ میں نے انہیں انگلینڈ بھیج دیا اور اُن کی شادی کی تجویز رہ گئی۔ اب میں نے ان پر زور دیا کہ وہ وہاں شادی کر لیں۔

انگریز نَومسلم جو اَب تک اسلام میں داخل ہوئے ہیں میں نے دیکھا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ وہ رسوم کو اُسی طرز پر جاری رکھیں جس طرز پر پہلے ہوا کرتی ہیں۔ خربوزہ خربوزے سے رنگ پکڑتا ہے۔ بشیر احمد آرچرڈ انگلینڈ گئے تو انہیں دیکھ کر باقی انگریز نَومسلموں کی روحانی حالت بھی بدلنی شروع ہوئی۔ مبلغ تو ہمارے وہاں دیر سے گئے ہوئے ہیں لیکن وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ ہندوستانی ہیں ان کی تہذیب علیحدہ ہے، ان کا تمدن علیحدہ ہے، یہ لوگ تو ایسا کام کرنے کے عادی ہیں اِس لئے وہ اُن کی قربانیوں کو دیکھ کر ان کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے لیکن جب بشیر احمد آرچرڈ وہاں گئے اور اُن کی قربانیوں کو باقی انگریز نَومسلموں نے دیکھا تو اُن میں بھی روحانیت پیدا ہونی شروع ہوئی۔ بشیر احمد آرچرڈ مالی لحاظ سے غریب ہیں کیونکہ ہم اپنے مبلغوں کو بہت کم گزارہ دیتے ہیں اِس لئے انہیں بھی بہت کم گزارہ ملتا ہے۔ ہم نے یہ تجویز کی کہ وہ ایک انگریز نَومسلمہ کے ساتھ جن کے والد مالی دنیا میں اعلیٰ حیثیت رکھتے ہیں اور ایکسچینج کے ممبر ہیں شادی کر لیں۔ انگلستان میں جو شخص ایکسچینج کا ممبر ہوتا ہے اُس کی وہی شان ہوتی ہے جو پارلیمنٹ کے ایک ممبر کی ہوتی ہے۔ ہم نے تجویز کی کہ بشیر احمد آرچرڈ اُس کی لڑکی کے ساتھ شادی کر لیں۔ بشیر احمد آرچرڈ نے کہا میں اسلامی طرز پر ہی شادی کر سکتا ہوں اور کسی قسم کی کورٹ شپ وغیرہ نہیں ہوگی لیکن لڑکی کا باپ اِس بات پر راضی نہ تھا اب اطلاع آئی ہے کہ خیر اللہ ویلز لڑکی کے والد نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اسلامی طرز پر ہی لڑکی کا نکاح کریں گے اور اب جلد ہی اُن کی شادی ہو جائے گی۔ اِس سے پہلے یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ نکاح اسلامی طرز پر کیا جائے گا اور کسی قسم کی کورٹ شپ نہیں ہوگی۔ بہرحال بشیر احمد آرچرڈ کی قربانی کے نتیجہ میں دوسرے لوگوں میں بھی ایک قسم کی بیداری پیدا ہوگئی ہے اور انہیں دیکھ کر میں امید کرتا ہوں کہ اُن کے اندر اسلام کی حقیقی روح پیدا ہو جائے گی اور وہ اسلامی تمدن کے مطابق کام کرنے لگ

جائیں گے۔

یہ تو اُن لوگوں کا حال ہوا باقی میں آپ لوگوں کو بھی کہوں گا کہ اگر یورپ میں باوجود مادیت کے ایسے نوجوان پیدا ہوتے ہیں جو اسلامی لباس کو اپنا لیں، اُس کی تعلیم کو اپنا لیں اور اُس پر عمل کریں۔ اگر یورپ میں ایسی عورتیں پائی جاتی ہیں جو اسلام کو اپنا لیں اور وہ اُس کی تعلیم پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں تو ہم لوگوں کے لئے جو نسلی مسلمان ہیں یہ کتنا افسوسناک امر ہے کہ ہم اسلام کے مطابق عمل نہ کریں اور ایسا نمونہ پیش نہ کریں جس سے دوسرے لوگ سبق حاصل کریں بلکہ ہم اُس سے دُور جانے اور اسلامی تمدن کے خلاف چلنے کی کوشش کریں۔ آپ نے دیکھا ہے کہ مسٹر کنزے نے اپنا لباس تبدیل کر لیا ہے اور اِنہوں نے ظاہری طور پر بھی اپنے آپ کو اسلام کے مطابق بنانے کی کوشش کی ہے۔ اِن کا لباس ہم نے نہیں بدلوایا اِنہوں نے اپنا لباس خود ہی تبدیل کیا ہے۔ یہ اسلام لائے اور اِنہوں نے مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ داڑھی رکھتے ہیں تو اِنہوں نے پوچھا یہ کیا؟ انہیں بتایا گیا کہ مسلمان داڑھی رکھا کرتے ہیں اِس پر اِنہوں نے بھی داڑھی رکھ لی۔ مسٹر کنزے جب کراچی آئے اُس وقت یہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے مکان پر اُنہیں ملنے کے لئے گئے۔ چوہدری صاحب نے مجھے بتایا کہ میں کہیں باہر گیا ہوا تھا جب میں گھر واپس آیا اور اُس کمرے میں داخل ہوا جس میں مسٹر کنزے اور چند اور دوست بیٹھے ہوئے تھے تو میں اِنہیں پہچان نہ سکا۔ اِن کا لباس بھی اسلامی تھا اور دوسروں کا لباس بھی اسلامی تھا۔ میں حیران تھا کہ میں اِن سب میں سے کس کو مسٹر کنزے سمجھوں کیونکہ مجھے سبھی مسلمان نظر آتے تھے۔ جب مجھے بتایا گیا کہ یہ مسٹر کنزے ہیں تب مجھے اِن کا علم ہوا۔ غرض اِنہوں نے اپنے لباس کو بھی اسلامی بنا لیا ہے اگرچہ اسلام میں کسی مخصوص لباس کی شرط نہیں۔ بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ[1] جو شخص کسی قوم کی نقل کرتا ہے وہ انہی میں سے ہوتا ہے۔ چاہے لباس اسلام کا کوئی حصہ نہیں لیکن پھر بھی اِن کے لباس بدلنے سے یہ بات تو معلوم ہوتی ہے کہ اِن کے اندر غیرتِ اسلامی پائی جاتی ہے لیکن ہم لوگ بڑی بے تکلفی سے دوسروں کی نقل کرنے لگ جاتے ہیں۔

میں جب ۱۹۲۴ء میں انگلینڈ گیا اُس وقت سردی کے خیال سے میں چند علی گڑھی طرز کے

پاجامے بھی سِلوا کر ساتھ لے گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ یہ پاجامے انگلینڈ جا کر پہنوں گا مگر یونہی چند دن تک میں نے وہ پاجامے نہ پہنے۔ ہمارے مبلغ میرے پاس گھبرائے ہوئے آئے اور کہا حضور! یہاں کے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کا امام ننگا پھرتا ہے۔ انگلینڈ میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ شخص جس کا کرتا پاجامہ کے اوپر ہو وہ ننگا ہوتا ہے اور چونکہ میرا کرتا اوپر ہوتا تھا اور شلوار نیچے اِس لئے اُنہوں نے میرے متعلق بھی یہی کہنا شروع کیا کہ میں ننگا پھر رہا ہوں۔ میں نے اپنے مبلغ سے کہا میں چند گرم پاجامے ساتھ لایا تو تھا اور میرا ارادہ بھی تھا کہ میں یہاں آ کر وہ پاجامے پہنوں گا مگر اب وہ پاجامے میں نہیں پہنوں گا کیونکہ یہ لوگ مجھے میرے اپنے لباس میں ننگا سمجھتے ہیں کیا میری غیرتِ قومی مجھے مجبور نہیں کرتی کہ میں اپنا لباس ہی رکھوں؟ اگر یہ لوگ ہمارے ملک میں جا کر اپنے لباس کو نہیں چھوڑ سکتے تو میں بھی اِن کے ملک میں آ کر اپنا لباس نہیں چھوڑوں گا۔ اگر یہ لوگ ہمارے ملک میں جا کر اپنا لباس چھوڑنے پر راضی ہو جائیں تو میں بھی اپنا لباس چھوڑنے پر تیار ہو جاؤں گا۔ لیکن ہمارے مبلغ نے شور مچا دیا کہ حضور! لوگ آپ کو ننگا سمجھتے ہیں۔

سر ڈینی سن راس جو وہاں ایک کالج کے پرنسپل تھے ایک دن مجھے ملنے کے لئے آئے۔ اُن کے ساتھ ایک دو اَور پروفیسر بھی تھے میرے اُن سے دوستانہ تعلقات تھے میں نے اپنے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے اُن سے کہا کہ میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ کیا آپ مجھے میرے اپنے لباس میں ملبوس ہونے کو بُرا محسوس کرتے ہیں؟ اُنہوں نے کہا اگر آپ نے یہ بات پوچھی ہے تو میں آپ کو بتا ہی دیتا ہوں کہ ہم واقعی اِس چیز کو بُرا محسوس کرتے ہیں۔ سر ڈینی سن راس ایک وقت تک علیگڑھ میں بھی پرنسپل رہے تھے میں نے پوچھا جب آپ ہندوستان گئے تھے تو کیا آپ ہمارا لباس پہنا کرتے تھے؟ اُنہوں نے کہا۔نہیں۔ میں نے کہا اگر آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ آپ ہمارے ملک میں جا کر اپنا لباس پہنیں تو پھر آپ کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے پھر آپ ہم سے کیوں نفرت کریں؟ کیا ہمارا حق نہیں کہ ہم بھی آپ کے ملک میں آ کر اپنا لباس پہنیں؟ جب آپ ہمارے ملک میں جا کر ہمارا لباس نہیں پہنتے تو ہمارا بھی یہ حق ہے کہ ہم یہاں آ کر اپنا لباس پہنیں۔ اُنہوں نے کہا آپ کی بات تو ٹھیک ہے لیکن

بہر حال ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص ہمارے ملک میں آ کر اپنا لباس پہنے۔ میں نے کہا اگر ہمارے ملک میں جا کر آپ کو اپنا لباس پہننے کا حق ہے تو یہ حق ہمیں بھی ملنا چاہئے۔ اگر دوسرے شخص کی دلداری مقصود ہو اور اس لئے لباس بدلنا ہو تو پھر دونوں کو اپنا لباس تبدیل کرنا چاہئے۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ ہم آپ کے ملک میں آ کر اپنا لباس بدل دیں تو آپ کا بھی فرض ہے کہ جب ہمارے ملک میں جائیں تو اپنا لباس بدل دیں اور شلوار اور پگڑی پہنیں۔ جس بات کی نسبت آپ اپنی طرف کرنا پسند نہیں کرتے اُس کی نسبت ہماری طرف کرنا آپ کیسے پسند کرتے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم گھاٹے میں رہیں۔ اُنہوں نے کہا میں نے یہ تو نہیں کہا۔ میں نے کہا جب ہم ایک ہی جیسے ہیں تو جو چیز آپ مجھ سے کروانا چاہتے ہیں وہ چیز آپ اپنے لئے پسند کیوں نہیں کرتے؟ اگر آپ کو اپنی حکومت کا غرور ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ ہم غلام ہیں اس لئے آپ کے لئے مناسب نہیں کہ ہمارا لباس پہنیں تو میں تو آپ کا غلام نہیں ہوں۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں پتلونیں ساتھ لایا تھا لیکن اب جبکہ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ کا یہ رویہ غرور کی وجہ سے ہے تو میں اب وہ نہیں پہنوں گا۔ غرض وہ لوگ مجھے ننگا کہتے رہے لیکن میں نے اپنا لباس نہ چھوڑا۔

پس ہمارے اندر خودداری کا احساس ہونا چاہئے اور ہمیں اپنی قومی پوزیشن کو قائم رکھنا چاہئے تا کہ دوسرے لوگ ہماری اتباع کریں۔ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہمارا مستقبل کسی صورت میں روشن نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ہمارے اندر بلند خیالی نہیں پائی جاتی۔ ہماری قومی روح کو کچلنے کے لئے انگریزوں نے ہمارے تاریخی واقعات کو بگاڑ کر پیش کیا ہے۔ وہ بادشاہ تو زندہ نہیں تھے لیکن اُن کی غرض یہ تھی کہ وہ ہمارے ماضی کی روایات کو غلط رنگ میں پیش کریں تا قومی روایات اپنے صحیح رنگ میں ہمارے سامنے نہ رہیں اور اِس کی وجہ سے ہمارا مستقبل پست ہو اور ہم کوئی ترقی نہ کر سکیں۔ آپ لوگ کسی ملک میں چلے جائیں آپ دیکھیں گے کہ سارے کے سارے ملک کا لباس ایک ہی طرح کا ہوگا۔ ہاں تھوڑا بہت فرق ضرور ہوگا۔ کوئی شخص کالے رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے ہوگا اور کوئی سفید رنگ کے لباس میں ملبوس ہوگا۔ کسی کے ہیٹ کا چھجا چھوٹا ہوگا اور کسی کے ہیٹ کا چھجا بڑا ہوگا لیکن سارے کے سارے ملک کا لباس ایک ہی قسم کا

ہوگا۔ یورپ کے کسی اَور ملک میں چلے جائیں وہاں بھی آپ کو ایک ہی قسم کا لباس نظر آئے گا لیکن ہمارا کیا حال ہے؟ سیالکوٹ میں اَور قسم کا لباس ہے، لاہور میں اَور قسم کا لباس ہے بلکہ ہر ضلع کا الگ لباس ہے۔ ایک ہی قسم کا لباس ہونے سے قومی اتحاد پیدا ہوتا ہے لیکن یہاں ہر ضلع میں الگ الگ لباس ہے گویا ہم ایک نیا عالَم ہیں۔ جانوروں میں مشابہتیں پائی جاتی ہیں، جنگل میں بندر بھی پایا جاتا ہے، سؤر بھی پایا جاتا ہے، لومڑ بھی پایا جاتا ہے، کوئی شیر ہوتا ہے اور کوئی چیتا ہوتا ہے لیکن اُن میں سے ایک قسم کی جانوروں کی نسل کو لیا جائے تو سب میں مشابہت پائی جاتی ہے لیکن ہمارے ہاں یہ مشابہت بہت کم ہے اسی لئے ہمارے دلی اتحاد میں بہت کمزوری پائی جاتی ہے۔

عربوں کو دیکھ لو اُن میں یہ چیز پائی جاتی ہے اُن کا لباس ایک ہی طرح کا ہوتا ہے لیکن یہاں پنجابی لباس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ دو ضلعوں میں یہ لباس اَور کا اَور ہو جاتا ہے کسی علاقہ میں پاجامہ پہنا جاتا ہے اور کسی علاقہ میں تہہ بند باندھا جاتا ہے اور صوبہ کے کئی حصوں میں دھوتی کا استعمال بھی کیا جاتا ہے۔ پھر پگڑیوں میں بھی بہت اختلاف ہے۔ غرض ہمارے لباس میں بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے۔ جوتیوں کو ہی لے لو اُن میں بھی بہت فرق پایا جاتا ہے لیکن یورپین جوتیوں میں بہت کم فرق پایا جاتا ہے۔ عام طور پر وہ ایک سی شیپ کی ہوتی ہیں لیکن یہاں پشاور کی جوتیاں اَور شیپ کی ہوتی ہیں، گجرات کی جوتیاں اَور شیپ کی ہوتی ہیں۔ اِس طرح ظاہر طور پر کوئی ایک چیز بھی ہمارے ملک میں ایسی نہیں پائی جاتی جس سے معلوم ہو سکے کہ ہم میں اتحاد پایا جاتا ہے۔ اِس اتحاد کو پیدا کرنے کے لئے ہمیں اپنے قلب کی صفائی کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے سے پہلے فرمایا کرتے تھے صفیں ٹھیک کر لو ورنہ تمہارے دل ٹیڑھے ہو جائیں گے۔[۲] بھلا صفوں کے ٹیڑھا ہونے کا دلوں کے ٹیڑھا ہونے سے کیا تعلق۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ اگر ظاہر ٹھیک نہ ہو تو باطن بھی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ قومی کیریکٹر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ہماری زبان ایک ہو، ہمارے لباسوں میں کوئی اختلاف نہ پایا جائے اور جب تک یہ چیز نہ پائی جائے تمام پاکستانی آپس میں متحد نہیں ہو سکتے۔

اسلام کو اکٹھا کرنے والی خلافت تھی جس سے اِس زمانہ کی مسلمان حکومتیں محروم ہیں۔کونسا مسلمان ملک ہے جو اپنے بادشاہ کو خلیفہ کا خطاب دے سکے۔اگر عراق اپنے آپ کو خلافت کا خطاب دے۔اگر شام اپنے آپ کو خلافت کا خطاب دے یا دوسرے ممالک مثلاً سعودی عرب، شرقِ اُردن، ایران، افغانستان یا پاکستان اپنے آپ کو خلافت کا خطاب دے تو فوراً دوسرے ممالک اُس کے خلاف ہو جائیں گے اور وہ اپنے مُلک اُس کے قبضہ میں دینے سے انکار کر دیں گے۔وہ چیز جو آج مسلمانوں کو اکٹھا کرسکتی ہے وہ صرف اتحاد ہے۔اَور تو اَور ہماری علمی زبان میں بھی بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہمارے بعض ادیب نئی نئی طرزوں اور طریقوں کے ایجاد کرنے میں بہت خوشی محسوس کرتے ہیں اور کہیں کے کہیں چلے جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم اپنی علمی زبان کو ہی ایک طرز پر چلانے کی کوشش کرتے تو آج ہم میں اختلاف نہ پایا جاتا۔ ہم مسلمانوں نے اُردو زبان میں عربی اور فارسی کے الفاظ ملانے کی کوشش کی اور ہندوؤں نے سنسکرت کے الفاظ گھسیڑنے کی کوشش کی اور اِس طرح ہمارے آپس کی رقابت نے بڑھتے بڑھتے یہ رنگ اختیار کرلیا کہ اُس نے ہمارے دلوں کو پھاڑ دیا۔ بہرحال ہمارے اندر کوئی نہ کوئی ایسی چیز پائی جانی چاہیئے جسے دیکھ کر ہر شخص کہہ سکے کہ یہ فلاں مُلک سے تعلق رکھتا ہے۔مثلاً یورپین اقوام کو لے لو اُن کے لباسوں کو دیکھ کر فوراً دیکھنے والا پہچان لیتا ہے کہ یہ شخص فلاں ملک سے تعلق رکھتا ہے۔ پس میں ضمنی طور پر آپ لوگوں سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کوشش کریں کہ ہمارے اندر کوئی نہ کوئی ایسی چیز پائی جائے جسے دیکھ کر ہر شخص کہہ سکے کہ یہ پاکستانی ہے۔کسی مجلس میں ہم چلے جائیں وہ فوراً ہمیں پہچان کر کہہ دے کہ ہم پاکستان سے آئے ہیں جیسے یوروپین لوگوں کو فوراً پہچان لیا جاتا ہے۔

(غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

---

۱ ہر:HERR۔جرمن زبان میں مسٹر کے لئے HERR کا لفظ بولا جاتا ہے۔

ابو داؤد کتاب اللباس باب فی لُبس الشھرة

۲ سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰة باب تسویة الصفوف

اللہ تعالیٰ سے سچا اور حقیقی تعلق قائم کرنے میں ہی ہماری کامیابی ہے

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اللہ تعالیٰ سے سچا اور حقیقی تعلق قائم کرنے میں ہی ہماری کامیابی ہے

(فرمودہ ۱۷؍فروری ۱۹۴۹ء بمقام راولپنڈی)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میری اِس وقت آپ لوگوں کو جمع کرنے سے کوئی لمبی تقریر کرنا نہیں بلکہ آپ لوگوں کو اِس وقت یہاں جمع کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ میں بدلے ہوئے حالات کے مطابق آپ کو اپنے فرائض کی طرف توجہ دلاؤں اور چونکہ جماعت کے فرائض عورتوں اور مردوں دونوں پر ایک ہی طرح عائد ہوتے ہیں اِس لئے میں نے خواہش کی کہ اِس موقع پر عورتوں کو بھی ساتھ لایا جائے تا وہ بھی اپنی ذمہ داریوں کے متعلق میرے خیالات سن سکیں اور اگر خدا تعالیٰ انہیں توفیق عطا فرمائے تو وہ موجودہ حالات کے مطابق اپنے اعمال کو ڈھال سکیں۔

یہ امرِ واقعہ ہے اور ہر ایک شخص جانتا ہے کہ تقسیم ملک کے نتیجہ میں لاکھوں لاکھ آدمی مشرقی پنجاب سے اُجڑ کر مغربی پنجاب میں آ بسا ہے۔ اِن کے علاوہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مشرقی پنجاب سے تو نہیں آئے لیکن کشمیر اور جموں سے ہجرت کر کے یہاں آ بسے ہیں اور ان کی تعداد بھی لاکھوں تک جا پہنچی ہے۔ اِس لئے وہ رنگ جو پہلے سوسائٹی کا تھا وہ بدل گیا ہے اور لوگ اِس طرح آپس میں مل جل گئے ہیں کہ اب ان کی ذمہ داریاں اُس قسم کی نہیں رہیں جس قسم کی پہلے تھیں اور ہماری جماعت بھی اس عظیم الشان تغیر سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پہلے بھی جماعتوں میں زیادتی ہوتی رہتی تھی۔ کبھی ایک احمدی ہو گیا اور کبھی

چھ سات نئے احمدی ہو گئے لیکن چونکہ یہ تعداد کم ہوتی تھی اس لئے وہ پہلے لوگوں میں اس طرح مخلوط ہو جاتے تھے کہ کوئی تغیر محسوس نہیں ہوتا تھا لیکن اب تو ایسا ہوا کہ جس جماعت کی تعداد پہلے دس پندرہ تھی وہ یکدم پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ بلکہ بعض جگہوں پر اس سے بھی زیادہ ہوگئی۔

راولپنڈی کی جماعت کو ہی لے لو۔ یہ پہلے بہت چھوٹی سی جماعت تھی۔ غالباً پچیس تیس افراد پر مشتمل تھی لیکن اب اِس کی تعداد جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے تین چار سَو کے درمیان ہے اور اگر مستورات اور بچوں کو بھی ملا لیا جائے تو اِس کی تعداد پندرہ سَو یا دو ہزار کے قریب بن جاتی ہے۔ اِس عظیم الشان تغیر کے نتیجہ میں جس بیداری کی ضرورت ہے مجھے افسوس ہے کہ جماعت نے وہ بیداری ابھی تک اپنے اندر پیدا نہیں کی۔ کسی عورت کے ہاں اگر بیک وقت دو تین بچے پیدا ہو جائیں اور وہ سب زندہ ہوں تو تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ کس طرح والدین ان کے فکر میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ کس طرح ان کی غور و پرداخت میں مشغول رہتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی جماعت کی تعداد تیس سے بڑھ کر یکدم تین چار سَو ہو جائے تو اسی نسبت سے اس کے اندر بیداری کا پیدا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ اسے اپنی تنظیم کو زیادہ بہتر بنانا چاہئے، اپنے چندوں کو بڑھانا چاہئے، اپنی قربانیوں کے معیار کو بلند کرنا چاہئے اور پھر سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط کرنا چاہئے تاکہ اُس کی زیادہ سے زیادہ تائید حاصل ہو سکے۔

یہ امر یاد رکھو کہ کامیابی کے لئے جن مادی سامانوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہمارے پاس نہیں۔ صرف ایک ہی چیز ہے جو ہمیں محفوظ رکھ سکتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنا اور اُسی سے مدد مانگنا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں واضح الفاظ میں فرماتا ہے کہ **كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ**[1] یعنی کتنی ہی جماعتیں دنیا میں ایسی گذری ہیں جو اگرچہ تعداد میں بہت تھوڑی تھیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آ گئیں۔ مگر یہ مثالیں درحقیقت ایسے ہی لوگوں کی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کیا اور اُس کی تائید اور نصرت سے اُنہوں نے کامیابی حاصل کی۔ ان میں سے بعض مثالیں تاریخی زمانہ سے بھی پہلے کی ہیں جیسے حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ نوح علیہ السلام کی

قوم نے باوجود قلیل التعداد ہونے کے فتح پائی۔ اور بعض مثالیں تاریخی دَور کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جیسے داؤد علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور اِسی طرح اور کئی انبیاء کے واقعات پائے جاتے ہیں جنہوں نے اپنے مخالفین پر فتح پائی حالانکہ اُن کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے باوجود قلیل التعداد ہونے کے غلبہ حاصل کیا۔ جہاں تک ظاہری سامان کا تعلق تھا وہ ان کے پاس نہیں تھا لیکن ایک باطنی چیز ایسی تھی جو ساری کی ساری ان کے پاس تھی اور وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق تھا۔ گویا دنیا جس میں روح اور مادہ بھی شامل تھا دو حصوں میں منقسم ہوگئی تھی۔ اِن دو حصوں میں سے مادی حصہ تمام کا تمام مخالف کے پاس تھا اور روحانیت سب کی سب اِن کے پاس تھی۔ خدا تعالیٰ اِن کی طرف تھا اور روپیہ اور طاقت مخالف کی طرف تھی۔ فرشتے اِن کی طرف تھے اور سامان مخالفوں کی طرف تھا مگر اِس لڑائی میں باوجود اِس کے کہ ایک طرف ظاہری سامان تھے اور دوسری طرف نہیں تھے وہ گروہ جیتا جو قلیل التعداد تھا اور ظاہری ساز و سامان سے محروم تھا اور وہ گروہ جو کثیر التعداد تھا اور تمام ظاہری سامان اس کے پاس پائے جاتے تھے وہ ہارا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تو آپ نے مکہ والوں کو عام معافی دے دی سوائے چند افراد کے جنہوں نے متواتر اور غیر آئینی طور پر اور قوانین حرب کے خلاف بہت سے مسلمانوں کو مروایا تھا۔ صرف ان لوگوں کے متعلق آپ نے فرمایا کہ یہ وار کریمینل (WAR CRIMINAL) ہیں۔ وار کریمینل کی اصطلاح بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی ہے گو پرانی اصطلاح اور موجودہ اصطلاح میں بہت بھاری فرق ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اصطلاح قائم کی وہ محدود اور مفید صورت میں ہے لیکن موجودہ اصطلاح مفید نہیں۔ آجکل کی اصطلاح میں ہر وہ شخص جو اپنی قوم کی طرف سے لڑا اور فوج کا ہیڈ رہا وہ وار کریمینل ہے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کے ساتھ ایسی شرائط لگا دی ہیں جن کی وجہ سے اِس کا دائرہ نہایت محدود ہوگیا ہے۔ جنگ کی صورت میں جس شخص نے اپنی فوج کی خدمت کی ہو، جس نے دشمن کے خلاف اپنی قوم کی مدد کی ہو وہ سزا کا مستحق نہیں لیکن ایسا شخص جس نے قوانین حرب کے خلاف، انسانیت کے خلاف غیر آئینی طور پر ایسے کام کئے ہوں جو

ذاتی حیثیت رکھتے ہوں، صرف اُسے سزا دی جائے لیکن اب وہ شخص بھی جس نے ایک افسر کی حیثیت سے اپنی فوج میں کام کیا ہو یا کسی اَور طرح اپنی قوم کی اُس کے دشمن کے خلاف مدد کی ہو وار کریمینل کی اصطلاح کے نیچے آ جاتا ہے اور یہ بات ایسی ہے کہ اِس سے کوئی سپاہی بھی نہیں بچ سکتا۔ جو قوم بھی غالب آئے گی وہ دوسری قوم کے تمام سپاہیوں کو مار ڈالے گی اس لئے کہ وہ وار کریمینل ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پانچ چھ آدمیوں کو (جن میں ایک عورت بھی شامل تھی) اور جنہوں نے اپنی فوج ذمہ داریوں سے باہر جا کر مسلمانوں پر مظالم ڈھائے تھے، موت کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ لوگ قابل معافی نہیں، اِنہیں سزا دی جائے گی۔ اِن لوگوں میں سے ایک ابوجہل کے بیٹے عکرمہ بھی تھے، ایک ابوسفیان کی بیوی ہندہ تھی اور ایک شاعر تھے جنہوں نے قصیدہ بُردہ لکھا ہے۔ مگر اِن لوگوں میں سے بھی اکثریت اُن لوگوں کی ہے جو مسلمان ہو گئے اور اُنہیں معاف کر دیا گیا۔ عکرمہ بھی مسلمان ہو گئے اور انہیں معافی مل گئی۔ وہ شاعر بھی مسلمان ہو گئے اور اُنہیں معاف کر دیا گیا۔ ہندہ بھی مسلمان ہوگئی اور اِس سزا سے بچ گئی۔

ہندہ کی معافی کا واقعہ اِس طرح آتا ہے کہ جب ان کے متعلق سزا کا فیصلہ ہوا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کے متعلق حکم صادر فرمایا کہ چونکہ ہندہ نے غیر آئینی طور پر اور آئین حرب کے خلاف مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے ہیں بلکہ بعض مردوں کی نعشوں کی بے حرمتی کی ہے، ان کے کان کاٹ دیئے ہیں، ان کے ناک کاٹ دیئے ہیں، جگر اور کلیجے نکلوا کر چبائے ہیں اور مختلف قسم کے دیگر انسانیت سوز مظالم کئے ہیں اس لئے اِسے بھی جہاں ملے قتل کیا جائے۔ تو ایک دن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بعض عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئیں تو ہندہ بھی چادر اوڑھ کر اُن میں شامل ہوگئی۔ پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عورتوں سے بیعت لے رہے تھے تو بیعت کے الفاظ میں یہ الفاظ بھی آتے تھے کہ ہم شرک نہیں کریں گی، تو ہندہ کی طبیعت بڑی تیز تھی وہ جوش میں آ کر کہنے لگی یَارَسُوْلَ اللّٰہ! کیا اب بھی ہم شرک کریں گی؟ ہمارے پاس دنیا کے سب ظاہری سامان تھے، ہمارے پاس طاقت تھی، روپیہ تھا، سامانِ حرب تھا، ہماری تعداد زیادہ تھی، تجربہ کار

جرنیل ہمارے پاس تھے، قوم ہمارے ساتھ تھی، ملک ہمارے ساتھ تھا یہ ساری چیزیں جو بظاہر جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لئے نہایت ضروری ہیں ہمارے پاس موجود تھیں، پھر آپ اکیلے تھے، آپ کے پاس طاقت نہیں تھی، ظاہری سامان نہیں تھے مگر آپ جیت گئے ہم ہار گئے۔ اگر ہمارے بتوں میں طاقت ہوتی تو کیا ہم ہار سکتے تھے؟ ہمارے پاس سب کچھ تھا لیکن باوجود اِس کے ہم ہار گئے اور آپ میں طاقت نہیں تھی، آپ کے پاس سامان نہیں تھا، سامانِ حرب نہیں تھا، تجربہ کار جرنیل نہیں تھے، قوم ساتھ نہیں تھی، آپ کے ساتھی تعداد میں ہم سے بہت کم تھے لیکن آپ جیت گئے۔ کیا اس تجربہ کے بعد بھی ہم شرک کر سکتی ہیں؟ ہندہ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ دار تھیں آپ نے اُن کی آواز کو پہچان لیا اور فرمایا ہندہ ہے؟ ہندہ بڑی دلیر عورت تھی۔ اس نے فوراً کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میں مسلمان ہوگئی ہوں۔ اب آپ کا پہلا حکم مجھ پر نافذ نہیں ہوسکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا ہاں! تم مسلمان ہوگئی ہو، اب تمہیں سزا دینے کا مجھے کوئی حق نہیں رہا۔ تمہیں معاف کیا جاتا ہے۔[۲] یہ چیز ہے جو حضور نے بطور سبق ہمارے سامنے رکھی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کے پاس روپیہ تھا، ان کی جتھہ بندی تھی، حکومت تھی، سامانِ حرب تھا، تجربہ کار جرنیل تھے، قوم ساتھ تھی، ملک ساتھ تھا اور آپ کے پاس کوئی حکومت نہیں تھی۔ ظاہری سامان آپ کو میسر نہیں تھے لیکن آپ لڑے اور جیتے۔ عرب لڑے اور ہارے۔ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ کتنی قومیں دنیا میں ایسی گزری ہیں جو تعداد میں بہت تھوڑی تھیں لیکن وہ اپنے دشمن کے مقابلہ میں جیت گئیں۔ مگر یہ کب ہوا؟ جب اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تھا۔ گویا تھوڑی تعداد والی اور کمزور قوموں کو لڑائی میں جیتنے کے لئے یا تو سامان کی فراوانی کی ضرورت ہوتی ہے اور یا خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو، تب اُنہیں فتح حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ تو صاف نظر آ رہا ہے کہ ہمارے پاس طاقت نہیں۔ پس جب تک ہم ایسا راستہ تلاش نہ کریں جس میں سامان کی ضرورت نہیں رہتی کامیابی کی امید رکھنا غلط ہے۔ کامیابی حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ کہ اگر تمہارے پاس ظاہری سامان نہیں تو تم خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرو اور ایسا تعلق قائم کرو کہ اسے ہمارے لئے غیرت ہو۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس قسم کا تعلق قائم کر لیتے ہیں تو کمزور ہونا اور

بے سروسامانی ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ تعداد میں کم ہونا ہمیں فکر میں نہیں ڈال سکتا۔ اس تعلق کے پیدا ہو جانے کے بعد ہم یقین رکھ سکتے ہیں کہ کوئی بھی ہمارے مقابلہ میں آئے ہم اس کے مقابلہ میں جیتیں گے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو اُسے کوئی مغلوب نہیں کرسکتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف جب ہجرت کر کے گئے اور غارِ ثور میں چھپے تو دشمن آپ کی تلاش کرتا کرتا اس غار کے منہ پر پہنچ گیا۔ کھوجیوں نے اُس وقت یہ صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا تو اِس غار میں چھپے ہوئے ہیں اور یا آسمان پر چڑھ گئے ہیں۔ اُس وقت حضرت ابوبکرؓ گھبرا گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا۔ اے ابوبکر! گھبراتے کیوں ہو؟ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔[۳] قرآن کریم آپ کے یہ الفاظ بیان فرماتا ہے کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا [۴] اللہ تعالیٰ جب ہمارے ساتھ ہے تو پھر اے ابوبکر! تم غمگین کیوں ہوتے ہو۔ اگر ہماری قوم ہماری دشمن ہے تو ڈر کی کون سی بات ہے اللہ تعالیٰ تو ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! مجھے اپنے متعلق کچھ فکر نہیں مجھے تو اِس بات کا فکر ہے کہ دشمن کہیں آپ کو نقصان نہ پہنچائے۔ آپ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ابوبکر غم مت کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور وہی ہمیں دشمن سے بچائے گا۔ ہمارے پاس بے شک ظاہری سامان نہیں، ہمارے پاس بے شک ظاہری فوج نہیں لیکن خدا تعالیٰ تو ہمارے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ خدا تعالیٰ ہو اُس کے لئے خوف اور ڈر کی کیا وجہ ہے۔

پس طاقتور دشمن کے مقابلہ میں فتح حاصل کرنے کا ایک نسخہ تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق قائم کیا جائے کہ اسے ہمارے متعلق غیرت ہو۔ دوسرا نسخہ یہ ہے کہ دنیاوی سامان میسر ہوں۔ روپیہ ہو، طاقت ہو، حکومت ہو، مثلاً امریکہ کو جس طرح آجکل یہ برتری حاصل ہے یا انگلستان کو کسی زمانہ میں حاصل ہوا کرتی تھی اور وہ باوجود ایک چھوٹا سا ملک ہونے کے دنیا کے تمام ممالک پر حکومت کرتا تھا اِسی طرح ہمیں طاقت حاصل ہو مگر یہ چیز ہمیں حاصل نہیں اور ہم حاصل کر بھی نہیں سکتے۔ جن چیزوں سے دولت حاصل ہوتی ہے وہ ہمیں میسر نہیں اور اگر وہ

چیزیں میسر ہو بھی جائیں تو دولتوں کے حاصل کرنے کے لئے صدیوں کی ضرورت ہے۔ امریکہ نے جو دولت حاصل کی ہے اِس پر بھی ایک لمبا عرصہ صَرف ہوا ہے۔ اس کے پاس کانیں تھیں، مٹی کا تیل تھا، لوہے کی مائنز تھیں اور مختلف قسم کے سامان اُسے میسر تھے مگر اس نے یہ دولت ڈیڑھ سَو سال کے عرصہ میں حاصل کی۔ امریکہ کو ۱۷۸۰ء میں آزادی حاصل ہوئی تھی۔ ایک سَو ساٹھ سال کی آزادی میں امریکہ اِس حالت تک پہنچا ہے لیکن پاکستان تو اتنا مضبوط ملک نہیں کہ اس سے دوسری بڑی طاقتیں مرعوب ہو جائیں اور نہ ابھی اس کے قیام پر کوئی لمبا عرصہ گزرا ہے۔ اب صرف ایک ہی صورت باقی ہے جس کی وجہ سے ہم اپنی حالت کو برقرار رکھ سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کو اپنے ساتھ ملا لیں اور اِس میں کسی لمبی دیر کی ضرورت نہیں۔ بعض دفعہ تو اِس پر ایک سیکنڈ بھی نہیں لگتا بشرطیکہ اُسے ساتھ ملانے کا صحیح طریق اختیار کیا جائے۔

صوفیاء نے لکھا ہے کہ کوئی شخص تھا اُس نے جب دیکھا کہ روحانی آدمیوں کا لوگ بہت زیادہ ادب واحترام کرتے ہیں تو اُس نے بھی دنیاداری کو چھوڑ دیا اور زاہد بن گیا۔ وہ سارا دن مسجد میں بیٹھا رہتا، نمازیں پڑھتا اور وظیفے کرتا رہتا لیکن جب بھی وہ مسجد سے باہر نکلتا لوگ کہتے دیکھو! وہ منافق جا رہا ہے۔ یہ آدمی وجاہت پسند اور دنیادار ہے لیکن دوسرے لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے اس نے اپنی یہ حالت بنا رکھی ہے۔ دس سال کا لمبا عرصہ گزر گیا لیکن اُس کی یہ امید کہ وہ دنیا کی نظر میں بزرگ تسلیم کیا جائے پوری نہ ہوئی۔ ایک دن وہ جنگل میں گیا۔ اُس نے اپنے دل میں کہا احمق! تو نے اپنی عمر کے دس سال ضائع کر دیئے اور لوگوں کی نظر میں بار بار لعنتی بنا۔ آ اور باقی عمر کو اب خدا تعالیٰ کی خاطر اُس کے کاموں میں لگا دے لوگ تجھے بزرگ سمجھیں یا نہ سمجھیں تو سچے طور پر خدا تعالیٰ کی عبادت کر اور اُسی کا بن جا۔ لوگ تجھے خواہ ریاکار کہیں تو اُن کی طرف توجہ نہ کر اور اپنا کام کرتا چلا جا اور اپنے خدا کو راضی کر لے۔ چنانچہ اس شخص نے اُسی وقت ریاکاری اور دکھاوے کو چھوڑ دیا۔ وضو کیا اور خدا تعالیٰ کے سامنے سجدے میں گر گیا اور اُسے رو رو کر دعائیں کیں کہ اے خدا! تو میرے پچھلے گناہ معاف کر دے۔ خواہ لوگ مجھے پر لعنتیں ڈالیں یا اَور کچھ کہیں میں صرف تیری رضا چاہتا ہوں۔ توبہ کی اور پھر شہر کی طرف آیا اور مسجد میں گیا اور نماز پڑھی اور خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑایا۔ نماز سے فارغ ہو کر

مسجد سے باہر نکلا تو اُسے دیکھتے ہی لوگ کہنے لگے کہ دیکھو! کس طرح نور اس کے چہرے پر برس رہا ہے۔ یہ بہت بڑا ولی اللہ ہے اس کی دعاؤں سے ہر قسم کے عقدے حل ہو جاتے ہیں۔ اس شخص نے اپنے دل میں کہا تو نے دس سال ضائع کر دیئے تو نے لوگوں کو دھوکا دیا اور جھوٹ بولا لیکن تو لوگوں کی نظروں سے نہ بچ سکا۔ آج نیک نیتی سے اور سچے دل سے تو نے ایک نماز ادا کی ہے تو فوراً اس کا اثر دیکھ لیا۔

پس حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے، جو شخص خدا تعالیٰ سے سچی صلح کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے وہ بعض دفعہ ایک سجدہ میں ہی اُسے پالیتا ہے۔ صدیوں میں جس کام کو حل نہیں کیا جا سکتا اُسے ایک سجدہ ہی حل کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ جس شخص کے ساتھ ہو اُس کے ساتھ سب طاقتیں ہوتی ہیں اور وہ کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔ پس جیسا کہ میں نے بتایا ہے جن دو چیزوں کے ساتھ باوجود قلیل التعداد ہونے کے مخالف پر فتح حاصل کی جا سکتی ہے اُن میں سے ایک تو ایسی ہے جس کا حاصل کرنا ہمارے اختیار سے باہر ہے اور اُسے حاصل کرنے کے لئے صدیاں درکار ہیں لیکن ایک چیز ایسی ہے جس کو ہم حاصل کرنا چاہیں تو ایک دن میں بلکہ ایک سیکنڈ میں اُسے حاصل کر سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی محبت قائم کر لیں اور فیصلہ کر لیں کہ ہم دنیا میں خدا تعالیٰ کے لئے ہی زندہ رہیں گے اور اُسی کی خاطر مریں گے۔ جب ہماری یہ خواہش ہوگی کہ خدا تعالیٰ ہم سے خوش ہو جائے اور اپنی دُنیوی ترقیات کو اُس کے لئے نظر انداز کر دیں گے اور محض اُس کی رضا کا حصول ہی ہمارا مقصد ہوگا تو وہ ہمیں حاصل ہو جائے گا اور جب وہ ہمیں حاصل ہو جائے گا تو یہ ہو نہیں سکتا کہ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں تباہ و برباد کر سکے۔ خدا تعالیٰ کے فرشتے خود ہماری مدد کے لئے نازل ہوں گے اور جو چیزیں دُنیوی سامانوں کے باوجود حاصل نہیں ہو سکتیں وہ ہمیں حاصل ہو جائیں گی۔ پس دو چیزوں میں سے تمہیں ایک چیز ضرور کرنی ہوگی یا تو تم فیصلہ کر لو کہ تم دنیا میں ذلّت اور رُسوائی چاہتے ہو اور یہ کہ تمہارے اوپر کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی اور یا یہ فیصلہ کر لو کہ تم نے دنیا میں دین کو پھیلانا اور اُسے غالب کرنا ہے اور اِس کو حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریق ہے کہ تم خدا تعالیٰ کو اپنا بنا لو۔ جب تم خدا تعالیٰ کو اپنا بنا لو گے تو دنیا کی سب چیزیں تمہیں مل سکیں گی۔ اس

لئے نہیں کہ وہ تمہاری مطلوب ہیں جو شخص دُنیوی سامانوں اور دنیوی عزت و جاہ کو اپنا مطلوب بنا تا ہے اُسے خدا تعالیٰ نہیں ملتا۔ لیکن جو شخص خدا تعالیٰ کو اپنا مطلوب بنالیتا ہے اُسے سب چیزیں میسر آجاتی ہیں۔ یہ دو عجیب چیزیں ہیں ان میں سے ایک چیز کی تلاش کرنے سے دوسری چیز خود بخود مل جاتی ہے لیکن دوسری کو تلاش کرنے سے پہلی چیز حاصل نہیں ہوتی۔ جو شخص دنیا کی تلاش کرتا ہے اُسے خدا تعالیٰ نہیں ملتا مگر جو خدا تعالیٰ کی تلاش کرتا ہے اور اُس کی رضا کے حصول کو اپنا مقصد بنالیتا ہے اُسے دنیا بھی مل جاتی ہے۔ عام طور پر لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس بادشاہتیں بھی تھیں اور اِس کے معنی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اُنہیں بھی دُنیوی سامانوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے حالانکہ وہ نہیں سمجھتے کہ یہ بادشاہتیں ایسی نہیں تھیں کہ ان کی وجہ سے خدا تعالیٰ مل گیا ہو بلکہ خدا تعالیٰ کے مل جانے کی وجہ سے یہ بادشاہتیں ملی تھیں اور اب بھی ہم خدا تعالیٰ کو پا کر بادشاہت کو حاصل کر سکتے ہیں۔ یہی چیز آسمانی جماعتوں کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ جو لوگ بھی خدا تعالیٰ کے مأمور پر ایمان لانے والے ہوں گے۔ جو لوگ بھی اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے ساتھ وابستہ رکھیں گے اُنہیں دنیا ملے گی لیکن دنیا اُنہیں اسی صورت میں ملے گی کہ وہ دُنیوی ترقیات کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لیں، وہ اُنہیں دور پھینک دیں۔ وہ کہہ دیں کہ ہم اِنہیں نہیں جانتے۔ ہم صرف خدا تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں۔ جب وہ دنیا کی طرف سے منہ پھیر لیں گے اور ان کا مقصود اور مطلوب صرف خدا تعالیٰ کی رضا ہوگی تب خدا تعالیٰ دنیا کو خود اُٹھا کر اُن کے قدموں میں پھینک دے گا۔

سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ جو ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں وہ ہمیشہ عمدہ کھانا کھاتے تھے اور عمدہ لباس پہنتے تھے۔ کسی دنیا دار نے آپ پر اعتراض کیا کہ سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ اچھے کپڑے پہنتے ہیں، اچھے کھانے کھاتے ہیں یہ بزرگ نہیں ہو سکتے۔ کسی نے یہ بات آپ کو بھی بتادی کہ فلاں شخص نے آپ پر اعتراض کیا ہے کہ آپ اچھا کھاتے ہیں، اچھا پہنتے ہیں معلوم ہوتا ہے آپ بزرگ اور ولی اللہ نہیں، بھلا بزرگوں کو اِن چیزوں سے کیا تعلق۔ سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ نے فرمایا اُس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ میں کیوں ایسا کرتا ہوں۔ آپ فرمانے لگے میں اُس وقت تک کوئی کھانا نہیں کھاتا جب تک خدا تعالیٰ خود نہیں کہتا کہ

اے عبدالقادر جیلانی! تم یہ کھانا کھالو۔ اور میں کوئی کپڑا نہیں پہنتا جب تک خدا تعالیٰ خود مجھ سے نہیں کہتا کہ اے عبدالقادر جیلانی! تم یہ کپڑا پہن لو۔ غرض جو شخص خدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ دنیا خود اُس کے قدموں میں لا ڈالتا ہے تا کہ وہ ظاہر کرے کہ مؤمنوں کو یہ چیزیں دُنیوی ذرائع سے حاصل نہیں ہوتیں بلکہ جو میرا بن جاتا ہے میں خود اُسے یہ چیزیں دیتا ہوں۔ آپ دیکھیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی بادشاہت کو حاصل کرنے کے لئے ایک منٹ کے لئے بھی خواہش نہیں کی لیکن خدا تعالیٰ نے وہ بادشاہت آپ کے قدموں پر بلکہ آپ کے خادموں کے قدموں پر لا کر ڈال دی۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ آپ کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ قریشی تو تھے مگر آپ قریش کے ان لوگوں سے تعلق نہیں رکھتے تھے جو مکہ کے رئیس گنے جاتے تھے اور جن کی فرمانبرداری اور اطاعت کو عرب فخر محسوس کرتے تھے۔ آپ کے والد ابوقحافہ معمولی آدمی تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتداء میں ایمان نہیں لائے تھے۔ جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو مکہ میں یہ اطلاع پہنچی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔ یہ خبر سن کر لوگ گھبرا گئے کہ اب کیا ہوگا۔ اُنہوں نے پیغامبر سے پوچھا پھر کیا ہوا؟ اُس نے جواب دیا کہ ایک خلیفہ چن لیا گیا ہے۔ ان لوگوں میں حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہ بھی تھے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کون خلیفہ چن لیا گیا ہے؟ اس نے کہا ابوبکرؓ۔ آپ کے والد نے پھر پوچھا کون ابوبکرؓ۔ آپ کے والد صاحب اپنی کمزوری کی وجہ سے یہ خیال کرتے تھے کہ رؤساء کسی صورت میں بھی اُن کے بیٹے ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کر سکتے۔ وہ مر جائیں گے لیکن ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کریں گے اس لئے جب اُنہوں نے سنا کہ ابوبکرؓ خلیفہ چن لئے گئے ہیں تو کہنے لگے کون ابوبکرؓ؟ اس پیغامبر نے کہا ابوقحافہ کا بیٹا۔ انہیں پھر بھی یقین نہ آیا۔ انہوں نے پوچھا کون ابوقحافہ؟ اُس نے کہا تم اور کون؟ وہ کہنے لگے کیا میرا بیٹا ابوبکر چن لیا گیا ہے؟ کیا فلاں قبیلہ نے اُس کی بیعت کر لی ہے؟ پیغامبر نے کہا ہاں۔ پھر انہوں نے دریافت کیا کیا فلاں قبیلہ نے اُس کو خلیفہ مان لیا ہے؟ پیغامبر نے کہا ہاں۔ یہ سن کر اُن پر یہ بات حل ہوگئی کہ اتنا بڑا تغیر صرف ایک نبی ہی پیدا کر سکتا ہے اور وہ بے اختیار ہو کر کہنے

لگے ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اگر بنو ہاشم کے خاندان اور قریش کے دوسرے خاندانوں نے میرے بیٹے کی بیعت کر لی ہے تو یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی تھے جنہوں نے ایسا عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا۔ تو دیکھو بادشاہت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر ہی نہیں آپ کے خادموں کے قدموں پر بھی آ گری لیکن آپ نے نہ اُس وقت خواہش کی جب آپ کو ابھی بادشاہت نہیں ملی تھی اور نہ اُس وقت خواہش کی جب آپ کو بادشاہت مل گئی ۔ نہ حضرت ابوبکرؓ نے بادشاہت کی خواہش کی ، نہ حضرت عمرؓ نے بادشاہت کی خواہش کی ، نہ حضرت عثمانؓ نے بادشاہت کی خواہش کی اور نہ حضرت علیؓ نے بادشاہت کی خواہش کی بلکہ ان میں بادشاہت کے آثار پائے ہی نہیں جاتے تھے حالانکہ وہ دنیا کے اتنے زبردست بادشاہ تھے جن کی تاریخ میں مثال ہی نہیں ملتی ۔ ان کی طبائع اتنی سادہ تھیں، ان کی ملاقاتیں اِتنی سادہ تھیں، ان میں تواضع اِس قدر پایا جاتا تھا کہ ظاہری طور پر یہ بھی معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ بادشاہ ہیں ۔ ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ میری حکومت ہے، میں بادشاہ ہوں ۔ ان میں سے کوئی شخص بھی کبھی اِس بات پر آمادہ نہیں ہوا کہ وہ اپنی بادشاہت کا اظہار کرے اور نہ ہی وہ اِس بات کی کبھی خواہش کرتے تھے ۔ درحقیقت جو خدا تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں دنیا خود اُن کے قدموں پر آ گرتی ہے ۔ لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ بادشاہتوں سے اُنہیں مدد ملے گی لیکن جو خدا تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں بادشاہتیں سمجھتی ہیں کہ انہیں ان کی غلامی سے عزت ملی گی ۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہر جماعت یا ہر فرد کی ترقی دو چیزوں کے ساتھ وابستہ ہے اوّل یہ کہ اُس کے پاس مادی سامانوں کی فراوانی ہو ۔ دوم اُسے خدا تعالیٰ مل جائے ۔ جہاں تک مادی سامانوں کا تعلق ہے یہ صاف ظاہر ہے کہ مادیات کے ساتھ ترقی کرنا ہمارے دعویٰ کے خلاف ہے ۔ خدا تعالیٰ کے مأموروں کی جماعتیں مادیات کے ساتھ ترقی نہیں کیا کرتیں ۔ اگر وہ مادیات کے ساتھ ترقی کرتیں تو مخالف یہ کہنے کا حق رکھتا کہ ان کا ترقی کرنا ان کی سچائی کی علامت نہیں مادی سامانوں کے ذریعہ تو ہر ایک ترقی کر سکتا ہے ۔ پھر ان میں اور دوسری جماعتوں میں کیا فرق رہا ۔ غرض اوّل تو ہمارے پاس مادی سامان ہیں ہی نہیں اور اگر مادی

سامان میسر آ بھی جائیں تو پھر بھی یہ امید رکھنا کہ ہم ان کے ذریعہ ترقی کر جائیں گے غلطی ہے اِس صورت میں ہم اپنے جھوٹا ہونے کی دلیل دیں گے۔ کسی کے دعویٰ کے جھوٹا ہونے کی دلیل تو اُس کا مخالف دیتا ہے۔ وہ خود ایسا مواد فراہم نہیں کرتا جس سے وہ جھوٹا ثابت ہو۔ لیکن ہمارا یہ فعل یقیناً اِس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارا مخالف تو ہمیں جھوٹا کرنے کی کوشش میں ناکام رہا لیکن ہم نے اپنے جھوٹا ہونے کی خود اُسے دلیل مہیا کر دی۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر مأمورین کی جماعتیں مادیات کے ساتھ ترقی نہیں کیا کرتیں اور ہمارا یہ دعویٰ کہ ہم مادیات کے ساتھ ترقی کریں گے ہمارے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے تو پھر وہ کونسا ذریعہ ہے جس کو اختیار کر کے ہم ترقی کر سکتے ہیں جس کو اختیار کرنے کے بعد ہم بڑی سے بڑی قوموں کو بھی مغلوب کر سکتے ہیں؟ وہ ذریعہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرنا ہے اگر ہم خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کر لیں گے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں مٹا نہیں سکتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض قومیں مٹ جاتی ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خاتمہ ہو گیا لیکن وہ اپنے مٹ جانے کے بعد پھر ایسی ترقی کرتی ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم پر ایک وقت ایسا بھی آیا جب وہ بظاہر مٹ چکی تھی لیکن اپنے مٹ جانے کے بعد اُس نے کتنی عظیم الشان ترقی کی۔ قریباً تین سَو سال کے لمبے عرصہ کے بعد انہیں حکومتیں ملیں۔ اب ۱۹۴۹ء ہے۔ گویا سترہ سَو سال اِن پر ترقی کے زمانہ کے گزر چکے ہیں۔ بعض صوفیاء نے اس بات پر بحث کی ہے کہ عیسائیوں کی ترقی کا زمانہ زیادہ لمبا کیوں ہو گیا ہے۔ ایک بزرگ نے ایک لطیفہ لکھا ہے اگرچہ وہ ذوقی ہے اُنہوں نے لکھا ہے کہ لفظ ضَآلِّیْنَ پر جو مدّ اور شد ڈالی گئی ہے اِس کا مطلب ہے کہ عیسائیوں کو لمبی ترقی حاصل ہو گی چونکہ عیسائیوں کے لئے لمبی ترقی مقدر تھی اس لئے قرآن کریم میں عیسائیوں کیلئے لفظ (یعنی ضَآلِّیْن) استعمال کیا گیا ہے یہ تو ایک ذوقی بات ہے لیکن صاف ظاہر ہے کہ عیسائیوں کو لمبی ترقی محض اِس لئے ملی کہ ان پر ایک لمبے عرصہ تک مظالم ہوئے۔ لیکن ایک چیز ایسی ہے جس کا لمبا ہونا نہایت ہی خطرناک ہے اور وہ روحانیت کا فقدان ہے۔ روحانیت تو ایک دن میں آ جاتی ہے اس کے لئے زیادہ لمبا عرصہ درکار نہیں۔ عیسائیوں میں روحانیت ۲۷۰ سال کے بعد نہیں آئی تھی

یہ چیز اِن میں ابتدائی زمانہ میں پیدا ہوگئی تھی۔کسی مأمور کی جماعت میں ایمان اور روحانیت میں مضبوطی اُس کے قریب قریب کے عرصہ میں ہی پائی جاتی ہے اور جتنا لمبا عرصہ گزرتا جاتا ہے یہ چیزیں کمزور ہوتی جاتی ہیں۔ ہماری جماعت کی ترقی کا زمانہ بھی یہی ہے اِس لئے تم اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرو۔تم دو ہی چیزوں کے ساتھ کامیاب ہوسکتے ہو۔اوّل محبت الٰہی کے ساتھ۔محبت الٰہی کے لئے سامانوں کی ضرورت نہیں بلکہ ضروری ہے کہ تم اپنے اوپر دنیا وَمَافِیْھَا تاریک بنا اور اس سے جدا رہ کر اپنی زندگی بسر کرو۔دوم وہ ذرائع ہیں جو قرآن کریم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں۔مثلاً نمازیں ہیں، وظائف ہیں، ذکر الٰہی ہے، خدا تعالیٰ سے دعائیں کرنا ہے، اُس کے حضور گریہ وزاری کرنا اور اُس کے حضور عرض کرنا کہ وہ ہمارے افکار اور اعمال اور ذہنوں کی اصلاح کرے۔یہی وہ ذرائع ہیں جن کے ساتھ تم اللہ تعالیٰ کا قرب اور اُس کی محبت حاصل کرسکتے ہو۔اس کے ساتھ ہی تم حتی المقدور قربانی میں ترقی کرنے کی کوشش کرو۔تمہارا قدم ہر وقت آگے کی طرف پڑے پیچھے نہ ہٹے۔جو شخص ایسا نہیں کرتا اُس کا قدم پیچھے کی طرف آتا ہے۔یہ قانونِ قدرت ہے کہ اگر تمہارا قدم آگے کی طرف نہیں بڑھے گا تو وہ پیچھے ہٹے گا۔تم ایک حالت پر کبھی قائم نہیں رہ سکتے۔یہ دنیا متحرک ہے اِس لئے تم یا آگے بڑھو گے یا پیچھے ہٹو گے ایک جگہ پر کھڑے نہیں رہ سکتے۔

ایک دفعہ لندن کی نمائش میں مَیں گیا وہاں ایک چکر بنا ہوا تھا جو چلتا رہتا تھا۔نمائش والوں نے اعلان کیا ہوا تھا کہ جو شخص اِس چکر کے سنٹر کو ہاتھ لگادے اُسے انعام دیا جائے گا۔یہ اُسی وقت ہوسکتا تھا جب انسان کچھ دیر ٹھہرے۔میرے ایک ساتھی نے ایسا کرنے کی کوشش کی مگر جب بھی وہ ایسا کرنے کی کوشش کرتا چکر اُس کو دھکا دے کر پیچھے پھینک دیتا تھا۔اِس دنیا کی مثال بھی اس چکر کی سی ہے۔کوئی شخص ایک جگہ پر ٹک نہیں سکتا۔ہم یا آگے بڑھیں گے یا پیچھے ہٹیں گے۔یہ دنیا ایک مقام پر ٹھہرنے کا مقام نہیں۔نہ تم دُنیوی لحاظ سے ایک جگہ پر ٹھہر سکتے ہو نہ روحانی لحاظ سے ایک جگہ پر ٹھہر سکتے ہو۔دینی امور میں بھی اور مادی امور میں بھی یا تو تم ترقی کرو گے یا تم گرو گے۔یہی وجہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو قربِ الٰہی میں سب سے بڑا مقام حاصل تھا آپ کو خدا تعالیٰ نے یہ کہا کہ ہمیشہ یہ دعا کرتے رہیں کہ رَبِّ زِدْنِــــیْ

عِلْمًا [۵] اسی طرح آپ ہمیشہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ [۶] کی بھی دعا کرتے رہے۔ گویا صرف ہم ہی نہیں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! تو میرے علم کو زیادہ کر اور مجھے صراط مستقیم دکھا۔ ایک عام شخص تو کہہ سکتا ہے کہ اے اللہ! تو مجھے صراط مستقیم دکھا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو کوئی کمزوری نہیں پائی جاتی کہ آپ خدا تعالیٰ سے دعا کرتے کہ اے خدا تو مجھے سیدھا رستہ دکھا۔ اِس کے یہی معنی تھے کہ سیدھے رستے غیر محدود ہیں۔ جس مقامِ عظیم پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فائز تھے اُس کے علاوہ اَور رستے بھی تھے۔ اِس لئے آپ کہتے تھے رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی ہستی اتنی عظیم الشان ہے کہ گو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر تیرہ سَو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے لیکن آپ اب بھی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا مانگ رہے ہونگے۔ اور آپ کے مدارج اب بھی بڑھ رہے ہونگے کیونکہ خدا تعالیٰ کی حد بندی نہیں ہوسکتی۔ انسان کتنا بھی بڑا ہو وہ بہر حال محدود ہے۔ وہ باوجود بلند مدارج حاصل کرنے کے دعا مانگتا چلا جاتا ہے تا حرکت کا سلسلہ بند نہ ہو بلکہ جاری رہے۔ اگر روحانی ترقی کے رستے محدود ہوتے تو اس کے یہ معنی ہوتے کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب روحانی ترقی بند ہو جائے گی اور ایک مقام ایسا آئے گا جہاں پہنچ کر ترقی کے رستے مسدود ہو جائیں گے حالانکہ یہ غلط ہے۔

پس یہ قانونِ قدرت ہے کہ اگر کسی وقت ترقی نہ ہو تو تنزل شروع ہو جاتا ہے۔ پس ہمیں ہمیشہ اپنے اعمال پر غور کرتے رہنا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارا ہر دن پہلے دن کی نسبت زیادہ ترقی والا ہو۔ ہمارا قدم پہلے کی نسبت آگے ہونا چاہئے۔ ہماری عبادت اور ذکرِ الٰہی میں کوئی نہ کوئی ترقی ہونی چاہئے۔ خدا تعالیٰ سے ہمارا تعلق پہلے کی نسبت زیادہ ہونا چاہئے۔ اگر کوئی انسان اس رنگ میں رنگین ہو جائے تو وہ ایسا برکت والا ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کا وارث ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کے فضلوں کا وارث بن جاتا ہے اُسے کسی قسم کی گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ لیکن ضروری ہے کہ عبادتوں اور ذکرِ الٰہی کے علاوہ انسان ظاہری طور پر بھی محنت کرے تا وہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کا جاذب بن سکے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعاؤں کے ساتھ ظاہری تدابیر بھی اختیار کرتے تھے یہاں تک کہ آپ صحابہؓ سے مصنوعی جنگیں

کرواتے تھے، کشتیاں لڑواتے تھے، گتکے کی مشق کروایا کرتے تھے۔ بخاری میں آتا ہے ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند حبشیوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے بُلایا اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا کیا تم تماشہ دیکھنا چاہتی ہو؟ بعض لوگ اِس حدیث کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ مسجدوں میں تماشہ کروانا جائز ہے۔ محدثین نے اِس حدیث کا ہیڈنگ ہی اِس طرز کا باندھا ہے کہ اِس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ آیا مسجد میں تماشہ کروانا جائز ہے یا نہیں؟ لیکن اس تماشا سے مراد مداری یا بندر وغیرہ کا تماشا نہیں بلکہ فوجی کرتب ہیں، لڑائی کے ہنر ہیں اور ان کاموں کی مسجد میں مشق کروانا جائز ہے۔ بلکہ مسجدیں تو ان کاموں کے لئے نہایت عمدہ مقام ہیں لوگ وہاں نماز کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں اور وہ سب ان مشقوں سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ عام تماشا سے مراد وہ نظارہ ہوتا ہے جو دلچسپی کا موجب ہو لیکن اُس میں فائدہ کچھ نہ ہو مگر یہ کرتب دلچسپی کا موجب بھی ہیں اور مفید بھی ہیں۔ بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کیا تم تماشا دیکھنا چاہتی ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں میں تماشا دیکھنا چاہتی ہوں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کندھا نیچا کر لیا اور میں ایڑیوں کے بَل کھڑی ہوگئی اور آپ کے کندھوں کے اوپر سے جھانکتی رہی۔ اُس وقت مسجد میں چند حبشی اپنے فوجی ہنر دکھا رہے تھے۔ [۷] غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کی مشق کروایا کرتے تھے۔

جنگ بدر کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مورچوں پر کھڑا کر دیا تو آپ نے ایک طرف بیٹھ کر دعائیں کرنی شروع کیں کہ اے خدا! آج مسلمانوں کو فتح دے۔ آپ نے اِس موقع پر اتنی دعائیں کیں کہ آپ کی سجدہ گاہ آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا آپ کو یقین نہیں کہ دشمن کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو فتح عطا کرے گا؟ آپ نے فرمایا ابوبکر! خدا تعالیٰ کے ہم سے وعدے تو ہیں لیکن خدا تعالیٰ غنی بھی ہے [۸] ہمارا کام ہے کہ ہم دُنیوی سامان بھی جمع کریں اور اپنی کوتاہی کا بھی اقرار کریں تا وہ یہ بھی نہ کہے کہ ہم نے اُس کے پیدا کردہ سامانوں سے فائدہ نہیں اُٹھایا اور یہ بھی نہ کہے کہ ہم نے اپنے سامانوں پر بھروسہ کر لیا ہے۔

غرض ظاہری سامانوں سے فائدہ اُٹھانا دین کے خلاف نہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ ظاہری سامانوں اور تدابیر کو دین کے تابع رکھا جائے۔ خدا تعالیٰ کی محبت کو اتنا بڑھایا جائے کہ اسے ہمارے متعلق غیرت پیدا ہو جائے اور ساتھ ہی دنیاوی سامانوں کو بھی جمع کیا جائے تا یہ نہ سمجھا جائے کہ تم خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو۔

جب شام میں جنگ ہوئی اور وہاں طاعون پڑی حضرت عمرؓ وہاں خود تشریف لے گئے تا کہ لوگوں کے مشورہ سے فوج کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام کیا جا سکے۔ مگر جب بیماری کا حملہ تیز ہو گیا تو صحابہ نے عرض کیا کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں آپ واپس مدینہ تشریف لے جائیں۔ جب آپ نے واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا أَفِرَارًا مِنْ قَدْرِ اللّٰهِ؟ کیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے آپ بھاگتے ہیں؟ حضرت عمر نے فوراً جواب دیا۔ نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدْرِ اللّٰهِ اِلٰی قَدْرِ اللّٰه ہاں ہم خدا تعالیٰ کی ایک تقدیر سے اُس کی دوسری تقدیر کی طرف بھاگتے ہیں۔[9] غرض دنیاوی سامانوں کو ترک کرنا جائز نہیں۔ ہاں دنیاوی سامانوں کو دین کے تابع رکھنا چاہئے۔

صحابہؓ کے متعلق آتا ہے کہ جن صحابہؓ کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا وہ سارا دن محنت کرتے تھے اور شام کو مٹھی بھر جَو جو وہ حاصل کرتے تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بطور چندہ پیش کر دیتے تھے۔ مشرکین مکہ اور منافق لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ یعنی مسلمان ملک کو فتح کرنے کے لئے جا رہے ہیں لیکن کیا یہ لوگ مٹھی بھر جَو کے ساتھ ملک کو فتح کریں گے؟[10] وہ مشرک اور منافق یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ مٹھی بھر جَو بڑی قیمتی چیز ہے۔ اُن مٹھی بھر جَو دینے والوں کا بھی جنگ لڑنے میں وہی حصہ تھا جو مالداروں کا تھا۔ مثلاً حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار چندہ دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی ساری جائیداد خدا تعالیٰ کی راہ میں دے دی۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت ابو بکرؓ کا چندہ بے شک زیادہ تھا مگر وہ غریب آدمی بھی قربانی میں ان لوگوں سے کسی طرح کم نہ تھا جس نے سارا دن محنت کر کے مٹھی بھر جَو کمائے اور پھر اُن کی روٹی پکا کر اپنے بچے کے منہ میں نہیں دی، اس مٹھی بھر جَو کی روٹی پکا کر اس نے اپنی بیوی کے منہ میں نہیں دی بلکہ اس نے وہ سارے دن کی کمائی مٹھی بھر جَو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی۔ وہ مٹھی بھر جَو مالداروں کے چندوں سے کسی صورت میں بھی کم نہیں تھے کیونکہ خدا تعالیٰ کے

قائم کردہ سلسلہ کی بنیاد مادیات پر نہیں ہوتی۔

پس میں جماعت کے دوستوں کو نصیحت کروں گا کہ وہ اپنے اندر محبت الٰہی پیدا کریں۔ اس طرح کہ خدا تعالیٰ کو ان کے متعلق غیرت پیدا ہو جائے۔ وہ خدا تعالیٰ کی عبادت میں ترقی کریں۔ خشیت الٰہی میں ترقی کریں، تہجد پڑھنے کی عادت ڈالیں اور اس بارہ میں ایک دوسرے کی نگرانی کریں، نمازوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی عادت ڈالیں اور ان کا خدا تعالیٰ کے ساتھ جو تعلق ہے اُسے مضبوط بنائیں۔ یہ خیال کر لینا کہ وہ ان چیزوں کے بغیر ہی جیت جائیں گے غلط ہے۔ جیتنا تو خدا تعالیٰ نے ہے اور جب تک خدا تمہارے اندر نہیں آ جاتا تم غالب نہیں آ سکتے اور اگر خدا تمہارے اندر آ جاتا ہے تو یقیناً تم غالب آ جاؤ گے اور اگر وہ تمہارے اندر نہیں آتا تو تم غالب نہیں آ سکتے کیونکہ غلبہ خدا تعالیٰ کے لئے مقدر ہے۔

دوسری بات جس کی طرف میں جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب میں پچھلی دفعہ راولپنڈی آیا تو یہاں لجنہ اماء اللہ قائم نہیں تھی اور اگر قائم تھی تو وہ مردہ حالت میں تھی۔ اب مجھے بتایا گیا ہے کہ عورتوں میں بیداری پائی جاتی ہے۔ یہ بھی مردوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ عورتوں کو لجنہ اماء اللہ میں شامل کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ گھر کی ذمہ داری مردوں پر ہے اگر مرد اِس ذمہ داری کو ادا نہیں کرتے تو قیامت کے دن اِس کے متعلق ان سے سوال کیا جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں۔ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ [11] تم میں سے ہر ایک اپنے گھر کا نگران ہے اور اُس کے گھر میں جو افراد رہتے ہیں اُن کے متعلق اُس سے قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ قیامت کے دن ایک عورت سے بھی یہ سوال کیا جائے گا کہ اُس نے دین کی خاطر کیا کیا قربانیاں کیں۔ اور مرد سے بھی یہ سوال کیا جائے گا کہ اُس نے اس سے کیا کیا قربانیاں کروائیں۔ ایک بیٹے کے متعلق ماں سے بھی سوال کیا جائے گا کہ اس نے اپنے بیٹے سے کیا کیا قربانیاں کروائیں مگر ساتھ ہی باپ سے بھی یہ سوال کیا جائے گا کہ اس نے اس بارہ میں کیا کچھ کیا کیونکہ بچوں کی ذمہ داری جیسے عورتوں پر ہے ویسے ہی ان کی ذمہ داری باپوں پر ہے۔ پس میں جماعت کے مردوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنی عورتوں کو لجنہ اماء اللہ میں شامل کریں اور ان کی اور اپنے بچوں کی اچھی طرح نگرانی کریں

اور اس میں کسی قسم کی غفلت نہ کریں۔قومی زندگی کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کرسکتی۔

اسلام ایک قومی مذہب ہے باقی مذاہب میں سے کوئی مذہب قومی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہمارے تمام کاموں میں جتھہ بندی اور جمعیت پائی جاتی ہے۔ مثلاً نماز ہے۔ باقی کسی مذہب میں ایسی نماز نہیں پائی جاتی۔ یہ نماز صرف اسلام میں ہی پائی جاتی ہے۔کوئی کہہ سکتا ہے کہ گرجاؤں میں بھی لوگ جمع ہوتے ہیں اور اجتماعی طور پر دعا کرتے ہیں مگر وہ نماز بھی اسلامی نمازوں کی طرح نہیں۔ ہم نے خود دیکھا ہے کہ گرجاؤں میں جب پادری وعظ کر رہا ہوتا ہے تو لوگوں میں سے بعض اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔کسی کا منہ کسی طرف ہوتا ہے اور کسی کا منہ کسی طرف۔کوئی کرسی پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے تو کوئی بنچ پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔اس نماز کا اسلامی نماز کے ساتھ کوئی جوڑ ہی نہیں۔ جماعت کے تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ سب مل کر ایک کام کریں اور ایک ہی جگہ کام کریں اور یہ بات عیسائیوں کی نماز میں نہیں پائی جاتی۔ مثلاً ایک پادری اگر تقریر کر رہا ہوتا ہے تو اُس کا ایک نائب ہاتھ میں شمع لئے کھڑا ہوتا ہے۔کسی کے ہاتھ میں پانی ہوتا ہے۔کوئی خوشبو لئے کھڑا ہوتا ہے۔کیا ہماری نماز میں بھی ایسا ہوتا ہے؟ ہماری نماز میں تو سارے کے سارے ایک ہی کام میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔اسی طرح چندے ہیں، زکوٰۃ ہے اس میں بھی کوئی دوسری قوم اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ یہودیوں میں یہ بات پائی جاتی ہے مگر وہ بھی اِس رنگ میں نہیں جس رنگ میں اسلام نے اِسے پیش کیا ہے۔اسلام نے اِن چیزوں کو ایسی شرائط کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے کہ اِن کی مثال دوسرے مذہب میں نہیں مل سکتی۔ پھر حج ہے۔سال میں ایک دن حج ہوتا ہے۔سب ممالک سے لوگ آ کر جمع ہوتے ہیں۔ایک ہی دن خانہ کعبہ کا طواف کرنا ہوتا ہے۔ایک ہی دن عرفات جانا ہوتا ہے۔منٰی جانا ہوتا ہے اور پھر یہ بتایا جاتا ہے کہ فلاں فلاں دن قربانی کی جائے۔ یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتیں۔غرض اسلام ایک جماعتی مذہب ہے اور مسلمانوں کے لئے ترقی کرنا ناممکن ہے جب تک وہ جماعتی طور پر اس کے لئے کوشش نہ کریں اور جب تک وہ متحدہ طور پر اِس کام کو نہیں کرتے وہ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔

پس میں جماعت کے مردوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ جو عورتیں لجنہ اماء اللہ میں شامل نہیں ہیں

وہ انہیں لجنہ اماء اللہ میں شامل کرائیں اور اُنہیں اجلاسوں میں بھیجا کریں۔ وہ یاد رکھیں کہ قیامت کے دن کوئی شخص یہ کہہ کر بریت حاصل نہیں کرسکتا کہ وہ خود نمازیں پڑھتا تھا، وہ خود چندہ دیتا تھا، وہ خود جماعتی کاموں میں حصہ لیتا تھا بلکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ اُس سے اُس کی بیوی کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا۔ اگر اُس کی بیوی جماعتی کاموں میں حصہ نہیں لیتی تو یہ بات اُسے مجرم بنانے کے لئے کافی ہے۔

پھر اپنے بچوں کو خدام الاحمدیہ میں داخل کرو، ان کی تربیت کرو۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ بچوں کی تربیت کے ذمہ وار باپ ہیں اور اِس میں اُس نے عورتوں کو بھی شامل کیا ہے۔ ایک عورت یہ کہہ کر اپنی بریت نہیں کرسکتی کہ وہ لجنہ اماء اللہ کی ممبر ہے۔ مشترکہ کاموں میں حصہ لیتی ہے، چندے دیتی ہے، تبلیغ کرتی ہے، نمازیں پڑھتی ہے، زکوٰۃ دیتی ہے۔ بے شک یہ سب کچھ وہ کرتی ہے لیکن قیامت کے دن اس سے یہ بھی سوال کیا جائے گا کہ کیا اس نے اپنی اولاد کو بھی دیندار بنایا ہے؟ کیا انہیں سلسلہ کے کاموں میں حصہ لینے کی عادت ڈالی ہے؟ اگر نہیں تو خدا تعالیٰ اُس سے کہے گا کہ تم مجرم ہو۔ میں نے تمہیں صرف یہ نہیں کہا تھا کہ تم یہ کام کرو بلکہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تم یہ کام اپنی اولاد سے بھی کراؤ۔ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم سچ بولو بلکہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تم اپنی اولاد کو بھی سچ بولنے کی عادت ڈالو۔ میں نے صرف یہ نہیں کہا تھا کہ تم خود نمازیں پڑھو اور روزے رکھو بلکہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تمہارا کوئی بیٹا ہے یا بیٹی ہے تو اُسے بھی اِن کاموں کی عادت ڈالو۔ میں نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ تم خود جماعتی کاموں میں حصہ لو بلکہ میں نے تم سے یہ بھی مطالبہ کیا تھا کہ اپنی اولاد کو بھی جماعتی کاموں میں حصہ لینے کی عادت ڈالو۔ اِسی طرح مرد سے بھی یہ سوال کیا جائے گا۔ غرض یہ چیز کافی نہیں کہ تم خود اِخلاص دکھاؤ بلکہ ضروری ہے کہ تم اپنی اولاد میں بھی اخلاص کا مادہ پیدا کرو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو تمہاری اپنی قربانی کافی نہیں ہوسکتی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا نہ کرنے سے تم جہنمی بن جاؤ گے مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ایسا نہ کرنے سے تمہارے ثواب کا ایک حصہ ضرور کٹ جائے گا۔ جماعت کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ وہ سلسلہ قیامت تک چلا جائے گا۔ فرد مرتا ہے لیکن جماعتیں نہیں مرتیں۔ چنانچہ ہارون الرشید کے زمانہ میں ابن جنی کے ایک شاگرد ہوا کرتے تھے۔ ہارون الرشید نے

اُس سے کہا۔ مَا مَاتَ مَنْ خَلَفَ مِثْلَکَ جس نے تیرے جیسا شاگرد اپنے پیچھے چھوڑا ہے وہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہے گا۔

غرض جماعت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ دائمی زندگی اختیار کرے۔ اگر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستہ ہوتا تو آپ کی وفات کے ساتھ یہ بھی ختم ہو جاتا لیکن اسلام کے متعلق خدا تعالیٰ نے کہا ہے کہ وہ قیامت تک چلا جائے گا۔ تو ضروری ہے کہ ہر مسلمان اپنے بیٹے کو مسلمان بنا کر جائے۔ اگر ہر مسلمان اپنے بیٹے کو مسلمان بنا کر نہیں جاتا تو اسلام قیامت تک چلے گا کس طرح؟ ہم کہتے ہیں کہ احمدیت اسلام ہی کا نام ہے۔ اگر احمدیت اسلام ہی کا نام ہے اور اسلام نے قیامت تک جانا ہے تو ضروری ہے کہ ہم اپنی اولاد کو مخلص احمدی بنا کر جائیں۔ اگر ہم اپنی اولاد کو مخلص احمدی بنا کر نہیں جاتے تو احمدیت ختم ہو جائے گی۔ پس یہ کافی نہیں کہ تم صرف اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرو بلکہ ضروری ہے کہ جہاں تم خود اعمالِ دینیہ کی طرف توجہ کرتے ہو، نمازیں پڑھتے ہو، چندے دیتے ہو، زکوٰۃ دیتے ہو، روزے رکھتے ہو، غرباء کی مدد کرتے ہو وہاں تم اپنی اولادوں کی بھی اصلاح کرو۔ اگر تم اپنی اولاد کے اندر دینی جذبہ پیدا نہیں کرتے اور مخلص احمدی بنا کر نہیں جاتے تو تمہاری زندگی یقیناً فردی زندگی ہے تمہاری زندگی جماعتی زندگی نہیں۔ اور اگر کسی اور کی نسل کے ذریعہ اسلام کا کام چلتا رہا تو اسلام کی زندگی میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اسلام اگر دائمی طور پر زندہ رہے گا تو اِسی طرح کہ تم اپنی اولادوں کو دیندار بناؤ۔ مثلاً اگر ا ب ج پکا مسلمان ہے تو جب تک وہ خود مسلمان ہیں اِن کے ذریعہ بیشک اسلام زندہ رہے گا لیکن دائمی زندگی کے لئے اِن کی اولادوں کا پکا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ اگر الف کی اولاد پکی مسلمان نہیں ہے۔ ب کی اولاد مسلمان ہے۔ ج کی اولاد مسلمان ہے تو اگر اسلام زندہ ہے تو ب اور ج کی اولاد سے الف کی اولاد کی وجہ سے نہیں۔ اگر ب کی اولاد پکی مسلمان نہیں ج کی اولاد مسلمان ہے تو پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الف نے زندہ نہیں رکھا۔ ب کی اولاد نے زندہ نہیں رکھا بلکہ آپ کو زندہ رکھا تو ج کی اولاد نے رکھا ہے۔ پس یہ کتنی عظیم الشان نعمت ہے جسے ہم حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم اپنے بیٹے کو مسلمان بنا کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ۳۰ یا ۴۰ سال کی اَور زندگی دے دیتے ہیں۔ اِس سے زیادہ اور کیا رُتبہ ہوگا کہ وہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ۳۰ یا ۴۰ سال کا اضافہ کر دے۔ لیکن جو شخص اپنی اولاد کی اصلاح نہیں کرتا، اُسے پکا مسلمان نہیں بناتا، وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو کم کر دیتا ہے اور یہ کتنی بڑی بدبختی ہے۔ پس تم نہ صرف اپنے اندر ایک نیک تغیر پیدا کرو بلکہ اپنی اولاد کے اندر بھی دینی جذبہ پیدا کرو۔ جب نماز کے لئے جاؤ تو بچوں کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ اگر وہ چھوٹے ہیں تو کم از کم تمہارے ساتھ نماز پڑھتے وقت خاموش تو رہیں تمہاری نماز کو خراب تو نہ کریں۔ جیسے کل بچوں نے شور مچا کر نماز کو خراب کر دیا تھا۔

بچوں کی تربیت ہونی چاہئے۔ اگر بچہ چار پانچ سال کا ہے تو اس کے اندر دینی کاموں میں حصہ لینے کی عادت پیدا کرو اور سات سال کے بچے کو تو باقاعدہ نماز پڑھانی چاہئے اور دس سال کی عمر میں اسے نماز میں ایسا باقاعدہ ہونا چاہئے کہ اگر وہ نماز نہ پڑھے تو ایک حد تک اُسے مار پیٹ بھی جائز ہے۔ بہرحال جب بچہ چھ سات سال کا ہو جائے اُسے نماز پڑھانی چاہئے اور دینی کاموں میں حصہ لینے کی عادت ڈالنی چاہئے اگر اُسے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تو نہ آئے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کے دائیں کان میں اذان دو اور اس کے بائیں کان میں تکبیر کہو۔[۱۲] تو کیا وہ تمہاری اذان اور تکبیر کو سمجھتا ہے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے یہی سبق دیا ہے کہ تم بچے کی تربیت اُس کے پیدائش کے وقت سے ہی شروع کر دو۔ جب آپ بچے کی پیدائش کے وقت سے اُس کی تربیت کا حکم صادر فرماتے ہیں تو چھ سات سال کی عمر والا کچھ کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ جب بچہ چھ سات سال کا ہو جائے تو اُسے نمازوں میں ساتھ لاؤ۔ اُسے آیاتِ قرآنیہ یاد کراؤ۔ اچھی اچھی نظمیں یاد کراؤ۔ جب آٹھ سال کا ہو جائے تو اُس کی اِس طرح تربیت کرو کہ وہ دینی کاموں پر آمادہ ہو جائے۔ اِسی طرح ماؤں کا بھی فرض ہے کہ اگر باپ سارا دن دفتر میں رہتا ہے یا کہیں باہر گیا ہوا ہے تو اُس کی غیر حاضری میں عورت کا فرض ہے کہ وہ بچے کو نمازیں پڑھائے۔ جب وہ نماز پڑھنے لگے تو بچے کو بھی ساتھ کھڑا کرے یا اُسے اپنی نگرانی میں نمازیں پڑھوائے۔ کیونکہ بعض اوقات شرعی طور پر اسے نماز پڑھنا جائز نہیں ہوتا۔ لیکن اگر وہ خود نماز نہیں پڑھتی تو بچے کو تو اپنی نگرانی میں نماز پڑھوا سکتی ہے۔ نماز کا جب وقت آئے اُسے چاہئے کہ بچے کو کھڑا کر کے نماز

پڑھوائے اور پھر جب مرد گھر آ جائے تو وہ یہ کام کرے۔ گویا جب مرد گھر پر ہو تو یہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو دینی کاموں کی عادت ڈالے اور اگر مرد گھر نہیں ہے تو عورت اپنے بچوں سے دینی کام کروائے۔

غرض آپ لوگ اپنی اولاد کی اِس رنگ میں تربیت کریں اور اپنے اندر ایسا تغیر پیدا کریں کہ تمہاری شکلوں کو دیکھ کر ہر شخص یہ سمجھ سکے کہ اِس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے احیاءِ دین کا ذریعہ جماعت احمدیہ کو بنایا ہے اور خدا تعالیٰ سے ایسی محبت پیدا کرو کہ اسے تمہارے متعلق غیرت ہو اور وہ محسوس کرے کہ اگر یہ لوگ مَر گئے تو میں مَرا۔ خدا تعالیٰ **حی و قیوم** ہے اُس پر موت وارد نہیں ہوتی لیکن اِس دنیا میں اگر اُس کا ذکر مٹ جائے تو گویا وہ اِس دنیا کے لئے مَر گیا۔ ایک بزرگ جو سید احمد صاحب بریلوی کے شاگردوں میں سے تھے اور بھوپال میں رہتے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے استاد تھے اُنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو اپنی ایک خواب سنائی کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں بھوپال سے باہر گیا ہوا ہوں۔ شہر کے باہر پُل پر میں نے ایک آدمی دیکھا جو کوڑھی تھا اور اندھا تھا۔ اُس کے زخموں سے بدبو آتی تھی اور اُن پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ اُس کے ہونٹ، ناک اور کان کٹے ہوئے تھے۔ غرض اُس کے جسم کا ہر ذرّہ بھیانک تھا۔ میں نے اُس شخص سے پوچھا تم کون ہو؟ یا اُس نے کہا میں خدا تعالیٰ ہوں۔ میری حالت متغیر ہو گئی اور میں یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ شخص خدا تعالیٰ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے اُس شخص سے کہا کہ قرآن کریم تو کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے زیادہ خوبصورت اور کوئی چیز نہیں۔ اس پر اُس نے کہا میں بھوپال کے رہنے والوں کا خدا ہوں یعنی بھوپال والوں نے میری یہ شکل بنا رکھی ہے۔ پس گو موت ایسی چیز ہے جو خدا تعالیٰ کی ذات میں نہیں پائی جاتی مگر بعض بندوں کے ذریعہ خدا تعالیٰ اِس دنیا میں زندہ ہے اور بعض بندوں کے ذریعہ وہ اِس دنیا میں مُردہ ہے۔ اگر اُس کا ذکر اس دنیا سے مٹ جائے تو وہ اِس دنیا کے لئے گویا مَر گیا اور اگر اُس کا ذکر اِس دنیا میں نہ مٹے تو وہ گویا اِس دنیا کے لئے زندہ ہو گیا۔ اِسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ظاہری طور پر وفات پا گئے ہیں لیکن آپ ایمان لانے والوں کے ذریعہ اِس دنیا میں زندہ ہو سکتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کے دلوں میں ایمان ہے تو وہ زندہ ہیں اور اگر ایمان مٹ چکا ہے تو

آپ زندہ نہیں۔ غرض خدا تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور موت تمہارے ہاتھوں میں ہے اگر تم چاہو تو خدا تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اِس دنیا میں زندہ رہ سکتے ہیں اور اگر تم غفلت اور سستی سے کام لو گے تو خدا تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا کے لئے مَر جائیں گے۔ خدا تعالیٰ ظاہری طور پر کبھی مَر نہیں سکتا مگر روحانی طور پر تم اُسے زندہ بھی رکھ سکتے ہو اور مار بھی سکتے ہو۔

جنگ بدر میں جب لڑائی خطرناک صورت اختیار کر گئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی گھبراہٹ سے دعائیں کرتے تھے کہ اے خدا! اگر یہ جماعت جو چھوٹی سی ہے ہلاک ہو گئی تو **لَنْ تُعْبَدَ فِي الْاَرْضِ اَبَدًا!** تیری عبادت کرنے والا کوئی شخص دنیا میں نہیں رہے گا۔ اِس دعا کی برکت سے خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو محفوظ رکھا کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ وہ جماعت جو خدا تعالیٰ کو اِس دنیا میں زندہ رکھنے والی ہو اُس کو خدا تعالیٰ کبھی مرنے نہیں دیتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مطلب تھا کہ اے خدا! تیری زندگی اِس چھوٹی سی جماعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر یہ جماعت مٹ گئی تو تیرا ذکر بھی اس دنیا سے مٹ جائے گا۔ اے خدا! تو اس جماعت کو مرنے نہ دے اور اِسے ہلاکت سے بچالے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ خدا تعالیٰ حی و قیوم ہے۔ ظاہری طور پر اُس پر موت وارد نہیں ہوتی لیکن روحانی طور پر وہ اِس دنیا میں جس شخص کے ذریعہ زندہ ہو اُس کو بھی وہ زندہ رکھتا ہے۔ اِسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ شعر کہا ہے کہ

سر سے میرے پاؤں تک وہ یار مجھ میں ہے نہاں
اے میرے بدخواہ کرنا ہوش کر کے مجھ پہ وار

یعنی اے میرے دشمن! ذرا ہوش کر کے مجھ پر وار کیجیئو کیونکہ مجھ میں خدا تعالیٰ بیٹھا ہوا ہے۔ اور جس شخص کے اندر خدا تعالیٰ بیٹھا ہو اُس پر کوئی شخص حملہ کر کے محفوظ نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ دراصل خدا تعالیٰ پر حملہ کرتا ہے اور اُس کی ضرب خدا تعالیٰ پر پڑتی ہے۔ پس جب کوئی شخص خدا تعالیٰ کو اپنے اندر بٹھا لیتا ہے تو خدا تعالیٰ اُسے بھی تباہ نہیں ہونے دیتا کیونکہ اُس کی موت سے خدا تعالیٰ کی موت وابستہ ہوتی ہے۔

میرے گلے میں درد ہو رہا ہے جس کی وجہ سے میں زیادہ دیر تک بول نہیں سکتا امید ہے کہ جماعت احمدیہ راولپنڈی اِن باتوں کو جو میں نے کہی ہیں کافی سمجھے گی اور اپنی اصلاح کی کوشش کرے گی۔ اب یہ جماعت اہم جماعتوں میں سے ہے اور اِس پر پہلے سے زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ جماعت کے دوستوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی تعداد بڑھائیں اور اچھا نمونہ دکھائیں۔ احمدیت کی تقویت اور اِس کی زیادتی کے لئے کوشش کریں۔ مستورات بھی اور مرد بھی اِس طرف توجہ کریں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ لوگوں کو اِس بات کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی نعمتوں میں حصہ لینے کی توفیق بخشے تا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کے ذریعہ ایک لمبے عرصہ تک اِس دنیا میں زندہ رہیں۔

(الفضل ۱۳، ۱۹ ؍ستمبر ۱۹۶۲ء)

---

۱ البقرۃ: ۲۵۰

۲ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۵۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۳ السیرۃ الحلبیۃ جلد ۲ صفحہ ۳۸۔ مطبوعہ بیروت ۱۳۲۰ھ (مفہوماً)

۴ التوبۃ: ۴۰ ۵ طٰہٰ: ۱۱۵ ۶ الفاتحہ: ۶

۷ بخاری کتاب العیدین باب الحراب والدرق یوم العید

۸ سیرت ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۹ ۲۷۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۹ مسلم کتاب السلام باب الطاعون والطیرۃ والکھانۃ و نحوھا

۱۰ بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ (الخ)

۱۱ بخاری کتاب النکاح باب المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا

۱۲ کنز العمال جلد ۱۶ صفحہ ۵۹۹ مطبوعہ حلب ۱۹۷۷ء (مفہوماً)

ربوہ میں پہلے جلسہ سالانہ کے موقع پر
افتتاحی تقریر

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

ربوہ میں پہلے جلسہ سالانہ کے موقع پر افتتاحی تقریر

(فرمودہ ۱۵/اپریل ۱۹۴۹ء)

تشہّد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت (جس میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا خصوصیت کے ساتھ تین بار تکرار فرمایا۔ اس کے) بعد فرمایا:۔

''یہ جلسہ تقریروں کا جلسہ نہیں یہ جلسہ اپنے اندر ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے ایسی تاریخی حیثیت جو مہینوں یا سالوں یا صدیوں تک نہیں جائے گی بلکہ بنی نوع انسان کی اِس دنیا پر جو زندگی ہے اِس کے خاتمہ تک جائے گی۔ اِس میں شامل ہونے والے لوگ ایک جلسہ میں شامل نہیں ہو رہے بلکہ روحانی لحاظ سے وہ ایک نئی دنیا، ایک نئی زمین اور ایک نئے آسمان کے بنانے میں شامل ہو رہے ہیں۔ پس اِس جلسہ کو تقریروں کا جلسہ مت سمجھو۔ تقریریں ہوں یا نہ ہوں، مختلف مضامین پر لیکچر سننے کا موقع ملے یا نہ ملے اِس کا کوئی سوال نہیں جو اصل مقصد ہے وہ ہمارے سامنے رہنا چاہیے اور جو اصل مقصد ہے اُس کو ہمیں ہر چیز پر اہمیت دینی چاہیے۔

میں اب قرآن کریم کی کچھ آیتیں پڑھوں گا اور آہستہ آہستہ کئی دفعہ دُہراؤں گا۔ پڑھے ہوئے اور اَن پڑھ جس قدر دوست یہاں موجود ہیں وہ بھی میرا ساتھ دے سکتے ہیں اور انہیں ساتھ دینا چاہیے۔ یعنی جب میں وہ آیتیں پڑھوں تو جماعت کے دوست کیا مرد اور کیا عورتیں ساتھ ساتھ اِن آیتوں کو دُہراتے چلے جائیں۔

(اِس موقع پر حضور نے ہدایت فرمائی کہ کوئی کارکن جا کر عورتوں کی جلسہ گاہ سے پوچھ لے کہ اُن کو آواز آ رہی ہے یا نہیں تا کہ وہ محروم نہ رہ جائیں۔ پھر فرمایا)

عورتوں میں سے جو عورتیں ایسی ہیں کہ اُن پر اِن ایام میں ایسی حالت ہے کہ وہ بلند آواز

سے قرآن کریم نہیں پڑھ سکتیں اُن کو چاہیے کہ وہ دل میں اِن آیتوں کو دُہراتی چلی جائیں اور جن عورتوں کے لئے اِن ایام میں قرآن کریم پڑھنا جائز ہے وہ زبان سے بھی اِن آیتوں کو دُہرائیں۔ بہرحال جن عورتوں کے لئے ان ایام میں زبان سے پڑھنا جائز نہیں وہ زبان سے پڑھنے کی بجائے صرف دل میں اِن آیتوں کو دُہراتی رہیں کیونکہ شریعت نے اپنے حکم کے مطابق جہاں مخصوص ایام میں تلاوتِ قرآن کریم سے عورتوں کو روکا ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ وہ دل میں بھی ایسے خیالات نہ لائیں یا دل میں بھی نہ دُہرائیں بلکہ صرف اتنا حکم ہے کہ زبان سے نہ دُہرائیں بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک صرف قرآن کریم کو ہاتھ لگانا منع ہے مگر احتیاط یہی ہے کہ کثرت سے جس بات پر مسلمانوں کا عمل رہا ہے اُسی پر عمل کیا جائے۔ پس بجائے زبان سے دُہرانے کے وہ دل میں ان آیتوں کو دُہراتی چلی جائیں۔

میں نے بتایا ہے کہ میں کئی دفعہ آیات کو پڑھوں گا ممکن ہے میں پہلی دفعہ جلدی پڑھوں تا کہ ان کا مفہوم آسانی سے سمجھ میں آ سکے۔ اگر لفظوں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہو اور انسان مضمون سے پہلے واقف نہ ہو تو آہستگی سے پڑھنے کے نتیجہ میں مضمون بجائے اچھا سمجھ آنے کے کم سمجھ آتا ہے مگر جو شخص اس کے ترجمہ سے واقف ہوتا اور مضمون سے آگاہ ہوتا ہے اُس کا دلی جوش اور جذبہ بعض دفعہ اُسے جلدی پڑھنے پر مجبور کرتا ہے اِس لئے پہلی دفعہ کی تلاوت میں اپنے لئے مخصوص کروں گا۔ یعنی میں اِس طرح پڑھوں گا جس طرح میرا اپنا دل چاہتا ہے۔ اِس کے بعد جب میں تلاوت کروں گا تو اِس امر کو مدنظر رکھوں گا کہ پڑھا ہوا اور اَن پڑھ، عالم اور جاہل، بڑی عمر کا اور چھوٹی عمر کا ہر شخص لفظاً لفظاً اگر وہ چاہے اور اگر اُس کے دل میں ارادہ اور ہمت ہو تو میرے پیچھے پیچھے چل سکے اور ہر لفظ کو دُہرا سکے۔

(ان تمہیدی الفاظ کے بعد حضور نے نہایت رقت آمیز رنگ میں قرآن کریم کی وہ دعائیں بلند آواز سے پڑھنا شروع کیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو وادیٔ مکہ میں چھوڑتے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور کی تھیں۔ جماعت کے تمام دوست کیا مرد اور کیا عورتیں سب کے سب حضور کے ساتھ ساتھ ان دعاؤں کو دُہراتے چلے گئے۔ یہ دعائیں جس طرح بار بار حضور نے پڑھیں اُسی طرح ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

حضور نے ابراہیمی دعاؤں کو منتخب کرتے ہوئے اِس موقع پر نہایت درد کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:۔)

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ

وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ

(اِس کے بعد دوبارہ حضور نے انہی دعاؤں کو اِس رنگ میں دُہرایا)

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ

بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ
فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ
فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ
وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ

(اِس کے بعد حضور نے فرمایا:)

آج سے قریباً ۴۵ سَو سال پہلے اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کو حکم ہوا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو خدا تعالیٰ کی راہ میں ذبح کر ڈالے۔ یہ رؤیا اپنے اندر دو حکمتیں رکھتی تھی۔ ایک حکمت تو یہ تھی کہ اُس وقت سے پہلے انسانی قربانی کو جائز سمجھا جاتا تھا اور خصوصیت کے ساتھ لوگ اپنی اولاد کو خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے یا اپنے بتوں کو خوش کرنے کے لئے قربان کر دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت نے فیصلہ کیا کہ اب بنی نوع انسان کو اِس مہیب اور بھیانک فعل سے باز رکھنا چاہیے کیونکہ انسانی دماغ اب اتنی ترقی کر چکا ہے کہ وہ حقیقت اور مجاز میں فرق کرنے کا اہل ہو گیا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کو جس کا نام ابراہیم تھا یہ رؤیا دکھائی۔ اِس رؤیا میں جیسا کہ میں نے بتایا ہے ایک حکمت یہ تھی کہ آئندہ انسانی قربانی کو روک دیا جائے اور دوسری حکمت یہ تھی کہ خدا تعالیٰ انسان سے حقیقی قربانی کا مطالبہ کرنا چاہتا تھا جو مطالبہ اس سے پہلے انسان سے نہیں ہوا تھا۔ بہرحال جب سے انسان اِس قابل ہوا کہ اس پر الہام نازل ہو کسی نہ کسی صورت میں لوگ خدا تعالیٰ کی عبادت کیا ہی کرتے تھے لیکن ابھی ایسا زمانہ انسان پر نہیں آیا تھا کہ کچھ لوگ اپنی زندگیوں کو کُلّی طور پر خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر دیں۔ نماز تو لوگ پڑھتے تھے، روزہ بھی رکھتے تھے، ذکرِ الٰہی بھی لوگ کرتے تھے کیونکہ ان چیزوں کے بغیر روحانیت زندہ نہیں رہ سکتی۔ اگر آدمؑ ایک روحانی انسان تھا تو نوحؑ اور آدمؑ اور اُن کے متبع یقیناً نماز بھی پڑھتے تھے، ذکرِ الٰہی بھی کرتے تھے اور روزہ بھی رکھتے تھے کیونکہ روح بغیر ان چیزوں کے جلا نہیں پاتی اور روح کے جلا پائے بغیر خدا تعالیٰ کا قرب اور اُس کا وصال حاصل نہیں ہوسکتا۔ مگر

اِس قربانی اور اُن قربانیوں میں کیا فرق تھا؟ فرق یہ تھا کہ ہر شخص اپنے اپنے طور پر نمازیں ادا کرتا تھا اور کوئی ایسا شخص بھی ہوتا تھا جس کو خدا تعالیٰ چن لیتا تھا اور اسے مقرر کرتا تھا کہ تم اپنی زندگی میں میری طرف سے مأمور کی حیثیت رکھتے ہو۔ تم بنی نوع انسان کو مخاطب کرو اور اُنہیں میری طرف لانے کی کوشش کرو۔ یہ لوگ انبیاء علیہم السلام ہوتے تھے مگر ان کے علاوہ کوئی ایسے گروہ نہیں ہوتے تھے جو اپنی زندگیوں کو کسی مخصوص مقام سے وابستہ کر دیں اور دن اور رات ذکرِ الٰہی کے شغل کو جاری رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ جہاں وہ اِس غیر حقیقی قربانی کو منسوخ کر دے جو چھری کے ذریعہ سے بیٹوں کو قتل کر کے ادا کی جاتی تھی وہاں وہ اِس حقیقی قربانی کی بنیاد ڈال دے کہ دنیا کو چھوڑ کر انسان اپنی زندگی محض خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر دیا کرے۔ چھری انسانی زندگی کو ایک منٹ میں ختم کر دیتی ہے۔ بالکل ممکن ہے کہ جنہوں نے اپنی زندگی خدا تعالیٰ کے لئے دی اور چھریوں اور نیزوں سے اپنے آپ کو قربان کروا دیا اگر وہ ایک سال اَور زندہ رہتے تو مرتد ہو جاتے، ایک سال اَور زندہ رہتے تو اُن کے ایمان کمزور ہو جاتے، ایک سال اَور زندہ رہتے تو اُن کے اندر عبادت کے لئے وہ جوش وخروش باقی نہ رہتا جو اُس وقت اُنہوں نے دکھایا تھا۔

پس چھری کے ساتھ اُنہوں نے مشتبہ انجام کو چھپایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اپنی مرضی سے اپنی زندگی قربان کرتا ہے یا جو شخص اپنی مرضی سے اپنی اولاد کو قربان کرتا ہے وہ اِس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ ڈرتا ہے کہ وہ اور اُس کی اولاد لمبے امتحانوں میں سے گذرتے ہوئے ناکام نہ رہ جائے اور وہ اپنی ناکامیوں کو چھپانے کے لئے ہی اپنی زندگی یا اپنی اولاد کی زندگی ختم کر دیتا ہے۔ مگر جو شخص ساری عمر قربان ہوتا رہتا ہے، موت کے ذریعہ نہیں بلکہ ترکِ منہیات سے، ذکرِ الٰہی کی پابندی اختیار کرنے سے، تبلیغ اسلام کو اختیار کرنے سے، بنی نوع انسان کی تربیت کی ذمہ داری لینے سے، وہ دلیرانہ اِس سمندر میں کودتا ہے۔ وہ اپنا خاتمہ موت سے نہیں کرتا بلکہ وہ اپنا ایمان اپنی زندگی سے ثابت کر دیتا ہے۔ مرنے والے کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اگر وہ زندہ رہتا تو ایماندار رہتا مگر جس نے زندہ رہ کر اپنے ایمان کو ثابت کر دیا اور جس نے مدت تک اپنے ایمان کو سلامت لے جا کر عملی طور پر اس کے سچا ہونے کا ثبوت دے دیا،

اُس کے متعلق دشمن کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اُس نے اپنے عہد کو سچا ثابت کر دیا میں نے کہا کہ جو شخص اپنی مرضی سے اپنی زندگی کو ختم کرتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اُن لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے جو اپنی مرضی سے اپنی زندگی ختم نہیں کرتے بلکہ خدا تعالیٰ کی مشیت سے اُن کی زندگی ختم ہو جاتی ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کو شہداء کہتے ہیں۔

پس جو دلیل میں نے تلوار یا نیزہ سے اپنے آپ کو ختم کرنے والوں کے خلاف دی ہے وہ شہداء کے خلاف نہیں پڑتی اِس لئے کہ شہداء نے خود اپنے آپ کو مار کر زندگی کی جدوجہد سے آزاد ہونے کی کوشش نہیں کی بلکہ خدا تعالیٰ کی مشیّت نے اُن کے زندہ رہنے کی خواہش کے باوجود یہ چاہا کہ اُن کی مادی زندگی کے دَور کو ختم کر دے اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اِن دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

پس جو دلیل میں نے اپنی زندگی ختم کرنے والوں کے خلاف دی ہے وہ شہداء کے خلاف نہیں پڑتی اس لئے کہ وہ خود نہیں مرتے بلکہ اُن کو دشمن مارتا ہے ورنہ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ دشمن کو مار کر اپنے ایمانوں کو اَور بھی قوی کریں۔ اِس امر کا ثبوت کہ وہ اپنی زندگی ختم کر کے میدانِ جدوجہد سے بھاگنا نہیں چاہتے ایک حدیث سے بھی ملتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نہایت مقرب صحابی تھے جب شہید ہوگئے تو اُن کے بیٹے حضرت جابرؓ کو ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت افسردہ حالت میں سر جھکائے دیکھا۔ آپ نے جابرؓ سے فرمایا، جابر! تمہیں اپنے باپ کی موت کا بہت صدمہ معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے کہا ہاں یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ! باپ بھی بہت نیک تھا جس کی وفات کا طبعی طور پر مجھے سخت صدمہ ہے مگر میری افسردگی کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارا خاندان بہت بڑا ہے اور اب اُس کا تمام بار میرے کمزور کندھوں پر آ پڑا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جابر! اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ تمہارے باپ کا کیا حال ہوا تو تم کبھی افسردہ نہ ہوتے بلکہ خوش ہوتے۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ جابر! جب عبداللہؓ شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں سے کہا۔ عبداللہ کی روح کو میرے سامنے لاؤ۔ جب عبداللہ کی روح اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کی گئی تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ سے فرمایا کہ عبداللہ! ہم تمہارے کارنامے پر

اور اسلام کے لئے تم نے جو قربانی پیش کی ہے اُس پر اتنے خوش ہوئے ہیں کہ تم جو کچھ مانگنا چاہتے ہو مانگو ہم تمہاری ہر خواہش کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اِس پر عبداللہؓ نے یہ نہیں کہا کہ الٰہی! جنت کے فلاں مقام پر مجھے رکھا جائے، اِس پر عبداللہؓ نے یہ نہیں کہا کہ الٰہی! مجھے ایسی ایسی حوریں دے، عبداللہؓ نے یہ نہیں کہا کہ الٰہی! مجھے جنت میں غلمان خدمت کے لئے دے، عبداللہؓ نے یہ نہیں کہا کہ الٰہی! مجھے ایسے ایسے باغات مل جائیں بلکہ عبداللہؓ نے اگر کہا تو یہ کہا کہ اے میرے ربّ! اگر تو مجھے کچھ دینا ہی چاہتا ہے تو میری خواہش یہ ہے کہ تو مجھے پھر زندہ کر دے تا کہ میں پھر تیرے دین کی خدمت کرتا ہوا مارا جاؤں۔[1]

اِس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ شہید ہونے والا اپنی مرضی سے مرنا نہیں چاہتا۔ وہ خطرے کے مواقع پر اپنی جان ضرور پیش کرتا ہے مگر اُس کا دل چاہتا ہے کہ میں زندہ رہ کر ان تمام مشکلات کا مقابلہ کروں جو اسلام یا دینِ حقّہ کو مخالفوں کی طرف سے پیش آنے والی ہیں۔ پس میں نے جو اعتراض خودکشی کرنے والوں یا جھوٹے جان دینے والوں پر کیا ہے وہ شہداء پر نہیں پڑتا۔

غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے چاہا کہ وہ دینِ حقّہ کے لئے ایسے قربانی کرنے والے پیدا کرے جو اپنی جان کو مار کر اِس دنیا کی جدوجہد سے بھاگنا نہیں چاہتے بلکہ دنیا میں زندہ رہ کر دنیا کی کشمکشوں میں سے گزر کر، دنیا کی مصیبتوں کو جھیل کر، دنیا کی تکالیف کو برداشت کر کے اپنی مردانگی کا ثبوت دینا چاہتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا بندہ دنیا کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے ڈرا نہیں کرتا۔ یہی وہ حقیقی قربانی ہے جو شاندار ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کا نام لے کر سینہ میں خنجر مار لینا کوئی قربانی نہیں وہ بزدلی ہے، وہ کمزوری ہے، وہ دون ہمتی ہے جو لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے ایک قربانی کی شکل میں پیش کی جاتی ہے ورنہ وہ خوب جانتا ہے کہ میں بُزدل ہوں۔ میں اس لئے مَر رہا ہوں کہ دنیا میں رہ کر میں مصیبتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور وہ سمجھتا ہے کہ چند مصیبتیں آنے کے بعد ہی میرا ایمان کمزور ہو جائے گا اِس لئے وہ اپنی زندگی کو ختم کر دیتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ اِس قربانی کی بنیاد ڈالے جو زندہ رہ کر اور دنیا کی کشمکشوں کا مقابلہ کر کے

اور دنیا کی مصیبتوں کو برداشت کر کے انسان پیش کر سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سب سے بڑا کارنامہ درحقیقت یہی تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وہ رؤیا دکھائی جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ اکلوتے بیٹے کو جو یقیناً اسماعیل تھے ذبح کر رہے ہیں تو چونکہ اُس وقت لوگ اپنے بیٹوں کو خدا تعالیٰ کے نام پر ذبح کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھا کہ الٰہی منشاء یہ ہے کہ میں بھی اپنے بیٹے کو خدا تعالیٰ کے نام پر ذبح کر دوں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل کو جن کی عمر اُس وقت تاریخ سے سات سال کی معلوم ہوتی ہے بتایا کہ میں نے ایسی ایسی رؤیا دیکھی ہے۔ اسماعیل جو اپنے باپ کی نیک تربیت کے ماتحت دین کو سمجھتا تھا اور جس میں یہ حس تھی کہ خدا تعالیٰ کے لئے قربانی کرنی چاہیے اُس نے فوراً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو قبول کیا کہ خدا تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے آپ اُس پر عمل کریں۔[۲]

میں اِسے حضرت اسماعیل کی ذاتی نیکی نہیں سمجھتا۔ جب وہ بڑے ہوئے تو یقیناً وہ نیک ثابت ہوئے اور اُنہوں نے اپنے عمل اور طریق سے خدا تعالیٰ کو اتنا خوش کیا کہ اُس نے اِنہیں نبوت کے مقام پر فائز کر دیا مگر اَلصَّبِیُّ صَبِیٌّ وَلَوْ کَانَ نَبِیًّا بچہ بچہ ہی ہے خواہ وہ بعد میں نبی ہی کیوں نہ بن جائے۔ سات سال کی عمر میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا یہ نمونہ دکھانا یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام، اُن کی بیوی اور دوسرے رشتہ داروں کی نیکی کا مظاہرہ تھا حضرت اسماعیل کی ذاتی خوبی نہیں تھا۔

مجھے اپنے گھر کا ایک واقعہ یاد ہے۔ میرا ایک بچہ جس کی عمر پانچ چھ سال تھی ایک دفعہ نچلی منزل کی سیڑھی پر کھڑا تھا اور میں اُوپر تھا۔ اُس کے ایک دو بھائی جو بڑی عمر کے تھے وہ اُس کے پاس کھڑے اُسے ڈرا رہے تھے اور میرے کان میں ان کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مجھے اُن کی باتیں کچھ دلچسپ معلوم ہوئیں اور میں غور سے سُننے لگا۔ میں نے سُنا اُن میں سے ایک نے اُسے کہا۔ اگر تم کو رات کے وقت جنگل میں اکیلے چھوڑ آئیں تو کیا تم اِس کے لئے تیار ہو گے؟ میں نے دیکھا کہ اس بات کے سنتے ہی بچے پر دہشت غالب آ گئی۔ وہ ڈر گیا اور اس نے کہا نہیں۔ اِس کے بعد دوسرے نے کہا۔ اگر میں تم کو کہوں کہ تم رات کو اکیلے جنگل میں چلے جاؤ اور وہیں

رہو تو کیا تم میری بات مانو گے؟ اُس نے کہا نہیں ۔ پھر اُنہوں نے کسی اَور کا نام لے کر کہا کہ اگر وہ کہے تو پھر بھی مانو گے یا نہیں؟ اُس نے کہا نہیں ۔ اِس کے بعد اُنہوں نے کسی اَور کا نام لیا کہ اگر وہ ایسا کہے تو کیا پھر بھی تم مانو گے یا نہیں؟ اُس نے کہا نہیں ۔ پھر اُنہوں نے میرا نام لیا اور کہا کہ اگر ابا جان کہیں تو کیا تم جنگل میں چلے جاؤ گے؟ اُس نے پھر کہا نہیں ۔ آخر اُنہوں نے کہا۔ اگر خدا کہے کہ تم جنگل میں چلے جاؤ تو کیا تم جاؤ گے؟ میں نے دیکھا کہ اِس بات کے سنتے ہی اُس کا رنگ زرد ہو گیا مگر اُس نے کہا ہاں پھر میں مان لوں گا۔

اب دیکھو پانچ چھ سال کا بچہ نہیں جانتا کہ خدا کیا چیز ہے۔ وہ صرف موٹی موٹی باتیں جانتا ہے خدا تعالیٰ کے احکام کی اہمیت کو نہیں سمجھتا مگر چونکہ صبح و شام وہ سنتا رہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات بہت بڑی ہے اور اُس کے احکام کو نہ ماننا کسی انسان کے لئے جائز نہیں ہو سکتا اِس لئے اور سب کا نام لینے پر اُس نے انکار کیا یہاں تک کہ باپ کا نام لینے پر بھی اُس نے یہی کہا کہ میں نہیں جاؤں گا مگر جب خدا تعالیٰ کا نام لیا گیا تو اُس نے سمجھا کہ اب انکار نہیں ہو سکتا اور اُس نے کہا کہ اگر خدا کہے تو پھر میں چلا جاؤں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی جب اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے رؤیا میں یہ دکھایا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں اب بتا تیری کیا رائے ہے؟ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اُس نیک تربیت کی وجہ سے جو اُنہیں حاصل تھی یہ جواب دیا کہ جب خدا نے ایسا کہا ہے تو پھر بے شک اِس پر عمل کریں میں اِس کے لئے بالکل تیار ہوں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جنگل میں لے گئے، ان کی آنکھوں پر پٹی باندھی، اُنہیں زمین پر لٹا دیا اور پھر چھری نکال کر چاہا کہ اُس زمانہ کے رسم و رواج کے مطابق اپنے بیٹے کو خدا تعالیٰ کے نام پر ذبح کر دیں مگر خدا تعالیٰ تو یہ بتانا چاہتا تھا کہ انسانی قربانی ناجائز ہے۔ چنانچہ جب اُنہوں نے چھری نکالی اور ذبح کرنا چاہا تو فرشتہ نازل ہوا اور اُس نے خدا تعالیٰ کی طرف سے کہا کہ یٰۤاِبۡرٰهِیۡمُ ۝۱۰۵ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡیَا ۔[۳] اے ابراہیم! تم نے عملاً اپنے بچے کو ذبح کرنے کے ارادہ سے لٹا کر اور چھری نکال کر اپنے خواب کو پورا کر دیا ہے مگر ہمارا منشاء یہ نہیں تھا کہ تم واقع میں اِسے ذبح کر دو بلکہ ہم یہ بتانا

چاہتے تھے کہ خواب میں اگر کوئی شخص اپنے بچے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اِس کی تعبیر کچھ اَور ہوتی ہے۔ ہم انسانی قربانی کو روکنا چاہتے تھے اور اِسی لئے ہم نے یہ رؤیا دکھائی تھی۔ اِس ذریعہ سے تمہارا ایمان بھی ظاہر ہو گیا اور ہماری غرض بھی پوری ہوگئی۔ اے ابراہیم! آج سے انسانی قربانی کو بند کیا جاتا ہے اب آئندہ کسی انسان کو اِس رنگ میں قربان کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے انسانی قربانی جو خودکشی یا دوسرے کو قتل کرنے کے رنگ میں جاری تھی رُک گئی۔ درحقیقت اِس رؤیا میں یہ بتایا گیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ایک وادئ غیر ذی ذرع میں اپنے بیٹے کو چھوڑ آئیں گے اور اس لئے چھوڑ آئیں گے لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ[4] تاکہ وہ خدا تعالیٰ کی عبادت کو قائم کریں۔ دوسری جگہ یہ ذکر آتا ہے کہ اُن کو بیت اللہ کے پاس اِس لئے رکھا گیا تھا تاکہ وہ زائرین اور طواف کرنے والوں اور اعتکاف بیٹھنے والوں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کے لئے اُس کے گھر کو آباد رکھیں۔[5] چنانچہ جب یہ قربانی جاتی رہی تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رؤیا کے ذریعہ بتایا کہ وہ اپنے بیٹے اسماعیل اور اس کی والدہ کو بیت اللہ کی جگہ چھوڑ آئیں۔

بخاری میں روایت آتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں یہ حکم ہوا تو اُنہوں نے اپنا بچہ اُٹھا لیا یا ممکن ہے اُنہوں نے کسی سواری کا بھی انتظام کر لیا ہو۔ روایت میں آتا ہے کہ بعض جگہ حضرت ہاجرہ بچے کو اُٹھا لیتیں اور بعض جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اُسے اُٹھا لیتے اِس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی اور بچے کو ساتھ لے کر فلسطین سے مکہ کا رُخ کیا۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ فلسطین سے مکہ کوئی دو ہزار میل کے قریب ہوگا۔ سفر کرتے کرتے وہ خانہ کعبہ میں پہنچے۔ اُس وقت صرف ایک مشکیزہ پانی کا اور ایک ٹوکری کھجوروں کی ان کے پاس تھی اُنہوں نے اپنی بیوی اور بچے کو وہاں بٹھایا اور کھجوروں کی ٹوکری اور پانی کا مشکیزہ اُن کے پاس رکھ دیا۔ مکہ میں اُس وقت کوئی پانی کا چشمہ یا نہر نہیں تھی، کوئی نالہ بھی پاس سے نہیں گذرتا تھا اور زمین کے لحاظ سے کوئی سرسبزی و شادابی اُس میں نہیں پائی جاتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وہاں رکھا، اپنی بیوی کو چھوڑا اور کہا میں ایک کام کے لئے جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ وہاں سے واپس چل پڑے لیکن ۸۰ سال کی عمر میں پیدا ہونے والے اکلوتے بچے کی محبت

خواہ کوئی نبی بھی ہو، اُس کے دل سے ٹھنڈی نہیں ہوسکتی۔ اب ابراہیم علیہ السلام نوے سال کی عمر کو پہنچ رہے تھے اور اِس عمر میں اُن کا اپنے بیٹے اور اُس بیٹے کی شریف اور نیک ماں کو چھوڑ کر واپس چلے جانا کوئی آسان امر نہیں تھا۔ پچاس ساٹھ گز گئے تھے کہ اُنہوں نے مڑ کر اپنی بیوی اور بچے کو دیکھا اور اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر پچاس ساٹھ گز گئے تھے کہ محبت نے جوش مارا اور اُنہوں نے پھر ایک بار اُن کو دیکھا۔ پھر کچھ دور گئے تو محبت نے پھر جوش مارا اور اُنہوں نے مُڑ کر اُن پر نظر ڈالی۔ وہ اِس طرح کرتے چلے گئے یہاں تک کہ وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے اُن کا نظر آنا مشکل ہوگیا۔ اُس وقت اُنہوں نے اُس طرف منہ کیا جدھر اُن کی بیوی بچہ تھے جن کو چھوڑ کر وہ ہمیشہ کے لئے جا رہے تھے اور جن کے زندہ رہنے کا بظاہر کوئی امکان نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ کے حضور نہایت عاجزانہ طور پر اُنہوں نے دعا کی کہ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ [۶] اے ہمارے ربّ! اُنہوں نے رَبَّنَآ کہا ہے رَبِّی نہیں کہا۔ کیونکہ اِس قربانی میں وہ اپنی بیوی کو بھی شامل کرتے ہیں مگر اس کے بعد وہ اِنِّيْٓ کہتے ہیں اِنَّا نہیں کہتے کیونکہ یہ فعل اُن کی بیوی کی طرف سے نہیں تھا رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ۔ اے ہمارے ربّ! میں نے اپنی ذریت کا ایک حصہ اِس وادی میں لا کر چھوڑ دیا ہے۔ ایک حصہ اُنہوں نے اِس لئے کہا کہ اُس وقت تک حضرت اسحٰق بھی پیدا ہو چکے تھے۔ جب اُنہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا چاہا تھا اُس وقت تک حضرت اسحاقؑ پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن جب اُنہوں نے حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں لا کر چھوڑا ہے اُس وقت حضرت اسحاقؑ پیدا ہو چکے تھے اِس لئے وہ فرماتے ہیں رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ۔ الٰہی! میں نے اپنی اولاد کا ایک حصہ اس وادی میں لا کر چھوڑ دیا ہے۔ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں ہوتی۔ جیسے ربوہ میں کوئی کھیتی باڑی نہیں ہوتی۔ سرکاری کاغذات میں لکھا ہوا ہے کہ اس رقبہ میں نہ زراعت ہوتی ہے اور نہ اِس وقت کی تحقیقات کے مطابق ہوسکتی ہے۔ Uncultivable Unagricultural۔ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ [۷] تیرے پاکیزہ گھر کے پاس۔ اُس وقت تک خانہ کعبہ نہیں بنا تھا لیکن اس آیت سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں وہاں کوئی پُرانا

معبد تھا۔ اور جو لوگ یہ عقیدہ نہیں رکھتے وہ اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جو معبد بننے والا ہے اس کے نزدیک میں نے اپنی اولاد کو لا کر رکھ دیا ہے۔ تیسرے معنی اس کے یہ کئے جاتے ہیں کہ بیت اللہ درحقیقت تقویٰ کا مقام ہے۔ پس عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ کے یہ معنی ہیں کہ میں ایک ایسے مقام کے پاس انہیں چھوڑ رہا ہوں جہاں شیطانی خیالات کا دخل نہیں ہوگا یعنی دین کی خدمت کے لئے میں انہیں یہاں چھوڑ رہا ہوں رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔ اے میرے ربّ! میں اِن کو یہاں چھوڑ تو رہا ہوں مگر اِس لئے نہیں کہ یہ بڑی بڑی کمائیاں کریں یا بڑے بڑے جتھے بنائیں اور فتوحات حاصل کریں بلکہ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اے میرے ربّ! میں اس لئے ان کو یہاں چھوڑ رہا ہوں تا کہ وہ تیری عبادت کو اِس جنگل میں قائم کریں۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ [۸] پس اے میرے ربّ! تو لوگوں کے دلوں میں خود ان کی محبت ڈال اور اُنہیں اِس طرف جھکا دے۔ چونکہ یہ خالص تیری عبادت کے لئے وقف ہوں گے اور تیرے دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہوں گے اِس لئے اے میرے ربّ! تو لوگوں کے ایک طبقہ کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے اور ان کے دلوں میں ان کی عقیدت اور احترام پیدا کر دے تا کہ وہ باہر کی دنیا میں رہ کر کمائیں اور اپنی کمائی کا ایک حصہ اِن کے کھانے کے لئے بھجوا دیا کریں۔ اور اے میرے ربّ! جب میں اپنی اولاد کو دین کی خدمت کے لئے یہاں چھوڑے جا رہا ہوں تو میں یہ نہیں چاہتا کہ مسجد کے مُلانوں کی طرح یہ جمعرات کی روٹیوں کے محتاج ہوں۔ میں اپنی اولاد کو ایک جنگل میں چھوڑ رہا ہوں، میں اپنے بچے کو جو جوان ہے اور اُس عمر سے گذر گیا ہے جس میں بچے بِالعموم مَر جایا کرتے ہیں ایک ایسی جگہ چھوڑ رہا ہوں جس میں اِس کی موت یقینی ہے انسان ہونے کے لحاظ سے میں علمِ غیب نہیں رکھتا اور میں نہیں جانتا کہ کل تُو ان سے کیا سلوک کرے گا۔ میرا اندازہ انسانی علم کے لحاظ سے یہی ہے کہ میری بیوی اور بچہ یہاں مَر جائیں گے۔ میں نے انسان ہوتے ہوئے قربانی کے ہر نقطۂ نگاہ میں سے جو سب سے بڑا نقطۂ نگاہ تھا اُس کو پورا کر دیا ہے اب میں تیرا بھی امتحان لینا چاہتا ہوں۔ میں نے بندہ ہو کر وہ کام کیا ہے جو قربانی اور ایثار کے لحاظ سے اپنے انتہائی کمال کو پہنچا ہوا ہے اب میں تیری خدائی کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ میں نے اپنی بیوی اور بچے کو یہاں لا کر چھوڑا ہے اور یہ سمجھتے ہوئے چھوڑا ہے کہ وہ اِس جنگل میں بھوکے اور پیاسے مَر جائیں گے۔ اب اے خدا! اگر تو خدا ہے تو یہاں اُن کے لئے لوگوں کو کھینچ لا اور اُن کے قلوب اِس طرف مائل کر دے۔ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ [9] مگر اے خدا! میں تجھ سے اُن کے لئے جمعرات کی روٹی نہیں مانگتا، میں تجھ سے اُن کے لئے چاول بھی نہیں مانگتا بلکہ میں یہ مانگتا ہوں کہ یہ جگہ جہاں گھاس کی ایک پتی بھی پیدا نہیں ہوتی اِس جگہ دنیا بھر کے میوے آئیں اور یہ اُن میووں کو یہاں بیٹھ کر کھائیں۔ تُو روٹی دے گا تو میں نہیں مانوں گا کہ تُو نے اپنی خدائی کا ثبوت دیا ہے، تو چاول کھلائے گا تو میں نہیں مانوں گا کہ تُو نے اپنی خدائی کا ثبوت دیا ہے، تو زردہ اور پلاؤ کھلائے گا تو میں نہیں مانوں گا کہ تو نے اپنی خدائی کا ثبوت دیا ہے۔ میں تیری خدائی کا ثبوت تب مانوں گا جب یہ مکہ میں بیٹھ کر چین اور جاپان اور یورپ اور امریکہ کے میوے کھائیں تب میں مانوں گا کہ تُو نے اپنی خدائی کا ثبوت دے دیا ہے۔ میں نے بندہ ہو کر ایک انتہائی قربانی کی ہے اب اے خدا! میں تیری خدائی کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں اور وہ بھی اِس رنگ میں کہ اِس وادیٔ غیر ذی زرع میں دنیا کا ہر بہترین رزق تُو انہیں پہنچا۔ خدا تعالیٰ نے ابراہیم کے اِس چیلنج کو قبول کیا اور اُس نے کہا۔ اے ابراہیم! تُو نے اپنی اولاد کو ایک وادیٔ غیر ذی زرع میں لا کر بسایا ہے اور مجھ سے کہا ہے کہ میں نے اپنا بیٹا قربان کر دیا ہے، اب تُو بھی اپنی خدائی کا ثبوت دے! تُو نے کہا ہے کہ میں نے ایک عاجز بندہ ہو کر اپنی بندگی کا ثبوت دے دیا، اب اے خدا! تُو بھی اپنی خدائی کا ثبوت دے! اور تُو نے ثبوت یہ مانگا ہے کہ یہ نہ کمائیں بلکہ بنی نوع انسان کمائیں اور اِنہیں کھلائیں اور کھلائیں بھی معمولی چیزیں نہیں بلکہ دنیا بھر کے میوے اِن کے پاس پہنچیں۔ میں تیرے اِس چیلنج کو قبول کرتا ہوں اور میں اِس وادیٔ غیر ذی زرع میں جہاں گھاس کی ایک پتی بھی نہیں اُگتی تجھے ایسا ہی کر کے دکھاؤں گا۔

میں نے حج کے موقع پر خود اِس کا تجربہ کیا ہے۔ میں نے مکہ مکرمہ میں ہندوستان کے گنے دیکھے ہیں، میں نے مکہ مکرمہ میں طائف کے انگور کھائے، میں نے مکہ مکرمہ میں اعلیٰ درجہ کے انار کھائے ہیں، گنے کے متعلق تو مجھے یاد نہیں کہ میری طبیعت پر اس کے متعلق کیا اثر تھا لیکن

انگوروں اور اناروں کے متعلق میں شہادت دے سکتا ہوں کہ ویسے اعلیٰ درجہ کے انگور اور انار میں نے اور کہیں نہیں کھائے۔ میں یورپ بھی گیا ہوں، میں شام بھی گیا ہوں، میں فلسطین بھی گیا ہوں، اٹلی کا مُلک انگوروں کیلئے بہت مشہور ہے یورپ کے لوگ کہتے ہیں کہ بہترین انگور اٹلی میں ہوتے ہیں مگر میں نے اٹلی کے لوگوں سے کہا کہ مکہ کی وادیٔ غیر ذی زرع میں ابراہیمی پیشگوئی کے ماتحت جو انگور میں نے کھائے ہیں وہ اٹلی کے انگوروں سے بہت زیادہ میٹھے اور بہت زیادہ اعلیٰ تھے۔ ہمارے اِردگرد قندھار، کوئٹہ اور کابل کا انار مشہور ہے مگر میں نے جو موٹا سرخ شیریں اور لذیذ انار مکہ میں کھایا ہے اُس کا سینکڑواں حصہ بھی قندھار اور کوئٹہ اور کابل کا انار نہیں۔

غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں۔ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ اے خدا! میں نے اپنی بندگی کا انتہائی ثبوت دے دیا ہے اب تجھ سے میں کہتا ہوں کہ تُو بھی اپنی خدائی کا انتہا درجے کا ثبوت دے اور وہ ثبوت میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ یہ نہ کمائیں بلکہ لوگ کما کر اِن کے پاس لائیں اور لائیں بھی معمولی چیزیں نہیں بلکہ دنیا بھر کے بہترین پھل اور میوے لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ [۱۰] اے میرے ربّ! میں احسان کے طور پر نہیں کہتا میں یہ نہیں کہتا کہ اگر ایسا ہوا تب میرا بدلہ اُترے گا یا تب میری اولاد کی قربانی کا بدلہ اُترے گا۔ میں نے بیشک ایک مطالبہ کیا ہے مگر اِس لئے نہیں کہ میں نے کوئی قربانی کی ہے بلکہ میں نے یہ مطالبہ محض اِس لئے کیا ہے کہ بندے نے اپنی بندگی کا انتہائی ثبوت دے دیا اب تُو بھی اپنی خدائی کا ثبوت دے لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ تا کہ میری اولاد ایمان پر قائم رہے اور اِسے یقین ہو کہ کیسی زبردست طاقتوں کا مالک وہ خدا ہے جس کی خدمت کے لئے وہ یہاں بیٹھے ہیں۔ بظاہر یہ ایک چیلنج معلوم ہوتا ہے کہ دیکھ! میں نے کتنی قربانی کی، اب تو بھی اپنی خدائی کا ثبوت دے۔ مگر میری یہ غرض نہیں کہ تُو میرے فعل کی وجہ سے اِنہیں یہ پھل کھلا بلکہ میری غرض یہ ہے کہ تیرے فعل سے بنی نوع انسان کے اندر ایمان پیدا ہو۔ گویا اِس میں بھی اصل غرض تیرے نام کی بلندی ہے اپنے نام کی بلندی نہیں۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ [۱۱] پھر ابراہیم علیہ السلام کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ بچہ چھوٹا ہے بیوی جوان ہے، یہ میری دوسری بیوی ہے میری بڑی بیوی جو میری

پھوپھی زاد بہن ہے میرے گھر میں موجود ہے اور اُس سے نسل بھی ہو رہی ہے، ہاجرہ یہ بھی جانتی ہے کہ وہ میری چہیتی بیوی ہے اور یہ بھی جانتی ہے کہ اُس سے اولاد ہوگئی ہے اِس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ یہ ظالم اُس بیوی کی خاطر مجھے یہاں چھوڑے جا رہا ہے اور اُس بچے کی خاطر میرے اِس بچے کو چھوڑ رہا ہے اِس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور گر گئے اور اُنہوں نے کہا۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ اے میرے ربّ! میں نے تیرے نام کی عزت کے لئے اپنے اوپر یہ دھبّہ قبول کیا ہے۔ میں اپنی بیوی کو یہاں اِس لئے نہیں چھوڑ رہا کہ میں اپنی پہلی بیوی کو اِس پر مقدم رکھتا ہوں۔ میں اپنے بچے کو اِس لیے یہاں نہیں چھوڑ رہا کہ میں اِس بچے پر دوسرے بچہ کو مقدم رکھتا ہوں بلکہ اے خدا! اِس بیوی کو میں اِس لئے یہاں چھوڑ رہا ہوں کہ تو نے مجھے اِس کا حکم دیا ہے اور اے خدا! یہ بچہ مجھے بہت عزیز ہے۔ اسحٰق سے ذلیل سمجھ کر میں اِسے یہاں نہیں چھوڑ رہا۔ میں اُس کی وراثت میں اِسے روک سمجھ کر یہاں نہیں چھوڑ رہا بلکہ اے خدا! باوجود اِس کے کہ یہ مجھے بہت پیارا ہے میں اِسے اِس لئے یہاں چھوڑ رہا ہوں کہ تُو نے اِسے یہاں چھوڑنے کو کہا ہے۔ یہ ظلم کا الزام، یہ بے وفائی کا الزام، یہ سنگدلی کا الزام، اے خدا! میں نے محض تیرے لئے قبول کیا ہے۔ میری بیوی اِس نکتہ کو نہیں سمجھ سکتی۔ وہ سمجھے گی کہ میں نے دوسری بیوی کی خاطر اِسے یہاں چھوڑا ہے۔ میرا بچہ بھی اِس بات کو نہیں سمجھ سکتا۔ وہ بڑا ہو کر کہے گا کہ باپ کیسا ظالم تھا وہ مجھے اور میری ماں کو یہاں چھوڑ گیا۔ اے میرے ربّ! میں اپنے دل کا درد کس کو بتاؤں سوائے تیری ذات کے جسے سب کچھ علم ہے۔ تجھے پتہ ہے کہ میرے دل میں کتنا دُکھ ہے، تجھ کو پتہ ہے کہ یہ ظاہری سنگدلی اور ظلم کا الزام میں نے محض تیرے حکم کو پورا کرنے کے لئے اپنے اوپر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ [۱۲] ابراہیم نے کہا تھا تُو جانتا ہے کہ میرے دل میں کتنا درد ہے اور یہ کہ ظاہری طور پر میں جو کچھ سنگدلی اور سختی کر رہا ہوں یہ محض تیرے لے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ یہ خدائی کلام ہے ابراہیم کا نہیں۔ فرماتا ہے خدا تعالیٰ کو پتہ ہے کہ زمین اور آسمان میں کیا کچھ ہے اُس کے علم سے کوئی بات مخفی نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ ابراہیم کا یہ فعل ایک بیج کی طرح زمین

میں ڈالا جا رہا ہے جس سے ایک دن ایک بڑی قوم پیدا ہوگی اور وہ جانتا ہے کہ آسمان پر اِس بیج بونے کے نتیجہ میں کیسا عظیم الشان انعام مقدر ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہاتھ اُٹھا کر یہ دعا کی تو حضرت ہاجرہؓ کے دل میں شُبہ پیدا ہوا کہ یہ جدائی کسی عارضی کام کے لئے معلوم نہیں ہوتی بلکہ دائمی جدائی معلوم ہوتی ہے۔ وہ دَوڑتی ہوئی آپ کے پیچھے گئیں اور اُنہوں نے کہا۔ ابراہیم! ابراہیم! تم ہمیں یہاں کس لئے چھوڑے جا رہے ہو؟ یہ تو عارضی جدائی معلوم نہیں ہوتی۔ تم ہمیں جنگل میں اکیلے چھوڑے جا رہے ہو۔ ابراہیم دیکھو! تمہارا بیٹا بھوکا مَر جائے گا، ابراہیم تمہاری جوان بیوی یہاں موجود ہے اور اس کا بھی تم پر حق ہے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کی طرف نہیں دیکھا کیونکہ ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ وہ ڈرتے تھے کہ اگر میں نے جواب دیا تو بیتاب ہو جاؤں گا اور رقت مجھ پر غالب آ جائے گی اور یہ اُس شان کے خلاف ہوگا جس کا یہ قربانی تقاضا کرتی ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا تو پھر ہاجرہؓ نے کہا۔ ابراہیم! ابراہیم! اپنی بیوی اور بیٹے کو کس لئے ایک ایسے جنگل میں چھوڑے جا رہے ہو جس میں ایک دن بھی رہائش اختیار نہیں کی جاسکتی۔ بھیڑیئے آئیں گے اور ہمیں ختم کر دیں گے اور اگر بھیڑیئے نہ بھی آئے تب بھی پانی ختم ہو گیا تو ہم کیا کریں گے؟ کھجوریں ختم ہو گئیں تو ہم کیا کریں گے؟ آخر کیوں تم ہمیں یہاں چھوڑے جا رہے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر بھی اُن کی طرف نہ دیکھا اور زبان سے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر ہاجرہؓ نے آگے بڑھ کر اُن کا دامن پکڑ لیا اور کہا۔ بتاؤ تم کس پر ہمیں چھوڑے جا رہے ہو؟ کیا خدا پر چھوڑے جا رہے ہو؟ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا منہ موڑا اور آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھا دی۔ بولے نہیں کیونکہ جانتے تھے کہ اگر میں بولا تو رقت مجھ پر غالب آ جائے گی۔ اُنہوں نے صرف آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھا دی جس کا مطلب یہ تھا کہ ہاں خدا پر اور خدا تعالیٰ کے کہنے پر میں یہ کام کر رہا ہوں۔ ہاجرہؓ ایک عورت ہی سہی، وہ ایک مصری خاتون ہی سہی جس کا ابراہیمی خاندان سے کوئی تعلق نہیں تھا مگر وہ ابراہیمی تربیت حاصل کر چکی تھی، وہ خدا کا نام سن چکی تھی، وہ الٰہی قدرتوں کا مشاہدہ کر چکی تھی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھا کر بتایا کہ میں محض خدا تعالیٰ کی خاطر اور اُسی

کے حکم کی تعمیل میں تمہیں یہاں چھوڑے جا رہا ہوں تو ہاجرہؑ فوراً پیچھے ہٹ گئیں اور اُنہوں نے کہا۔اِذًا لَّا یُضَیِّعُنَا [۱۳] تب خدا تعالیٰ ہم کو ضائع نہیں کرے گا۔ بے شک جہاں جانا ہے چلے جاؤ۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے گئے اور وہ بے وطن اور مسکین ہاجرہؑ اسماعیل کی ماں پھر اپنے خاوند کا منہ نہیں دیکھ سکی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام جب جوان ہوئے تو اس کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے لیکن اُس وقت حضرت ہاجرہؑ فوت ہو چکی تھیں۔تب خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اُنہوں نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی جس کو ہم بیت اللہ کہتے ہیں اور جس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ آئے اُس وقت جرہم قبیلہ کے لوگ وہاں بس چکے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ اُنہوں نے اپنی بیٹی بھی بیاہ دی تھی۔اب وہ آبادی تھی چند خیمے یا چند جھونپڑیاں تھیں جن میں لوگ رہتے تھے۔معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جھونپڑیاں تھیں کیونکہ روایات میں ذکر آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو حضرت اسماعیل اُس وقت گھر پر نہیں تھے۔آپ گھر میں یہ پیغام دے گئے کہ جب اسماعیل آئے تو اُس سے کہنا کہ تمہاری چوکھٹ اچھی نہیں اُسے بدل دو۔[۱۴] مطلب یہ تھا کہ تمہاری بیوی بد اخلاق ہے اِس کی بجائے کوئی اچھے اخلاق والی بیوی کرو۔ حضرت ابراہیمؑ اِس کے بعد بھی کئی دفعہ آئے۔ ایک اُس وقت آئے جب اُنہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی تھی اور ایک اُس وقت آئے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر نہیں تھے وہ اکثر شکار کے لئے دُور پہاڑوں میں نکل جایا کرتے تھے اور پھر شکار کا گوشت سکھا کر رکھ لیتے اور استعمال کرتے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار کی تلاش میں باہر گئے ہوئے تھے۔آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے ایک عورت بولی۔ بابا تو کون ہے؟ آپ نے فرمایا۔ بی بی! میں اسماعیل سے ملنے کے لئے آیا ہوں۔ اُس نے کہا۔ بابا جاؤ، اسماعیل تو گھر پر نہیں۔ اُنہوں نے کہا۔اچھا، میں جاتا تو ہوں مگر جب اسماعیل واپس آئے تو اُس سے کہہ دینا کہ تمہارے دروازہ کی چوکھٹ اچھی نہیں اُسے بدل دو۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام واپس آئے تو اُنہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ پیچھے کے واقعات بتاؤ چونکہ اُس وقت

مکہ میں صرف چند گھر تھے اِس لئے اُنہیں ایک دوسرے کے حالات معلوم کرنے کی طبعاً جستجو رہتی تھی اور بڑا بھاری واقعہ وہ اِس بات کو سمجھتے تھے کہ فلاں قبیلہ یہاں سے گذرا ہے اور وہ یہ یہ چیزیں لے گیا اور یہ یہ چیزیں دے گیا ہے۔ بیوی نے کہا اور تو کوئی واقعہ نہیں ہوا صرف ایک بڈھا آپ کے پیچھے آیا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دل دھڑ کنے لگا کہ یہ بڈھا کہیں اُن کا باپ ہی نہ ہو۔ اُنہوں نے کہا اُس بڈھے نے کوئی بات بھی کی تھی یا نہیں؟ اُس نے کہا اُس بڈھے نے آپ کے متعلق پوچھا تھا۔ میں نے بتایا کہ آپ گھر پر موجود نہیں ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم نے اُس بڈھے کی کوئی خاطر تواضع بھی کی؟ اُس نے کہا۔ میں نے تو کوئی خاطر تواضع نہیں کی البتہ جاتے وقت وہ ایک پیغام آپ کو پہنچانے کے لئے دے گیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ اسماعیل سے کہہ دینا تمہاری چوکھٹ اچھی نہیں اِسے بدل دو۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ سنتے ہی کہا۔ بی بی! میری طرف سے تم پر طلاق۔[۱۵] اُس نے کہا اِس کا کیا مطلب؟ حضرت اسماعیل نے کہا۔ وہ بڈھا میرا باپ تھا جو دو ہزار میل سے چل کر آیا مگر تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ تم اُنہیں کہتیں تشریف رکھئے اور آرام کیجئے۔ تمہارے اخلاق ایسے نہیں کہ میرے گھر میں رہنے کے قابل سمجھی جا سکو۔ چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اُسے طلاق دے دی اور ایک اَور شادی کر لی۔

کچھ عرصہ کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے۔ اتفاقاً اُس دن بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام باہر تھے آپ آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے ایک عورت نے جواب دیا کہ کون صاحب ہیں؟ بیٹھئے، تشریف رکھئے۔ چنانچہ آپ اندر گئے۔ اُس عورت نے آپ کی خدمت کی، پَیر دُھلائے، کھانے پینے کی چیزیں آپ کے سامنے رکھیں اور کہا مجھے سخت افسوس ہے کہ آپ بہت فاصلہ سے آئے مگر اسماعیل سے نہیں مل سکے۔ آپ ٹھہریئے اور ان کا انتظار کیجئے اِس عرصہ میں مجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے میں آپ کی خدمت کروں گی۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹھہرے نہیں بلکہ واپس چلے گئے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اُن کی قوم کے افراد بہت پھیلے ہوئے تھے اور وہ ان کے ہاں ٹھہر جاتے تھے۔ جاتے ہوئے اُنہوں نے کہا۔ اسماعیل جب واپس آئے تو اُسے کہنا کہ فلاں طرف سے ایک آدمی آیا تھا اور اُس سے کہنا کہ تمہارے دروازے کی چوکھٹ اب

بالکل ٹھیک ہے اِس کو قائم رکھنا۔ چنانچہ حضرت اسماعیلؑ جب واپس آئے اور اُنہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ کوئی نئی خبر سناؤ تو اُس نے کہا۔ آج کی نئی خبر یہ ہے کہ ایک بڈھا آیا تھا۔ حضرت اسماعیل نے جلدی سے کہا پھر؟ اُس نے کہا۔ میں نے اُن کو بٹھایا، پاؤں دُھلائے، پانی پلایا اور کھانے کے لئے اُن کے سامنے چیزیں رکھیں۔ میں نے اُن سے یہ بھی کہا تھا کہ ٹھہریئے جب تک اسماعیل واپس نہیں آجاتے مگر اُنہوں نے کہا کہ میں زیادہ انتظار نہیں کرسکتا۔ اِس کے بعد وہ چلے گئے مگر جاتی دفعہ وہ ایک عجیب طرح کا پیغام دے گئے۔ اُنہوں نے کہا کہ اسماعیل سے کہہ دینا، تمہارے دروازہ کی چوکھٹ بڑی اچھی ہے اِسے قائم رکھنا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا۔ میری بیوی! یہ آنے والا میرا باپ تھا اور سفارش کر کے گیا ہے کہ میں تمہیں عزت و احترام سے اپنے گھر رکھوں۔ [۱۶]

آخر وہ دن بھی آگیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیلؑ کو اپنے ساتھ لے کر اُس گھر کی بنیاد رکھی جس کو خانۂ کعبہ کہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ [۱۷] اور جبکہ ہم نے وہ گھر جو ابرہیم نے بنایا اُس کو لوگوں کے لئے بار بار آنے کا مقام بنا دیا، زیارت گاہ بنا دیا، ثواب کی جگہ بنا دیا، وَاَمْنًا اور امن کا مقام بنا دیا۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ اور اے لوگو! جو خانۂ کعبہ کے شیدائی بنتے ہو، جو بیت اللہ کی محبت کا دَم بھرتے ہو، تم ہر ایک چیز جو تمہیں پسند آتی ہے، اُس کی تصویر اپنے گھر میں رکھنے کی کوشش کرتے ہو، اگر کوئی پھل تمہیں پسند آئے تو تم اُسے اپنے گھر لاتے اور اپنے بیوی بچوں کو چکھانے کی کوشش کرتے ہو۔ اے کم عقلو! جب تم بازار میں خربوزہ دیکھ کر بس نہیں کرتے بلکہ وہ خربوزہ گھر میں لاتے ہو، جب تم کسی اچھے نظارے کو دیکھتے ہو تو اُس کی تصویر کھینچتے اور اپنے بیوی بچوں کو دکھاتے اور آئندہ آنے والوں کے لئے گھر میں رکھتے ہو تو کیا وجہ ہے، کیا سبب ہے، اس میں کون سی معقولیت ہے کہ تم اپنے مونہوں سے تو خانۂ کعبہ کی تعریفیں کرتے ہو، اپنے مونہوں سے تو خانۂ کعبہ کے احترام کا اظہار کرتے ہو لیکن تم

ایک خربوزے کو تو گھر میں لانے کی کوشش کرتے ہو، تم تاج محل کو دیکھتے ہو تو اُس کی تصویر لینے کی کوشش کرتے ہو مگر تم خانۂ کعبہ کے ظِلّ کو اپنے مُلک اور اپنے علاقہ میں لانے کی کوشش نہیں کرتے۔

خانۂ کعبہ کیا ہے؟ ایک گھر ہے جو خدا تعالیٰ کی عبادت کیلئے وقف ہے مگر یہ ظاہر ہے کہ ساری دنیا کے انسان خانۂ کعبہ میں نہیں جا سکتے۔ پس جس طرح خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ابراہیمؑ کی نقلیں دنیا میں پیدا کرے، اسی طرح وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ تم خانۂ کعبہ کی نقلیں بناؤ جس میں تم اور تمہاری اولادیں اپنی زندگیاں دین کی خدمت کے لئے وقف کر کے بیٹھ جائیں۔ جس طرح وہ لوگ جو ابراہیمؑ کے نمونہ پر چلیں گے، ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور اس کا ظل ہوں گے اِسی طرح یہ نقلیں خانہ کعبہ کی اولاد ہوں گی، خانہ کعبہ کی ظل اور اُس کا نمونہ ہوں گی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک خانہ کعبہ کے ظل دنیا کے گوشے گوشے میں قائم نہ کر دیئے جائیں اُس وقت تک دین پھیل نہیں سکتا۔ پس فرماتا ہے۔ **وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى** اے بنی نوع انسان! ہم تجھ کو توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ تم بھی ابراہیمی مقام پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادتیں کرو۔ یعنی ایسے مرکز بناؤ جو دین کی اشاعت کا کام دیں۔

وَ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ اب بتاتا ہے کہ وہ مقامِ ابراہیم کیا چیز ہے۔ **وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ** اور ہم نے ابراہیم کو بڑی پکی نصیحت کی۔ **عَهِدَبِهٖ** کے معنی ہوتے ہیں اُس نے فلاں کے ساتھ عہد کیا لیکن جب **عَهِدَ** کے ساتھ **اِلٰــى** کا صلہ آئے تو اِس کے معنی ہوتے ہیں پکی نصیحت کرنا یا وصیت کرنا۔ پس فرماتا ہے۔ **وَ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ** ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو بار بار نصیحت کی اور بار بار اِس طرف توجہ دلائی **اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ** کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک بناؤ اور ہر قسم کے عیبوں اور خرابیوں سے اِس کو بچاؤ **لِلطَّآئِفِيْنَ** طواف کرنے والوں کے لئے **وَالْعٰكِفِيْنَ** اور اُن لوگوں کے لئے جو اپنی زندگی وقف کر کے یہیں بیٹھ رہیں۔ طائفین وہ لوگ ہیں جو کبھی کبھی آئیں اور عاکفین وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگی اِسی گھر کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ **وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ** اور اُن لوگوں کے لئے جو خدا تعالیٰ کی

توحید کے قیام کے لئے کھڑے رہتے ہیں اور اس کی فرمانبرداری میں اپنی ساری زندگی بسر کرتے ہیں یا ان لوگوں کے لئے جو رکوع اور سجود کرتے ہیں۔

یہ چیز ہے جو مقامِ ابراہیم ہے اور جس کو قائم کرنے کا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ فرماتا ہے ہماری نصیحت یہی ہے کہ دنیا کے گوشے گوشے میں خانہ کعبہ کی نقلیں بنی چاہئیں اور دنیا کے کونے کونے میں تمہیں اس کے ظل قائم کرنے چاہئیں اس کے بغیر دین حق کی کامل اشاعت کبھی نہیں ہوسکتی۔

(حضور نے فرمایا:۔)

میں ایک دفعہ اِس دعا کو پڑھ جاؤں گا۔ اس کے بعد پھر دوبارہ پڑھوں گا تمام عورتیں اور مرد میری اتباع کریں۔

(اِس ارشاد کے بعد حضور نے جس رنگ میں تلاوت فرمائی اور جس طرح بعض دعاؤں کا بار بار تکرار فرمایا اُس کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ اَدْعیہ درج ذیل کی جاتی ہیں)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا ۔ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

(حضور نے فرمایا:)

یہاں مُسْلِمَيْنِ سے گو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ مراد ہیں مگر دعا مانگتے ہوئے مُسْلِمَيْنِ سے ہر شخص میاں بیوی بھی مراد لے سکتا ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ
رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ
رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ
رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ
رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ
رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ
وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

اے ہمارے ربّ! اِجْعَلْ هٰذَا بنا دے اِس کو۔ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی ہے اُس وقت مکہ کوئی شہر نہیں تھا۔ وہ صرف چند جھونپڑیاں تھیں جو ایک بے آب و گیاہ وادی میں نظر آتی تھیں۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ زمین جو ویران پڑی ہوئی ہے اِسے بنا دے۔ کیا بنا دے؟ بَلَدًا ایک شہر بنا دے۔

عام طور پر جو لوگ عربی نہیں جانتے وہ اِس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ اِس شہر کو امن والا بنا دے۔ حالانکہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہی منشاء ہوتا تو آپ هٰذَا بَلَدًا کہنے کی بجائے هٰذَا الْبَلَدَ فرماتے۔ مگر آپ هٰذَا الْبَلَدَ نہیں بلکہ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا کہتے ہیں پس یہ شہر کے بنانے کی دعا ہے۔ شہر کو کچھ اَور بنانے کی دعا نہیں۔ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا اے میرے ربّ! بنا دے اِس ویران زمین کو ایک شہر۔ اٰمِنًا مگر شہروں کے ساتھ فتنہ وفساد کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ جب لوگ مل کر رہتے ہیں تو لڑائیاں بھی ہوتی ہیں، جھگڑے بھی ہوتے ہیں، فسادات بھی ہوتے ہیں اور پھر شہروں کو فتح کرنے کیلئے حکومتیں حملہ بھی کرتی ہیں۔ یا بعض شہر جب بڑے ہو جائیں تو اُن کے رہنے والے اپنا نفوذ بڑھانے کیلئے دوسروں پر حملہ کر دیتے ہیں اور چونکہ یہ سارے خدشات شہروں سے وابستہ ہوتے ہیں اِس لئے میں تجھ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ تو اِسے امن والا بنائیو۔ نہ کوئی اِس پر حملہ کرے اور نہ یہ کسی اَور پر حملہ کرے۔ وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ اور اِس کے رہنے والوں کو ثمرات دیجیو۔

میں پہلے بتا چکا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اِس دعا کا یہ مفہوم ہے کہ اے خدا!

میں تجھ سے ان کے لئے روٹی نہیں مانگتا، میں تجھ سے پلاؤ نہیں، میں تجھ سے دُنبے کا گوشت نہیں مانگتا، بے شک یہ بھی تیری نعمتیں ہیں اور اگر اِن کو مل جائیں تو تیرا فضل اور انعام ہے مگر میں جو کچھ چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تُو اِن کو وہ پھل کھلا جو دس میل لے جا کر بھی سَڑ جاتا ہے۔ تو دنیا کے کناروں سے اِن کے لئے ہر قسم کے پھل لا اور اِنہیں اِن پھلوں سے متمتع فرما۔ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ میری اولاد میں سے بھی نبی بنائیو۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر وہ نیک ہوں گے تو ہم اُن کو اپنے انعامات سے حصہ دیں گے ورنہ نہیں۔ نبی بڑا محتاط ہوتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ نے یہ کہا کہ میں ہر ایک کو یہ انعام نہیں دے سکتا جو نیک ہوگا صرف اُسے انعام ملے گا۔ تو اِس دوسری دعا کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِسی امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ یا اللہ جو نیک ہوں صرف اُن کو رزق دیجیو۔ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ، وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رزق کے معاملہ میں ہمارا اَور حکم ہے اور نبوت اور امامت کے معاملہ میں ہمارا اَور حکم ہے۔ نبوت اور امامت صرف نیک لوگوں کو ملتی ہے مگر رزق ہر ایک کو ملتا ہے۔ پس جو کافر ہوگا دنیا کی روزی ہم اُس کو بھی دیں گے۔ چنانچہ سینکڑوں سال تک مکہ کے لوگ مشرک رہے مگر ابراہیمی رزق اُن کو بھی پہنچتا رہا۔ ہاں تیری نسل ہونے کی وجہ سے وہ اُخروی عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ مَر جائیں گے تو وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

پھر فرماتا ہے یاد کرو جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ مل کر بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر رہے تھے کہ خدایا! تیرا گھر تو برکت والا ہی ہوگا کون ہے جو اُسے برکت سے محروم کر سکے ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہماری نسل میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو نمازیں پڑھنے والے اور تیری یاد میں اپنی زندگی بسر کرنے والے ہوں تا کہ اِس گھر کی برکت سے انہیں بھی فائدہ پہنچے مگر اگلی اولادوں کو ٹھیک کرنا آئندہ نسلوں کو درست کرنا اور اپنے ایمانوں کی حفاظت کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، اے ہمارے ربّ! ہم نے خالص تیرے ایمان اور محبت کے لئے یہ گھر بنایا ہے تو اپنے فضل سے اسے قبول کر لے اور

اس کو ہمیشہ اپنے ذکر اور برکت کی جگہ بنا دے۔ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ تو ہماری دردمندانہ دعاؤں کو سننے والا اور ہمارے حالات کو خوب جاننے والا ہے۔ تو اگر فیصلہ کر دے کہ یہ گھر ہمیشہ تیرے ذکر کے لئے مخصوص رہے گا تو اِسے کون بدل سکتا ہے۔ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ اِس آیت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بیت اللہ بنانے کے درحقیقت دو حصے ہیں۔ ایک حصہ بندے سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا حصہ خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ جس مکان کو ہم بیت اللہ کہتے ہیں وہ اینٹوں سے بنتا ہے، چونے سے بنتا ہے، گارے سے بنتا ہے اور یہ کام خدا تعالیٰ نہیں کرتا بلکہ انسان کرتا ہے۔ مگر کیا انسان کے بنانے سے کوئی مکان بیت اللہ بن سکتا ہے؟ انسان تو صرف ڈھانچہ بناتا ہے روح اس میں خدا تعالیٰ ڈالتا ہے۔ اسی امر کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ڈھانچہ تو میں نے اور اسماعیل نے بنا دیا ہے مگر ہمارے بنانے سے کیا بنتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۔ اے خدا! تو ہمارے اِس تحفہ کو قبول کر اور اسے اپنے پاس سے مقبولیت عطا فرما۔ ورنہ محض مسجدیں بنانے سے کیا بنتا ہے۔ کئی مسجدیں ایسی ہیں جو باپ دادوں نے بنائیں اور بیٹوں نے بیچ ڈالیں، کئی مسجدیں ایسی ہیں جو بادشاہوں یا شہزادوں نے بنائیں مگر آج اُن میں کتے پاخانہ پھرتے ہیں اِس لئے کہ انسان نے تو مسجدیں بنائیں مگر خدا نے اُنہیں قبول نہ کیا۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کہتے ہیں کہ اے خدا! ہم نے تو تیرا گھر بنایا ہے مگر یہ محض ہمارے بنانے سے قیامت تک قائم نہیں رہ سکتا، یہ اُس وقت تک رہ سکتا ہے جب تک تُو کہے گا اِس لئے رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۔ اے خدا! ہم نے جو گھر بنایا ہے اِسے تُو قبول فرما اور تُو سچ مچ اِس میں رہ پڑ۔ اور جب خدا کسی جگہ بَس جائے تو وہ کیسے اُجڑ سکتا ہے۔ گاؤں اُجڑ جائیں تو اُجڑ جائیں، شہر اُجڑ جائیں تو اُجڑ جائیں وہ مقام کبھی نہیں اُجڑ سکتا جس جگہ خدا بس گیا ہو۔ چنانچہ دیکھ لو سینکڑوں سال تک مکہ بے آباد رہا مگر چونکہ خدا وہاں تھا اس لئے اس کی عزت قائم رہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہی دعا مانگتے ہوئے فرماتے ہیں رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ اے خدا! اِس گھر کی آبادی تیرے بندوں سے وابستہ ہے مگر محض لوگوں کی آبادی کوئی چیز نہیں اصل چیز یہ ہے کہ اِس سے تعلق رکھنے والے نیک ہوں۔ پس ہم جو بیت اللہ کو بنانے والے ہیں اور جو دو افراد

ہیں ہماری پہلی دعا تو یہ ہے کہ تُو خود ہمیں نیک بنا وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ اور پھر ہماری اولاد میں سے ہمیشہ ایک گروہ ایسا موجود رہے جو تیرا مطیع اور فرمانبردار ہو۔ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا پھر چاہے انسان کے دل میں کتنا ہی اخلاص ہو اگر اُسے طریق معلوم نہ ہو کہ کس طرح کسی گھر کو آباد رکھنا ہے تو پھر بھی وہ غلطی کر جاتا ہے اِس لئے وہ دعا کرتے ہیں کہ اے خدا! نہ صرف ہمارے دلوں میں ایمان قائم رکھ بلکہ وقتاً فوقتاً ہمیں یہ بھی بتاتا رہیو کہ ہم نے کس طرح اِسے آباد رکھنا ہے اور ہم کونسا وہ طریق عبادت اختیار کریں جس سے تُو خوش ہو اور یہ گھر آباد رہ سکے۔ وَتُبْ عَلَيْنَا مگر اِس اخلاص کے باوجود، اِس الہام کے باوجود جو یہ بتاتا رہے کہ کس طرح اِس گھر کو آباد رکھنا ہے اے خدا! ہم بندے ہیں اور ہم نے غلطیاں کرنی ہیں تُو توّاب اور رحیم ہے تو ہمیں معاف کر دیا کر اور ہمارے گناہوں سے درگذر کرتا رہ۔ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ تو بڑی توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔ تواب اور رحیم نام اِسی لئے لائے گے ہیں کہ بندہ خواہ کتنی بھی نیک نیتی سے کام کرے وہ غلطی کر جاتا ہے۔ ایسی حالت میں توابیت اُس کے کام آتی ہے اور اگر اچھا کام کرے تو رحیمیت اُس کے کام آتی ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اے ہمارے ربّ! تو ان لوگوں میں جو اِس جگہ رہیں گے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرما۔ مِّنْهُمْ اور اے ہمارے ربّ! رسول کے آنے سے یہ ضرورت تو پوری ہو جائے گی کہ خانہ کعبہ سے جس طرح تعلق رکھنا ہے اُس کا پتہ لگ جائے گا اور وہ سچے اور مخلص مؤمن بن جائیں گے مگر اے ہمارے ربّ! ہم نے جو اپنی اولاد کو یہاں آ کر بسایا ہے اس میں کچھ خودغرضی بھی ہے۔ ہماری یہ بھی غرض ہے کہ تیرا نام بلند ہو اور ہماری یہ بھی غرض ہے کہ ہماری اولاد کے ذریعہ تیرا نام بلند ہو۔ ہم نے صرف تیرا گھر نہیں بنایا بلکہ اپنی اولاد کو بھی یہاں لا کر بسا دیا ہے گویا ہم نے جو تیرے نام کی بلندی کی کوشش کی ہے اِس میں کچھ خودغرضی بھی شامل ہے۔ ہم نے یہ مکان بنایا ہے اس لئے کہ تیرا نام بلند ہو اور ہم نے اپنی اولاد یہاں اس لئے بسائی ہے کہ اِس کے ذریعہ تیرا نام بلند ہو۔ پس ہم نے جو اپنی اولاد یہاں بسائی ہے اِس میں ہماری یہ غرض بھی شامل ہے کہ آنے والا رسول اِنہی میں سے ہو باہر سے نہ ہو۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وہ تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے۔ تیرے

نشانات اور معجزات کے ذریعہ اُن کے ایمانوں کو بلند کرے۔ **يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ** اور تیری شریعت جس کے بغیر باطن پاکیزہ نہیں ہوسکتا اور جو انسان کو مکمل نمونہ بنا دیتی ہے نازل ہو اور وہ لوگوں کو سکھائے۔ **وَالْحِكْمَةَ** اور اے ہمارے ربّ! جب وہ رسول آئے گا انسانی عقل تیز ہو چکی ہوگی اُس وقت انسان بچہ نہیں ہوگا کہ اُسے یہ کہا جائے کہ اُٹھ اور فلاں کام کر اور جب وہ کہے کہ میں کیوں کروں؟ تو اُسے کہا جائے آگے سے بکواس مت کرو۔ عیسیٰؑ کے زمانہ میں اور موسیٰؑ کے زمانہ میں اور نوحؑ کے زمانہ میں ایسا ہو چکا مگر جب وہ نبی آئے گا اُس کا زمانہ انسانی عقل کے ارتقاء کا زمانہ ہوگا اُس وقت بندہ صرف یہی نہیں سنے گا کہ کر۔ بلکہ وہ پوچھے گا کہ کیوں کروں؟ پس **يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ** اے خدا! تو اُس کو موسیٰ کی طرح شریعت ہی نہ دیجیؤ، نوحؑ کی طرح صحف ہی نہ دیجیؤ، داؤد کی طرح احکام ہی نہ دیجیؤ بلکہ ساتھ ہی اِن کی وجہ بھی بتا دیجیؤ اور ان احکام کی حکمت بھی واضح کیجیؤ تا کہ نہ صرف اُن کے جسم تیرے حکم کے تابع ہوں بلکہ اُن کا دماغ اور دل بھی تیرے حکم کے تابع ہو اور وہ سمجھیں کہ جو کچھ کہا گیا ہے فلسفہ کے ماتحت کہا گیا ہے، عقل کے ماتحت کہا گیا ہے، ضرورت کے ماتحت کہا گیا ہے، فوائد کے ماتحت کہا گیا ہے۔ **وَيُزَكِّيْهِمْ** اور اُن کو پاک کرے۔ دماغ کو ہی پاک نہ کرے بلکہ حکمت سکھا کر اُن کے قلوب کو بھی محبت الٰہی سے بھر دے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ میں جذب کر دیں، الٰہی صفات اُن میں پیدا ہو جائیں اور وہ چلتے ہوئے انسان نظر نہ آئیں بلکہ خدا نمائی کا ایک آئینہ دکھائی دیں۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اے ہمارے ربّ! ہم نے جو چیز مانگی ہے بظاہر یہ ناممکن نظر آتی ہے اور جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے ایسا کبھی نہیں ہوا لیکن ہم خوب جانتے ہیں کہ تجھ میں طاقت ہے تو عزیز خدا ہے، تو غالب خدا ہے اور تیری شان یہ ہے۔

جس بات کو کہے کہ کروں گا میں یہ ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

ہم سمجھتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تُو ایسا کر سکتا ہے۔ **اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ** چونکہ تو عزیز خدا ہے اِس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ایسا رسول آئے۔

اِس پر اعتراض ہوسکتا تھا کہ اگر پہلے خدا نے ایسا رسول نہیں بھیجا تو اب کیوں بھیجے؟ اور اگر پہلے بھی ایسا رسول بھیجنا ضروری تھا تو پھر ایسے رسول کو نہ بھجوا کر بنی نوع انسان پر کیوں ظلم کیا گیا؟ اِس اعتراض کا اَلْحَكِيْمُ کہہ کر ازالہ کر دیا کہ ہم جانتے ہیں پہلے ایسا رسول آ ہی نہیں سکتا تھا۔ پہلے لوگ اِس قابل ہی نہیں تھے کہ محمدی تعلیم کو برداشت کر سکیں۔ پس ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عزیز کہہ کر خدائی غیرت کو جوش دلایا ہے اور کہا ہے کہ ہمارا مطالبہ غیر معقول نہیں ہم جانتے ہیں کہ تُو ایسا کر سکتا ہے مگر ساتھ ہی حکیم کہہ کر بتا دیا کہ ہم یہ نہیں سمجھتے کہ اگر پہلے تو نے ایسا رسول نہیں بھجوایا تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ تُو نے بُخل سے کام لیا ہے بلکہ ہم جانتے ہیں کہ اگر پہلے تو نے ایسا نبی نہیں بھیجا تو صرف اِس لئے کہ پہلے ایسا نبی بھیجنا مناسب نہیں تھا۔

یہ کیسی کامل دعا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مقام اور آپ کے بلند ترین مدارج کو واضح کرنے والی ہے۔ مگر میں پھر کہتا ہوں دنیا دوسری چیزوں کی نقلیں کرتی ہے، دنیا چاہتی ہے کہ اگر اسے اچھی تصویریں نظر آئیں تو اُن کو اپنے گھروں میں لے جائے، وہ خوشنما اور خوبصورت مناظر دیکھتی ہے تو اُن کے نقشے اپنے گھروں میں رکھتی ہے مگر انسان کو یہ کبھی خیال نہیں آتا کہ وہ خانہ کعبہ کی بھی نقلیں بنائے جنہیں لوگ دیکھیں اور جہاں لوگ اپنی زندگیاں خدا تعالیٰ کے ذکر اور اُس کے نام کی بلندی کے لئے وقف کر دیں۔ انسان کو یہ کبھی خیال نہیں آتا کہ میں اپنے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لا کر بٹھاؤں تا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ اور تصویر کو دیکھ کر اور لوگ بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظل بننے کی کوشش کریں حالانکہ اگر دنیا میں ہر جگہ خانہ کعبہ کے ظل اور اُس کی نقلیں نہ ہوں، اگر دنیا میں ہر جگہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل اور آپ کی نقلیں نہ ہوں تو وہ دنیا ہرگز رہنے کے قابل نہیں۔ دنیا تبھی بچ سکتی ہے، دنیا تبھی زندہ رہ سکتی ہے، دنیا تبھی ترقی کر سکتی ہے جب ہر مُلک کے لوگ خانہ کعبہ کی نقل میں ایسی جگہیں بنائیں جہاں لوگ اپنی زندگیاں دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیں اور انسان کوشش کرے کہ ہر خطہ زمین پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے ہوئے نظر آئیں۔

بہرحال یہ دعائیں ہیں جو کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔ میں اِس وقت اِسی پر بس کرتا ہوں۔ اگر میری تقریر کے لمبا ہو جانے کی وجہ سے بعض تقریریں ضائع ہوگئی ہیں تو بیشک ہو جائیں ہمارا مقصد اِس جلسہ میں تقریریں کرنا نہیں بلکہ دعائیں کر کے اِس مقام کو بابرکت بنانا ہے۔ میں نے دعائیں سکھا دی ہیں یوں انسان کے ذہن میں دعائیں نہیں آتیں مگر نبیوں کے ذہن میں جو دعائیں آتی ہیں وہ نہایت کامل ہوتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کے نبی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے دل میں ایسے وقت میں جو خیالات آئے اور جو کچھ ان مقدس مقامات کے فرائض اور ذمہ داریاں ہیں اور کامیابی کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کے جن فضلوں کی ضرورت ہے ان تمام چیزوں کو آپ نے اللہ تعالیٰ سے مانگا ہے اور اب آپ سب لوگ میرے ساتھ مل کر دعا کریں۔ یہ زمین ابھی ہمیں پورے طور پر ملی نہیں ہم تفاؤل کے طور پر اِسے اپنا مرکز بناتے ہیں اور دعاؤں کے ساتھ اِسے اپنا مذہبی مقدس مقام قرار دیتے ہیں اِس کے بعد ہمارا فرض ہوگا کہ اِس مقام کو ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھنے کی کوشش کریں اور ہمیشہ دین اسلام کی خدمت اور خدا تعالیٰ کے نام کی بلندی کے لئے اِسے استعمال کرنے کی کوشش کریں۔

پس آؤ جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لے گئے تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اے خدا! میں ابراہیم کی طرح تجھ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ تو مدینہ کو بھی اُسی طرح برکتیں دے جس طرح تو نے مکہ کو برکتیں دی ہیں اِسی طرح ہم بھی اس مقام کے بابرکت ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں۔ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور غلام ضرور ہیں اور جہاں آقا جاتا ہے وہاں خادم بھی جایا کرتا ہے۔ گورنر کی جب کسی جگہ دعوت ہو تو اُس مقام پر گورنر کا چپڑاسی پہنچ جایا کرتا ہے۔ پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہونے کی حیثیت سے ہمارا بھی خدا پر حق ہے اور ہم بھی خدا تعالیٰ کو اُس کا یہ حق یاد دلاتے ہوئے اُس سے کہتے ہیں کہ اے خدا! جس طرح تو نے مکہ اور مدینہ اور قادیان کو برکتیں دیں اُسی طرح تو ہمارے اِس نئے مرکز کو بھی مقدس بنا اور اِسے اپنی برکتوں سے مالا مال فرما۔ یہاں پر آنے والے اور یہاں پر بسنے والے، یہاں پر مَرنے والے اور یہاں پر جینے والے سارے کے سارے خدا تعالیٰ کے عاشق اور اُس کے نام کو بلند کرنے

والے ہوں اور یہ مقام اسلام کی اشاعت کے لئے، احمدیت کی ترقی کے لئے، روحانیت کے غلبہ کے لئے، خدا تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لئے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اُونچا کرنے کے لئے اور اسلام کو باقی تمام ادیان پر غالب کرنے کے لئے بہت اہم اور اُونچا اور صدر مقام ثابت ہو۔

پس آؤ ہم دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اِس مقام کو ہمارے لئے بابرکت کرے اور ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم منشائے ابراہیمی، منشاء محمدی اور منشاء مسیح موعود کے مطابق اِس مقام کو خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے ایک بہت بڑا مرکز بنائیں اور خدا تعالیٰ کے فضل ہم کو اِس کی توفیق عطا فرمائیں کہ ہم نے اِس مقام کو اشاعت اسلام کے لئے مرکز قرار دے کر جو ارادے کئے ہیں وہ پورے ہو جائیں کیونکہ سچی بات یہی ہے کہ ہم نے جو ارادے کئے ہیں اُن کو پورا کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔

(اس کے بعد حضور نے اُن ہزار ہا مخلصین کے ساتھ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس مقدس اجتماع میں شریک ہونے کی توفیق بخشی تھی اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اُٹھا کر ایک لمبی دعا کی اور پھر فرمایا)

اب میں سجدہ میں گر کر دعا کرتا ہوں کیونکہ مسجد دعا کے لئے ایک خاص مقام ہوتا ہے اگر جگہ نہ ہو تو لوگ ایک دوسرے کی پیٹھوں پر بھی سجدہ کر سکتے ہیں۔

(یہ الفاظ کہتے ہی حضور سجدہ میں گر گئے اور حضور کے ساتھ ہی ہزاروں مخلصین جو اس بابرکت اجتماع میں شمولیت کیلئے دُور ونزدیک سے تشریف لائے ہوئے تھے وہ بھی سربسجود ہو گئے اور ربُّ العرش سے اِس مقام کے بابرکت ہونے کے متعلق آنسوؤں کی جھڑی اور آہ و بکا کے شور کے ساتھ دعائیں کی گئیں۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ آمین۔)

(الفضل جلسہ سالانہ نمبر ۱۹۶۵ء)

---

۱ ابن ماجہ کتاب الجہاد باب فضل الشہادة فی سبیل اللّٰہ + اسدالغابة جلد۳ صفحہ ۲۳۳ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۶ھ

۲ الصّٰفّٰت: ۱۰۳ ۳ الصّٰفّٰت: ۱۰۶ ۴ ابراهیم: ۳۸

۵ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (البقرۃ:۱۲۶)

٦ تا ۱۰ ابراهيم: ۳۸ ۱۱، ۱۲ ابراهيم: ۳۹

۱۳ تا ۱٦ بخاری کتاب الانبياء باب قول اللّٰه تعالٰی واتخذاللّٰه ابراهيم خليلا باب يزفون

۱۷ البقرة: ۱۲٦

آئندہ وہی قومیں عزت پائیں گی جو مالی وجانی قربانیوں میں حصہ لیں گی

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

آئندہ وہی قومیں عزت پائیں گی جو مالی وجانی قربانیوں میں حصہ لیں گی

(خواتین سے خطاب)

(فرمودہ ۱۶؍اپریل ۱۹۴۹ء برموقع پہلا جلسہ سالانہ منعقدہ ربوہ)

تشہّد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

جیسا کہ کل سے آپ سن رہی ہوں گی یہ جلسہ درحقیقت ربوہ کے افتتاح کا جلسہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پیشگوئیوں کے ماتحت ہمیں قادیان کچھ عرصہ کے لئے چھوڑنا پڑا ہے اور ہمارے لئے ضرورت ہے کہ جماعتی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے ہم کوئی عارضی مقام بنائیں جہاں سلسلہ کے مرکز کے طور پر دنیا میں اشاعت اسلام کے کام کو جاری رکھ سکیں۔ عارضی انتظام ہونے کی وجہ سے ہمیں ہر ایک چیز باہر سے لانی پڑتی ہے۔ ربوہ میں تو درحقیقت مٹی کا دیا بھی نہیں مل سکتا مگر لاؤڈ سپیکروں کے کام کے لئے بجلی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ لاہور سے بجلی کے انجن منگوائے گئے اور لاہور ہی سے لاؤڈ سپیکر لائے گئے بلکہ مزدور تک باہر سے لانے پڑے ہیں اور بعض دفعہ وہ کام چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں اِس لئے کام ہوتے ہوتے رُک جاتا ہے۔ شامیانے وغیرہ بھی لاہور سے آئے ہیں، قناتیں بھی لاہور سے آئی ہیں بلکہ جو لوگ کام کر رہے ہیں وہ بھی لاہور سے آئے ہیں، کھانا کھلانے والی لڑکیاں اور عورتیں بھی لاہور سے آئی ہیں، وہ خاکروب جو صفائی کرتے ہیں ان میں سے بھی کچھ لاہور سے آئے ہیں، پانی بھرنے والے سقے اِردگرد کے علاقوں سے منگوائے گئے ہیں۔ پس یہاں کی درحقیقت کوئی بھی چیز نہیں اِس وجہ سے انتظام میں خرابیوں کا ہو جانا کوئی بعید بات نہیں بلکہ خرابیوں کا ہونا لازمی ہے اور اگر کوئی اچھی بات ہو تو وہ

اتفاقی ہوگی۔

پس اِس جلسہ کی غرض اور اہمیت آپ لوگوں کو اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے۔ یہ جلسہ تقریروں کے لئے نہیں ہے۔ حج ہر سال ہوتا ہے مگر وہاں کوئی تقریر نہیں ہوتی لیکن ساری دنیا سے مسلمان ہزاروں ہزار میل چل کر خانۂ کعبہ کے پاس جمع ہوتے ہیں۔ ہر سال دو تین لاکھ حاجی وہاں جمع ہوجاتا ہے اور اِس دو تین لاکھ کے مجمع کا کام صرف اتنا ہوتا ہے کہ عرفات چلے گئے، وہاں سے مزدلفہ روانہ ہوگئے، مزدلفہ سے منیٰ آگئے اور پھر پتھروں کے بنے ہوئے ایک مکان کے اِردگرد چکر لگائے، قربانیاں کیں اور کام ختم ہوگیا۔ ساڑھے چار ہزار سال سے کعبہ کی بنیاد پڑی ہے اور یہ وہ بنیاد ہے جو ابراہیمی ہے۔ بالکل غالب ہے کہ خانہ کعبہ اِس سے بھی پہلے کا ہو اور قرین قیاس یہی ہے کیونکہ قرآنِ کریم کی بعض آیتوں سے یہی نکلتا ہے کہ خانہ کعبہ پہلے سے تھا لیکن اگر اِس امر کو نظر انداز کر دو تب بھی ساڑھے چار ہزار سال سے ہزاروں ہزار میل کے فاصلہ سے لوگ وہاں جاتے اور ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے جاتے ہیں۔ اب تک بھی وہاں ریل نہیں بنی اور وہاں کی زمین کی یہ حالت ہے کہ جس قسم کی ریتلی زمین یہاں ہے یہ اُس کے مقابلہ میں شاہی سڑکوں سے کم حیثیت نہیں رکھتی۔ جدہ سے مکہ جاتے ہوئے جس قسم کے میدانوں سے گذرنا پڑتا ہے اُسے دیکھ کر یہ پتہ ہی نہیں چل سکتا کہ سڑک کونسی ہے، جنگل کونسا ہے اور میدان کونسا ہے۔ یہاں تو شیڈ بنا دیئے گئے ہیں مگر وہاں سائے کے لئے بھی کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ اونٹ چلانے والے رات کو کسی جگہ اونٹ بٹھا دیتے ہیں اور اُن اونٹوں کے پاس ہی کچھ اونٹوں کی سواریاں، کچھ اونٹ چلانے والے اور کچھ اَور لوگ جو سمجھتے ہیں کہ اگر ہم ان کے ساتھ مل گئے تو ڈاکو ہم پر حملہ نہیں کرسکیں گے، اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ریت پر سر رکھ کر سو جاتے ہیں۔ پھر جو گرد وغبار یہاں اُڑ رہا ہے وہاں کوئی دوسرا شخص پاس سے گذرے تو گرد وغبار کی وجہ سے نظر بھی نہیں آتا مگر باوجود اِس کے ہزاروں سال تک لوگوں نے ہنسی ہنسی اور خوشی خوشی اِن تکالیف کو برداشت کیا ہے کیونکہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کی مرضی کو پورا کر رہے ہیں۔

آپ لوگوں کو تو صرف ایک سال اِس کا تجربہ ہوا ہے اگلے سال شاید یہ نعمت آپ لوگوں کو میسر نہ آئے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہاں مرکز قائم ہوگیا تو اگلے سال بہت سی سہولتیں میسر

آ جائیں گی مگر وہ سہولیں جسم کی ہوں گی روح کی نہیں۔ روح کی سہولتیں ہمیشہ خدا تعالیٰ کی راہ میں تکالیف اُٹھانے سے ہی میسر آتی ہیں۔

انبیاء جب دنیا میں آتے ہیں تو اُن کے ابتدائی ایام میں جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہی بڑے سمجھے جاتے ہیں۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت سعیدؓ وہ لوگ تھے جو بڑے سمجھے جاتے تھے مگر ان کے بڑے سمجھے جانے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کو آرام زیادہ میسر آتا تھا بلکہ ان کے بڑے سمجھے جانے کی وجہ یہ تھی کہ دین کی خاطر اِنہوں نے دوسروں سے زیادہ تکلیفیں برداشت کی تھیں۔ حضرت طلحہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی زندہ رہے اور جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوا اور ایک گروہ نے کہا کہ حضرت عثمانؓ کے مارنے والوں سے ہمیں بدلہ لینا چاہیے تو اس گروہ کے لیڈر حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ تھے۔ لیکن دوسرے گروہ نے کہا کہ مسلمانوں میں تفرقہ پڑ چکا ہے آدمی مراہی کرتے ہیں، سرِ دست ہمیں تمام مسلمانوں کو اکٹھا کرنا چاہیے تاکہ اسلام کی شوکت اور اس کی عظمت قائم ہو بعد میں ہم اِن لوگوں سے بدلہ لے لیں گے اِس گروہ کے لیڈر حضرت علیؓ تھے۔ یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ نے الزام لگایا کہ علیؓ اُن لوگوں کو پناہ دینا چاہتے ہیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا ہے۔ اور حضرت علیؓ نے الزام لگایا کہ اِن لوگوں کو اپنی ذاتی غرضیں زیادہ مقدم ہیں اسلام کا فائدہ ان کے مدنظر نہیں۔ گویا اختلاف اپنی انتہائی صورت تک پہنچ گیا اور پھر آپس میں جنگ بھی شروع ہوئی ایسی جنگ جس میں حضرت عائشہؓ نے لشکر کی کمان کی۔ آپ اونٹ پر چڑھ کر لوگوں کو لڑواتی تھیں اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی اِس لڑائی میں شامل تھے۔ جب دونوں فریق میں جنگ جاری تھی ایک صحابی حضرت طلحہؓ کے پاس آئے اور اُن سے کہا۔ طلحہؓ! تمہیں یاد ہے فلاں موقع پر میں اور تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ طلحہؓ! ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم اَور لشکر میں ہوگے اور علیؓ اَور لشکر میں ہوگا اور علیؓ حق پر ہوگا اور تم غلطی پر ہوگے۔ حضرت طلحہؓ نے یہ سنا تو اُن کی آنکھیں

کھل گئیں اور اُنہوں نے کہا ہاں! مجھے یہ بات یاد آ گئی ہے اور پھر اُسی وقت لشکر سے نکل کر چلے گئے۔ جب وہ لڑائی چھوڑ کر جا رہے تھے تا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پوری کی جائے تو ایک بدبخت انسان جو حضرت علیؓ کے لشکر کا سپاہی تھا اُس نے پیچھے سے جا کر آپ کو خنجر مار کر شہید کر دیا۔ حضرت علیؓ اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے وہ اِس خیال سے کہ مجھے بہت بڑا انعام ملے گا، دَوڑتا ہوا آیا اور اُس نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ کو آپ کے دشمن کے مارے جانے کی خبر دیتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے کہا۔ کون دشمن؟ اُس نے کہا۔ اے امیر المؤمنین! میں نے طلحہؓ کو مار دیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اے شخص! میں بھی تجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بشارت دیتا ہوں کہ تُو دوزخ میں ڈالا جائے گا کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا (جبکہ طلحہؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے اور میں بھی بیٹھا ہوا تھا) کہ اے طلحہؓ! تُو ایک دفعہ حق وانصاف کی خاطر ذِلّت برداشت کرے گا اور تجھے ایک شخص مار ڈالے گا مگر خدا اُس کو جہنم میں ڈالے گا۔

اِس لڑائی میں جب حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے لشکر کی صفیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑی ہوئیں تو حضرت طلحہؓ اپنی تائید میں دلائل بیان کرنے لگے (یہ اُس وقت سے پہلے کی بات ہے جب ایک صحابی نے اُنہیں حدیث یاد دلائی اور وہ جنگ چھوڑ کر چلے گے) وہ دلائل بیان کر ہی رہے تھے کہ حضرت علیؓ کے لشکر میں سے ایک شخص نے کہا اوٹنڈے! چپ کر۔ حضرت طلحہؓ کا ایک ہاتھ بالکل شل تھا وہ کام نہیں کرتا تھا۔ جب اُس نے کہا۔ اوٹنڈے! چپ کر تو حضرت طلحہؓ نے فرمایا کہ تم نے کہا تو یہ ہے کہ ٹنڈے چپ کر۔ مگر تمہیں پتہ بھی ہے کہ میں ٹنڈا کس طرح ہوا ہوں؟ اُحد کی جنگ میں جب مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے تو تین ہزار کافروں کے لشکر نے ہمیں گھیرے میں لے لیا اور اُنہوں نے چاروں طرف سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ اِس خیال سے کہ اگر آپؐ مارے گئے تو تمام کام ختم ہو جائے گا اُس وقت کفّار کے لشکر کے ہر سپاہی کی کمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ کی طرف تیر پھینکتی تھی تب میں نے اپنا ہاتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ کے آگے کر دیا اور کفار کے لشکر کے سارے تیر میرے

اِس ہاتھ پر پڑتے رہے یہاں تک کہ میرا ہاتھ بالکل بیکار ہو کر ٹنڈا ہو گیا مگر میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ کے آگے سے اپنا ہاتھ نہیں ہٹایا۔

ایک اور دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ یہ قصہ سنا رہے تھے کہ ایک شخص نے پوچھا۔ طلحہؓ! جب آپ کے ہاتھ پر چاروں طرف سے تیر پڑتے تھے تو درد نہیں ہوتی تھی؟ طلحہؓ نے کہا درد کیوں نہیں ہوتی تھی، ہوتی تھی مگر میں اِسے برداشت کرتا تھا۔ پھر اُس نے کہا کیا آپ کے منہ سے آہ نہیں نکلتی تھی؟ طلحہؓ نے کہا۔ آہ نکلنا تو چاہتی تھی مگر میں آہ کو نکلنے نہیں دیتا تھا تا کہیں میرا ہاتھ ہِل نہ جائے اور کوئی تیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ آ لگے۔

پس طلحہ، طلحہؓ کس طرح بنا؟ اُن تکلیفوں کی وجہ سے جو اُنہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اُٹھائی تھیں۔ زبیر، زبیرؓ کس طرح بنا؟ اُن تکلیفوں کی وجہ سے جو اُنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر برداشت کی تھیں۔

حضرت عثمانؓ بن مظعون رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے، ابتدائی ایام میں وہ آپ پر ایمان لائے۔ اُن کے والد مکہ کے ایک بہت بڑے رئیس تھے۔ عثمانؓ بن مظعون کی عمر تیرہ چودہ سال کی تھی جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ ایمان لانے کے بعد کفار کی طرف سے اُن پر قسم قسم کے مظالم کئے گئے اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی گئیں مگر وہ تیرہ چودہ سال کا بچہ اِن تکالیف کو بہادری کے ساتھ برداشت کرتا رہا اور تمام تکالیف کو استقلال کے ساتھ اپنی جان پر سہتا رہا اسلام سے اُس نے رُوگردانی اختیار نہ کی۔ جب ہجرت حبشہ ہوئی تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سن کر کہ تم حبشہ چلے جاؤ حضرت عثمانؓ بن مظعون بھی حبشہ گئے مگر پھر جلد ہی واپس آ گئے اور کہا کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ پھر جب سختیاں اَور بڑھ گئیں تو اُنہوں نے دوبارہ یہ ارادہ کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت اور آپ کے ارشاد کے ماتحت کہیں باہر چلے جائیں۔ جب وہ مکہ سے باہر جا رہے تھے تو اُنہیں اپنے باپ کا ایک دوست ملا اور اُس نے پوچھا عثمانؓ! تم مکہ چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو؟ اُنہوں نے کہا مکہ کے لوگ رہنے نہیں دیتے۔ وہ رئیس اُن کے باپ کا بڑا دوست تھا جب اُس نے عثمانؓ بن مظعون سے یہ بات سنی تو اُن کے باپ کی یاد اور محبت کی وجہ سے اُس کی آنکھوں

میں آنسو آ گئے اور اُس نے کہا۔ عثمانؓ! تم جانتے ہو تمہارا باپ میرا بھائی تھا اِس لئے میری موجودگی میں تمہارا یہاں سے چلے جانا بڑی ذِلّت اور رُسوائی کی بات ہے۔ تم میرے ساتھ مکہ واپس چلو میں یہ اعلان کر دوں گا کہ تم میری پناہ میں ہو اور کوئی شخص تمہیں دُکھ نہیں دے سکے گا۔ چنانچہ وہ حضرت عثمانؓ کو اپنے ساتھ لے گیا اور جیسے عرب کا دستور تھا اُس نے خانۂ کعبہ میں کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ عثمانؓ میری پناہ میں ہے جو اِس کو چھیڑے گا وہ مجھے لڑائی کے لئے انگیختہ کرے گا۔ عربوں میں یہ دستور تھا کہ جو شخص کسی شخص کو اپنی پناہ میں لے لیتا تھا اُس پر کوئی دوسرا شخص ہاتھ اُٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ عربوں میں عیب بھی تھے اگر عیب نہ ہوتے تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیوں کرتے مگر اُن میں بعض خاص خوبیاں بھی تھیں جو اگر ہم میں پیدا ہو جائیں تو یقیناً ہمیں چار چاند لگ جائیں۔ اور اُنہیں خوبیوں میں سے ایک یہ تھی کہ جب وہ کسی کو اپنی پناہ میں لے لیتے تھے تو کوئی شخص اُسے تکلیف نہیں پہنچا سکتا تھا اور اگر پہنچاتا تو اس کے یہ معنی ہوتے تھے کہ اب دونوں میں لڑائی تک نوبت پہنچ جائے گی۔ بہرحال حضرت عثمانؓ بن مظعون کو جب اُس نے پناہ دی تو مکہ والوں کے وہ مظالم جو اُن پر جاری تھے بند ہو گئے اور وہ امن سے رہنے لگ گئے مگر ایک دفعہ جب اُنہوں نے کفار کو تبلیغ کی تو اُنہوں نے اس رئیس سے شکایت کی۔ رئیس نے اُنہیں بُلا کر سمجھایا اور اُنہیں نصیحت کی کہ وہ تبلیغ نہ کیا کریں۔ اُنہوں نے کہا میں تبلیغ سے نہیں رُک سکتا، تم اپنی پناہ بے شک واپس لے لو۔[۱] چنانچہ اس نے اپنی پناہ واپس لینے کا اعلان کر دیا۔

ایک دفعہ مجلس میں لبید شاعر جو عرب کے مشہور شعراء میں سے تھے، اپنے شعر سنا رہے تھے۔ حج کے دن تھے تمام رؤساء مجلس میں بیٹھے تھے کہ اُنہوں نے شعر سناتے سناتے یہ مصرع پڑھا۔

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلُ

سنو سنو! خدا تعالیٰ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ عثمانؓ نے کہا یہ درست ہے۔ اِس پر لبید شاعر خفا ہوئے کہ ایک بچہ ہو کر مجھ جیسے انسان کو داد دیتا ہے مگر لوگوں نے اُن کو راضی کر لیا۔ اِس کے بعد اُنہوں نے دوسرا مصرع پڑھا جو یہ تھا۔

وَ کُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلٗ

یعنی ہر نعمت ایک دن ضرور زائل ہونے والی ہے۔ جب اُنہوں نے کہا وَ کُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلٗ تو حضرت عثمانؓ جوش میں آ گئے اور اُنہوں نے کہا۔ جھوٹ، جھوٹ، بالکل غلط۔ جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہیں ہوں گی۔ بھلا جو شخص ایک مصرع کو اچھا کہنے اور اُس کی تعریف کرنے پر چِڑ گیا تھا وہ مذمت کی کب تاب لا سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لبید خاموش ہو گئے اور اُنہوں نے کہا میں آئندہ مکہ میں کوئی شعر نہیں سناؤں گا یہاں کے لوگ سخت بدتہذیب ہو گئے ہیں۔ تب غصہ اور جوش کی حالت میں ایک شخص آگے بڑھا اور اُس نے اِس زور سے عثمانؓ کے منہ پر گھونسا مارا کہ اُس کی انگلی آپ کی ایک آنکھ میں گھس گئی اور آنکھ پھوٹ گئی۔ وہ رئیس جس نے حضرت عثمانؓ کو پناہ دی تھی، وہ بھی اُس وقت وہاں موجود تھا مگر وہ اپنی قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اکیلے آدمی کی کیا طاقت ہوتی ہے کہ وہ ساری قوم کے مقابلہ میں کھڑا ہو سکے۔ مگر یہ نظارہ دیکھ کر اُس کا دل غم سے بھر گیا اور اُس کی آنکھوں کے سامنے یہ نقشہ آ گیا کہ کس طرح عثمانؓ کا باپ جو مکہ کے رؤساء میں سے تھا جب شہر میں نکلتا تو لوگ اُس کا ادب اور احترام کرتے اور اُس کی راہ میں اپنی آنکھیں بچھاتے تھے مگر آج یہ حالت ہے کہ اُس کے بیٹے کو اِس بے دردی کے ساتھ پیٹا گیا ہے کہ اُس کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی ہے۔ اِن تصورات کی وجہ سے ایک طرف اُس کا دل غم سے بھر گیا مگر دوسری طرف اُس کا دل خائف تھا کہ میں اپنی قوم کے خلاف کس طرح آواز بلند کروں۔ وہ اِسی کشمکش کی حالت میں عثمان کے پاس جا کر غصہ سے کہنے لگا تو نے دیکھا کہ میری پناہ سے نکلنے کا کیا انجام ہوا؟ میں نہیں کہتا تھا کہ میری پناہ میں ہی رہو! تم نے مجھے مجبور کیا اور کہا کہ میں تمہاری پناہ میں رہنے کے لئے تیار نہیں اور میں نے اپنی پناہ واپس لے لی مگر اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ آج تمہاری آنکھ ضائع ہو گئی ہے۔ اگر خدانخواستہ تم میں سے کسی کی آنکھ نکل جائے یا تمہاری آنکھ پر چوٹ ہی آ جائے تو تم سمجھ سکتی ہو کہ تم کتنا روؤ اور کتنا چیخو اور چلاؤ مگر عثمانؓ اِس تکلیف پر روئے نہیں، وہ چلائے نہیں، اُنہوں نے افسوس ظاہر نہیں کیا، اُنہوں نے ہمدردی کرنے والے سے یہ نہیں کہا کہ آپ کا شکریہ بلکہ عثمانؓ نے کہا تو یہ کہا کہ چچا! تم تو یہ کہتے ہو کہ تیری ایک آنکھ کیوں نکلی؟ خدا کی قسم! میری تو دوسری آنکھ بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں نکلنے کے لئے تیار بیٹھی

ہے[۲] اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

یہ وہ تکالیف تھیں جو اُنہوں نے اُٹھائیں مگر جانتے ہو ان تکالیف کا عثمانؓ کو کیا بدلا ملا؟ اگلے جہان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آپ کو بدلا ملا وہ تو علیحدہ چیز ہے اِس دنیا میں ہی حضرت عثمانؓ کو اِن قربانیوں کا جو بدلا ملا وہ اتنا شاندار ہے کہ آج دنیا کا بڑے سے بڑا مسلمان بادشاہ بھی یہ کہنے کے لئے تیار ہوگا کہ کاش! مجھے اور میرے سارے خاندان کو کولہو میں پیس دیا جائے مگر وہ چیز مجھے میسر آ جائے۔ وہ بدلہ یہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آپ کی آخری عمر میں وفات سے دو تین سال پہلے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام آپ نے ابراہیمؓ رکھا وہ آپ کی آخری عمر کا ایک ثمر تھا مگر وہ دو سال کا ہو کر فوت ہو گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی لاش کو دفنانے کے لئے لے گئے۔ جب آپ قبر کے پاس پہنچے، جنازہ پڑھا گیا تو آپ نے بچہ کی لاش کو ہاتھ میں لیا اور قبر میں اُترے تا کہ اُسے لحد میں رکھ دیں۔ لحد میں رکھتے ہوئے آپ نے ایک فقرہ کہا جو عثمانؓ بن مظعون کی وفات کے چھ سال بعد آپ کی زبان سے نکلا۔ عثمانؓ بن مظعون شہید ہو چکے تھے وہ جنگ بدر میں شہید ہوئے تھے جو ہجرت کے دوسرے سال ہوئی تھی اور یہ واقعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے آٹھویں سال ہوا گویا چھ سال کے قریب حضرت عثمانؓ کی وفات پر گذر چکے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فقرہ اُس وقت کہا وہ ایک بہترین انعام تھا جو اِس دنیا کا کوئی انسان حاصل کر سکتا ہے۔ آپ نے ابراہیمؓ کی لاش کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ گھٹنے قبر میں ٹیکے اور اُسے لحد میں رکھتے ہوئے فرمایا۔ جاؤ اپنے بھائی عثمان بن مظعون کے پاس۔[۳]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ سال کے عرصہ کے بعد اپنی آخری عمر کے بیٹے کی وفات پر جس کے بعد کوئی اور اولاد ہونا ناممکن نظر آ رہا تھا اگر کوئی جذبۂ افسوس ظاہر کیا تو یہ کیا کہ آج سے چھ سال پہلے میرا بیٹا عثمانؓ شہید ہو گیا تھا۔ اب اے ابراہیم! چھ سال کے بعد تو نے مجھے پھر عثمانؓ یاد دِلا دیا۔ اگر عثمان کو ساری دنیا کی بادشاہت کے تخت پر بھی بٹھا دیا جاتا اور عثمانؓ کو خدا تعالیٰ دائمی زندگی بھی بخش دیتا اور ہمیشہ ہمیش اِس دنیا پر حکمرانی کرتا رہتا، اگر عثمانؓ کی ایک آنکھ نہیں، دونوں آنکھیں نکال دی جاتیں، اُس کے دونوں کان کاٹ دیئے جاتے، اُس

کی زبان بھی کاٹ دی جاتی، اُس کا ناک بھی کاٹ دیا جاتا، اُس کے دانت بھی نکال دیئے جاتے اور پھر عثمانؓ سے یہ کہا جاتا کہ تو یہ فقرہ چھوڑ دے ہم تجھے سب کچھ واپس دینے کو تیار ہیں تو بھی عثمانؓ اُن کی یہ بات ماننے کے لئے تیار نہ ہوتا۔ وہ کہتا کہ میں یہ فقرہ واپس دینے کے لئے تیار نہیں تم یہ نعمتیں بے شک اپنے پاس رکھو۔

اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ تازہ مرنے والوں میں سے ہر ایک کا صدمہ ہوتا ہے۔ ہمسائیوں کا بھی ہوتا ہے، رشتہ داروں کا بھی ہوتا ہے مگر چھ سال کا عرصہ اتنا لمبا عرصہ ہے کہ اِس میں دوست اپنے دوستوں کو اور رشتہ دار اپنے رشتہ داروں کو بھول جاتے ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ عثمانؓ کی وفات کے چھ سال بعد آپ کا اکلوتا بیٹا جو آپ کی آخری عمر کا ثمرہ تھا، وفات پاتا ہے تو وہ یہ نہیں کہتے کہ ابراہیمؑ! تیری موت سے مجھے یہ دکھ ہوا ہے، بلکہ وہ کہتے ہیں تو یہ کہ ابراہیمؑ نے مجھے عثمانؓ کی موت یاد دلا دی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس سے اُنہوں نے رُتبے پائے اور عزتیں حاصل کیں۔ ہماری ایک یا دو دن کی تکلیفیں اِس کے مقابلہ میں حقیقت ہی کیا رکھتی ہیں۔

حضرت عائشہؓ دیر تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب ایران فتح ہوا، تو وہاں سے آٹا پیسنے والی ہوائی چکیاں لائی گئیں۔ جن میں باریک آٹا پیسا جانے لگا۔ جب سب سے پہلی چکی مدینہ میں لگی تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ پہلا پِسا ہوا باریک آٹا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا جائے۔ چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق وہ باریک میدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا گیا اور اُن کی خادمہ نے اُس آٹے کے باریک باریک پھلکے تیار کئے۔ مدینہ کی عورتیں جنہوں نے پہلے کبھی ایسا آٹا نہیں دیکھا تھا، وہ ہجوم کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع ہو گئیں کہ آؤ ہم دیکھیں وہ آٹا کیسا ہے اور اس کی روٹی کیسے تیار ہوتی ہے؟ سارا صحن عورتوں سے بھرا ہوا تھا اور سب اِس انتظار میں تھیں کہ اُس آٹے کی روٹی تیار ہو تو وہ اُسے دیکھیں۔ تم خیال کرتی ہو گی کہ شاید وہ کوئی عجیب قسم کا آٹا ہو گا۔ وہ عجیب قسم کا آٹا نہیں تھا بلکہ اُس سے بھی ادنیٰ آٹا تھا جو تم روزانہ کھاتی ہو بلکہ اُس سے بھی ادنیٰ آٹا تھا۔ آج جو آٹا تم میں سے ایک غریب سے غریب عورت کھاتی ہے

اُس سے بھی وہ ادنیٰ تھا۔ مگر مدینہ میں جس قسم کے آٹے ہوتے تھے اُن سے وہ بہت اعلیٰ تھا۔ بہر حال آٹے کے پھلکے تیار ہوئے عورتوں نے اُن کو دیکھا اور وہ حیران رہ گئیں۔ وہ وفورِ شوق میں اپنی انگلیاں اُن پھلکوں کو لگاتیں اور بے ساختہ کہتیں، اُف کیسا نرم پھلکا ہے۔ کیا اِس سے اچھا آٹا بھی دنیا میں ہوسکتا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے پھلکے میں سے ایک لقمہ توڑا اور منہ میں ڈالا۔ وہ ساری کی ساری اِس شوق سے حضرت عائشہؓ کا منہ دیکھنے لگیں کہ اِس کے کھانے سے حضرت عائشہؓ کی عجیب حالت ہوگی، وہ خوشی کا اظہار کریں گی اور خاص قسم کی لذت اِس سے محسوس کریں گی۔ مگر حضرت عائشہؓ کے منہ میں وہ لقمہ گیا تو جس طرح کسی نے گلا بند کر دیا ہو، وہ لقمہ اُن کے منہ میں ہی پڑا رہ گیا اور اُن کی آنکھوں میں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ عورتوں نے کہا۔ بی بی! آٹا تو بڑا ہی اچھا ہے، روٹی اِتنی نرم ہے کہ اِس کی کوئی حد ہی نہیں آپ کو کیا ہو گیا کہ اسے نگل ہی نہیں سکیں اور رونے لگ گئیں؟ کیا اِس آٹے میں کوئی نقص ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ آٹے میں نقص نہیں میں مانتی ہوں کہ یہ بڑا ہی نرم پھلکا ہے اور ایسی چیز پہلے ہم نے کبھی نہیں دیکھی مگر میری آنکھوں سے اِس لئے آنسو نہیں بہے کہ اِس آٹے میں کوئی نقص ہے بلکہ مجھے وہ دن یاد آ گئے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری عمر میں سے گذر رہے تھے آپ ضعیف ہو گئے تھے اور سخت غذا نہیں کھا سکتے تھے مگر اُن دنوں میں بھی ہم پتھروں سے گندم کچل کر اور اُس کی روٹیاں پکا پکا کر آپ کو دیتے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ وہ جس کے طفیل ہم کو یہ نعمتیں ملیں وہ تو اِن نعمتوں سے محروم چلا گیا لیکن ہم جنہیں اُس کے طفیل سے یہ سب عزتیں مل رہی ہیں ہم وہ نعمتیں استعمال کر رہے ہیں۔ یہ کہا اور لقمہ تھوک دیا اور فرمایا۔ اُٹھا لے جاؤ یہ پھلکے میرے سامنے سے مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد آ کر گلے میں پھندا پڑتا ہے اور میں یہ پھلکا نہیں کھا سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کی جماعتیں ہمیشہ تکلیفوں سے عزت پاتی ہیں۔ اُن کی عزت اِس میں نہیں ہوتی کہ اُن کے پاس اتنا روپیہ ہے یا اتنی دولت اور جائداد ہے بلکہ اُن کی ساری عزت اِسی بات میں ہوتی ہے کہ اُنہوں نے خدا تعالیٰ کی خاطر کیا کیا تکلیفیں برداشت کیں۔ پس اپنے نفس میں دین کی خاطر تکلیفیں برداشت کرنے کی عادت ڈالو۔ تم محض چندوں سے یا منہ

کے لفظوں سے خدا تعالیٰ کو خوش نہیں کر سکتیں۔ تمہیں قربانیاں کرنی پڑیں گی وہ قربانیاں جن کے مقابلہ میں تمہاری پہلی قربانیاں بالکل ہیچ ہو کر رہ جائیں۔ جب تک تم وہ قربانیاں کرنے کے لئے تیار نہیں ہو گی تم کوئی بڑی عزت حاصل نہیں کر سکتیں اور تمہاری اولادیں ہمیشہ دوسروں کی غلام بن کر رہیں گی اور غلام اور مقہور اور ذلیل اولاد کا جننا کسی خوشی کا موجب نہیں بلکہ ذلت اور رُسوائی کا موجب ہوتا ہے۔ وہ عورت جو دس بچے جنتی ہے اور اُس کے دسوں بچے غلامی اور ذلّت کی زندگی بسر کرتے ہیں، وہ اپنے خاندان کو بڑا نہیں کرتی بلکہ اُسے ذلیل کرتی ہے کیونکہ اُس نے اپنے خاندان میں دس غلاموں کی زیادتی کی ہے۔ وہی عورت عزت کی مستحق ہے جو بچہ نہیں جنتی شیر جنتی ہے، جو انسان نہیں جنتی فرشتے جنتی ہے یہی وہ کام ہے جو صحابیاتؓ نے کیا۔ صحابیاتؓ کی قربانیوں کی بیسیوں مثالیں میں نے تمہیں سنائی ہیں۔ ان کے جذبات کی بلندی اور پاکیزگی اور اُن کے احساسات کی صفائی ایسی ہے کہ اگر تم اِس کو اپنے سامنے رکھو تو وہ حقیقی نمونہ اور حقیقی راہنما ہے جو تمہارے فرائض ادا کرنے میں تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ اُن کی زندگی کے بہت سے واقعات ہیں مگر میں اِس وقت تمہیں صرف ایک واقعہ سناتا ہوں۔

ایک صحابیہؓ کا بچہ جو اُس کا اکلوتا بیٹا تھا لڑائی میں مارا گیا مگر اُس نے اپنے بچے کی موت پر آنسو نہ بہائے، اُس نے اپنے بچے کی موت پر غم نہ کیا بلکہ وہ خوش رہی اور کسی قسم کے صدمے کا اُس نے اظہار نہ کیا۔ ہر قوم میں کچھ بیوقوف عورتیں بھی ہوتی ہیں، اُس کی بیوقوف ہمسائیاں اُس کے پاس آتیں اور کہتیں اے سنگدل ماں! تیرا اکلوتا بچہ مارا گیا مگر تو نے اپنے بچے کی موت پر کوئی آنسو نہیں بہایا، کیا تیری سنگدلی کی بھی کوئی انتہا ہے؟ وہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئی اور اُس نے کہا۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! میرا بیٹا دوزخ میں گیا ہے یا جنت میں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارا بیٹا یقیناً جنت میں گیا ہے وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں لڑتا ہوا مارا گیا ہے اور ایمان پر اُس کا خاتمہ ہوا ہے۔ اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اُس کی وہ حالت اچھی ہے جو اگلے جہان کی ہے یا اِس دنیا میں جو اُس کی حالت تھی وہ زیادہ اچھی تھی؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِس دنیا کی اگلے جہان کے مقابلہ میں نسبت ہی کیا ہے؟ اُسے اگلے جہان میں زندگی ملی ہے، خدا تعالیٰ کا قرب ملا ہے اور اُس کے انعامات اور فضلوں کا

وارث ہوا ہے۔ اُس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! جب کسی کے بیٹے کی اچھی حالت ہوتی ہے تو وہ خوش ہوا کرتا ہے یا رویا کرتا ہے؟ میرا بیٹا اسلام کی خدمت میں مارا گیا ہے اور آپ فرماتے ہیں کہ اگلے جہان میں بہت بڑا انعام ملا ہے اور بہت بڑا رُتبہ حاصل ہوا ہے اِس انعام اور رُتبہ کے حاصل ہونے پر میں روؤں یا خوش ہوں؟ میری ہمسائیاں مجھے کہتی ہیں کہ تُو روتی کیوں نہیں؟ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! میں کیوں روؤں جب میرا بیٹا پہلے سے بھی زیادہ اچھی حالت میں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔ جو کچھ تمہارے بیٹے کو اگلے جہان میں ملا ہے اُس کے مقابلہ میں یہ دنیا اور اِس کی زندگی کوئی چیز ہی نہیں۔[۴]

حقیقت یہ ہے کہ مائیں ہی بچے بناتی ہیں اور مائیں ہی بچے بگاڑا کرتی ہیں۔ اِس زمانہ میں بھی خدا تعالیٰ نے اسلام کو عزت دینے کے لئے ایک اسلامی علاقہ قائم کر دیا ہے اور مسلمان کہلانے والے اِس کے حکمران اور بادشاہ ہیں۔ یا تو ہمارے کافر حاکم تھے اور یا اب مسلمان حاکم ہیں۔ وہ خواہ کتنے بھی بگڑے ہوئے ہوں بہر حال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہیں۔ یہ رُتبہ اور یہ عزت جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بخشی ہے یہ ایک علامت ہے اِس بات کی کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اَور بھی عزت دینے کے لئے تیار ہے۔ اگر تم لوگ اپنے فرائض ادا کرو تو یہی مسلمان کہلانے والے احمدی بن جائیں گے اور اِس طرح حقیقی اسلام کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ لیکن ہر نعمت کے لئے کچھ قربانی دینی پڑتی ہے اور ہر قربانی اپنے ساتھ کچھ جذبات کو بھی اُبھارا کرتی ہے اور کچھ جذبات کو صدمے بھی پہنچایا کرتی ہے۔ جس کے پاس کچھ نہیں ہوتا اسے بچانے کا کوئی فکر بھی نہیں ہوتا مگر جس کے پاس کچھ ہوتا ہے اُسے اپنی چیز ڈاکوؤں اور چوروں سے بچانے کے لئے اُس کی حفاظت کا بھی فکر ہوتا ہے۔ غرض دولت کی فراوانی یا حکومت اور بادشاہت اپنے ساتھ ذمہ داریاں بھی لاتی ہے۔ جب مُلک ہمارے پاس آ چکا ہے تو اِس کو بچانا ہمارا کام ہے۔ اب انگریزوں کے خون سے اِس مُلک کو بچایا نہیں جا سکتا بلکہ خود مسلمانوں کے خون سے اِس مُلک کو بچایا جائے گا۔ اِس سلسلہ میں پاکستان کو کچلنے اور اسے اِس کے ایک جائز حق سے محروم کرنے کے لئے بعض خطرات پیدا کر دیئے گئے ہیں۔ اِس موقع پر میں نے بار بار جماعت احمدیہ کے افراد کو توجہ دلائی کہ وہ اُٹھیں اور مُلک کی خدمت کریں۔ یہ

پہلا قدم ہے جو ایک اسلامی علاقہ کی حفاظت کے لئے اُٹھایا گیا ہے اِس کے بعد وہ وقت بھی آئے گا جب خالص اسلام کی حفاظت کے لئے جنگیں کرنی پڑیں گی مگر جو شخص پہلا قدم اُٹھانے کے لئے تیار نہ ہو، اُس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ دوسرا قدم اُٹھانے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ مجھے افسوس ہے کہ جماعت نے اِس موقع پر وہ بہادری نہیں دکھائی جو مومن دکھایا کرتا ہے لیکن میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم میں سے بعض عورتیں ایسی عورتیں ہیں جنہوں نے نہایت ہی اعلیٰ درجے کا نمونہ دکھایا ہے۔ اگر وہ اَن پڑھ، جاہل اور غریب عورتیں ایسا اچھا نمونہ دکھا سکتی ہیں تو آسودہ حال اور پڑھی لکھی عورتیں کیوں ایسا نمونہ نہیں دکھا سکتیں۔

ایک جگہ رنگروٹ بھرتی کرنے کے لئے ہمارے آدمی گئے۔ اُنہوں نے جلسہ کیا اور تحریک کی کہ پاکستانی فوج میں شامل ہونے کے لئے لوگ اپنے نام لکھوائیں۔ جن قوموں میں لڑائی کی عادت نہیں ہوتی اُس کے افراد ایسے موقع پر عموماً اپنا نام لکھوانے سے ہچکچاتے ہیں، چنانچہ اِس موقع پر بھی ایسا ہی ہوا۔ تحریک کی گئی کہ لوگ اپنے نام لکھوائیں مگر چاروں طرف خاموشی طاری رہی اور کوئی شخص اپنا نام لکھوانے کے لئے نہ اُٹھا۔ تب ایک بیوہ عورت جس کا ایک ہی بیٹا تھا اور جو پڑھی ہوئی بھی نہیں تھی اُس نے جب دیکھا کہ بار بار احمدی مبلّغ نے کھڑے ہو کر تحریک کی ہے کہ لوگ اپنے نام لکھوائیں مگر ہچکچانے کی وجہ سے آگے نہیں بڑھتے تو وہ عورتوں کی جگہ سے کھڑی ہوئی اور اُس نے اپنے لڑکے کو آواز دے کر کہا۔ او فلانے! تو بولتا کیوں نہیں! تو نے سنا نہیں کہ خلیفۂ وقت کی طرف سے تمہیں جنگ کے لئے بُلایا جارہا ہے۔ اِس پر وہ فوراً اُٹھا اور اُس نے اپنا نام جنگ پر جانے کے لئے پیش کر دیا۔ تب اُس کو دیکھ کر اور لوگوں کے دلوں میں بھی جوش پیدا ہوا اور اُنہوں نے بھی اپنے نام لکھوانے شروع کر دیئے۔ وہ عورت زمیندار طبقہ میں سے نہیں تھی بلکہ غیر زمیندار طبقہ سے تعلق رکھتی ہے جس کے متعلق زمیندار بڑی حقارت سے یہ کہا کرتے ہیں کہ وہ لڑنا نہیں جانتے مگر اُس نے غیر زمیندار ہو کر اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا اور ایسی حالت میں محسوس کیا جب کہ وہ بیوہ تھی اور اُس کا صرف ایک ہی بیٹا تھا اور آئندہ اُسے کوئی بیٹا ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔ اُس نے کہا جب خدا اور اسلام کے نام پر ایک آواز اُٹھائی جارہی ہے تو پھر میرا کوئی بیٹا رہے یا نہ رہے، مجھے اِس آواز کا جواب دینا چاہیے۔

شدید جذبات مقابل میں ویسے ہی جذبات پیدا کر دیا کرتے ہیں۔ جب اُس نے یہ بات کہی تو کئی بزدل جو اپنے آپ کو پہلے بچا رہے تھے، اُنہوں نے بھی اپنے ارادوں کو پیش کرنا شروع کر دیا اور جب یہ اطلاع میرے پاس پہنچی اور خط میں میں نے یہ واقعہ پڑھا تو پیشتر اِس کے کہ میں اِس خط کو بند کرتا میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہا۔

اے میرے ربّ! یہ بیوہ عورت اپنے اکلوتے بیٹے کو تیرے دین کی خدمت کے لئے یا مسلمانوں کے مُلک کی حفاظت کے لئے پیش کر رہی ہے۔ اے میرے ربّ! اِس بیوہ عورت سے زیادہ قربانی کرنا میرا فرض ہے۔ میں بھی تجھ کو تیرے جلال کا واسطہ دے کر تجھ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ اگر انسانی قربانی کی ہی ضرورت ہو تو اے میرے ربّ! اِس کا بیٹا نہیں بلکہ میرا بیٹا مارا جائے۔

اِسی طرح ایک جگہ ہمارے آدمی گئے تو ایک اور عورت کہ وہ بھی زمیندار طبقہ میں سے نہیں تھی بلکہ ان لوگوں میں سے تھی جنہیں زمیندار حقارت کے ساتھ ''کمیں'' کہا کرتے ہیں اُس نے بھی اپنی قربانی کا نہایت شاندار نمونہ دکھایا۔ اُس کے دو بیٹے اور دو پوتے تھے، جب ہمارے آدمی گئے اور اُنہوں نے بتایا کہ پاکستان کی حفاظت کے لئے فوج میں بھرتی ہونا چاہیے تم بھی اپنی اولاد میں سے کسی کو پیش کرو تا کہ اسے فوج میں بھجوایا جائے تو اُس وقت باہر کھڑی کام کر رہی تھی۔ اُس نے وہیں سے کھڑے کھڑے اپنے چاروں لڑکوں اور پوتوں کو آواز دی اور ہمارے مبلّغ سے کہا یہ میرے دو لڑکے اور دو پوتے ہیں اِن چاروں کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ پھر اُس نے اپنے لڑکوں اور پوتوں سے کہا۔ دیکھو! میں گھر میں نہیں گھسوں گی جب تک تم یہاں سے چلے نہ جاؤ۔ جب ہمارے آدمی نے کہا کہ اِس وقت چاروں کی ضرورت نہیں بلکہ صرف ایک نوجوان چاہیے۔ تو اُس نے کہا میں تو چاروں بھجوانے کیلئے تیار ہوں۔ آخر اصرار کر کے اُس نے کہا۔ دو تو لے جاؤ۔ چنانچہ ایک کی بجائے اُس نے دو نوجوان پیش کئے اور وہ خوشی خوشی چلے گئے۔ یہ وہ روح تھی جو حقیقی روح ہوتی ہے اور جس کے ذریعہ سے دنیا میں قومیں بڑھا کرتی ہیں۔

وہ دن گئے جب انگریز اِس مُلک کے حاکم تھے اُس وقت جب کوئی حملہ کرتا تو ہم انگریزوں سے کہہ سکتے تھے کہ تم جاؤ اور مقابلہ کرو کیونکہ یہ تمہارا مُلک ہے اور ہمارا نہیں مگر اب

یہ ہمارا مُلک ہے اور ہمیں ہی دشمن کے مقابلہ کے لئے تیار ہونا پڑے گا۔ میں تمہیں وہ بات نہیں کہتا جو میں نے نہیں کی۔ میرے جتنے جوان بیٹے پاکستان میں ہیں اُن میں سے سوائے دو کے جو کالج میں پڑھتے ہیں (اور وہ بھی بعد میں ہو آئے ہیں) باقی سب فوجی خدمت کر آئے ہیں اور میں تو سمجھتا ہوں وہ مقاصد جو ہمارے سامنے ہیں بغیر قربانی کے حاصل ہی نہیں ہو سکتے۔ ہم نے تو دنیا کو فتح کرنا ہے اور دنیا کی فتح بغیر قربانی کے نہیں ہو سکتی۔ بے شک یہ فتح قلوب کی فتح ہے مگر قلوب کی فتح بھی بغیر قربانی کے نہیں ہو سکتی۔ لوگ سب سے زیادہ قلوب کی فتح پر ہی دشمن ہوا کرتے ہیں جب تم کسی کے پاس جا کر احمدیت کی تبلیغ کرتی ہو تو اُسے دولت ایمان دیتی ہو مگر وہ خوش نہیں ہوتا بلکہ تمہارا مقابلہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ تم بھی دولت ایمان سے محروم ہو جاؤ اور تمہیں دکھ دینا شروع کر دیتا ہے۔

پس میں تمہیں تمہارے فرائض کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ تمہارے مرد بزدلی دکھا رہے ہیں اور جب اُنہیں بُلایا جاتا ہے کہ آگے آؤ تو وہ کئی قسم کے بہانے بنانے لگ جاتے ہیں، کبھی کوئی عذر کر دیتے ہیں اور کبھی کوئی۔ وہ جتنے عذر کرتے ہیں قرآن کریم میں وہ سب کے سب منافقوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اپنی آئندہ نسلوں کو آزاد بناؤ۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اپنے خاوندوں سے کہو کہ یا تو تم دین کے لئے قربانی کرو یا آئندہ ہمارے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ تمہارے لئے تلوار پکڑ کر جہاد کرنے کا موقع تو بہت کم آتا ہے تمہارا جہاد یہی ہے کہ تم اپنے خاوند، اپنے باپ، اپنے بھائیوں اور اپنے بیٹوں سے کہو کہ اگر تم لڑائی کے لئے تیار نہیں ہو گے تو ہم تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھیں گی۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ہندہ جو ساری عمر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑتی رہی تھی فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوگئی تھی۔ ایک لڑائی میں ہندہ کا خاوند ابوسفیان اور اُس کا بیٹا معاویہ دونوں شامل ہوئے۔ دشمن نے ایسا شدید حملہ کیا کہ مسلمان اُن کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر جنگ سے بھاگ نکلے۔ جب ہندہ نے دیکھا کہ مسلمان واپس بھاگے چلے آ رہے ہیں تو اُس نے عورتوں سے کہا دیکھو! مسلمان اِس وقت بھاگتے چلے آ رہے ہیں، آؤ ہم اِنہیں روکیں۔ یہ کہہ کر اُنہوں نے خیموں کے بانس پکڑ لئے اور اُن کے اونٹوں اور گھوڑوں کو چوبیں مار مار کر کہا

کہ تم ابھی واپس جاؤ یا یہاں بیٹھ کر ہماری جگہ کھانا پکاؤ، ہم خود دشمن سے لڑنے کے لئے چلی جائیں گی۔

ابوسفیان کا ایک مشہور تاریخی فقرہ ہے جو اس موقع پر اُس نے کہا۔ اُس نے اپنے بیٹے معاویہؓ کی طرف دیکھا اور کہا معاویہ! گھوڑوں کا رُخ پھیر دو۔ دشمن کی مار اتنی تکلیف دِہ نہیں جتنی عورتوں کی یہ باتیں ہمارے لئے تکلیف دِہ ہیں۔ چنانچہ پھر وہ واپس لوٹے اور اُنہوں نے دشمن پر فتح حاصل کی۔

پس میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ تمہارے مرد اِس امتحان میں فیل ہو رہے ہیں وہ لڑائی پر جانے سے ڈرتے اور گھبراتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قربانی کرنے والے لوگ بھی پائے جاتے ہیں مگر ایک کافی تعداد اُن لوگوں کی ہے جو اِس میدان میں قدم رکھنے سے ہچکچاتے ہیں۔ تم یہ سن کر حیران ہو گی کہ لاہور شہر جس میں پانچ ہزار احمدی رہتے ہیں اس شہر میں سے باوجود توجہ دلانے کے اور باوجود اِس کے کہ میں خود اُن میں موجود تھا اور اُنہیں توجہ دلاتا رہا ایک سال میں ایک آدمی بھی فوج میں نہیں گیا۔ اِس کے مقابلہ میں میرے ایک گھر میں سے میرے سات لڑکے جا چکے ہیں۔ ایک قادیان میں بیٹھا ہے جو ہندوستانی باشندہ ہے اور شرعاً اور قانوناً حکومت ہند کا وفادار ہے۔ دو کالج میں پڑھ رہے ہیں اور باقی سب چھوٹے ہیں گویا جتنے جا سکتے تھے وہ سب کے سب جا چکے ہیں مگر لاہور کے پانچ ہزار احمدیوں میں سے ایک بھی نہیں گیا۔ یہی حال اور شہروں کا ہے مثلاً گجرات، سیالکوٹ وغیرہ۔ اِن میں سے بہت سے علاقے ہیں جو انگریز کے وقت میں پیسوں کی خاطر خوب فوجی خدمت کرتے تھے مگر اب پاکستان بننے پر وہ اِس طرح خدمت نہیں کرتے شاید اِس لئے کہ اب وہ تنخواہیں اور آرام نہیں۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے زیادہ تر وہ لوگ قربانی کر رہے ہیں جو غیر زمیندار ہیں اور جن کے متعلق زمیندار حقارت کے ساتھ یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ لوگ لڑنا نہیں جانتے۔ لڑنا جانتے ہیں تو ہم جانتے ہیں مگر قربانی کے میدان میں وہی لوگ اپنی جانوں کو پیش کر رہے ہیں۔

دیکھو! ایک دن دنیا میں اسلام نے غالب آنا ہے یہ لوگ جو کبھی پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ روپیہ پر نوکریاں کرتے پھرتے تھے، جو جمعدار اور صوبیدار بن کر اِترائے پھرتے تھے، آج

دین کی طرف سے، خدا تعالیٰ کی طرف سے آواز بلند ہو تو قربانی کرنے سے ہچکچاتے اور رُکتے ہیں یہ اور اُن کی آئندہ نسلیں اُن لوگوں کی غلام بن کر رہیں گی جنہیں آج تم حقارت کے ساتھ کمیں اور ذلیل لوگ کہتے ہو اور جن کا نام آنے پر تم ہنستے اور تکبر کے ساتھ کہتے ہو کہ ہمارے مقابلہ میں اِن کی حیثیت کیا ہے۔ آج بے شک تم اِن پر ہنس لو لیکن زمانہ یکساں نہیں رہے گا۔ اگر تم نے اپنی اصلاح کی کوشش نہ کی تو یاد رکھو یہ لوہار اور ترکھان ایک دن تمہارے افسر ہونگے، تم پر حکومت کریں گے، تمہارے بادشاہ اور حکمران ہوں گے اور سلسلہ دیکھے گا، احمدیت دیکھے گی کہ تم اِن کے غلام بنا کر رکھے جاؤ گے۔ تمہاری لڑکیاں ان کی لونڈیاں بنا کر رکھی جائیں گی اور تمہاری چوہدراہٹیں ساری کی ساری نکال کر رکھ دی جائیں گی۔ یہ لوہار اور ترکھان ایک دن بادشاہ ہونگے کیونکہ اُنہوں نے خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہا اور تم جنہیں اپنی چوہدراہٹوں پر ناز ہے، اِن کے غلام بن کر رہو گے۔ تم اِس حقیقت کو سمجھو یا نہ سمجھو لیکن میں تمہیں وقت سے بہت پہلے ہوشیار کر دیتا ہوں۔ میں اِس دنیا میں نہیں ہوں گا لیکن میری آواز دنیا میں ہوگی اور جس چیز کے ساتھ میں محبت رکھتا ہوں یعنی اسلام اور احمدیت وہ دنیا میں موجود ہوگی، اُس وقت احمدیت بادشاہ ہوگی، اسلام کی دنیا پر حکومت ہوگی اور یقیناً اگر تم نے اپنی اصلاح نہ کی تو احمدیت کی جوتیوں کی ایڑیوں کے نیچے تمہاری چوہدراہٹیں کچل کر رکھ دی جائیں گی اور جن کو تم کمیں اور ذلیل کہتے ہو یہ شہزادے ہوں گے۔ یہ بادشاہ ہونگے اور تم ذلیل اور مقہور غلاموں کی طرح اُن کے سامنے اپنی زندگی بسر کرو گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ صحابہؓ نے پوچھا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! بڑے کون ہیں؟ آپ نے فرمایا وہی بڑے ہیں جو جاہلیت میں بڑے ہیں بشرطیکہ وہ دین کے لئے قربانیاں کریں۔[۵] میں بھی تمہاری بڑائی کو مٹانا نہیں چاہتا بشرطیکہ تم دین کے لئے قربانیاں کرو لیکن اگر تم یہ گندہ نمونہ دکھاؤ گے کہ پچاس پچاس اور سَو سَو روپیہ کافروں سے لے کر تو تم اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے لیکن خدا اور اُس کے دیئے ہوئے مُلک کی خاطر جو اُس نے مسلمانوں کو دیا ہے، قربانی نہیں کرو گے تو تم کو ذلیل کیا جائے گا، تم کو رُسوا کیا جائے گا، تمہارا نام و نشان تک مٹا دیا جائے گا۔ وہ جن سے تم گوبر اُٹھواتے ہو، اِن کی لڑکیوں کی ڈولیاں

تمہارے بڑے بڑے چوہدری اُٹھایا کریں گے کیونکہ احمدیت کی حکومت ہوگی اور جس کو احمدیت اونچا کرے گی وہی اونچا ہوگا دوسرا کوئی نہیں ہوگا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مکہ کے رؤساء نے آپ کی بڑی بڑی مخالفتیں کیں اور آپ کو سخت دُکھ دیئے مگر غلاموں نے آپ کی اطاعت کی اور وہ آپ پر صدقِ دل سے ایمان لے آئے اور پھر ایمان لانے کے بعد اُنہوں نے بڑی بڑی قربانیاں کیں۔ بلالؓ جو ایک غلام تھے جب ایمان لائے تو اُن کا آقا اُنہیں رسّی سے باندھ کر لڑکوں کے حوالے کر دیتا اور وہ سارا دن اُسے دھوپ میں مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے جن میں بڑے بڑے کھِنگر پڑے ہوئے ہوتے تھے اور پھر اُسے مار مار کر کہتے کہ کہو خدا ایک نہیں تو وہ نیچے سے جواب دیتا کہ اَسْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ بلالؓ چونکہ حبشی تھے اِس لئے وہ ش نہیں بول سکتے تھے لوگ اَسْھَدُ کا لفظ سنتے تو ہنس پڑتے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ تم لوگ سنتے ہو کہ بلالؓ اَشْھَدُ کی جگہ اَسْھَدُ کہتا ہے اور تم اِس پر ہنستے ہو۔ مگر آسمان پر بیٹھا ہوا خدا اِس اَسْھَدُ کو اتنا پسند کرتا ہے کہ تمہارا ہزار اَشْھَدُ کہنا بھی اِس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

یہ تکالیف تھیں جو بلالؓ کو پہنچائی گئیں۔ مگر جانتے ہو جب مکہ فتح ہوا تو وہ بلالؓ حبشی غلام جس کے سینے پر مکہ کے بڑے بڑے افسر ناچا کرتے تھے اُس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا عزت دی؟ اور کس طرح اس کا کفار سے انتقام لیا؟ جب مکہ فتح ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کے ہاتھ میں ایک جھنڈا دے دیا اور اعلان کر دیا کہ اے مکہ کے سردارو! اگر تم اپنی جانیں بچانا چاہتے ہو تو بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے آ کر کھڑے ہو جاؤ۔[۶] گویا وہ بلالؓ جس کے سینہ پر مکہ کے بڑے بڑے سردار ناچا کرتے تھے اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کو بتایا کہ آج تمہاری جانیں اگر بچ سکتی ہیں تو اس کی یہی صورت ہے کہ تم بلالؓ کی غلامی میں آ جاؤ حالانکہ بلالؓ غلام تھا اور وہ چوہدری تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ جو آدھی دنیا کے مالک بن چکے تھے ایک دفعہ حج کے لئے مکہ پہنچے۔ نماز کے بعد آپؓ کو مبارکباد دینے کے لئے بڑے بڑے رؤساء جو مکہ پر حکومت کیا کرتے تھے اور جن کے دربار میں حضرت عمرؓ کا باپ بھی ادب سے

بیٹھا کرتا تھا، آنے شروع ہوئے۔ جب وہ آئے تو حضرت عمرؓ نے اُن کو عزت اور احترام کے ساتھ بٹھایا اور اُن سے محبت اور پیار کے ساتھ باتیں شروع کیں۔ وہ سات یا آٹھ آدمی تھے۔ ابھی وہ بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں ایک غلام آیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی اور ابتدائی زمانہ میں آپ پر ایمان لا چکا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُن رؤساء سے فرمایا کہ پیچھے ہٹ جاؤ اور اِن کو جگہ دو۔ وہ پیچھے ہٹ گئے اور اُس غلام کو آگے جگہ دی گئی۔ ابھی وہ بیٹھا ہی تھا کہ اتنے میں ایک دوسرا غلام آ گیا۔ معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے پھر اُن سے فرمایا کہ ذرا پیچھے ہٹ جاؤ اور اِن کو جگہ دے دو۔ وہ بیٹھا تو اُدھر سے تیسرا غلام آ گیا۔ حضرت عمرؓ نے پھر اُن سے فرمایا کہ ذرا پیچھے ہٹ جاؤ اور اِن کو جگہ دو۔ اِسی طرح یکے بعد دیگرے غلام آتے چلے گئے اور حضرت عمرؓ ہر غلام کے آنے پر یہی فرماتے کہ ذرا پیچھے ہٹ جاؤ اور اِن کو جگہ دو یہاں تک کہ پیچھے ہٹتے ہٹتے وہ شہر کے رئیس جوتیوں میں جا بیٹھے اور عزت کی جگہ پر سب غلام بٹھا لئے گئے۔ یہ دیکھ کر وہ لڑکے مجلس سے اُٹھ گئے اور اُنہوں نے باہر جا کر ایک دوسرے سے کہا دیکھا! آج ہمارے ساتھ کیا ہوا۔ آج ہماری وہ ذلّت کی گئی ہے کہ جس کا ہمیں وہم اور گمان تک نہ تھا۔ ہمارے زرخرید غلام جن کا کام ہماری جوتیاں صاف کرنا اور ہمارے گھروں میں پانی بھرنا تھا، اُن کو اگلی صفوں میں جگہ دی گئی اور ہمیں جوتیوں میں بٹھایا گیا۔ اُن نوجوانوں میں سے ایک زیادہ عقلمند تھا۔ اُس نے کہا۔ تمہیں پتہ ہے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا گیا؟ یہ نتیجہ ہے ہمارے افعال کا جب خدا کے رسول نے مکہ میں دعویٰ کیا تو یہ غلام ہی تھے جنہوں نے اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہا اور آپ کی تائید کیلئے کھڑے ہو گئے لیکن ہمارے باپ دادا نے آپؐ کی مخالفت کی۔ پس آج جو کچھ ہوا ہے یہ اُسی قصور کی پاداش ہے جو ہمارے باپ دادا سے سرزد ہوا۔ اُنہوں نے کہا ہم مانتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا سے یہ قصور ہوا مگر آخر اس کے ازالہ کا بھی کوئی طریق ہونا چاہیے اُس نے کہا چلو یہی بات حضرت عمرؓ سے پوچھیں۔

حضرت عمرؓ کے خاندان کے سپرد لوگوں کے نسب ناموں کو یاد رکھنا تھا۔ یہ کام گو ہمارے مُلک میں میراثیوں کے سپرد ہوتا ہے مگر عربوں اور دوسری آزاد قوموں میں یہ نہایت ہی معزز کام سمجھا جاتا تھا اور ہے۔ پس چونکہ حضرت عمرؓ اُسی خاندان میں سے تھے جو انساب کو جانتا تھا

اِس لئے جب وہ نوجوان حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور کہا کہ ہم آپ کے پاس ایک سوال لے کر آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں نے آپ لوگوں کی بات کو سمجھ لیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ آپ کو اِس سلوک سے بہت تکلیف پہنچی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ لوگوں کے باپ دادا بڑی بڑی عزتوں کے مالک تھے مگر میں مجبور تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں عزت دی جاتی تھی، میں اُن کو کس طرح پیچھے بٹھا سکتا تھا۔ اُنہوں نے کہا ہم اِس بات کو خوب سمجھ گئے ہیں ہمارا سوال صرف اتنا ہے کہ جو کچھ ہمارے باپ دادا سے ظلم ہو چکا ہے، اِس کے ہوتے ہوئے کیا کوئی صورت ایسی بھی ہے جس سے یہ کلنک کا ٹیکہ ہمارے ماتھے سے دُور ہو سکے حضرت عمرؓ کو اِس سوال پر اُن کے باپ دادا کی شان وشوکت یاد آ گئی، آنکھوں میں آنسو بھر آئے، آواز بھرا گئی زبان سے جواب دینے کی سکت نہ رہی، صرف ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ کیا اور خاموش ہو گئے۔ مطلب یہ تھا کہ شام میں عیسائیوں سے جنگ ہو رہی ہے اگر تم اِس جنگ میں شامل ہو کر اپنی جانیں دے دو تو یہ کلنک کا ٹیکہ تمہارے ماتھے سے دور ہو جائے گا۔ اُنہوں نے یہ جواب سنا تو اُسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی سواریوں پر زین کسی اور اِس جنگ میں شامل ہونے کے لئے شام چلے گئے اور تاریخیں بتاتی ہیں کہ وہ سارے کے سارے اُسی جنگ میں مارے گئے۔ اُن میں سے ایک بھی زندہ واپس نہیں آیا۔ [ک]

پس یاد رکھو کہ آئندہ صرف چندوں سے کام نہیں چلے گا چندے بھی چلیں گے اور جان کی قربانی بھی چلے گی اور وہی قومیں عزت پائیں گی جو اِن قربانیوں میں حصہ لیں گی۔ میں نے تم کو وقت پر ہوشیار کر دیا ہے خواہ اس وقت تم میری بات کو سمجھو یا نہ سمجھو۔ جس وقت انسان کے پاس دولت ہوتی ہے، اُس کے دماغ میں غرور ہوتا ہے اور وہ دوسرے کی بات کو حقارت کے ساتھ ردّ کر دیتا ہے۔ مکہ والوں کے دماغ میں بھی یہی غرور تھا جس کی وجہ سے اُنہوں نے نقصان اُٹھایا۔ تم بھی کہو گے کہ ہماری حکومت دائمی ہے لیکن میں دیکھتا ہوں اور خدائی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے وہ جن کی اصلاح نہیں ہوگی وہ ذلیل کئے جائیں گے، وہ تباہ اور برباد کئے جائیں گے۔ پس جاؤ اور اپنے مردوں اور بچوں کی اصلاح کرو، جاؤ اور اُن میں قربانی کا مادہ پیدا کرو۔ اگر نہیں کرو گی تو تم اِس کا عبرتناک انجام دیکھو گی۔ اولادیں اِس لئے ہوا کرتی ہیں کہ

سُکھ کا موجب بنیں مگر ایسی اولادیں سُکھ کا موجب نہیں بلکہ ذلّت کا موجب ہوں گی، خاندان کی ترقی کا موجب نہیں بلکہ تنزل کا موجب ہوں گی۔

پس اپنی اصلاح کرو اور صحابیاتؓ کا نمونہ اپنے سامنے رکھو۔ اگر تمہارے خاوند اور بیٹے اور بھائی اور دوسرے رشتہ دار خدا تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے تو وہ ابدی زندگی پائیں گے اور اگر جی چرائیں گے تو جیسا کہ میں نے بتایا ہے ذِلّت تمہارے سامنے کھڑی ہے اور وہ بہر حال تمہیں قبول کرنی پڑے گی لیکن اِس وقت اللہ تعالیٰ نے تمہاری ذلّت کو دور کرنے کا سامان پیدا کر دیا ہے۔ دوسروں نے وہ روحانی لذت حاصل نہیں کی جو تم نے حاصل کی ہے۔ تم نے خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ معجزات دیکھے ہیں، تم نے خدا تعالیٰ کے کئی نشانات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں، تم نے خدا تعالیٰ کی آیاتِ بینات کا مشاہدہ کیا ہے اگر اِس کے بعد بھی تم نے اپنی اصلاح نہ کی اور تم نے اولادوں کو گرتے دیکھا تو یہ تمہاری قسمت۔ لیکن اگر تم اپنے خاوندوں، اپنے باپوں، اپنے بھائیوں اور اپنے بیٹوں کی اصلاح کرلو تو یقیناً تم بھی وہی ثواب پاؤ گی جو وہ پائیں گے۔ تم حفاظت مُلک کی لڑائی میں خود نہیں جاؤ گی۔ جائے گا تمہارا باپ یا تمہارا خاوند جائے گا یا تمہارا بھائی جائے گا یا تمہارا بیٹا جائے گا لیکن تمہاری تعلیم کے ماتحت جو تمہارے بیٹے بہادری دکھلائیں گے، جو تمہارے بھائی بہادری دِکھلائیں گے، جو تمہارے باپ بہادری دِکھلائیں گے، جو تمہارے خاوند بہادری دِکھلائیں گے اُن کو جو کچھ ثواب ملے گا اُتنا ہی ثواب خدا تعالیٰ کی درگاہ میں تمہاری نسبت بھی لکھا جائے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ [۸] جو شخص کسی دوسرے کو نیکی کی تحریک کرتا ہے، اُسے اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا خود نیکی کرنے والے کو ملتا ہے۔ جو شخص جہاد کیلئے جاتا یا مُلک کی عزت کیلئے لڑتا ہے جو کچھ ثواب اُس کو ملتا ہے وہی اُس کو بھی ملتا ہے جو اُس کے دل میں نیک تحریک پیدا کرتا ہے۔

پس موجودہ تکلیفیں جو قادیان کو چھوڑنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں اُن کو بھول جاؤ۔ اپنے عزائم کو بلند کرو اور اپنی اولادوں میں جرأت اور بہادری پیدا کرو۔ اگر اُن میں جرأت اور بہادری پیدا کرو گی تو وہی عزت پاؤ گی جو صحابیاتؓ نے پائی اور تمہارے نام بھی قیامت تک عزت کے ساتھ یاد رکھے جائیں گے۔ لیکن اگر تم ایسا نہیں کرو گی تو تم اور تمہارے خاندان

ذلیل کئے جائیں گے اور دنیا کی کوئی طاقت اِس کو بدل نہیں سکتی۔ خدا تعالیٰ تم کو اور ہم کو اِس عذاب سے بچائے۔ آمین

(مصباح مئی ۱۹۵۰ء صفحہ ۵ تا ۲۴)

---

۱ تا ۳ اسد الغابة جلد۳ صفحہ ۳۸۵، ۳۸۶۔ مطبوعہ ریاض ۱۲۹۶ھ

۴ ترمذی کتاب تفسیر القرآن باب ومن سورة المومنين

۵ بخاری کتاب المناقب باب المناقب

۶ السيرة الحلبية جلد۳ صفحہ ۹۳۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۷ اسد الغابة جلد۲ صفحہ ۳۷۔ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۵ھ

۸ مسند احمد بن حنبل جلد۵ صفحہ ۲۷۴۔ مطبوعہ بیروت ۱۳۱۳ھ

قادیان سے ہجرت اور
نئے مرکز کی تعمیر

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

قادیان سے ہجرت اور نئے مرکز کی تعمیر

(فرمودہ ۱۶/اپریل ۱۹۴۹ء بر موقع پہلا جلسہ سالانہ منعقدہ ربوہ)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''میں کل دوستوں کو بتا چکا ہوں کہ ہمارا یہ جلسہ سالانہ احمدیت کیلئے ایک مرکز جدید اختیار کرنے کا جلسہ ہے۔ اِن ایّام میں ہمارے سب افکار اور ہماری ساری گفتگوئیں اور ہمارے سارے جذبات صرف ایک اور ایک مقصد کیلئے وقف رہنے چاہئیں۔ تقریریں ہوتی رہتی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ باتیں دنیا کیا ہی کرتی ہے اور کرتی ہی چلی جائے گی مگر جو دن کسی خاص مقصد کے لئے اختیار کیا جاتا ہے وہ اُسی مقصد کے استعمال میں زیادہ تر خرچ ہونا چاہیے۔ دنیا نے، اِس سیاسی دنیا نے جس سے ہمارا کوئی واسطہ نہ تھا اِس دنیا نے جس کے مادی کاموں سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں تھی، اِس دنیا نے جس نے ہمیشہ ہی ہماری بدخواہی کی اور ہم نے اِس کی ہمیشہ خیر خواہی کی ایسا رویہ اختیار کیا کہ اس کی تدبیروں اور مکروں کے نتیجہ میں ہمیں وہ مقام چھوڑنا پڑا جس میں ہم امن اور اطمینان کے ساتھ اور بغیر کسی قسم کے لڑائی جھگڑے کے خدمت اسلام کا فرض سرانجام دے رہے تھے۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ ہم اُس جگہ کو چھوڑیں، ہم نہیں چاہتے تھے کہ دوسری باتوں میں ملوث ہوں۔ جب سے پاکستان بنا ہے قدرتی طور پر ہماری یہ خواہش تھی کہ ہم بھی اِس کے ساتھ ہوں اور ہم بھی اِس کے ساتھ وابستہ ہوں مگر اِس طرح نہیں کہ یہ فیصلہ کر دیا جائے کہ ہم قادیان چھوڑ کر پاکستان میں آ جائیں بلکہ ہماری یہ خواہش تھی کہ قادیان بھی پاکستان میں آ جائے۔ اِس کیلئے باؤنڈری کمیشن (BOUNDRY COMMISSION) کے ایّام میں میں خود لاہور گیا اور میں نے تمام ضروری معلومات مسلمانوں کے اُس نمائندے کو مہیا

کیس جو کمیشن کے سامنے مسلمانوں کی طرف سے کیس پیش کر رہا تھا تا کہ کسی طرح قادیان بھی پاکستان میں شامل ہو جائے۔ میں نے انگلستان سے ایک جغرافیہ دان بھی بُلایا جو وہاں ایک یونیورسٹی کا مشہور پروفیسر اور مصنف تھا تا کہ وہ کمیشن کی امداد کرے۔ لیکن یہ چیز یا تو پہلے سے طے شدہ تھی یا مخفی طور پر ہندوستان یونین سے وعدہ کر لیا گیا تھا کہ سکھوں کو خوش کرنے کے لئے ضلع امرتسر اور گورداسپور جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ہندوستان کو دے دیا جائے گا۔ مجھے خوب یاد ہے جب کمیشن کے سامنے مسٹر سیتل واڈ نے جو ہندوؤں کے وکیل تھے اپنی آخری تقریر شروع کی تو جس وقت وہ گورداسپور پر پہنچے اُنہیں یہ معلوم تھا کہ میں نے تمام مسالہ جمع کر کے مسلمان نمائندوں کو دیا ہے اُنہوں نے گورداسپور پر پہنچتے ہی ذرا ٹیڑھے ہو کر میری طرف دیکھا اور ایک دھمکی آمیز رنگ میں کہا گورداسپور بہر حال ہندوستان یونین کی طرف جائے گا اور اِس کو پاکستان میں شامل کرنے کی کوشش کرنے والوں کو نقصان پہنچے گا۔ مسٹر سیتل واڈ اُس وقت انسانی نظر سے دیکھ رہا تھا لیکن ہم انسانی نظر سے نہیں دیکھا کرتے ہم آسمانی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کفّارِ مکہ نے فیصلہ کیا کہ ہم اُنہیں قید کر لیں گے یا مکہ سے باہر نکال دیں گے یا مار ڈالیں[1] گے تو ان کی تمام تدبیریں اور چالیں عدمِ علم کی وجہ سے تھیں۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ اُن کی اِن تدبیروں اور اُن کی اِن چالوں کے کیا نتائج نکلنے والے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے کفّارِ مکہ کو ساری تدبیروں کا موقع دیا لیکن آخر خدا تعالیٰ کی بات ہی غالب آئی اور انہیں شرمندگی کی وجہ سے سر جھکانے پڑے۔ یہی بات قادیان کی ہوگی۔ انڈین یونین کیا ہے ساری دنیا بھی اگر چاہے کہ وہ ہمیں قادیان سے دوامی طور پر نکال دے تو وہ نیست و نابود ہو جائے گی اور آخر قادیان ہمارا ہی ہوگا اور ہم اُسے حاصل کر کے رہیں گے۔ ہم نے خدا تعالیٰ کے ہاتھ دیکھے ہیں، ہم نے خدا تعالیٰ کے فرشتوں کی فوجوں کو دیکھا ہے، ہم نے اُس کے اقتدار کا خود معائنہ کیا ہے۔ ہمیں انسانی تدبیروں، مکروں اور چالوں کا کیا ڈر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام ہے۔ ''آگ سے ہمیں مت ڈرا آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے''۔[2] جنگ بھی ایک قسم کی آگ ہے۔ ہم جنگ نہیں کرتے بلکہ ہم امن کے ساتھ خدا تعالیٰ کے دین کو تمام

دنیا میں پھیلاتے ہیں لیکن ہم قادیان لیں گے اور دنیا کی آنکھیں دیکھیں گی کہ ہم نے قادیان واپس لے لیا ہے۔ بیشک وہ احمدی جو میرے سامنے بیٹھے ہیں کمزور ہیں اور جنگ کا نام سننے سے اُن کے دل کانپتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ ایسے لوگ خود پیدا کرے گا جو خون کی بہتی ہوئی ندیوں میں سے تیرتے ہوئے قادیان پہنچیں گے اور اُسے حاصل کر لیں گے اور خواہ انہیں تلوار کی نوکوں پر سے جانا پڑے، خواہ اُنہیں تلوار کی دھاروں پر چلنا پڑے وہ بہرحال قادیان کو لے کر رہیں گے اگر صلح کے ساتھ ہمیں قادیان نہ ملا تب بھی قادیان واپس لیا جائے گا اور ہم اُسے واپس لے کر رہیں گے۔" (غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

"اِس وقت جو اصل سوال ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ ہم ایک نئی زندگی اختیار کریں اور ایک نئے نظام کے ماتحت پھر خدمت اسلام میں مشغول ہو جائیں۔ ہم ایک منظّم قوم ہیں ہم پراگندہ قوم نہیں ہم کسی مرکز کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ دوسرے لوگ مرکز کے بغیر رہ سکتے ہیں لیکن ہمارے سارے کام محورِ خلافت کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ اور اِس کے معنی یہ ہیں کہ کام کرنے کے لئے کارکن بھی ہونے چاہئیں اور ایسے ادارے بھی ہونے چاہئیں جہاں کام چلانے کی تربیت دی جائے۔ اور یہ ساری باتیں تنظیم چاہتی ہیں، یہ ساری باتیں ایک مقام چاہتی ہیں، یہ ساری باتیں ایک نظام چاہتی ہیں۔ ہم پھیل کر اپنے مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے۔ ہم ایک جگہ جمع ہو کر اور ایک تنظیم میں رہ کر ہی اپنے مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم میں سے کئی لوگ ایسے ہیں جن کے پاکستان میں بھی مکانات ہیں۔ خود میرے پاس بھی پاکستان میں مکان ہے مجھے جب دوستوں نے کہا کہ کیوں نہ آپ وہاں چلے جائیں تو میں نے اُنہیں یہی جواب دیا کہ ہم نے جمع ہو کر رہنا ہے اس لئے ہم وہیں رہیں گے جہاں جماعت اکٹھی ہو سکے۔ اگر جماعت اکٹھی نہ ہو سکے تو ہماری غرض اور ہمارا مقصد مفقود ہو جاتا ہے۔

پس دوستوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارا یہ جلسہ سالانہ تفاول کے طور پر ہے تاکہ ہم ایک نئے مرکز کی بنیاد ڈالیں۔ غیب جاننے والا خدا تعالیٰ ہی ہے اور وہی جانتا ہے کہ ہمارے ارادے کس رنگ میں پورے ہوں گے۔ لیکن فی الحال میں یہی سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی مشیت اور خدا تعالیٰ کا ارادہ یہی ہے کہ ہم اِس جگہ احمدیت کے نئے مرکز کی بنیاد ڈالیں۔ ہمیں

حَاشَا وَ کَلَّا کسی خاص مقام سے کوئی تعلق نہیں جہاں خدا چاہے ہم جانے کے لئے تیار ہیں اور وہی جگہ ہمارے لئے بابرکت ہوگی۔ بہرحال یہ جلسہ ایک نئے مرکز کے قیام کی غرض سے ہے اور دنیا دیکھ رہی ہے کہ اِس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے جو نظام ہمیں بخشا ہے وہ کتنا زبردست ہے۔ دنیا کی کونسی قوم ہے جسے اتنی شدید پریشانی ہوئی ہو جتنی ہمیں ہوئی اور پھر اُس نے اکٹھے ہو کر اپنے لئے نئے مرکز کی تعمیر کی کوشش کی ہو۔ یہ صرف احمدی ہی ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ وہ اپنے لئے ایک نئی جگہ بنائیں اور نئے سرے سے اپنی ترقی کیلئے کوشش کریں۔

میں اپنے مضمون کی طرف آنے سے پہلے چند ضمنی مضامین کے متعلق بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ تمام قسم کی ترقیات اچھے لٹریچر کے ساتھ وابستہ ہیں۔انگریزی ترجمۂ قرآن کریم جو حال ہی میں شائع ہوا ہے اِس کے متعلق منتظمین نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ جماعت کے دوستوں نے اس کی خریداری کی طرف پوری توجہ نہیں کی۔ بے شک اِس کی قیمت زیادہ ہے لیکن انگریزی ممالک میں تبلیغ کا اِس سے زیادہ اچھا کوئی ذریعہ نہیں۔ یہ ترجمہ جہاں اور جس مُلک میں پہنچا ہے اِس نے تبلیغ کے لئے ایک بڑا راستہ کھول دیا ہے۔مثلاً شام کے اخباروں میں اس کے متعلق بڑے زوردار الفاظ میں مضامین نکلے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مستشرق جو اپنے آپ کو فرعون کی حیثیت دیتے ہیں اُن کے اندر بھی اِس ترجمہ کی وجہ سے کھلبلی مچ گئی ہے۔ تین بڑے مستشرقین نے اِس پر ریویو لکھے ہیں اور اتنے بغض کا اظہار کیا ہے کہ اس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ انہوں نے یہ محسوس کرلیا ہے کہ یہ ترجمہ عیسائیت کیلئے ایک بہت بڑی زد ہوگا۔ اگر یہ معمولی چیز ہوتی تو اِن مستشرقین کو کیا ضرورت تھی کہ اتنے سخت مضامین لکھتے۔ پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ انگریزی ترجمۂ قرآن کریم کی اشاعت کی طرف توجہ کریں اور یورپین ممالک میں اِسے کثرت سے شائع کرنے میں امداد دیں۔

اِسی طرح مجھے بتایا گیا ہے کہ تفسیر کبیر کی نئی جلدوں کی اشاعت کی طرف بھی جماعت نے بہت کم توجہ کی ہے حالانکہ اُردو زبان میں عام لوگ بھی قرآنی مطالب کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ تفسیر کبیر کی جو پہلی جلد چھپی تھی اُس کی پانچ روپے فی جلد قیمت رکھی گئی تھی۔ مگر سٹاک ختم

ہو جانے کے بعد احمدیوں نے اُسے سَو سَو روپیہ فی جلد کے حساب سے خریدا۔ افریقہ میں ایک دوست نے ایک جلد پچاس روپے پر فروخت کر دی اور سمجھا کہ وہ اِس قیمت سے ایک اور جلد خرید لیں گے مگر اُس نے جب یہاں لکھا کہ میرے لئے تفسیر کبیر کی وہ جلد پچاس روپے تک خرید لی جائے تو ہم نے اُسے جواب دیا کہ پچاس روپے کو تو کوئی شخص یہ جلد نہیں دیتا۔ ہاں کوشش کی جائے تو سَو روپیہ تک مل سکتی ہے۔ مگر جو جِلد اَب چھپی ہے اِس کی کافی تعداد موجود ہے اور اِس کی خریداری کی طرف دوستوں نے توجہ نہیں کی۔ اب آخری جِلد شائع ہو رہی ہے اور دوستوں کے لئے دونوں جِلدوں کا اکٹھا خریدنا مشکل ہوگا الگ الگ خریدنے میں آسانی ہوتی ہے اور کسی قسم کا بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔

الفضل والوں نے مجھ سے یہ درخواست کی تھی کہ میں جلسہ پر ان کے لئے بھی سفارش کروں لیکن جب میں آ رہا تھا تو میں نے سنا کہ وہ الفضل کے متعلق خود اعلان کر رہے ہیں۔ بہرحال الفضل ایک جماعتی اخبار ہے اور تربیت اور اصلاح و ارشاد کے لئے بہت مُمِد ہے۔ دوستوں کو اِس کی ایجنسیاں کھولنی چاہئیں اور اِس کی خریداری کو بڑھانا چاہیے۔

سب سے بڑی چیز وقفِ زندگی ہے لیکن میں افسوس سے کہتا ہوں کہ پنجاب کی تقسیم کے بعد جماعت کی توجہ اِس طرف سے ہٹ گئی ہے۔ اِس کی بڑی وجہ پریشانیاں ہیں۔ اکثر لوگ تجارتی کاموں میں لگے رہے اور جو انصار تھے وہ بھی مہاجرین کی مدد کے لئے اِدھر اُدھر بھاگتے رہے اور اِس طرف کسی نے توجہ نہیں کی لیکن وقفِ زندگی کے بغیر سلسلہ کے کام نہیں چل سکتے۔ دوستوں کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنی زندگیاں وقف کریں اور اسلام کو جلد سے جلد تمام دنیا پر غالب کرنے کے سامان بہم پہنچائیں۔ باوجود اس کے کہ ہمیں ابھی پریشانیاں لاحق ہیں، باوجود اس کے کہ ہم نے ابھی نیا مرکز بنانا ہے خدا تعالیٰ نے ہماری اشک شوئی کیلئے تبلیغ اسلام کو وسیع کر دیا ہے۔ چنانچہ گذشتہ سال جرمن میں ایک اچھی جماعت قائم ہوگئی اور ایک درجن کے قریب جرمن احمدیت میں داخل ہوئے۔ اِسی طرح ہالینڈ میں بھی جماعت احمدیہ قائم ہوگئی۔ جرمن احمدیوں میں سے مسٹر عبدالشکور کنزے کو جو پہلے سے احمدی تھے خدا تعالیٰ نے توفیق دی کہ وہ اسلام کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کریں۔ اِنہیں دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں سمجھ سکتا کہ وہ

جرمن ہیں بلکہ ہر دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ وہ کوئی مولوی ہیں۔ اِنہوں نے داڑھی رکھی ہوئی ہے اور بظاہر وہ جرمن معلوم نہیں ہوتے۔ ہالینڈ کے ایک دوست بھی اپنی زندگی وقف کرنا چاہتے ہیں اور اُن سے خط و کتابت ہو رہی ہے۔ اسی طرح جرمن کے بعض اَور دوست بھی اِس فکر میں ہیں کہ وہ اپنی زندگیاں اسلام کی خدمت کے لئے وقف کریں۔'' (الفضل ۱۳ رجولائی ۱۹۶۱ء)

''ایران میں ہمارے مبلّغ تین سال سے بیٹھے تھے اور اب تک اُنہیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ وہاں تبلیغ ہوتی رہی۔ وہاں کے مشنری نے خواب میں دیکھا کہ ایران کے جنوبی علاقہ میں خدا تعالیٰ کا فضل نازل ہوگا اور جماعت احمدیہ کو ترقی ہوگی۔ اِس کے بعد اُنہوں نے ایک علاقہ میں جس کے متعلق اُنہیں خیال تھا کہ وہ خواب میں دکھایا گیا ہے لٹریچر بھیجنا شروع کیا۔ بعض لوگ اُن سے ملنے کے لئے بھی آئے۔ اُن کے بڑے امام کو بھی کتابیں بھیجی گئیں۔ ایک دو ماہ کے بعد اُس نے اُنہیں لکھا کہ وفاتِ مسیح کا مسئلہ ثابت ہو گیا ہے اب آپ نبوت کے متعلق میری تسلی کرا دیں۔ چنانچہ خط و کتابت ہوتی رہی۔ ڈیڑھ مہینہ ہوا کہ وہ دوست احمدی ہو چکے ہیں۔ اور نہ صرف وہ اکیلے احمدی ہوئے ہیں بلکہ اُن کے مریدوں میں سے اَور بھی کئی آدمی احمدیت قبول کر چکے ہیں۔ اب اطلاع ملی ہے کہ اُس علاقہ میں جو تین ہزار سُنّی رہتے ہیں اُن میں سے اکثریت خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدی ہو چکی ہے اور باقی بھی قریب زمانہ میں اِنْشَاءَ اللّٰہُ احمدی ہو جائیں گے۔ یہ لوگ ہیں تو غریب لیکن بہت جفاکش ہیں۔ اِن کا حکومت کے ساتھ عموماً جھگڑا ہوتا رہتا ہے اور یہ اختلاف بعض اوقات لڑائیوں تک جا پہنچتا ہے۔ اِن لوگوں نے ایرانیوں کو نکال دیا تھا اور خود آزاد ہو گئے تھے لیکن اب پھر یہ ایرانی حکومت کے ماتحت ہیں۔ لیکن ایرانی ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ پھر سر نہ اُٹھائیں۔ یہ علاقہ بھی فارس کا ہے جس کے متعلق احادیث میں پیشگوئیاں ہیں کہ جب اسلام کمزور ہو جائے گا اور اُسے ضعف پہنچے گا تو خدا تعالیٰ بنو فارس میں سے ایک شخص کو کھڑا کرے گا جو دوبارہ مسلمانوں کی تنظیم کرے گا اور اسلام کو اپنی بنیادوں پر قائم کرے گا۔'' (غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

''امریکہ میں ۱۹۲۶ء سے تبلیغ ہو رہی ہے اِس وقت تک تبلیغ سیاہ فام لوگوں میں ہی ہوتی رہی ہے۔ امریکہ میں دو کروڑ کے قریب سیاہ فام لوگ بستے ہیں۔ پرانے زمانہ میں امریکہ

والے اِنہیں افریقہ سے اپنی خدمت کے لئے پکڑ لائے تھے لیکن ایک زمانہ آیا جب امریکنوں نے خود کہا کہ وہ اِنہیں غلام رکھنا پسند نہیں کرتے۔ امریکنوں کا ایک حصہ اِس بات کے حق میں تھا کہ اِنہیں غلام نہیں رکھنا چاہیے۔ لیکن دوسرے فریق نے انہیں غلام رکھنے پر اصرار کیا۔ دونوں میں لڑائیاں ہوئیں اور وہ فریق جیت گیا جو اِس بات کے حق میں تھا کہ سیاہ فام لوگوں کو غلام نہیں رکھنا چاہیے۔ اب یہ لوگ وہیں رہتے ہیں اِن میں سے کچھ لوگ لیبیا میں بسائے گئے تھے اور باقی وہیں آباد ہوگئے اِن کی تعداد اِس وقت دو کروڑ ہے۔ اِس وقت تک اسلام کلی طور پر اِنہیں لوگوں میں پھیل رہا تھا لیکن اب سفید فام لوگوں میں بھی ہماری تبلیغ شروع ہوگئی ہے اور پچھلے دنوں دو امریکن احمدیت میں داخل ہوئے ہیں اور مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ ایک امریکن نے اسلام کی خدمت کیلئے اپنی زندگی بھی وقف کر دی ہے۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ میرے وقفِ زندگی کو قبول کیا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ وہ پاکستان آ کر دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اِس کے بعد اپنے مُلک میں واپس جا کر تبلیغ کریں گے۔ اِن کے اخلاص کا یہ حال ہے کہ امریکہ کے انچارج مبلغ خلیل احمد صاحب ناصر نے اطلاع دی ہے کہ یہ دوست سَوا سولہ فیصدی کے حساب سے چندہ دے رہے ہیں اور روپیہ بھی جمع کر رہے ہیں تا کہ وہ اپنے خرچ پر پاکستان آئیں اور دینی تعلیم حاصل کریں۔" (الفضل ۱۳ر جولائی ۱۹۶۱ء صفحہ ۴ کالم ۲)

"اِسی طرح یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ امریکہ میں ہمارا مشن رجسٹرڈ کروا لیا گیا ہے جب تک مشن رجسٹرڈ نہ ہو امریکہ میں اُسے با قاعدہ طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ ہمارے مبلغوں کو بار بار تنگ کیا جاتا تھا اور حکومت اُنہیں مشنری تسلیم نہیں کرتی تھی۔ جب ہم کسی مبلغ کے بھیجنے کے متعلق کوشش کرتے تو اِس میں رُکاوٹیں ڈالی جاتیں۔ پاکستان کے امریکن سفارت خانے کو ہم نے کہا کہ تمہارے مشنری جب ہمارے ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں تو ہم اپنا مبلغ آپ کے ملک میں کیوں نہیں بھیج سکتے یہ تو بے انصافی ہے۔ چنانچہ امریکہ کے قونصل نے جو ایک شریف آدمی ہیں ہماری دلیل کی قوت کو تسلیم کیا اور اُنہوں نے خود مجھے لکھا کہ یہ آپ سے بے انصافی ہو رہی ہے۔ چنانچہ ایک پارٹی کے موقع پر وہ مجھے ملے اور اُنہوں نے خوشخبری سنائی کہ اُن کی کوشش سے امریکہ سے یہ اطلاع آ گئی ہے کہ حکومت نے یہ منظور کر لیا ہے کہ احمدی مشنریوں کو

بھی تسلیم کر لیا جائے۔ میں سرکاری اطلاع بعد میں بھجوا دوں گا اور ساتھ ہی کہا کہ آپ اب اپنے مشنوں کو رجسٹرڈ کروانے کی کوشش کریں۔ ہمارے لئے مشنوں کے رجسٹرڈ کروانے میں بہت سی دقتیں تھیں۔ حکومت کی طرف سے یہ سوال کیا جاتا تھا کہ ہم تمہارے مشن کو کیوں تسلیم کریں؟ جب آپ لوگ ہمارے مُلک میں دیر سے بس رہے تھے تو کیوں نہ آپ نے اپنے مشن کو رجسٹرڈ کروایا؟ اب انہیں رجسٹرڈ کروانے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے؟ اس بارہ میں بھی خدا تعالیٰ نے غیب سے سامان کیا اور ہمارا مشن ایک نئی جگہ پر کھل گیا۔ وہاں حبشیوں کی ایک پارٹی رجسٹرڈ تھی اس میں سے اکثریت احمدی ہوگئی اور اُنہوں نے حکومت سے درخواست کی کہ ان کے مشن کا نام تبدیل کر کے احمدیہ مشن رکھ دیا جائے۔ دوسرے مبلّغوں نے بھی اِس حوالہ سے درخواستیں دیں کہ ہماری جماعت فلاں جگہ پر رجسٹرڈ ہے اس جگہ پر بھی اِسے رجسٹرڈ کر لیا جائے۔ اب اطلاع آئی ہے کہ ہمارے دو اَور مشن بھی رجسٹرڈ ہوگئے ہیں اب اگر وہاں مبلّغ نہیں ہوگا اور جماعت حکومت کے پاس درخواست کرے گی کہ اُنہیں مبلّغ منگوانے کی اجازت دی جائے تو حکومت کے قواعد کے مطابق اسے اِس طرف توجہ دینی پڑے گی ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ حکومت ناانصافی کر رہی ہے۔

امریکن نَومُسلم یوں بھی ترقی کر رہے ہیں امریکہ کی جماعت کا بجٹ تیس ہزار روپیہ سالانہ ہے اور جس رنگ میں ترقی کر رہی ہے اِس سے میں امید کرتا ہوں کہ وہ جلد ہی لاکھوں تک پہنچ جائے گا۔ (اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی) اور امریکہ کی دولت سے یہ بعید نہیں کہ ان کا بجٹ پاکستان کی جماعت کے بجٹ سے بھی بڑھ جائے۔ مثلاً امریکہ میں اگر بیس ہزار احمدی ہو جائیں تو امریکہ میں فی آدمی اوسط آمدن سَوا تین سَو روپیہ ہے اور فیملی تین آدمی کی ہوتی ہے۔ جس کے معنی یہ ہونگے کہ وہاں سات ہزار کمانے والے ہوں گے اور ان کی بیس لاکھ ماہوار سے زیادہ آمد ہوگی۔ اگر وہ وصیت کے معیار کے مطابق چندہ دیں تو اُن کا چندہ دو لاکھ سے کچھ اوپر ہوتا ہے۔ ہمارے مُلک کی آمد کا جو اندازہ لگایا گیا ہے اس کے مطابق ہمارے مُلک کے ایک فرد کی آمد تین روپے بارہ آنے ہے۔ اور اگر تین آدمیوں کی ایک فیملی شمار کر لی جائے تو اِس کے یہ معنی ہیں کہ ایک فرد کے حصہ میں صرف سَوا روپیہ آتا ہے۔ لیکن امریکہ میں ایک خاندان (یعنی اوسط

درجہ کے خاندان) کی اوسط آمد سَوا تین سَو روپیہ ہے گویا ہماری نسبت اُن کی آمدن تیس گنے زیادہ ہے۔ اگر امراء کو بھی شامل کر لیا جائے تو ان کی اوسط آمدن اَور بھی بڑھ جاتی ہے۔

اِس سال کے دوران میں مشرقی افریقہ میں بھی لوگ احمدی ہونے شروع ہو گئے ہیں چنانچہ اِس مہینہ میں تیس احباب جماعت میں شامل ہوئے ہیں اَور بھی کئی لوگ احمدیت کی طرف توجہ کر رہے ہیں۔ اگرچہ وہ لوگ وقف کی حقیقت کو نہیں سمجھتے مگر پھر بھی بعض دوستوں نے اپنی زندگیاں خدمت دین کے لئے پیش کی ہیں اور وہ ہمارے مبلّغوں کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں اور اپنے اخلاص کا ثبوت دے رہے ہیں۔'' (الفضل ۱۴؍جولائی ۱۹۶۱ء)

''اِسی طرح اِس سال خدا تعالیٰ نے شرقِ اُردن میں بھی تبلیغ کا نیا رستہ کھول دیا ہے۔ شرقِ اُردن فلسطین کا ہی ایک حصہ علیحدہ کر کے الگ مُلک بنا دیا گیا ہے جو امیر عبداللہ کے ماتحت ہے۔ عمان سے جو شرقِ اُردن کا دارالخلافہ ہے کوئی شخص ہمارے فلسطین مشن میں آیا اور وہاں ہمارے مبلّغ رشید احمد صاحب چغتائی کو ملا اور اُن سے احمدیت کے متعلق باتیں کرنے لگا۔ جب وہ اپنے وطن واپس گیا تو اُس نے دوسرے لوگوں سے احمدیت کے متعلق باتیں شروع کیں اور ان کا طبائع پر بہت اثر ہوا اور ہمارے خیالات آگے پھیلنے شروع ہوئے۔ اُس شخص نے ہمارے مبلّغ کو لکھا کہ یہاں احمدیت کے لئے میدان تیار ہے اور بہت سے لوگ احمدی ہونے کے لئے تیار ہیں آپ اپنا مشن یہاں کھول دیں۔ عمان ایک بہت پُرانا شہر ہے اور اِس کا پُرانا نام قردیہ ہے۔ وہاں ہمارے لئے بہت سی دِقتیں تھیں مگر شام کے وزیر تعلیم نے جو ایک شریف آدمی ہیں ایک چٹھی لکھ دی کہ اِن کے راستہ میں کسی قسم کی روک نہیں ہونی چاہیے۔ اگر عمان میں احمدیت قائم ہو گئی تو یہ جگہ بھی کبابیر (فلسطین) کی طرح جہاں ہمارا مشن قائم ہے ہو جائے گی۔ یہ جگہ کبابیر سے بڑی ہے اور قصبہ ہے۔'' (غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

''سپین کے متعلق جو خبریں آ رہی ہیں وہ بھی خوشکن ہیں۔ اگرچہ وہاں لوگ مسلمان نہیں ہو رہے وہ نہایت ہی متعصب ہیں لیکن پھر بھی اُن پر اسلام اپنا اثر کر رہا ہے۔ جب ہم قادیان سے نکلے تو ہم نے کمی آمد کی وجہ سے بعض مشنریوں کو لکھا کہ یا تو تمہارے مشن بند کر دیئے جائیں گے یا تم خود گزارہ کی صورت پیدا کرو اور تبلیغ کرو سلسلہ کی طرف سے تمہیں کوئی خرچ نہیں دیا جائے

گا۔ جن مشنوں کے بند کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا اُن میں سپین کا بھی مشن تھا۔ جب ہم نے اِس قسم کی چٹھیاں بیرونی مشنریوں کو لکھیں تو اِن مبلغوں نے جواب دیا کہ آپ ہمارا خرچ بے شک بند کر دیں جس طرح بھی ہو گا ہم گزارہ کریں گے۔ چنانچہ سپین کے مبلّغ نے پھیری کر کے روزی کمانا شروع کی اور خدا تعالیٰ نے اس کی کمائی میں ایسی برکت ڈالی کہ چھ ماہ کے اندر اندر اِس نے سترہ اٹھارہ سَو روپیہ جمع کر لیا اور اس نے میرا لیکچر ''اسلام کا اقتصادی نظام'' ہسپانوی زبان میں شائع کیا۔ اس کا ان لوگوں پر بہت اثر ہوا۔ اِس لیکچر میں کمیونزم کے مقابلہ میں اسلام کا اقتصادی نظام پیش کیا گیا ہے اور سپین کے لوگ چونکہ روس کے دشمن ہیں اِس لئے اُنہوں نے اِس کتاب کو بہت پسند کیا۔ اخبارات اور رسالوں نے ریویو لکھے۔ چنانچہ کل ہی مجھے ایک ریویو ملا ہے جو ایک سرکاری اخبار میں شائع ہوا ہے۔ یہ اخبار سپین کی وزارت صنعت و تجارت اور امور خارجہ کی طرف سے ہفتہ وار شائع ہوتا ہے۔ اس میں ''اسلام کا اقتصادی نظام'' پر ایڈیٹر کی طرف سے جو انسپکٹر جنرل تجارت بھی ہے ایک ریویو شائع ہوا ہے جس کا ہیڈنگ ''اسلام اور کمیونزم'' ہے۔ ہسپانیہ کے لوگ کٹر عیسائی ہیں اور اسلام سے اُنہیں عداوت ہے لیکن جب کوئی مشترکہ بات ہو تو وہ دشمنی بھول جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''سپین کے ایک نہایت ہمدرد دوست کرم الٰہی صاحب ظفر جو ہمارے ملک میں جماعت احمدیہ کے مبلّغ ہیں حال ہی میں نہایت قیمتی خدمات سرانجام دے چکے ہیں جو صرف دلچسپ ہی نہیں بلکہ اہلِ سپین اور اہلِ اسلام کے باہمی دوستانہ تعلقات مضبوط کرنے اور ایک دوسرے کو اچھے طور پر سمجھنے کا ذریعہ ہیں۔ آپ نے جماعت احمدیہ کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کی ایک لطیف تصنیف کا ہسپانوی ترجمہ شائع کیا ہے جس کا عنوان ''حقیقی امن کی طرف لے جانے والا راستہ'' ہے اور جس کا دوسرا عنوان ''اسلام کا اقتصادی نظام'' ہے۔ موجودہ ترجمہ انگریزی سے ہسپانوی میں کیا گیا ہے جس کا اُردو میں مقابلہ کیا گیا ہے۔

یہ قدرتی امر تھا کہ کتاب کسی قدر جذباتی اور مذہبی تعصب کا رنگ رکھتی مگر باوجود اس کے کمیونزم کے مقابلہ میں نہایت شاندار طور پر اسلام کا اقتصادی نظام پیش کرتے

ہوئے وزنی دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ کمیونزم نہ صرف دنیاوی سیاسی تحریکوں اور اصولوں کے خلاف ہے بلکہ مذہبی دنیا کے بھی خلاف ہے جہاں باہم معاشرتی زندگی میں مختلف الخیال لوگوں کو خواہ وہ صحیح مذہب کے پیرو ہوں یا غلط راہ پر چل رہے ہوں پوری آزادی ہے۔

اِس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ آپ نے اِس لیکچر کے ذریعہ دنیا بھر کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی ہے کتاب نہایت اعلیٰ طور پر معلومات کا خزانہ ہے۔ خصوصاً ہم کیتھولک مذہب والوں کے لئے دوسرے مذاہب اور دوسری اقوام کے خیالات جاننے کے لئے کہ اِن لوگوں کی کمیونزم کے متعلق کیا رائے ہے یہ کتاب نہایت مفید ثابت ہوئی ہے۔

ہسپانوی ناظرین کے لئے سب سے زیادہ قابل کشش اور دلچسپ چیز اِس تصنیف لطیف میں اِس کا طرزِ بیان اور دلکش طور پر خیالات کا پیش کرنا اور زبان کی مٹھاس ہے۔ کتاب معارف سے پُر ہے اور قرآن کریم کی صحیح تفسیر اور دوسری اسلام کی مقدس کتب کے حوالوں اور نہایت گہری معلومات پر مشتمل ہے۔

سب سے زیادہ انتہائی دلچسپ اور قابل ذکر بات حضرت امام جماعت احمدیہ کا ''اسلام کا اقتصادی نظام'' دنیا کے سامنے نہایت دلچسپ رنگ میں پیش کرنا ہے اور دوسرے حصہ کے لئے جو کمیونزم کے متعلق ہے آپ زیادہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جو اصحاب اقتصادیات کے متعلق اپنی معلومات وسیع کرنا چاہتے ہوں اُن سے ہم پُر زور سفارش اِس کتاب کے مطالعہ کے لئے کرتے ہیں''۔

اِس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ہمارے لٹریچر کا غیروں پر کیا اثر ہو رہا ہے۔

اِس کے بعد میں جماعت کے دوستوں کو یہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ میں یہ سکیم یہاں لے کر آیا ہوں کہ ہم انجمن کے سارے دفاتر لاہور سے یہاں منتقل کر دیں اس لئے جیسا کہ احباب قادیان بار بار آیا جایا کرتے تھے اُسی طرح اِنہیں ربوہ میں بھی بار بار آنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر احباب بار بار ربوہ آئیں گے تو وہ ناظروں سے مل کر جماعت کی سکیموں کو معلوم کر

سکیں گے اور دوسرے لوگوں پر بھی اِس بات کا اثر ہوگا کہ کس طرح یہ لوگ اپنے نئے مرکز کو مضبوط بنانے کی کوشش کررہے ہیں۔'' (الفضل ۱۴؍ جولائی ۱۹۶۱ء)

''یہ بھی یاد رہے کہ جو لوگ آئندہ ربوہ آئیں وہ حتی الوسع ریل کے ذریعہ آئیں اور ریل کے ذریعہ جائیں۔ ریلوے حکام نے ہمارے ساتھ بہت اچھا تعاون کیا ہے اور ربوہ میں اُس وقت ریلوے سٹیشن بنایا ہے جب یہاں کوئی مکان نہیں تھا۔ یہ عمارتیں وغیرہ جو اَب بنی ہوئی ہوئی ہیں یہ ہم نے چند دنوں میں بنائی ہیں اور یہ بھی محض چھپر ہیں۔ ریلوے حکّام نے نہایت فراخدلی سے یہ جانتے ہوئے کہ جہاں اِس جماعت کا مرکز ہوگا ریل گھاٹے میں نہیں رہے گی یہاں اسٹیشن کھول دیا ہے اور آئندہ ان کا ارادہ اسے مستقل اور اہم سٹیشن بنانے کا ہے۔ انہوں نے حکّام بالا کی منظوری کے بغیر بامید منظوری یہ سٹیشن بنایا ہے اور اب انہیں دکھانا ہوگا کہ ہم نے یہاں سٹیشن کھولنے میں غلطی نہیں کی بلکہ اِس میں پاکستان کا فائدہ تھا۔ اگر جماعت کے دوست یہاں بار بار نہ آئیں گے تو اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ریلوے کی آمدنی کم دکھائی جائے گی اور حکّامِ بالا اعتراض کریں گے کہ محض خیالات پر بنیاد قائم کرکے یہاں سٹیشن کھول دیا گیا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم کسی اور ذریعہ سے سفر نہ کرو۔ ضرورت کے وقت دوسرے ذرائع سے بھی سفر کیا جاسکتا ہے لیکن جہاں تک ممکن ہو ریلوے کے ذریعہ سفر کیا جائے۔ میں نے خود اپنے سب گھر والوں کو ریل کے ذریعہ بھیجا ہے اور خود موٹر پر آیا ہوں کیونکہ اُس دن میری ایک دعوت تھی جو یونیورسٹی کی طرف سے کی گئی تھی اور وہاں مجھے کئی دوسرے لوگوں سے ملنے کا موقع مل سکتا تھا۔ میں اُس دعوت پر چلا گیا اور پھر موٹر کے ذریعہ یہاں آیا۔ پس میرا یہ مطلب نہیں کہ خواہ کچھ بھی ہو آپ لوگ صرف ریلوے کے ذریعہ سفر کریں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دوست ریلوے کے ذریعہ سفر کریں۔ میں نے تمام گھر والوں کو ریل کے ذریعہ یہاں بھیجا تھا گو موٹر کے ذریعہ آنے میں شائد تیسرا حصہ خرچ ہوتا۔ میں نے یہی سوچا کہ فائدہ اِسی میں ہے کہ میں اِنہیں ریل کے ذریعہ بھیجوں تا ریلوے کے وہ حکّام جنہوں نے ہم سے تعاون کرتے ہوئے یہاں اسٹیشن کھولا ہے بدنام نہ ہوں۔

ہمارا یہ بھی ارادہ ہے کہ سٹیشن کو اِسی صورت پر ہی قائم نہ رکھا جائے بلکہ اِسے بڑھایا جائے

اور بڑا اسٹیشن بنایا جائے۔ اب ڈاک خانہ والوں کے بھی آدمی آئے ہیں اور وہ بھی یہاں ڈاکخانہ کھولنے کے لئے تیار ہیں اور اگر بات پختہ ہوگئی تو پھر منی آرڈروں کے آنے جانے اور دوسری ڈاک میں بھی سہولت پیدا ہو جائے گی اور دوسرے لوگوں سے ہمارے تعلقات زیادہ اچھے ہو جائیں گے۔ پس جماعت کو چاہیے کہ وہ کثرت سے ربوہ آنا جانا شروع کر دے اور پھر وہ ریل کے ذریعہ سفر کرے سوائے کسی مجبوری کے یا سوائے اِس کے کہ انہیں ریل کے ذریعہ سفر کرنے میں نقصان ہوتا ہو۔

اِس کے بعد میں اس کڑی کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں جو ربوہ کے قیام کے متعلق ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے میں اِس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں جب انگریز کا راج تھا اور ہم اُس کی رعایا تھے اُس وقت حکومت میں ہمارا کوئی دخل نہیں تھا۔ اب پاکستان بن چکا ہے اور حکومت جہاں قومی ہے وہاں ہماری محسن بھی ہے۔ اِس لئے ہم پر اب پہلے سے زیادہ فرض ہے کہ اِس کی حفاظت اور مضبوطی کے لئے کوشش کریں۔ اور حفاظتیں خالی نعروں سے نہیں ہوا کرتیں، صرف منہ سے یہ کہہ دینا کہ ہم اپنے مُلک کی حفاظت کریں گے اور پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگا دینا اِس بات کا یقین نہیں دلاتا کہ پاکستان کی واقعہ میں حفاظت کی جائے گی۔ خالی نعروں سے پاکستان زندہ نہیں ہوگا۔ وہ زندہ اُسی وقت ہوگا جب آپ لوگ مُلک کی خاطر موت کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ جب تک آپ خود مردہ باد نہیں ہو جاتے پاکستان زندہ باد کس طرح ہوسکتا ہے۔ اگر آپ منہ سے ''پاکستان زندہ باد'' کے نعرے لگائیں اور جب اِس کی حفاظت کا سوال آئے تو کہہ دیں ہم اِس کے ذمہ دار نہیں تو ''پاکستان زندہ باد'' کس طرح ہوسکتا ہے۔ پاکستان اُس وقت ''زندہ باد'' ہوگا جب آپ موت کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ اور مرنے کے بھی ڈھنگ ہوتے ہیں سارے لوگ مرنا بھی نہیں جانتے۔

کہتے ہیں کسی مجلس میں ایک ڈاکٹر اور ایک اناڑی طبیب دونوں بیٹھے تھے کہ طب کا ذکر شروع ہوگیا۔ اناڑی طبیب کے متعلق ڈاکٹر نے کہا کہ اِسے طب نہیں آتی یونہی اِس نے علاج کرنا شروع کیا ہوا ہے۔ اِس پر اناڑی طبیب نے کہا جناب! یہ باتیں تو ہوتی رہتی ہیں آپ کا علم بھی ہم نے دیکھ لیا کہ وہ کتنا وسیع ہے۔ میرے بھی کئی مریض بچتے ہیں آپ کے بھی کئی مریض

بچتے ہیں۔ میرے بھی کئی مریض مرتے ہیں اور آپ کے بھی کئی مریض مرتے ہیں یا تو کہیں کہ آپ کا مریض مرتا ہی نہیں۔ ڈاکٹر ہوشیار آدمی تھا اُس نے کہا میرے مریض بچتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں لیکن تمہارے مریض بچتے ہیں تو وہ اتفاقی طور پر بچ جاتے ہیں اور میرے مریض بچتے ہیں تو وہ میرے علم کے ماتحت بچتے ہیں۔ اور پھر میرے مریض مرتے ہیں تو قانونِ قدرت کے ماتحت مرتے ہیں لیکن تمہارے مریض جہالت کی وجہ سے مرتے ہیں ورنہ موت تو بدل نہیں سکتی۔ غرض مرنے کا بھی ایک فن ہوتا ہے اور مارنے کا بھی ایک فن ہوتا ہے اور جس شخص کو یہ دونوں فن نہ آتے ہوں وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وقت آنے پر میں پاکستان کی حفاظت کروں گا اور اِسے دشمن سے بچا لوں گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے۔ کوئی بادشاہ تھا اُس نے اپنے وزیروں کو بُلایا اور اُن سے دریافت کیا کہ فوج پر کیا خرچ ہوتا ہے؟ وزیروں نے بتایا کہ مثلاً فوج پر پچاس لاکھ یا ساٹھ لاکھ روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے۔ بادشاہ نے کہا اتنا روپیہ یونہی فوج پر برباد کیا جا رہا ہے یہ تو بیوقوفی کی بات ہے۔ وزیروں نے کہا بادشاہ سلامت! پہلے سے یہی ہوتا چلا آیا ہے۔ بادشاہ نے کہا یہ بیوقوفی کی بات ہے فوج پر اتنا روپیہ خرچ نہیں کرنا چاہیے۔ لڑائی کا کیا ہے یہ قصاب جو روزانہ جانور ذبح کرتے ہیں کیا یہ فوج کا کام نہیں دے سکتے؟ جب لڑائی کا موقع آیا ہم انہیں محاذ پر بھیج دیں گے۔ چنانچہ ملک کی فوج برخواست کر دی گئی اور تمام قصابوں کو یہ کہہ دیا گیا کہ وہ وقت آنے پر لڑائی کے لئے تیار رہیں۔ ہمسایہ بادشاہ نے جب یہ دیکھا کہ اِس مُلک کا بادشاہ اتنا عقلمند ہے کہ اس نے اپنی فوج کو برخواست کر دیا ہے اور قصابوں کو لڑائی کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا ہے تو وہ اپنی فوجیں لے کر اُس مُلک پر چڑھ آیا۔ قصابوں کو حکم دے دیا گیا کہ وہ لڑائی کے لئے چل پڑیں۔ اِس پر تمام قصاب اپنی چھریاں تیز کر کے لڑائی کے لئے چل پڑے۔ پانچ چھ منٹ کی لڑائی کے بعد ہی وہ بھاگتے ہوئے بادشاہ کے پاس آئے اور شور مچانا شروع کر دیا کہ بادشاہ سلامت فریاد! فریاد! فریاد! بادشاہ اِس انتظار میں تھا کہ لڑائی کے متعلق کوئی خوشکن خبر آئے۔ وہ قصاب جب چلاتے ہوئے دربار میں آئے تو بادشاہ نے پوچھا یہ کیا؟ قصابوں نے جواب دیا بادشاہ سلامت! ہم ایک آدمی کو دو تین مل کر پکڑتے ہیں اور

قبلہ رُخ کر کے بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کرنہایت اُستادی سے ذبح کرتے ہیں مگر اتنے میں دشمن ہمارے بیس بیس آدمی مار دیتا ہے انہیں روکئے بھلا یہ بھی کوئی اُستادی ہے۔ ابھی وہ یہی باتیں کررہے تھے کہ فوج آ پہنچی اور بادشاہ قید ہوگیا۔ غرض کوئی کام بے سکیم کے نہیں ہوسکتا۔ اگر بے سکیم ہوسکتا تو پھر قصابوں کے بعد مُلک میں کسی فوج کی کیا ضرورت تھی۔ وقت آتا تو تمام قصاب نیشنل گارڈ، ہوم گارڈ اور فوج میں بھرتی کرلئے جاتے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس طرح مُلک کی حفاظت ہو جائے گی؟ تم یقیناً یہی کہو گے کہ اس طرح مُلک کی حفاظت نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ قصاب لڑائی کے فن سے واقف نہیں۔ جب تک کوئی لڑائی کے فن سے واقف نہ ہو وہ لڑائی میں مفید ثابت نہیں ہوسکتا۔ اس لئے خواہ کچھ بھی ہو پاکستانیوں کو چاہیے کہ وہ مُلک وملّت کی حفاظت کے لئے فوج میں بھرتی ہوں اور اِس طرح اپنے مُلک کی حفاظت کا صحیح طریق سیکھیں۔

میں آپ لوگوں کو سمجھانے کے لئے ایک اَور مثال بھی دے دیتا ہوں۔ کہتے ہیں کوئی پٹھان تھا اُس نے اپنی مونچھیں اونچی کرلیں اور اعلان کر دیا کہ میرے سوا کسی اور کو مونچھیں اونچی کرنے کا حق حاصل نہیں۔ اگر کسی نے مونچھیں اونچی کیں تو میں اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔ شہر والوں نے اپنی مونچھیں نیچی کرلیں اور وہ پٹھان جس کسی کی مونچھیں اونچی دیکھ لیتا وہ اُس کے کان پکڑ لیتا اور دوسرا شخص کہتا نہیں خانصاحب غلطی ہوگئی اور اپنی مونچھیں نیچی کر لیتا۔ سب شہر والے تنگ آ گئے اُنہوں نے اُس پٹھان کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانا اور اِس بات پر مصر رہا کہ مونچھیں اونچی کرانے کا اُس کے سوا اور کسی کو حق حاصل نہیں۔ شہر میں کوئی غریب امن پسند آدمی تھا، وہ عقلمند تھا جب اُس نے دیکھا کہ شہر والوں کو اس پٹھان نے تنگ کیا ہوا ہے تو اُس نے بھی مونچھیں رکھ لیں۔ وہ سارا دن گھر بیٹھا رہتا اور مونچھوں پر تیل ملتا رہتا۔ جب اُس کی مونچھیں بڑی ہوگئیں تو اُس نے تلوار نکالی اور باہر نکل کر بازار میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ اتنے میں وہ خانصاحب آئے اور جب اُسے دیکھا کہ اُس نے مونچھیں اونچی کی ہوئی ہیں تو تلوار نکال لی اور کہا ہمارے سِوا مونچھیں اونچی رکھنے کا کسی کو حق حاصل نہیں۔ اُس آدمی نے کہا کیا تم نے مونچھیں رجسٹرڈ کروا رکھی ہیں؟ تم کون ہوتے ہو اونچی مونچھیں رکھنے والے؟ اُس پٹھان نے کہا ہم نے اعلان کیا ہوا ہے کہ ہمارے سِوا کسی اور کو اونچی مونچھیں رکھنے کا حق حاصل نہیں اور جو

شخص اونچی مونچھیں رکھے گا میں اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔ اگر تم مونچھیں نیچی نہیں کرتے تو آؤ مقابلہ کرلو۔ اِس پر اُس نے تلوار کھینچ لی اور اس شخص نے بھی تلوار نکال لی۔ اور کہا خان! تمہارا تو حق ہے کہ تم میرے ساتھ لڑائی کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ لڑائی کروں گا لیکن اس میں ہمارے بیوی بچوں کا کیا قصور ہے۔ نہ میرے بیوی بچوں کا کوئی قصور ہے نہ تمہارے بیوی بچوں کا کوئی قصور ہے۔ اب اگر تم نے مجھے مار دیا یا میں نے تجھے مار دیا تو یہ بہت بڑا ظلم ہوگا ہمارے بیوی بچوں کی کون نگرانی کرے گا؟ میں پھر کہتا ہوں کہ میں ضرور لڑائی کروں گا لیکن پہلے تم بھی اپنے بیوی بچوں کو مار آؤ اور میں بھی اپنے بیوی بچوں کو مار آتا ہوں۔ پٹھان نے کہا یہ درست ہے۔ چنانچہ وہ اپنے بیوی بچوں کو مارنے کے لئے گھر چلا گیا۔ مگر دوسرا شخص وہیں ٹہلتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد پٹھان واپس آیا اور اُس نے کہا اُٹھو! میں اپنے بیوی بچوں کو مار آیا ہوں آؤ اور مجھ سے مقابلہ کرلو۔ اس شخص نے کہا کیا تم اپنے بیوی بچوں کو مار آئے ہو؟ پٹھان نے کہا ہاں۔ اِس پر اُس شخص نے کہا اگر تم اپنے بیوی بچوں کو مار آئے ہو تو میں شکست مانتا ہوں اور اپنی مونچھیں نیچی کر لیتا ہوں۔ اب دیکھو اس شخص نے عقل کی بات تو کر لی لیکن یہ فرد کا مقابلہ تھا۔ قوموں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے حکومت کے منشاء کے مطابق فوجی فنون سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اگر تم دوسری قوموں کے سامنے اپنا سر بلند رکھنا چاہتے ہو تو تمہارے لئے ضروری ہوگا کہ تم جنگ کے فنون سیکھو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فنونِ جنگ سیکھنے کا اتنا شوق تھا کہ آپ صحابہ کے دو گروہ بنا کر اُن کی آپس میں تیراندازی کروایا کرتے تھے۔ احادیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے صحابہؓ کو اکٹھا کیا اور ان کی دو پارٹیاں بنا دیں۔ آپ نے چاہا کہ میں خود بھی ایک پارٹی میں شامل ہو جاؤں۔ اِس پر دوسری پارٹی نے کمانیں نیچی جھکا دیں اور کہا ہم اِس طرف تیر نہیں چلا سکتے جدھر آپ ہوں۔[۳] بہرحال اس سے ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس قدر شوق تھا کہ آپ خود جنگ کی مشقیں کرواتے رہتے تھے حتّٰی کہ بخاری میں ایک روایت آتی ہے کہ ایک دفعہ مسجد نبوی میں بعض حبشیوں نے جنگی کرتب دکھائے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دروازے میں کھڑے ہو گئے اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا میرے کندھے میں سے

سر نکال کر دیکھ لو۔ آپ فرماتی ہیں اِس طرح میری شکل نظر نہیں آتی تھی ۔ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں میں سے فنونِ جنگ دیکھتی رہی حتیّٰ کہ آپ نے فرمایا عائشہؓ! کیا تم تھک گئی ہو؟[۴۱] پس آپ لوگوں کو چاہیے کہ جہاں جہاں موقع ملے حکومت کے منشاء کے مطابق فنونِ جنگ سیکھنے کی کوشش کرو۔ اگر پاکستان پر کبھی حملہ ہوا اور لڑائی ہوگئی تو جو لوگ فنونِ جنگ سے واقف ہونگے وہ اپنے مُلک کی حفاظت کیلئے فوج کے ساتھ مل کر مارچ کر سکیں گے لیکن اگر تم فنونِ جنگ نہیں سیکھو گے تو کیا تم صرف نعرے ہی مارتے رہو گے؟ تم کس منہ سے اپنی اولاد کے سامنے اپنا سر اونچا رکھ سکو گے؟ تم کس منہ سے اپنے ہم وطنوں کے سامنے سر اونچا رکھ سکو گے؟ تم کس طرح اپنی ماؤں کے سامنے سر اونچا رکھ سکو گے؟ تم کس طرح ان کی دعائیں لو گے کہ بیٹا زندہ رہو۔ تمہیں ان دعاؤں کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا بلکہ ماں کا اُس وقت یہ فرض ہوگا کہ وہ تمہیں کہے میرے سامنے سے دُور ہو جاؤ تم بزدل ہو تمہارا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔‘‘

(الفضل ۱۵ ؍جولائی ۱۹۶۱ء)

’’پس ہمیں اپنے مرکز کے ساتھ رہ کر کئی قسم کی پابندیاں برداشت کرنا ہوں گی۔ ہم اپنا نیا مرکز اِس لئے بنا رہے ہیں تا ہم خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلقات کو بڑھائیں، خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلقات کو وسیع کریں۔ نہ اس لئے کہ ہم خدا تعالیٰ سے اپنے تعلقات کو منقطع کر لیں۔ ہم نے اپنے آپ کو منظّم کر کے ظلم کا بدلہ لینا ہے۔ دنیا اِس ظلم کو بھول جائے تو بھول جائیمگر ہم اِسے نہیں بھولیں گے اور اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ اِس ظلم کا بدلہ نہ لے لیں۔ لاکھوں مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اُتارا گیا۔ ہزاروں عورتوں کو اغوا کر لیا گیا۔ ہزاروں بچوں کو نیزے مار مار کر مار دیا گیا۔ ہزاروں عورتوں کی عصمتوں کو لوٹا گیا۔ اُن کی چوٹیاں کاٹی گئیں۔ اُن کے پستانوں کو کاٹا گیا۔ اُن کی شرمگاہوں میں نیزے مار مار کر اُنہیں مارا گیا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جب تک کسی شریف انسان کے جسم میں خون کا ایک قطرہ تک بھی باقی ہے وہ اِن مظالم کو بُھلا نہیں سکتا۔ کوئی بے حیا شخص ہی ہوگا جس کو یہ باتیں بھول جائیں مگر ایسا آدمی صفحۂ ہستی پر رہنے کے قابل نہیں ہوسکتا۔ یہ درست ہے کہ ہماری جماعت صلح پسند ہے اور ہم صلح کے لئے ہی پکاریں گے مگر دوسری طرف ہمیں اِس ظلم کا بدلہ لینے کے لئے تیاریاں کرنا

ہوں گی اور اگر کوئی لڑائی ممکن ہے تو ہمیں اِس کے لئے ہر وقت تیار رہنا ہوگا۔''

(غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

''حضرت مسیح علیہ السلام کو ہی دیکھ لو اُنہوں نے اگر ایک طرف یہ کہا ہے کہ تمہاری ایک گال پر اگر کوئی شخص طمانچہ مارے تو تم اپنی دوسری گال بھی اُس کی طرف پھیر دو[۵] تو دوسری طرف آپ نے یہ بھی کہا کہ اگر تمہیں کرتہ بیچ کر بھی تلوار خریدنی پڑے تو تُو تلوار خرید۔[۶] اور یہ دونوں باتیں درست تھیں۔ اگر یہ دونوں باتیں متضاد ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کا کیوں حُکم دیا؟ اگر مسیح علیہ السلام کے لئے یہ دونوں باتیں ٹھیک ہوسکتی ہیں تو ہمارے لئے بھی یہ دونوں باتیں کیوں ٹھیک نہیں ہوسکتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک طرف اگر امن کا پیغام دیا تو دوسری طرف لڑائیاں بھی کیں۔ یہ ضروری نہیں کہ دونوں باتیں ایک ہی وقت میں ہوں بلکہ آپ نے یہ سکھایا ہے کہ ہر ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ موقع کے مطابق چلتا چلا جائے۔ پس ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم حکومت کی منشاء اور تجویز کے مطابق فنونِ جنگ سیکھنے کی طرف توجہ کریں اور اِس طرح وقت آنے پر اپنے مُلک کی حفاظت کریں۔''

(الفضل ۱۵؍جولائی ۱۹۶۱ء صفحہ ۵ کالم ۱)

''ہم میں سے ہزاروں ہزار ایسے ہیں جنہوں نے کشمیر کے محاذ پر جا کر ٹریننگ حاصل کی اور وقت کی ضرورت کو پورا کیا۔ جہلم میں چلے جاؤ تم دیکھو گے کہ ہر ایک غیر احمدی کے منہ پر یہ بات ہے کہ اگر کسی نے مُلک کی کوئی خدمت کی ہے تو احمدیوں نے کی ہے۔ چنیوٹ میں جلسہ کر لینے سے کیا بنتا ہے۔ تم محاذ پر چلے جاؤ اور پوچھو کہ کس نے قربانی کی ہے؟ تمہیں ایک ایک بچہ ایسا ملے گا جو کہے گا کہ اگر قربانی کی ہے تو احمدیوں نے کی ہے۔ تم محاذ پر چلے جاؤ اور فوجیوں سے پوچھو کہ اُن کے ساتھ مل کر کس نے کام کیا ہے؟ تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ہمارے فرقان کے سپاہی منظّم فوج سے کسی صورت میں کم نہیں۔ نوشہرہ کے محاذ پر ایک قلعہ کے اوپر جب پاکستانی فوجوں نے حملہ کیا اور فرقان فورس کو اپنے ساتھ شامل کر لیا اُس وقت پاکستانی فوج کے آدمی دو تین گنا زیادہ تھے اور احمدی والنٹیئر ایک تہائی حصہ کے قریب تھے لیکن جس وقت وہ سرنگوں اور بموں کے علاقے کو پار کر کے اپنی منزل مقصود پر پہنچے تو کل چالیس آدمی تھے۔ جن میں سے ۲۹

احمدی تھے اور گیارہ دوسرے تھے۔ اگر تم فنونِ جنگ سیکھو گے تو ایمان کی وجہ سے تمہارے اندر جرأت پیدا ہوگی بلکہ تم دوسروں کے اندر بھی دلیری پیدا کرسکو گے لیکن اگر تم فنونِ جنگ نہیں سیکھو گے تو دوسروں کے سامنے کیا نمونہ پیش کرو گے۔'' (غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

''تم شاید کہہ دو کہ ہم چندہ زیادہ دیتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ایمان اور اخلاص کا کیا تقاضا ہے؟ اخلاص تو یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ خدا مانگے وہ دو۔ یہ نہیں کہتا کہ خدا تعالیٰ جان مانگے تو تم جان نہ دو۔ اگر تمہارے اندر اخلاص ہے تو تم چندہ بھی دو گے، وطن کیلئے ہر قسم کی قربانیاں بھی کرو گے اور اگر تمہاری جان کی ضرورت پڑے تو بشاشت کے ساتھ تم اپنی جان بھی پیش کرو گے۔''

(الفضل ۱۵ر جولائی ۱۹۶۱ء صفحہ ۵ کالم ۱)

''یہ وہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے ہم ربوہ میں آئے ہیں۔ یہ آواز ہے جو ربوہ سے اُٹھائی جائے گی۔ آج جو لوگ ہم پر غداری کا الزام لگاتے ہیں اگر ملک پر کوئی کٹھن وقت آیا تو وہ بھگوڑے ہوں گے اور اوّل صف میں احمدی کھڑے ہونگے۔ مگر وہ مخلص احمدی ہونگے منافق نہیں۔

میں نے پہلے بھی سنایا تھا اور آج عورتوں میں تقریر کرتے ہوئے بھی اِس کا ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ جن کو تم کمی کہا کرتے تھے وہ زیادہ قربانی کررہے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنے آپ کو جاٹ اور راجپوت وغیرہ کہہ کر مجلس میں اپنی بڑائیاں بیان کیا کرتے تھے وہ قربانی میں کم ہیں۔ بلکہ وہ عورتیں جن کو تم کمزور سمجھتے تھے وہ تم سے زیادہ قربانیاں کررہی ہیں۔ گوجرانوالہ کے ضلع میں ایک بیوہ عورت تھی وہ بڑی عمر کی تھی اور اُس کا خاوند مر چکا تھا۔ اُس کا ایک ہی بیٹا تھا اُس کے گاؤں میں ہمارا آدمی پہنچا جو فرقان فورس کے لئے ریکروٹ لینے گیا تھا۔ لوگوں کو اکٹھا کیا گیا اور ہمارے اُس مبلّغ نے تقریر کی اور نوجوانوں کو اِس مقصد کے لئے بُلایا۔ لیکن کمزور دل مرد خاموش اور سر جھکائے کھڑے رہے تب وہ بیوہ عورت اُٹھی اور اُس نے پردہ میں اُسے آواز دی اور بڑے جوش سے کہا او فلانے! اپنے بیٹے کا نام لے کر کہا تو سنتا نہیں! دین کے لئے جان کی ضرورت ہے اور تو خاموش کھڑا ہے! تو جواب کیوں نہیں دیتا؟ وہ بچہ آگے آیا اور اُس نے اپنا نام لکھوایا۔ یہ وہ قربانی کا مظاہرہ تھا جو ایک بیوہ اور بوڑھی عورت کی طرف سے کیا گیا۔ اور میں

یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ عورت بھی انہی لوگوں میں سے تھی جن کو تم کمی کہتے ہو۔ جب یہ خط مجھے پہنچا میں نے لفافہ کھولا اور پڑھنا شروع کیا جب میں وسطِ خط میں پہنچا تو میرے دل میں اِس واقعہ کا اتنا اثر ہوا کہ میں نے خط بند کر دیا اور میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ اے خدا! میرا بھی حق ہے کہ میں تیری راہ میں قربانیاں کروں۔ اگر تیری راہ میں کسی جان کی ضرورت ہے تو اے خدا! میری تجھ سے درخواست ہے کہ تو میرے کسی بیٹے کی جان لے لیجیو مگر اِس بڑھیا ماں کا بچہ صحیح سلامت واپس آ جائے۔

اِسی طرح لائلپور کی ایک عورت کا بھی ایسا ہی واقعہ ہے۔ لائلپور میں بھی ایک عورت تھی۔ اور وہ بھی انہی لوگوں میں سے تھی جن کو تم کمی کہتے ہو۔ لیکن خدا تعالیٰ کی نظر میں وہ تم سے زیادہ عزت والی تھی۔ وہ عورت ترکھان تھی۔ جب ہمارا مبلّغ وہاں گیا اور اُس نے کہا اِس وقت ملک کی حفاظت اور اُس کی عزت کا سوال ہے پاکستان کے احمدیوں کو چاہیے کہ وہ اِس کے لئے آگے بڑھیں اور اپنی جانیں پیش کریں تو اُس عورت نے کہا کیا واقعہ میں دین کو جان کی ضرورت ہے؟ ہمارے مبلّغ نے کہا ہاں اِس وقت دین اور ملک کی حفاظت کے لئے جان کی قربانی کی ضرورت ہے۔ اُس عورت کے دو لڑکے اور دو پوتے تھے اُس نے کہا اگر یہ بات درست ہے تو میں اپنے چاروں بچوں کو پیش کرتی ہوں تم بیشک اِن چاروں کو لے جاؤ۔ پھر اُس نے اپنے لڑکوں کو اور پوتوں کو بُلا کر کہا کہ دین اور مُلک کی حفاظت کے لئے تمہاری جانوں کی ضرورت ہے۔ احمدی فوج کی طرف سے تمہیں بُلایا جا رہا ہے تم چاروں چلے جاؤ اور یاد رکھو میں اُس وقت تک گھر میں نہیں گھسوں گی جب تک تم چاروں یہاں سے چلے نہیں جاتے۔ ہمارے مبلّغ نے کہا ہمیں تمہارے دونوں لڑکوں اور پوتوں میں سے صرف ایک چاہیے لیکن وہ عورت نہ مانی۔ آخر بڑے اصرار کے بعد اُس نے کہا پھر دو کو تو ضرور لے جاؤ۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے قومیں بڑھتی ہیں اور دشمن کے مقابلہ میں وہ شرمندہ نہیں ہوتیں۔

جہلم کی جماعت ایسی ہے جس نے باقی جماعت کے سامنے ایک نمونہ پیش کر دیا ہے اور ایسی باقاعدگی سے اس کام میں حصہ لیا ہے کہ کسی اور شہر کے احمدیوں نے ایسا نمونہ نہیں دکھایا۔ کراچی، سیالکوٹ، لاہور، راولپنڈی، ملتان اور لائلپور جیسے بڑے بڑے شہر موجود ہیں لیکن اُن

میں سے کسی شہر نے بھی ایسا نمونہ نہیں دکھایا جو جہلم کی جماعت نے دکھایا ہے۔ اگر یہ سچ نہیں تو وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جنہوں نے اپنی اپنی جماعت کا پورا ۶۴ واں حصہ فرقان فورس میں بھیجا ہے۔ اِس کے مقابلہ میں جہلم کے امیر کی طرف سے جب کسی کو محاذ پر جانے کے لئے کہا گیا تو اُس نے انکار نہیں کیا بلکہ اُس نے کہا اگر مجھے ملازمت سے استعفیٰ بھی دینا پڑے تو میں ضرور جاؤں گا۔ چھٹیاں دوسری جگہوں پر بھی مل سکتی ہیں پھر جو کام جہلم کی جماعت کر سکتی ہے وہ دوسری جماعتیں کیوں نہیں کر سکتیں۔ آخر وہ کون سا وقت آئے گا جب تم فنونِ جنگ سیکھو گے اور دشمن کے سامنے اپنی چھاتی تان کر کھڑے ہو جاؤ گے۔ اگر تم اب ایسا نہیں کرتے تو وقت آنے پر سوائے ناکامی اور حسرت سے تمہیں اور کیا ملے گا۔ لوگ اِس بات پر چڑتے ہیں کہ ایک طرف تو ہم پاکستان سے وفاداری کا اعلان کرتے ہیں اور دوسری طرف ہماری یہ مذہبی تعلیم ہے کہ احمدی خواہ کسی مُلک میں ہوں وہ اپنے اپنے مُلک کے وفادار رہیں۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں درست ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو احمدی انڈین یونین میں رہتے ہیں وہ انڈین یونین کے وفادار رہیں گے۔ یہی قائداعظم نے کہا تھا اور یہی گاندھی جی نے کہا تھا اور جو اِس کے خلاف لکھتا ہے وہ قائداعظم پر الزام لگاتا ہے۔ ہماری تو تعلیم ہی یہی ہے کہ ہمارے احمدی جس مُلک میں بھی رہیں گے وہ اُس کے وفادار رہیں گے۔ ہاں زائد فرق یہ ہے کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ ساری دنیا میں اسلام کی ترقی کے ذرائع موجود ہیں اور جب تک ہم اس اصول پر عمل نہ کریں کہ جس مُلک میں ہم رہیں اُس کے وفادار بن کر رہیں ہم اُن ذرائع سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے''۔

اِس موقع پر حضور نے فرمایا:۔

''ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ انشورنس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ اِس کے متعلق میں اس وقت صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اب تک انشورنس کا جو طریق رائج ہے وہ اسلام کے خلاف ہے جب کوئی ایسا طریق نکل آئے گا جو اسلام کی اجازت میں آجاتا ہو تو میں اُس کو جائز قرار دے دوں گا۔

اِسی طرح میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ربوہ میں مکان بنانے کے لئے کچھ شرائط ہوں گی

جن کی پابندی لازمی ہوگی۔ مثلاً ربوہ میں مکانات بنانے والوں اور دُکانیں کھولنے والوں کے لئے یہ بات لازمی قرار دے دی جائے گی کہ وہ ایک سال میں ایک ماہ خدمت دین کے لئے وقف کریں۔ جو شخص قومی خدمت کے لئے سال میں ایک ماہ نہیں دے گا اُسے کہہ دیا جائے گا کہ جاؤ تم ربوہ میں نہیں رہ سکتے۔ پھر ربوہ میں رہنے والوں میں سے ہر ایک کے لئے یہ شرط ہوگی کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم دلائے۔ ربوہ میں ایک بھی جاہل نہیں رہنے دیا جائے گا۔ پھر یہ بھی شرط ہوگی کہ وہ باقاعدہ پانچ وقت نماز کا پابند ہو۔ اگر وہ نماز کا پابند نہیں تو اُسے یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ زمین کی فروخت کے متعلق بعض شرائط پہلے بتا دی گئی تھیں اور بعض شرائط میں نے اب بتا دی ہیں۔ ربوہ میں رہنے والوں کو اخلاقی تعلیم پر پابند رہنا پڑے گا مثال کے طور پر جس کی کوئی چوری ثابت ہوئی اُسے نکال دیا جائے گا۔ اس طرح اور بعض اخلاقی ذمہ داریاں ہوں گی جو ربوہ میں آباد ہونے والوں کو اُٹھانا ہوں گی اور اُنہیں ایک نظام کے ماتحت رہنا پڑے گا۔ پس جو شخص ربوہ میں آباد ہونے کے لئے آنا چاہے اُس کے لئے یہ لازمی ہوگا کہ وہ ان شرائط پر پورے طور پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو ورنہ اُسے نکال دیا جائے گا اور مکان اور زمین کی رائج الوقت قیمت اُسے دے دی جائے گی۔ ہم اِس مرکز کو مستقل طور پر اسلامی نمونہ کا شہر بنانا چاہتے ہیں۔ یہاں پر داڑھی منڈانے کی اجازت نہیں ہوگی اور جو شخص داڑھی منڈائے گا وہ یہاں نہیں رہ سکے گا۔ غرض یہاں رہنے کے لئے اسلامی قیود لازم ہوں گی۔ بیشک تجسس نہیں کیا جائے گا لیکن جو عیب ظاہر ہوگا اُسے ہم برداشت نہیں کریں گے۔ یہ برداشت نہیں کیا جائے گا کہ کسی میں ظاہری عیب بھی پایا جائے اور وہ ربوہ کا باشندہ بھی کہلائے۔''

(غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

''اب میں اپنے اصل مضمون کی طرف آتا ہوں مگر اس سے پہلے میں آپ لوگوں کو ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ آج سے قریباً ۲۳، ۲۴ سال پہلے کی بات ہے یونان میں ایک شخص ہوا کرتا تھا وہ یہ تعلیم دیا کرتا تھا کہ خدا ایک ہے اور وہ دیویاں اور بُت جن کے لوگ معتقد ہیں باطل ہیں ہاں خدا تعالیٰ کے فرشتے موجود ہیں اور کائنات کے مختلف کام ان کے سپرد ہیں۔ وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ خدا تعالیٰ اپنی مرضی اپنے نیک بندوں پر ظاہر کرتا ہے اور اس کے فرشتے اس

کے نیک بندوں پر جلوہ گر ہوتے اور ان سے کلام کرتے ہیں۔ اس کی یہ بھی تعلیم تھی کہ جس حکومت کے ماتحت تم رہو اُس کے فرمانبردار رہو۔ اگر تم نے دنیا میں امن قائم رکھنا ہے تو تمہیں حکومت سے اپنے مطالبات ہمیشہ امن کے ساتھ منوانے چاہئیں اور اگر کسی وقت تمہیں اُس حکومت پر اعتماد نہ رہے بلکہ تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے مذہبی احکام کے بجا لانے میں روک بنتی ہے اور تم پر مظالم ڈھاتی ہے اور جبراً تمہارا مذہب تم سے چھڑانا چاہتی ہے تو تمہیں اُس مُلک کو چھوڑ دینا چاہیئے اور ایسی حکومت کے ماتحت جا کر بس جانا چاہیئے جو خدائی احکام کے بجا لانے میں کوئی روک پیدا نہ کرتی ہو۔ یہ ساری تعلیمیں قرآن کریم میں بھی موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ شخص کامل طور پر نبی نہیں تھا تو ایک مأمور من اللہ یا مجدد کی حیثیت ضرور رکھتا تھا۔ اُس کا نام سقراط تھا۔ جب حکومت کو یہ معلوم ہوا کہ وہ حکومت کے خلاف تعلیم دیتا ہے تو اس پر مقدمہ چلایا گیا اور مقدمہ چلانے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اُسے زہر پلا کر موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ پُرانے زمانہ میں یہ بھی سزا کا ایک طریق تھا کہ جس شخص کو موت کی سزا دی جاتی تھی اُسے زہر پلا کر مار دیا جاتا تھا۔ سقراط کی سزا کے لئے کوئی معین تاریخ مقرر نہ ہوئی ہاں یہ بتایا گیا کہ جس دن فلاں جہاز جو فلاں جگہ سے چلا ہے اِس مُلک میں پہنچے گا تو اُس کے دوسرے دن اُس کو مار دیا جائے گا۔ سقراط کے ماننے والوں میں بہت سے ذِی اثر لوگ بھی تھے وہ اُس کے پاس جاتے اور اُس پر زور دیتے کہ وہ مُلک کو چھوڑ دے اور کسی اَور مُلک میں جا بسے۔ افلاطون بھی سقراط کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد تھا۔ وہ اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے کہ ایک دن سقراط کا فریتو نامی شاگرد اُن کے پاس گیا۔ وہ اُس وقت میٹھی نیند سو رہے تھے اُن کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور اُن کے جسم سے اطمینان اور سکون ظاہر تھا۔ فریتو پاس بیٹھ گیا اور پیار سے آپ کا چہرہ دیکھتا رہا۔ آپ کی اِس حالت کو دیکھ کر کہ آپ نہایت اطمینان سے سو رہے ہیں اُس پر گہرا اثر ہوا۔ اس نے آپ کو جگایا نہیں بلکہ آرام سے پاس بیٹھ کر آپ کا چہرہ دیکھتا رہا۔ جب آپ کی آنکھ کھلی تو آپ نے دیکھا کہ آپ کا فریتو نامی شاگرد آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہے اور پیار سے آپ کی طرف دیکھ رہا ہے۔ آپ نے اُس سے پوچھا تم کب آئے ہو اور کس طرح یہاں پہنچے ہو؟ فریتو نے کہا میں آپ کو دیکھنے کے لئے آیا ہوں۔ آپ نے کہا تم

اتنی جلدی صبح صبح کس طرح آ گئے؟ فریتو نے کہا جیل کے افسر میرے دوست ہیں، اس لئے اندر آنے کی مجھے اجازت مل گئی میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا معلوم ہوتا ہے تم بہت دیر سے یہاں بیٹھے ہو۔ تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟ فریتو نے کہا میں جب کمرے میں داخل ہوا تو آپ سوئے ہوئے تھے اور آپ کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی اِس لئے میں نے آپ کو جگایا نہیں بلکہ آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ اِس بات کا مجھ پر گہرا اثر ہوا کہ وہ شخص جس کی موت کا حُکم سنایا گیا ہے کس اطمینان اور سکون سے سویا ہوا ہے۔ سقراط نے کہا میاں! کیا خدا تعالیٰ کی مرضی کو کوئی انسان دور کر سکتا ہے؟ فریتو نے کہا نہیں۔ سقراط نے کہا کیا تم اُس کی مرضی پر خوش نہیں؟ فریتو نے کہا ہاں ہم اُس کی مرضی پر خوش ہیں۔ سقراط نے کہا جب خدا تعالیٰ نے میرے لئے موت کو مقدر کیا ہے تو اُس کو کون ہٹا سکتا ہے؟ اور جب خدا تعالیٰ نے ہی میرے لئے موت مقدر کی ہے اور میں اُس کی رضا پر راضی ہوں تو پھر اِس پر بے چینی کی کیا وجہ؟ مجھے تو خوش ہونا چاہئے کہ میرے خدا کی یہ مرضی ہے کہ وہ مجھے موت دے۔ فریتو تم بتاؤ کہ اِس وقت تم مجھے کیا کہنے آئے تھے؟ فریتو نے جواب دیا میرے آقا میں آپ کو ایک بڑی خبر دینے آیا تھا کہ وہ جہاز جس کی آمد کے دوسرے دن آپ کو زہر پلائے جانے کا فیصلہ ہے وہ گو ابھی تک پہنچا تو نہیں لیکن خیال ہے کہ آج شام کو پہنچ جائے گا اِس لئے کل آپ کو مار دیا جائے گا۔ اِس پر سقراط ہنس پڑے اور کہا میرا تو یہ خیال نہیں کہ وہ جہاز آج پہنچے، وہ کل یہاں پہنچے گا۔ فریتو نے کہا وہ جہاز فلاں جگہ پر لگا ہوا ہے اور ایک آدمی خشکی کے ذریعہ یہاں آیا ہے اور اس نے بتایا ہے کہ وہ جہاز آج شام تک یہاں پہنچ جائے گا کل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سقراط نے کہا فریتو! بے شک اس شخص نے یہ بتایا ہے کہ جہاز آج شام تک یہاں پہنچ جائے گا لیکن جب خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ جہاز کل یہاں پہنچے گا تو ویسا ہی ہوگا۔ فریتو نے کہا میرے آقا آپ کو کیسے علم ہوا کہ وہ جہاز کل یہاں پہنچے گا؟ سقراط نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک خوبصورت عورت میرے پاس آئی ہے اُس نے میرا نام لیا اور کہا۔ تیار ہو جاؤ پرسوں جنت کے دروازے تمہارے لئے کھول دیئے جائیں گے۔ فریتو! کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ جہاز آج شام کو یہاں پہنچ جائے گا؟ اگر جہاز آج یہاں پہنچ جائے تو کیا کل مجھے سزا دے

دی جائے گی؟ لیکن فرشتے نے مجھے کہا ہے کہ پرسوں تمہارے لئے جنت کے دروازے کھولے جائیں گے اس لئے جہاز آج نہیں آئے گا کل آئے گا اور پرسوں مجھے مار دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک طوفان آیا اور جہاز کو وہیں ٹھہرنا پڑا اور دوسرے دن وہ اس شہر میں پہنچ سکا اور تیسرے دن وہ مارے گئے۔ آپ کی بات سننے کے بعد اُس شاگرد نے کہا آپ کیوں ضد کر رہے ہیں کیا آپ کو ہم پر رحم نہیں آتا؟ اگر آپ زندہ رہیں گے تو ہمیں آپ سے بہت فوائد حاصل ہوں گے۔ اگر آپ یہاں سے بھاگ جائیں اور کسی اَور حکومت کے زیر سایہ رہنا شروع کر دیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ سقراط نے کہا میں اِس مُلک سے کس طرح بھاگ سکتا ہوں؟ کیا میں عورتوں کا لباس پہن کر یہاں سے بھاگ جاؤں؟ اگر میں عورتوں کا لباس پہن کر یہاں سے بھاگ جاؤں تو لوگ کہیں گے سقراط عورتوں کا لباس پہن کر بھاگ گیا۔ یا پھر میں جانوروں کی کھال میں لپٹ کر یہاں سے بھاگ جاؤں؟ کیا اِس سے میری عزت ہوگی؟ فریتو نے کہا میرے آقا! یہ ٹھیک ہے لیکن ہم ان چیزوں کے بغیر آپ کو نکالیں گے۔ میں ایک مالدار آدمی ہوں اور فوجی افسر میرے تابع ہیں میں نے اُن سے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ میری اِس بارہ میں مدد کریں گے اور آپ کو عزت کے ساتھ کسی اور مُلک میں چھوڑ آئیں گے جن میں سے اُس نے کریٹ کا نام بھی لیا۔ سقراط نے کہا پھر تم جانتے ہو کیا ہوگا؟ ایک بھاری رقم بطور تاوان ڈالی جائے گی اور جب ایسا ہوگا تو فریتو تم ہی بتاؤ کیا یہ اچھی بات ہوگی کہ میں اپنی جان بچانے کے لئے اپنے ایک شاگرد کو تباہ کروں؟ فریتو نے کہا میرے آقا! آپ اِس کا خیال نہ کریں آپ کے شاگرد بہت سے ہیں اور یہ رقم ہم آپس میں بحصۂ رسدی تقسیم کر لیں گے۔ سقراط نے کہا ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن جب حکومت کو پتہ چلا تو وہ سب کو قید کر لے گی۔ فریتو نے کہا ہاں آقا۔ مگر وہ کچھ مدت کے بعد ہمیں چھوڑ دے گی۔ سقراط نے کہا مگر کیا یہ اچھی بات ہوگی کہ میں اپنی جان بچانے کے لئے اپنے شاگردوں کو قید خانہ میں ڈلواؤں؟ فریتو نے کہا مگر آقا! آپ سوچئے آپ روحانیت کی تعلیم دیں گے اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف لائیں گے یہ کتنا بڑا کام ہے اس کے لئے اگر ہم قید میں بھی گئے تو کیا ہوا۔ سقراط نے کہا یہ بات ٹھیک ہے اور شاید یہ بات سوچنے کے قابل ہو مگر فریتو میں جو ۸۵ سال کا ہو گیا ہوں اگر کسی مُلک میں جاتے ہوئے رستہ میں مر جاؤں

تو مجھے کون عقلمند کہے گا کہ میں نے یونہی مفت میں تباہی ڈال دی۔ پھر اُنہوں نے کہا اے میرے شاگرد! تم بتاؤ تو سہی میں تمہیں اِس حکومت کے بارہ میں جس کے ماتحت تم رہتے ہو کیا تعلیم دیا کرتا تھا۔ فریتو نے کہا آپ ہمیں یہی تعلیم دیا کرتے تھے کہ اِس حکومت کا ہمیشہ فرمانبردار رہنا چاہئے۔ سقراط نے کہا اب تم ہی بتاؤ کہ میں اِس چیز کی ساری عمر تعلیم دیتا رہا اب اگر میں موت کے ڈر سے اِس مُلک سے بھاگ جاؤں تو دنیا یہی کہے گی نا کہ میں یہاں کی زندگی میں جھوٹے دعوے کیا کرتا تھا پھر تم ہی بتاؤ کہ کیا حکومت ظالم ہے جس کی وجہ سے ہمیں اِس مُلک سے نکلنا اور اِس کے قانون کو توڑنا جائز ہے؟ دنیا کی کوئی حکومت اپنے آپ کو ظالم نہیں کہتی۔ اگر میں یہاں سے پوشیدہ کسی اور مُلک میں بھاگ جاؤں تو میری بات دوسروں پر کیا اثر کرے گی۔ ہر ایک یہی کہے گا کہ یہ تو وہی بات ہے جس پر اِس نے خود عمل نہیں کیا۔ میں اِس حکومت میں پیدا ہوا اور دعوے کے بعد چالیس سال تک اِس مُلک میں رہا کیا چالیس سال کے عرصہ میں میرے لئے اس مُلک کو چھوڑ جانے کا موقع نہ تھا؟ حکومت یہ کہے گی کہ اگر ہم ظالم تھے تو یہ چالیس سال کے دوران میں کیوں باہر نہیں چلا گیا بلکہ یہ تو ہمارے انصاف کا اتنا قائل تھا کہ یہ شہر سے باہر بھی نہیں نکلتا تھا۔ میں اِن باتوں کا کیا جواب دوں گا؟ غرض اس نے ایک لمبی بحث کے بعد کہا خلاصہ یہ ہے کہ میں یہیں رہوں گا اور حکومت کے مقابلہ کے لئے تیار نہیں ہوگا۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے سقراط کا یہ دعویٰ تھا کہ اُسے الہام ہوتا ہے اور اُس نے اپنے الہام کی ایک معین صورت کو پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ جہاز آج نہیں پہنچے گا کل پہنچے گا۔ میرے خدا نے مجھے کہا ہے کہ تمہارے لئے جنت کے دروازے پرسوں کھول دیئے جائیں گے۔ یہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ وہ شخص خدا تعالیٰ سے تائید حاصل کرنے والا تھا۔ اُس نے اپنی جگہ سے نکلنے کا نام نہیں لیا۔

ہماری جماعت میں سے بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں قادیان سے کیوں باہر نکلا؟ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں قادیان سے نہیں نکلنا چاہیے تھا اور میں نے خود بھی کہا تھا کہ میں قادیان سے نہیں نکلوں گا بلکہ میں نے بتایا ہے کہ سقراط جو ایک مامور من اللہ تھا اُس کی زندگی میں بھی ایک واقعہ پیش آیا اور اُس نے اپنے شہر سے نکلنے سے انکار کر دیا۔'' (الفضل ۱۶؍جولائی ۱۹۶۱ء)

’’جیسا واقعہ سقراط کو یونان میں پیش آیا تھا ویسا ہی واقعہ مجھے قادیان میں پیش آیا لیکن ایک اور واقعہ بھی ہے جو ہمیں ایک اَور نبی اللہ کے متعلق ملتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ فیصلہ تھا کہ وہ یہود کی بادشاہت کو دوبارہ دنیا میں قائم کریں گے۔ مگر آپ پر ایک وقت ایسا آیا جب سارا مُلک آپ کا دشمن ہو گیا اور اُس کی دشمنی ایک خطرناک صورت اختیار کر گئی۔ یہودیوں نے حکومت کے نمائندوں کے پاس آپ کے متعلق شکایتیں کیں اور آپ کو پکڑوا دیا گیا اور آخر حُکّام کو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا گیا کہ آپ باغی ہیں۔ جس طرح یونان کے مجسٹریٹوں نے یہ فیصلہ کیا کہ سقراط باغی ہے اِسی طرح فلسطین کے مجسٹریٹوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام باغی ہیں دونوں کے متعلق ایک ہی قسم کا الزام تھا۔ سقراط کے پاس جب ان کے شاگرد گئے اور آپ کو انہوں نے کہا کہ آپ مُلک سے نکل جائیں تو سقراط نے کہا نہیں نہیں میں اِس مُلک سے باہر نہیں نکل سکتا خدا تعالیٰ کی تقدیر یہی ہے کہ میں یہاں رہوں اور زہر کے ذریعہ مارا جاؤں۔ اگر میں اِس مُلک سے باہر نکلتا ہوں تو خدا تعالیٰ کے منشاء کے خلاف کرتا ہوں۔ اِدھر حضرت مسیح علیہ السلام کو جب یہ کہا گیا کہ آپ کو پھانسی پر لٹکا کر مارا جائے گا تو آپ نے فرمایا میں اِس کے لئے تیار نہیں ہوں میں کوئی تدبیر کروں گا تا کسی طرح سزا سے بچ جاؤں۔ اور مسیح علیہ السلام نے تدبیر کی اور جیسا کہ آپ کو پہلے بتا دیا گیا تھا آپ کو دو تین دن تک قبر میں رکھا گیا اور پھر وہاں سے صحیح سلامت نکال لیا گیا۔ آپ اپنے حواریوں سے ملے اور انجیل کے بیان کے مطابق آپ آسمان پر اُڑ گئے لیکن دُنیوی تاریخ کے مطابق آپ نصیبین، ایران اور افغانستان کے راستہ ہوتے ہوئے ہندوستان چلے آئے۔ پہلے آپ مدراس گئے پھر آپ گورداسپور آئے۔ پھر کانگڑہ کی طرف چلے گئے مگر وہاں موسم اچھا نہ پا کر آپ تبت کے پہاڑوں کے راستہ سے کشمیر چلے گئے۔ گویا ایک طرف یہ مثال پائی جاتی ہے کہ مامور من اللہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ اُسے مار دیا جائے۔ اُس کے ساتھی اسے نکالنے کے لئے بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتے ہیں اور پولیس بھی اُن کے اِس کام میں ہمدردی کرتی ہے مگر وہ انکار کر دیتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کے اصرار کے باوجود یہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ یہاں سے کسی اور مُلک میں جانے کے لئے تیار نہیں۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آتا ہے وہ بھی

مامور من اللہ اور خدا تعالیٰ کے ایک نبی تھے اور جیسا کہ واقعات بتاتے ہیں سقراط بھی ایک مامور من اللہ تھا۔ دونوں ایک ہی منبع سے علم حاصل کرنے والے تھے، ایک ہی قسم کا کام ان کے سپرد تھا۔ لیکن ایک کو جب کہا جاتا ہے کہ آپ یہاں سے نکل جائیں تو وہ یہ جواب دیتا ہے کہ میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا اور خدا تعالیٰ کی تقدیر یہی ہے کہ میں یہیں مارا جاؤں اگر میں یہاں سے نکلتا ہوں تو خدا تعالیٰ کے منشاء کے خلاف کرتا ہوں۔ لیکن دوسرے شخص یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو جب سزا کا حکم سنایا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں میں کوشش کروں گا کہ یہاں سے نکل جاؤں اَور کسی اور جگہ چلا جاؤں۔ یہ واقعات اِس طرح کیوں ہوئے؟ کیا سقراط جھوٹا تھا یا کیا حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک خطرناک غلطی کی اور اپنے آپ کو تقدیر الٰہی سے بچانے کی کوشش کی؟

حقیقت یہ ہے کہ سقراط اُسی شہر کی طرف مبعوث تھا جس کے رہنے والوں نے آپ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ سقراط اُن جگہوں کے لئے مبعوث نہیں تھا جن کی طرف بھاگ جانے کے لئے اُسے اُس کے شاگرد مجبور کرتے تھے۔ سقراط دوسری قوموں کی طرف مبعوث نہیں تھا لیکن مسیح علیہ السلام کو یہ کہا گیا تھا کہ تم بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں تک بھی میرا یہ پیغام پہنچاؤ اور یہ بھیڑیں ایران، افغانستان اور کشمیر میں بھی بستی تھیں۔ سقراط اگر اپنے شہر کو چھوڑتا تھا تو وہ ایک مکتب اور مدرسہ کو چھوڑتا تھا جس کے لئے اُسے مقرر کیا گیا تھا۔ مثلاً ایک لوکل سکول میں کسی کو ہیڈ ماسٹر مقرر کیا جاتا ہے تو وہ اُس سکول کو بِلا اجازت نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر وہ اُس سکول کو بِلا اجازت چھوڑے گا تو وہ مجرم ہوگا۔ لیکن ایک انسپکٹر کو اپنے حلقہ میں کسی جگہ پر جانا پڑتا ہے تو وہ بِلا اجازت چلا جاتا ہے۔ اور ایک لوکل سکول کا ہیڈ ماسٹر کسی دوسری جگہ نہیں جاتا جب تک وہ اپنے بالا افسر سے چھٹی حاصل نہیں کر لیتا۔ لیکن ایک انسپکٹر بغیر اجازت افسر بالا کے اپنے حلقہ کا دَورہ کرتا ہے۔ ایک ہیڈ ماسٹر کو یہ کہا جاتا ہے کہ تم اگر اپنی جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ گئے تو مجرم ہوگے لیکن انسپکٹر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے تو اُسے کوئی شخص مجرم نہیں گردانتا اِس لئے کہ اُس کا دائرہ عمل اُس حد تک وسیع ہے۔ لیکن ایک ہیڈ ماسٹر کا دائرہ عمل ایک سکول تک محدود ہے اور وہ اگر اُس سے نکلتا ہے تو قانون کو توڑتا ہے۔ پس سقراط ایک شہر کی طرف مبعوث کیا گیا تھا اُس کا دائرہ عمل محدود تھا اگر وہ اُس شہر کو چھوڑتا تھا تو گناہ گار تھا کیونکہ اُس کے مخاطب اُسی شہر

کے باشندے تھے لیکن حضرت مسیح علیہ السلام نے فلسطین کو چھوڑا تو اِس لئے کہ اُن کے دائرہ خطاب میں کشمیر بھی شامل تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جب فلسطین کو چھوڑا تو آپ اپنے دائرہ عمل سے بھاگے نہیں بلکہ آپ اپنی دوسری ڈیوٹی پر چلے گئے۔ اگر آپ فلسطین میں ہی رہتے تو نہ آپ فلسطین میں اپنا کام کر سکتے تھے اور نہ ہی بنی اسرائیل کی دوسری کھوئی ہوئی بھیڑوں تک خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچا سکتے تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اگر فلسطین کو چھوڑا تو اِس کے بعد آپ کا دائرہ عمل اور وسیع ہو گیا اور یہی وہ چیز ہے جس نے مجھے قادیان چھوڑنے کے لئے اپنی رائے کو بدلنے پر مجبور کیا۔ میرے سپرد جو کام ہے وہ صرف قادیان سے تعلق نہیں رکھتا تھا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسلام کی اشاعت کیلئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام کو بلند کرنے کی خاطر ساری دنیا کی طرف مبعوث کئے گئے تھے آپ کا دائرہ خطاب صرف قادیان تک محدود نہ تھا۔

بے شک میں نے پہلے یہ فیصلہ کیا تھا کہ میں قادیان میں ہی رہوں لیکن بعد میں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات پر غور کر کے مجھے یقین ہو گیا کہ جماعت کے لئے ایک ہجرت مقدر ہے تو میں نے سوچا کہ میرا کام قادیان یا صرف ایک مُلک سے وابستہ نہیں بلکہ دوسرے ممالک سے بھی میرا تعلق ہے۔ اگر میں قادیان میں رہتا ہوں تو اِس کے یہ معنی ہیں کہ میں اُن سب کاموں کو ترک کر دیتا ہوں جو میرے سپرد ہیں اور ایک جگہ اپنے آپ کو مقید کر لیتا ہوں جیسا کہ بعد میں قادیان والوں کی حالت ہو گئی تھی لیکن اگر میں قادیان سے باہر چلا جاتا ہوں تو میں صرف ایک چھوٹے سے دائرے سے الگ ہوتا ہوں اور ایک وسیع دنیا کو بُلانے پر قادر ہو جاتا ہوں۔ سقراط نے اپنے شہر کو اس لئے نہیں چھوڑا کہ اُن کے مخاطب صرف اس شہر والے تھے اور حضرت مسیح علیہ السلام نے فلسطین کو چھوڑا تو اس لئے کہ فلسطین میں ان کے مخاطبوں میں سے صرف دو قبیلے تھے اور دس قبیلے فلسطین سے باہر تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی لوگوں کی خاطر فلسطین کو چھوڑا وہ فلسطین میں بسنے والوں سے سینکڑوں گنا زیادہ تھے لیکن میں نے جن لوگوں کی خاطر قادیان کو چھوڑا، قادیان اور اُس کی آبادی اس کا ہزارواں حصہ بھی نہیں۔ پس یہ صحیح ہے کہ پہلے یہی فیصلہ کیا گیا تھا کہ میں قادیان نہیں چھوڑوں گا لیکن جب میں

نے دیکھا کہ ہمارے لئے ہجرت مقدر ہے تو میں نے قادیان کو چھوڑ کر یہاں چلے آنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ الہام موجود تھا کہ ''داغِ ہجرت''[۷] اور اِدھر میری خوابوں میں بھی یہ بات تھی کہ ہمیں قادیان سے باہر جانا پڑے گا۔ میں نے دیکھا کہ یہ الہام تو موجود ہے مگر ابھی تک ہجرت نہیں ہوئی اِس لئے یا تو یہ مثیل مسیح پر پیشگوئی صادق آئے گی اور یا اسے جھوٹا ماننا پڑے گا۔ یہی وہ چیزیں تھیں جن کی وجہ سے ہمیں قادیان کو چھوڑنا پڑا۔ پھر یہ فیصلہ میں نے خود نہیں کیا بلکہ جماعت کے دوستوں کی طرف سے مجھے یہ مشورہ دیا گیا کہ میں قادیان سے باہر آ جاؤں۔ ویسے میری ذاتی دلچسپیاں تو قادیان سے ہی وابستہ تھیں لیکن میرے سامنے دو چیزیں تھیں اوّل یہ کہ میں قادیان سے باہر چلا جاؤں اور قادیان میں ایک نائب امیر مقرر کر دوں۔ دوم یہ کہ میں اُن سب کاموں کو ترک کر دوں جو میرے سپرد کئے گئے ہیں اور قادیان میں ایک قیدی کی حیثیت سے بیٹھا رہوں۔ اور اس بات کے حق میں کہ میں قادیان میں ہی بیٹھا رہوں ایک رائے بھی نہیں تھی۔ ۷ ستمبر کو یہ فیصلہ ہوا کہ چونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت کا کام قادیان سے باہر آنے پر ہی ہوسکتا ہے اِس لئے ہم جذباتی چیز کو حقیقت پر قربان کریں گے۔ پس میں نے ضروری سمجھا کہ آج میں دوستوں کو بتاؤں کہ ہم نے واقعات کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور ہمارا قادیان سے باہر آنا ان حالات میں ہوا ہے۔ اگر سقراط کے طریق پر عمل کرتے اور قادیان میں ہی رہتے تو یہ بات غلط ہوتی کیونکہ ہمارے حالات سقراط کے حالات سے نہیں ملتے تھے۔ ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کی مثال پر عمل کیا کیونکہ آپ کے حالات ہمارے حالات سے ملتے تھے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی جی نہیں چاہتا تھا کہ آپ مکہ کو چھوڑیں لیکن جب آپ نے دیکھا کہ اِس کے بغیر اُس پیغام کو جو آپ دنیا کی طرف لے کر مبعوث ہوئے تھے نہیں پھیلایا جا سکتا تو آپ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ غارِ ثور سے نکلے تو آپ نے آب دیدہ ہو کر اور مکہ کی طرف منہ کر کے فرمایا اے مکہ! تو مجھے بڑا ہی پیارا تھا اور میں تجھے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن افسوس تیرے رہنے والوں نے مجھے یہاں رہنے کی اجازت نہیں دی۔[۸] یہ فقرہ بتاتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ آپ کو مکہ سے محبت تھی لیکن

اشاعت اسلام چونکہ مقدم تھی اور مکہ میں رہنے سے اِس کی اشاعت کا کام باطل ہو جاتا تھا اِس لئے آپ نے مکہ چھوڑ نا قبول کر لیا۔ میں نے بھی اِسی سُنّت کے ماتحت قادیان کو چھوڑا اور اب واقعات نے تصدیق کر دی ہے کہ میں اِس میں حق بجانب تھا۔غرض دین کی اشاعت چونکہ سب سے اہم تھی اِس لئے میں نے قادیان چھوڑ نا قبول کر لیا اور پاکستان آ گیا۔''

(الفضل ۱۸؍ جولائی ۱۹۶۱ء)

''میں جماعت کے دوستوں کو اِس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ میرے نزدیک اب وقت آ گیا ہے کہ ہم دماغی ترقی کی طرف خاص طور پر توجہ دیں۔ اِس وقت تک جو کتابیں ہماری جماعت کی طرف سے شائع ہوئی ہیں وہ کسی تنظیم کے بغیر شائع ہوئی ہیں سوائے تفسیر کبیر کے۔ لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ جماعت کا ہر فرد وقتی ضرورتوں کے ماتحت ایک خاص پروگرام کے ماتحت چلے اور اِس طرح ترقی کرنے کی کوشش کرے۔ اِس لئے میں نے سمجھا کہ میں نیا مرکز بن جانے کے بعد ایک خاص نظام قائم کروں تا جماعت کے افراد کی خاص طور پر تربیت ہو اور اخلاق، عقائد، مذہب اور دیگر دُنیوی علوم پر ہر آدمی آسانی کے ساتھ عبور حاصل کر سکے۔ اور اِس کا یہی طریق ہے کہ آسان اُردو میں ایسی کتابیں شائع کی جائیں جو ہر مضمون کے متعلق ہوں اور علمی مطالب پر حاوی ہوں اور ایسی سیدھی سادی زبان میں ہوں کہ معمولی زمیندار بھی اُنہیں سمجھ سکیں۔ بہت سے علم ایسے ہیں جن سے لوگ ڈرتے ہیں اِس لئے وہ اُن کو سیکھنے کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

ایک فلاسفر نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اُس نے بتایا ہے کہ علوم کیا ہیں۔ اُس نے تمام علوم پر جرح کر کے اور اُنہیں اصطلاحوں سے خالی کر کے پیش کیا ہے۔ اُس نے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فلسفہ کیا ہے۔ فلسفہ گتے کی عمارتیں بنانا، عمارتیں بنا کر ان پر ہاتھ مارنا اور پھر ان کو گرا دینا ہے۔ غرض بہت سے علوم ایسے ہوتے ہیں جن کو لوگ ناواقفیت کی وجہ سے نہیں سیکھتے اور ان سے ڈرتے ہیں۔ اگر سب لوگ انہیں جانتے تو صرف یہی نہ ہوتا کہ بحث میں دوسروں کا ان پر اثر ہوتا بلکہ وہ دوسروں پر غالب آ جاتے۔

بعض لوگ خیال کیا کرتے ہیں کہ ہمیں دُنیوی علوم کی کیا ضرورت ہے؟ مگر یہ حماقت کی

بات ہے۔ اگر ہم اس دنیا میں رہیں گے تو ہمیں دوسرے علوم بھی سیکھنے پڑیں گے اور اگر ہم نے دوسرے علوم سیکھے ہوئے ہوں گے تو کسی سے مغلوب نہیں ہوں گے۔ ہاں روحانیت کی چاشنی ضرور ساتھ ہونی چاہیے۔ اگر ہم دوسرے علوم حاصل نہ کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیں بعض سچائیوں کو بھی نظر انداز کرنا پڑے گا۔ ہر شخص کو اپنے علم پر گھمنڈ ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ جس کو یہ علم نہیں آتا وہ کچھ بھی نہیں۔ میں پرائمری فیل ہوں لیکن دوسرے علوم کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ قرآن کریم کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں اور قرآنی علوم کا فیضان جو خدا تعالیٰ نے مجھے بخشا ہے وہ ہر ایک کو حاصل نہیں۔ قرآن کریم کے ذریعہ ہی میں نے سب علوم حاصل کئے ہیں لیکن پھر بھی میں دوسری کتب کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں اور وہ لوگ جو اُن علوم کے ماہر ہیں وہ بھی میرے قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

مجھے یاد ہے جب اُمّ طاہر بیمار تھیں میں اُن کے علاج کے سلسلہ میں لاہور گیا ہوا تھا اور ہم شیخ بشیر احمد صاحب کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے کہ ایک پارسی لڑکی جو ایم اے کی تیاری کر رہی تھی وہ مجھے ملنے کے لئے آ گئی۔ شیخ صاحب کے گھر ایک لڑکی پڑھانے کے لئے آیا کرتی تھی اُس کے ساتھ وہ لڑکی بھی آ گئی۔ وہ ایم اے فلاسفی میں پڑھتی تھی۔ اُس نے سنا کہ میں لاہور آیا ہوں تو وہ ملنے کے لئے آ گئی۔ وہ میرے پاس آئی اور پوچھنے لگی احمدیت کیا ہوتی ہے؟ اِسی دوران میں اُس نے مجھے بتایا کہ میں ایم۔اے فلاسفی میں پڑھتی ہوں اور ہمارے قاضی محمد اسلم صاحب کا نام لیا کہ اُن سے پڑھتی ہوں وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ اُس نے مجھ سے باتیں کیں اور سمجھا کہ میں اُس کی وہ باتیں نہیں سمجھتا لیکن جب میں نے اُس پر جرح کی تب وہ بیدار ہوئی اور اُس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کیا پڑھے ہوئے ہیں؟ میں نے کہا میں پرائمری فیل ہوں۔ اُس نے کہا اچھا! آپ پرائمری فیل ہیں! اور پھر گفتگو شروع کی۔ میں نے پھر اُس پر جرح کی تو وہ کہنے لگی کیا آپ نے ایم۔اے فلاسفی پاس کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا میں نے اب تک یہ نہیں سنا کہ پرائمری فیل ایم۔اے فلاسفی پاس ہوتا ہے۔ اُس نے پھر گفتگو شروع کی اور جب بہت مجبور ہو گئی تو کہنے لگی۔ کیا آپ نے امریکہ یا انگلستان میں تعلیم حاصل کی ہے؟ میں نے کہا میں تو پرائمری فیل ہوں۔ وہ پھر تنگ ہوئی تو کہنے لگی کیا آپ وکیل ہیں؟ میں نے کہا میں تو وکیل نہیں

ہوں ہاں میرے میزبان وکیل ہیں۔ اُس نے کہا پھر آپ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا ہے؟ میں نے کہا یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں۔ اس کے بعد میں نماز کے لئے باہر آ گیا۔ قاضی اسلم صاحب بھی وہاں آئے ہوئے تھے۔ میں نے اُن سے کہا قاضی صاحب! آج آپ کا علم معلوم ہو گیا۔ اُنہوں نے کہا کس طرح؟ میں نے کہا آپ کی ایک شاگرد آئی تھی اُس کے دماغ میں میں نے آدھ گھنٹہ تک یہ بات ڈالنے کی کوشش کی کہ میں پرائمری فیل ہوں مگر وہ یہی پوچھتی تھی کہ کیا آپ ایم۔ اے فلاسفی پاس ہیں؟ کیا آپ نے انگلستان اور امریکہ میں تعلیم حاصل کی ہے؟ کیا آپ بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی ہیں؟ کیا آپ کا شاگرد اتنا بھی نہیں جانتا کہ پرائمری فیل اور ایم اے پاس میں کیا فرق ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگے اُس کی عقل ماری گئی تھی وہ کرتی کیا۔ پس خواہ ہم مانیں یا نہ مانیں ہمیں دوسرے علوم ضرور سیکھنے چاہئیں تا کہ ہم معلوم کر سکیں کہ ہمارے مخالفوں کے کیا خیالات ہیں اور ہم اُنہیں کس طرح مغلوب کر سکتے ہیں۔ ہمارے علماء کی یہ غلطی تھی کہ انہوں نے ایک منطق کو اتنی عزت دے دی کہ اُسے قرآن کریم پر بھی حاوی کر دیا۔ حالانکہ ایک منطق کا قرآن کریم پر حاوی ہونا تو کیا وہ تو ہمارے بوٹوں کو صاف کرنے کے قابل بھی نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہم بھی اِس غلطی کو دُہرانا شروع کر دیں لیکن بہرحال ہمیں دوسرے علوم کی کچھ نہ کچھ واقفیت تو ہونی چاہیے۔

وہ قوم بھی ترقی نہیں کر سکتی جس کے صرف چند افراد عالم ہوں۔ ہم نے اگر ترقی کرنا ہے تو ہمیں جماعت کے علم کے درجہ کو بلند کرنا ہوگا۔ اِس کا طریق یہی ہے کہ کتب کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے جس میں دنیا کے تمام موٹے موٹے علوم آ جائیں اور وہ بچوں، درمیانی عمر والوں اور پختہ کار لوگوں غرض سب کے لئے کافی ہوں۔ اس کے تین سلسلے ہوں گے پہلا سلسلہ مڈل سے نیچے پڑھنے والے بچوں کے لئے یا یوں سمجھ لیا جائے کہ پہلا سلسلہ ۱۳ سال سے کم عمر والے بچوں کے لئے ہوگا۔ دوسرا سلسلہ انٹرنس پاس یا سولہ سترہ سال تک کے بچوں کے لئے ہوگا اور تیسرا سلسلہ اس سے اوپر عمر والوں اور پختہ کار لوگوں کے لئے ہوگا۔ یہ کتابیں ایسی سلیس اُردو میں لکھی جائیں گی کہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ اُردو لکھنے والا بھی اسے سمجھ سکے۔ اسی طرح میری رائے یہ ہے کہ یہ کتابیں اس طرز پر لکھی جائیں کہ پہلی کتاب ۵۰ صفحات کی ہو، دوسری ۸۰ صفحات کی ہو اور

تیسری کتاب اوسطاً سَو صفحات پر مشتمل ہو۔ اور پھر ہر وہ کتاب جو سولہ سترہ سال تک کے افراد کے لئے ہو وہ سولہ ہزار الفاظ پر مشتمل ہو۔ اور ہر کتاب جو اس سے اوپر عمر والے افراد کے لئے ہو وہ ۲۵ ہزار الفاظ پر مشتمل ہو۔ اس لئے کہ لکھنے والے ان کتابوں کو غور سے لکھیں اور مطالعہ کر کے لکھیں۔ ان کے لئے ایک رقم بطور انعام مقرر کی جائے گی تا کہ وہ اُس علم کی کتابیں مطالعہ کر کے مضمون لکھیں اور ایسی سلیس اُردو میں لکھیں کہ ہر معمولی خواندہ اسے سمجھ سکے۔ میرا خیال ہے کہ ہر اُس کتاب کے لئے جو پچاس صفحات کی ہو پچاس روپے سے ایک سَو روپیہ تک کا انعام رکھا جائے۔ یونیورسٹیاں بڑی سے بڑی کتب کے لئے پانچ پانچ سَو کا انعام رکھتی ہیں حالانکہ وہ بڑے اعلیٰ پیمانہ کی کتابیں ہوتی ہیں۔ پچاس صفحات کی کتاب کے لئے انعام کے طور پر پچاس روپیہ کی رقم بہت بڑی چیز ہے۔ ایک ماہر ایسی کتاب پندرہ دن میں لکھ سکتا ہے اس طرح اور بہت سے لوگ ایسی کتابیں لکھنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ غرض پچاس سے سَو روپیہ تک کا انعام پہلی کتاب لکھنے والے کے لئے ہوگا جو ۵۰ صفحات یا دس ہزار الفاظ پر مشتمل ہوگی۔ دوسری قسم کی کتاب کے لئے جو ۸۰ صفحات یا سولہ ہزار الفاظ پر مشتمل ہوگی ایک سَو سے ایک سَو پچاس روپے تک کا انعام ہوگا۔ تیسری قسم کی کتاب کے لئے جو سَو سَوا سَو صفحات یا ۲۵ ہزار الفاظ پر مشتمل ہوگی ڈیڑھ سَو سے اڑھائی سَو تک کا انعام ہوگا۔ یہ تین سَو کتب بن جاتی ہیں اور ۴۵ ہزار کے انعام میں لکھی جاسکتی ہیں۔ ان کتب کی اگر تین تین ہزار کاپی شائع کی جائے تو نوے ہزار روپے خرچ ہوں گے۔ پھر یہی نہیں کہ یہ کتابیں صرف احمدیوں میں فروخت ہوں گی بلکہ دوسرے لوگ شائد ہم سے بھی زیادہ تعداد میں انہیں خریدیں۔ کیونکہ ایسا تجربہ آگے کسی نے نہیں کیا۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر کتاب کی تین تین سَو جلدیں ہوں۔ بعض مضامین ایسے ہیں جو صرف دو دو جلدوں میں ہی آجائیں گے مثلاً سیرت ہے۔ اس کے دو حصے ہی کافی ہیں ایک حصہ بچوں کے لئے ہوگا اور ایک حصہ بڑی عمر والوں کے لئے ہوگا۔ اسی طرح اور بھی کئی مضامین ایسے ہیں جن کے لئے دو جلدیں ہی کافی ہو جائیں گی۔

(ا) ان کتب کی خصوصیات یہ ہوں گی کہ:۔

(i) ان میں تمام قسم کے علوم کے متعلق باتیں ہوں گی۔

(ii) یہ سلیس اُردو میں ہوں گی جسے ایک معمولی اُردو جاننے والا بھی سمجھ سکے۔

(iii) ان میں کسی قسم کی اصطلاح استعمال نہیں کی جائے گی۔ اصطلاحوں کی وجہ سے مضمون سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی پوچھے کہ قضیہ موجبہ یا قضیہ سالبہ کیا ہے؟ تو آپ لوگوں میں سے پچانوے فیصدی ایسے ہوں گے جو یہ سمجھتے ہوں گے کہ پتہ نہیں یہ کتنے علم کی بات کی گئی ہے حالانکہ قضیہ موجبہ کے معنی ہیں وہ آیا اور قضیہ سالبہ کے معنی ہوتے ہیں وہ نہیں گیا۔ یا یہ کہنا کہ اُس نے ایسا کر دیا یا وہ چیز ہوگئی یہ قضیہ موجبہ ہے۔ اور ایسا نہیں ہوا یہ قضیہ موجبہ ہے۔ لیکن نام سن کر آپ حیران ہو جائیں گے کہ یہ کیا چیز ہے لیکن جب اِس کا ترجمہ کر دیا جائے تو ہر ایک کہے گا اچھا یہ بات ہے یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ پس اِن کتب کے لکھنے میں یہ شرط ہوگی کہ ان میں کسی قسم کی کوئی اصطلاح استعمال نہ کی جائے۔ اسی طرح کسی قسم کا حوالہ نہ دیا جائے۔ ہاں حوالے وغیرہ حاشیہ پر لکھے جا سکتے ہیں۔ اِسی طرح اصطلاحوں کا بھی حاشیہ میں ذکر کیا جا سکتا ہے تا ایک معمولی علم والا اپنے علم کو اعلیٰ درجہ کے علم میں تبدیل کر سکے۔ مثلاً منطقی کہتے ہیں یہ دلیل استقرائی ہے سننے والا گھبرا جاتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے حالانکہ اِس کے صرف اتنے ہی معنی ہوتے ہیں کہ وہ چیز جو تم دیکھتے ہو کہ ہوتی چلی آئی ہے دلیل استقرائی ہے۔ مثلاً بچہ ماں سے پیدا ہوتا ہے اِس لئے کہ دنیا میں ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو تمہاری دادی سے بچہ پیدا ہوا دادا سے پیدا نہیں ہوا۔ پڑدادی سے پیدا ہوا پڑدادے سے پیدا نہیں ہوا۔ لکڑدادی سے پیدا ہوا لکڑدادے سے پیدا نہیں ہوا اور اِسی کا نام دلیل استقرائی ہے اور تم میں سے کون ہے جو یہ نہیں سمجھتا کہ بچہ ہمیشہ ماں سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک نیم پاگل سے بھی یہ بات پوچھی جائے تو وہ فوراً یہ بات بتا دے گا لیکن منطقی کہیں گے یہ دلیل استقرائی ہے اور سننے والا جو اُسے نہیں جانتا حیران رہ جائے گا کہ یہ کیا بلاء ہے۔ لیکن چونکہ کبھی کبھی بعض شوقین لوگ علماء کی مجلس میں بھی چلے جائیں گے اور اُن کی باتوں سے لطف اندوز ہوں گے اس لئے حاشیہ میں ان اصطلاحات کا بھی ذکر کر دیا جائے گا۔ اس طرح اُسے یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ برکلے اور کانٹ نے کیا کہا ہے بلکہ کتاب کے حاشیے میں ہی یہ لکھا ہوا ہوگا کہ برکلے اور کانٹ کا یہ مقولہ ہے یا یہ فلاں کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ غرض جب بھی وہ چاہے اپنے عام علم کو اصطلاحی علم

میں بول لے یا سیدھی سادی اُردو میں پڑھ لے۔ غرض ہر صفحہ کے نیچے ہر ایک امر کا حوالہ دیا جائے گا تا جس کو شوق ہو تحقیق کر سکے۔ اس سلسلہ کی کئی کڑیاں ہونگی۔

اوّل: بچوں کے لئے یعنی ابتدائی تعلیم سے مڈل تک کے بچوں کے لئے مگر اس سے وہ لوگ بھی فائدہ اُٹھا سکتے ہوں جو معمولی لکھنا پڑھنا ہی جانتے ہوں۔

دوم: بڑے بچوں کے لئے یعنی ہائی سکولوں کے طالب علموں کے لئے۔

سوم: بڑوں کے لئے قطع نظر اس سے کہ وہ کالجوں میں پڑھتے ہوں یا انہوں نے خود تحقیق کی ہو۔

چہارم: محض لڑکیوں کے لئے۔

پنجم: محض لڑکوں کے لئے۔

ششم: محض مردوں کے لئے۔

ہفتم: محض عورتوں کے لئے۔

ہشتم: بیوی کے لیے۔

نہم: میاں کے لئے۔

دہم: اچھے شہری کے لئے۔

میرے نزدیک مختلف ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اِس سلسلۂ کتب میں اِن مضامین پر بحث ہونی چاہیے۔

پہلا سلسلہ (۱) ہستی باری تعالیٰ (۲) معیارِ شناخت نبوت (۳) دعا (۴) قضاء و قدر (۵) بعث بعد الموت (۶) بہشت و دوزخ (۷) معجزات (۸) فرشتے (۹) صفاتِ الٰہیہ (۱۰) ضرورتِ نبوت و شریعت اور اِس کا ارتقاء

دوسرا سلسلہ (۱) عبادت اور اس کی ضرورت (۲) نماز (۳) ذکر (۴) روزہ (۵) حج (۶) زکوٰۃ (۷) معاملات (۸) اسلامی حکومت (۹) اچھے شہری کے فرائض (۱۰) ورثہ (۱۱) تعلیم (۱۲) اخلاق اور ان کی ضرورت (۱۳) تربیت افراد میں قوم کا فرض اور اس کی ذمہ داریاں (۱۴) ملت شخص پر مقدم ہے (۱۵) خاندان فرد پر مقدم ہے (۱۶) حکومت

قوم پر مقدم ہے (۱۷) حکومت اور رعایا کے تعلقات (۱۸) ظاہر و باطن دونوں کی ضرورت اور اہمیت (۱۹) اخوتِ باہمی اور اس کی وجہ سے غریب امیر عالم جاہل پر ذمہ داریاں (۲۰) اسلام کا فلسفۂ اقتصادیات (۲۱) مظلوم کے حقوق اور اُن کا ایفاء اور اُس کا طریقہ (۲۲) ماں باپ کے حقوق، اور اُن کی ادائیگی۔ شادی کے بعد ماں باپ اور خاوند بیوی کے حقوق کا تصادم اور اِس کا علاج (۲۳) میاں بیوی کے باہمی حقوق۔ میاں بیوی کے ایک دوسرے کے والدین کے متعلق فرائض۔ میاں بیوی کے حقوق تربیت اولاد کے متعلق۔ میاں بیوی کے حقوق خاندان کے افراد کے ورثہ کے لحاظ سے (۲۴) آقا اور نوکر کے تعلقات (۲۵) تجارتی لین دین اور قرضہ کی ذمہ داریاں اور جائدادوں کے تلف ہونے کی صورتوں میں اور دیوالیہ ہونے کی صورت میں ہر فریق کی ذمہ داری (۲۶) جہاد (۲۷) حفظانِ صحت جسمانی (۲۸) حفظانِ صحت بحیثیت ماحول (۲۹) محنت کی عادت اور وقت کی پابندی (۳۰) تبلیغ اور اُس کی اہمیت (۳۱) چندہ اور اس کی اہمیت (۳۲) احمدیت میں ہندوستان اور پاکستان کی خاص اہمیت (۳۳) زندگی وقف کرنے کی اہمیت۔

تیسرا سلسلہ (۱) تاریخ مذہب قبل تاریخ (۲) تاریخ ہندو مذہب زمانۂ تاریخ (۳) تاریخ بدھ مت (۴) تاریخ زرتشت (۵) تاریخ مصلحین غیر معروف ارسطو، کنفیوشس وغیرہ (۶) تاریخ دنیا قبل از تاریخ (۷) تاریخ مغرب قبل تاریخ (۸) تاریخ ہند قبل از تاریخ (۹) تاریخ علاقہ جات پاکستان قبل از تاریخ (۱۰) تاریخ شمالی افریقہ قبل مسیح (۱۱) تاریخ یونان قبل تیسری صدی مسیحی (۱۲) تاریخ قبل بادشاہانِ مید و فارس (۱۳) تاریخ ایران بعد بادشاہانِ مید و فارس تا زمانہ عمرؓ (۱۴) سیرۃ النبویؐ (اس کی ضرورت میری سیرت سے پوری ہو چکی ہے) (۱۵) تواریخ خلفاء (۱۶) سیرت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام (۱۷) تاریخ احمدیت بزمانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام (۱۸) سیرت حضرت خلیفہ اوّل (۱۹) تاریخ احمدیت (خلافت اولیٰ (۲۰) تاریخ احمدیت (خلافت ثانیہ) (۲۱) تاریخ احمدیت افغانستان (۲۲) تاریخ صحابہ مسیح موعود (۲۳) تاریخ اکابر صحابہ رسول کریم ﷺ (۲۴) تاریخ اکابر اصحاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام (۲۵) تاریخ صحابیات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۲۶) تاریخ صحابیات حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام (۲۷) تاریخ ہند بزمانہ اسلام تین حصوں میں (الف) افغانوں سے پہلے زمانہ کی (ب) افغانوں کے زمانہ کی (ج) مغلیہ زمانہ کی (۲۸) مبلغین اسلام ہندوستان (۲۹) سوانح صوفیائے کرام (۳۰) تاریخ اسلام اور یورپ (۳۱) تاریخ عرب بعد از چہارم صدی ہجری (۳۲) تاریخ اشاعت اسلام مغربی افریقہ (۳۳) تاریخ ایبے سینیا (۳۴) تاریخ افریقہ وسطی وجنوبی گذشتہ ہزار سال کی (۳۵) تاریخ روما (الف) قبل از مسیح (ب) بعد از مسیح (ج) بعد زمانہ نبویؐ (۳۶) تاریخ قسطنطنیہ (الف) زمانہ نبوی تک (ب) زمانہ نبوی کے بعد اسلام کے قبضہ تک (۳۷) تاریخ ہسپانیہ قبل از تسلط اسلام و بعد تسلط (۳۸) تاریخ صقلیہ قبل از تسلطِ اسلام و بعد تسلطِ اسلام (۳۹) تاریخ روما جنوبی بزمانہ اسلام (۴۰) تاریخ چین بزمانہ اسلام (۴۱) تاریخ فلپائن وملحقہ جزائر بزمانہ اسلام (۴۲) تاریخ انڈونیشیا قبل از اسلام و بعد از اسلام (۴۳) تاریخ سیلون قبل از اسلام و بعد از اسلام (۴۴) تاریخ بخارا وملحقات قبل از اسلام و بعد از اسلام (۴۵) تاریخ روس از ابتداء تا پندرہویں صدی اور پندرھویں صدی سے لے کر آج تک، جس میں خصوصاً اسلام سے اُس کے تعلقات پر روشنی ہو (۴۶) تاریخ مارکسزم (۴۷) تاریخ بالشوزم (۴۸) تاریخ شمالی امریکہ وجغرافیہ (۴۹) تاریخ جنوبی امریکہ وجغرافیہ (۵۰) تاریخ جزائر آسٹریلیا و نیوزی لینڈ وغیرہ (۵۱) احوال الانبیاء

چوتھا سلسلہ (۱) رسالہ کیمسٹری ناواقفوں کیلئے (۲) رسالہ فزکس (۳) موٹے موٹے مضامین کے الگ الگ رسالے (۴) تاریخ سائنس (۵) مسلمانوں کا سائنس میں حصہ (۶) قرآن اور علوم (۷) اسلام اور علوم (۸) علم البحر (۹) مسلمانوں کا علم بحری میں حصہ (۱۰) فلکیات (۱۱) مسلمانوں کا فلکیات میں حصہ (۱۲) جغرافیہ عالم (۱۳) جغرافیہ میں مسلمانوں کا حصہ (۱۴) جغرافیہ طبیعات (۱۵) جغرافیہ طبیعات میں مسلمانوں کا حصہ (۱۶) درندے اور اُن کے اہم افراد اور اُن کی خصوصیات (۱۷) چرندے اور اُن کے اہم افراد اور اُن کی خصوصیات (۱۸) پرندے اور اُن کے اہم افراد اور ان کی خصوصیات (۱۹) مکوڑے اور ان کے اہم افراد اور ان کی خصوصیات (۲۰) رینگنے والے جانور اور اُن کے اہم افراد اور اُن کی خصوصیات (۲۱) پانی کے اندر کے سانس لینے والے جانور اور اُن کے اہم افراد اور اُن

کی خصوصیات (۲۲) پانی میں رہنے والے لیکن باہر نکل کر سانس لینے والے جانور اور اُن کے اہم افراد اور اُن کی خصوصیات (۲۳) ساکن جانور بری اور بحری اور ان کی خصوصیات (۲۴) خورد بینی کیڑے اور اُن کے اہم افراد اور ان کی خصوصیات (۲۵) انسانی پیدائش موجودہ دَور میں مادہ حیات۔ اس کے تغیرات، اس کی صحت اور بیماری کی حالت۔ اُس کے انتقال کا طریقہ اور انتقال کے بعد پیدائش تک کے اَدوار (۲۶) انسانی جسم کی تشریح (۲۷) صحت کی حالت میں اعضائے انسانی کے فرائض اور وظائف (۲۸) مختلف بیماریاں اور اُن کے اسباب (۲۹) علم النباتات (۳۰) علم الجمادات (۳۱) منطق (۳۲) فلسفۂ منطق (۳۳) فلسفہ (۳۴) فلسفۂ فلسفہ (۳۵) فلسفۂ تاریخ (۳۶) طبقات الارض (۳۷) ارتقائے نسل انسانی (۳۸) علم اللسان (۳۹) علم النفس (۴۰) ارتقائے عالم (۴۱) کائنات کی مختلف انواع میں امتیازی شان (۴۲) انسان اور دیگر اشیاء میں فرق (۴۳) علم البدن (۴۴) کیفیت مادہ'' (الفضل ۲۱ رجون ۱۹۶۱ء)

---

۱ وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (الانفال:۳۱)

۲ تذکرہ صفحہ ۳۹۷۔ایڈیشن چہارم

۳ بخاری کتاب الجهاد والسير باب التحريض على الرمی

۴ بخاری کتاب النكاح باب نظر المرأة الى الجيش (الخ)

۵ متی باب ۵ آیت ۳۹ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء

۶ لوقا باب ۲۲ آیت ۳۶ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء (مفہوماً)

۷ تذکرہ صفحہ ۲۷۷۔ایڈیشن چہارم

۸ السيرة الحلبية جلد ۲ صفحہ ۳۱ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

رمضان کے علاوہ بھی روزے رکھے جائیں

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

رمضان کے علاوہ بھی روزے رکھے جائیں

(فرمودہ ۲۶ ؍جولائی ۱۹۴۹ء۔ بمقام پارک ہاؤس کوئٹہ)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''رمضان کا مہینہ جو خدا تعالیٰ کی بہت بڑی برکات کے حصول کا ایک ذریعہ تھا آیا اور گذر گیا اِس مہینہ میں جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی اُنہوں نے دعاؤں اور شب بیداری اور نوافل کے ذریعہ اُس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کی اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق خدا تعالیٰ کا فیضان حاصل کیا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایک بہت بڑا سبق جو رمضان سے ہمیں حاصل ہوتا ہے اور جس کی طرف اِس زمانہ میں بہت کم توجہ کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ رمضان ہمیں اِس طرف توجہ دلاتا ہے کہ مؤمن کو اپنی روحانیت کی تکمیل کے لئے دوسرے ایام میں بھی روزے رکھنے چاہئیں۔ مگر ہوتا کیا ہے؟ رمضان آتا ہے تو لوگ روزے رکھنے شروع کر دیتے ہیں اور بعض دفعہ اتنا تعہد کرتے ہیں کہ مسافر اور مریض بھی روزے رکھتے ہیں اور یہ کوشش کی جاتی ہے کہ کوئی ایسی توجیہہ تلاش کی جائے جس کی وجہ سے باوجود بیمار اور مسافر ہونے کے روزہ رکھ لیا جائے۔ لیکن جب رمضان گذر جاتا ہے تو وہ روزوں کو اس طرح بھول جاتے ہیں کہ سال کے باقی گیارہ مہینوں میں اُنہیں کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ وہ تھوڑے بہت روزے رکھ لیا کریں حالانکہ اگر غور سے کام لیا جائے تو اسلام نے جس قدر عبادتیں مقرر کی ہیں وہ کسی معین وقت کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ہیں اور سال کے ہر حصہ میں اُن پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ سب سے بڑی عبادتیں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں۔ ان چاروں کو دیکھ لو اِن کے لئے معین وقت نہیں بلکہ یہ سارے سال میں پھیلا دی گئی ہیں۔ نماز تو سارا سال ہی پڑھی جاتی ہے اس کے علاوہ سال میں

دو دفعہ عید کی نماز رکھی گئی ہے اور پھر روزانہ فرضی نمازوں کے علاوہ دوسرے نوافل بھی ہوتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقت کے بعد مؤمن کے لئے خدا تعالیٰ کو یاد کرنا ضروری ہوتا ہے تا کہ اس کی روح تازہ ہوتی رہے۔ اسی طرح حج ہے حج بیشک سال میں ایک دفعہ مقرر کیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ خدا تعالیٰ نے عمرہ لگا دیا ہے جو سارا سال ہوتا رہتا ہے۔ گویا عمرہ کے ذریعہ حج کے فائدہ کو عام کر دیا گیا ہے اور اِس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ مؤمنوں کو حج کے علاوہ عمرہ بھی کرنا چاہیے تا کہ حج کے جو فوائد ہیں اُنہیں زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جا سکے۔ اِسی طرح زکوٰۃ اگرچہ سال میں ایک دفعہ مقرر ہے لیکن صدقہ تو ایک دفعہ نہیں جب بھی کوئی محتاج یا بیکس نظر آئے مؤمن کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اس کی مدد کرے۔ یہ نہیں کہ جب وہ کسی محتاج وبیکس کو دیکھے تو کہہ دے کہ سال گذرے گا تو زکوٰۃ دے دوں گا اگر وہ اس طرح کرتا ہے تو وہ مجرم ہے کیونکہ زکوٰۃ دینے سے اُس نے تسلیم کر لیا ہے کہ صدقہ دینا ضروری چیز ہے۔ اس کے بعد اگر وہ صدقہ نہیں دیتا، غریبوں اور بیکسوں کی مدد نہیں کرتا تو وہ اقراری مجرم ہے۔ جب اُس نے مان لیا ہے کہ غریب کی مدد کرنا فرض ہے تو پھر وہ اس پر کیوں عمل نہیں کرتا۔ پس گو زکوٰۃ سال میں ایک دفعہ مقرر ہے مگر صدقہ کو جاری کر کے خدا تعالیٰ نے اس کو سارے سال میں پھیلا دیا ہے۔ اسی طرح حج کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ نے عمرہ رکھ دیا ہے تا کہ اس کے فوائد ہمیشہ حاصل کئے جائیں۔

غرض روزانہ پانچ وقت کی نماز کے ساتھ نوافل لگا کر، سال میں ایک دفعہ دی جانے والی زکوٰۃ کے ساتھ صدقہ لگا کر اور حج کے ساتھ عمرہ لگا کر خدا تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ ان عبادتوں کے لئے وقت کا معین کرنا صرف بطور مشق کے ہے اور مؤمن کو یہ بتانے کے لئے ہے کہ وہ دوسرے اوقات میں بھی ایسا کرتا رہے۔ اِسی طرح رمضان بھی یہ بتانے کے لئے آتا ہے کہ سال کے باقی ایام میں بھی روزے رکھا کرو۔ تعین وقت اصلی نہیں بلکہ صرف مؤمن کو باقی ایام میں ایسا کرنے کی طرف توجہ دلانے کے لئے ہے۔ گویا رمضان کا مہینہ مؤمن کے لئے روحانی ٹریننگ کا زمانہ ہے اور اس میں جس غرض کے لئے مشق کرائی جاتی ہے اگر وہ پوری نہ ہو تو پھر اس کا فائدہ ہی کیا؟ سپاہی کو پریڈ، گولی چلانا، چوری چھپے لیٹ کر، گھٹنے کے بل بیٹھ کر دشمن

پر گولی چلانا اور دوسرے فنونِ حرب کی اس لئے مشق کرائی جاتی ہے کہ سیکھنے کے بعد وہ وقت آنے پر قوم اور وطن کی خدمت کر سکے اور دشمن کا مقابلہ کرے۔ لیکن اگر ٹریننگ کے بعد وہ یہ کہہ دے کہ اس نے اپنی ذمہ داری کو ادا کر دیا ہے اور وقت آنے پر اپنی قوم اور وطن کی حفاظت کے لئے دشمن سے لڑائی نہ کرے تو اُس کی ٹریننگ کا کیا فائدہ۔

غرض رمضان آتا ہی اِس لئے ہے کہ وہ مؤمن کو سال کے دوسرے دنوں میں بھی روزے رکھنے کی عادت ڈالے۔ جیسے زکوٰۃ کو سال میں گو ایک دفعہ رکھا گیا ہے مگر اِس لئے کہ باقی ایام میں صدقہ دینے کی انسان کو عادت ڈالے۔ اسی طرح حج کو سال میں ایک دفعہ اس لئے مقرر کیا گیا ہے تا قومی اجتماعوں میں لوگوں کو جمع ہونے کی عادت ہو۔ اب اگر کوئی کہتا ہے کہ حج کے بعد کسی میٹنگ، کسی جلسے اور کسی شوریٰ کی ضرورت نہیں تو اسے کون عقلمند کہے گا۔ ہم اسے یہی کہیں گے کہ حج سال میں ایک دفعہ مقرر کرنے کی حکمت یہی تھی کہ مسلمانوں کو قومی اجتماعوں کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اگر کوئی زکوٰۃ دینے کے بعد یہ سمجھتا ہے کہ صدقہ کی کیا ضرورت ہے تو ہم اسے کہیں گے کہ زکوٰۃ مقرر ہی اِس لئے کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو اپنے غریب اور بے کس بھائیوں کی مدد کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ غرض یہ سب کام ایسے ہیں جو مؤمن کو اُس فرض کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو اُس پر عائد کیا گیا ہے۔ صحابہؓ میں ان کاموں کے لئے ایک خاص تعہد اور جوش پایا جاتا تھا۔ وہ رمضان کے بعد وقتاً فوقتاً نفلی روزے بھی رکھا کرتے تھے۔ لیکن میں اپنی جماعت کے دوستوں کو دیکھتا ہوں کہ گو وہ زکوٰۃ دینے میں کمزور ہیں لیکن پھر بھی چندے دینے اور صدقہ کرنے کی ان میں کچھ نہ کچھ عادت پائی جاتی ہے۔ اِسی طرح گو ان میں سے بعض نمازوں میں کمزور ہیں لیکن پھر بھی نوافل کی طرف کچھ نہ کچھ توجہ پائی جاتی ہے۔ حج کی طرف اگرچہ وہ پوری توجہ نہیں دیتے لیکن قومی اجتماعوں میں حصہ لینے کی اِن میں ایک حد تک عادت ہے مگر روزوں کی طرف بہت کم توجہ پائی جاتی ہے۔ بہت کم ایسے احمدی ہیں جو نفلی روزے رکھنے کے عادی ہیں۔

احادیث میں آتا ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں میں نے روزانہ روزہ رکھنا شروع کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا روزانہ روزے رکھنا

درست نہیں۔ میں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپ نے بتایا ہے کہ روزے کسرِ نفسی کے لئے ضروری ہیں اس لئے میں بھی روزانہ روزے رکھتا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزانہ روزے رکھنے کی وجہ سے بجائے اِس کے کہ عبادت نفس کو مارے، نفس عبادت کو مار دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص روزانہ روزے رکھے گا تو ایک دن ایسا آئے گا جب اُس کا نفس کہے گا مجھ سے ایسی عبادت نہیں کی جاتی۔ پس اتنی زیادہ عبادتیں بھی درست نہیں کہ بجائے اِس کے کہ عبادت انسانی نفس کو مارے نفس عبادت کو مار دے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں مہینہ میں ایک روزہ چھوڑ دیا کروں گا۔ آپ نے فرمایا ایک دن بہت کم ہے۔ میں نے کہا اچھا دو دن چھوڑ دیا کروں گا۔ آپ نے فرمایا دو دن بھی بہت کم ہیں۔ میں نے کہا اچھا میں تین دن چھوڑ دیا کروں گا آپ نے فرمایا یہ بھی بہت کم ہیں۔ اگر تم نے روزے رکھنے ہی ہیں تو حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے رکھ لو۔ میں نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے کیسے تھے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک دن روزہ رکھ لیا کرتے تھے اور ایک دن چھوڑ دیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں میں نے اُس وقت یہ سمجھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روزوں سے محروم کر دیا ہے لیکن اب میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور مجھ میں اِتنی طاقت نہیں رہی کہ ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن روزہ رکھ سکوں۔ اگر میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات نہ کی ہوتی تو میں روزے رکھنا چھوڑ دیتا۔ اب چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات ہو چکی ہے اِس لئے روزے رکھنے پر مجبور ہوں لیکن نفس میں روزے رکھنے کی طاقت باقی نہیں رہی۔[1]

پھر صحابہؓ میں اس کے متعلق اتنا غلو پایا جاتا تھا کہ ایک دفعہ الٰہی منشاء کے ماتحت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے روزے رکھنے شروع کئے یعنی افطاری کے وقت تھوڑی بہت چیز کھا کر روزہ کھول دیتے لیکن سحری کے وقت کچھ نہ کھاتے۔ صحابہؓ نے بھی آپ کی نقل میں یہ روزے رکھنے شروع کئے۔ آپ نے صحابہؓ کو منع کیا اور فرمایا میرے ساتھ خدا تعالیٰ کا اَور معاملہ ہے، وہ مجھے خود کھلاتا پلاتا ہے تمہارے ساتھ اس کا وہ معاملہ نہیں۔[2] غرض صحابہؓ میں یہ رنگ پایا جاتا تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کام کی نقل کرنے کی کوشش کرتے تھے

لیکن احمدیوں میں یہ بات بہت کم پائی جاتی ہے۔ میں نے احمدیوں میں صرف پانچ سات آدمی ایسے دیکھے ہیں جو نفلی روزے رکھنے کے عادی ہیں۔

پس چاہئے کہ مہینہ میں ایک، دو، تین یا چار جتنے روزے بھی رکھے جاسکیں، رکھے جائیں۔ اِس سے دو فائدے ہوتے ہیں ایک تو روزے رکھنے والے کو ثواب ملتا ہے اور دوسرے اَور لوگوں میں بھی روزے رکھنے کی تحریک ہوتی ہے۔ روزہ رکھنے والا جب اپنے دوستوں سے ملے گا اور وہ اُسے کھانے کے لئے کوئی چیز پیش کریں گے تو وہ یہ کہہ کر کہ میرا روزہ ہے انکار کردے گا، اِس سے اُنہیں بھی روزے رکھنے کی تحریک ہوگی۔

غرض رمضان کا مہینہ درحقیقت مؤمن کے لئے ٹرینگ کا زمانہ ہے اور یہ اس لئے آتا ہے تا اِس میں مشق کرنے کے بعد اِس سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ اِس لئے نہیں آتا کہ اِس کے گزر جانے کے بعد انسان بیٹھ جائے اور سمجھ لے کہ اس نے جو کچھ کرنا تھا وہ کرلیا۔ رمضان کی برکات بے شک بہت زیادہ ہیں لیکن یہ آتا اِسی لئے ہے تا ہمیں دوسرے دنوں میں بھی روزے رکھنے کی عادت ڈالے اور اپنے اور اپنے عزیزوں، دوستوں اور ہم مذہبوں کے لئے روحانی ترقیات کے حصول اور درجات کی بلندی کے لئے دعائیں کرنے کی عادت ڈالے۔ پس احباب کو رمضان المبارک سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دوسرے ایام میں بھی نفلی روزے رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ (الفضل ۱۳؍اپریل ۱۹۶۰ء)

ا؎ بخاری کتاب الصوم باب حق الجسم فی الصوم

۲؎ بخاری کتاب الصوم باب الوصال

کوشش کرو کہ اُردو ہماری مادری زبان بن جائے

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ

کوشش کرو کہ اُردو ہماری مادری زبان بن جائے

(فرمودہ ۲۹ رجولائی ۱۹۴۹ء بمقام پارک ہاؤس کوئٹہ)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے خدام الاحمدیہ کے ایڈریس کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''قائد صاحب مجلس خدام الاحمدیہ کوئٹہ نے اپنی کارگزاری کی جو رپورٹ پڑھ کر سنائی ہے اِس پر مجھے اِس لحاظ سے خوشی حاصل ہوئی کہ یہاں کے خدام میں ایک حد تک بیداری پائی جاتی ہے اور وہ اپنے اس نام کی قدر کرتے اور اس کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتے ہیں جو اُنہوں نے اپنے لئے اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ احباب کو معلوم ہے چند دن سے مجھے درد ِنقرس دوبارہ شروع ہو گیا ہے جس کی وجہ سے زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتا اِس لئے زیادہ لمبی باتیں بیان نہیں کر سکوں گا مگر پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ اِس تقریب پر کچھ باتیں بیان کر دوں۔

سب سے پہلی بات جو ایڈریس کے ساتھ تو تعلق نہیں رکھتی لیکن نہایت اہم ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مختلف قوموں اور زبانوں کے اختلاط سے ایک زبان پیدا ہوئی جس کو اُردو کہتے ہیں۔ اِس زبان کی طرف ہندوستان میں بہت کم توجہ رہ گئی ہے بلکہ یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ اِسے بالکل مٹا دیا جائے۔ پنجاب کا شہری طبقہ اِس کا بہت شائق چلا آتا ہے اور اِس میں علامہ اقبال اور حفیظ جالندھری جیسے بڑے بڑے شاعر پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اُردو زبان کی بہت خدمت کی ہے اور ان کی وجہ سے ہندوستان اور اس کے باہر اُردو زبان بہت مقبول ہو گئی ہے۔ مگر پنجاب کے عوام اور غیر تعلیم یافتہ اشخاص ابھی اِس سے بہت دُور ہیں اور اُنہیں اِس میں کلام کرنا دوبھر معلوم ہوتا ہے۔ اگر وہ اس میں بات کریں تو طریق گفتگو غیر زبان دانوں کا سا معلوم

ہوتا ہے۔ یوں تو غیر مادری زبان میں گفتگو کرتے وقت ہمیشہ ہی مشکلات پیش آتی ہیں اور لازمی طور پر لہجہ میں فرق معلوم ہوتا ہے تاہم اگر آپس میں اُردو زبان میں ہی گفتگو کی جائے تو اِس میں مہارت حاصل کر لینا کوئی مشکل امر نہیں۔ مثلاً میری مادری زبان اگرچہ اُردو ہے مگر میں نے پنجاب میں پرورش پائی ہے اس لئے میں یہ نہیں کہہ سکتا بلکہ یہ کہنا لغو ہوگا کہ میرا لہجہ دہلی والوں کا سا ہے۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ بچپن میں میں دہلی اپنی ایک نانی کو ملنے کیلئے گیا۔ مشہور مترجم قرآن مرزا حیرت صاحب ان کے بیٹے اور میرے ماموں تھے اُنہیں احمدیت سے حد درجہ کا تعصب تھا مگر بہرحال چونکہ وہ میرے ماموں تھے اس لئے دوسرے رشتہ داروں نے مجھ سے کہا کہ اپنے ماموں مرزا حیرت صاحب کو بھی سلام کر آؤ۔ میری عمر اُس وقت تیرہ چودہ سال کی تھی۔ دہلی والوں کی عادت جیسے پان کی گلوری پیش کرنے کی ہے اُسی کے مطابق میری نانی صاحبہ نے بھی مجھے پان کی گلوری دی۔ دہلی میں یہ رواج ہے کہ پان میں چھالیہ زیادہ ڈالتے ہیں میں بھی اپنی والدہ صاحبہ کی وجہ سے پان کھایا کرتا ہوں لیکن چھالیہ زیادہ پڑا ہو تو اس کی میں برداشت نہیں کر سکتا۔ میں جتنا چھالیہ کھایا کرتا ہوں اس سے کلّہ بھرتا نہیں لیکن دہلی والے پان میں اتنا زیادہ چھالیہ ڈالتے ہیں کہ اسے کھاتے وقت کلّہ بھر جاتا ہے لیکن چونکہ وہ پان مجھے میری نانی نے دیا تھا اس لئے میں لینے سے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا اس گلوری سے میرا کلّہ بھر گیا اور اُسی طرح میں اپنے ماموں مرزا حیرت صاحب کو ملنے کے لئے چلا گیا۔ ان کا دفتر باہر ایک چوبارہ پر واقع تھا۔ اُنہوں نے بھی مجھے پان کی ایک گلوری دے دی جس سے میرا دوسرا کلّہ بھی بھر گیا اور پھر جیسے بچوں سے باتیں کی جاتی ہیں اُنہوں نے مجھ سے دریافت کیا اچھا میاں! یہ تو بتاؤ تم کونسی زبان میں باتیں کیا کرتے ہو اُردو میں یا پنجابی میں؟ اُس وقت تک میں پنجابی نہیں جانتا تھا اب تو تقریر بھی کر لیتا ہوں پھر میرے دونوں کلّے بھرے ہوئے تھے اور اُگالدان پاس تھا نہیں اس لئے میرے لئے بولنا مشکل ہو گیا اور اُنہوں نے جب پوچھا میاں! تم اُردو میں باتیں کرتے ہو یا پنجابی میں؟ تو میں نے بڑی مشکل سے جواب دیا کہ میں دونوں میں بات کر لیتا ہوں۔ کلّے چونکہ بھرے ہوئے تھے اس لئے اپنے مفہوم کو صاف طور پر ادا نہ کر سکا۔ مرزا حیرت صاحب

احمدیت کے شدید مخالف تھے اور دہلوی ہونے کی وجہ سے غرور بھی تھا۔ وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑے اور کہنے لگے بس بس مجھے پتہ لگ گیا ہے کہ تم کس زبان میں بات کرتے ہو۔ یہ ہے تو ایک لطیفہ مگر یہ بات ظاہر ہے کہ ہم میں سے کسی کا یہ کہنا کہ اس کا لہجہ دہلی والوں کا سا ہے درست نہیں۔ ہماری مادری زبان اُردو ہے اور ہمارا خون دہلی والوں کا ہے بلکہ ان کا خون ہے جن کے خون سے اُردو بنا ہے۔ جیسے میر درد اور مرزا غالب لیکن بوجہ پنجاب میں پرورش پانے کے ہم میں ایسے آثار اور علامات پائی جائیں گی جن سے صاف معلوم ہوگا کہ ہم پورے ہندوستانی نہیں۔ بعض وقت محاوروں کا بھی اثر پڑ جاتا ہے بوجہ پنجابی ماحول ہونے کے بغیر خیال کے کوئی نہ کوئی پنجابی محاورہ منہ سے نکل جاتا ہے۔ ہم گھر میں عموماً بچوں سے مذاق کرتے ہیں وہ بات کرتے ہوئے بعض دفعہ پنجابی کے الفاظ بول جاتے ہیں۔ وہ بھی جانتے ہیں کہ وہ الفاظ اُردو زبان کے نہیں لیکن غیرارادی طور پر ان کے منہ سے نکل جاتے ہیں۔

میں ایک دفعہ دہلی گیا۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے میری دعوت کی۔ مولوی نذیر احمد صاحب کے پوتے جو ذاتی رسالہ نکالتے ہیں اُن کے ماموں میرے ساتھ تھے اُنہوں نے میری کوئی تقریر سنی ہوئی تھی۔ اُنہوں نے میرے لحاظ یا تکلّف کی وجہ سے کہا کہ خواجہ صاحب! میں نے ان کی تقریر سنی ہے ان کا لہجہ بالکل دہلی والوں کا سا ہے اور یہ بالکل پنجابی معلوم نہیں ہوتے مگر خواجہ صاحب اپنے رنگ کے آدمی ہیں اُنہیں یہ بات بُری لگی اُنہوں نے کہا میں تو یہ بات نہیں مان سکتا۔ میں نے اِن کی کتابیں پڑھی ہوئی ہیں اِن میں بعض مقامات پر پنجابی محاورات استعمال ہوئے ہیں۔ لیکن آخر وہ بھی دہلوی تھے اُنہوں نے فوراً کہا۔ خواجہ صاحب! میں نے تقریر کا ذکر کیا تھا کتاب کا نہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم تقریر میں بھی بعض پنجابی محاورات غیرارادی طور پر استعمال کر جاتے ہیں تاہم متواتر بولنے اور ہمیشہ اُردو میں ہی گفتگو کرنے کی وجہ سے عادت ہو جاتی ہے۔

پس میں آپ کو **ایک نصیحت** تو یہ کروں گا کہ اُردو زبان کو نئی زندگی دو اور ایک نیا لباس پہنا دو۔ آپ لوگوں کو چاہیے کہ ہمیشہ اِسی زبان میں ہی گفتگو کیا کریں۔ جب ہم اُردو میں ہی گفتگو کریں گے تو لازمی بات ہے کہ بعض الفاظ کے متعلق ہمیں یہ پتہ نہیں لگے گا کہ اِن کو اُردو زبان

میں کس طرح ادا کرتے ہیں۔ اس پر ہم دوسروں سے پوچھیں گے اور اِس طرح ہمارے علم میں ترقی ہوگی۔ بعض چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں لیکن انسان کو بڑی عمر میں بھی اُن کی سمجھ نہیں آتی لیکن جب وہ ایک زبان میں گفتگو کرنا شروع کر دے تو ان پر عبور حاصل کر لیتا ہے۔ پس ہمارے نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ پنجابی زبان چھوڑ دیں اور اُردو کو جواَب بے وطن ہوگئی ہے اپنائیں۔ یہ بھی ایک بڑا مہاجر ہے جس طرح مہاجروں کو زمینیں مل رہی ہیں چاہیے کہ اِسے بھی اپنے مُلک میں جگہ دی جائے اور اِسے اتنا رائج کر دیا جائے کہ آہستہ آہستہ یہ ہماری مادری زبان بن جائے۔ میں اُن لوگوں میں سے نہیں جن کے خیال میں پنجابی زبان کو زندہ رکھنا ضروری ہے۔ میرے نزدیک اُردو زبان کو ہی ہمیں اپنی زبان بنالینا چاہیے اور اِسے رواج دینا چاہیے۔ مُلک کے کناروں اور پہاڑوں پر کہیں کہیں پنجابی زبان باقی رہ جائے تو حرج نہیں۔ اگر کسی کو پنجابی زبان سننے یا بولنے کا شوق ہوگا تو وہ وہاں جا کر سن لے گا یا بول لے گا۔ بس میری پہلی نصیحت تو یہ ہے کہ تم اُردو زبان کو اپناؤ اور اِس کو اتنا رائج کر دو کہ یہ تمہاری مادری زبان بن جائے اور تمہارا لہجہ اُردو دانوں کا سا ہو جائے۔

دوسری چیز جس کے متعلق میں آپ لوگوں کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ علم کے بغیر کبھی صحیح عمل پیدا نہیں ہوسکتا۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ عمل کے بغیر بھی انسان حقیقی زندگی حاصل نہیں کرسکتا۔ عالم بے عمل کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جس کی پیٹھ پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔ لیکن اِس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ اگر علم نہ ہو اور پھر انسان کوئی عمل کرے تو وہ غلط قسم کا ہوگا اور اس کی مثال اُس ریچھ کی سی ہوگی جس سے کسی آدمی کی دوستی ہوگئی اور وہ اُسے مکھیاں اُڑانے کے لئے اپنی ماں کے پاس بٹھا گیا۔ وہ مکھیوں کو اُس کی ماں کے منہ سے اُڑاتا لیکن وہ پھر آ بیٹھتیں۔ اُس نے خیال کیا کہ جو مکھی اُڑتی نہیں اُسے مار ڈالنا چاہیے۔ چنانچہ اُس نے ایک پتھر اُٹھایا اور مکھی پر دے مارا۔ وہ مکھی تو شاید مری یا نہ مری لیکن ماں مرگئی۔ اِسی طرح بے علم آدمی ایسی غلطیاں کر جاتا ہے کہ اُن کی اصلاح اور ازالہ مشکل ہوتا ہے۔ میں نوجوانوں کو اِس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اُن میں خصوصیت کے ساتھ کوئی ایسا آدمی نہیں ہونا چاہیے جو قرآن کریم کا ترجمہ نہ جانتا ہو۔ جس طرح ہر شخص وکیل تو نہیں بن سکتا لیکن مُلک میں صحیح طور پر امن اُس وقت

تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک ہر شخص رائج الوقت قانون سے ایک حد تک واقف نہ ہو۔ ہر شخص چوہدری نذیر احمد یا سلیم نہیں بن جاتا مگر کچھ نہ کچھ قانون کا علم اُسے ہوتا ہے۔ مثلاً وہ جانتا ہے کہ اگر وہ چوری کرے گا تو اُسے سزا ملے گی۔ قانونی باریکیاں وہ نہیں جانتا ان کے لئے اُسے وکیلوں کے پاس جانا پڑتا ہے۔ اِسی طرح قرآن کریم کی باریکیوں کو تم بے شک علماء پر چھوڑ دو لیکن معمولی احکام تو ہر شخص کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور اُن کا جاننا اُس کا فرض ہے۔

میرے نزدیک جو شخص قرآن کریم کا ترجمہ نہیں جانتا وہ حقیقی مسلمان نہیں۔ جب اُسے پتہ ہی نہیں کہ خدا تعالیٰ نے کیا کہا ہے تو وہ اس پر عمل کیسے کرے گا۔ یہ غلط ہے کہ صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہی قرآنی احکام ہیں۔ اِن کے علاوہ اور ہزاروں احکام سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ فکری اور قلبی اعمال ہوتے ہیں پھر ان کا تعہد اور نگرانی کرنے والے اخلاق ہیں جب تک ان کا علم نہ ہو اور ان کے مطابق انسان کا عمل نہ ہو اُس وقت تک نہ نماز نماز رہتی ہے اور نہ زکوٰۃ زکوٰۃ رہتی ہے۔

بھیرہ کے مشہور تاجر تجارت کے لئے بخارا کی طرف جایا کرتے تھے اور بہت نفع حاصل کرتے تھے۔ جب ان کے پاس دولت زیادہ ہوگئی تو لالچ بھی بڑھ گیا اور زکوٰۃ دینے میں کوتاہی شروع کر دی۔ وہ بڑے بڑے تاجر تھے اور ہر ایک کی دس دس پندرہ پندرہ ہزار زکوٰۃ نکلتی تھی۔ اُن دنوں زکوٰۃ اِس طرح ادا کی جاتی کہ وہ سکوں یا سونے چاندی کے گھڑے بھر لیتے اور ان کے اوپر دو تین سیر گندم ڈال دیتے، پھر کسی طالبعلم یا مسجد کے مُلّاں کو گھر بُلاتے، کھلاتے پلاتے اور فراغت کے بعد گھڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے میاں! یہ سب کچھ تمہاری ملکیت ہے اور ساتھ ہی یہ کہہ دیتے تم اِسے اُٹھا کر کہاں لے جاؤ گے میرے پاس ہی فروخت کر دو۔ طالب علم اور مُلّاں یہ جانتے تھے کہ اُنہوں نے دینا تو کچھ بھی نہیں صرف ایک بہانہ ہے جو کچھ ملے لے لو۔ وہ کہتے اچھا پانچ سات روپے میں یہ گھڑا میں آپ کے پاس فروخت کرتا ہوں۔ اس طرح وہ زکوٰۃ بھی دے دیتے اور واپس بھی لے لیتے اور سمجھ لیتے ہم نے زکوٰۃ کے حکم پر عمل کر لیا ہے۔ اگر وہ لوگ سارا قرآن کریم پڑھتے تو اُنہیں اور احکام بھی معلوم ہو جاتے اور سمجھ لیتے کہ ہمارا یہ زکوٰۃ دینا محض دکھاوا اور خدا تعالیٰ سے دھوکا ہے اور ہم

دُہرے عذاب کے مستحق ہیں۔

نماز کے متعلق بھی یہی بات ہے بعض نمازیوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ[1] فرمایا ہے یعنی ان کے لئے ہلاکت اور عذاب ہے۔ اگر ہر نماز نماز ہوتی تو خدا تعالیٰ یہ کیوں کہتا۔ دراصل وہ لوگ ظاہری طور پر نماز تو ادا کرتے ہیں لیکن اسے شکل ایسی دے دیتے ہیں کہ وہ ان کے لئے بجائے موجب رحمت بننے کے موجب عذاب بن جاتی ہے۔ پس قرآن کریم کا ترجمہ جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اور اگر تھوڑا سا بھی تعہد کیا جائے تو یہ کوئی مشکل امر نہیں۔ قرآن کریم کی باریکیاں سمجھنے کی توفیق ہر ایک کو نہیں ملتی جس پر خدا تعالیٰ کا فضل ہو جائے وہی باریکیوں کو جان سکتا ہے۔

میری صحت بچپن سے ہی خراب ہے اور میرے متعلق بچپن سے ہی ڈاکٹروں نے کہہ دیا تھا کہ اگر یہ تیس سال کی عمر تک پہنچ گیا تو سمجھ لینا کہ بچ جائے گا یہی وجہ تھی کہ بچپن میں مجھ پر پڑھائی کیلئے کوئی دباؤ نہیں ڈالتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ مجھے فرمایا کہ اگر تم تین کام کر لو تو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ ایک تو قرآن کریم کا ترجمہ پڑھ لو، دوسرے بخاریؒ پڑھ لو اور تیسرے کچھ طب پڑھ لو کیونکہ یہ ہمارا خاندانی شغف ہے۔ میں آپ سے ایک رُقعہ لکھوا کر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے پاس چلا گیا اور اُنہیں بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے تم یہ تین چیزیں پڑھ لو باقی تمہاری صحت اجازت دے تو کچھ پڑھ لینا ورنہ ضرورت نہیں۔ آپ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا میری تو دیر سے یہ خواہش تھی اور یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں جو میں جانتا ہوں چنانچہ قرآن کریم کا ترجمہ میں نے آپ سے چھ ماہ میں پڑھا۔ میرا گلا چونکہ خراب رہتا تھا اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مجھے پڑھنے نہیں دیتے تھے آپ خود ہی پڑھتے جاتے تھے اور میں سنتا جاتا تھا اور چھ مہینہ یا اس سے بھی کم عرصہ میں سارے قرآن کریم کا ترجمہ آپ نے پڑھا دیا۔ پھر تفسیر کی باری آئی تو سارے قرآن کریم کا آپ نے ایک مہینہ میں دَور ختم کر دیا۔ اِس کے بعد میں بھی آپ کے درسوں میں شامل ہوتا رہا ہوں لیکن پڑھائی کے طور پر صرف ایک مہینہ ہی پڑھا ہوں۔ پھر آپ نے مجھے بخاری پڑھائی اور تین مہینہ میں ساری بخاری ختم کرا دی۔ حافظ روشن علی صاحب بھی میرے ساتھ درس میں

شامل ہوگئے تھے۔ وہ بعض دفعہ سوالات بھی کرتے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اُن کے جوابات دیتے تھے۔ حافظ صاحب ذہین تھے اور بات کو پھیلا پھیلا کر لمبا کر دیتے تھے۔ اُنہیں دیکھ کر مجھے بھی شوق آتا کہ میں بھی اعتراض کروں چنانچہ ایک دو دن میں نے بھی بعض اعتراضات کئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے اُن کے جوابات دیئے لیکن تیسرے دن جب میں نے کوئی اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا۔ میاں! حافظ صاحب تو مولوی آدمی ہیں وہ سوال کرتے ہیں تو میں جواب بھی دے دیتا ہوں لیکن تمہارے سوالات کا میں جواب نہیں دوں گا مجھے جو کچھ آتا ہے تمہیں بتا دیتا ہوں اور جو نہیں آتا وہ بتا نہیں سکتا۔ تم بھی خدا کے بندے ہو اور میں بھی خدا کا بندہ ہوں۔ تم بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمّت میں شامل ہو اور میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں شامل ہوں، اسلام پر اعتراضات کا جواب دینا صرف میرا ہی کام نہیں تمہارا بھی فرض ہے کہ تم سوچو اور اعتراضات کے جوابات دو مجھ سے مت پوچھا کرو۔ چنانچہ اِس کے بعد میں نے آپ سے کوئی سوال نہیں کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ سب سے زیادہ قیمتی سبق یہی تھا جو آپ نے مجھے دیا۔ میں نے اعتراضات کرنے چھوڑ دیئے اور ان کے جوابات خود سوچنے شروع کئے جس سے مجھے بہت بڑا فائدہ ہوا۔ بعد میں میں نے کچھ کتابیں صَرف ونحو کی بھی پڑھیں لیکن بطور درس کے نہیں شغل کے طور پر پڑھیں۔ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی ارشاد تھا کہ تم ترجمہ قرآن کریم، بخاری اور کچھ طب پڑھ لو لیکن میں تمہارے لئے اِس کا بھی خلاصہ بیان کر دیتا ہوں تم قرآن کریم کا ترجمہ پڑھ لو، بخاری اور دوسری کتابیں تمہیں خود بخود آجائیں گی۔

اگر کوئی شخص قرآن کریم کا ترجمہ نہیں پڑھتا تو میں تو یہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کیسے قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم ایک خط ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو لکھا ہے لیکن وہ کیسا مسلمان ہے جو اسے پڑھتا نہیں بلکہ جیب میں ڈالے پھرتا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے کہ اُس کے ماں باپ، بہن بھائی، بیوی بچوں یا دوسرے عزیزوں کا خط آئے اور وہ اُسے جیب میں ڈال دے پڑھے نہیں؟ اگر تمہیں کسی عزیز کا خط ملتے ہی یہ شوق پیدا ہو جاتا ہے کہ میں اُسے پڑھوں تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے ہمیں محبت بھی ہو اور پھر وہ خط لکھے

اور ہم پڑھیں نہیں ۔ اگر واقعہ میں قرآن کریم خدا تعالیٰ کا خط ہے جو اُس نے اپنے بندوں کو لکھا ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ خط اس کے پاس ہو اور پھر وہ چپ کر کے بیٹھا رہے اس کا ترجمہ نہ سیکھے ۔ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے یہ مثال سنی ہے کہ جتنا کوئی اَن پڑھ ہوتا ہے وہ خط پڑھوانے کی زیادہ کوشش کرتا ہے ۔ کسی بڑھیا کے پاس اس کے بیٹے کا خط آتا ہے تو وہ مُلّاں کے پاس جاتی ہے اور اُسے کہتی ہے میاں! میرے بیٹے کا خط پڑھ دو اور وہ خط پڑھ دیتا ہے تو اسے تسلی نہیں ہوتی ۔ پھر وہ کسی اور کو دیکھتی ہے اور سمجھتی ہے کہ وہ پڑھا ہوا ہے تو وہ اُس کے پاس جاتی ہے اور کہتی ہے کہ میرے بیٹے کا خط سنا دو ۔ اِسی طرح جب تک وہ سات آٹھ آدمیوں سے اپنے بیٹے کا خط نہیں سن لیتی اسے تسلی نہیں ہوتی ۔

پس تم میں سے جتنے بھی اَن پڑھ ہیں اُنہیں دوسروں سے زیادہ سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے ۔ اگر کسی چیز کو سیکھنے کی کوشش کی جائے تو وہ ضرور آجاتی ہے ۔

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ ایک بادشاہ کے وزیر تھے انہیں علم سیکھنے اور سکھانے کا بہت شوق تھا ۔ اُنہوں نے شہر کے لوگوں سے کہا مجھے چالیس لڑکے دے دو اور انہیں بارہ سال تک میرے پاس رہنے دو ۔ اس کے بعد وہ جو چاہیں کریں ۔ لوگوں کو ان پر اعتبار تھا انہوں نے اپنے لڑکے دے دیئے ۔ اس بزرگ نے ایک مکان لیا اور خود بھی اس میں آ گئے اور کچھ استاد رکھ لئے ۔ ان کا طریق یہ تھا کہ وہ صبح کے وقت اُٹھتے اور قرآن کریم بچوں کے سامنے رکھ دیتے اور کہتے تلاوت کرو ۔ اس کے بعد تہجد پڑھواتے پھر صبح کی نماز کا وقت ہو جاتا ان سے اذان دلواتے ، اذان اور نماز کے درمیان انہیں قرآن کریم کی ایک آیت بتا دیتے اور کہتے اسے یاد کرلو ۔ پھر صبح کی نماز پڑھواتے اور نماز کے بعد ایک حدیث یاد کراتے ۔ اِس کے بعد انہیں باہر لے جاتے اور ورزش کرواتے ۔ جب دھوپ سر پر آجاتی تو اُنہیں دریا کے کنارے لے جاتے اور اُنہیں تیراندازی سکھاتے ۔ جب ورزش اور تیراندازی کر کے واپس آ جاتے تو انہیں دو تین چھوٹے چھوٹے اسباق اِس رنگ میں دیتے کہ ایک چھوٹا سا مسئلہ نحو کا بتا دیا ، ایک چھوٹا سا مسئلہ صَرف کا بتا دیا اور کسی بڑے شاعر کا ایک شعر بتا دیا اور اُس کی لغت یاد کرا دی ۔ پھر ظہر کا وقت آجاتا نماز پڑھواتے اور نماز کے بعد لڑکوں کو عربی کی کوئی ایک ضرب المثل یاد کرا دیتے ، کوئی ایک

فقہ کا مسئلہ بتا دیتے یا منطق کا کوئی مسئلہ بتا دیتے۔ پھر عصر کی نماز کا وقت آ جاتا عصر کی نماز پڑھواتے اور اس کے بعد انہیں باہر لے جاتے اور وہاں فنونِ جنگ کی مہارت کرواتے۔ اِس طرح وہ سارا دن انہیں مختلف کام سکھانے میں لگے رہتے۔ بارہ سال کے اندر اندر اُنہوں نے اِن لڑکوں کو قرآن وحدیث کا پورا ماہر بنا دیا، قرآن کریم کا حافظ بنا دیا، پورا منطقی اور پورا فقیہہ بنا دیا اور اس کے ساتھ اُنہیں پورا سپاہی بھی بنا دیا۔

غرض ایک ایک چیز کا روزانہ یاد کر لینا کوئی مشکل بات نہیں تم روزانہ چند آیات یاد کر لو تو بڑی آسانی کے ساتھ تھوڑے ہی عرصہ میں سارے قرآن کریم کا ترجمہ پڑھ سکتے ہو۔ بعض آیات تو بہت چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں اگر انہیں دوسری چھوٹی آیات کے ساتھ ملا کر بڑی آیت کے برابر سمجھ لیا جائے اور اگر اڑھائی تین سطروں کا بھی روزانہ اندازہ رکھا جائے تو بڑی آسانی کے ساتھ تم تین سال کے اندر اندر پورے قرآن کریم کا ترجمہ سیکھ سکتے ہو۔ یہ سکیم بچوں میں بھی شروع کرنی چاہیے اور اگر لجنہ اماء اللہ بھی اِس سکیم کو اپنا لے تو پھر مائیں اپنے بچوں کو قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا سکتی ہیں۔ تم بے شک خادم ہو لیکن اگر تمہیں خدمت کے طریق کا ہی پتہ نہ لگے تو تم کرو گے کیا؟ بے شک پانی پلا دینا اور مسجد کی صفائی کر دینا بھی اچھے کام ہیں مگر قرآن کریم میں اور بھی ہزاروں احکام ہیں اور جب تم انہیں جانتے ہی نہیں تو تم ان پر عمل کیسے کر سکتے ہو۔ خادم کے لئے ضروری ہے کہ اسے آقا کی مرضی معلوم ہو۔

پس ایک نصیحت تو میں یہ کروں گا کہ تم اُردو میں گفتگو کرنے کی عادت ڈالو اور اتنی عادت ڈالو کہ تمہارا لہجہ اُردو دانوں کا سا ہو جائے۔ الفاظ اور محاورات کی اصلاح بعد میں ہو جائے گی۔ دوسری نصیحت میری یہ ہے کہ بے شک مخلوق کی خدمت کرو لیکن اگر تمہیں قرآن کریم کا ترجمہ نہیں آتا تو تم یہ کام پوری طرح نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں قرآن کریم کا ترجمہ آتا ہے تو باقی سب چیزیں تمہارے لئے آسان ہو جائیں گی۔

چوہدری ظفر اللہ خان صاحب جب شام میں گئے تو وہاں کے ایک وزیر نے اُن سے پوچھا کہ آپ نے کسی دینی مدرسے میں دینی تعلیم حاصل کی ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا میں نے تو صرف قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا ہے جب قرآن کریم کا ترجمہ آتا ہو تو باقی سب مضامین آسان

ہو جاتے ہیں۔ اس کے مضامین کو سمجھنے کے لئے دوسری کتابوں کے حوالوں کی ضرورت پڑتی ہے اور اس طرح ساری چیزیں آ جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ سیکھنے کے بعد دوسرے علوم کا شوق خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ ہمارا سارا علم تو ہے ہی قرآن۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف قرآن کریم ہی پڑھے ہوئے تھے۔

لاہور میں میرے پاس ایک دفعہ دو دیوبندی مولوی آئے ان میں سے ایک نے غصہ والی شکل بنا کر مجھ سے پوچھا آپ کیا پڑھے ہوئے ہیں؟ میں نے کہا میں تو کچھ بھی پڑھا ہوا نہیں صرف قرآن کریم جانتا ہوں۔ اُس نے دوبارہ پوچھا۔ آپ بتائیں تو سہی آپ کیا پڑھے ہوئے ہیں؟ میں نے کہا آپ کے نزدیک جو پڑھائی ہے وہ میں نے نہیں کی میں صرف قرآن کریم کا ترجمہ جانتا ہوں۔ اُس نے کہا بس آپ صرف قرآن کریم کا ترجمہ ہی جانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں ترجمہ سے باہر کوئی چیز رہ جاتی ہو تو وہ میں نہیں جانتا۔ وہ غصہ میں تھا اور اُس نے میرا جواب نہ سمجھا۔ دوسرے مولوی نے اسے چٹکی بھرتے ہوئے کہا وہ کہہ تو رہے ہیں میں قرآن کریم پڑھا ہوا ہوں اور تم یہ ثابت کر کے کہ قرآن کریم سے باہر کوئی چیز ہے اپنی کم علمی اور بیوقوفی کا ثبوت دے رہے ہو۔

بہرحال یہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم کے اندر سارے علوم آ جاتے ہیں۔ میں پرائمری فیل ہوں لیکن میں تمام مذاہب کو چیلنج کر کے کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی ایسا اعتراض ہو جس کا قرآن کریم کے ساتھ ٹکراؤ ہوتا ہو تو میں اس کا جواب دوں گا اور خالی جواب ہی نہیں دوں گا بلکہ اعتراض کرنے والے کو چپ کرا کے چھوڑوں گا۔ قرآن کریم کے اندر سارے گُر موجود ہیں اور اصل عقل گروں سے ہی آتی ہے۔ اگر تم قرآن کریم پڑھ لو تو تمہارے اندر وہ مادہ پیدا ہو جائے گا جس سے تم ہر قسم کے دشمن کا مقابلہ کر سکو گے اور تمہاری عقل اتنی تیز ہو جائے گی کہ دنیا کا کوئی علم ایسا نہیں ہوگا جس سے تم مرعوب ہو۔ پس قرآن کریم کا ترجمہ سیکھنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے جس کی میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔

اس کے بعد میں آپ لوگوں کی خواہش کے مطابق دعا کروں گا۔ باقی خدام کو بھی اپنی دعاؤں میں شامل کر لیں بلکہ ساری دنیا کے لوگوں کو اپنی دعاؤں میں شامل کر لیں تا کہ وہ قرآن کریم

سیکھیں اور اس پر عمل کریں۔ خواہ کوئی ہندو ہے یا کوئی عیسائی یا کسی اَور مذہب کا پیرو سب کو اسلام میں لانا ہمارا فرض ہے۔ اگر وہ قرآن کریم کو ماننے لگ جائیں، مخلوق کی خدمت میں لگ جائیں تو یہی دنیا جو جہنم نظر آتی ہے اور لڑائیوں کی جگہ بنی ہوئی ہے امن کا گھوارہ بن جائے۔

(الفضل ۱۲؍اکتوبر ۱۹۶۰ء)

۱؎ الماعون: ۵

باقاعدگی سے نمازیں پڑھنے، اس کے اثرات پر غور کرنے اور دوسروں کو وعظ و نصیحت کرنے کی عادت پیدا کرو

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

باقاعدگی سے نمازیں پڑھنے، اس کے اثرات پر غور کرنے اور دوسروں کو وعظ و نصیحت کرنے کی عادت پیدا کرو

(لجنہ اماء اللہ کوئٹہ سے خطاب)

(فرمودہ ۱۸/ اگست ۱۹۴۹ء بمقام پارک ہاؤس کوئٹہ)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''سب سے پہلے تو میں لجنہ اماء اللہ کوئٹہ کو جس کے زیرِ انتظام یہ جلسہ ہو رہا ہے یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ وقت بھی خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ ہمارے مُلک کا پُرانا خیال یہی تھا کہ وقت کی پابندی نہ کرنا بڑے لوگوں کا کام ہے چنانچہ جتنے بڑے لوگ ہوتے تھے اُتنا ہی زیادہ وہ اپنے آپ کو وقت کی پابندی سے معذور سمجھتے تھے لیکن اب دنیا کا نظریہ بدل چکا ہے۔ دنیا نے تجربہ سے معلوم کر لیا ہے کہ کسی کا بڑا ہونا اُسے وقت کی پابندی سے آزاد نہیں کر دیتا بلکہ کسی شخص کے بڑا ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ وقت کی زیادہ پابندی کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اوقات کی پابندی کیا کرتے تھے۔

آج مجھے یہ بات معلوم کر کے تعجب ہوا کہ اجلاس کا وقت پانچ بجے مقرر تھا حالانکہ کوئٹہ کے حالات کے مطابق عصر کی نماز سَوا پانچ بجے ہوتی ہے اِس لئے اجلاس کا وقت کسی صورت میں بھی چھ بجے سے پہلے مقرر نہیں ہونا چاہیے تھا۔ آنے والی خواتین نے بھی اپنی عادت کے مطابق اجلاس میں شمولیت کے لئے کچھ وقت لیا ہے۔ میں نے پانچ بجے دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ ابھی بہت کم عورتیں آئی ہیں۔ یہ طریق غلط ہے اِس سے کام کرنے والوں کا بہت نقصان ہوتا

ہے۔کام کرنے والے لوگ تو وقت پر آ جاتے ہیں مگر گھنٹہ بھر اُنہیں انتظار کرنا پڑتا ہے اِس طرح اُن کا دوسروں سے زیادہ وقت ضائع ہوتا ہے حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ جتنا کوئی شخص زیادہ سمجھ دار ہو اُس کا وقت ضائع نہ ہو اور جو لوگ پہلے ہی سست ہیں اُن کا وقت ضائع ہو جائے تو کوئی حرج بھی نہیں۔اگر وقت کی پابندی کا خیال نہ رکھا جائے تو جو کام کرنے والے ہیں اور سلسلہ کے لئے زیادہ مفید ہیں وہ تو وقت پر آ جاتے ہیں مگر اُن کا گھنٹہ بھر وقت انتظار میں خرچ ہو جاتا ہے اور پھر گھنٹہ بھر کام میں خرچ ہوتا ہے، پھر اُس کام کو ختم کرنے میں بھی کچھ وقت ضرور صَرف ہوتا ہے جس کی وجہ سے اُن کا وقت دوسروں سے زیادہ ضائع ہوتا ہے۔

اٹلی کا مشہور لیڈر مسولینی [۱] جو پچھلی جنگ میں مارا گیا جب برسر اقتدار آیا اُس وقت اٹلی کا مُلک پیچھے رہ جانے والے مُلکوں میں شمار ہوتا تھا۔ بڑی حکومتوں میں اُس کا شمار نہیں تھا مُلک کی صنعت و حرفت ناقص تھی، تجارت میں وہ دوسرے یوروپین ممالک سے پیچھے تھا، اُس کی زراعت میں کوئی ترقی نہیں پائی جاتی تھی، یہ شخص ایک معمولی مستری کا لڑکا تھا اور شروع میں اُس نے خود بھی مستری کا کام کیا۔ وہ سیاسیات میں داخل ہوا اور اُس نے ایک پارٹی بنائی جس کی مدد سے وہ حاکم بن گیا۔ گو وہ ہمیشہ ہی وزیر اعظم کہلایا مگر حقیقتاً وہ بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے مُلک کی اتنی ہی مرض پہچانی کہ لوگ وقت کی پابندی نہیں کرتے۔ اُس نے حکم دے دیا کہ تمام لوگ وقت کی پابندی کیا کریں۔ اگر کوئی کارکن ایک منٹ بھی دفتر میں لیٹ آیا تو اُسے سزا دی جائے گی، اُس کا درجہ گرا دیا جائے گا یا اُسے معطل کر دیا جائے گا۔ یہ معمولی سی بات تھی لیکن میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اُس نے مُلک کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور اِس چھوٹی سی اصلاح یعنی پابندیٔ وقت کی وجہ سے مُلک کا تمام نظام درست ہو گیا۔ مجھے اُس کی پابندیٔ وقت کا خود بھی تجربہ ہے۔۱۹۲۴ء میں ایک مذہبی کام کے لئے میں انگلینڈ گیا، راستہ میں اٹلی میں بھی ٹھہرنے کا موقع ملا۔ مسولینی کو برسرِ اقتدار آئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اُس سے بھی مُلاقات کروں اور دیکھوں کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ اُن دنوں سوشلسٹ پارٹی کا ایک مشہور لیڈر مسولینی کی پارٹی سے مارا گیا تھا۔ مسولینی کی پارٹی یہ کہتی تھی کہ وہ ڈر کر بھاگ گیا ہے لیکن دوسری پارٹی یہ کہتی تھی کہ وہ ڈر کر بھاگا نہیں بلکہ اُسے مارا گیا

ہے۔ مہینوں سے دونوں پارٹیوں کے درمیان یہ جھگڑا چلا آ رہا تھا۔ جس دن ہم وہاں پہنچے اُس سوشلسٹ کی لاش ایک قلعہ کی دیوار میں یا ایک مکان میں گڑی ہوئی ملی۔ قتل کرنے والوں نے دیوار کھود کر لاش اُس میں رکھ دی تھی۔ مسولینی اور اُس کی پارٹی کہہ رہی تھی کہ وہ لیڈر ڈر کر بھاگ گیا ہے اِس لئے لاش کے ایک دیوار یا مکان میں سے ملنے پر مخالف پارٹی کو یقین ہو گیا کہ مسولینی کی پارٹی نے ہی اُسے مارا ہے۔ اگر اُنہوں نے مارا نہ ہوتا تو اُنہیں چھپانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اِس حادثہ کی وجہ سے مسولینی کی نئی نئی قائم شدہ حکومت میں ایک زلزلہ آیا اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ جلد ٹوٹ جائے گی۔ میں نے جب انگریز سفیر برائے اٹلی کو کہلا بھیجا کہ وہ مسولینی سے میری ملاقات کا انتظام کرا دے تو اُس نے جواب میں یہ پیغام بھیجا کہ میں نے بعض اہم سرکاری کاموں کے لئے مسولینی کو ملاقات کا پیغام بھیجا تھا مگر وہ اِس نئے حادثہ کی وجہ سے اِس قدر پریشان ہے کہ اِس کے لئے وقت نہ نکال سکا۔ جب وہ سرکاری کاموں کے لئے وقت نہیں نکال سکا تو وہ دوسرے کاموں کے لئے کس طرح وقت نکال سکے گا۔ میں نے انگریزی سفیر کو کہلا بھیجا کہ وہ کوشش کرے اور اگر وقت مل جائے تو بہتر ہے۔ اُس کے کام اور میرے کام میں فرق ہے میں تو تھوڑے عرصہ کے لئے اِس مُلک میں آیا ہوں اور جلد چلا جاؤں گا لیکن وہ تو وہاں ہی رہے گا اور پھر کسی وقت وہ ملاقات کر سکتا ہے۔ شاید مسولینی اِس نقطۂ نگاہ سے ہی اِس معاملہ پر غور کر لے اور ملاقات کا موقع دے دے۔ انگریزی سفیر نے کہا بہت اچھا میں لکھتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے مسولینی کو لکھا کہ ہمارے ہندوستان کے ایک مشہور مذہبی لیڈر یہاں آئے ہوئے ہیں اور وہ آپ کو ملنا چاہتے ہیں۔ دو تین گھنٹہ کے بعد اُس کا جواب آ گیا کہ مجھے اُن سے مل کر بہت خوشی ہوگی، وہ مجھے کل گیارہ بجے ملیں۔ مسولینی کا یہ طریق تھا کہ وہ صبح آٹھ بجے دفتر میں آ جاتا اور بارہ بجے تک دفتر میں کام کرتا، پھر دو بجے بعد دوپہر دفتر آتا اور شام تک کام کرتا۔ اُس دن اُس نے حکم دے دیا کہ وہ گیارہ بجے کے بعد کوئی کام نہیں کرے گا لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ میرے پرائیویٹ سیکرٹری کو یہ بات بھول گئی کہ اُنہوں نے وہاں جانے کے لئے انتظام کرنا ہے۔ دوسرے دن گیارہ بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے کہ اُنہیں یاد آیا۔ وہ جلدی سے ہوٹل سے باہر آئے اور ایک موٹر کرایہ پر لے لی۔ میں نے اُن پر خفگی کا

اظہار بھی کیا کہ اگر مسولینی کو ہمارا انتظار کرنا پڑا تو وہ ہمارے متعلق کیا خیال کرے گا۔ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے کہا مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔ پھر ظلم پر ظلم یہ ہوا کہ موٹر ڈرائیور سوائے اطالین زبان کے دوسری زبان نہیں جانتا تھا اور ہم اطالین زبان نہیں جانتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُسے بتایا کہ ہم نے وزیراعظم کے ہاں جانا ہے۔ اطالین زبان میں وزیراعظم کو اَل دولے کہتے ہیں۔ ہمیں اطالوی تلفظ اور لہجہ سے واقفیت نہ تھی اسی لئے ہم اِسی لفظ کو ڈیوک یا ڈیو کے کہتے تھے۔ وہ ڈرائیور کسی اور شخص کا نام سمجھ کر چکر لگا کر گیا اور ایک مکان پر جا کر موٹر روک لی۔ ہم نے دیکھا کہ وہاں پہرے وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں۔ پوچھا تو معلوم ہوا یہ کسی اور بڑے عہدہ دار کا مکان ہے۔ ہم نے اُسے پھر سمجھایا اور کہا ہماری مراد اِس شخص سے نہیں تھی۔ پھر یاد آیا کہ پریمیر کا لفظ اطالوی زبان کا ہے شاید مسولینی کو پریمیر بھی کہتے ہوں۔ ہم نے ڈرائیور سے کہا ہمیں پریمیر کے پاس لے چلو۔ اُس نے کہا آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ وہ ہمیں ایک اور محل پر لے گیا وہاں جا کر ہمیں معلوم ہوا کہ یہ بادشاہ کی رہائش گاہ ہے۔ اُس نے پریمیر کے معنی سب سے بڑا سمجھا اور ہمیں بادشاہ کے مکان پر لے گیا۔ ہم نے پھر مختلف نام لے کر اُسے مسولینی کے ہاں جانے کو کہا۔ بڑی مشکل کے بعد اُس نے کہا اچھا آپ نے اَل دولے کے پاس جانا ہے۔ ہم نے کہا کچھ ہو وہاں پہنچو تو سہی۔ ہم جب وہاں پہنچے تو مسولینی کا پرائیویٹ سیکرٹری دروازہ پر کھڑا تھا۔ اُس کا رنگ زرد ہو رہا تھا مسولینی نے ہمیں ملاقات کے لئے گیارہ بجے سے بارہ بجے تک ایک گھنٹہ وقت دیا تھا۔ ہم آدھ گھنٹہ لیٹ پہنچے اُس کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حالت اتنی خراب تھی کہ وہ سخت گھبرایا ہوا تھا اور ڈر کے مارے مسولینی کے کمرے میں نہیں جاتا تھا۔ اُس نے کہا آپ نے کیا کیا میں تو اب مارا جاؤں گا۔ ہم نے کہا اِس میں تمہارا کیا قصور ہے ہم ہی لیٹ ہوگئے ہیں۔ بہرحال ہم مسولینی کے کمرے میں چلے گئے۔ وہ آدھ گھنٹہ سے کام چھوڑ کر ہمارے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہم نے اُسے بتایا کہ ہمارے ساتھ یہ واقعہ ہوا ہے چونکہ ہم باہر کے آدمی تھے اِس لئے اُس نے دیر کو برداشت کر لیا ورنہ اُس کا سیکرٹری یہ سمجھتا تھا کہ میں ڈِس مِس ہو جاؤں گا۔ سو تمہیں بھی پابندئ وقت کی عادت ڈالنی چاہیے اور اجلاس کے لئے ایسا وقت مقرر کرنا چاہیے جس کی پابندی ہو سکے۔

اِس کے بعد میں تمہیں اِس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ انسانی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ایک غذائی پہلو ہوتا ہے جس میں انسان غذا سے طاقت حاصل کرتا ہے اور دوسرا پہلو اُس کی فعالی حیثیت ہوتی ہے جس میں وہ حاصل کی ہوئی طاقت کو استعمال کرتا ہے۔مثلاً بجلی کوئلہ کے ساتھ پیدا کی جاتی ہے، مشین کوئلہ کھاتی ہے اور اُس سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔ہم بٹن دباتے ہیں اور بجلی سے کام لیتے ہیں اور جہاں بجلی نہیں ہوتی وہاں غذائی اور فعالی دونوں پہلو تیار کئے جاتے ہیں۔مثلاً لالٹین ہوتی ہے اِس میں ہم تیل ڈالتے ہیں یہ اِس کا غذائی پہلو ہے۔پھر ہم بتی کو دِیا سلائی لگا کر روشن کر کے اس سے کام لیتے ہیں یہ اس کا فعالی پہلو ہوتا ہے۔یہی حالت انسانی جسم کی ہے کوئی انسان خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو ایسا نہیں گزرا جو کھاتا پیتا نہ ہو۔تم میں سے ہر بوڑھا، جوان، بچہ،عورت اور مرد غذا کھاتا ہے خواہ وہ غذا اچھی ہو یا بُری، چاول ہو یا گندم، گوشت ہو یا ترکاری، وہ غذا کھاتا ضرور ہے۔اگر وہ غذا نہ کھائے تو اُس کا جسم مر جائے گا اور طاقت قائم نہیں رہے گی۔غذا کھانے کے بعد وہ کام کرتا ہے۔کوئی تاجر ہوتا ہے وہ تجارت کرتا ہے، کوئی مزدور ہوتا ہے وہ مزدوری کرتا ہے، کوئی سرکاری ملازم ہوتا ہے وہ ملازمت کرتا ہے غرض نوکری، زراعت اور تجارت سب کاموں کی بنیاد روٹی پر ہوتی ہے۔اگر کوئی شخص کھانا نہ کھائے تو اُس کا جسم بے کار ہو جائے گا اور وہ کوئی کام نہیں کر سکے گا۔انگریزی زبان کا مقولہ ہے کہ فوج پیٹ پر لڑتی ہے اگر پیٹ ہی بھرا ہوا نہ ہوگا تو کوئی سپاہی لڑے گا کیا؟ غرض پہلے انسان غذا کھاتا ہے اور پھر اُس سے جو طاقت حاصل ہوتی ہے اُس سے کام کرتا ہے یہی حالت دین کی ہے۔دین میں بھی ایک حصہ غذائی ہوتا ہے اور ایک فعالی حصہ ہوتا ہے۔جس طرح جسم کی طاقت کے قیام کے لئے روٹی، چاول، سبزی اور ترکاری وغیرہ اشیاء مقرر ہیں اور جس طرح ہم دن میں چار پانچ دفعہ کھاتے پیتے ہیں، اِسی طرح روح کو زندہ رکھنے کے لئے بھی خداتعالیٰ کی طرف سے کچھ چیزیں مقرر ہیں۔مثلاً نماز ہے، روزہ ہے، زکوٰۃ ہے، صدقہ وخیرات ہے، ذکرِ الٰہی ہے یہ سب روح کی غذائیں ہیں۔جس طرح روٹی کے بغیر جسم زندہ نہیں رہ سکتا اِسی طرح ان چیزوں کے بغیر روح بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔تم یہ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ فلاں آدمی نے ۶۰ دن تک کھانا نہیں کھایا اور پھر وہ زندہ رہا۔اگر کوئی شخص تمہارے سامنے یہ بات

بیان کرے کہ فلاں شخص چھ ماہ سے کمرے میں بند کیا ہوا ہے اُسے روٹی اور پانی نہیں دیا گیا وہ سخت گھبرایا ہوا ہے اور چاہتا ہے کہ اُسے باہر نکالا جائے تو تم کہو گی جو شخص چھ ماہ سے بغیر کھائے پیئے اندر بند ہے وہ کیا زندہ رہ بھی سکتا ہے۔ لیکن تم بڑے اطمینان سے یہ بات کہہ دیتی ہو کہ فلاں شخص دس سال تک نماز کے قریب بھی نہیں گیا اور اُس کی رُوح زندہ ہے، فلاں شخص دس سال سے روزے نہیں رکھتا اور اُس کی رُوح زندہ ہے، فلاں شخص دس سال سے زکوٰۃ نہیں دیتا اور اُس کی روح زندہ ہے، فلاں شخص پر حج فرض ہے وہ حج نہیں کرتا اور اُس کی رُوح زندہ ہے۔ فلاں شخص ذکرِ الٰہی نہیں کرتا اور اُس کی روح زندہ ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جسم کی غذا کے متعلق تو تم یہ خیال کرتی ہو کہ غذا کے بغیر انسان چوتھے پانچویں دن مَر جاتا ہے لیکن روحانی غذا کے متعلق تم یہ خیال کرتی ہو کہ روح دس سال کے بعد بھی زندہ رہتی ہے۔ جس طرح غذا نہ ملنے کی وجہ سے جسم مر جاتا ہے اُسی طرح روحانی غذا نہ ملنے کی وجہ سے روح بھی مر جاتی ہے۔ انسان کھاتا پیتا ضرور ہے لیکن یاد رکھو اِس کا اصل مقصود کھانا پینا نہیں۔ ظاہری طور پر جو چیز تمہیں نظر آ رہی ہے وہ تو بشر ہے جیسے گھوڑے، گائے اور بکری وغیرہ کھاتے پیتے ہیں اور وہ انسان نہیں کہلاتے اِسی طرح صرف کھانے پینے کی وجہ سے انسان انسان نہیں کہلاتا۔ انسان اُسی کو کہتے ہیں جس میں خدا تعالیٰ سے ملنے کی قابلیت پائی جاتی ہو۔

انسان اُنس سے ہے اور اُنس کے معنی محبت کے ہیں۔ عربی کا یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی اسم کے آگے الف اور نون لگا دیا جائے تو اُس کے معنی دو کے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً مُؤْمِنٌ اسلام لانے والا ایک مرد ہے۔ اور مُؤْمَنِانِ ایمان لانے والے دو مرد ہیں۔ مُسْلِمٌ اسلام لانے والا ایک مرد ہے۔ مُسْلِمَانِ اسلام لانے والے دو مرد ہیں۔ اِسی طرح لفظ اُنس کے معنی ہیں محبت۔ اور جب اس کے آگے الف اور نون لگا دیا جائے تو اِس کے معنی ہو جائیں گے دو محبتیں۔ چنانچہ انسان کو انسان اِسی لئے کہتے ہیں کہ اِس کے اندر دو محبتوں کا مادہ پیدا کیا گیا ہے۔ ایک تو بنی نوع انسان کی محبت ہے اور دوسرے خدا تعالیٰ کی محبت۔ بنی نوع انسان کی محبت میں بیوی کی محبت بھی شامل ہوتی ہے، بچوں کی محبت بھی شامل ہے، ماں، باپ، رشتہ داروں اور دوستوں کی محبت بھی شامل ہوتی ہے، اپنے مُلک والوں کی محبت بھی شامل ہوتی ہے۔ دوسری محبت خدا تعالیٰ

کی ذات سے ہوتی ہے۔ جب کسی بشر میں یہ دونوں محبتیں کامل طور پر پائی جاتی ہوں تو اُسے انسان کہتے ہیں۔غرض ایک طرف انسان، بنی نوع انسان یعنی قوم، مُلک اور خاندان کی خدمت کرتا ہے تو دوسری طرف وہ عشق الٰہی میں مبتلا ہوتا ہے، کسی بشر کو چلتا پھرتا یا سانس لیتا ہوا دیکھ کر اُسے انسان نہیں کہتے۔ وہ صرف بشر ہے یعنی زمین پر چلنے پھرنے والا ایک جانور۔ وہ انسان نہیں کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ کی محبت نہیں پائی جاتی۔ایک محبت والے کو انسان نہیں کہتے۔ ایک طرف سے محبت کرنے والا تو جانور بھی ہوتا ہے۔گائے، بھیڑیں اور گھوڑے بھی بچے سے محبت کرتے ہیں حتّٰی کہ چیونٹی اور مکھیاں بھی اپنے بچوں سے محبت کرتی ہیں۔ پھر محض بیوی اور خاوند کی آپس میں محبت ہونے کی وجہ سے انسان انسان کس طرح کہلا سکتا ہے۔ یہ لفظ تو صرف اُس جانور کے لئے بولا جاتا ہے جس میں دو محبتیں پائی جاتی ہوں۔ایک طرف اس میں خدا تعالیٰ کی محبت پائی جاتی ہو اور دوسری طرف بنی نوع انسان کی محبت پائی جاتی ہو۔خدا تعالیٰ کی محبت جسم سے نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ روحانی ہے جسمانی نہیں۔تم اپنے بھائی اور بچے کو تو گود میں لے کر پیار کرسکتی ہو لیکن خدا تعالیٰ کو جسم سے پیار نہیں کرسکتیں۔خدا تعالیٰ ایک وراء الوراء ہستی ہے جس کو نہ تم مادی آنکھوں سے دیکھ سکتی ہو نہ مادی کانوں سے، تم اُس کی آواز سُن سکتی ہو نہ تمہارے مادی ہاتھ اُسے چھو سکتے ہیں۔ وہ اعلیٰ درجہ کی اور وراء الوراء ہستی ہے۔اُس سے محبت کی جاسکتی ہے تو دل اور روح سے۔اور جس کی روح مردہ ہے وہ خدا تعالیٰ سے محبت کیا کرے گی۔جس روح نے کھانا نہیں کھایا وہ زندہ کس طرح ہوسکتی ہے۔اور اگر وہ زندہ نہیں تو مردہ روح محبت نہیں کرسکتی۔مردہ ماں کے سامنے خواہ تم اُس کے بچے کو ذبح کردو وہ اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکے گی۔ ایک بکری اپنے بچے کی حفاظت کی خاطر کوشش کرے گی، ایک مرغی اپنے بچے کی خاطر کوشش کرے گی لیکن مردہ عورت اپنے بچے کے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتی اِس لئے کہ وہ مرچکی ہے اور وہ اپنے بچہ کی تکلیف کو محسوس نہیں کرسکتی۔اِسی طرح اگر کسی کی روح مر جائے تو اِس کے متعلق یہ خیال کرلینا کہ وہ محبت کرسکتا ہے سراسر بیوقوفی ہے۔خدا تعالیٰ سے محبت وہی کرسکتا ہے جس کی روح زندہ ہو اور روح تبھی زندہ رہ سکتی ہے جب اُسے غذا ملے۔اور اُس کی غذا روٹی نہیں روح کھانا نہیں کھاتی، پانی نہیں پیتی، اُس کی غذا نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور

ذکرِ الٰہی وغیرہ ہے۔ یہ چیزیں انسانیت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔

جب میں کہتا ہوں کہ نماز کی پابندی کی جائے تو اِس کا یہ مطلب نہیں کہ تم پانچ نمازوں میں سے چار پڑھو یا ہفتہ کی ۳۵ نمازوں میں سے ۳۴ نمازیں پڑھو یا سال بھر کی ۱۸۰۰ نمازوں میں سے ۱۷۹۹ نمازیں پڑھو اِس کو پابندی نہیں کہتے۔ جب میں کہتا ہوں کہ نماز کی پابندی کی جائے تو اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم سال کی ۱۸۰۰ نمازیں پوری کی پوری پڑھو۔ جسم فاقہ برداشت کرسکتا ہے لیکن رُوح فاقہ برداشت نہیں کرسکتی۔ تین دن کے فاقہ کے بعد بھی تمہارے جسم میں طاقت باقی رہ جائے گی۔ بعض لوگ دس دس بارہ بارہ دن فاقے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں لیکن روح ایک لطیف چیز ہے جو ایک فاقہ بھی برداشت نہیں کرسکتی۔ اگر سال میں ایک نماز بھی چھوڑ دی جائے تو روح مر جائے گی۔ اِس وجہ سے علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جان بوجھ کر چھوڑی ہوئی نماز کی قضاء نہیں۔ مثلاً ظہر کی نماز کا وقت آ جائے اور تم جان بوجھ کر نہ پڑھو، بیمار ہو، سو رہے ہو، یا کوئی اَور روک پیدا ہو جائے تو اَور بات ہے لیکن اگر نماز کا وقت ہو اور تم بِالارادہ نہ پڑھو تو وہ دوبارہ ساری عمر نہیں پڑھی جائے گی۔ غرض ایک چھوڑی ہوئی نماز بھی روحانیت کو ہلاک کر دیتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں ہم اللہ کے فضل سے نماز پڑھتے ہیں ہاں کبھی کبھار کوئی نماز رہ جائے تو رہ جائے حالانکہ کبھی کبھار نماز کا رہ جانا بھی نماز نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی پابندی کی اتنی تاکید کی ہے کہ آپ جیسا رحیم و کریم انسان جو محبت میں چور رہتا تھا، کہتا ہے میرا جی چاہتا ہے کہ اپنی جگہ کسی اَور کو امام مقرر کر دوں اور کچھ آدمیوں کے سروں پر لکڑیاں رکھ دوں اور پھر اُن سب لوگوں کے گھروں کو جو عشاء اور فجر کی نمازیں مسجد میں ادا نہیں کرتے مکینوں سمیت جلا دوں۔[۲] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بے نمازوں کے متعلق نہیں کہی بلکہ ایسے پڑھنے والوں کے متعلق کہی ہے جو قاعدہ کے مطابق مسجدوں میں آ کر نماز ادا نہیں کرتے۔ آپ نے ایسا کیا نہیں کیونکہ دین میں جبر جائز نہیں صرف نفرت کے اظہار کے لئے آپ نے ایسا کہا۔ ویسے آپ بادشاہ بھی تھے اور اگر ایسا کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے۔ اِس سے پتہ لگتا ہے کہ آپ نے صرف اظہارِ نفرت فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ میں ایسے لوگوں کے گھروں کو جلا دوں وہ ہمارے شہر میں رہنے کے قابل نہیں۔ بچہ

اور بیمار کے لئے جائز ہے کہ وہ گھر میں نماز ادا کر لے لیکن دوسرے مردوں کے لئے جو بِلا عذر مسجد میں نماز ادا نہیں کرتے، بھاری گناہ ہے۔

اب تم دیکھ لو کہ ہمارے مُلک میں کتنے وہ لوگ ہیں جو مسجدوں میں آ کر نماز ادا کرتے ہیں، ایک فیصدی بھی نہیں۔ عورتوں کے لئے مسجد میں آ کر نماز ادا کرنا ضروری نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر ممکن ہو اور عورتیں مسجد میں آ کر نماز ادا کر لیں تو اچھا ہے لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ عورتوں کے لئے مسجد میں نماز ادا کرنا فرض نہیں۔ ہاں اگر وہ پڑھ لیں تو منع نہیں۔ بہر حال عورتوں کے لئے مسجد میں نماز ادا کرنا فرض نہیں بعض کے نزدیک جائز ہے۔ بعض کے نزدیک اگر ممکن ہو اور مسجد میں جا کر نماز ادا کر لیں تو عام ثواب سے اُنہیں زیادہ ثواب ملے گا۔ لیکن مردوں کے متعلق یہ فتویٰ ہے کہ اگر وہ مسجد میں جا کر نماز ادا نہ کریں تو اُنہیں عذاب ملے گا۔ اگر مسجد میں جا کر وہ نماز پڑھیں گے تو اُن کی اصلی نماز سمجھی جائے گی لیکن موجودہ حالات میں عورتیں تو مسجد میں جا کر نماز کیا پڑھیں گی مرد بھی اتفاقی حادثہ کے طور پر مسجد میں جاتے ہیں۔ آجکل یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ مسجد میں نماز ادا کرنا تنخواہ دار امام یا مؤذّن کا کام ہے یا وہ مسافر جو غریب ہو اور وہ مسجد میں آ کر ٹھہر جائے، وہ نماز پڑھ لے۔ یا وہ شخص جس نے ووٹ لینے ہوں وہ نماز مسجد میں پڑھ لے اَور لوگ نماز پڑھنا ضروری نہیں سمجھتے۔

میں جب مصر گیا تو وہاں قاہرہ کی جامع مسجد دیکھنے گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بہت بڑی مسجد ہے اُس میں پچاس ہزار کے قریب آدمی آ سکتے ہیں۔ اِتنی بڑی مسجد میں ایک امام پانچ چھ آدمیوں کو ساتھ لے کر ایک کونہ میں کھڑا نماز ادا کر رہا ہے۔ وہ محراب میں نہیں کھڑا تھا۔ مجھے یہ بات عجیب معلوم ہوئی میں نے اُس مولوی سے پوچھا کہ جب محراب ہے تو تم ایک کونہ میں کھڑے ہو کر نماز کیوں ادا کر رہے ہو؟ اُس نے کہا قاہرہ کی دس لاکھ کی آبادی ہے (اب ۲۵، ۳۰ لاکھ کے قریب آبادی ہے) دس لاکھ میں سے اگر معذوروں کو نکال دیا جائے تب بھی دو اڑھائی لاکھ آدمی ایسا ہو گا جو مسجد میں آ کر نماز ادا کر سکتا ہے اور اگر شہر کے دُور دراز حصوں کو نکال دیا جائے تب بھی ۴۰، ۴۵ ہزار آدمی مسجد میں آ کر نماز ادا کر سکتے ہیں۔ میں کونہ میں اِس لئے نماز ادا کر رہا ہوں تا غیر مذہب کا اگر کوئی آدمی آ جائے اور مجھے محراب میں کھڑا نماز پڑھتے

دیکھے تو وہ یہ خیال نہ کرے کہ یہ شہر کی جماعت ہے اور شہر میں صرف چار پانچ آدمی ہیں جو مسجد میں آکر نماز ادا کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ میں کونہ میں کھڑا اِس لئے نماز پڑھ رہا ہوں تا وہ سمجھے کہ اصل نماز تو ہوگئی ہے یہ لیٹ آنے والے لوگ ہیں۔ غرض آجکل ایک فیصدی بھی ایسے مسلمان نہیں پائے جاتے جو مسجد میں جا کر نماز پڑھنا ضروری خیال کرتے ہوں۔ سرکاری دفاتر میں ان کی طرف سے بھی نماز باجماعت کا کوئی انتظام نہیں۔ سرکاری اداروں کی طرف سے یہ شائع کیا جاتا ہے کہ عید کی نماز میں بڑے بڑے افسر شامل ہوئے لیکن کیا عید اور جمعہ کی نمازیں کسی اَور خدا نے بنائی ہیں؟ اور روزانہ پانچ نمازیں کسی اور خدا نے بنائی ہیں؟ جس خدا نے عید اور جمعہ کی نمازیں مقرر کی ہیں اُس خدا نے روزانہ پانچ نمازیں بھی مقرر کی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ عید اور جمعہ کا حکم تو مان لیتے ہیں اور روزانہ پانچ نمازوں والا حکم نہیں مانتے۔ عید اور جمعہ کی نمازوں میں لوگ چونکہ کثرت سے آتے ہیں اِس لئے بڑے بڑے لوگ شہرت کی خاطر وہاں چلے جاتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو نماز باجماعت ادا کرتے ہیں مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ عام لوگ صرف اپنے اعمال پر پردہ ڈالنے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ یہ خرابی مسلمانوں میں مردوں میں بِالعموم اور عورتوں میں بِالخصوص پائی جاتی ہے۔ عورتیں کہتی ہیں کیا کریں، بچے ہیں، گھر کا کام ہے اِس لئے نماز نہیں پڑھ سکتیں۔ بھلا ایسا بھی کوئی گھر ہے جو بچوں سے خالی ہو؟ یا ایسی عورت ہے جس کو گھر کا کام نہ ہو؟ مرد باہر کا کام کرتا ہے اور عورت گھر کا کام کرتی ہے یہ کوئی ایسا بات نہیں جو نماز میں روک پیدا کر سکے۔

پس میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ نماز روحانی غذا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم نمازیں پڑھو، یہ حکم قرآن کریم میں پہلے سے موجود ہے، میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ روزے رکھو یہ حکم قرآنِ کریم میں پہلے سے موجود ہے، میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ زکوٰۃ دو، حج کرو یہ احکام تمہیں پہلے سے معلوم ہیں۔ اگر تمہیں معلوم ہیں اور معلوم ہونے کے بعد تم اِن میں کوتاہی کرتی ہو تو اِس کا علاج میرے قبضہ میں نہیں۔ میں صرف ایک بات بتانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، ذکرِ الٰہی وغیرہ روحانی غذائیں ہیں۔ جس طرح تمہارا جسم غذا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اِسی طرح تمہاری روح بھی غذا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ تمہارا جسم بے شک زندہ رہے گا لیکن

تمہاری رُوح کے اندر یہ قابلیت نہیں رہے گی کہ تم خدا تعالیٰ سے مل سکو۔ وہ فضل جو عام ہے مثلاً کھانا وغیرہ ملنا یہ ایک الگ چیز ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت وہ ہوتی ہے کہ اس سے ایسا تعلق پیدا ہو جائے کہ کسی نہ کسی رنگ میں وہ اپنی مرضی ظاہر کرتا رہے اور یہ چیز اِن چیزوں کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ مردہ زندہ والا کام نہیں کرسکتا۔

پس ایک نصیحت میں تمہیں یہ کروں گا کہ تم روح کی غذائی حالت کو بہتر بناؤ۔ جس طرح تم چاہتی ہو کہ تمہارا جسم زندہ رہے، تم بیمار اور کمزور ہو جاتی ہو تو دوائیں کھاتی ہو، یخنی پیتی ہو، مقویات استعمال کرتی ہو یا اگر کسی کا جگر خراب ہو تو وہ سبزیوں کا استعمال زیادہ کرتی ہے اسی طرح اگر تمہاری روح کمزور ہے تو اُس کی تقویت کا انتظام کرو۔ اگر صرف نماز سے سرور نہیں ہوتا تو ذکرِ الٰہی کرو، اگر صرف زکوٰۃ سے سرور پیدا نہیں ہوتا تو صدقہ خیرات کرو، پیٹ بھرنے کا آخر یہی قاعدہ ہے کہ اگر دس لقموں سے پیٹ نہیں بھرتا تو پانچ لقمے اور کھاؤ۔ یہی روح کا حال ہے۔ اگر صدقہ سے روح میں تازگی پیدا نہیں ہوتی تو اَور صدقہ دو۔ اگر پانچ نمازوں سے روح میں تازگی پیدا نہیں ہوتی تو چھ نمازیں پڑھو۔ اور اگر پھر بھی تازگی پیدا نہیں ہوتی تو سات نمازیں پڑھو۔ نماز چھوڑ دینے سے روح تازہ نہیں ہوتی بلکہ نمازیں زیادہ پڑھنے سے روح میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ یہ روح کا ایک غذائی پہلو ہے جس کی طرف میں تمہیں توجہ دلاتا ہوں۔

انسانی زندگی کا دوسرا پہلو فعالی ہے۔ انسان جو غذا کھاتا ہے اس سے جسم میں طاقت پیدا ہوتی ہے اور وہ کام کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص کھانا کھانے کے بعد بستر پر لیٹ رہے اور کوئی کام نہ کرے تو دیکھنے والے یہی کہیں گے کہ اس میں اپنے جسم سے صحیح کام لینے کا مادّہ نہیں۔ اسی طرح یہ روحانی غذائیں ہیں اِن سے طاقت حاصل کر لینے کے بعد انسان کو اَور کام بھی کرنا پڑتا ہے۔ جو شخص نماز پڑھ کر یہ سمجھ لیتا ہے کہ میں نے اپنا کام کرلیا یا روزے رکھ کر یہ سمجھ لیتا ہے کہ میں نے اپنا کام کرلیا یا صدقہ خیرات دے کر یہ سمجھ لیتا ہے کہ میں نے اپنا کام کرلیا۔ وہ ایسا ہی بیوقوف ہے جس طرح وہ شخص جو کہے میں نے روٹی کھالی، پانی پی لیا تو زندگی کا کام پورا کرلیا۔ کھانا پینا زندگی کے کام نہیں بلکہ اُسے کام کے قابل بنانے کے لئے غذائیں ہیں۔ اِسی طرح یہ روحانی کام بھی انسانی زندگی کا مقصود نہیں، نہ جسمانی زندگی کا مقصود کھانا پینا ہے اور نہ روحانی زندگی کا

مقصود نماز روزہ وغیرہ ہے۔ یہ دونوں سہارے ہیں ایک جسم کے لئے اور ایک روح کے لئے۔ ایک سے جسم کام کے قابل بنتا ہے اور دوسرے سے روح کام کے قابل بنتی ہے۔ جسم میں جب طاقت پیدا ہوتی ہے تو انسان نوکری کرتا ہے، تجارت کرتا ہے اور دنیا کے دوسرے کام کرتا ہے۔ اِسی طرح جب انسان کو روحانی طاقت حاصل ہوتی ہے وہ مختلف کام کرتا ہے۔ وہ کام کیا ہیں؟ وہ کام دو قسم کے ہیں۔ ایک تو اس کا کام مخفی ہوتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی محبت میں ترقی کرنا ہوتا ہے۔ دوسرا کام انسانی دماغ کی اصلاح اور اُس کی فکر کی اصلاح اور اُس کے خیالات وجذبات کی اصلاح ہے۔ جس طرح روٹی کھانے کے نتیجہ میں انسان ہل چلاتا ہے، تجارت کرتا ہے، صنعت وحرفت کرتا ہے، مزدوری کرتا ہے۔ انسان کے جسم میں طاقت ہو تبھی وہ اچھا سپاہی، اچھا وکیل اور اچھا مدرّس بن سکتا ہے۔ اِسی طرح روحانی غذاؤں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور ذکرِ الٰہی وغیرہ کے نتیجہ میں انسان کو روحانی طاقت حاصل ہوتی ہے اور اس طاقت کے نتیجہ میں اُس کے اخلاق درست ہو جاتے ہیں۔ وہ ظلم سے دُور چلا جاتا ہے۔ اُس کے اندر دیانت وامانت، رحم اور عدل پیدا ہو جاتا ہے، اُس میں خدمت خلق کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے، محبت اور قربِ الٰہی کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اِس کے بعد وہ خود بھی یہ کام کرتا ہے اور دوسروں سے بھی کرواتا ہے۔ مثلاً جھوٹ نہیں بولتا اور کوشش کرتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی جھوٹ نہ بولیں، وہ دوسروں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ دوسروں کو بھی تلقین کرتا ہے کہ وہ بھی دوسروں پر ظلم نہ کریں، اُس کے خیالات پاکیزہ ہو جاتے ہیں اور وہ دوسروں کے خیالات کو بھی پاکیزہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ غرض اُس کی روح رات دن مخلوق کی اصلاح میں لگی رہتی ہے خود نماز مقصود نہیں۔

قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ [۳] جس طرح روٹی مقصود نہیں، روٹی کھانے سے طاقت پیدا ہوتی ہے اور پھر انسان دنیا کے کام کرتا ہے اِسی طرح نماز اصل مقصود نہیں بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ وہ ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے۔ جو شخص نماز پڑھتا ہے اُس کی روح کو طاقت ملتی ہے اور بُرائیوں کے مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو جاتی ہے۔ اُس کے اندر دیانت وامانت، عدل وانصاف، رحم غرض جتنے اخلاقِ فاضلہ ہیں وہ سب پائے جاتے ہیں اور اس کے اندر یہ طاقت بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کے

اندر بھی یہ اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ یہی حال روزوں کا ہے۔ روزوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [4] روزوں کی یہ غرض ہے تا روح کو طاقت پہنچے اور وہ تقویٰ کے قابل ہو جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ وہ شخص روزہ دار نہیں جو بھوکا اور پیاسا رہتا ہے۔ روزہ دار وہ ہے جس کی زبان قابو میں رہے۔[5] غرض روزے کا مقصود بھوکا اور پیاسا رہنا نہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے اندر یہ جذبہ پیدا ہو جائے کہ اُسے کسی وقت اپنے بھائیوں اور بنی نوع انسان کی خاطر اپنی مملوکہ اور حلال چیزیں بھی چھوڑنی پڑیں تو وہ چھوڑ دے۔ روزے میں ہمارا اپنا کھانا جو حلال ذرائع سے کمایا ہوا ہوتا ہے اور شریعت کے لحاظ سے حرام نہیں ہوتا ہمارے پاس موجود ہوتا ہے، ہمارا اپنا پانی ہمارے پاس موجود ہوتا ہے لیکن ہم وہ کھانا بھی نہیں کھاتے، وہ پانی بھی نہیں پیتے۔ اِس میں مسلمانوں کو یہ سبق دیا جاتا ہے کہ جب تم بنی نوع انسان کی خاطر، اپنے بھائیوں کی خاطر خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اپنی حلال چیز بھی اپنے اُوپر حرام کر لیتے ہو تو دوسرے کا مال تم پر کس طرح حلال ہو سکتا ہے۔ غرض روزہ میں خدا تعالیٰ انسان کو حلال کھانے اور حلال کمانے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

اسی طرح حج ہے لوگ اپنا کاروبار چھوڑ کر حج کے لئے جاتے ہیں اور ایک جگہ جا کر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اِس سے خدا تعالیٰ انسان کو یہ سبق دیتا ہے کہ بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لئے، اپنے وطن کے لئے اور رشتہ داروں کی خاطر تمہیں اپنا کام چھوڑ کر بھی جانا پڑے تو جاؤ۔ جو شخص سچے دل سے حج کرنے جاتا ہے اُسے یہ توفیق مل جاتی ہے کہ وہ بنی نوع انسان اور اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی خاطر کام کرے اور ایسا کرنے کے لئے اگر اُسے وطن اور کاروبار بھی چھوڑنا پڑے تو وہ چھوڑ دیتا ہے۔

غرض نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور ذکرِ الٰہی وغیرہ روحانی غذائیں ہیں۔ ان کے بعد انسان کو کچھ کام بھی کرنا ہوتا ہے لیکن بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اِس میں غفلت سے کام لیتے ہیں۔ وہ نماز پڑھ کر مغرور ہو جاتے ہیں اور بجائے اِس کے کہ اُنہیں کوئی روحانی طاقت حاصل ہو وہ نماز پڑھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ گویا اُنہوں نے خدا تعالیٰ پر احسان کیا ہے۔ نماز تو اِس لئے سکھائی گئی ہے تا نیکی کی طاقت بڑھے۔ اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے اور پھر اُس کی نیکی کی طاقت نہیں

بڑھتی تو وہ سمجھ لے کہ اس نے صحیح طور پر نماز نہیں پڑھی۔ جس طرح تم کھانا کھاتی ہو کھانے سے اگر تمہیں جسمانی طاقت حاصل نہیں ہوتی تو تم ڈاکٹر کے پاس جاتی ہو اور علاج کرواتی ہو۔ اِسی طرح اگر نماز تمہارے اندر ایسی روحانی طاقت پیدا نہیں کرتی کہ تمہارے اندر بُرائیوں سے نفرت کا مادہ پیدا ہو جائے تو سمجھ لو تمہاری وہ نماز صحیح نماز نہیں۔ تمہارے اندر کوئی روحانی بیماری داخل ہو چکی ہے جس کا علاج ضروری ہے۔ جیسے بعض لوگ آٹے میں بُرادہ ملا دیتے ہیں بظاہر تو لوگ ایسے آٹے سے روٹی تیار کر کے کھاتے ہیں لیکن وہ انتڑیوں میں جا کر تکلیف پیدا کرتا ہے اور غذا سے جو طاقت پیدا ہوتی ہے وہ حاصل نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے اور بظاہر اُسے کوئی روحانی طاقت حاصل نہیں ہوتی تو اُسے سمجھ لینا چاہیے کہ نماز خراب ہے۔ جس کی صحت خراب ہو جاتی ہے اُسے طاقتور غذائیں استعمال کروائی جاتی ہیں، علاج کروایا جاتا ہے اسی طرح اگر روحانی صحت خراب ہو جائے تو نماز، روزہ، زکوٰۃ اور ذکرِ الٰہی وغیرہ میں کثرت سے اس کا علاج کرنا چاہیے۔ یہ چیزیں خود مقصود نہیں ہاں بطور غذا کے ہیں۔ تم اپنی نمازوں کو ٹٹولتی رہا کرو اور دیکھتی رہا کرو کہ آیا وہ کوئی زائد فائدہ تمہیں پہنچاتی ہیں یا نہیں۔

ہمارے مُلک میں ایک مثل مشہور ہے وہ ہے تو ہنسی والی لیکن جو سبق اس میں بیان کیا گیا ہے وہ بہت بڑا ہے۔ کہتے ہیں کوئی مولوی تھا اُس نے کسی گاؤں میں جا کر وعظ کرنا شروع کیا لیکن اُس کا وعظ سننے کوئی نہ آتا تھا۔ کبھی کبھار پانچ سات آدمی اکٹھے ہو جاتے تھے۔ ایک میراثی کو خیال آیا کہ اِس مولوی سے پوچھیں تو سہی کہ اِس وعظ و نصیحت سے کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ وہ مولوی کے پاس گیا اور اُس سے پوچھا مولوی صاحب! نماز روزے سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ اُس کا مطلب یہ تھا کہ انسان دنیا میں مزدوری کرتا ہے، مشقت برداشت کرتا ہے انسانی فطرت یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس کے بدلہ میں اُسے کچھ ملے اور جب یہ بات ہے تو نماز کے بدلہ میں مجھے کچھ ملنا چاہیے۔ مولوی نے اس میراثی کو ٹالنے کے لئے کہا کہ نماز پڑھنے سے نور ملتا ہے۔ میراثی مطمئن ہو گیا اور اُس نے خیال کر لیا اچھا کچھ تو ملے گا۔ وہ گھر گیا اور بیوی سے کہنے لگا میں نماز پڑھوں گا اور اِس کے بدلے میں مجھے نور ملے گا۔ اس میراثی نے ظہر کی نماز پڑھی، عصر کی نماز پڑھی، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں ہر نماز کے بعد وہ جسم کو دیکھتا تھا کہ نور کیا چیز ہے؟

سردیوں کا موسم تھا صبح کی نماز کے لئے جو اُٹھا تو اُسے سردی لگی۔ مولوی نے اُسے یہ بھی بتایا تھا کہ اگر پانی نہ ملے یا کوئی بیمار ہو تو وہ تیمّم کر لے۔ اُسے سردی لگی تو اُس نے خیال کر لیا کہ چلو تیمّم ہی کر لوں۔ اتفاقاً اُس کے پاس توا پڑا تھا۔ اندھیرے میں اُس نے توے پر ہاتھ مار کر تیمّم کر لیا۔ جونہی اُس نے اپنے ہاتھ منہ پر پھیرے وہاں سیاہی لگ گئی۔ جب اُس نے پانچ نمازیں پڑھ لیں تو خیال کر لیا اب تو نور آ جانا چاہیے۔ اُس نے بیوی کو کہا دیکھو میرے منہ پر نور ہے یا نہیں؟ بیوی کو بھی نور کا علم نہیں تھا اُس نے کہا مجھے تو کوئی تغیر معلوم نہیں ہوتا ہاں سیاہی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ میراثی نے کہا اگر نور سیاہ ہوتا ہے تو پھر تو گھٹائیں باندھ کر آیا ہے دیکھو! میرے ہاتھ بھی سیاہ ہو گئے ہیں۔ یہ ایک لطیفہ ہے لیکن اِس سے پتہ لگتا ہے کہ انسانی فطرت یہ تقاضا کرتی ہے کہ اُسے محنت کے بدلہ میں کچھ ملے۔ جس کام کے بدلہ میں کچھ نہ ملے وہ کام لغو سمجھا جاتا ہے۔

پس اگر کوئی شخص یہ تقاضا کرے کہ اُسے نماز کے بعد کیا ملا تو اُس کا یہ تقاضا صحیح ہوگا۔ اِسی چیز کی طرف خدا تعالیٰ اِس آیت میں اشارہ کرتا ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ نماز بے حیائیوں اور بُری باتوں سے روکتی ہے۔ اِسی طرح روزے کے متعلق فرمایا۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ تا تمہارے اندر تقویٰ کی طاقت پیدا ہو جائے۔ اِسی طرح زکوٰۃ سے بھی دل میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں سب اصول بیان کر دیئے گئے ہیں اور اصول ہی اصل چیز ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پانی پینے سے پیٹ بھر جاتا ہے لیکن بخار والے مریض کا پانی سے پیٹ نہیں بھرتا بلکہ وہ پانی مانگتا چلا جاتا ہے۔ اِسی طرح نماز کا خاص فائدہ یہ ہے کہ وہ ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے اور نیکی کی طاقت پیدا کرتی ہے۔ اگر ہمیں وہ طاقت حاصل نہیں ہوتی تو ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ ہماری روحانی صحت میں ضرور کوئی خرابی ہے۔ جس طرح بخار والا غذا قبول نہیں کرتا یا غذا کھانے سے اُسے اِسہال شروع ہو جاتے ہیں، قَے ہو جاتی ہے اور اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اُس کے اندر بیماری پیدا ہو گئی ہے۔ ہم ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور اُس بیماری کا علاج کرواتے ہیں اگر علاج نہ کروایا جائے تو مرض بڑھ جاتا ہے۔ اِسی طرح روحانی غذاؤں سے اگر روحانی طاقت حاصل نہیں ہوتی اور پھر تم اِس کا فکر نہیں کرتیں تو اِس کا

نتیجہ یہ ہوگا کہ تم روحانی طور پر مَر جاؤ گی اِس لئے کہ تمہارے اندر بیماری پیدا ہوگئی ہے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن اِس کے نتیجہ پر غور نہیں کرتے، روزہ رکھتے ہیں لیکن اس کے نتیجہ پر غور نہیں کرتے، ہم اندھا دُھند چلے جاتے ہیں اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس طرح جسم غذا جذب نہیں کرتا تو وہ مَر جاتا ہے اِسی طرح ہماری روح غذا جذب نہ کرنے کی وجہ سے مَر جاتی ہے۔ انسان کو اس کی نگرانی کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ یہ روحانی غذائیں اُس کے تن لگتی ہیں کہ نہیں، اِن غذاؤں سے اُسے روحانی طاقت حاصل ہوتی ہے یا نہیں۔ ان غذاؤں سے پیدا شدہ تغیرات کو نہ دیکھیں تو ہوسکتا ہے ہمارے اندر کوئی بیماری پیدا ہو جائے اور ہم وقت پر اِس کا علاج نہ کریں اور ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں۔

تمہارے لئے میں پھر خلاصہ بیان کرتا ہوں کہ اوّل لجنہ اماء اللہ کو یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ وہ باقاعدگی سے نماز ادا کرے۔ دوم دینی مشاغل میں وہ یاد رکھے کہ جس طرح جسم کی غذا ہے اُسی طرح روح کی بھی غذا ہے جس طرح جسم کو غذا نہ ملے تو وہ مَر جاتا ہے اسی طرح روح بھی بغیر غذا کے مَر جاتی ہے۔ مگر نہ جسمانی غذا جسم کا مقصود ہے نہ روحانی غذا روح کا مقصود ہے۔ جسمانی غذا ہم اِس لئے استعمال کرتے ہیں تا خون پیدا ہو اور طاقت حاصل ہو اور اُس طاقت سے ہم دوسرے کام کریں۔ اِسی طرح روحانی غذاؤں کی بھی یہی غرض ہے کہ ہمیں روحانی طاقت ملے جس کے ذریعہ ہم دوسرے کام کرسکیں۔ اگر غذا ہی اصل مقصود ہوتی تو خدا تعالیٰ یہ کیوں فرماتا۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ [6] کہ لعنت ہے ایسے نمازیوں پر جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض نمازیوں کی نماز اُن کے لئے لعنت کا موجب بھی ہوسکتی ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دوسری عبادات پر خوش نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان کے ذریعہ جو طاقت پیدا ہوتی ہے اُس کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیے۔

پھر میں نے بتایا کہ روحانی طاقتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے اندر ایک جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ دوسرے شخص کے اندر بھی وہی اخلاقِ فاضلہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اُس کے اندر پائے جاتے ہیں۔ تم اپنے اندر تبلیغ کا مادّہ پیدا کرو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتیں تو تمہارے لئے موت مقدر ہے۔ ہیضہ جب آتا ہے تو پہلے وہ تمہارے ہمسایہ پر حملہ کرتا ہے اور

اگر تم احتیاط نہ کرو تو تم بھی اُس سے بچ نہیں سکتیں۔ طاعون ہے اس کا بھی یہی حال ہے۔ اِسی طرح اگر تم میں دین کی تبلیغ کی طرف توجہ نہیں اور تم اسے دُور کرنے کی کوشش نہیں کرتیں تو ہمسایہ کی بھی روحانی مرض تم کو ہی لگ جائے گی۔ پس نمازیں پڑھو اور پھر اِس پر غور کرتی رہا کرو کہ وہ کیا اثر پیدا کرتی ہیں۔ پھر وہی چیز دوسروں کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گی تو وہ روحانی مرض کی مبتلاء ایک نہ ایک دن تمہیں بھی اپنا شکار بنالیں گی۔ تم اپنے اندر دوسروں کو وعظ و نصیحت کرنے کی عادت پیدا کرو تا تم اُنہیں اپنا شکار بنالو۔

بِالآخر میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ تمہیں اپنے فرائض ادا کرنے کی توفیق بخشے اور تمہیں سچی مؤمنہ اور مسلمہ بنائے تا تم اپنے لئے، اپنے خاندان کے لئے، مُلک وقوم کے لئے اور سب سے بڑھ کر اسلام کے لئے مفید وجود بن سکو۔ (مصباح دسمبر ۱۹۵۰ء)

۱؎ **مسولینی:** MUSSOLNI BENITO (۱۸۸۳ء۔۱۹۴۵ء) اطالوی آمر۔ یہ ایک لوہار کا بیٹا تھا۔ ابتدائی دنوں میں استاد اور صحافی کا کام کیا۔ سوشلسٹ کی تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران اطالیہ کی جنگ میں مداخلت کی۔ وکالت کی پاداش میں ۱۹۱۴ء میں سوشلسٹ تحریک سے نکال دیا گیا۔ ۱۹۱۹ء میں اپنی جماعت بنائی۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں شاہِ اٹلی اور فوج نے اُسے وزیراعظم کے عہدے پر نامزد کیا۔ ۱۹۲۵ء میں اس نے آمرانہ اختیارات سنبھال لیے۔ ۱۹۲۶ء میں تمام مخالف جماعتوں کو خلافِ قانون قرار دے دیا۔ ۱۹۳۵ء میں ایتھوپیا پر قبضہ کیا۔ ۱۹۳۹ء میں البانیہ پر قبضہ کیا۔ اس حکمت عملی کے باعث وہ نازیوں کے بڑا قریب ہو گیا۔ جون ۱۹۴۰ء میں جنگ عظیم دوم میں شامل ہوا۔ اتحادیوں نے سسلی پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرلیا جس کے نتیجہ میں اس کی ساکھ ختم ہوگئی۔ جولائی ۱۹۴۳ء میں فسطائیوں کی گرینڈ کونسل نے اُسے استعفیٰ پر مجبور کیا پھر گرفتار کرلیا گیا۔ ۱۵ر ستمبر ۱۹۴۳ء کو جرمن ہوائی جہاز اُسے رہا کرا کر جرمنی لے گئے۔ لیکن پھر اس نے شمالی اٹلی میں جمہوریہ فسطائیہ کے نام سے متوازی حکومت بنا لی۔ اپریل ۱۹۴۵ء میں اسے اپنی داشتہ کے ساتھ گرفتار کیا گیا۔ دونوں کو گولی ماردی گئی۔ اس کی لاش میلان لے جائی گئی جہاں اُسے سڑکوں پر گھسیٹا گیا۔

(اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۶۲۵ء مطبوعہ ۱۹۸۸ء لاہور)

۲ بخاری کتاب الاذان باب وجوب صلوٰۃ الجماعۃ

۳ العنکبوت: ۴۶ ۴ البقرۃ: ۱۸۴

۵ بخاری کتاب الصوم باب من لم یدع قول الزور (مفہوماً)

۶ الماعون: ۶،۵

اسلام اور موجودہ مغربی نظریے

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

اسلام اور موجودہ مغربی نظریے

(فرمودہ ۲۱ ؍اگست ۱۹۴۹ء بمقام کوئٹہ)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے سورہ مائدہ کے ساتویں رکوع کی درج ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ اَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّصِیْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ ؕ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ ؔۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۲﴾ [1]

اس کے بعد فرمایا:۔

’’میرا مضمون آج اسلام اور موجودہ مغربی نظریے کے فرق پر ہے۔ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ

میری غرض اِس عنوان سے یہ نہیں ہوسکتی کہ ایک طرف اسلام کے نظریے بیان کر دوں اور دوسری طرف مغربی نظریے بیان کروں بلکہ میری غرض یہ ہے کہ اسلام کے نظریوں کو مغربی نظریوں پر جو فوقیت حاصل ہے اُس کو بیان کروں لیکن پیشتر اِس کے کہ میں اس کے متعلق کچھ کہوں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تمہید کے طور پر میں اِس امر کو واضح کروں کہ اسلام اپنی کسی فوقیت کا قائل بھی ہے یا نہیں تا یہ نہ ہو کہ ہماری مثال ''مدعی سست اور گواہ چست'' والی ہو جائے۔ یعنی قرآن تو یہ دعویٰ نہ کرتا ہو کہ اِس کے نظریے اِس زمانہ یا آئندہ زمانہ کے نظریوں پر فوقیت رکھتے ہیں اور میں فوقیت ثابت کرنے لگ جاؤں۔

اس غرض کیلئے ایک تو وہ آیات جو میں نے ابھی پڑھی ہیں اِس بات کی دلیل ہیں کہ اسلام کو یہ فوقیت حاصل ہے مگر اِن کے علاوہ قرآن کریم کی ایک اور آیت بھی نہایت واضح اور اہم ہے اور وہ آیت یہ ہے کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[۲] اوپر کی آیات سورہ مائدہ کے ساتویں رکوع کی ہیں اور یہ آیت سورہ مائدہ کے پہلے رکوع کی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا ہے اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند کیا ہے۔ یہ آیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھی جس کے ۸۰ دن کے بعد آپ وفات پا گئے۔ بعض صحابہؓ اور بہت سے مفسرین اِس بات کے مدعی ہیں کہ یہ آیت قرآن کریم کی آخری آیت ہے یعنی اس کے بعد کوئی اور کلامِ الٰہی نازل نہیں ہوا لیکن بعض نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ بہرحال اگر یہ آخری آیت نہیں تو چند نہایت ہی آخری آیتوں میں سے ایک آیت ہے اور بتاتی ہے کہ:۔

اوّل: شریعت اسلامی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکمل کر دی گئی ہے اب کوئی ایسا حکم نازل نہیں ہوسکتا جو ان حکموں کو بدل دے۔ اِس سے ہمیں یہ اصول معلوم ہوا کہ اسلام میں جس قانون کو پیش کیا گیا ہے خواہ اسے غیر مذاہب والے مانیں یا نہ مانیں ایک مسلمان کو بہرحال یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے پوری طرح مکمل کر دیا گیا ہے اور دنیا کو جتنے قوانین کی ضرورت تھی وہ سب اِس میں آ گئے ہیں۔ ایسے قانون تو بے شک بن سکتے ہیں جو وقتی اور مقامی طور پر

ضروری ہوں یا جو عارضی مشکلات کو دور کرنے کے لئے ہوں لیکن جہاں تک وہ امور ہیں جن میں مذہب کو اِس بات کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے کہ وہ ہدایت کرے ان تمام امور کو قرآن کریم میں بیان کر دیا گیا ہے کسی کو بِالتفصیل اور کسی کو بِالاجمال۔

دوم: فرماتا ہے اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ دین کو کامل کرنے کے نتیجہ میں میں نے اپنا انعام تم پر مکمل کر دیا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے سارے احکام کوئی نہ کوئی خوبی اور حکمت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس کے احکام صرف حکم کے طور پر نہیں بلکہ ان میں انسانی فائدہ اور اس کی ترقی کو ملحوظ رکھا گیا ہے اگر یہ معنی نہ لئے جائیں تو اکمالِ دین کا نتیجہ اتمامِ نعمت نہیں ہوسکتا۔ یہ نتیجہ تبھی پیدا ہوسکتا ہے جب دین کے تمام احکام ہمارے لئے نعمت ہوں تب ہم کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ ہمارا دین مکمل ہے اور چونکہ اِس کا ہر حکم ہمارے فائدہ کے لئے ہے اِس لئے دین کے مکمل ہونے کے ساتھ انعام بھی مکمل ہو گیا ہے۔ یہ اسلامی شریعت کی ایک ایسی خصوصیت ہے جو اِسے تمام شریعتوں سے ممتاز کرتی ہے۔ باقی شریعتوں کے احکام کسی حکمت اور فلسفہ کے ماتحت نہیں مگر اسلام کسی بات کا حکم نہیں دیتا اور کسی بات سے بنی نوع انسان کو نہیں روکتا لیکن اُسی صورت میں جب اُس پر عمل یا اُس سے اجتناب لوگوں کے لئے مفید ہو۔

(اِس ضمن میں حضور نے نماز کی حقیقت کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا اور بتایا کہ) جو شخص سچے دل سے نماز پڑھتا ہے وہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ [۳] کے مطابق ہر قسم کی بُرائیوں سے بچ جاتا ہے۔

اسی طرح روزہ ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صرف روزہ رکھنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ساتھ ہی فرمایا ہے کہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [۴] روزے اس لئے رکھے گئے ہیں تا تم میں تقویٰ پیدا ہو۔ غرض اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی کوئی ضرورت ایسی نہیں جس کو پورا کرنے کا سامان انہیں باہر سے لانا پڑے سارے احکام قرآن کریم میں بیان کر دیئے گئے ہیں اور وہ سارے احکام ایسے ہیں جو بنی نوع انسان کے فائدے کے لئے ہیں۔ پس کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ مسلمانوں کو کوئی ضرورت ہو اور اُس کو پورا کرنے کا سامان اُنہیں باہر سے لانا پڑے۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ مسلمان

قرآنی احکام پر عمل کریں۔ تو اُنہیں نقصان ہو۔ عمل کے نتیجہ میں ہمیشہ نعمت ہی نعمت انہیں میسر آئے گی۔

(اِس کے بعد حضور نے سورہ مائدہ کی اِن آیات کی تفسیر فرمائی جو اوپر درج کی گئی ہیں اور بتایا کہ)

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے نہایت واضح رنگ میں موجودہ زمانہ کے مقنّنوں اور فلسفیوں کے پیچھے چلنے سے روکا ہے اور بتایا ہے کہ تمہاری تمام ترقی اسلام اور قرآن پر عمل کرنے میں ہے نہ کہ قانون اور فلسفہ اور اقتصاد اور سائنس اور صنعت وحرفت کے ماہرین کے پیچھے چلنے میں۔

(سلسلہ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ:۔)

اس زمانہ میں مغربی اقوام کے مختلف نظریات اسلام سے ٹکراتے ہیں جن میں سے بعض مذہبی ہیں اور بعض سیاسی اور اقتصادی۔ لیکن کوئی ایک نظریہ بھی ایسا نہیں جس میں مغرب کو شکست فاش نہ ہوئی ہو۔ مذہبی نظریوں میں سے سب سے بڑا توحید کا نظریہ ہے۔ عیسائیت نے جب ترقی کی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُنہوں نے خدا اور خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا بلکہ نادان مسلمانوں نے بھی بعض خدائی صفات حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کرنی شروع کر دیں اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ انہیں کچھ علم غیب حاصل تھا۔ وہ بھی بعض جانور زندہ کر لیا کرتے تھے، وہ بھی مُردے زندہ کر لیتے تھے اور اس طرح وہ عیسائیت کی تقویت کا موجب ہو گئے مگر اسلام سے ٹکر کھانے کے بعد مغرب اپنے اِس نظریہ پر قائم نہ رہ سکا اور وہی یورپ جو اسلام کی پیش کردہ توحید پر حملہ کیا کرتا تھا آج اپنے منہ سے تثلیث کا انکار اور توحید کا اقرار کر رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قومی لحاظ سے یورپ کیا کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا آج بھی وہ تین خداؤں کا قائل ہے؟ آج اگر عیسائیوں سے پوچھا جائے تو وہ صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہماری مراد صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح خدا کے مقرب تھے ورنہ خدا ایک ہی ہے۔ غرض یورپ عقیدۂ توحید میں اسلام سے ٹکرایا مگر اس ٹکراؤ کے نتیجہ میں اسلام ہی غالب آیا۔

پھر طلاق کا مسئلہ لے لو۔ یورپین مصنفین نے اپنی کتب کے ہزاروں ہزار صفحات میں اِس

مسئلہ پر ہنسی اُڑائی ہے۔ ان کے بڑے بڑے فلسفی اور مقنن یہ کہا کرتے تھے کہ اس تعلیم سے عورت اور مرد کے محبت کے حقوق کو تلف کر دیا گیا ہے مگر آج کیا حال ہے امریکہ طلاق کا قانون پاس کر چکا ہے، انگلستان میں بھی آہستہ آہستہ طلاق کو نرم کیا جا رہا ہے اور روس میں بھی بے حد آزادی ہے۔ امریکہ میں تو اِتنی معمولی معمولی باتوں پر طلاق واقع ہو جاتی ہے کہ حیرت آتی ہے۔ اسلام نے تو طلاق اور خلع کے ساتھ کئی قسم کی شرائط رکھ دی ہیں لیکن وہاں بعض دفعہ اتنی سی بات پر طلاق ہو جاتی ہے کہ مثلاً عورت کہتی ہے میں نے ایک ناول لکھا ہے مگر میرا خاوند کہتا ہے کہ یہ ناول بیہودہ ہے۔ مقدمہ عدالت میں جاتا ہے تو جج عورت کے حق میں فیصلہ دے کر اُسے طلاق دِلوا دیتا ہے۔ غرض اِس مسئلہ میں بھی مغرب نے اسلام سے ٹکرا کر شکست کھائی اور فتح اسلام ہی کو حاصل ہوئی۔

پھر حرمت شراب کا مسئلہ ہے اسلام نے نہایت واضح الفاظ میں شراب کو حرام قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ گو اِس میں کچھ فوائد بھی ہیں مگر اِس کے نقصانات اس کے فوائد سے بڑھ کر ہیں۔[۵] اس لئے ہم اس کا استعمال تمہارے لئے حرام قرار دیتے ہیں۔ یورپ نے اِس تعلیم پر بھی اعتراض کیا اور کہا کہ اسلام انسان کی علوحوصلگی اور بڑائی کو نہیں سمجھتا، اسلام فطرت کے نازک جوہروں کو نہیں سمجھتا۔ وہ ایشیائی لوگ تھے جو شراب پی کر بدمست ہو جایا کرتے تھے اور ان کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی تھی۔ ہمارے یورپ والے پیگ پیتے ہیں تو ان کی عقل پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو جاتی ہے مگر پھر ٹھوکریں کھانے کے بعد امریکہ نے ہی قانون بنایا کہ شراب پینا ناجائز ہے۔ اگر پیگ عقل کو تیز کرتا ہے تو امریکہ نے شراب کو حرام کرنے کی کیوں کوشش کی؟ مگر پندرہ سال کے بعد امریکہ نے دوبارہ شراب پینا جائز قرار دے دیا اور اِس طرح ایک بار پھر اسلام کی صداقت واضح ہوگئی اور دنیا پر ثابت ہو گیا کہ قرآن نے جو کچھ کہا تھا اس کے پیچھے خدائی طاقت کام کر رہی تھی مگر یورپ کی آواز کے پیچھے کوئی خدائی طاقت نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے شراب کو حرام قرار دیا تو وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی لیکن امریکہ نے شراب کو حرام قرار دیا تو پندرہ سال کے بعد وہ پھر اس قانون کو منسوخ کرنے پر مجبور ہو گیا۔

پھر کثرتِ ازدواج کا مسئلہ بھی ان مسائل میں سے ہے جس کی حکمت اس زمانہ میں واضح

ہوگئی ہے۔ اگر ہندوستان کے مسلمان تبلیغ پر زور دیتے تو آدھے ہندوستان کو وہ مسلمان بنا لیتے اور اگر تعددِ ازدواج سے کام لیتے تو باقی آدھا ہندوستان بھی مسلمان ہو جاتا اور آج سارے ہندوستان میں مسلمان ہی مسلمان ہوتے مگر بدقسمتی سے عیسائیوں اور یورپین اقوام کے ڈر کے مارے خود مسلمانوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ تو عربوں کے زمانہ کی بات تھی چونکہ عربوں میں زیادہ شادیاں کرنے کا رواج تھا اس لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چار شادیاں کرنے کی اجازت دے دی۔ اس کا خمیازہ آج مسلمان بھگت رہے ہیں۔ بہار میں جب فسادات ہوئے اور وہاں کے بعض دوست قادیان آئے تو میں نے اُنہیں ترقی کا یہی گُر بتایا تھا مگر ساتھ ہی کہہ دیا تھا کہ آپ لوگ اِس پر عمل نہیں کریں گے۔ اب بھی اگر مسلمان اِس پر عمل کریں تو پچاس سال میں ان کی کایا پلٹ جائے۔

پھر جوا ہے اسلام نے اس کی ممانعت کی مگر یورپ نے ہنسی اُڑائی اور کہا کہ جوئے سے روکنا ایک بے معنی بات ہے مگر آج کوئی مُلک دکھاؤ جس میں جوئے کے متعلق قانون نہ بن رہے ہوں۔ یوں کھلے طور پر وہ اسے چھوڑ نہیں سکتے کیونکہ یکدم جوا چھوڑتے ہوئے انہیں شرم محسوس ہوتی ہے مگر قانون بنا رہے ہیں کہ فلاں طرز کا جوا منع ہے یا اس اس طرح کھیلنا منع ہے گویا بات وہی آ گئی جو اسلام نے پیش کی تھی مگر کھلے طور پر جوئے کو ناجائز قرار دینے میں وہ ابھی اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں۔

پھر قرآن کریم نے سزائے موت کو ضروری قرار دیا تھا مگر یورپ کے کئی مُلکوں نے سزائے موت کو منسوخ کر دیا اور کہا کہ یہ ظالمانہ سزا ہے مگر ۲۵، ۳۰ سال کے بعد اب پھر سزائے موت کے قانون بنائے جا رہے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ اس کے بغیر مُلک کا امن قائم نہیں رہ سکتا۔ غرض بیسیوں امور ہیں جن میں مغرب اسلام سے ٹکرایا مگر آخر مجبور ہو کر وہ اسلام کے راستہ پر ہی چلا اور یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ آج سے تیرہ سَو سال پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کلام نازل ہوا تھا وہ اُسی خدا کی طرف سے تھا جس نے انسان کو پیدا کیا اور جو جانتا تھا کہ کون کون سی باتیں انسان کے لئے مفید ہیں اور کون کون سی مضر۔''

(الفضل ۳۱؍ اگست ۱۹۴۹ء)

اب مسلم لیگ نے ایک قانون زمینداروں کے متعلق پیش کر دیا ہے کہ پچیس پچیس ایکڑ سے زیادہ کسی کے پاس زمین نہ رہنے دی جائے اور سب کو زمینداری کے لحاظ سے مساوات کی سطح پر رکھا جائے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے زیادہ اعلیٰ دماغ اور عقل والا اور کون ہوسکتا ہے ہم تو یہ مساوات قائم کرنے کے لئے یورپ کے اعلیٰ سے اعلیٰ قانون کے پیچھے چل رہے ہیں حالانکہ اگر انسان سوچے تو یہ بھی ویسی ہی بیوقوفی کی بات ہے جیسے یورپ اَور ہزاروں امور میں بیوقوفی کا ارتکاب کر چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اِس طریق پر عمل کرنے سے انصاف قائم ہو جائے گا مگر اس کے متعلق پہلا سوال تو یہی پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ انصاف صرف زمینداروں سے کرنا ضروری ہے غیر زمینداروں سے نہیں؟ کیا زمیندار خدا تعالیٰ کی کوئی خاص مخلوق ہے اور تاجر اور صناع اور کارخانہ دار اور وزراء اُس کی مخلوق نہیں؟ ایک زمیندار کے لئے تو ضرورت ہے کہ اُس کے پاس ۲۵ /ا یکڑ سے زیادہ زمین نہ رہنے دی جائے مگر تاجر اور صناع اور وزراء اور جرنیل اور کارخانہ دار اِن کے لئے کسی قانون کی ضرورت نہیں یہ جتنا چاہیں روپیہ کما لیں۔ ۲۵ /ا یکڑ کے معنی آجکل ۷۰، ۸۰ روپیہ ماہوار کے ہیں اور یہ بھی اِن دنوں میں جب کہ اجناس کسی قدر گراں ہیں اگر جنس سستی ہو جائے تو معمولی زمین والا ۲۵ /ا یکڑ سے پچیس تیس روپیہ ماہوار سے زیادہ کما نہیں سکتا۔ پس سوال یہ ہے کہ یہ انصاف جو زمیندار کے لئے تیار کیا جا رہا ہے اِس میں باقیوں کو کیوں شامل نہیں کیا گیا؟ اُدھر مزدور کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اُسے ملتا ہے وہ کم ہے اُسے زیادہ ملنا چاہیے۔ تیس روپے اُس کی ضروریات کے لئے بہت کم ہیں کم از کم چھپن روپے اُسے ملنے چاہئیں اور اُدھر زمیندار کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جس کے پاس ۲۵ /ا یکڑ سے زائد زمین ہو وہ لے لی جائے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ صرف تیس چالیس روپیہ ماہوار آمد پر آ جائے۔ گویا ایک طرف اُس کی آمد پر اعتراض کیا جاتا ہے اور دوسری طرف اُسی آمد کو رائج کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اتنی آمد کم کر دی جائے۔ یہ کونسا انصاف ہے جس سے کام لیا جا رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ردِ عمل ہے اُس طریق کا جو زمینداروں نے اختیار کیا تھا۔ میں ہمیشہ زمینداروں سے کہا کرتا تھا کہ تم انگریز کی وجہ سے اپنی ترقی کے لئے کئی قسم کے قوانین بنا رہے ہو جب یہ زمانہ نہ رہا تمہیں مشکل پیش آئے گی۔ مثلاً ایک قانون یہ بنوایا گیا کہ صرف زمیندار ہی

زمین خرید سکتا ہے تاجر یا صناع یا ملازم زمین نہیں خرید سکتا۔ میں اُن سے کہا کرتا تھا کہ یہ کونسا انصاف ہے تم نوکری بھی کرسکو، تجارت بھی کرسکو، صنعت وحرفت بھی کرسکو، کارخانہ بھی چلا سکو اور ملازم پیشہ لوگ یا تاجر یا صناع یا کارخانہ دار زمین نہ خرید سکیں۔ یا تو تمہارے لئے بھی یہ قانون ہونا چاہیے کہ کوئی زمیندار نوکری یا تجارت وغیرہ نہیں کرسکتا مگر تم زمینداریاں بھی کرسکو، نوکریاں بھی کرسکو، تجارت بھی کرسکو، کارخانے بھی چلا سکو، یہ اَور بات ہے کہ تم ایسا نہ کرو مگر بہرحال کوئی قانون تمہارے رستہ میں روک نہیں۔ تم سب کچھ کرسکتے ہو مگر غیر زمیندار کے لئے تم نے یہ قانون بنوایا ہے کہ وہ زمین نہیں لے سکتا کسی دن تم اِس کا خمیازہ بھگتو گے۔ چنانچہ اب غیر زمیندار آگے آ گئے ہیں اور اُنہوں نے زمینداروں کے خلاف یہ قانون تجویز کر دیا ہے اور اِس کا نام مساوات رکھا جا رہا ہے حالانکہ یہ ایک غیر طبعی مساوات ہے حقیقی مساوات نہیں۔ فرض کرو کسی کے پاس ۲۵/۱ ایکڑ زمین ہے اور اُس کے دو بیٹے ہیں تو ہر بیٹے کو ساڑھے بارہ بارہ ایکڑ زمین آئے گی۔ اِس کے بعد اگر ان کے بھی دو دو بیٹے ہوئے تو چھ چھ ایکڑ زمین ہر ایک کے حصہ میں آ جائے گی اور اگر چار بچے ہوئے تو صرف ڈیڑھ ڈیڑھ ایکڑ زمین آئے گی اِس طرح کوئی صورت بھی اُن کے گزارہ کی باقی نہیں رہے گی۔ پس یہ عجیب قانون ہے جو ایک دو نسلوں تک ہی چل کر ختم ہو جائے گا۔ کوئی قانون ایسا ہوتا ہے جو سَو ڈیڑھ سَو سال تک جاتا ہے، کوئی قانون ایسا ہوتا ہے جو دو چار سَو سال تک جاتا ہے مگر یہ قانون تو ایسا ہے جو ایک نسل کے لئے بھی کافی نہیں اور اگلی نسل کے پاس صرف اِس قدر زمین رہ جائے گی جس میں اُس کے گزارہ کی کوئی صورت ہی نہیں ہوگی۔ پھر یہ کونسا انصاف ہے کہ مزدور اگر ترقی کرنا چاہے تو کر جائے، کلرک اگر ترقی کرنا چاہے تو کر جائے مگر زمیندار کے لئے ترقی کے ہر قسم کے راستے مسدود کر دیئے جائیں۔ اگر آج ایک مزدور ترقی کرنا چاہے تو کوئی قانون اُسے ترقی سے نہیں روکتا۔ کئی مزدور ایسے ہیں جو ترقی کرکے فورمین بن جاتے ہیں اور دو دو، اڑھائی اڑھائی سَو روپیہ ماہوار کماتے ہیں۔

سندھ میں مجھے ایک دوست ملے جو مستری سے ترقی کر کے انجینئر بنے تھے اُنہوں نے باتوں باتوں میں مجھ سے ذکر کیا کہ میں حیران ہوتا ہوں لوگ اپنی ذات اور قومیت کو چھپاتے

کیوں ہیں میں نے تو اِس بات میں کبھی اپنی ذلّت محسوس نہیں کی۔ میں ہمیشہ کہہ دیا کرتا ہوں کہ میں ایک مستری ہوا کرتا تھا مگر اب اللہ تعالیٰ نے مجھے انجینئر بنا دیا ہے۔ پھر اُنہوں نے ذکر کیا کہ لائیڈ بیراج میں میں کام کرتا تھا کہ میرا باپ اور چچا نہایت خستہ حالت میں میرے پاس پہنچے۔ میں دلیری سے چیف انجینئر کے پاس چلا گیا اور اُس سے کہا کہ یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں اِنہیں کوئی مزدوری کا کام دے دیں تا کہ یہ اپنا گزارہ چلا سکیں۔ چیف انجینئر اُن کو دیکھ کر کہنے لگا خان صاحب آپ مذاق کرتے ہیں؟ میں نے کہا مذاق نہیں۔ جب خدا نے اُن کو میرا باپ بنایا ہے اور انہیں میرا چچا بنایا ہے تو میں ان کو باپ اور چچا نہ کہوں تو اَور کیا کہوں۔ وہ کہتے ہیں میری اِس بات کا اُس پر اتنا اثر ہوا کہ اُس نے شروع سے ہی اُنہیں فورمین بنا دیا اور وہ اڑھائی تین سَو روپیہ ماہوار لینے لگ گئے۔ تو یہ عجیب بات ہے کہ مزدور تو ترقی کر کے فورمین بن سکے اور زمیندار کو تیس چالیس روپیہ ماہور سے زیادہ کمانے نہ دیا جائے۔ یا تو یہ قانون بنا دو کہ زمیندار کو بھی اور کام کرنے کی اجازت ہوگی۔ وہ ملازمت بھی کر سکتا ہے، تجارت بھی کر سکتا ہے، صنعت وحرفت بھی کر سکتا ہے، کارخانے بھی چلا سکتا ہے کوئی اَور کام بھی کر سکتا ہے۔ جس طرح مزدور فورمین بن سکتا ہے، کلرک ہیڈ کلرک بن سکتا ہے، ہیڈ کلرک سپرنٹنڈنٹ بن سکتا ہے اِسی طرح زمیندار کے لئے بھی ترقی کا میدان کھلا ہو اور یا پھر تمام ملازموں اور وزراء کی تنخواہیں بھی چالیس چالیس پچاس پچاس روپیہ کر دی جائیں پھر بیشک اِس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ کیا ہے کہ وزیر تو تین ہزار روپیہ ماہوار لے رہا ہو اور زمیندار کو تیس چالیس روپیہ ماہوار سے زیادہ کمانے کی اجازت نہ ہو اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مُلک میں بغاوت پیدا ہوگی۔ اب تو جس کے پاس ۱۵؍۱ ایکڑ زمین ہے اُسے پچیس ایکڑ زمین مل گئی تو وہ خوش ہو جائے گا مگر جب آگے اُس کے بچے پیدا ہونگے اور اُن کی ترقی کے راستے بالکل مسدود ہونگے تو سارے مُلک میں بغاوت ہو جائے گی اور تمام امن برباد ہو جائے گا۔

کئی لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ جب روس میں ایسے قانون موجود ہیں تو ہمارے مُلک میں ایسے قانون کیوں نہیں بن سکتے۔ اُنہیں یہ معلوم نہیں کہ روس اور ہمارے مُلک میں فرق ہے۔ ہمارا مُلک روس سے چھٹے حصہ سے بھی کم ہے میری مراد صرف پاکستان نہیں بلکہ پارٹیشن سے

پہلے جو یونائیٹڈ اِنڈیا تھا وہ مراد ہے یعنی سارا ہندوستان جس میں پاکستان بھی شامل ہے اپنے رقبہ کے لحاظ سے روس سے چھٹے حصہ سے بھی کم ہے لیکن ہماری آبادی روس سے دُگنی ہے۔ گویا روس نے اگر ایک ایکڑ زمین کسی کو دی ہوئی ہے تو ابھی گیارہ ایکڑ زمین اُس کے پاس باقی ہے جس میں نئی نسلیں آسانی سے گزارہ کر سکتی ہیں اور اس طرح وہ اپنا قانون دس نسلوں تک قائم رکھ سکتا ہے لیکن ہماری تو اگلی نسل ہی باغی ہو جائے گی اور مُلک کا امن برباد ہو جائے گا۔ یہ بھی وہی نظریہ ہے جو رشیا سے آیا اور مسلمانوں نے اِسے اپنانا شروع کر دیا۔ اُنہوں نے سمجھا کہ جب رشیا میں اِس قسم کا قانون ہے تو ہم بھی اُس کے پیچھے کیوں نہ چلیں۔

(از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

(آخر میں حضور نے مسلم لیگ کی اِس تجویز کے متعلق فرمایا جو زمینداری سسٹم کو اُڑا دینے کے لیے پیش کی جا رہی ہے اور اس کی مخالفت کرتے ہوئے حضور نے اس کے نقصانات کی وضاحت فرمائی اور فرمایا کہ)

''مسلمان اس قانون میں روس کی نقل کر رہے ہیں جو نقصان رساں ہوگا''۔

آخر میں حضور نے فرمایا:

''تمام خرابی اور تباہی کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان قرآن کریم پر صرف اسی طور پر ایمان رکھتے ہیں ایمان ان کے عمل میں نہیں۔ ورنہ وہ سمجھتے کہ تمام برکت قرآن کریم پر عمل کرنے میں ہے اور اگر ہم ذرا بھی اس کے احکام سے اِدھر اُدھر ہوئے تو ہمیں بھی نقصان پہنچے گا اور ہماری آئندہ نسلیں بھی تباہ ہو جائیں گی''۔ (الفضل ۳۱ راگست ۱۹۴۹ء)

---

۱ المائدۃ: ۴۹ تا ۵۲ ۲ المائدۃ: ۴ ۳ العنکبوت: ۴۶

۴ البقرۃ: ۱۸۴

۵ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ (البقرۃ: ۲۲۰)

خدام الاحمدیہ کے قیام سے وابستہ توقعات

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خدام الاحمدیہ کے قیام سے وابستہ توقعات

(فرمودہ ۳۰/ اکتوبر ۱۹۴۹ء برموقع افتتاح سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''خدام الاحمدیہ کے قیام سے میرا مقصد دراصل یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح ہمارے نوجوانوں میں وہ روحانیت پیدا ہو جائے کہ وہ قوم کی آئندہ اپنے کندھوں پر پڑنے والی ذمہ داریوں کو اُٹھا سکیں۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ہماری جماعت کوئی سیاسی جماعت نہیں ہے اور نہ ہی مذہبی جماعتیں کبھی سیاست کے تابع چلا کرتی ہیں بلکہ سیاست خود اُن کی غلامی میں پناہ ڈھونڈا کرتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے اپنے وطن کے گذشتہ سیاسی بحران میں بھی محض تعاون اور قوم کے نیک طبیعت اکابر کی اعانت ہی کو کافی سمجھا اور باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے سے ہمیشہ پہلو تہی اختیار کی۔

باؤنڈری کمیشن کے ایام میں میں خود مدد کرتا رہا۔ پھر مصائب سے پُر ایام میں بھی ہم نے ہر ممکن اعانت کی لیکن اِس کے باوجود ہم بحیثیت جماعت کسی سیاسی پارٹی میں مدغم نہیں ہوئے بلکہ اس سے آزاد رہ کر صرف جائز حد تک تعاون ہی کو کافی سمجھا کیونکہ مومن کبھی کسی ایسی چیز یا سرگرمی میں انہماک پسند نہیں کرتا جو اللہ اور اس کے رسول کی غلامی کے جوئے کو پوری طرح اپنی گردن پر نہ رکھے۔

ہماری جماعت ایک روحانی جماعت ہے اور ہر مذہبی تحریک کی بنیاد روحانیت ہی پر ہوا کرتی ہے یہی وجہ تھی کہ جب میں نے خدام الاحمدیہ قائم کی تو میرا مقصد محض یہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح صحیح معنوں میں دین کو دنیا پر مقدم کرنا سیکھ لے۔ لیکن افسوس اس نے اس رنگ میں میری

توقعات کو پورا نہ کیا جس رنگ میں کہ میں چاہتا تھا۔ حالانکہ میں نے ان کی سرگرمیوں کا ایک ماں کی آنکھ سے جائزہ لیا۔ اُس ماں کی طرح جس کی نظر ہمیشہ اپنے بچے کے حسن ہی پر پڑتی ہے خواہ وہ اُس کے عملی جسم کے کسی کونے میں ہو۔ میں چاہتا تھا کہ یہ باقاعدہ اور باجماعت نمازی بن جائیں، ان میں تہجد گزاری کا شوق بڑھ جائے، ان کو تبلیغ دین کا چسکا پڑ جائے اور یہ دین کے لیے قربانی وایثار کے مجسمے بن جائیں۔ لیکن خدام الاحمدیہ نے میری اِن تمام توقعات کو اُس حد تک پورا نہ کیا جس حد تک میں چاہتا تھا کہ ہو۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ موجودہ تنظیم کو بدل کر ایک نئے رنگ میں ڈھال دیا جائے اور یہ کوشش کی جائے کہ اِن میں روحانیت کے وہ تمام جوہر پیدا ہو جائیں جو پیدا کرنا اِس تنظیم کے قیام کے وقت مقصود تھا۔ چنانچہ اِس نئے فیصلے کے مطابق آئندہ کے لیے مجلس خدام الاحمدیہ کا صدر میں ہوا کروں گا اور شوریٰ کی طرح اس کے اجتماع بھی میری ہی صدارت میں ہوا کریں گے۔ سوائے اس کے کہ میں موجود نہ ہوں اور کسی کو اپنی طرف سے نگران مقرر کر دوں۔

(اس کے بعد آپ نے خدام الاحمدیہ کے گزشتہ سال کے انتخابِ صدر کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا)

مجھے افسوس ہے کہ خدام الاحمدیہ کے قواعد وضوابط کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے دو چالیس سال سے زائد عمر کے خدام کا نام پیش کیا گیا۔

(حضور نے فرمایا)

''خدام الاحمدیہ ایک روحانی جماعت ہے لہٰذا اِس سے توقع کی جاتی ہے کہ یہ روحانی تقاضوں کو پورا کرے۔ لیکن صدارت کے انتخاب میں جس بے پرواہی سے کام کیا گیا ہے اُس سے میں سمجھتا ہوں کہ خدام یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا صدر بھی محض ایک نمبردار کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں نے اِس دفعہ صدارتی انتخاب کی کارروائی کا جائزہ لیا تو مجھ پر یہ اثر پڑا کہ مختلف مجلسوں نے نام پیش کرتے ہوئے اِس روح کو مدنظر نہیں رکھا جس کے قیام کے لیے خدام کی تحریک جاری کی گئی تھی۔ محض بڑے خاندان کا فرد ہونا نام تجویز کرنے کے لیے کافی سمجھا گیا ہے۔ پس یہ دیکھ لیں کہ فلاں نوجوان مسیح موعود علیہ السلام کی نسل سے ہے اور اُس کا نام تجویز کر دیا حالانکہ دیکھنا

یہ چاہیے کہ اُس کا عمل اسلام اور احمدیت کی شان کے مطابق ہے یا نہیں؟ کیونکہ اگر کوئی نمازوں کا پابند نہیں اور دین کی خدمت کے لیے ہر وقت پیش پیش نہیں رہتا تو وہ محبت کی بجائے نفرت کا مستحق ہے۔ بلکہ اہل بیت کے معاملے میں تو قرآن کریم کا ارشاد نہایت ہی سخت ہے کہ اگر وہ کوئی غلطی کریں گے تو اُنہیں دُگنی سزا ملا کرے گی۔ میں نے دیکھا کہ صدارت کے لیے بعض نام محض اِس لیے تجویز کر دیے گئے کہ وہ مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں حالانکہ جب تک مذہب کی صحیح روح کسی شخص میں پیدا نہ ہو جائے اُس وقت تک کوئی صحیح مومن نہیں ہوسکتا۔

(حضور نے فرمایا)

بعض لوگ ماں باپ اور رسولوں کے مقام بیان کرتے وقت نہایت غلو کر جاتے ہیں اور بعض انتہائی خشکی بھی برتتے ہیں لیکن چاہیے یہ کہ حفظِ مراتب رہے اور ہر چیز اپنے مقام پر ہو۔ اِس طرح کہ اس کے نتیجے میں احمدیت کو کوئی فائدہ پہنچے ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ:

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

(حضور نے فرمایا)

میرے نزدیک بہت ہی کم جماعتوں نے صحیح طور پر کام کیا ہے۔ لہٰذا میرے سامنے دو ہی صورتیں تھیں۔ اس تحریک کو ختم کر دوں یا درست کرنے کی کوشش کروں۔ اِن دونوں صورتوں میں سے میں نے درست کرنے کی کوشش کو اوّل پر ترجیح دی۔ اب میں اِس مجلس کا براہِ راست صدر ہوا کروں گا۔ اور ایک نائب صدر جو مجلس مرکزیہ کا ممبر ہوا کرے گا میرے احکام کی تنفیذ کیا کرے گا۔ نائب صدر کا یہ کام ہوگا کہ وہ تمام مجالس سے میرے احکام یا کمیٹی کے فیصلوں کی تعمیل کرایا کرے۔ اِسی طرح مرکز میں ایک مستقل سیکرٹری ہوا کرے گا جس کے لیے چالیس سال کی عمر کی قید نہیں ہوگی۔ پھر ہر صوبے کا علیحدہ ایک ایک نائب صدر اور ایک ایک سیکرٹری ہوگا۔ ہر سال مرکز میں دو دفعہ چودہ چودہ دنوں کے لیے تربیتی کورس ہوا کریں گے جن میں خدام تربیت حاصل کر کے اپنی اپنی مجالس میں دوسرے خدام کو تربیت دیا کریں گے۔

(حضور نے فرمایا)

ان تمام اخراجات کا بجٹ خدام کو خود پورا کرنا ہوگا۔ ہر ملازم، تاجر اور زمیندار اپنی آمد پر

ایک پائی فی روپیہ کے حساب سے دیا کرے گا۔ سکول کے طلباء میں سے پرائمری والے دو پیسے، مڈل والے ایک آنہ اور ہائی سکول کے طلباء ڈیڑھ آنہ کے حساب سے چندہ ادا کیا کریں۔ کالج کے طلباء چار آنے ماہوار کے حساب سے چندہ ادا کیا کریں۔ عہدیداری کے لیے سب سے بڑی شرط دینداری ہوگی۔ ہر ووٹر کو ووٹ دیتے ہوئے باقاعدہ شہادت دینی پڑا کرے گی کہ یہ شخص اُس کے علم میں کیا واقعی پنجوقت کا نمازی ہے، راست باز ہے، غرباء پرور ہے، جھوٹا نہیں اور پابند نظامِ سلسلہ ہے۔

(آخر میں آپ نے فرمایا کہ)

چونکہ اب میں صدر رہوں گا لہٰذا اگر میری صحت نے اجازت دی تو میں آپ کے پروگرام میں حصہ لے کر بعض اور موقعوں پر خطاب کروں گا چونکہ پُرانے نظام کو سمجھنا اور اُس سے فائدہ اُٹھانا ضروری ہے تاکہ جو اچھا کام ہو چکا ہے وہ ضائع نہ ہو اِس لیے اِس سال کے لیے میں مرزا ناصر احمد ہی کو نائب صدر مقرر کرتا ہوں۔ سیکرٹری کی سفارش آپ لوگ کریں۔ اگر اُسے معقول سمجھوں گا تو میں مقرر کر دوں گا ورنہ واقفین میں سے یا جس کو اِس کام کے اہل سمجھوں گا مقرر کر دوں گا۔ جیسے دوسرے وکیلوں اور ناظروں کی طرح تبدیل بھی کیا جا سکے گا لیکن اس کے لیے عمر کی شرط نہیں ہوگی۔''

(تقریر کو ختم کرتے ہوئے حضور نے فرمایا)

''احمدی نوجوان کے معنی یہ ہیں کہ اُسے اپنی زبان پر قابو ہو، وہ محنتی ہو، وہ دیندار ہو، وہ پنجوقت کا نمازی ہو، وہ قربانی و ایثار کا مجسمہ ہو اور کلمۂ حق کو زیادہ سے زیادہ پہنچانے میں نڈر ہو۔ بے شک یہ لیفٹ رائٹ بھی بُری چیز نہیں لیکن خواہ کوئی چیز کتنی ہی اچھی ہو پھر بھی ہر چیز اپنے مقام پر ہی زیب دیتی ہے۔'' (الفضل یکم نومبر ۱۹۴۹ء)

اسلامی شعار اختیار کرنے میں ہی تمہاری کامیابی ہے

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اسلامی شعار اختیار کرنے میں ہی تمہاری کامیابی ہے

(فرمودہ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۴۹ء برموقع سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ بمقام ربوہ)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

پیشتر اِس کے کہ میں تقریر شروع کروں چند باتیں میں ضمنی طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اوّل یہ کہ آپ لوگ جب یہاں آئیں تو ایک زائد چادر ساتھ لیتے آیا کریں تاکہ اِس قسم کے موقع پر نیچے بچھا کر بیٹھ جائیں۔ گرمی زیادہ ہے جس کی وجہ سے نزلہ اور کھانسی وغیرہ امراض ہو جاتی ہیں۔ اگر زائد چادر ساتھ ہو اور وہ بچھا کر بیٹھا جائے تو اِن امراض سے انسان ایک حد تک محفوظ رہتا ہے۔ پھر اس میں ثواب بھی ہے بعض مہمان آ جاتے ہیں یا بعض لوگ چادر وغیرہ ساتھ نہیں لاتے وہ بھی ساتھ بیٹھ جائیں گے۔ پس جس طرح خیموں کے لئے تم چادریں یا کھیس ساتھ لاتے ہو اُسی طرح ایک چادر زائد بھی لے آیا کرو۔ ہمارے پنجاب میں پہلے یہ رواج ہوتا تھا کہ زمیندار جب کہیں باہر جاتے تو ایک چادر کندھے پر ڈال لیتے تھے جو اِس قسم کے مواقع پر کام آ جایا کرتی تھی اب معلوم نہیں یہ رواج ہے یا نہیں۔ بہرحال یہ چیز بڑی ضروری ہے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ بعض دوست تکلیف اُٹھا کر زمین پر ہی بیٹھ جاتے ہیں اور وہ اِسے کوئی معیوب بات نہیں سمجھتے لیکن باہر سے آنے والوں پر اِس کا بُرا اثر پڑتا ہے پس اپنے ساتھ ایک زائد کپڑا رکھنا چاہیے جو ایسے موقع پر زمین پر بچھا لیا جائے اور پھر اُس پر بیٹھا جائے۔

میں نے کل انتخابِ صدر کے متعلق چند تلخ باتیں کہی تھیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ تلخ باتیں بھی قومی ترقی کا موجب ہو جایا کرتی ہیں۔ دنیا میں جس قوم نے بھی ترقی کی ہے اپنے جذبات کو کچل کر ہی ترقی کی ہے۔ ایسی صورت میں افراد کا فرض ہوتا ہے کہ وہ تلخ باتیں سننے کے عادی

ہوں اگر وہ تلخ باتیں سننے کے عادی ہو جائیں تو اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ عرصہ کے بعد ان میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے گا کہ وہ اپنی ذات پر جرح کو سُن سکیں اور اس طرح اپنی اصلاح کر سکیں۔ ہمارے خاندان کے بعض نوجوانوں میں کچھ ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو انسان کے اندر نزاکت پیدا کر دیتی ہیں یوں بھی بڑے لوگوں کے بچوں میں قدرتی طور پر نزاکت پیدا ہو جاتی ہے لیکن میں بہت حد تک اسے ناپسند کرتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے لوگ ہمارا لحاظ کرتے ہیں اور پھر ہمارا خاندان ایک لمبے عرصہ تک حکومت کرتا چلا آیا تھا اِس وجہ سے بھی ایک طرح غرور کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ ہم جب سنتے ہیں کہ ہمارے بزرگ غرور کی وجہ سے دوسروں کی باتیں نہیں سنتے تھے تو ہم میں بھی یہ رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ میرے لئے بھی ایک موقع ایسا آیا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میں اُس موقع پر خدا تعالیٰ کے فضل سے پاس ہو گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل جب بیمار تھے اور آخری جلسہ پر تقریر کے لئے تشریف لے گئے تو اُن دنوں کسی بات پر آپ ہمارے بہنوئی نواب محمد علی خان صاحب مرحوم سے ناراض تھے۔ جب جلسہ پر جانے کی ضرورت پیش آئی تو بیماری کی وجہ سے آپ چل تو سکتے نہیں تھے اور قادیان میں اُن دنوں صرف ایک گاڑی تھی جس پر بیمار آ جا سکتے تھے اور وہ نواب محمد علی خان صاحب مرحوم کی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے چاہا کہ کسی طرح گاڑی بھی مل جائے اور آپ کو بھی نہ کہنا پڑے۔ چنانچہ آپ نے مجھ سے فرمایا میاں! تم نواب صاحب سے گاڑی منگواؤ۔ چنانچہ میں نے نواب صاحب کو گاڑی کے لئے کہلا بھیجا اور اُنہوں نے گاڑی بھیج دی۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سوار ہو کر جلسہ میں تشریف لے گئے۔ گاڑی کی خچریں بہت تیز تھیں جب گاڑی جلسہ گاہ (مسجد نور) کے پاس پہنچی تو خچریں دَوڑنے لگ پڑیں۔ سائیس نے مجھے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں گاڑی نواب صاحب کی کوٹھی لے جاؤں آپ جب گاڑی کے لئے آدمی بھیجیں گے تو میں فوراً آ جاؤں گا۔ مولوی محمد علی صاحب بھی پاس ہی تھے میں نے مناسب سمجھا کہ اُن سے بھی اِس بارہ میں مشورہ کر لوں۔ میں نے کہا مولوی صاحب! خچریں دَوڑتی اور شور کرتی ہیں سائیس کہتا ہے کہ اگر مجھے اجازت ہو تو انہیں نواب صاحب کی کوٹھی لے جاؤں جب آپ کہیں گے میں گاڑی لے آؤں گا۔ اُنہوں نے کہا ہاں ٹھیک ہے۔ میں نے

سائیس سے کہا اچھا گاڑی لے جاؤ لیکن تیار رہنا اور حکم ملنے پر فوراً لے آنا۔ ہمارا اندازہ تھا کہ کوئی گھنٹہ بھر تقریر ہو گی لیکن چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی طبیعت خراب تھی اِس لئے صرف دس پندرہ منٹ تقریر ہوئی اور آپ نے کہا گاڑی لاؤ۔ میں نے فوراً آدمی دَوڑایا گاڑی آنے میں دو چار منٹ کی دیر ہو گئی آپ ناراضگی کی حالت میں ہی پیدل چل پڑے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ بیماری کی وجہ سے آپ کے قدم لڑکھڑا رہے ہیں مگر میں نے خیال کیا کہ جو ہو گیا سو ہو گیا۔ آپ ابھی بورڈنگ کے دروازہ تک ہی پہنچے تھے کہ گاڑی آ گئی لیکن پیشتر اس کے کہ میں گاڑی پیش کروں آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ مولوی محمد علی صاحب نے بھی کہا کہ ہاں یہ ان کی غلطی تھی حالانکہ میں نے اُن سے مشورہ کر لیا تھا۔ بہرحال میں نے عرض کیا کہ چونکہ ہمیں خیال تھا کہ حضور کی تقریر لمبی ہو گی اس لئے ہم نے گاڑی واپس بھیج دی۔ اِس پر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے خفگی کا اظہار فرمایا۔ مجھے اُس وقت بُرا تو محسوس ہوا لیکن میں نے اسے برداشت کیا اور سمجھا کہ آپ ہمارے بزرگ اور مقتدیٰ ہیں آپ سے اگر ایک تلخ بات بھی میں نے سن لی تو کیا ہوا۔ جب گاڑی آ گئی تو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ گاڑی حاضر ہے حضور! اس پر سوار ہو جائیں چنانچہ آپ گاڑی پر سوار ہو گئے۔

بہرحال تلخ بات کا سننا بھی مفید ہوتا ہے ہم سے پہلوں نے تلخ باتیں سنیں اور بلند مرتبہ حاصل کیا، اگر بعد والے بھی تلخ باتیں سنیں گے تو بلند درجات حاصل کریں گے۔ ہاں انسان کو بے غیرت نہیں بننا چاہیے اور بات کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال نہیں دینا چاہیے۔ غیرت یہ ہے کہ انسان ایسی بات سنے تو اُسے بُرا تو لگے گا لیکن وہ سمجھے کہ میں نے ہی یہ بات کہلوائی ہے غصہ نہ منائے تا آئندہ اُسے اصلاح کا موقع ملے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے ساتھ بھی ایک دفعہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے ایک بھتیجے کو جو آپ کے پاس قادیان رہا کرتا تھا حکم دیا کہ وہ قادیان سے باہر چلا جائے اس لئے کہ وہ وہاں رہنے کے قابل نہیں تھا۔ وہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے پاس گیا اور اس نے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اب میں کیا کروں؟ پھر فرمایا اچھا! میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس تمہاری سفارش کروں گا لیکن

ابھی آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کچھ لکھا نہیں تھا کہ کسی شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جا کر شکایت کر دی کہ بڑے مولوی صاحب نے اپنے بھتیجے سے کہا ہے کہ قادیان سے باہر نہ جاؤ اور یہ نہ بتایا کہ آپ نے تھوڑی دیر کے لئے صرف اِس لئے اُسے روکا ہے تا کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اس کی سفارش کر سکیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر مولوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ وہ باہر نہ جائے تو پھر وہ بھی اس کے ساتھ ہی تشریف لے جائیں۔ اِس پر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس تشریف لائے اور آپ نے بتایا کہ میں نے تو یوں کہا تھا مگر شکایت کرنے والے نے آدھی بات بتائی اور آدھی نہ بتائی۔

غرض تلخ باتیں سننے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اگر تم تلخ باتیں نہیں سنو گے تو کام کرنے کی عادت نہیں پڑے گی۔ میں جب کہتا ہوں کہ تلخ باتیں سنو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم بے غیرت بن جاؤ تلخ باتیں سنو لیکن بے غیرت بن کر نہیں۔ تمہیں غصہ آئے لیکن اپنے آپ پر، استاد اور مصلح پر نہیں۔ تم یہ سمجھو کہ میں نے غلطی کی ہے جس کی وجہ سے مجھے یہ سزا ملی ہے میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ میری طبیعت پر سب سے بڑا اثر انہی تلخ باتوں نے کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ مجھے ان سے بہت فائدہ پہنچا ہے۔ مثلاً اسلامی شعار ہیں آجکل اسلامی شعار اختیار کرنے کے لئے ہمت سے کام لینا پڑتا ہے۔ یہ زمانہ ایسا ہے جس میں اسلام کی کوئی بھی چیز باقی نہیں رہی۔ لَمْ یَبْقَ مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ[1] اسلام صرف نام کا رہ گیا ہے۔ تم اگر کسی کو ہیٹ پہنے دیکھو گے تو کہو گے دیکھو! وہ انگریز بنا پھرتا ہے لیکن اپنے منہ پر دیکھو تو وہاں انگریزیت پائی جاتی ہوگی، داڑھی منڈوائی ہوئی ہوگی، تم سر سے انگریز نہیں ہو گے تو منہ سے انگریز بنے ہوئے ہو گے، کسی کے سر پر پگڑی ہوگی تو نیچے سوٹ پہنا ہوگا۔ غرض کسی نہ کسی رنگ میں انگریزیت ضرور غالب ہوگی اور اس کا مقابلہ کرنا تمہیں مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن یہی مقابلے ہیں جو انسان کے لئے کارآمد ہوتے ہیں اور اس میں ہمت پیدا کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب نصیحت فرمایا کرتے تھے تو بعض دفعہ آپ کا یہ طریق ہوتا تھا کہ آپ ایک چھوٹا سا فقرہ کہہ دیتے۔ میں بچپن میں بھی ٹوپی پہنا کرتا تھا جس طرح آجکل کے نوجوانوں کو پگڑی بوجھل معلوم

ہوتی ہے مجھے بھی بوجھل معلوم ہوتی تھی ۔ ہم سمجھتے تھے کہ ہم نئے فیشن کے ہیں ۔

ایک دفعہ غالباً عید کا دن تھا میں کپڑے پہن کر باہر نکلا ، میں جس کمرہ میں تھا اُس کا ایک دروازہ برآمدہ میں کھلتا تھا اور ایک باہر ۔ میں کپڑے بدل کر برآمدہ میں پہنچا ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی گھر سے نکلے اور اُس دروازہ میں پہنچے ۔ میں نے بھی اُسی دروازہ سے گزرنا تھا اور آپ بھی اُسی دروازے سے گزرے ۔ میں نے ٹوپی پہنی ہوئی تھی اور صرف اُس دن ہی نہیں بلکہ بچپن سے پہنتا چلا آیا تھا لیکن آپ نے مجھے دیکھ کر کہا عید کے دن بھی ٹوپی ؟ یہ فقرہ گو سادہ تھا لیکن مجھ پر اِس کا یہ اثر ہوا کہ میں اُسی وقت واپس گیا اور کسی سے کپڑا مانگ کر پگڑی باندھی اور اُس دن کے بعد کبھی میں نے ٹوپی نہیں پہنی ۔

ایک دفعہ آپ فرمانے لگے ہمارے خاندان کا یہ طریق ہے کہ جب ہم میں سے کوئی شخص باہر نکلتا ہے تو کوٹ پہن کر نکلتا ہے اور سوٹی ہاتھ میں رکھتا ہے اس لئے تم بھی جب باہر نکلو تو کوٹ پہن کر نکلو اور سوٹی ہاتھ میں لے کر نکلو اور جب گھوڑے کی سواری کرو تو پٹکا باندھو ۔ میں نے یہ بات آپ سے سنی اور اُسی دن سے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا ۔ ایک دن شامت اعمال سے میں پھنس گیا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے مجھ سے پوچھا میاں ! تم گھر سے نکلتے ہو تو کوٹ پہن کر اور ہاتھ میں سوٹی پکڑ کر نکلتے ہو اِس کی کیا وجہ ہے ؟ میں نے بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ ہمارے خاندان کا یہ طریق تھا کہ جب بھی اُس کے افراد گھر سے باہر نکلتے تھے تو کوٹ پہن کر نکلتے تھے اور ہاتھ میں سوٹی لے کر نکلتے تھے اور اگر گھوڑے کی سواری کا موقع ہوتو پٹکا باندھتے تھے اس لئے میں بھی ایسا کرتا ہوں ۔ یہ تو لمبی بات بھی ہے گھوڑے کی سواری سے عموماً پیٹ بڑا ہو جاتا ہے اور اگر پٹکا باندھ لیا جائے تو پیٹ بڑھتا نہیں ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد تحصیلدار ہمارے نام داخل خارج چڑھانے کے لئے آیا اُن دنوں سرکاری حکام جب قادیان آتے تو مرزا نظام الدین صاحب کے ہاں ٹھہرا کرتے ۔ اُس نے مجھے وہاں بُلوایا میں حضرت خلیفہ اوّل کے پاس پڑھ رہا تھا اس لئے ادب کی وجہ سے نہ اُٹھا ۔ دوسری دفعہ اُس نے پیغام بھیجا میں نہ گیا ۔ پھر تیسری دفعہ پیغام بھیجا تو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے فرمایا میاں ! یہ افسر لوگ ہیں چلے جاؤ ۔ حضرت خلیفہ اوّل کے ادب کی وجہ

سے میں نے خیال کیا کہ جلدی آ جاؤں گا۔ میری جوتی اندر تھی میں جوتی پہن کر ساتھ کے دروازہ سے اُتر آیا۔ میری شامت اعمال تھی کہ جب میں اندر گیا تو آپ نے اُن لوگوں سے جو آپ کی مجلس میں موجود تھے فرمایا دیکھو! یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بات پر عمل کرتے ہوئے کوٹ پہن کر اور ہاتھ میں سوٹی لے کر باہر آئے گا اِس بات کی تصدیق کرنے کے لئے تمام لوگ دروازہ پر کھڑے ہوگئے۔ اِدھر میں اسی طرح آ گیا۔ مجھے اوپر سے یوں آواز آئی جیسے کسی کو شرمندہ کیا گیا ہو۔ جب میں واپس آیا تو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے فرمایا میاں! تم نے مجھے آج بہت شرمندہ کیا۔ میں نے سب لوگوں سے یہ کہا تھا کہ دیکھو! یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بات پر عمل کرے گا اور کوٹ پہن کر باہر آئے گا اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ تم یونہی آ گئے۔ میں نے کہا میں نے آپ کے ادب کی وجہ سے یہ چاہا تھا کہ جلدی آ جاؤں اِس لئے بغیر کوٹ پہنے اور سوٹی ہاتھ میں لئے باہر نکل آیا۔ یہ واقعہ سن کر کئی احمدیوں نے بھی اُس وقت پگڑیاں پہننی شروع کر دی تھیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے بعض نے ٹوپیاں پہننی شروع کر دی ہیں، بعض نے نکٹائیاں لگانی شروع کر دی ہیں اور بعض داڑھیاں مُنڈواتے ہیں اور اُنہیں یہ حس ہی نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اِس وقت ان کے باپ دادا کی عزت کا سوال تھا اِنہیں چاہیے تھا کہ وہ خاندانی روایات کو قائم رکھتے اور اپنے باپ دادا کے اچھے نمونہ کو قائم رکھتے لیکن اُنہوں نے اِس طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک دفعہ مجھے کہیں سے ایک رقم ملی اور میں نے ایک کوٹ اور پتلون سلوائی اور ایک ٹائی بھی خریدی۔ اس لباس میں میں نے ایک تصویر بھی کھنچوائی۔ یہ کوٹ اور پتلون تین چار دن ہی پہنی تھی کہ انہیں بدل دیا۔ یہ وہ دن تھے جب گورداسپور میں کرم دین بھیں والا مقدمہ چل رہا تھا متواتر تاریخ پڑنے کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہیں رہنا شروع کر دیا۔ عارضی قیام کے لئے وہاں ایک مکان لے لیا گیا تھا، ہمارے مہمان بھی وہیں آ جاتے تھے۔ اُس زمانہ میں بہت کم احمدی تھے اُن دنوں ہمارے ایک احمدی دوست محمد ایوب صاحب تھے جو غالباً صوبیدار میجر تھے اور مراد آباد کے رہنے والے تھے وہ اُن دنوں نئے احمدی ہوئے تھے اور نیا اخلاص لے کر آئے تھے اِس مقدمہ پر وہ بھی

گورداسپور آئے تھے۔ شامت اعمال کی وجہ سے میں نے ٹائی لگائی ہوئی تھی اور غالباً سوٹ بھی پہنا ہوا تھا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مجلس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے صوبیدار میجر محمد ایوب صاحب نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ایک طرف لے جا کر کہا میاں! ہم یہاں آتے ہیں تو دین سیکھنے کے لئے آتے ہیں اور جو کچھ یہاں دیکھتے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اسلام کی اصل روح ہے۔ ہمارے مولوی بتایا کرتے تھے کہ انگریزوں کی نقل کرنا کفر ہے مگر معلوم ہوتا ہے یہ کفر نہیں، آپ نے ٹائی پہنی ہوئی ہے تو میں کنچنیاں نچوانی شروع کر دوں گا اس لئے بہتر ہے کہ یہ ٹائی ابھی اُتار کر مجھے دے دو چنانچہ میں نے اپنی ٹائی اُنہیں دے دی اور اُنہوں نے وہیں پھاڑ کر پَرے پھینک دی۔ وہ پہلی اور آخری ٹائی تھی جو میں نے پہنی۔

اِسی طرح ایک دن اُنہوں نے بڑی سختی سے کام لیا ہماری والدہ دہلی کی رہنے والی ہیں دہلی اور یوپی کی تہذیب میں بہت فرق ہے۔ یوپی میں خاوند اپنی بیوی کو اگر کوئی بات کہے گا تو ''آپ'' کہے گا اسی طرح مالک اپنے نوکر کو آپ کہے گا۔ مثلاً مالک نوکر سے کہے گا ذرا آپ دوڑ کر دہی لے آیئے لیکن دہلی کی تہذیب یہ تھی کہ قریبی رشتہ داروں کو تم کہتے تھے اور میاں بیوی بھی ایک دوسرے کو ''تم'' کہتے تھے ہماری والدہ بھی چونکہ دہلی کی رہنے والی تھیں اس لئے ہمیں بھی ایک دوسرے کو تم کہنے کی عادت پڑ گئی۔ ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ میں نے کہا کہ تم میری یہ بات سن لو۔ جب مجلس ختم ہوئی تو صوبیدار میجر محمد ایوب صاحب مجھے ایک طرف لے گئے اور کہنے لگے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے تو والد ہیں مگر میرے پیر ہیں اگر میں نے آئندہ اُن کے لئے تمہارے منہ سے تم کا لفظ سنا تو تمہارے بخیئے اُدھیڑ دوں گا۔ یہ پہلا سبق تھا جو مجھے دیا گیا اور میں نے ''تم'' کی بجائے ''آپ'' کہنا شروع کر دیا۔ پہلی دفعہ جب میں نے ''آپ'' کہا تو یوں معلوم ہوا جیسے میں نے کسی کو گالی دی ہے لیکن آہستہ آہستہ اِس کی عادت پڑ گئی۔ میاں بشیر احمد صاحب ذرا چھوٹے تھے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ''تو'' کہا کرتے تھے۔ اگرچہ یہ باتیں تلخ تھیں مگر میرے لئے میٹھی باتوں سے بھی زیادہ مفید ثابت ہوئیں۔

اب میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے خاندان کے بعض لڑکوں کی داڑھیاں قریباً منڈی ہوئی

ہوتی ہیں اور سوٹ پہنے ہوئے ہوتے ہیں تمہیں ان کو صاحبزادہ نہیں کہنا چاہیے۔ آخر تمہارے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت زیادہ ہے یا ان کی نسل کی عزت زیادہ ہے۔ اگر تم میں صوبیدار میجر محمد ایوب صاحب جیسی ہمت نہیں تو کم از کم جب انہیں ایسا کرتے دیکھو تو ان سے منہ پھیر لو اور کہو کہ تم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہوتے ہوئے ہمارے سامنے بُرا نمونہ پیش کرتے ہو اور ایسا کرتے چلے جاؤ یہاں تک کہ وہ اپنی اصلاح کر لیں۔ پس اپنے اندر ہمت پیدا کرو۔ اگر تم دوسرے پر اُنگلی اُٹھاؤ گے تو پھر تم اپنی بھی اصلاح کر لو گے۔

جب میں کوئٹہ میں تھا تو وہاں اخبار نویسوں کی ایک دعوت تھی اُن میں ایک احمدی بھی تھے جن کی داڑھی منڈی ہوئی تھی۔ (اب بھی وہ نمائندہ بن کر یہاں آئے ہوئے ہیں) اور ایک داڑھی والے تھے۔ وہ داڑھی والے اخبار نویس کہنے لگے میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں خواہ آپ کو بُری لگے۔ پہلے احمدیوں کی اَور بات تھی اب اَور ہے۔ اب اِتنی داڑھیاں نہیں رہیں جتنی پہلے تھیں۔ خیر اپنے گھر کی تو اور بات ہوتی ہے میں بھی اپنی اولاد کو بُرا بھلا کہہ رہا ہوں لیکن دوسرے کے منہ سے سن کر غیرت آتی ہے۔ میں نے اُسے کہا دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں ہم میں اب بھی داڑھی رکھنے والوں کی نسبت زیادہ ہے۔ ہمارے دس آدمیوں میں سے اگر ایک کی داڑھی نہیں ہوتی تو آپ کے دس آدمیوں میں صرف ایک کی داڑھی ہوتی ہے۔ اُس نے کہا ہاں نسبتی فرق تو اب بھی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ آخر داڑھی رکھنے میں کیا روک ہے اور داڑھی نہ رکھنے میں کیا فائدہ ہے۔ داڑھی رکھنے میں مشکل ہی کیا ہے۔ تم بتاؤ کہ داڑھی منڈوانے میں کیا خوبی ہے؟ یا کترا کترا کر نیچے لے جانے میں کیا خوبی ہے؟ آخر جیسے میں تمہیں علم سکھاتا ہوں تمہارا بھی فرض ہے کہ اگر کوئی نئی بات تمہیں معلوم ہو تو مجھے بتاؤ۔ میں تمہیں روزانہ کئی باتیں سکھاتا ہوں تمہارا بھی فرض ہے کہ اگر تمہیں کوئی نیا نکتہ مل جائے تو مجھے بتاؤ۔ میں اُس پر عمل کروں یا نہ کروں کم از کم میرا دماغ تو روشن ہو جائے گا۔ چونکہ یہ مجلس اصلاحی ہے اس لئے تم بتاؤ کہ داڑھی منڈانے یا کترا کترا کر نیچے لے جانے میں کیا فائدہ ہے؟ میں اب تقریر تھوڑی دیر کے لئے بند کر دیتا ہوں اگر تمہاری نظر میں داڑھی منڈوانے کا کوئی فائدہ ہو تو مجھے بتاؤ۔

اس موقع پر حضور نے تھوڑی دیر کے لئے جواب کا انتظار کیا تو ایک نوجوان نے کہا کہ داڑھی رکھی جائے تو نیند نہیں آتی ۔حضور نے فرمایا۔اس کے معنی یہ ہیں کہ **نَعُوْذُبِاللّٰہِ** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ بے خوابی کے مریض تھے ۔ اِس پر وہ شخص شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا۔حضور نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:۔

بات یہ ہے ''من حرامی حجتاں ڈھیر'' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا وہ ادب دلوں میں نہیں رہا جو پہلے تھا۔ اگر تم داڑھی رکھ لو گے تو کیا ہوگا ؟ صرف یہی کہ لوگ تم پر ہنسیں گے اب بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ تم پر ہنستے ہیں ۔ کامیابی کے آخر آثار ہوتے ہیں تم اپنے اندر کامیاب ہونے والوں کا سا رنگ پیدا کرو۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ لوگ تمہیں **قُل اعوذئیے** کہیں گے اور کہا کریں۔

اِس موقع پر حضور نے مسٹر عبدالشکور کنزے (جرمن نَومسلم) کو جنہوں نے داڑھی رکھی ہوئی ہے سٹیج پر کھڑا کیا اور اُن سے دریافت کیا کہ کیا تمہاری سات پشت تک کسی نے داڑھی رکھی ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا نہیں ۔ اِس پر حضور نے خدام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تمہیں شرم نہیں آتی !! ایک غیر قوم کا آدمی داڑھی رکھتا ہے لیکن تم داڑھی نہیں رکھتے ۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں اب مسلمان ہو گیا ہوں اِس لئے میں داڑھی رکھوں گا لیکن تمہیں کچھ احساس نہیں ۔سب سے پہلے انگریزوں نے داڑھی منڈانی شروع کی تھی ان میں سے بشیر احمد آرچرڈ جواَب ہمارے مبلّغ ہیں مسلمان ہوئے اور اُنہوں نے داڑھی رکھی ۔ مسٹر کنزے کی داڑھی کے بال تو سیاہ ہیں لیکن بشیر احمد آرچرڈ کی داڑھی کے بال بھورے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے گویا مکئی کے سٹے کے بال اُتار کر لگا دیئے گئے ہیں لیکن وہ داڑھی رکھتے ہیں ۔ پھر اُنہیں انگریز بیوی بھی مل گئی ہے ۔ انگریزوں کے ہاں کورٹ شپ ہوتی ہے اور اس کے بغیر وہ سمجھتے ہیں گویا نکاح ہی نہیں ہوا۔ ہم نے لڑکی کے والد سے کہا کہ اب یہ رسم ختم کرو تو اُنہوں نے کہا بہت اچھا۔ وہ خاندانی آدمی تھے صحت کی خرابی کی وجہ سے اُنہوں نے ملازمت چھوڑ دی ہے اور اب ایک فارم لیا ہوا ہے اس سے بھی کافی آمد ہے ۔ اُنہوں نے بڑی بہادری سے کہا اچھا کورٹ شپ نہیں ہوگی ۔ ہم نے کہا لڑکی کو باوجود منگنی کے لڑکے سے علیحدہ ملنا نہیں ہوگا۔ ان کے ہاں منگنی کے بعد میاں بیوی والے

تعلقات بھی ہو سکتے ہیں۔ مجھے جب یہ خبر آئی کہ اُنہوں نے کورٹ شپ کی اجازت نہیں دی تو میں نے خیال کیا انہیں ایک نیکی کی توفیق ملی ہے اب دوسری نیکی کی بھی توفیق ملے گی۔ اب میں نے ان کا فوٹو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان کی اپنے داماد سے بھی بڑی داڑھی ہے اسی طرح آئندہ لوگ داڑھی رکھنے لگ جائیں گے۔ فرانس میں ۲۰ میں سے ایک آدمی نے داڑھی رکھی ہوئی ہوتی ہے۔ نوجوانوں کو سب سے زیادہ شوق برنا ڈ شا کی کتابیں پڑھنے کا ہے اُس کی بھی داڑھی تھی۔ غرض جن لوگوں کے اندر برتری کا احساس ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم دوسروں کی کیوں نقل کریں، وہ دوسروں کی بالکل پرواہ نہیں کرتے۔ پس تم اسلامی احکام پر عمل کرو اور خصوصیت سے ہمارے خاندان پر اسلامی احکام پر عمل کرنا زیادہ واجب ہے۔ تمہیں اپنے اندر یہ جرأت پیدا کرنی چاہیے کہ لوگ کہیں کہ تم میں فلاں خرابی ہے اور تم اُسے برداشت کرو اور پھر اپنی اصلاح کی کوشش کرو۔ جب کوئی اپنی اصلاح کرے گا تو لازمی بات ہے کہ وہ دوسرے کی بھی اصلاح کرے گا۔ جب تک تم میں دیوانگی پیدا نہیں ہوتی تم کامیاب کیسے ہو سکتے ہو۔ دیوانگی کے بغیر کامیابی نہیں ہوا کرتی۔

انبیاء کی جماعتوں کو دیکھ لو لوگ اُنہیں دیوانے کہا کرتے ہیں لیکن کیا وہ دیوانے ہوتے ہیں؟ پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت کو دیوانہ کہا گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ماننے والوں کو دیوانہ کہا گیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ محض اس لئے کہ وہ سوسائٹی کی بات نہیں مانتے تھے۔ لوگ حیران ہوتے ہیں کہ آخر کیا بات ہے کہ اُنہوں نے ایسی شکل بنا لی ہے اور سوسائٹی کی بات نہیں مانتے۔ یقیناً یہ دیوانگی کا اثر ہے قرآن کریم میں ان کی حیرت کا یہ حال آتا ہے کہ وہ کہتے ہیں یہ رسول ہمیں کہتا ہے کہ تم اپنا مال یوں نہ خرچ کرو بھلا ہمارے مال میں اسے دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارا اپنا مال ہے جس طرح ہم چاہیں اِسے استعمال کریں۔ مثلاً سُود ہے یہ کہتا ہے سُود نہ لیا کرو۔ بھلا اس کی یہ بات ہم مان سکتے ہیں؟ ہمارا مال ہے جسے چاہیں دیں اور جس طرح چاہیں دیں اس کا مذہب سے کیا واسطہ؟ لیکن کیا تمہارے نزدیک اُن کی یہ دلیل ٹھیک ہے؟ یہی چیزیں اُنہیں عجیب نظر آتی تھیں کہ مال کسی کا اور دینے والا کوئی۔ رسول کو اِس میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے یہ یقیناً دیوانہ ہے۔ مگر انبیاء اور اُن

کی جماعتوں نے ہی جنہیں لوگ دیوانہ کہتے تھے فتح پائی۔

غرض دیوانگی کے بغیر کوئی قوم جیت نہیں سکتی۔تم احمدی ہو گئے ہو اب تم داڑھی تو کیا بھویں بھی منڈوالو بلکہ سر سے لے کر پاؤں تک انگریز بن جاؤ پھر بھی تمہاری مخالفت ضرور ہوگی۔اگر تمہیں اپنی مخالفت کا ڈر تھا تو یہ مصیبت کیوں سہیڑی۔تم کہتے ہو یہ مصیبت ہم نے اِس لئے سہیڑی ہے تا اسلام کی حکومت قائم ہو جائے۔ہم بدعمل ہی سہی لیکن اسلام سے ہمیں محبت ہے اور اسلام کی حکومت ضرور قائم کریں گے یہ سارے مصائب ہم اس لئے برداشت کر رہے ہیں کہ اسلام کو ہم نے غالب کرنا ہے۔اب تم ہی بتاؤ کہ تمہارے اِس دعویٰ میں کہاں تک سچائی پائی جاتی ہے۔کیا تم میں کوئی ایسی بات پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے تم دنیا میں اسلام کو غالب کر سکتے ہو؟ آخر وہ کون سی چیز ہے جس سے لوگ جیتتے ہیں؟ مثلاً تعداد ہے تعداد بڑھنے کے ساتھ بھی قومیں جیتا کرتی ہیں لیکن تمہاری کتنی تعداد ہے اور کس حساب سے تمہاری تعداد بڑھ رہی ہے۔الفضل میں شائع ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اِس ماہ ۳۰۰/ افراد سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔بے شک یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے لیکن کیا اِس فضل سے تم جیت جاؤ گے؟ اگر ایک ماہ میں تین سَو احمدی ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سال بھر میں صرف ۳،۶۰۰/ احمدی ہوں گے دس سال میں ۳۶،۰۰۰/ احمدی ہوں گے اور ایک ہزار سال میں صرف ۳،۶۰،۰۰،۰۰۰ کی زیادتی ہوگی لیکن ہزار سال تک کوئی قوم زندہ بھی رہی ہے؟ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم ہزار سال تک زندہ رہی ہے؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم ہزار سال تک زندہ رہی ہے؟ یا کیا خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہزار سال تک زندہ رہی ہے؟ ہو سکتا ہے کہ اس عرصہ میں کوئی اَور مامور من اللہ آ جائے۔جیتنے کی صرف یہی تین صدیاں ہوتی ہیں اور اگر رفتارِ ترقی یہی رہی تو اولادوں کو ملا کر تم سَو سال میں پانچ لاکھ اَور ہو جاؤ گے اِس تعداد کے ساتھ تم دنیا میں کیسے کامیاب ہو سکتے ہو۔

پھر دنیا کو فتح کرنے کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے لیکن تمہارے پاس روپیہ بھی نہیں۔ کراچی کا ایک سیٹھ تمہاری سب جائدادیں خرید سکتا ہے۔آخر تم کس چیز کے ساتھ کامیاب ہو گے؟ جیتنے کے لئے جتھہ کی ضرورت ہے، جیتنے کے لئے مال کی ضرورت ہے، جیتنے کے لئے

عقل اور علم کی ضرورت ہے اور ان میں سے کوئی بھی چیز تمہارے پاس نہیں ۔ ہاں ایک اَور چیز ہے جس سے تم جیت سکتے ہو اور وہ دیوانگی ہے لیکن وہ بھی ابھی تم میں پیدا نہیں ہوئی۔ عقل کہتی ہے تم نے غالب آنا ہے تو جتھہ پیدا کرو لیکن جتھہ تمہارے پاس نہیں ہے۔ صرف لاہور کی آبادی ۱۷ لاکھ کی ہے اور تمہاری تعداد قریباً تین لاکھ کی ہے آخر تم فخر کس بات پر کرتے ہو؟ پھر مالی لحاظ سے صدر انجمن احمدیہ کی حیثیت ایک معمولی تاجر کی بھی نہیں ۔ لائل پور کے صرف ایک تاجر پر سات لاکھ روپیہ سالانہ ٹیکس لگا ہے اور تم سب مل کر سات لاکھ روپیہ کتنی مشکل سے چندہ دیتے ہو۔ علم کہو تو تمہارے ایک کے مقابلہ میں دوسروں میں ہزار عالم نکلیں گے ۔ پھر کیا چیز ہے جس کی بناء پر تم کامیاب ہو جاؤ گے؟ تم اُن سے روپیہ چھین نہیں سکتے اور نہ اُن سے زیادہ روپیہ کما سکتے ہو، تم اُن کا علم چھین نہیں سکتے اور نہ ہی اُتنا علم سیکھ سکتے ہو، تم جتھہ کے لحاظ سے اُن کو ماتحت نہیں کر سکتے ۔ صرف ایک ہی چیز ہے جس کی وجہ سے تم کامیاب ہو سکتے ہو اور وہ جنون ہے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں یہ جنون پایا جاتا تھا اور وہ جیت گئی ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم میں یہ جنون پایا جاتا تھا اور وہ جیت گئی ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں میں بھی جنون تھا جس کی بناء پر وہ دنیا پر غالب آئے ۔ اب تمہیں بھی جنون ہی کامیاب کرسکتا ہے لیکن تم نے اسے اپنے ہاتھوں کھو دیا ہے ۔ مجنون کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتا ۔

ہمارے ہاں ایک اُستانی تھی اُس کا سر چکرایا کرتا تھا وہ چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی کہ زلزلہ آیا۔ پاس والوں نے کہا زلزلہ آیا ہے مگر وہ کہنے لگی تم آرام سے بیٹھی رہو زلزلہ وغیرہ کوئی نہیں آیا صرف میرا سر چکرایا ہے یہ علامت ہے جنون کی ۔ ایسا آدمی دوسرے کی پرواہ نہیں کرتا اور ہر جگہ اپنی بات سنا دیتا ہے اور موقع بے موقع لوگ اُس کی بات سننے پر مجبور ہو جاتے ہیں جہاں بھی کوئی بات ہوگی وہ اپنی سنا دے گا ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سنایا کرتے تھے کہ ایک مولوی کی بیوی پاگل ہوگئی ۔ وہ شاہ پور کا رہنے والا تھا اُس نے اپنی پاگل بیوی سے تنگ آ کر اپنا وطن چھوڑ دیا اور لاہور چلا گیا۔ چھ ماہ یا سال گزر گیا ایک دن وہ مولوی گھر آیا تو دیکھا کہ اُس کی وہی پاگل بیوی اندر بیٹھی روٹیاں پکا

رہی ہے۔ وہ بڑا حیران ہوا پانچ سات دن کے بعد اُس کی باتوں سے تنگ آ کر مولوی نے اُسے طلاق دے دی اور لاہور سے بھاگ کر لکھنؤ چلا گیا۔ وہاں تین چار سال تک رہا۔ ایک دن وہ گھر آیا تو دیکھا کہ پھر اُس کی پاگل بیوی اندر بیٹھی روٹیاں پکا رہی ہے۔ مولوی نے کہا تم یہاں کیسے آ گئی ہو میں تو تمہیں طلاق دے آیا تھا۔ وہ کہنے لگی جب تک ہم دونوں کی منظوری نہ ہو طلاق کیسے ہوسکتی ہے میں نے منظوری دی نہیں طلاق کیسے ہوسکتی ہے۔ آخر وہ تنگ آ کر ہندوستان سے ہی باہر چلا گیا۔ اسی طرح جب مومن دیکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی بات سنی نہیں جاتی تو وہ پاگل ہو جاتا ہے اور آخر دنیا اُس کی بات سننے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ غرض یہی ایک طریق ہے جسے اختیار کر کے تم کامیاب ہو سکتے ہو۔ جب تک تم پاگلوں والا طریق اختیار نہیں کرتے اپنے مقصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تم یہ تو سوچتے ہو کہ اگر ہم نے چندہ دے دیا تو مال میں کمی آ جائے گی، تم میں سے نصف کے قریب نادہندہ ہیں، پھر کئی ایسے ہیں جن کے باپ چندہ ادا نہیں کرتے اور کئی کے ہمسائے چندہ ادا نہیں کرتے۔ کسی چندہ دینے والے نے کبھی نادہند سے یہ نہیں پوچھا کہ تم چندہ کیوں نہیں دیتے؟ تمہارے کوئی شخص پانچ روپے نہ دے تو شور مچا دیتے ہو مگر خدا تعالیٰ کے اگر کوئی پانچ ہزار روپے بھی نہیں دیتا تو تمہیں اس کی کچھ پرواہ نہیں تم کہہ دیتے ہو کہ خدا تعالیٰ اس کا خود ذمہ دار ہے لیکن اپنے روپے کے بارہ میں تم خود ذمہ دار بن جاتے ہو۔ نوجوانوں میں ہمت ہوتی ہے اس لئے ان کا زیادہ فرض ہے کہ وہ خود بھی چندہ دیں اور دوسروں کو بھی چندہ دینے پر مجبور کریں۔ اگر تمہارا باپ نادہند ہے تو کم از کم تم یہ تو کہہ سکتے ہو آپ میرے باپ ہیں اور میں آپ کی عزت کرتا ہوں لیکن یہ کتنا ذلیل کام ہے جو آپ کرتے ہیں۔ میں صرف خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت آپ کی عزت کرتا ہوں ورنہ جو کام آپ کرتے ہیں وہ ایسا نہیں کہ آپ کی عزت کی جائے۔ تمہارے اندر اگر جرأت ہو اور تم عقل سے کام لو تو تم یہ کام کر سکتے ہو۔ صرف جنون کی ضرورت ہے اور جنون ہی تمہیں کامیاب کرے گا۔ جن لوگوں میں جنون ہوگا وہ دوسروں کو مجبور کر دیں گے کہ اُن کی بات سنیں، اُن کی بات مانیں اور اُس پر غور کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن کو چاہیے کہ اگر وہ بُرائی دیکھے تو اُسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے روکے اور

اگر اتنی بھی جرأت نہیں کہ اُس کی بُرائی کو زبان کے ذریعہ روکے تو کم از کم دل میں بُرا منائے[۲] لیکن تم میں سے کتنے ہیں جو بُرائی دیکھ کر اُسے دل میں ہی بُرا مناتے ہیں پھر یہ کیسا ایمان ہے جس کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

انگلستان میں پردہ کا سوال اُٹھا تو میں نے اپنے مبلغ کو کہلا بھیجا کہ اس مُلک کے عادات ایسے ہیں کہ عورتیں پردہ کر ہی نہیں سکتیں مگر تم ہر نَو مسلمہ سے یہ کہو کہ پردہ اسلامی حکم ہے اور پردہ نہ کرنے کو دل میں بُرا مناؤ اور یہ ایمان رکھو کہ جہاں کہیں بھی پردہ کا موقع مل گیا تم پردہ کے حکم کو بجالاؤ گی۔ لیکن اگر ان کے اندر یہ احساس پیدا ہو گیا کہ پردہ اچھا نہیں تو وہ اس حکم کی اطاعت نہیں کریں گی۔ اسی طرح دوسری شادی ہے تم ان کے اندر یہ احساس پیدا کرو کہ دوسری شادی جائز ہے تا کہ وہ ان احکام کو اسلام کے ہی احکام مانیں اور ان کے اندر یہ احساس پیدا نہ ہو کہ یہ چیزیں غیر طبعی اور نا قابل قبول ہیں غرض جب تک تم اپنے کاموں میں جنون کا سا رنگ پیدا نہ کر لو گے تمہارے کام میں برکت نہیں پڑ سکتی اور بہت سی باتیں ہیں جن کے متعلق مجھے کچھ کہنا تھا لیکن چونکہ میں نے کل بھی بولنا ہے اِس لئے انہی باتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

میں تمہارا پریذیڈنٹ اِس لئے بنا ہوں تا دیکھوں کہ میری ان باتوں کا تم پر اثر ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر میں نے دیکھا کہ تم پر ان باتوں کا اثر نہیں تو میں اس نظام کو ختم کر دوں گا۔ سینکڑوں آدمی تمہارے اس نمونہ کی وجہ سے احمدیت میں داخل ہونے سے رُک گئے ہیں بعض نوجوانوں میں وہی آوارہ گردیاں پائی جاتی ہیں، وہی گانے ہیں، وہی اسلامی احکام سے تمسخر پایا جاتا ہے ابھی جب میں ربوہ آیا ہوں تو پرنسپل جامعہ احمدیہ نے مجھے ایک چٹھی لکھی لیکن دیکھو انسان کی جب حالت گر جاتی ہے تو اس کی اخلاقی حالت کیا ہو جاتی ہے وہ لکھتے ہیں جب میں بورڈنگ گیا تو لڑکے شور مچا رہے تھے۔ اگر لڑکے شور مچا رہے تھے تو کوئی بات نہیں لیکن آگے کیا ہوتا ہے۔ یہ تو وہی بات ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک شخص نے بتایا کہ فلاں مولوی صاحب نے نکاح پر نکاح پڑھا دیا ہے۔ میں نے کہا وہ مولوی صاحب میرے اچھے واقف ہیں مجھے تو تمہاری بات پر یقین نہیں آتا۔ اُس نے کہا اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو مولوی صاحب سے خود پوچھ لیں۔ دو چار دن کے بعد وہ مولوی صاحب میرے پاس آئے۔ میں نے

کہا مولوی صاحب ! مجھے تو یقین ہے کہ آپ نے ایسا نہیں کیا مگر چونکہ لوگ کہتے ہیں اِس لئے آپ بتائیں کہ یہ نکاح کے متعلق کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگے آپ پہلے مجھ سے پوچھ لیتے ۔

''نمبر دار نے چڑی جڈا روپیہ میرے ہتھ تے رکھ دِتا تے میں کی کردا''

پرنسپل صاحب کہتے ہیں کہ میں نے دونوں ٹیوٹروں کو بُلایا اور اُن سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ وہ کہنے لگے ایسا تو روزانہ ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر وہ فی الواقعہ نگران ہوتے تو اِس چیز کو دور کرتے ۔ مثلاً ان میں ایک بیٹا میرا بھی ہے ہوسکتا ہے کہ پرنسپل اُسے سزا دیتا اور وہ میرے کان بھرتا۔ میں افسر ہوں ہوسکتا تھا کہ میں غلطی کرتا اور اسے نکال دیتا لیکن ہو کیا جاتا۔ اگر وہ لوگ پوری طرح ایمان دار ہوتے تو کہتے ہو جائے جو کچھ ہوتا ہے لیکن ہم نے قانون پر عمل کرانا ہے لیکن اُنہوں نے ایسا نہیں کیا۔ یہ تو چڑی جتنے روپے والی بات ہے۔ پرنسپل صاحب کو خیال تک نہ آیا کہ وہ کیا لکھ رہا ہے اور ٹیوٹروں کی یہ بے ایمانی ہے کہ اُنہوں نے لڑکوں کے خلاف کوئی انتظامی کارروائی نہ کی ۔ اس نقص کا بہرحال کوئی علاج کیا جائے گا میں نے عزم کرلیا ہے کہ ایسے لوگوں کو سکول سے نکال دوں ۔تمہارے اندر اگر ایمان ہوتا تو خدا اور رسول کے مقابلہ میں خواہ ساری دنیا ناراض ہو جاتی تمہیں اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں کہ تم اگر مجھ سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لیتے ہو تو میں بہرحال انسان ہوں اور غلطی کرسکتا ہوں لیکن اگر تم دوسرے کا حق چھین لیتے ہو تو اس کے بدلہ میں تم جہنم میں جاؤ گے ۔[۳]

بھلا یہ بھی کوئی طریق ہے کہ چونکہ پچاس روپیہ ماہوار کی نوکری جاتی رہے گی اس لئے ہم لڑکوں کی اصلاح نہیں کر سکتے حالانکہ تم صحیح طریق پر چل کر ہی کامیاب ہو سکتے ہو۔ جب تک تم چالبازی کرتے رہو گے، جب تک تم بے ایمانی کرتے رہو گے، جب تک تم اپنی روٹی کی فکر کرو گے اُس وقت تک تم خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل نہیں کر سکتے ۔ اور جب تک تم خدا تعالیٰ کی رضاء حاصل نہیں کرتے سلسلہ کا مفید وجود نہیں بن سکتے اور نہ ہی کوئی کارنامہ کر سکتے ہو۔ تم چوہے کی طرح مارے جاسکتے ہو مگر بہادر شیر کی طرح فتح حاصل نہیں کر سکتے ۔ میری ان باتوں کو سوچو اگر یہ باتیں غلط ہیں تو غور کرنے کے بعد میرے پاس کوئی ایسی مثال پیش کرو کہ فلاں جگہ پر فلاں

جماعت بے دینی کے ذریعہ جیت گئی، انبیاء کی جماعتوں نے فلاں قوم کے فیشن کو اِس سے ڈر کر اختیار کر لیا، فلاں بستی کی قوم نے نوکریوں کی خاطر اپنے فرائض کو چھوڑ دیا۔ اگر تم نے کوئی ایسی مثال پیش کر دی تو میں مان لوں گا کہ قومیں بے دینی اختیار کر کے بھی جیت سکتی ہیں۔ تم مجھے بتاؤ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے لوگوں سے ڈر کر اُن کا فیشن اختیار کر لیا اور وہ جیت گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے بے دینی اختیار کر لی پھر بھی وہ جیت گئی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر اپنے فرائض کو ترک کر دیا اور وہ پھر بھی جیت گئے۔ اگر تم کوئی ایسی مثال پیش کر دو تو میں تمہاری بات مان لوں گا۔ اور اگر ایسی کوئی مثال نہیں پائی جاتی تو پھر خدام الاحمد یہ ہی تمہارا ریڈیو ہے، یہی تمہارا سینما ہے جب تم یہ رنگ اختیار کر لو گے تو دنیا بے شک تمہارا تمسخر اُڑائے آسمان پر فرشتے تحسین کریں گے اور جب آسمان پر فرشتے تمہاری تحسین کرنے لگ جائیں گے تو تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ کامیابی کا صرف یہی طریق ہے کہ دنیا ہمارا بے شک تمسخر اُڑائے لیکن آسمان پر فرشتے ہماری تعریف کرنے لگ جائیں۔

(الفضل ۲۲ راگست ۱۹۶۲ء)

---

۱ کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۱ مطبوعہ حلب

۲ ترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی تغییر المنکر (الخ)

۳ ابوداؤد کتاب القضاء باب فی قضاءِ القاضی اذا اخطاء

خدام الاحمدیہ کا نائب صدر صدرانجمن احمدیہ کا اور ہر مجلس کا قائد مقامی امیر کی مجلس عاملہ کا رُکن ہوا کرے گا

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّيۡ عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ

خدام الاحمدیہ کا نائب صدر صدر انجمن احمدیہ کا اور ہر مجلس کا قائد مقامی امیر کی مجلس عاملہ کا رُکن ہوا کرے گا

(فرمودہ یکم نومبر ۱۹۴۹ء برموقع اختتام اجتماع خدام الاحمدیہ)

''آئندہ کے لیے خدام الاحمدیہ کا نائب صدر اپنی سرکاری حیثیت سے صدر انجمن احمدیہ کا باقاعدہ ممبر ہوا کرے گا۔ اِسی طرح ہر مجلس کا قائد اپنی سرکاری حیثیت سے مقامی امیر کی مجلس عاملہ کا رُکن ہوا کریگا۔ خدام سے معینہ چندوں کے علاوہ رضا کارانہ طور پر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ پانچ ہزار روپے کی طوعی تحریکیں کرنے کی مجاز ہوگی۔ اس سے زائد رقم کے لیے صدر انجمن احمدیہ کے ناظر بیت المال سے دریافت کرنا ضروری ہوگا۔ لیکن اگر بِالفرض ناظر بیت المال اس سے اتفاق نہ کرے تو فیصلہ صدر خدام الاحمدیہ کیا کریں گے۔''

(آج حضور نے کوئی پونے گھنٹے تک اپنے خدام کو زریں ارشادات سے نوازا۔ سب سے پہلے فرمایا)

''اب جو لوگ خدام میں شامل نہیں ہیں وہ بھی انہیں میں مل جل کر بیٹھ جاتے ہیں۔ خدام کا کوئی امتیازی نشان یا وردی ہونی چاہیے یا کوئی بیج ہونا چاہیے۔ زائرین کے لیے علیحدہ سٹیج ہونا چاہیے اور میرے ساتھ جو لوگ مقامِ اجتماع میں آیا کریں اُن سے بھی باقاعدہ پوچھ گچھ ہونی چاہیے۔ میرے ساتھ کسی ایسے آدمی کو اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے جس کے پاس آپ کا دیا ہوا اجازت نامہ نہ ہو ورنہ اِس پہرے کی دونوں غرضیں تنظیم اور خطرے سے حفاظت ٹوٹ کر رہ جائیں گی۔

حضور نے فرمایا کسی قاعدے کی پابندی ہر حالت میں لازمی ہوتی ہے جو قومیں دلیلوں سے قاعدے توڑنے کا جواز نکالنا شروع کر دیتی ہیں اُن کی ذہنیتیں شکست خوردہ ہو جاتی ہیں۔ افسر جو قانون بنائیں سب سے پہلے اُس پر خود کاربند ہوں۔ خدام کا ایک بیج ہونا چاہیے اگر بیج آجکل نہ بن سکیں تو فی الحال کپڑے کا بیج بنوالیا جائے۔

حضور نے فرمایا:۔

میں نے پرسوں کہا تھا کہ نائب صدر کا مقام محض تنفیذ احکامِ صدر ہوگا۔ مجھے ڈر ہے اِس سے وہ لوگ جو نمبرداری مزاج کے ہوتے ہیں کوئی اُلٹ مطلب نہ نکال لیں۔ تنظیم کی تبدیلی کا تعلق میرے ساتھ ہے تمہارے ساتھ نہیں۔ وہ میرا نمائندہ ہوگا لہٰذا تمہیں نائب صدر کے احکام کی پابندی صدر ہی کے احکام سمجھ کر کرنا ہوگی۔ نائب صدر اپنی سرکاری حیثیت سے صدر انجمن احمدیہ کا ممبر ہوا کرے گا۔ اِسی طرح مجلس کا قائد بھی مقامی امیر کی مجلس عاملہ کا رُکن ہوا کرے گا۔ مجلس مرکزیہ پانچ ہزار تک چندے کی طوعی تحریک کر سکے گی لیکن اس سے اوپر ناظر بیت المال کی اجازت ضروری ہوگی۔ اگر کسی حالت میں ناظر بیت المال اس سے اتفاق نہ کرے تو صدر انجمن احمدیہ کے لمبے لائحہ عمل کی تقلید کی بجائے معاملہ صدر خدام الاحمدیہ کے پیش ہوا کرے گا۔

اِس کے بعد حضور نے خدام کے معاہدہ میں جان مال اور عزت کے علاوہ لفظ وقت کا اضافہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اب یہ معاہدہ یوں ہوگا۔

میں اقرار کرتا ہوں کہ قومی اور ملی مفاد کی خاطر میں اپنی جان، مال، وقت اور عزت کو قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہوں گا۔

اِس کے بعد حضور نے لفظ **ملی** کی تشریح کی کہ اِس میں اخلاقی اور مذہبی ضرورتیں دونوں آجاتی ہیں۔ اور ''تیار رہوں گا'' اور ''قربانی کروں گا'' کے فرق کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ جب تم یہ کہتے ہو کہ میں فلاں قربانی کے لیے ہر وقت تیار رہوں گا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گویا اب جب بھی بلاوا آئے عذر یا التوا کی گنجائش قطعاً نہیں ہے۔ پہلی صورت میں کہ قربانی کروں گا تیاری نہ ہونے کی بناء پر التواء کی گنجائش نکل آتی تھی اب اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔

اِس کے بعد حضور نے خدام کو کھڑے کر کے دونوں عہد خدام کا عہد اور قادیان کے حصول

کا عہد دُہرائے اور حضور کے ساتھ خدام نے ایک ایک لفظ کر کے بآوازِ بلند اپنے ربّ سے تجدید عہد کی۔ اس کے بعد حضور دیر تک مطالعہ کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق خدام سے مختلف امور پوچھتے رہے اور آخر میں تلقین، تبلیغ کے سلسلے میں فرمایا۔

تبلیغ تین طریقوں سے ہوسکتی ہے۔ دوستی سے، خدمت سے اور مظلومی سے۔ لیکن مظلومی بہادری والی ہو جس سے یہ ظاہر ہو کہ تم محض اپنے ربّ کے لیے کچھ برداشت کر رہے ہو۔

اس کے بعد حضور نے کچھ دیر تک خدام کو فوجی زندگی کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی۔ پھر خدام الاحمدیہ کی کمی اشاعت کا شکوہ فرمایا اور کہا کہ اب تک آپ کی صدر انجمن احمدیہ سے بھی شاخیں بڑھ جانی چاہئیں تھی لیکن آپ ابھی تک ۱۲۰ سے آگے نہیں بڑھ سکے۔

کچھ دیر تک فوجی زندگی سے ملک وقوم اور وطن کو نفع پہنچنے کی اہمیت بیان کرنے کے بعد فرمایا جو لوگ کام تو خود نہیں کرتے اور الزام اللہ میاں کے سر پر تھوپ دینے کے عادی ہوتے ہیں کہ صاحب! اللہ میاں کو ایسا ہی منظور تھا۔ وہ خدا کی ہتک کرتے ہیں۔ خدا منصف اور عادل ہے اور کبھی کسی کی محنت اور نیک عمل کو ضائع نہیں کرتا لہٰذا خدا کے قانون کی تاویل تمہارے ذہنوں میں کبھی نہ آئے بلکہ اس کے خلاف جہاد کرو۔ بزدل لوگ یہ کہہ کر خدا کی توہین کرتے ہیں۔ خدا کبھی اچھے کاموں کا بُرا نتیجہ نہیں نکالا کرتا۔ بزدلی کی اس روح کو کچلو کیونکہ یہ روح قوموں کو خراب کر دیا کرتی ہے اور اس سے اخلاق بگڑ جایا کرتے ہیں۔

آخر میں حضور نے تعلیمی اداروں کے متعلق اور اساتذہ کو طلبہ کی اخلاقی نگرانی کو کڑا کر دینے کی تلقین فرمائی اور کہا ابھی تک ہمارے تعلیمی اداروں کا نظام خاطر خواہ نہیں ہوا۔ ہائی سکول کی حالت نسبتاً بہتر ہے لیکن آپ کا معیار تو بہت بلند ہونا چاہیے۔ ہمارے ادارے تو ابھی ابتدائی ہیں ان کے بچوں کے کردار تو نہایت ہی اعلیٰ ہونے چاہئیں لہٰذا میں بتائے دیتا ہوں کہ اگر آئندہ مجھ تک ان اداروں کے متعلق کوئی بداخلاقی وغیرہ کی کوئی رپورٹ آئی تو میں طلبہ سے زیادہ اساتذہ کو ذمہ دار ٹھہراؤں گا۔

حضور نے اپنی تقریر ہی میں اجتماع کے خاتمے کا اعلان فرمایا اور تقریر کے آخر پر ایک لمبی دعا فرمائی''۔ (الفضل ۴ر نومبر ۱۹۴۹ء)

پاکستان کی ترقی اور اس کے استحکام کے سلسلہ میں زریں نصائح

از
سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

پاکستان کی ترقی اور اسکے استحکام کے سلسلہ میں زریں نصائح

(فرمودہ ۱۱ رنومبر ۱۹۴۹ء بمقام کمپنی باغ سرگودھا)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

سرگودھا کے احباب نے جب مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں سرگودھا میں ایک تقریر کروں اور میں نے خوشی سے اسے منظور کر لیا تو اُنہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ میں کس مضمون پر تقریر کروں گا۔ میں نے اُنہیں جواب دیا کہ میں کوئی مضمون متعین نہیں کرسکتا در حقیقت اِس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے سرگودھا میں تقریر کرنے کا اِس سے پہلے کوئی موقع نہیں ملا اور بوجہ اس کے کہ اِس سے پہلے مجھے تقریر کرنے کا یہاں موقع نہیں ملا یہ ظاہر بات ہے کہ بیسیوں امور میرے دل میں پیدا ہونے لازمی ہیں جن کے متعلق میں کچھ کہوں لیکن تھوڑے سے وقت میں بہت سے امور کے متعلق تفصیلی گفتگو نہیں ہوسکتی نہ کسی ایک کا انتخاب ایسی صورت میں کیا جاسکتا ہے جبکہ دل یہ کہتا ہو کہ میں کئی باتیں کہوں۔ لاہور یا بعض ایسے مقامات جہاں مجھے متواتر بولنے کا موقع ملا ہے اور جہاں کئی باتوں پر میں اپنے خیالات کا تفصیلی طور پر اظہار کر چکا ہوں وہاں کسی مضمون کا چن لینا آسان ہوتا ہے لیکن جو نئی جگہ ہو وہاں انسان سمجھتا ہے کہ اگر سرِ دست مجھے ایک موقع ملا ہے (آگے کے حالات تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) تو جتنی ضروری باتیں میں مختصر وقت میں کہہ سکتا ہوں کہہ دوں اس لئے میں نے کوئی مضمون متعین نہیں کیا بلکہ اپنے مضمون کا ہیڈنگ یہ رکھا ہے کہ

کچھ سوچنے اور سمجھنے کی باتیں

اِس مضمون کے اندر کئی قسم کے خیالات ادا کئے جاسکتے ہیں اور متنوع باتیں اس کے اندر لائی جاسکتی ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ انسان اور حیوان میں سب سے بڑا فرق یہی ہے کہ انسان سوچتا ہے اور حیوان نہیں سوچتا۔ حیوان ابتدائے آفرینش سے ایک ڈگر پر چلا آیا ہے لیکن انسان نے سوچ سوچ کر اپنے لئے نئے راستے ایجاد کر لئے ہیں اور جب کبھی انسان نے اپنے اس مقررہ طریق کو چھوڑا ہے وہ ہمیشہ نیچے گیا ہے اوپر کبھی نہیں گیا۔ پس اصل چیز جس پر ہمیں زور دینا چاہیے اور جس کی طرف ہمیں توجہ رکھنی چاہیے وہ یہ ہے کہ ہم اپنی اس عادت کو نہ چھوڑیں جس عادت کو اللہ تعالیٰ نے ہماری ترقی کے لیے ضروری قرار دیا ہے اور وہ سوچنے کی عادت ہے۔ اگر ہم بے سوچے سمجھے اپنے لئے کوئی طریق اختیار کر لیں گے تو یہ لازمی بات ہے کہ ہم ترقی نہیں کریں گے بلکہ ہم جس جگہ کھڑے ہوں گے وہیں کھڑے رہیں گے اور یہ قانونِ قدرت ہے کہ جو کھڑا ہو جاتا ہے وہ پیچھے کی طرف جاتا ہے اپنے مقام پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا ایسی بنائی ہے کہ یا تو انسان آگے جائے گا یا پیچھے جائے گا کوئی مقام ایسا نہیں جہاں وہ کھڑا رہ سکے۔ دنیا کی تاریخ دیکھ لو جس وقت سے بنی نوع انسان کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے اور قرآن کریم کے ذریعہ تو ساری دنیا کی تاریخ کا علم حاصل ہوتا ہے کیونکہ آدم کے زمانہ سے اس نے تاریخ بیان کی ہے یہی نظر آتا ہے کہ یا تو لوگ آگے چلتے ہیں یا پیچھے ہٹتے ہیں، ایک جگہ پر کھڑے ہونے کی مقدرت انسان کو عطا نہیں کی گئی۔ اِس لئے کھڑے ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں اور آگے جانے کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ ہمارا مقصد کیا ہے اور ہم میں اتنی استعداد ہو کہ ہم ہر چیز پر غور کر کے اپنے لئے کوئی راستہ تجویز کر سکیں۔ پس ترقی کے لئے ہمیں اس بات کی عادت ڈالنی چاہیے کہ ہم سوچیں اور سمجھیں اور غور و فکر سے کام لیں اور پھر مناسب غور و فکر کے نتیجہ میں جو مفید باتیں معلوم ہوں اُن پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو یقیناً ہم اپنے آپ کو ایک مفید وجود بناتے اور اپنی زندگی سے صحیح رنگ میں فائدہ اُٹھاتے ہیں لیکن اگر ہم سوچتے اور سمجھتے نہیں یا سوچنے اور سمجھنے کے بعد جو مفید باتیں معلوم ہوں اُن پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کرتے تو ہم اپنی زندگی کے مقصد کو بھول کر ایک ایسی شاہراہ پر قدم مارتے ہیں جو انسان کو ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جاتی ہے اسے کامیابی اور ترقی سے ہمکنار نہیں کر سکتی۔

اس نصیحت کے بعد میں آپ لوگوں کے سامنے چند باتیں پیش کرنا چاہتا ہوں اور میں امید رکھتا ہوں کہ آپ لوگ ان پر غور کریں گے اور اپنی اُس ذمہ داری کو سمجھنے کی کوشش کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں پر عائد کی ہے۔ سب سے **پہلی بات** تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں نے پاکستان طلب کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کو مل گیا۔ آپ نے خدا تعالیٰ سے کہا کہ خدایا! ہمیں ڈر آتا ہے کہ اگر ہم نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کیا تو وہ ہمیں نقصان پہنچائیں گے اس لئے تو ہمیں ایک الگ مُلک دے دے خواہ وہ چھوٹا ہی ہو مگر ایسا ہو جس میں ہندوؤں سے الگ رہ کر ہم اپنی زندگی بسر کر سکیں اور اپنی ترقی کے لئے جدوجہد کر سکیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کی اس دعا کو سنا اور اس نے باوجود مسلمانوں کی کمزوری کے یہ فیصلہ کیا کہ جب میرے بندے مجھ سے ایک چیز مانگتے ہیں تو میں وہ انہیں کیوں نہ دوں چنانچہ اس نے مسلمانوں کی کسی قربانی کے بغیر انہیں پاکستان دے دیا۔ بے شک پاکستان ملنے کے بعد مسلمانوں کو ایک بہت بڑی قربانی دینی پڑی لیکن پاکستان بننے سے پہلے مسلمانوں کو بہت کم قربانی دینی پڑی۔ پاکستان بننے کے بعد بے شک ایک خطرناک قربانی ان سے لی گئی جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نظر نہیں آتی لیکن بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خدا تعالیٰ نے بغیر قربانی کے یہ نعمت آپ لوگوں کو عطا فرمائی اور آپ کی دعا اس نے قبول فرمائی۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ جو پاکستان خدا تعالیٰ نے آپ لوگوں کو دیا ہے آخر یہ کوئی جاندار چیز تو نہیں، جاندار وجود صرف آپ کا ہے۔ آپ بولتے ہیں، آپ سمجھتے ہیں، آپ چلتے پھرتے ہیں، آپ ایک چیز کو پکڑتے ہیں، آپ اُسے کھینچتے ہیں لیکن پاکستان نہ بولتا ہے، نہ سوچتا ہے، نہ سمجھتا ہے کیونکہ وہ جاندار چیز نہیں۔ اور دنیا میں یہ قانون ہے کہ جاندار چیزیں ہی بے جان یا مُشل بے جان چیزوں کی حفاظت کیا کرتی ہیں۔ کبھی آپ نے دیکھا کہ بے جان چیزیں جاندار چیزوں کی حفاظت کر رہی ہوں ہمیشہ جاندار چیزیں ہی بے جان چیزوں کی حفاظت کرتی ہیں۔ مثلاً درخت بے جان ہیں آپ ان کی حفاظت کرتے ہیں، آپ انہیں پانی دیتے ہیں، آپ ان کی شاخ تراشی کرتے ہیں۔ کبھی آپ نے دیکھا کہ درخت باغ کے مالک کی مٹھی چاپی کر رہے ہوں یا اُسے کھانا پکا کر دے رہے ہوں؟ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ ہمیشہ جاندار چیز ہی بے جان کی حفاظت کیا کرتی ہے۔

پاکستان بے جان ہے اور آپ لوگ جاندار ہیں۔ پس پاکستان کی آپ نے حفاظت کرنی ہے۔ پاکستان نے آپ کی حفاظت نہیں کرنی۔

بے جان کی طرح ایک چھوٹا بچہ بھی ہوتا ہے۔ عورت کو بچہ خود اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور کسی کی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ بچہ پیدا کر سکے۔ چنانچہ دیکھ لو بعض لوگوں کے ہاں ساری عمر بچہ پیدا نہیں ہوتا وہ سارا زور علاج معالجہ پر صَرف کر دیتے ہیں مگر بچہ نہیں ہوتا۔ پس بچہ اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے مگر اس کے بعد کبھی تم نے دیکھا کہ بچہ ماں کی حفاظت کر رہا ہو؟ یہ سیدھی بات ہے کہ بچہ ماں کی حفاظت نہیں کرتا بلکہ ماں بچہ کی حفاظت کرتی ہے۔ وہ اِسے دودھ پلاتی ہے، اُس کی سردی گرمی کا خیال رکھتی ہے، اُس کے پاخانہ پیشاب کا خیال رکھتی ہے، اُس کی صحت کا خیال رکھتی ہے۔ اور اگر وہ اس کی نگہداشت نہیں کرتی یا بیماری میں اِس کا علاج نہیں کرتی تو وہ مر جاتا ہے۔ بچہ ایسی چیز ہے جو ماں کے اختیار میں نہیں مگر مارنا اس کے اختیار میں ہے۔ کئی مائیں ہیں جو اپنے بچوں کو مار دیتی ہیں مگر اس طرح نہیں کہ ان کا گلا گھونٹ کر بلکہ اس طرح کہ ان کی سردی گرمی کا خیال نہ رکھا اور بچہ کو نمونیہ ہو گیا اور وہ مر گیا۔ یا قبض کا خیال نہ رکھا تو تشنج ہونے لگ گیا یا فالج گرا اور مر گیا۔ معدہ کا خیال نہ رکھا تو دست آنے لگ گئے اور بچہ ہلاک ہو گیا۔ غرض مائیں بچہ پیدا نہیں کر سکتیں مگر اُس بچہ کو مار ضرور سکتی ہیں۔ اسی طرح پاکستان آپ پیدا نہیں کر سکتے تھے یہ خدا تعالیٰ ہی پیدا کر سکتا تھا اور اُس نے اپنے فضل سے پاکستان آپ لوگوں کو دے دیا لیکن اب پاکستان کی حفاظت کرنا آپ کا کام ہے جس طرح ماں اپنے بچہ کی خبر گیری نہیں کرتی تو اسے مار دیتی ہے اسی طرح اگر آپ بھی پاکستان کی خبر گیری نہیں کریں گے تو وہ ضائع ہو جائے گا کیونکہ وہ بے جان چیز ہے اور اُسے زندہ رہنے والے عنصر نے قائم رکھنا ہے۔ اس کمزور عنصر کو اس طاقتور عنصر نے قائم رکھنا ہے جسے خدا تعالیٰ نے عقل و فہم سے حصہ دیا ہے۔ پس آپ لوگوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ پاکستان تو آپ لوگوں نے مانگا اور وہ آپ کو مل بھی گیا مگر کیا جب آپ لوگوں نے پاکستان مانگا تھا تو اس وقت آپ کو یہ پتہ نہیں تھا کہ اگر ہمیں پاکستان مل گیا تو ہمیں اس کی خبر گیری کرنی پڑے گی۔ ماں جب اللہ تعالیٰ سے بچہ مانگتی ہے اور کہتی ہے کہ خدایا! تو مجھے اپنے فضل سے اولاد عطا فرما تو وہ یہ بھی جانتی ہے کہ مجھے بچہ کے لئے راتوں کو جاگنا پڑے گا، مجھے اپنا

خون اسے اپنی چھاتیوں سے پلانا پڑے گا، مجھے سخت سردی کی راتوں میں اسے اپنے کندھے سے لگا کر ٹہلنا پڑے گا، وہ پیشاب کر دے گا تو میں اُس کے کپڑوں کو بدلواؤں گی اور خود ساری رات انہی کپڑوں میں ٹھٹھرتی رہوں گی۔ غرض وہ سمجھتی ہے کہ مجھ پر کیا ذمہ داریاں ہیں اور وہ ان ذمہ داریوں کو برداشت کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہوتی ہے۔ آپ لوگ بھی پاکستان کی مائیں ہیں اور پاکستان وہ بچہ ہے جو خدا تعالیٰ نے آپ لوگوں کو دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ماں تو جانتی ہے کہ اُس پر بچہ کے متعلق کیا کیا ذمہ داریاں آنے والی ہیں کیا وہ ذمہ داریاں جو پاکستان بننے کے بعد آپ پر عائد ہونے والی تھیں وہ آپ کے خیال میں تھیں یا نہیں تھیں۔ یہ سیدھی بات ہے کہ جب تک ہمارے مُلک کا انگریز حاکم تھا انگریز اس بات کا ذمہ دار تھا کہ ہمارے مُلک کی حفاظت کرے۔ جب تک انگریز حکمران تھا انگریز اِس بات کا ذمہ دار تھا کہ اِس مُلک کی تجارت کو ترقی دے۔ اِس مُلک کی تعلیم کو ترقی دے، اِس ملک کی صنعت وحرفت کو ترقی دے اور اِس مُلک کی حکومت کو صحیح طور پر چلائے مگر جب آپ لوگوں نے کہا کہ خدایا! یہ بچہ ہمارا ہے یہ ہمیں دے دے اور خدا تعالیٰ نے آپ لوگوں کو دے دیا تو اب اِس بچہ کا کوئی اور ذمہ دار نہیں ہوسکتا۔ صرف اور صرف آپ لوگ ہی اِس بات کے ذمہ دار ہیں کہ یہاں کا علم ترقی کرے، یہاں کی صنعت وحرفت ترقی کرے، یہاں کے لوگوں کی دینی حالت ترقی کرے، یہاں کے لوگوں کی اخلاقی حالت ترقی کرے۔ اور یہاں کی حکومت صحیح طور پر چلے۔ اسی طرح اب آپ ہی اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ اگر کوئی دشمن آپ کے مُلک پر حملہ آور ہو تو آپ خود اس کا دفاع کریں۔ جب تک یہ بچہ پیدا نہیں ہوا تھا اُس وقت تک خدا کا تھا مگر جب اُس نے یہ بچہ تم کو دے دیا تو اب تمہارا کام ہے کہ تم اس کی حفاظت کرو اور اس کیلئے ان قربانیوں سے کام لو جو بچہ کی حفاظت اور نگہداشت کے سلسلہ میں کرنی پڑتی ہیں۔ بہر حال یہ سیدھی بات ہے کہ اگر آپ نے اُس وقت سوچا ہوگا کہ پاکستان ہمیں ملنا چاہیے تو پھر یہ بھی سوچا ہوگا کہ اب وہ ساری ذمہ داری ہم کو لینی پڑے گی جو پہلے انگریزوں پر ہوا کرتی تھی۔ پھر ہمیں یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ بچے کی تربیت اور بڑے کی تربیت میں فرق ہوتا ہے۔ ماں کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ وہ اسے پہلے ہی دن روٹی پکا پکا کر کھلانی شروع کر دے۔ وہ جانتی ہے کہ کچھ مدت تک وہ

میرا خون چوسے گا یہ زمین کی روٹی بعد میں کھائے گا پہلے اسے مجھے اپنی چھاتیوں سے روٹی کھلانی پڑے گی کیونکہ جب تک یہ جوان نہیں ہو جاتا وہ روٹی جو ایک جوان کھا سکتا ہے یہ نہیں کھا سکتا۔ اِسی طرح ماں یہ بھی سمجھتی ہے کہ جب میرے گھر میں بچہ پیدا ہوا ہے تو اب کوئی غیر شخص اس کی حفاظت نہیں کرے گا۔ غرض یہ تین چیزیں ہیں جن کے متعلق وہ فیصلہ کر لیتی ہے۔

(۱) ماں جانتی ہے کہ یہ بچہ پالنا پڑے گا۔

(۲) ماں جانتی ہے کہ یہ بچہ مجھے ہی پالنا پڑے گا۔

(۳) ماں جانتی ہے کہ اس کی پرورش میں مجھے وہ تمام طریقے اختیار کرنے پڑیں گے جن کے نتیجہ میں یہ جوان اور طاقتور بن جائے اور جب تک یہ بڑا نہیں ہو جاتا اُس وقت تک مجھے اور قسم کی قربانیاں کرنی پڑیں گی جوان قربانیوں سے مختلف ہوں گی جو ایک بڑی عمر کے بچہ کے لئے کی جاتی ہیں۔ ایک عورت کا بچہ ۱۵ سال کا ہو اور ایک عورت کا بچہ ۲ مہینے کا تو کیا کوئی شخص اُس عورت کو معقول کہہ سکتا ہے جو اپنے دو مہینے کے بچہ کے منہ میں بھی روٹی ڈالے، اسے بھی کھلانے کے لئے پلاؤ دے اور دلیل یہ دے کہ چونکہ فلاں عورت کا ۱۵ سالہ بچہ بھی روٹیاں کھاتا ہے، ہڈیاں چباتا ہے اس لئے میں بھی اسے یہی چیزیں دوں گی۔ تم ایسی عورت کو کیا کہو گے؟ اگر پاگل نہیں تو بے وقوف ضرور کہو گے۔ اِسی طرح جو مُلک جوان ہو چکا، جو مُلک طاقت پکڑ چکا، جو مُلک قوت حاصل کر چکا، جس کی بنیادیں مضبوط ہو چکیں اُس کے افراد کو جس رنگ میں قربانیاں کرنی پڑیں وہ ان قربانیوں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں جو ایک ایسے مُلک کے افراد کو کرنی پڑتی ہیں جس کو نئی حکومت ملی ہو۔ نئی حکومت کی مثال بالکل اُس درخت کی سی ہوتی ہے جس نے ابھی اپنی جڑیں نہیں پکڑیں۔ ایک بَڑ کے درخت کی کونپل جب زمین میں سے نکلتی ہے تو اُسے بکری بھی اپنے پاؤں سے مَسل سکتی ہے لیکن وہی بَڑ کا درخت جب بڑا ہوتا ہے تو ایک بیل بھی ٹکر مارے تو اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا بلکہ بڑے سے بڑا بھینسا بھی اسے ٹکرے مارے تو وہ ہل نہیں سکتا۔ پس محض اتنی مشابہت سے کام نہیں چل سکتا کہ فلاں خدمت میں ایسا ہوتا ہے اگر اس قسم کی مشابہت سے ہی نتائج اخذ کر لئے جائیں تو یہ طریق بالکل اُس بیوقوف ماں کی طرح ہوگا جو اپنے دودھ پیتے بچہ کو اِس مشابہت کی بناء پر روٹی کھلانے لگ جائے کہ فلاں عورت کا

پندرہ سالہ بچہ روٹی کھاتا ہے میں اپنے بچے کو کیوں نہ روٹی کھلاؤں۔

غرض ایک بہت بڑا فرق ہے امریکہ، فرانس، انگلستان، روس اور جرمنی کی حکومتوں اور پاکستان کی حکومت میں۔ اور وہ فرق یہ ہے کہ پاکستان بچہ ہے اور وہ جوان ہیں۔ جوانوں کے لئے اور قواعد ہوتے ہیں اور بچہ کے لئے اور قواعد ہوتے ہیں۔ جوان لڑکے کے لئے ماں رات کو نہیں جاگتی لیکن بچہ کے لئے ماں رات کو جاگتی ہے۔ جوان لڑکے کو ماں اپنی چھاتی سے دودھ نہیں پلاتی لیکن بچے کو وہ اپنا خون چوساتی ہے۔ پس جب تک تم اُن ذمہ داریوں کو نہ سمجھو جو پاکستان کی طرف سے تم پر عائد ہوتی ہیں اُس وقت تک تم محض ان مشابہتوں سے اپنے دلوں کو تسلّی نہیں دے سکتے کہ امریکہ اور انگلستان اور فرانس اور جرمنی اور روس میں ایسا ہوتا ہے۔ میں تو اخبارات میں جب اس قسم کے مضامین پڑھتا ہوں کہ امریکہ میں یوں ہوتا ہے، انگلستان اور فرانس میں یوں ہوتا ہے تو حیران ہو جاتا ہوں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ چالیس سال کے مضبوط آدمی کی طرح ہیں اور پاکستان ابھی بچہ ہے۔ بہرحال ایک پاکستانی کو اور رنگ کی قربانی کرنی پڑے گی اگر وہ اپنے مُلک کو قائم رکھنا چاہتا ہے اور انگلستان کے آدمی کو اور رنگ کی قربانی کرنی پڑے گی۔ اور پاکستان کے لوگ یہ چاہیں گے کہ وہ اتنی ہی قربانی کریں جتنی امریکہ اور انگلستان کے لوگ کر رہے ہیں تو یہ پاکستان کی دشمنی ہوگی۔ جس طرح وہ ماں جو اپنے دو مہینے کے بچے کو روٹی یا بوٹی کھلانا چاہتی ہے وہ اس کے ساتھ دشمنی کا اظہار کرتی ہے۔ اور باتوں کو جانے دو وہ زائد قربانیاں جو پاکستان کے لوگوں کو کرنی چاہئیں ان کو نظر انداز کر دو۔ وہ موٹی موٹی قربانیاں جن میں انگلستان اور امریکہ بھی شامل ہیں انہی کو لے لو اور پھر دیکھو کہ پاکستانی کیا کر رہے ہیں۔

یہ واضح بات ہے کہ حکومتیں روپے سے چلتی ہیں مگر جب پاکستان بنا تو شروع شروع میں تو ایک اندھیر مچ گیا۔ میں جب مشرقی پنجاب سے آیا تو ریلوے کے بعض بڑے بڑے افسر میرے پاس آئے اور انہوں نے بتایا کہ مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ بغیر ٹکٹ لئے زبردستی ریل میں گھس آتے ہیں اور کہتے ہیں انگریز تو چلا گیا اب اپنی حکومت ہے اب ہم ٹکٹ کیوں خریدیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اب ہماری اپنی حکومت ہے مگر سوال یہ ہے کہ اپنی چیز کی زیادہ حفاظت

کیا کرتے ہیں یا کم حفاظت کیا کرتے ہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی عورت کہے کہ میں فلاں بچہ کے سر پر نہیں بیٹھتی کیونکہ یہ کسی اَور کا بچہ ہے میں تو اپنے بچہ کے سر پر بیٹھوں گی۔ یہ صاف بات ہے کہ اگر وہ اپنے بچہ کے سر پر بیٹھے گی تو وہ مر جائے گا پس بیشک یہ درست ہے کہ اب ہماری اپنی حکومت ہے، یہ بھی درست ہے کہ اب ہماری اپنی ریل ہے مگر اپنی حکومت اور اپنی ریل کو زیادہ بچایا کرتے ہیں یا زیادہ نقصان پہنچایا کرتے ہیں؟ یا اپنا بچہ ہو تو ہم اس کی کم قدر کیا کرتے ہیں یا زیادہ قدر کیا کرتے ہیں؟

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک دفعہ دو عورتوں میں جھگڑا ہو گیا اُن کا خاوند کہیں باہر گیا ہوا تھا کہ اس کے جانے کے تھوڑے دنوں کے بعد ہی دونوں کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا۔ اس نے دو سال کے بعد واپس آنا تھا یہ واضح بات ہے کہ واپسی پر وہ پہچان نہیں سکتا تھا کہ اِس کا بچہ کونسا ہے اور اُس کا بچہ کونسا ہے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ابھی وہ گھر پر نہیں پہنچا تھا کہ اِن دونوں عورتوں کو ایک شادی میں شریک ہونے کے لئے کہیں باہر جانا پڑا۔ راستہ میں جنگل آتا تھا وہ جا رہی تھیں کہ بھیڑیا آیا اور اُن میں سے ایک کا بچہ اُٹھا کر لے گیا۔ جس عورت کا بچہ بھیڑیا اُٹھا کر لے گیا اُس نے سمجھا کہ جب میرا خاوند گھر میں آیا اور اس نے دیکھا کہ دوسری عورت کا تو بچہ ہے اور میرا کوئی بچہ نہیں تو اُس کی محبت مجھ سے کم ہو جائے گی اور دوسری عورت سے زیادہ محبت کرنے لگ جائے گا۔ وہ چالاک عورت اِس خیال کے آتے ہی اس نے دوسری عورت کا بچہ اُٹھا لیا اور کہنے لگی یہ میرا بچہ ہے۔ بھیڑیا تیرا بچہ اُٹھا کر لے گیا ہے۔ اس پر ان دونوں کی آپس میں خوب لڑائی ہوئی۔ ایک کہتی کہ یہ میرا بچہ ہے اور دوسری کہتی کہ یہ میرا بچہ ہے۔ وہ اس جھگڑے کو کئی قاضیوں کے پاس لے کر گئیں مگر کوئی شخص یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ بچہ کی اصلی ماں کونسی ہے۔ آخر چلتے چلتے یہ مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچا حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی پتہ لگ گیا کہ اس اس طرح کا ایک مقدمہ عدالتوں میں چل رہا ہے مگر ابھی تک اس کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ وہ نوجوان تھے اور نوجوانی میں جوش زیادہ ہوتا ہے اُنہوں نے اپنے والد کو کہلا بھیجا کہ یہ مقدمہ میری عدالت میں بھجوا دیا جائے میں اس کا فیصلہ کر دوں گا۔ اُنہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ان دونوں عورتوں کو بھجوا دیا جب یہ ان کے پاس گئیں اور

اپنے جھگڑے کی تفصیل بیان کی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا نہیں معلوم وہ کیسے قاضی تھے جن کے پاس یہ مقدمہ جاتا رہا اور وہ اِس کا فیصلہ نہیں کر سکے۔ یہ ایک سیدھی سادی بات ہے جب ہمیں اِس بات کا پتہ نہیں لگ سکتا کہ یہ بچہ کس عورت کا ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اِس بچہ کو دونوں میں آدھا آدھا بانٹ دیا جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے حکم دیا کہ چھری لاؤ میں ابھی اِس بچہ کو کاٹ کر اِن میں آدھا آدھا تقسیم کر دیتا ہوں۔ جب اُنہوں نے کہا چھری لاؤ میں اس بچہ کو کاٹ کر دونوں میں تقسیم کر دوں تو جس کا بچہ بھیڑیا اُٹھا کر لے گیا تھا وہ کہنے لگی خدا آپ کا بھلا کرے کیسے انصاف کی بات ہے جو آپ نے کہی۔ مگر جس کا بچہ تھا وہ کہنے لگی حضور! میں نے جھوٹ بولا ہے یہ بچہ میرا نہیں اسی کا ہے بے شک اِسی کو دے دیا جائے۔ آخر اُس کی مامتا تھی وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تدبیر کو تو نہ سمجھی اُس نے خیال کیا کہ یہ سچ مچ اِس کے دو ٹکڑے کرنے والے ہیں اِس پر اُسے خیال آیا کہ بچہ خواہ مجھے نہ ملے یہ کم از کم جیتا تو رہے۔ چنانچہ اُس نے بڑی لجاجت سے کہا کہ حضور! بچہ اسے ہی دے دیں میں نے جھوٹ بولا تھا کہ یہ میرا بچہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے اور اُنہوں نے وہ بچہ اس کے سپرد کر دیا جو حقیقی ماں تھی اور دوسری عورت کو سزا دی۔ تو مائیں بعض دفعہ اپنا حق بھی قربان کر دیتی ہیں مگر یہ نہیں چاہتیں کہ ان کا بچہ ہلاک ہو۔ اگر پاکستان واقع میں تمہارا ہے تو پھر تمہیں اس کی مضبوطی کے لئے قربانیاں بھی کرنی پڑیں گی۔ صرف یہ کہہ کر تم اُن قربانیوں سے آزاد نہیں ہو سکتے کہ یہ ہماری چیز ہے ہم اسے جس طرح چاہیں رکھیں بلکہ ہماری چیز کے معنی یہ ہیں کہ تمہیں دوسروں سے زیادہ قربانیاں دینی پڑیں گی۔

یہ تو میں نے ایک مثال دی ہے اس کے علاوہ اور بھی بیسیوں مثالیں ہیں۔ یہ زمینداروں کا ضلع ہے اور زمیندار اپنے ٹیکس کو بچا نہیں سکتا کیونکہ گورنمنٹ جانتی ہے کہ اس کے پاس اتنی زمین ہے اور اتنا اس کا معاملہ ہے۔ گورنمنٹ کا ملازم بھی پکڑا جاتا ہے کیونکہ گورنمنٹ اسے تنخواہ دے رہی ہوتی ہے اور وہ جانتی ہے کہ اسے کتنی تنخواہ ملتی ہے لیکن باقی لوگ ٹیکسوں میں برابر کھینچا تانی کرتے رہتے ہیں۔ انگریز کے وقت تو ایک ہندوستانی کہہ سکتا تھا کہ انگریز حکمران ہے میں اسے روپیہ کیوں دوں لیکن اب تو پاکستان تمہارا اپنا بچہ ہے اپنے بچے کے لئے تمہیں

لازماً قربانیاں کرنی پڑیں گی اور لازماً اپنا روپیہ خرچ کرنا پڑے گا۔ اگر روپیہ نہیں ہوگا تو فوجیں کس طرح رکھی جاسکیں گی اور حکومت کے انتظامات کس طرح چلائے جائیں گے۔ مگر باوجود اس کے کہ اب حکومت اپنی ہے اور اپنی چیز کے لئے زیادہ قربانیاں کرنی چاہئیں تاجر وہی ہیر پھیر کررہے ہیں جو پہلے کیا کرتے تھے۔ مثلاً سیلز ٹیکس کو ہی لے لو میں نے دیکھا ہے کہ بہت کم تاجر ہیں جو سیلز ٹیکس لگاتے ہیں اور گاہک پر سیلز ٹیکس نہ لگانے کا احسان رکھ کر اپنی چیزیں نہایت گراں قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں۔ ابھی لاہور سے آتے وقت میں نے بازار سے ایک چیز منگوائی جب مجھے اس کی قیمت بتائی گئی تو میں نے کہا کہ قیمت بہت زیادہ ہے۔ اس پر آدمی پھر دُکاندار کے پاس گیا مگر اس نے واپس آ کر کہا کہ وہ دُکاندار کہتا ہے میں سیلز ٹیکس اپنے پاس سے دے دونگا قیمت اس سے کم نہیں ہوسکتی۔ میں نے کہا یہ تو وہی بات ہوئی کہ ''حلوائی کی دُکان اور دادا جی کی فاتحہ''۔ سیلز ٹیکس تم مجھ سے لو مگر یہ دھوکا بازی نہ کرو۔ غرض تاجر کا عام طریق یہی ہے وہ گاہک کو بھی خوش کر لیتا ہے کیونکہ سیلز ٹیکس کھاتے میں نہیں چڑھاتا اور چیز بھی نہایت گراں قیمت پر فروخت کر دیتا ہے۔ گورنمنٹ کا اندازہ یہ تھا کہ سیلز ٹیکس سے اسے سات سے دس کروڑ تک روپیہ وصول ہوگا لیکن پچھلے سال اس کی ساری وصولی اڑھائی کروڑ روپیہ کی ہوئی ہے گویا سات آٹھ کروڑ روپیہ تاجر اُڑا گیا اور دوسرے ٹیکسوں کی بھی یہی حالت ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہی نہیں کہ اگر یہ چیزیں نہ ہوں گی اور خدانخواستہ کسی وقت دشمن آ گیا تو وہ کس پر حملہ کرے گا کیا وہ پاکستان پر نیزہ مارے گا؟ پاکستان تو ایسی چیز نہیں جسے ہندو اور سکھ نیزے مار سکیں۔ ہندو اور سکھ اگر پاکستان میں داخل ہوئے تو وہ پاکستان میں نیزہ نہیں ماریں گے وہ تمہارے سینوں میں نیزہ ماریں گے پس اِس کے لئے اگر کوئی قربانی کرو گے تو اِس کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا۔ نہ کرو گے تو اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی جو کچھ تکلیف پہنچے گی وہ تمہیں پہنچے گی۔

اِسی طرح علمی ترقی ہے علمی طور پر بھی ہمیں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ہم اپنے معیار کو بڑھائیں اگر پاکستان بن جانے کے بعد بھی یہاں کے لوگ اسی طرح جاہل رہیں جس طرح نیپال وغیرہ کے لوگ ہیں تو پاکستان کی دنیا میں کیا عزت ہوسکتی ہے اور علمی ترقی کالجوں اور سکولوں سے ہوتی ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ اب بھی ہمارے نوجوان کھیل کود اور لغویات میں اپنا وقت گزار رہے

ہیں اگر یہی حال رہا تو پھر ہمارے مُلک کی ترقی کی کیا صورت ہوگی محض پاکستان کا نام تو کوئی ایسی چیز نہیں جس سے اسے عزت حاصل ہوسکے۔ پاکستان کو عزت اسی طرح حاصل ہوسکتی ہے کہ وہ ایسے مقام پر پہنچ جائے کہ دنیا کی تمام قومیں اِس کا احترام کرنے پر مجبور ہوں۔اور یہ نہیں ہوسکتا جب تک ہمارے سکول کا ہرلڑکا یہ فیصلہ نہ کرے کہ وہ کوشش کر کے اور رات اور دن پڑھائی کر کے ایسے مقام پر کھڑا ہونے کی کوشش کرے گا کہ دنیا اُسے رشک کی نگاہوں سے دیکھنے لگ جائے۔اسی طرح یہ نہیں ہوسکتا جب تک ہمارے کالج کا ہرلڑکا یہی کوشش نہ کرے اور رات اور دن اپنی تعلیم کو ترقی دینے کی جدوجہد نہ کرے۔مگر حالت یہ ہے کہ بجائے اپنے تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے ہمارے نوجوان سینما میں جاتے ہیں، گندے گیت گاتے ہیں اوراپنا روپیہ کھیلوں اور دوسری لغویات میں ضائع کر دیتے ہیں۔کیا یہ پاکستان کو ترقی دینے والی چیزیں ہیں یااس کی عزت کو کم کرنے والی چیزیں ہیں؟ اگر ہمارا مقصد پاکستان کو ترقی دینا ہے تو جب تک ہمارا نوجوان دنیا کے نوجوانوں کے برابر کھڑا نہ ہو جائے پاکستان کو کوئی عزت حاصل نہیں ہوسکتی۔ جب تک ہمارا نوجوان ہرقسم کے علوم میں دوسروں سے آگے نہ نکل جائے تو اُس وقت تک وہ دوسروں کا راہنما نہیں بن سکتا۔ یہ کام بہرحال نوجوانوں کے ہاتھ میں ہے اور اِس کی طرف وہ جتنی توجہ کریں کم ہے۔اب پہلا زمانہ نہیں رہا اب ہمیں اپنی زندگیاں بدلنی پڑیں گی۔ ہم نے خود کہا تھا کہ خدایا! ہمیں یہ چیز دے اب اس چیز کو صحیح طور پر قائم رکھنا اوراسے بڑھانا ہمارے ہاتھ میں ہے۔اگر ہم اپنے فرائض کو نہیں سمجھیں گے تو ہم شرمندہ ہوں گے اس جہان میں بھی اوراگلے جہان میں بھی۔ اللہ تعالیٰ کہے گا میں نے تمہیں ایک بچہ دیا۔ میں نے تمہیں تمہارے مطالبہ پر بچہ دیا مگر تم نے اسے ضائع کر دیا۔

یہ امر یاد رکھو کہ آزادی کے معنی خالی حکومت کے نہیں بلکہ اپنے اندر ایسے تبدیلیاں پیدا کرنے کے ہیں جن سے وہ مُلک طاقت حاصل کرے اِس وقت یورپ میں بھی بعض ایسے علاقے ہیں جن کی کوئی طاقت نہیں جیسے ناروے ہے، سویڈن ہے یا پہلے رومانیہ اور بلغاریہ ہوا کرتے تھے انہیں آزادی تو حاصل ہے مگر طاقت کچھ نہیں لیکن امریکہ اور انگلستان اور فرانس اور روس یہ ایسی حکومتیں ہیں جن کو طاقت حاصل ہے۔اگر آپ لوگ بھی اپنے مُلک کو ہر رنگ میں

آگے نہیں بڑھائیں گے تو یہ آزادی ایک کھلونا بن کر رہ جائے گی۔

عملی قربانی ایک ایسی چیز ہے جس کے بغیر پاکستان کو مضبوطی حاصل نہیں ہو سکتی۔ جس طرح ماں رات کو جاگتی ہے اور دن کے وقت صبح سے شام تک بچہ کی خبر گیری میں مصروف رہتی ہے اسی طرح آپ لوگوں کو بھی سمجھنا چاہیے کہ جب ہم نے آزادی مانگی اور اپنی ترقی کے لئے ایک علیحدہ مُلک مانگا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرما دیا تو اب ہمیں اس کے لئے عملی رنگ میں قربانی کرنی پڑے گی اور عملی قربانی میں محنت سے کام کرنا، ایثار سے کام کرنا اور دیانت سے کام کرنا شامل ہے۔ حُکام کو چاہیے کہ وہ رشوت خوری کی عادت کو ترک کر دیں اور اپنے کیریکٹر کو مضبوط بنائیں۔ گو پہلے بھی یہ ایک نہایت گندی بات تھی لیکن اب تو قومی لحاظ سے بھی یہ ایک لعنت ہے اور اسے جس قدر جلد دور کیا جا سکے اُسے دور کرنا چاہیے۔

اسی طرح ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے احکام بجائے زور اور لاٹھی سے منوانے کے محبت اور پیار سے منوانے کی کوشش کیا کریں۔

یہ ایک بہت بڑی خرابی ہے کہ حکومت کے نشہ میں اپنی قوم کے جائز حقوق کا خیال نہ رکھا جائے اور ان پر زور سے حکومت چلانے کی کوشش کی جائے۔ غرض عوام الناس کو چاہیے کہ وہ اپنے ٹیکس ادا کریں، نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ علم حاصل کرنے میں اپنا سارا زور صَرف کر دیں، سرکاری حُکّام کو چاہیے کہ کسی سے رشوت لینے کا خیال تک بھی ان کے دل میں نہ آیا کرے۔ ہر شخص جو کسی افسر کے پاس جائے وہ اِس یقین اور وثوق کے ساتھ واپس آئے کہ پاکستان نے ہمارے مُلک کی کایا پلٹ دی ہے۔ پہلے تو سرکاری حُکّام روپیہ لے لیتے تھے مگر اب نہیں لیتے۔ تم ذرا ان تین چیزوں کا ہی قیاس کر کے دیکھو کہ اگر ہمارا مُلک ان پر عمل کرنے لگے تو اس میں کتنا بڑا تغیر پیدا ہو جائے یعنی تم میں سے ہر شخص اپنا ٹیکس ادا کرنے لگ جائے، تاجر انکم ٹیکس ادا کریں، پیشہ ور دیانتداری کے ساتھ سیلز ٹیکس ادا کریں، زمیندار اپنا ٹیکس ادا کریں، ریلوں پر سفر کرنے والے کبھی بغیر ٹکٹ کے سفر نہ کریں، سرکاری حُکّام رشوتیں لینا ترک کر دیں اور پھر ہر دُکاندار اور تاجر اپنے اِردگرد کے دکانداروں کا خیال رکھے اور اگر وہ سیلز ٹیکس وغیرہ ادا نہ کر رہے ہوں تو اُنہیں سمجھائے اور نصیحت کرے تو پاکستان کی آمدن کہیں سے کہیں پہنچ جائے۔ اِس

وقت پاکستان کی کُل آمدن اسّی کروڑ روپیہ سالانہ ہے لیکن اگر تمام لوگ صحیح طور پر ٹیکس ادا کرنے لگ جائیں تو یہ آمد ڈیڑھ ارب تک پہنچ سکتی ہے۔ ہندوستان کی آمد تین ارب سے اوپر ہے اور پاکستان کا علاقہ ہندوستان کے مقابلہ میں بہت چھوٹا ہے پاکستان کا سارا حدود اربعہ تین لاکھ میل کا ہے اور ہندوستان کا حدود اربعہ ۲۶ لاکھ میل ہے گویا اسے ۲۶ لاکھ میل کی حفاظت کے لئے تین ارب روپیہ ملتا ہے اور پاکستان کو تین لاکھ میل کی حفاظت کے لئے ڈیڑھ ارب روپیہ مل سکتا ہے اور اس طرح پاکستان کے پاس اتنا روپیہ اپنی فوج کی مضبوطی کے لئے، اپنے بحری بیڑہ کو مضبوط بنانے کے لئے اور اپنے ہوائی بیڑہ کو مضبوط بنانے کے لئے بچ سکتا ہے کہ وہ ہندوستان سے نواں حصہ چھوٹا ہوتے ہوئے بھی طاقت میں اُس سے بڑھ جائے گا لیکن اگر ٹیکس ادا نہ کرو تو پاکستان کی فوجیں کمزور رہوں گی، اس کے پاس سامانِ حرب کم ہوگا اور اس کے اندر طاقت پیدا نہیں ہوگی ایسی حالت میں اگر کسی دشمن نے حملہ کر دیا تو تم کیا کرو گے؟ آخر کونسی چیز ہوگی جو تمہارے پاس ہوگی اور جس سے تم اُس کے مقابلہ میں کامیاب ہوسکو گے۔ دشمن کو تو تم اسی طرح بھگا سکتے ہو کہ تم اپنی فوجوں کو مضبوط کرو اور یہ کام نہیں ہوسکتا جب تک تم لوگ اس کے لئے عملی قربانی نہ کرو۔ مثلاً عملی قربانی میں ایک یہ بات بھی شامل تھی کہ فوجوں میں اپنے نوجوانوں کو زیادہ سے زیادہ بھرتی کیا جائے مگر اس طرف بھی کوئی توجہ نہیں کی گئی کیونکہ مسلمانوں کو قربانی کی عادت نہیں۔ اُنہوں نے بچہ لے لیا مگر اسے پالنا نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے بچہ دینا تھا۔ سو اس نے دے دیا مگر یہ بچہ لے کر کبھی کہتے ہیں ہم اسے اپنا خون پلائیں یہ کیسے ہو سکتا ہے، کبھی کہتے ہیں ہم اس کے لئے راتوں کو جاگیں یہ کیسے ہوسکتا ہے، کبھی کہتے ہیں ہم اس کے لئے پیسے خرچ کریں یہ کیسے ہوسکتا ہے، اگر تم نے یہی کچھ کرنا تھا تو پھر بچہ مانگا کیوں تھا؟ بچہ لینے کے بعد تو بہرحال تمہیں اس کے لئے قربانی کرنی پڑے گی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ لوگوں نے پاکستان کیوں مانگا تھا؟ جہاں تک میں نے لوگوں سے پوچھا ہے وہ اِس کا یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم نے پاکستان اسلام کے لئے مانگا تھا اور آجکل اخبارات میں بھی یہی چرچا ہے۔ جو اخبار نکالو اس میں یہی لکھا ہوتا ہے کہ گورنمنٹ پاکستان اسلام کی حکومت قائم کرنے کے لئے کچھ نہیں کرتی ہم نے تو پاکستان اسلام کے لئے

مانگا تھا۔ مجھے ایسے اخبارات پڑھ کر ہمیشہ ہنسی آتی ہے اور میں حیران ہوتا ہوں کہ کہنے والا کہتا کیا ہے۔ آخر اسلام کس چیز کا نام ہے؟ اسلام اِس چیز کا نام نہیں کہ دس بیس نوکریاں بعض لوگوں کو مل جائیں، اسلام اِس چیز کا نام نہیں کہ دس بیس عہدے بعض لوگوں کو مل جائیں، اسلام نام ہے کچھ اخلاقی اصول کا، کچھ روحانی اصول کا اور کچھ عقائد کا۔ اسلام نام ہے اِس بات کا کہ ہر شخص اِس بات کا اقرار کرے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ اب بتایئے پاکستان گورنمنٹ کیا قانون بنائے؟ کیا وہ یہ قانون بنائے کہ ہمارے مُلک میں آئندہ ایک خدا ماننا جائز ہوگا۔ ہر شخص کہے گا کہ اگر کوئی ایک خدا ماننا چاہے تو اسے روکتا کون ہے۔ انگریز نہیں روکتا، روس نہیں روکتا، جرمنی نہیں روکتا، جاپان نہیں روکتا۔ جب دنیا کے ہر مُلک میں بلکہ ایسے مُلک میں بھی جو مذہب کا شدید ترین دشمن ہے یہ عقیدہ رکھا جا سکتا ہے تو پھر اس کے لئے کسی قانون کی کیا ضرورت ہے۔ اسلام نام ہے اس بات کا کہ انسان اس بات پر ایمان لائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول تھے ایسے رسول کہ جن سے خدا تعالیٰ نے اپنے دین کی تکمیل کا کام انتہائی درجہ پر کیا اور وہ سارے نبیوں کے سردار ہیں۔ اب پاکستان گورنمنٹ کیا کرے؟ کیا وہ یہ کہے کہ اب تو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول تھے مگر آئندہ اس عقیدہ کے رکھنے میں آزادی ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ اس میں پاکستان گورنمنٹ کا کیا دخل ہے ہم گھر میں بیٹھے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی کہہ سکتے ہیں اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اِس میں نہ تو پاکستان گورنمنٹ کا کوئی دخل ہے اور نہ اس کیلئے کسی قانون کی ضرورت ہے کہ اس کے لئے چیخ و پکار کی جائے۔

دوسری چیز جو ہمارے عقائد میں شامل ہے وہ قرآن کریم کو سچا ماننا ہے۔ اب بتائیں اس عقیدہ کے رکھنے میں کونسا قانون مانع ہے یا کونسا قانون ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم قرآن کریم کو سچا نہ مانیں کہ اس کے خلاف ہمیں کسی قانون کی ضرورت ہو۔ اسلام تو صرف یہ کہتا ہے کہ تم سچے دل سے اس بات پر یقین رکھو کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کی کتاب ہے مگر کیا کوئی قانون انگریز نے اس کے خلاف بنایا ہوا تھا۔ جب انگریزوں کے وقت اس کے خلاف کوئی قانون تھا نہ اب ہے تو مملکت پاکستان کیا کرے اور وہ کس چیز کے متعلق قانون نافذ کرے۔

اسی طرح اسلام کا اصول قضا و قدر پر ایمان لانا ہے۔ کیا انگریز نے کوئی قانون بنایا ہوا تھا کہ تم قضا و قدر پر ایمان نہ لاؤ یہ تو اپنے دل کی بات ہے اگر ہم اس عقیدہ کو ماننا چاہیں تو کوئی قانون ہمیں اس سے روکتا نہیں۔ یا مثلاً اسلام کا ایک اصل یہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور وہ دوزخ یا جنت میں رکھا جائے گا۔ اب بتاؤ آیا اس کے متعلق انگریز کا کوئی قانون تھا کہ یہ بات نہ مانو؟ یا اب کوئی قانون ہے کہ یہ عقیدہ نہ رکھا جائے؟ جب نہ پہلے کوئی قانون اس کے خلاف تھا نہ اب ہے تو کونسی چیز ہے جس کے لئے پاکستان کو کسی قانون کے بنانے کی ضرورت ہے۔

اب آگے چلو۔ اسلام نام ہے کچھ اخلاقیات کا۔ اسلام اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ مؤمنوں کو سچ بولنا چاہیے، ظلم نہیں کرنا چاہیے، فسادات نہیں کرنے چاہئیں، عصمت دری نہیں کرنی چاہیے۔ اب بتایئے ان اخلاقی تعلیموں میں سے کونسی تعلیم ہے جس کے خلاف پاکستان گورنمنٹ نے کوئی قانون بنایا ہوا ہے یا جس کے خلاف پہلے کا کوئی قانون موجود ہے۔ جب نہ پہلے اس کے خلاف کوئی قانون موجود ہے اور نہ اب ہے تو کیا چیز ہے جو لوگ مانگ رہے ہیں۔

اسی طرح اسلام کے احکام میں یہ بات شامل ہے کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، حج کرو، زکوٰۃ دو چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بنائے اسلام پانچ چیزوں پر ہے توحید پر یعنی یہ عقیدہ رکھا جائے کہ خدا تعالیٰ ایک ہے، نماز پر، روزے پر، حج پر، زکوٰۃ پر۔ اب بتایئے پانچ ارکانِ اسلام میں سے کس رُکن کے خلاف کوئی قانون موجود ہے کیا کوئی حکم ہے کہ نماز نہ پڑھی جائے؟ اگر کسی نے نماز پڑھی تو اسے سزا دی جائے گی؟ یا کیا کوئی قانون انگریز کا تھا کہ حج نہ کرو؟ اگر کوئی حج پر گیا تو اُسے سزا دی جائے گی؟ یہ تمام احکام ایسے ہیں جو ہر شخص کی ذات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ وہ اگر نماز پڑھنا چاہے یا روزہ رکھنا چاہے یا حج کرنا چاہے یا زکوٰۃ دینا چاہے تو کوئی قانون اسے نہیں روکتا۔ قرآن کریم میں قریباً ۹۰۰ ر احکام پائے جاتے ہیں ان میں سے شاید زیادہ سے زیادہ دو تین حکم ایسے ہوں گے جن میں حکومت کا دخل ہو باقی سب احکام ایسے ہیں جن میں فرد کا دخل ہے اور وہ اگر چاہے تو بغیر کسی روک کے ان پر عمل کر سکتا ہے۔

پس یہ جو اخبارات میں شور پڑا ہوا ہے کہ اسلامی حکومت قائم ہونی چاہیے یہ ایک ایسی چیز

ہے جسے دیکھ کر حیرت آتی ہے۔ انگریز کے زمانہ میں بھی ان احکام پر عمل کرنے سے کوئی چیز نہیں روکتی تھی اور اب تو ہر رنگ میں آزادی حاصل ہے۔ اُس وقت تو یہ خیال بھی آ سکتا تھا کہ انگریز کی نقل کی وجہ سے لوگ اسلامی احکام پر عمل کرنے میں سست ہو رہے ہیں مگر اب تو وہ بھی بھاگ گیا پھر ہمارے لئے ان احکام پر عمل کرنے میں روک کیا ہے اور کونسی چیز ہمارے لئے مانع ہے۔ جب کوئی بھی نہیں روکتا تو پھر اِس شور کے کیا معنی ہیں کہ اسلامی حکومت قائم ہونی چاہیے۔ یہ شور جو اخباروں میں مچایا جا رہا ہے اِس کے متعلق دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو یہ کہ سارے مُلک کی آواز ہے یا نہیں۔ اگر یہ مُلک کی آواز نہیں تو اقلیت کو کیا حق ہے کہ جب اکثریت ایک بات کے خلاف ہے تو وہ اسے مجبور کرے اور کہے کہ ضرور اسلام پر عمل کرو۔ اور اگر مُلک کی اکثریت یہ چاہتی ہے کہ اسلامی قانون نافذ ہو تو سوال یہ ہے کہ جب اکثریت یہ چاہتی ہے کہ اسلام پر عمل ہو تو کیا وہ خود اسلام پر عمل کر رہی ہے؟ کیا پاکستان قائم ہونے سے پہلے دس نمازی مسجد میں آیا کرتے تھے؟ اور اب ان کی تعداد ہزار تک پہنچ گئی ہے؟ یا ہر مسلمان نماز پڑھنے لگ گیا ہے؟ یا اگر ہر مسلمان نہیں تو اکثر نماز پڑھنے لگ گئے ہیں؟ میں اِس وقت تقریر میں ایک عام بات کر رہا ہوں اس کی سچائی یا جھوٹ کو اس جگہ پر پرکھا نہیں جا سکتا لیکن قرآن کریم نے ایک اصول بیان کیا ہے جس سے تم کسی بات کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہو۔ اور وہ اصول یہ ہے کہ جب تمہارے سامنے کوئی سچائی پیش ہو تو تم الگ الگ یا اکٹھے ہو کر غور کرو کہ کہنے والے نے سچی بات کہی تھی یا جھوٹی بات کہی تھی۔ اس اصول کے مطابق آپ بھی غور کریں کہ کیا آپ کے ہمسایہ میں پاکستان بننے کے بعد سب لوگ نمازیں پڑھنے لگ گئے ہیں؟ آپ اپنے دوستوں سے پوچھئے کہ پاکستان بننے کے بعد نمازیوں میں کتنی ترقی ہوئی ہے اور پہلے ان کی تعداد کتنے فیصد تھی۔ آیا پاکستان بننے کے بعد ۵۵ فیصدی لوگ نمازیں پڑھنے لگ گئے ہیں کہ ہم کہہ سکیں اکثریت نماز پڑھتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ جس نے ایک نماز بھی نہ پڑھی وہ کافر ہو گیا[1] اِس لحاظ سے ہر مسلمان کو نماز کا پابند ہونا چاہیے۔ مگر میں کہتا ہوں اِس کو وسیع کر لو اور پھر حالات کا جائزہ لو۔ آپ اپنے محلّہ کے لوگوں سے ہی بات کیجئے اور پھر بتایئے کہ کیا مسلمانوں میں سے ۵۵ فیصدی لوگ نمازیں پڑھنے لگ گئے ہیں؟ مگر ایک بات یاد رکھیئے

آپ کا نفس آپ کو دھوکا نہ دے۔ ایک نماز لوگوں نے ایسی بنالی ہے جس سے وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اب ہمیں تمام نمازوں سے چھٹی مل گئی ہے۔ ان کی مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسے کہتے ہیں ایک مُلّا تھا اس نے کہیں یہ بات پڑھ لی کہ جب کسی کو کوئی ایسی چیز مل جائے جو آوارہ پھر رہی ہو اور جس کی حفاظت نہ ہو سکتی ہو تو تین دفعہ اعلان کرنے کے بعد وہ اُس چیز کو اپنے قبضہ میں لے لے۔ یہ بات پڑھنے کے بعد اُس نے یہ طریق بنالیا کہ جہاں کوئی ریوڑ بکریوں یا بھیڑوں کا جا رہا ہوتا وہ اُس کے پیچھے چل پڑتا اور جب کوئی بکری یا بھیڑ کا بچہ پیچھے رہ جاتا تو وہ اُسے پکڑ لیتا اور جب دیکھتا کہ گلہ بان دُور نکل گیا ہے تو زور سے آواز دیتا ''کسی کی'' اور پھر نہایت دبی زبان سے کہتا ''بکری''۔ اس طرح تین دفعہ وہ اعلان کر دیتا اور پھر بکری پکڑ کر گھر میں لے آتا اور وہ سمجھتا کہ اب اس پر میرا قبضہ جائز ہو گیا ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں نے ایک طرف دین کا احترام قائم رکھنے کے لئے اور دوسری طرف نمازوں سے چھٹی حاصل کرنے کے لئے ایک جمعہ کا نام جمعۃ الوداع رکھا ہوا ہے۔ جو رمضان کا آخری جمعہ ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جو شخص جمعۃ الوداع میں آکر شامل ہو گیا اور اُس نے نماز پڑھ لی اُس نے سارے سال کی نمازیں پڑھ لیں۔ اِس نماز کو وہ قضاء عمری کہتے ہیں یعنی عمر بھر کی نمازیں اس ایک نماز کے پڑھنے سے معاف ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اُنہوں نے ایک دعائے گنج العرش بنائی ہوئی ہے جس پر یہ لکھا ہوا ہے کہ جو شخص ساری عمر میں ایک دفعہ بھی اسے پڑھ لے اسے آج تک جتنے نبی دنیا میں گزرے ہیں اور جتنی نیکیاں اُنہوں نے کی ہیں ان سب نبیوں کی نیکیوں جتنا ثواب مل جاتا ہے۔ اور جتنے بدمعاش دنیا میں آج تک گزرے ہیں اور جتنی بدکاریاں اُنہوں نے دنیا میں آج تک کی ہیں اُن تمام بدمعاشوں کی ساری بدیوں اور گناہوں جتنے گناہ اُس کے ایک دفعہ کے پڑھنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ گویا ایک دفعہ دعائے گنج العرش پڑھ لی اور چھٹی ہو گئی۔ نہ نماز رہی نہ روزہ رہا، نہ حج رہا نہ زکوٰۃ رہی، نہ قرآن کریم کے اَور احکام پر عمل کرنے کی ضرورت رہی۔ یہیں تک نہیں بلکہ اس کے اَور بھی بڑے بڑے افسانے مشہور ہیں۔

کہتے ہیں ایک بہت بڑا چور تھا جس نے مُلک بھر میں فتور مچا رکھا تھا اُس نے ہزاروں لوگوں کو قتل بھی کیا تھا مگر وہ پکڑا نہیں جاتا تھا۔ آخر ایک دفعہ سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا اور عدالت

میں پیش کیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اُسے قتل کر دو مگر جب وہ اُسے قتل کرنے کیلئے گردن پر تلوار مارتے تو ذرا بھی اثر نہ ہوتا اور قتل ہونا تو کیا معمولی زخم بھی نہ لگتا۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ یہ بات کیا ہے؟ اُنہوں نے زور زور سے تلواریں ماریں مگر وہ قتل نہ ہو سکا نہ اُسے کوئی زخم آیا۔ آخر اسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا کہ ہم تو اسے قتل کرتے ہیں مگر یہ قتل نہیں ہوتا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اِسے آگ میں جلا دیا جائے۔ اُنہوں نے لکڑیوں کا انبار جمع کیا اور آگ لگا کر اُس میں اسے پھینک دیا مگر وہ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ شخص آگ میں یوں کھیلنے لگ گیا ہے جیسے کوئی باغ میں کھیلتا ہے۔ وہ پھر بادشاہ کے پاس گئے کہ یہ قصہ ہوا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے پہاڑ کی چوٹی پر سے گرا دیا جائے۔ اُنہوں نے پہاڑ کی چوٹی پر سے اسے گرایا تو وہ یوں نیچے آ کر کھڑا ہو گیا جیسے کسی نے نہایت آرام سے اُسے اپنے کندھوں پر اُٹھا کر نیچے لا رکھا ہو۔ اس پر وہ پھر بادشاہ کے پاس گئے کہ ہم تو عجیب مصیبت میں پھنس گئے ہیں یہ کسی طرح مرنے میں ہی نہیں آتا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے گلے میں ایک بڑا سا پتھر باندھ کر سمندر میں غرق کر دو۔ اُنہوں نے اس کے گلے میں ایک بڑا سا پتھر باندھا اور سمندر میں ڈبونا چاہا مگر وہ ڈوبنے کی بجائے کارک کی طرح پانی پر تیرنے لگ گیا۔ اس پر وہ پھر بادشاہ کے پاس آئے اور کہنے لگے حضور! ہم نے اسے قتل کیا مگر یہ قتل نہ ہوا، ہم نے اسے آگ میں ڈالا مگر یہ آگ میں نہ جلا، ہم نے اسے پہاڑ سے گرایا مگر یہ آرام سے نیچے آ کر کھڑا ہو گیا، ہم نے اِسے سمندر میں ڈبویا مگر یہ تیرنے لگ گیا۔ بادشاہ نے کہا اُسے میرے پاس لے آؤ وہ کوئی بہت بڑا بزرگ معلوم ہوتا ہے۔ جب وہ آیا تو بادشاہ اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا مجھے معاف کیجئے مجھ سے سخت غلطی ہوئی میں آپ کو چور اور ڈاکو سمجھتا رہا مگر آپ تو بڑے ولی اللہ اور بزرگ ہیں۔ اُس نے کہا بادشاہ سلامت! میں ہوں تو چور ہی۔ بادشاہ کہنے لگا توبہ توبہ یہ آپ کیا فرماتے ہیں آپ چور ہو سکتے ہیں آپ تو اتنے بزرگ ہیں کہ پہاڑ سے آپ کو گرائیں تو فرشتے اُٹھا لیتے ہیں، آگ میں گرائیں تو وہ گلزار بن جاتی ہے، تلوار چلائیں تو زخم نہیں آتا، سمندر میں ڈبوئیں تو تیرنے لگتے ہیں۔ اُس نے کہا حضور! یہ سب صحیح ہے مگر میں ہوں چور ہی۔ بادشاہ نے پوچھا تو پھر بات کیا ہے کہ آپ پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا؟ اس نے کہا بات یہ ہے کہ میں دعائے گنج العرش

پڑھا کرتا ہوں۔ تو دیکھئے کام کتنا آسان ہو جاتا ہے۔ نہ نماز رہی، نہ روزہ رہا، نہ حج رہا، نہ زکوٰۃ رہی۔ چوری کیجئے، ڈاکہ ڈالئے، بُرائیاں کیجئے صرف دعائے گنج العرش پڑھ لیا کیجئے۔ تو جب میں نے نمازوں کا ذکر کیا ہے تو آپ کا نفس آپ کو یہ دھوکا نہ دے کہ شاید اس سے ایک یا دو نمازیں پڑھنا مراد ہے بلکہ جب میں کہتا ہوں کہ مسلمان آیا نماز پڑھتے ہیں یا نہیں تو یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ میرے نزدیک نماز پڑھنا اِس کو کہتے ہیں کہ دن رات میں پانچ دفعہ خدا اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق باجماعت نماز ادا کی جائے اور تمام عمر مسلسل پڑھی جائے یہ نہیں کہ جمعۃ الوداع کے روز ایک دفعہ نماز پڑھ لی اور پھر ہمیشہ کے لئے چھٹی ہوگئی بلکہ اگر کوئی شخص سال بھر میں ایک نماز بھی چھوڑ دیتا ہے اگر وہ بھول جاتا ہے تو اَور بات ہے لیکن اگر وہ دیدہ دانستہ پچاس سال میں ایک نماز بھی چھوڑ دیتا ہے تو وہ مسلمان نہیں رہتا۔

پس آپ لوگ اپنے دوستوں اور اپنے ہمسایوں سے پوچھئے کہ جب سے پاکستان بنا ہے آیا مسلمان پہلے سے زیادہ نمازیں پڑھنے لگ گئے ہیں؟ اگر میری بیان کردہ تعریف کے مطابق پچپن فیصدی مسلمان آپ کو ایسے مل جائیں جو نماز باجماعت پڑھنے والے ہوں تو سمجھ لیجئے کہ مُلک کی اکثریت اسلامی حکومت قائم کرنے کے حق میں ہے اور اگر نہ ملیں تو پھر اخبارات میں جو شور مچایا جاتا ہے وہ محض ایک خیالی چیز بن جاتی ہے۔ اسی طرح حج اور زکوٰۃ کو لے لیجئے۔ روزے کا میں ذکر نہیں کرتا اس لئے کہ ہمارے مُلک میں روزہ مقابلہ کے طور پر رکھا جاتا ہے یعنی قرآن نے تو یہ کہا ہے کہ بیمار روزہ نہ رکھے، مسافر روزہ نہ رکھے مگر ہمارے مُلک میں بیمار بھی روزہ رکھ لیتا ہے اور مسافر بھی روزہ رکھ لیتا ہے۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ اس بارہ میں بھی لوگوں کو اسلامی مسائل سے آگاہ کیا جائے۔ لیکن بہرحال روزہ رکھنے کی ہمارے مُلک کے لوگوں کو عام طور پر عادت ہے اس لئے میں روزے کا ذکر نہیں کرتا لیکن حج کو لے لو تو غریب حج کو جائیں گے مگر امیر نہیں جائیں گے۔ یہاں سرگودھا میں تین چار ہزار بڑے بڑے امراء ہوں گے مگر ان میں سے صرف پانچ دس نے حج کیا ہوگا لیکن غریب لوگ جو بھوکے مرتے ہیں اور جن پر حج فرض نہیں وہ حج کرتے چلے جاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ پاکستان بننے سے جو ذمہ داریاں آپ لوگوں پر عائد ہوتی تھیں کیا آپ نے ان ذمہ داریوں کو ادا کر دیا ہے؟ اگر آپ نے ان

ذمہ داریوں کو ادا نہیں کیا تو گورنمنٹ پاکستان کیا کرے۔ مثلاً آپ جب نماز نہیں پڑھنا چاہتے تو گورنمنٹ پاکستان کیا کرے۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ وہ پولیس مقرر کرے جو ڈنڈے کے زور سے آپ کو مسجدوں میں لے جایا کرے؟ اور اگر آپ سچے دل سے خود ہی نمازیں پڑھنا چاہتے ہیں تو اس میں گورنمنٹ پاکستان کے کسی قانون یا پولیس کی کیا ضرورت ہے۔ اِسی طرح اگر آپ حج نہیں کرنا چاہتے، زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ آپ کو زبردستی حج پر لے جائے اور زبردستی آپ سے زکوٰۃ وصول کرے؟ آپ ان کاموں میں سے کوئی کام بھی نہیں کرتے مگر کہتے یہ ہیں کہ ہم اسلامی حکومت قائم کرنے کے خواہشمند ہیں۔ یہ کتنے بڑے تمسخر کی بات ہے۔ ذرا سوچیئے۔ یہی سوال جو اِس وقت میں نے آپ لوگوں سے کیا ہے اگر اِس کا یورپ اور امریکہ میں اشتہار دے دیا جائے کہ مسلمان نماز پڑھنا چاہتا ہے کوئی قانون اِسے نماز پڑھنے سے نہیں روکتا۔ ہر شہر بلکہ ہر بڑے شہر کے ہر محلّہ میں مسجد موجود ہے مگر مسلمان کو شکایت ہے کہ گورنمنٹ مجبور کر کے اُس سے نماز کیوں نہیں پڑھاتی۔ بتایئے وہ کیا کہیں گے کہ مسلمان بیوقوف ہیں یا یہ کہیں گے کہ اس میں گورنمنٹ کی غلطی ہے۔ یہ لازمی بات ہے کہ اگر انہی لفظوں میں امریکہ میں اشتہار دے دیا جائے کہ پاکستان کے مسلمانوں پر نماز فرض ہے، پاکستان کے مسلمان پر نماز باجماعت فرض ہے، پاکستان کے مسلمان پر مسجد میں آ کر نماز پڑھنا فرض ہے، پاکستان کے مسلمان پر پانچ وقت مسجد میں آ کر نماز پڑھنا فرض ہے سوائے اِس کے کہ اسے کوئی عذر ہو لیکن گورنمنٹ اتنی نالائق ہے کہ وہ مجبور کر کے پولیس کے ذریعہ اسے مسجد میں نہیں لاتی۔ اگر امریکہ میں اِس قسم کا پراپیگنڈہ کیا جائے تو یہ لازمی بات ہے کہ وہ مسلمانوں کو ہی بیوقوف سمجھیں گے، گورنمنٹ پر کوئی الزام نہیں لگائیں گے۔

یہ شور تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہتے ہیں کہ دو شخص جنگل میں ایک درخت کے سایہ کے نیچے لیٹے ہوئے تھے کہ اُنہوں نے دور سے ایک سپاہی کو دیکھا جو چھٹی پر اپنے گھر جا رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے سپاہی کو زور زور سے آوازیں دینی شروع کیں کہ میاں سپاہی! ذرا اِدھر آنا، میاں سپاہی! ذرا اِدھر آنا۔ خدا کے لئے جلدی آنا ایک نہایت ضروری کام ہے۔ وہ شریف آدمی تھا اُس نے خیال کیا کہ نہ معلوم کیسا ضروری کام ہے جس کے لئے مجھے بُلایا جا رہا ہے وہ رستہ کاٹ

کران کی طرف جلدی جلدی آیا اور پوچھا کہ بتائیے کیا کام ہے؟ جس نے آوازیں دی تھیں وہ کہنے لگا میاں سپاہی! میں نے تمہیں اس لئے بُلایا ہے کہ یہ بیر جو میرے سینے پر پڑا ہوا ہے اِسے اُٹھا کر ذرا میرے منہ میں ڈال دینا۔ سپاہی کو غصہ آیا کہ یہ عجیب آدمی ہے اس نے میرا سفر بھی خراب کیا اور کام بھی یہ بتایا کہ بیر میری چھاتی پر سے اُٹھا کر منہ میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ سپاہی نے اُسے گالیاں دینی شروع کر دیں کہ تیرے ہاتھ ٹوٹے ہوئے تو نہیں۔ تیرے ہاتھ سلامت ہیں اور تو آسانی سے بیر اُٹھا کر منہ میں ڈال سکتا تھا تو نے مجھے کیوں بُلایا اور میرے سفر کو خراب کیوں کیا؟ جب اس نے بہت ملامت کی تو دوسرا شخص جو پاس ہی لیٹا ہوا تھا کہنے لگا میاں سپاہی! جانے بھی دو یہ تو بالکل معذور آدمی ہے۔ ارے میاں ساری رات کتا میرا منہ چاٹتا رہا مگر اس کمبخت سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اسے شیت ہی کر دیتا۔ سپاہی چپ کر کے چلا گیا کہ یہ تو دونوں ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اِسی قسم کا شور آجکل اخبار میں نظر آتا ہے۔ جو اخبار اُٹھاؤ اُس میں یہی نظر آتا ہے کہ مملکت پاکستان اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے کچھ نہیں کرتی۔ آپ خود ہی غور کریں اور سوچیں کہ کیا چیز ہے جو اِس حکومت کے قائم کرنے میں روک ہے۔ اگر آپ نماز پڑھیں تو کون آپ کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے؟ اگر آپ روزہ رکھیں تو کون آپ کو روزہ رکھنے سے روکتا ہے؟ اگر آپ حج کریں تو کون آپ کو حج کرنے سے روکتا ہے؟ پاکستان آپ نے اسلامی حکومت بنانے کے لئے مانگا تھا اور پاکستان آپ کو مل گیا مگر جو چیز آپ کے اختیار میں ہے وہ آپ نہیں کر رہے اور الزام حکومت کو دے رہے ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ شور محض اِس لئے ہے کہ اب کے یہ لوگ شرمندہ ہو رہے ہیں کہ ہم نے پاکستان مانگا تھا اسلام کے لئے مگر ہم اسلام پر عمل نہیں کر رہے۔ ہمارا نفس ٹیڑھا ہے، ہمارا نفس غافل اور سست ہے لیکن ہم لوگوں کو شرمندہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ہندو اور سکھ ہم سے ملیں گے اور وہ پوچھیں گے کہ کیا پاکستان لے کر تم نے اسلامی حکومت قائم کر لی تو ہم اُنہیں کہیں گے کہ ہم تو حکومت کو گالیاں دیتے رہتے ہیں حکومت ہی کچھ ایسی نالائق ہے کہ وہ اسلامی قانون نافذ نہیں کرتی مگر کیا کوئی عقلمند تمہاری اس بات کو مان لے گا؟ وہ کہے گا تمہیں کونسا قانون مجبور کرتا ہے کہ تم نماز نہ پڑھو، کونسا قانون مجبور کرتا ہے کہ تم روزے نہ رکھو، کونسا قانون تمہیں کہتا ہے کہ تم

گالیاں دو اور گند بکتے رہو، کونسا قانون تمہیں کہتا ہے کہ تم سینما کے گندے گیت بازاروں میں گاتے پھرو، کونسا قانون تمہیں کہتا ہے کہ عورتوں اور مردوں کی بوسہ بازی تم سینما میں جا کر دیکھو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں تم ایسا مت کرو، اسلام کہتا ہے تم ایسا مت کرو پھر کونسی چیز ہے جو تمہیں مجبور کرتی ہے کہ تم ایسا کرو۔ یقیناً یہ آپ کے نفس کا بہانہ ہے کہ حکومت اس کے متعلق کوئی قانون نافذ نہیں کرتی۔ میں کہتا ہوں اگر آپ نے یہی کچھ کرنا تھا تو پھر آپ نے پاکستان کیوں مانگا تھا؟ آپ کہتے ہیں ہم نے پاکستان اسلام کے لئے مانگا تھا اور اسلام کے لئے پاکستان آپ کو مل گیا اب کونسی چیز ہے جو اسلامی احکام پر عمل کرنے میں مانع ہے۔ اگر یہ کہو کہ حکومت نماز کے لئے چھٹی نہیں دیتی تو یہ بھی غلطی ہے حکومت نے نماز کے لئے چھٹیاں دینی بھی شروع کر دی ہیں۔ چنانچہ لاہور کے متعلق میرا تجربہ ہے کہ وہاں ہماری جماعت کے آدمی جو سرکاری دفاتر میں کام کرتے ہیں باقاعدہ نماز جمعہ کے لئے آتے ہیں اور اس طرح یہ چھوٹی سی روک بھی گورنمنٹ نے دُور کر دی ہے۔ پھر کیا تمام مسلمان باقاعدگی کے ساتھ نماز جمعہ میں شامل ہوتے ہیں؟ میں نہیں جانتا کیوں؟ مگر بہرحال ہماری لاہور کی جماعت نے آجکل جمعہ کا وقت دو سے ساڑھے تین بجے تک مقرر کیا ہوا ہے۔ جمعہ کے متعلق اکثر علماء کا یہ خیال ہے کہ باقی نمازیں تو زوال کے بعد ہوتی ہیں لیکن جمعہ کے متعلق یہ استثنٰی ہے کہ جب اشراق کا وقت آ جائے یعنی نو دس بج جائیں تو اُس وقت جمعہ پڑھ لینا جائز ہوتا ہے مگر شاید دفتروں کی وجہ سے یا کسی اَور وجہ سے لاہور میں دو بجے جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ میں بعض دفعہ جمعہ کی نماز کے لئے ڈیڑھ بجے بھی آیا ہوں، بعض دفعہ پونے دو بجے بھی آیا ہوں، بعض دفعہ دو بجے بھی آیا ہوں مگر میں نے ہمیشہ دیکھا کہ اُس وقت بھی سارے مسلمان دکاندار سَودا فروخت کر رہے ہوتے ہیں اور گاہک سَودا خرید رہے ہوتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ گورنمنٹ سے تو یہ کہا جاتا ہے کہ تم اسلامی قانون جاری نہیں کرتے مگر جو قانون جاری کرنا مسلمانوں کے اپنے اختیار میں ہے اس کو جاری کرنے کیلئے وہ تیار نہیں ہوتے۔ اسلام کہتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ[2] اے مسلمانو! جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے تو اپنے سارے کام کاج چھوڑ دو اور جمعہ کی نماز کے لئے مساجد

کی طرف چل پڑو۔ مسلمان کا شہر جمعہ کے وقت ایسا معلوم ہونا چاہیے جیسے قبرستان، سوائے گھر کی عورتوں اور بچوں اور بیماروں کے اور سوائے پولیس کے جس کا کام شہر کی نگرانی کرنا ہو اور کوئی شخص شہر میں چلتا پھرتا نظر نہیں آنا چاہیے۔ مگر یہ پولیس بھی محدود ہونی چاہیے زیادہ سے زیادہ پولیس کے دسویں حصہ کو پہرہ دینا چاہیے باقی ہر ایک شخص کو خواہ وہ ڈی سی ہو، سپرنٹنڈنٹ پولیس ہو، انسپکٹر پولیس ہو، سب انسپکٹر پولیس ہو مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہونا چاہیے لیکن ہمارے مُلک میں اس رنگ میں کہاں نماز پڑھی جاتی ہے۔

پس سوچو اور غور کرو کہ آخر دنیا کیا کہے گی دنیا یہی کہے گی کہ تم نے اسلام کے نام پر صرف اپنے عہدوں کے لئے پاکستان مانگا تھا ورنہ اگر تم نے پاکستان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مانگا ہوتا، اگر تم نے پاکستان خدا تعالیٰ کے لئے مانگا ہوتا تو خدا تعالیٰ کے گھر آج آباد کیوں نہ ہوتے۔ خدا تعالیٰ کے رسول کے نام کے لئے تم اپنے وقت کیوں نہ صرف کرتے۔ میں کہتا ہوں سوچیئے اور غور کیجئے اگر میں نے جو کچھ کہا ہے کہ آپ لوگوں نے اسلام کے لئے پاکستان مانگا تھا یہ غلط ہے تو مجھے اِس سے آگاہ کیجئے، اگر میں نے جو کچھ کہا ہے مسلمان اب بھی نمازیں نہیں پڑھتے یہ غلط ہے تو مجھے اس سے آگاہ کیجئے، میں اپنی غلطی کا اعتراف کروں گا اور مجھے خوشی ہوگی اگر حقیقت برعکس ہو۔ بھلا میرے لئے اِس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ مسلمان واقعہ میں مسلمان بن گیا ہے، وہ نماز پڑھنے لگ گیا ہے، وہ روزہ رکھنے لگ گیا ہے، وہ حج کرنے لگ گیا ہے، وہ زکوٰۃ دینے لگ گیا ہے مگر یہ ساری چیزیں ایسی چیزیں ہیں جو مجھے نظر نہیں آتیں۔ ممکن ہے کچھ لوگ کہیں کہ چونکہ تم ایک اقلیت سے تعلق رکھتے ہو اِس لئے تمہیں ہم سے بُغض ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ میرے دل میں آپ لوگوں کی بہت زیادہ محبت ہے، میرے دل میں آپ لوگوں کی بہت بڑی ہمدردی ہے، میرے دل میں آپ لوگوں کی بہت بڑی خیر خواہی ہے آپ نہیں مانیں گے مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ کے ماں باپ کو بھی آپ سے وہ محبت نہیں جو مجھے آپ سے ہے اور یہ میرا دعویٰ ہے لیکن میں مان لیتا ہوں کہ ممکن ہے اِس بات میں مجھے کوئی غلط فہمی ہوتی ہو اِس لئے میں کہتا ہوں کہ اِس وقت تو نہیں بعد میں آپ مجھے لکھ دیجئے کہ آپ نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کے متعلق جو کچھ کہا تھا وہ غلط تھا اب سارے

مسلمان نمازیں پڑھنے لگ گئے ہیں یا سارے نہیں تو ان کا اکثر حصہ نمازیں پڑھنے لگ گیا ہے۔ یوں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی منافق تھے اور اب بھی ہو سکتے ہیں اس لئے ایسے لوگوں کو مدنظر رکھتے ہوئے پانچ فیصدی لوگوں کو نکال دو، دس فیصدی لوگوں کو نکال دو، پندرہ فیصدی لوگوں کو نکال دو اور پھر دیکھو کہ آیا باقی مسلمان باقاعدگی کے ساتھ نمازیں ادا کرتے ہیں؟ لیکن اگر مسلمانوں کا جائزہ لیتے وقت وہی بات ہو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیش آئی تھی تو پھر میں کیا کروں۔

جب لوطؑ کی بستی پر عذاب نازل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا تو اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں یا بعض لوگوں کے عقیدہ اور تحقیقات کے مطابق اپنے بعض صالح اور برگزیدہ بندوں کو حکم دیا کہ جاؤ اور لوطؑ کو اس کی خبر دے آؤ۔ راستہ میں اُنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی خبر دی کہ لوطؑ کی بستی پر ایسا عذاب نازل ہونے والا ہے۔ جب حضرت ابرہیم علیہ السلام کو یہ خبر ملی تو بائبل میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سجدہ میں گر گئے اور اُنہوں نے کہا اے خدا! کیا تو لوطؑ کی بستی کو اِس لئے تباہ کر دے گا کہ اس میں کچھ بدمعاش لوگ پائے جاتے ہیں؟ اے خدا! کیا نیکوکار لوگوں کا تو خیال نہیں کرے گا اور ان کی خاطر اس عذاب کو ٹال نہیں دے گا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر الہام نازل کیا کہ اے ابراہیم! یقیناً اگر لوطؑ کی بستی میں نیکوکار لوگوں کی کثرت ہو تو میں اس بستی کو کبھی تباہ نہیں کروں گا۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا خدایا! اگر اس میں نوے فیصدی نیک لوگ ہوں اور صرف دس فیصدی بدعمل ہوں تو کیا دس فیصدی کی وجہ سے تو نوے فیصدی لوگوں کو تباہ کر دے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہرگز نہیں اگر نوے فیصدی نیک ہوں تب بھی میں اس بستی کو تباہ نہیں کروں گا۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھا کہ معلوم ہوتا ہے اِس قدر نیک لوگ اس بستی میں موجود نہیں اور اُنہوں نے کہا خدایا! اگر اس میں اسّی فیصدی نیک ہوں اور بیس فیصدی بُرے لوگ ہوں تو کیا بیس فیصدی کی خاطر تو اسّی فیصدی کو تباہ کر دے گا؟ اللہ تعالیٰ نے پھر الہام نازل فرمایا کہ ہرگز نہیں اسّی فیصدی نیک لوگ بھی اس میں موجود ہوں تو میں اس بستی کو کبھی تباہ نہیں کروں گا۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس میں اسّی فیصدی بھی نیک لوگ نہیں اور اُنہوں نے کہا

خدایا! اگر اس میں ستر فیصدی نیک لوگ ہوں تو کیا صرف تیس فیصدی کی خاطر تو ستر فیصدی لوگوں کو تباہ کر دے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بالکل نہیں اگر ستر فیصدی نیک لوگ موجود ہوں تب بھی میں اس بستی کو ہلاک نہیں کروں گا۔ غرض اِسی طرح کرتے کرتے بائبل میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا خدایا! اگر اس میں صرف دس فیصدی نیک لوگ موجود ہوں تو کیا ان کی خاطر تو اس بستی کو نہیں بچائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! اگر اس میں دس فیصدی نیک لوگ ہوں تب بھی میں اس بستی کو ہلاک نہیں کروں گا۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا خدایا! دس فیصدی کیا اگر صرف دس نیک آدمی بھی اس بستی میں موجود ہوں تو کیا تو اس بستی پر رحم نہیں فرمائے گا اور اپنا عذاب اس سے نہیں ٹالے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! اگر صرف دس آدمی بھی اس بستی میں سے نیک نکل آئیں تو میں اس بستی کو کبھی تباہ نہیں کروں گا۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سجدہ میں سے سر اُٹھالیا اور سمجھ لیا کہ اب یہ شہر ضرور تباہ ہوگا[۳] کیونکہ اس میں دس بھی نیک نہیں۔ اس طرح اگر ایک مسلمان کہلاتا ہوا اس بات کیلئے کوشش نہیں کرتا، اس بات کیلئے جدوجہد نہیں کرتا کہ وہ اسلام پر عمل کرے۔ اسلامی احکام اپنے اوپر وارد کرے اور اسلام کے غلبہ کیلئے ہر قسم کی کوشش کرے تو کوئی بتائے ہم ایک سکھ، ایک ہندو اور ایک عیسائی کو کیا منہ دکھا سکتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے سامنے ہم کونسا منہ لے کر جائیں گے۔

باتیں تو میں نے اَور بھی نوٹ کی ہوئی تھیں مگر وقت ختم ہو گیا ہے اس لئے میں اسی پر اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں کہ جب بھی کوئی کام کیجئے سوچئے اور سوچ کر دیکھئے کہ آپ نے جو کام کیا ہے اس کا مطلب کیا ہے محض نعرے لگا لینا کسی قوم کی کامیابی کی علامت نہیں ہوتی۔ اگر اِس وقت سارے لوگ نعرۂ تکبیر بلند کرنے لگ جائیں، اگر اِس وقت سارے لوگ یہ کہنے لگ جائیں کہ ''پاکستان زندہ باد ہندوستان مردہ باد'' تو اس سے ہندوستان کی ایک چوہیا بھی نہیں مرے گی لیکن اگر سب لوگ ان باتوں پر عمل کرنے لگ جائیں جن کا ابھی میں نے ذکر کیا ہے، تاجر ٹیکس دینے لگ جائیں، عوام الناس بغیر ٹکٹ کے ریل کا سفر نہ کریں، نوجوان بیہودہ باتوں میں اپنا وقت ضائع کرنے کی بجائے تعلیم میں ترقی کریں اور جو مضبوط نوجوان ہیں وہ فوجوں میں بھرتی ہوں، افسر رشوت خوری کی عادت کو ترک کر دیں اور تمام کام دیانتداری اور محنت کے

ساتھ کریں تو پاکستان عملی رنگ میں مضبوط ہوتا چلا جائے گا پھر آپ لوگ خواہ ایک دفعہ بھی ''پاکستان زندہ باد'' نہ کہیں نتیجہ یہی نکلے گا کہ ''پاکستان زندہ باد۔''

(الفضل ربوہ ۲۸ رنومبر ۵ر دسمبر ۱۹۶۲ء)

---

۱ کنز العمال جلد۷ صفحہ ۲۸۰ مطبوعہ حلب ۱۹۷۱ء

۲ الجمعة: ۱۰

۳ پیدائش باب ۱۸ آیت ۲۳ تا ۳۲۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء (مفہوماً)

الرحمت

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ۔ھُوَ النَّاصِرُ

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَ مُرْسٰهَا [1]

الرحمت

(مضمون برائے اوّل شمارہ اخبار الرحمت ۲۱ رنومبر ۱۹۴۹ء)

''آج سے چھتیس سال پہلے نہایت خطرناک حالات اور بالکل بے بسی اور بیکسی کی صورت میں میں نے الفضل اخبار جاری کیا تھا جو پہلے ہفتہ وار شروع ہوا اور اب روزانہ اخبار کی صورت میں شائع ہو رہا ہے اور اِس وقت مُلک کے مقتدر پرچوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ تقسیم ہند کے بعد یہ پرچہ ہندوستان سے پاکستان میں آ گیا۔ اپنی مرضی سے نہیں مجبوری سے۔ مُلک کے حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے کہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا رہنا اور مغربی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں کا رہنا قریباً ناممکن ہو گیا۔ یہ حالات یقیناً تکلیف دِہ تھے، تکلیف دِہ ہیں اور تکلیف دِہ رہیں گے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِن حالات کے پیدا کرنے میں قدرت کی کوئی مصلحت بھی تھی۔ وہ کیا تھی؟ شاید اِس کا بیان ابھی مناسب نہ ہو۔ بہرحال اِن حالات کی وجہ سے علاوہ افراد کے بہت سے ہندو اور سکھ اخبار بھی مغربی پنجاب سے نکل کر مشرقی پنجاب کی طرف منتقل ہو گئے اور بہت سے مسلمانوں کے اخبار مشرقی پنجاب سے نکل کر مغربی پنجاب میں آ گئے۔ جہاں تک اخباروں کا تعلق ہے شاید نقصان ہندوؤں اور سکھوں کا زیادہ ہوا اور مسلمانوں کا کم۔ کیونکہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا ایک ہی مقتدر اخبار الفضل تھا لیکن مغربی پنجاب میں ہندوؤں کے کئی بڑے بڑے پرچے تھے مثلاً ''ٹریبون''، ''پرتاب''، ''ملاپ''، ''اجیت''، ''ویر بھارت''۔

جو پرچے جس مُلک میں گئے لازماً اُن کی ہمدردیاں اُن ممالک سے وابستہ ہوگئیں۔ الفضل گو ایک مذہبی پرچہ تھا لیکن کبھی کبھار اِس میں نیم سیاسی مضامین بھی شائع ہوتے تھے جن میں اپنی دیرینہ پالیسی کے مطابق پوری احتیاط سے کام لیا جاتا تھا اور خیال رکھا جاتا تھا کہ بین الاقوامی منافرت کی کوئی صورت پیدا نہ ہو لیکن ایک پاکستانی اخبار کے جذبات بہرحال پاکستانی ہی ہو سکتے تھے۔ میرے علم میں تو ایسی کوئی بات نہیں مگر ہندوستان کے بعض صوبوں کی حکومتوں نے الفضل کے بعض مضامین کو قابل اعتراض سمجھ کر اس کا داخلہ بند کر دیا اور اب تو قریباً سارے ہندوستان میں ہی سوائے دہلی کے اِس کا داخلہ بند ہے۔ ہندوستانی حکومت کے پاس جب اِس کے متعلق احتجاج کیا گیا تو اُنہوں نے جواب میں لکھا کہ مرکزی حکومت نے الفضل کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھایا اور براہِ راست اِس کے ماتحت علاقوں میں اس کا داخلہ ممنوع قرار نہیں دیا گیا۔ باقی رہیں صوبہ جاتی حکومتیں سو وہ اِس معاملہ میں آزاد ہیں۔ اگر کسی صوبہ جاتی حکومت نے ایسا کیا ہو تو آپ اُس سے براہِ راست احتجاج کریں۔ الفضل چونکہ ایک مذہبی پرچہ تھا اِس لئے ہندوستان کی جماعتوں کے جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ اِس پرچہ میں سیاسی مضامین کلیتہً ممنوع قرار دیئے جائیں تاکہ کسی غیر گورنمنٹ کو اس پر اعتراض کا موقع نہ ملے لیکن یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی اور باوجود اِس کے کہ الفضل میں سیاسی مضمون چھپنے بند ہوگئے ہندوستان کے مزید صوبوں میں اِس کا داخلہ بند کیا جاتا رہا اور جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اب قریباً سارے ہندوستان میں اِس کا داخلہ بند ہے۔ جس طرح ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ الفضل کے کونسے مضامین کی وجہ سے اس کا داخلہ ممنوع قرار دیا جانے لگا ہے اِسی طرح ہماری سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آئی کہ الفضل میں سیاسی مضامین کے ممنوع ہو جانے کے باوجود اِس کا داخلہ مزید صوبوں میں کیوں بند کیا جاتا رہا۔ مگر بہرحال یہ حکومت اپنے مصالح کو خود سمجھتی ہے اور دوسرے لوگوں کی سمجھ میں خواہ وہ مصالح آئیں یا نہ آئیں ان کے لئے احکامِ حکومت کی پابندی لازمی اور ضروری ہوتی ہے۔ خصوصاً جماعت احمدیہ کے لئے جس کے اصول میں یہ بات داخل ہے کہ جس حکومت کے ماتحت رہو اُس کے احکام کی فرمانبرداری کرو اِس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ بجائے اس کے کہ الفضل کے خلاف جو قدم اُٹھایا گیا ہے

اُس پر پروٹیسٹ کریں اور اُس کے ازالہ کے لئے کوئی جدوجہد کریں ایک نیا اخبار جاری کر دیا جائے جو کلیتہً سیاسیات سے الگ ہوتا کہ ان جماعت ہائے احمدیہ کی تنظیم اور تبلیغ میں کوئی روک پیدا نہ ہو جو ہندوستان میں رہتی ہیں۔ اِس ارادہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہوئے کہ وہ اِس پرچہ کو بابرکت بنائے اور اُن مقاصد کی اشاعت میں کامیاب کرے جن کا ذکر ذیل میں کیا جائے گا۔

میں ''الرحمت'' کو جاری کرتا ہوں۔ یہ پرچہ خالص مذہبی پرچہ ہوگا اور جہاں اس کی پالیسی یہ ہوگی کہ یہ انصاف اور عدل کے قوانین کے مطابق مختلف مذاہب کے لوگوں میں عقل اور اخلاق کی پیروی کی روح پیدا کرے وہاں اِس کی یہ بھی پالیسی ہوگی کہ وہ سیاسیات سے الگ رہتے ہوئے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان ایک بہتر فضا پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

ہمیں نہایت ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کئی ہندوستانیوں نے مسٹر گاندھی کے ان اعلانات کو بھلا دیا ہے کہ ہر ہندو اور سکھ اور غیر مسلم کو جو پاکستان میں رہتا ہے پاکستان کا مخلص اور وفادار شہری ہو کر رہنا چاہیے اور کئی مسلمانوں نے قائداعظم کے اُن اعلانات کو بھلا دیا ہے کہ ہر مسلمان کو جو ہندوستان میں رہتا ہے ہندوستانی حکومت کا مخلص اور وفادار شہری ہو کر رہنا چاہیے۔ ان لیڈروں کے منشاء کے خلاف کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ کسی غیر مسلم کو پاکستان میں رہنا ہی نہیں چاہیے۔ اور اگر ایسا ہو تو پھر پاکستان میں رہنے والے غیر مسلم کو دل میں پاکستان سے دشمنی رکھنی چاہیے اور ہندوستان میں رہنے والے مسلمان کو دل میں ہندوستان سے دشمنی رکھنی چاہیے۔ اگر گاندھی جی اور قائداعظم کے بیانات نہ بھی ہوتے تب بھی یہ جذبہ اور رُوح نہایت افسوسناک اور مذہب اور اخلاق کے خلاف تھی مگر اِن دو زبردست ہستیوں کے اعلانات کے خلاف اِس قسم کے جذبے کا پیدا ہونا نہایت ہی تعجب انگیز اور افسوسناک ہے۔ ہندوستان کی موجودہ دو علاقوں میں تقسیم بعض مصلحتوں کے ماتحت ہوئی تھی۔ ان مصلحتوں سے زیادہ کھینچ تان کر اِس مسئلہ کو کوئی اور شکل دینا کسی صورت میں جائز نہیں ہوسکتا۔ جب تقسیم اٹل ہوگئی تھی تو میں نے اُسی وقت یہ اعلان کیا تھا کہ اگر یہ تقسیم ہونی ہی ہے تو پھر کوشش کرنی چاہیے کہ دونوں مُلکوں کے باشندوں کو ایک دوسرے مُلک میں بغیر پاسپورٹ

کے آنے جانے کی اجازت ہو، تجارت پر کسی قسم کی کوئی پابندیاں نہ ہوں لیکن افسوس کہ اُس وقت میری آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی اور شاید آج بھی یہ آواز صدا بصحرا ثابت ہوگی۔ اگر میری بات کو مان لیا جاتا تو وہ خون ریزی جو مشرقی پنجاب اور کشمیر میں ہوئی ہے ہرگز نہ ہوتی۔ ہم کُلّی طور پر آزاد بھی ہوتے مگر ہماری حیثیت اُن دو بھائیوں سے مختلف نہ ہوتی جو اپنے والدین کی جائداد تقسیم کر کے اپنے چولہے الگ کر لیتے ہیں۔ وہ یقیناً اپنی اپنی جائداد کے کُلّی طور پر مالک ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے ماتحت نہیں ہوتے، ان کا کھانا پینا بھی الگ الگ ہوتا ہے، ان کی آمدنیں بھی الگ ہوتی ہیں اور ان کے خرچ بھی الگ ہوتے ہیں مگر باوجود اِس کے وہ بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ اگر ماں باپ کی جائداد کے تقسیم کرنے سے دو بھائی دشمن نہیں بن جاتے تو ہندوستان کے تقسیم کرنے سے مسلمان اور ہندو کیوں دشمن بن جائیں۔ تقسیم دشمنی نہیں پیدا کرتی تقسیم کے پیچھے کسی غلط روح کا ہونا دشمنی پیدا کرتا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اِس غلط روح کو کچل دیا جائے اور بھائیوں بھائیوں کی طرح مسلمان اور ہندو اپنی آبائی جائداد کی تقسیم کا فیصلہ کریں مگر میری اِس آواز کو اُس وقت نہ سنا گیا۔ میری اِس آواز کو بعد میں بھی نہ سنا گیا۔ پاکستان کے ایک متعصب عنصر نے میرے اِن خیالات کی وجہ سے مجھے پاکستان کا ففتھ کالمسٹ قرار دیا اور اُنہوں نے یہ نہ سوچا کہ میں وہی کہہ رہا ہوں جس کا اعلان بار بار قائداعظم نے کیا تھا۔ صرف فرق یہ تھا کہ قائداعظم نے ایک مجمل اصل بیان کیا تھا اور میں شروع سے ان تفاصیل کو بیان کر رہا تھا جن تفاصیل کے ذریعہ سے ہی قائداعظم کا بیان کردہ اصل عملی صورت اختیار کر سکتا تھا۔ میرے اِن خیالات کی وجہ سے ہندوستان کے احمدیوں کو بھی ہندوستان میں کشتنی اور گردن زدنی سمجھا گیا۔ شاید کسی اور مسلمان فرقہ کو اِس قدر نقصان ہندوستان میں نہیں پہنچا جس قدر کہ احمدی جماعت کو پہنچا ہے اور اِس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کا امام گاندھی جی کے بیان کردہ اصل کی ترجمانی کے صحیح طریق ان کے سامنے پیش کر رہا تھا۔ ہم نے ایک سچائی کے لئے دونوں مُلکوں میں تکلیف اُٹھائی اور شاید دونوں مُلکوں کے متعصب لوگوں کے ہاتھوں سے آئندہ بھی ہم دونوں مُلکوں میں تکلیف اُٹھائیں گے لیکن ہم اس دائمی سچائی کو جو قرآن کریم میں بار بار بیان کی گئی ہے کبھی نہیں چھوڑ سکتے کہ جو شخص جس حکومت میں رہتا ہے وہ اُس کا فرمانبردار رہے

اور اُس کے ساتھ پوری طرح تعاون کرے۔ اور اگر کسی وقت وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے مذہب اور اخلاق کو قائم رکھتے ہوئے اُس مُلک میں رہ نہیں سکتا تو اُس مُلک سے ہجرت کر جائے۔ اگر اُس مُلک کی حکومت اُس کو ہجرت بھی نہ کرنے دے تو پھر وہ آزاد ہے کہ خدا تعالیٰ نے اُسے جو بھی ذریعہ بخشا ہوا اُسے کام میں لاتے ہوئے اپنی آزادی کی جدوجہد کرے۔ جب کانگرس گورنمنٹ کے خلاف کھڑی ہوئی تھی تو انہی اصول کی وجہ سے میں نے کانگرس کی مخالفت کی تھی ورنہ میں کانگرس کا دشمن نہیں تھا نہ مُلک کی آزادی کا دشمن تھا۔ کانگرس کے کئی لیڈر میرے واقف تھے اور بعض دوست بھی اور وہ مختلف اوقات میں مجھ سے تبادلۂ خیالات کرتے رہتے تھے وہ جانتے تھے اور جانتے ہیں کہ میں مُلک کی آزادی کا اُن سے کم حامی نہیں تھا۔ مجھے ان سے اختلاف صرف اُس طریقۂ کار کے متعلق تھا جو میرے نزدیک مُلکی حکومت کے بن جانے پر بھی تفرقہ کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ جو کچھ میں نے اُس وقت کہا تھا آج پاکستان اور ہندوستان میں لفظاً لفظاً صحیح ثابت ہو رہا ہے۔ حکومت کے بائیکاٹ کے اعلانات کئے جارہے ہیں، سٹرائیکیں کی جارہی ہیں اور مُلک میں رہتے ہوئے انتشار اور اختلاف کے سامان پیدا کئے جارہے ہیں۔ میں جو انگریز کے زمانہ میں انگریز کے خلاف ایسی باتوں کی اجازت نہیں دیتا تھا یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ خود مُلکی حکومتوں کے قائم ہو جانے کے بعد پاکستان یا ہندوستان میں میں ایسی باتوں کی اجازت دے دیتا۔ چنانچہ ہر ایسے موقع پر جو پاکستان یا ہندوستان میں پیدا ہوا میں نے اپنی جماعت کو یہی حکم دیا کہ وہ حکومت وقت کی پورے طور پر وفاداری کریں اور جو ذمہ داریاں حکومت کی طرف سے شہریوں پر عائد کی جائیں ان ذمہ داریوں کو دیانتداری سے ادا کریں۔ یقیناً یہ تعلیم پاکستانی اور ہندوستانی حکومتوں کی نظر میں ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھی جانی چاہیے تھی مگر افسوس کہ ہندوستان میں ایسا نہیں کیا گیا اور بعض صوبہ جاتی حکومتوں نے اِس قیمتی خزانے کی قدر نہیں کی جو احمدیہ جماعت کی صورت میں اُن کے مُلک کو حاصل ہوا تھا۔

احمدی جماعت ہر مُلک کے لئے ایک قیمتی جوہر ہے۔ وہ وفاداری اور اخلاص کے ساتھ اپنے مُلک کی حکومت کے ساتھ تعاون کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔ وہ انصاف اور عدل کے لئے قربانی کرنے والی جماعت ہے مگر حکومت کے ساتھ عدمِ تعاون اِس کے اصولوں کے خلاف

ہے۔ وہ عدل اور انصاف کو عدل اور انصاف کے ذریعوں سے ہی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ وہ عدل اور انصاف کے حاصل کرنے کے لئے غیر منصفانہ اور غیر عادلانہ ذرائع کے اختیار کرنے کو جائز قرار نہیں دیتی۔ ہر سمجھدار انسان اِس جماعت کو سر اور آنکھوں پر بٹھائے گا۔ ہر سمجھدار حکومت ایسی جماعت کو قدر اور عزت کی نگاہوں سے دیکھے گی۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ اگر اِس سے پہلے نہیں تو آئندہ ہندوستان کی مختلف صوبائی حکومتیں اور مرکزی حکومت ان احمدی تعلیمات کو مدنظر رکھ کو جو میں نے اوپر بیان کی ہیں احمدیوں کے متعلق اپنے رویہ کو تبدیل کرے گی۔

مجھ سے بعض ہندوستانی جو اِدھر آتے رہتے ہیں اُنہوں نے بعض دفعہ ان امور پر تبادلۂ خیالات کیا ہے اور بعض سے سوالات کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ہمارے نقطۂ نگاہ کو پورے طور پر نہیں سمجھا۔ مثلاً یہ کہ اگر آپ ہندوستان کے احمدیوں کو ہندوستان کی وفاداری کی تعلیم دیتے ہیں تو کیا پاکستان کے احمدی کشمیر کے معاملہ میں پاکستان حکومت کا ساتھ نہیں دیں گے؟ میری اوپر کی تشریح کے بعد یہ سوال کیسا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ جو کچھ میں نے اوپر بیان کیا ہے اُس کا تو یہ مطلب ہے کہ ہمارے نزدیک قرآن کریم کی یہ تعلیم ہے کہ جو شخص جس حکومت میں رہے وہ اُس کا فرمانبردار رہے اور اُس کے ساتھ تعاون کرے۔ اِس تعلیم کا یہ مطلب ہے کہ ہر پاکستان میں رہنے والا احمدی اپنی حکومت کا پوری طرح فرمانبردار ہوگا اور اُس کے مقاصد اور مفاد میں پوری طرح تعاون کرے گا۔ اور ہندوستان میں رہنے والا ہر احمدی حکومت ہندوستان کا پوری طرح فرمانبردار ہوگا اور اُس کے مقاصد اور مفاد میں اُس سے پوری طرح تعاون کرے گا۔ اتنی واضح تعلیم کے بعد اِس قسم کا شُبہ پیدا ہی کس طرح ہوسکتا ہے۔ یہ سوال تو بے شک کیا جا سکتا تھا کہ کیا ہندوستان میں رہنے والا احمدی اپنی حکومت کے ساتھ پوری طرح تعاون کرے گا؟ اِس کا جواب یقیناً میں یہ دیتا کہ ہاں کرے گا لیکن ہر حکومت کی وفاداری کی تعلیم سن کر یہ کہنا کہ کیا پاکستان میں رہنے والا احمدی پاکستان کی حکومت سے بغاوت کرے گا؟ بالکل احمقانہ اور جاہلانہ سوال ہے۔ اوپر کی بیان کردہ تعلیم کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ پاکستان میں رہنے والا ہر احمدی حکومت پاکستان کی پوری فرمانبرداری کرے گا اور اُس کے تمام مقاصد اور مفاد میں اُس کے ساتھ تعاون کرے گا۔ اگر پاکستان ہم سے یہ مطالبہ کرے

کہ ہم ہندوستان کے احمدیوں کو ہندوستان سے بغاوت کی تعلیم دیں تو ہم ایسا کبھی نہیں کریں گے اور اگر ہندوستان کی حکومت ہم سے یہ مطالبہ کرے کہ ہندوستان میں رہنے والے احمدیوں کو امن سے رہنے دینے کی قیمت ہمیں یوں ادا کرنی چاہیے کہ پاکستان کے احمدی پاکستان کی حکومت سے غداری کریں یا اس سے عدمِ تعاون کریں تو ہم ایسا کبھی نہیں کریں گے۔

ہمارا مذہب یہ کہتا ہے کہ جس حکومت میں رہو اس کے فرمانبردار رہو۔ پس جو ہندوستان میں رہتے ہیں ہم اُن کو یہی کہیں گے کہ ہندوستان کی حکومت کی فرمانبرداری کرو اور جو پاکستان میں رہتے ہیں ہم اُن کو یہی کہیں گے کہ پاکستان کی حکومت کی فرمانبرداری کرو اور یہی تعلیم ہماری انڈونیشیا، عرب، یونائیٹڈ سٹیٹس آف امریکہ، انگلستان، فرانس، جرمنی، ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ، ایبے سینیا، مصر اور دیگر حکومتوں کے ماتحت رہنے والے احمدیوں کو ہوگی۔ کسی کی سمجھ میں ہماری بات آئے یا نہ آئے ہماری سمجھ میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ ہمارے بیان کردہ اصولوں کے بغیر دنیا میں امن قائم کس طرح رہ سکتا ہے؟ اگر ہندوستانی اپنے سے ہمدردی رکھنے والے لوگوں کو یہ تعلیم دیں کہ وہ جہاں کہیں جائیں ہندوستان کے ایجنٹ بن کر رہیں تو دوسری قومیں ان کو برداشت کس طرح کریں گی؟ اور اگر پاکستانی اپنی رعایا یا اپنے سے ہمدردی رکھنے والے لوگوں کو یہ تعلیم دیں تو اِسی سلوک کی اُن کو بھی امید رکھنی چاہیے۔ ہر سیاسی حکومت کو اپنے باشندوں کو یہی حکم دینا ہوگا کہ تم اپنی حکومت کے فرمانبردار رہو اور اگر باہر جاؤ تو عارضی طور پر اُس حکومت کے قوانین کی پیروی کرو۔ اور ایک مذہبی گروپ کو اپنے افراد کو یہی تعلیم دینی ہوگی کہ تم جس مُلک کے باشندے ہو اُس مُلک کے وفادار ہو۔ پس یہ اخبار اِسی پالیسی کے ماتحت ہر مُلک کے احمدیوں کو یہ تعلیم دے گا کہ وہ اپنی اپنی حکومت کے فرمانبردار اور مطیع رہیں اور اُس کے ساتھ سچا تعاون کریں۔

(۲) اِس وقت سب سے بڑی مصیبت دنیا پر یہ آئی ہوئی ہے کہ حکومتیں اپنے آپ کو اخلاقی نظام سے باہر سمجھتی ہیں۔ اخلاقی نظام کی پابندی صرف افراد کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اِس کے نتیجہ میں بہت سے فساد اور خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ الرحمت اِس مسئلہ کو بار بار سامنے لائے گا اور اپنی اِس کمزور آواز کو بلند سے بلند کرتا چلا جائے گا کہ حکومتیں اور افراد دونوں

ہی اخلاقی ذمہ داریوں کو اپنے اوپر حاکم تصور کریں اور اپنے آپ کو اخلاقی حکومت سے بالا خیال نہ کریں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ سچائی، دیانت اور عدل کے قوانین کو اگر پوری طرح مدنظر رکھا جائے تو بہت سی مشکلات جو اِس وقت نا قابل حل معلوم ہوتی ہیں آسانی سے حل ہو سکتی ہیں۔ ہر قوم کو دوسری قوم کا حق دینا چاہیے اور ایک مُلک میں رہنے والی سب قوموں کو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہنا چاہیے۔ سیاسی اختلافات کی بنیاد مُلک کی ترقی پر رکھنی چاہیے نہ کہ قوموں کے اندر اختلاف اور انشقاق پیدا کرنے پر۔ ہماری یہ کوشش ہوگی کہ ہم سب سے پہلے جماعت احمدیہ کو اس کے اخلاقی فرائض کی طرف توجہ دلائیں جس میں اُن کے مذہبی پیشواؤں نے ہم سے اتفاق کیا ہے اور اُن کو اپنے پیشواؤں کی سچی پیروی کی ہدایت کریں۔

(۳) اِس وقت ایک عظیم الشان حادثہ کی وجہ سے مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو رہا ہے اور وہ حیران ہیں کہ اِنہیں کیا کرنا چاہیے؟ اِس اثر سے احمدی جماعت بھی آزاد نہیں۔ ہمارے نزدیک اِس انتشار کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ مُلک کی تقسیم کے بعد بھی مسلمان ہندوستان میں آزادی سے رہ سکتا ہے اگر وہ عقل سے کام لے۔ سیاسی پہلوؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم مذہبی اور اخلاقی پہلو جماعت اور دوسرے مسلمانوں کے سامنے رکھتے رہیں گے جن کی روشنی میں وہ ہندوستان کی حکومت کا ایک مفید جزو بن سکیں اور ہندوستان میں امن اور عزت کی زندگی بسر کر سکیں۔ ہم ایسی ہی خدمت اُن ہندوؤں اور سکھوں کی بھی کرنے کے لئے تیار رہیں گے جنہوں نے پاکستان میں رہنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے یا جو آئندہ ایسا فیصلہ کریں۔

غرض اِس پرچہ کی بنیاد مذہب اور اخلاق پر ہوگی اور صلح اور آشتی پر ہوگی۔ یہ پرچہ سیاسیات سے الگ رہے گا۔ اختلافات کو بڑھائے گا نہیں کم کرنے کی کوشش کرے گا۔ جہاں تک عوامی تعلقات کا سوال ہے یہ پاکستان اور ہندوستان کے عوام کے جوش میں آئے ہوئے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرے گا اور ہر غداری کی روح کو خواہ وہ پاکستان میں سر اُٹھائے یا ہندوستان میں سر اُٹھائے دبانے کی کوشش کرے گا بلکہ صرف ہندوستان اور پاکستان میں ہی نہیں دنیا کے ہر گوشہ کے لوگوں کیلئے ''الرحمت'' رحمت کا نشان بننے کی سعی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس ارادہ میں پورا اُترنے کی توفیق دے اور اِس رستہ کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کی ہمت

بخشے اور اپنی مدد اور نصرت سے سچائی، عدل اور انصاف کے غلبہ کے سامان مہیا کرے۔

میں پھر اُسی آیت کو دُہراتے ہوئے جس کو میں اوپر لکھ چکا ہوں اِس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا [1] یعنی اے خدا! میں اِس کمزور کشتی کو ایک متلاطم سمندر میں پھینکتا ہوں تیرا ہی نام لیتے ہوئے اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہوئے۔ تو اپنے فضل سے اِس متلاطم سمندر میں اِس کشتی کو آرام سے چلنے میں مدد دے اور اپنی حفاظت میں اِس کے منزلِ مقصود پر پہنچنے کے سامان پیدا فرما۔ آمین

(اخبار الرحمت ۲۱ رنومبر ۱۹۴۹ء)

---

[1] هود: ۴۲

دنیا کے معزز ترین انسان
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

دنیا کے معزز ترین انسان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

(افتتاحی خطاب جلسہ سالانہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۴۹ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد فرمایا:-

''ہماری موجودہ مثال اُن کمزور پرندوں کی سی ہے جو دریا کے کسی خشک حصہ میں ستانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں اور شکاری جو اُن کی تاک میں لگا ہوا ہوتا ہے اُن پر فائر کر دیتا ہے اور وہ پرندے وہاں سے اُڑ کر ایک دوسری جگہ پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ہم بھی آرام سے اور اطمینان سے دنیا کی چالاکیوں اور ہوشیاریوں اور فریبوں سے بالکل غافل ہو کر (کیونکہ مومن چونکہ خود چالاک اور فریبی نہیں ہوتا وہ دوسروں کی چالاکیوں اور فریبوں کا بھی اندازہ نہیں لگا سکتا) اپنے آرام گاہ میں اطمینان اور آرام سے بیٹھے تھے اور ارادہ کر رہے تھے کہ ہم میں سے کوئی اُڑ کر امریکہ جائے گا، کوئی انگلستان جائے گا، کوئی جاپان جائے گا اور دین اسلام کی اشاعت ان جگہوں میں کرے گا لیکن چالاک شکاری اِس تاک میں تھا کہ وہ ان غافل اور سادہ لوح پرندوں پر فائر کرے چنانچہ اُس نے فائر کیا اور چاہا کہ وہ ہمیں منتشر کر دے مگر ہماری جماعت جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں پرندہ ہی قرار دیا گیا ہے اپنے اندر ایک اجتماعی روح رکھتی تھی۔

پرندے دو قسم کے ہوا کرتے ہیں ایک پرندے وہ ہوتے ہیں جو اجتماعی روح اپنے اندر نہیں رکھتے اور ایک پرندے وہ ہوتے ہیں جو اجتماعی روح اپنے اندر رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی تمہیں چند فاختائیں بھی اکٹھی بیٹھی ہوئی نظر آ جائیں گی، کبھی کبھی تمہیں چند چڑیاں بھی اکٹھی بیٹھی ہوئی نظر آ جائیں گی مگر جب تم اُن پر فائر کرو گے تو ان میں سے کوئی مشرق کی طرف بھاگ جائے

گی ، کوئی مغرب کی طرف بھاگ جائے گی ، کوئی شمال کی طرف بھاگ جائے گی ، کوئی جنوب کی طرف بھاگ جائے گی اور کوئی ان کے درمیانی کونوں کی طرف بھاگ جائے گی اور اس فائر کے بعد صاف پتہ لگ جائے گا کہ ان کا اتحاد عارضی تھا، اُن کا اکٹھا ہونا ایک اتفاقی امر تھا مگر جب تم مثلاً مرغابی پر فائر کرتے ہو یا مثلاً قازؔ[1] پر فائر کرتے ہو تو اس وقت ان کے اُٹھتے وقت تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ بھی پراگندہ ہونے لگے ہیں مگر تھوڑی سی پرواز کے بعد تھوڑے سے انتشار اور پراگندگی کے بعد تم دیکھو گے کہ وہ پھر دائیں اور بائیں سے اکٹھے ہو کر دوبارہ ایک جگہ پر آ کر بیٹھ جائیں گے۔

مشرقی پنجاب سے بہت سی قومیں ، بہت سے گاؤں نکلے ، بہت سے شہر نکلے ، بہت سے علاقے نکلے لیکن اُنہوں نے اپنے فعل سے ثابت کر دیا کہ وہ قومی روح اپنے اندر نہیں رکھتے تھے ، وہ پراگندہ ہو گئے ، وہ پھیل گئے ، وہ منتشر ہو گئے یہاں تک کہ بعض جگہ پر بھائی کو بھائی کا ، باپ کو بیٹے کا اور ماں کو اپنی لڑکی کا بھی حال معلوم نہیں ۔صرف وہ چھوٹی سی قوم ، وہ تھوڑے سے افراد جو دشمن کے تیروں کا ہمیشہ سے نشانہ بنتے چلے آئے ہیں اور جن کے متعلق کہنے والے کہتے تھے کہ دشمن کے حملہ کا ایک ریلا آنے دو پھر دیکھو گے کہ ان کا کیا حشر ہوتا ہے جونہی حملہ ہوا یہ لوگ متفرق ہو جائیں گے ، منتشر اور پراگندہ ہو جائیں گے وہی ہیں جو آج ایک مرکز پر جمع ہیں ۔ وہ کثیر التعداد آدمی جو وہاں سے نکلے تھے وہ پھیل گئے ، وہ بکھر گئے ، وہ پراگندہ ہو گئے مگر وہ چھوٹی سی جماعت جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ ایک معمولی سا ریلا بھی آیا تو یہ ہمیشہ کے لئے منتشر ہو جائے گی وہ مرغابیوں کی طرح اُٹھی تھوڑی دیر کے لئے اِدھر اُدھر اُڑی مگر پھر جمع ہوئی اور ربوہ میں آ کر بیٹھ گئی ۔ چنانچہ جو نظارہ آج تم دیکھ رہے ہو یہ خواہ اتنا شاندار نہیں جتنا قادیان میں ہوا کرتا تھا کیونکہ ابھی ہماری پریشانی کا زمانہ ختم نہیں ہوا لیکن اور کونسی قوم ہے جس کی حالت تمہارے جیسی ہے ۔اور کونسی جماعت ہے جو آج اس طرح پھر جمع ہو کر ایک مقام پر بیٹھ گئی ہے ۔ یقیناً اور کوئی قوم ایسی نہیں ۔ پس تمہارے اس فعل نے بتا دیا کہ تمہارے اندر ایک حد تک قومی روح ضرور سرایت کر چکی ہے ۔تم اُڑے بھی ، تم پراگندہ بھی ہوئے ، تم منتشر بھی ہوئے مگر پھر جو تمہاری جبلّت ہے ، جو تمہاری طینت ہے ، جو چیز تمہاری فطرت بن چکی ہے کہ تم ایک قوم بن کر

رہتے ہو اور ایک آواز پر اکٹھے ہو جاتے ہو یہ فطرت تمہاری ظاہر ہو گئی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کوئی طاقت تمہیں ہمیشہ کے لئے پراگندہ نہیں کر سکتی۔ بے شک ابھی یہ ایک بیج ہے جو دکھائی دے رہا ہے مگر یہ بیج بڑی برکت کی نشانی ہے، بڑی رحمت کی نشانی ہے اور آئندہ کے لئے بڑی امیدیں دلانے والی چیز ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ امر بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ یہ چیز اچھی بھی ہے، بہتر بھی ہے بلکہ ہمارے لئے فخر کا موجب بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ہماری پیدا کردہ نہیں بلکہ ہمارے خدا ہی کی پیدا کردہ ہے اور ہم اس خوبی میں جو ہمارے اندر لوگوں کو نظر آتی ہے اپنے خدا ہی کا ہاتھ دیکھتے ہیں۔

ایک خوبصورت حسینہ جس کی شادی کی جاتی ہے اُس کا خاوند اس کے نقش و نگار اور اُس کی زینت دیکھ کر اُس پر لٹو ہو جاتا ہے مگر اُسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس زینت کے پیچھے مشاطہ[۲] کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ اگر وہ نہ ہوتی تو اُس کی بیوی بھی ایسی خوبصورت معلوم نہ ہوتی۔ اور جہاں مشاطائیں نہیں ہوتیں وہاں گھر کی رشتہ دار عورتیں اُسے سجاتی ہیں۔ ہم بھی ایک دلہن کی طرح نکھر کر دنیا کے سامنے آئے ہیں مگر ہمارے چہرے کا رنگ و روغن اور ہمارا نکھار بتا رہا ہے کہ یہ حسن ہمارا نہیں بلکہ ہمارے خدا یعنی ازلی مشاطہ کا بنایا ہوا حسن ہے اس لئے ہم اُسی کے حضور میں ادب کے ساتھ اپنا سر جھکاتے اور اُس سے کہتے ہیں اے مہربان آقا! جس نے ہم کو انتشار کے بعد پھر جمع کیا، جس نے پریشانی کے بعد ہمیں پھر امن کا راستہ دکھایا اور جس نے آئندہ کے لئے ہمیں بہت سی امیدیں دلائیں اگر تیرے علم میں ہمارے لئے کوئی اَور ابتلاء بھی مقدر ہیں تو ہم تجھ سے امید رکھتے ہیں کہ تو پھر بھی ہم کو پراگندہ نہیں ہونے دے گا بلکہ اپنے خاص فضل اور مہربانی سے ہماری کمزوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اور ہماری خطاؤں کو معاف فرماتے ہوئے پھر ہم کو اکٹھا کر دے گا۔ پھر ہم کو جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائے گا اور اُس وقت تک ہمارے ارادوں کو متزلزل نہیں ہونے دے گا جب تک کہ ہم اسلام کو تمام دنیا میں قائم نہ کر دیں۔ ہمیں یہ امیدیں تیرے فضل نے دلائی ہیں اور ہماری اُمنگیں تیری رحمت کا ہی نتیجہ ہیں پس اے آقا! ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ تو ہماری کمزوریوں کو نظر انداز کر کے ہم میں وہ قومی روح پیدا فرما جو دنیا کی فتح کے لئے ضروری ہے۔ اور ہم میں وہ یگانگت اور اتحاد پیدا فرما

جو دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اور ہمارے لئے ایسے سامان پیدا فرما کہ ہم دنیا میں ہر مشکل اور مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہا کریں اور ہمیشہ ایک جھنڈے کے نیچے جمع رہا کریں تا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام کو ہم دنیا میں پھیلا سکیں اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت کو اِس دنیا کے چپہ چپہ پر قائم کرسکیں اور وہ محسن ترین وجود جو آج مظلوم ترین وجود بنا ہوا ہے اس کی شان اور عظمت کو دوبارہ دنیا میں قائم کرسکیں۔

مجھے اِس وقت یاد آ گیا، ایک واقعہ تھا جس کا اِس بات کے کہتے کہتے میری آنکھوں کے سامنے نقشہ کھنچ گیا۔ ایک جنگ کے موقع پر انصار اور مہاجرین میں جھگڑا ہو گیا۔ نوجوان ایسے موقع پر غلطیاں کر ہی بیٹھتے ہیں کسی نوجوان نے طعنہ دے دیا کہ ارے مہاجرو! تم اپنے گھروں سے نکالے ہوئے آئے اور ہم نے تمہیں پناہ دی۔ اِس پر مہاجرین بھی جوش میں آ گئے اور اُنہوں نے کہا ہم وہ ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے اسلام کی شناخت کی توفیق بخشی تم ہمارا کہاں مقابلہ کر سکتے ہو۔ بات بڑھتی چلی گئی جھگڑا طول پکڑتا چلا گیا اور آخر ایسی صورت اختیار کر گیا کہ یکے بعد دیگرے اس میں دوسرے انصار اور مہاجر بھی شریک ہو گئے اور یوں معلوم ہونے لگا جیسے آج مہاجر اور انصار آپس میں لڑ ہی پڑیں گے۔ اُس وقت عبداللہ بن ابی ابن سلول دیرینہ منافق جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری سے پہلے مدینہ کی بادشاہت کے خواب دیکھ رہا تھا بلکہ بعض روایتوں کے مطابق اس کے لئے تاج بھی بنایا جا رہا تھا اور فیصلہ کیا جا چکا تھا کہ اُسے تاج پہنا کر بادشاہ بنا دیا جائے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کی وجہ سے اُس کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے اور وہ دل ہی دل میں بُغض و کینہ کی آگ میں ہر وقت جلنے لگا۔ جب اُس نے دیکھا کہ اِس طرح انصار اور مہاجر آپس میں لڑ رہے ہیں تو اُس نے سمجھا کہ یہ انصار کو بھڑکانے کا ایک اچھا موقع ہے وہ آگے بڑھا اور اُس نے کہا اے انصار! یہ تمہاری ہی غلطیوں کا نتیجہ ہے کہ تم اِن لوگوں کے منہ سے ایسی باتیں سن رہے ہو۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تم ایسا قدم مت اُٹھاؤ مگر تم نہ مانے اب شکر ہے کہ میری بات تمہاری سمجھ میں آ رہی ہے۔ تم ذرا ٹھہرو اور مجھے مدینہ پہنچ لینے دو پھر دیکھو گے کہ مدینہ کا سب سے زیادہ معزز شخص یعنی وہ کم بخت (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) مدینہ کے سب

سے زیادہ ذلیل آدمی یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو وہاں سے نکال دے گا اور یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے دُور ہو جائے گا۔[۳] عبداللہ کا بیٹا مومن تھا وہ ایک سچا مسلمان تھا جب اُس نے اپنے باپ کی یہ بات سنی تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ میرے باپ نے جو بات کہی ہے اُس کی سزا سوائے قتل کے اور کوئی نہیں ہوسکتی اور میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ یہی سزا اُسے دیں گے لیکن میرے دل میں خیال آتا ہے کہ اگر کسی اَور مسلمان کو آپ نے کہا اور اُس نے میرے باپ کو قتل کر دیا اور پھر کوئی کمزوری کا وقت مجھ پر آ گیا اور وہ مسلمان میرے سامنے آیا تو ممکن ہے میرے دل میں خیال آ جائے کہ یہ میرے باپ کا قاتل ہے اور میں جوش میں آ کر اُس پر حملہ کر بیٹھوں اور اِس طرح بے ایمان ہو جاؤں۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ میری درخواست یہ ہے کہ آپ مجھے ہی یہ حکم دیجئے کہ میں اپنے باپ کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں تا کہ کسی مسلمان کا کینہ میرے دل میں پیدا نہ ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں کہ ہم تمہارے باپ کو قتل کریں۔ اُس نے بات کی اور اپنے اندرونہ کو ظاہر کر دیا۔[۴] ہماری طرف سے اس پر کوئی گرفت نہیں۔

اب بظاہر بات ختم ہوگئی اور وہ آئی گئی ہوگئی۔ انصار اور مہاجر آپس میں پھر بغلگیر ہو گئے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول پھر ذلیل اور شرمندہ ہو کر اپنے خیمہ میں جا گھسا۔ پھر انصار اور مہاجرین میں بھائیوں بھائیوں کا سا نظارہ نظر آنے لگا۔ پھر ان میں محبت اور پیار کی باتیں ہونے لگیں، پھر لوگوں نے یہ نمونہ دیکھا کہ ایک بد بخت انسان نے نہایت ہی گندے الفاظ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق کہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے انتہائی فراخ دلی سے معاف فرما دیا۔ پھر لشکر نے اپنا کام شروع کر دیا اور جب وہ اپنا کام پورا کر چکا تو مدینہ کی طرف واپسی شروع ہوگئی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھول گئے کہ عبداللہ نے کیا کہا تھا، عبداللہ بھی بھول گیا کہ اس کمبخت نے کیا کہا تھا، مہاجر بھول گئے کہ وہ انصار سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے تھے اور انصار بھی بھول گئے کہ وہ مہاجرین سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے تھے لیکن ایک دل تھا جس کی آگ بھڑک رہی تھی، جس کے شعلے دَبنے میں نہیں آتے تھے اور جو سر سے پاؤں تک جلا جا رہا تھا اِس وجہ سے کہ اُس کے آقا اور اُس کے سردار کو

ایک شخص نے کہ (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) وہ ذلیل ترین وجود ہے مدینہ کا۔ اور جانتے ہو وہ کون شخص تھا؟ وہ اسی عبداللہ کا اپنا بیٹا تھا غیر اس کی بات بھول گئے، رشتہ دار اس کی بات بھول گئے، دوست اس کی بات بھول گئے، دشمن اس کی بات بھول گئے لیکن اُس کا بیٹا اِس بات کو نہیں بھولا اور بغیر اس واقعہ کے اسے اور کسی چیز کا خیال تک نہیں آیا۔ جس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سواری مدینہ منورہ میں داخل ہو چکی اور اسلامی لشکر اندر داخل ہونے لگا تو وہ لڑکا اپنی سواری سے کود کر گلی کے کنارے پر کھڑا ہو گیا اور جب اپنے باپ عبداللہ بن اُبی کو دیکھا تو اُس نے تلوار نکال کر اپنے باپ سے کہا تمہیں یاد ہے تم نے وہاں کیا الفاظ کہے تھے؟ تم نے کہا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ کا سب سے زیادہ ذلیل انسان ہے اور تم سب سے معزز انسان ہو۔ خدا کی قسم! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تم کو معاف کر دیا لیکن میں تمہیں معاف نہیں کروں گا اور تمہیں اُس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک تم تین دفعہ میرے سامنے یہ اقرار نہ کرو کہ میں سب سے زیادہ ذلیل ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے زیادہ معزز انسان ہیں۔ باپ نے دیکھ لیا کہ آج اس بیٹے کی تلوار میرے پیٹ میں جائے بغیر نہیں رہے گی، آج اس کی تلوار میرے دل کو چیرے بغیر نہیں رہے گی، اس نے اپنے سارے ہم نشینوں اور ہم مجلسوں کے سامنے جن میں وہ اپنی بادشاہت کی لافیں مارا کرتا تھا اقرار کیا کہ ہاں میں مدینہ کا سب سے زیادہ ذلیل شخص ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے زیادہ معزز انسان ہیں۔[۵]

مجھے یہ واقعہ یاد آ گیا اور میں نے کہا خدا کی رحمتیں ہوں عبداللہ کے بیٹے پر کہ اُس نے اس طعنہ کو نہیں بھلایا اور تب تک اُس نے آرام نہیں کیا جب تک اپنے باپ کے منہ سے اُس نے یہ نہ کہلوا لیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی سب سے زیادہ معزز وجود ہیں اور اس کا باپ سب سے زیادہ ذلیل آدمی ہے۔ مگر خدا رحم کرے ہم پر بھی جن کے سامنے دنیا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اتنی گالیاں دی ہیں کہ کسی ذلیل ترین انسان کو بھی وہ گالیاں نہیں دی گئیں، کسی کمینہ ترین انسان کو بھی وہ گالیاں نہیں دی گئیں، کسی شیطان کے مثیل انسان کو بھی وہ گالیاں نہیں دی گئیں مگر ہم آرام سے بیٹھے ہیں۔ ہمارے دلوں میں یہ جوش پیدا نہیں ہوتا کہ ہم

وہ بات غیر کے منہ سے کہلوا سکیں جو عبداللہ کے بیٹے نے عبداللہ کے منہ سے کہلوائی۔ کس طرح ہم کو چین آ رہا ہے، کس طرح ہمارے دل اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول ہیں اگر عبداللہ کے بیٹے جتنا ایمان ہی ہمارے دلوں میں ہوتا۔ حالانکہ چاہیے تھا کہ اس سے بہت زیادہ ایمان ہوتا تو ہمارا فرض تھا کہ ہم اُس وقت تک صبر نہ کرتے جب تک دنیا کو گھٹنے ٹیک کر یہ الفاظ کہنے پر مجبور نہ کر دیتے کہ دنیا کا سب سے زیادہ معزز وجود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اور اس کا دشمن سب سے زیادہ ذلیل ہے۔ ہم ایک دفعہ پھر یہاں جمع ہوئے ہیں خدا تعالیٰ کی عنایت اور اُس کی مہربانی سے۔ آؤ ہم سچے دل سے یہ عہد کریں کہ ہم کم سے کم عبداللہ کے بیٹے جتنا ایمان دکھائیں گے اور جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کا اقرار دنیا سے نہیں کروا لیں گے اُس وقت تک ہم اطمینان اور چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

ایمان کہلاتا تو ہمارا ایمان ہے لیکن حقیقتاً خدا تعالیٰ کے پیدا کئے بغیر پیدا بھی نہیں ہوسکتا اِس لئے آؤ ہم خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مہربانی کر کے ہم لوگوں کو جو درحقیقت اُس کے فضلوں کے مستحق نہیں سخت کمزور ہیں اور اعمال میں سست اور غافل ہیں اپنا فضل نازل کر کے وہ ایمان بخشے، وہ غیرت بخشے کہ ہمارے دلوں کی آگ سلگتی چلی جائے، بھڑکتی چلی جائے یہاں تک کہ ہم پورے عزم اور ارادہ کے ساتھ دنیا کی اصلاح کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اُس وقت تک آرام کا سانس نہ لیں جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت اور آپ کی عظمت کو پھر دنیا میں قائم نہ کر دیں اور وہ ظلم اور بے انصافی جو ہمارے آقا سے ہوتی چلی آ رہی ہے اس کا بدلہ نہ لے لیں۔ مگر وہ بدلہ نہیں جو سروں کو تلوار سے کاٹتا ہے بلکہ وہ بدلہ جو دلوں کو محبت سے بھرتا ہے تاکہ دنیا میں خدا تعالیٰ کا نام پھر روشن ہو اور اللہ تعالیٰ کا جلال ایک دفعہ پھر ظاہر ہو جائے۔ پس آؤ میرے ساتھ دعا کرو۔ دل کے ساتھ، خشیت کے ساتھ، امیدوں کے ساتھ اور اپنے عجز کے اظہار اور کمزوری کے اعتراف کے ساتھ کیونکہ سچی دعا وہی ہوتی ہے جو ایک طرف اپنی کمزوری کا عجز کا اعتراف رکھتی ہے تو دوسری طرف خدا تعالیٰ کی رحمتوں سے اُس میں مایوسی نہیں ہوتی۔

(الفضل ۳۱؍دسمبر ۱۹۴۹ء)

۱؎ قاز: ایک آبی پرندہ

۲؎ مشاطہ: وہ عورت جو عورتوں کو بناؤ سنگھار کرائے۔

۳؎ سیرت ابن ھشام جلد۳ صفحہ ۳۰۳ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۴؎ سیرت ابن ھشام جلد۳ صفحہ ۳۰۵ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۵؎ السیرة الحلبیة جلد۲ صفحہ ۳۰۶ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

قادیان سے ہماری ہجرت ایک آسمانی تقدیر تھی

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

قادیان سے ہماری ہجرت ایک آسمانی تقدیر تھی

(فرمودہ ۲۷ ردسمبر ۱۹۴۹ء برموقع جلسہ سالانہ بمقام ربوہ)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد فرمایا:۔

کل میں نے احبابِ جماعت میں تحریک کی تھی کہ چونکہ آپ ہی مہمان ہیں اور آپ ہی میزبان ہیں اِس لئے کام خود سنبھالیں اور کارکنوں کے ساتھ مل کر جلسہ سالانہ کی خدمات سرانجام دیں۔ ہمارے پاس چونکہ کارکن کم ہیں اس لئے جلسہ سالانہ کے کام جلسہ سالانہ پر آنے والے دوستوں کے تعاون سے ہی سرانجام دیئے جا سکتے ہیں۔آج دفاتر کی طرف سے مجھے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ اس تحریک کے ماتحت احبابِ جماعت نے کارکنوں کے ساتھ بہت تعاون کیا ہے اور وہ تمام دوستوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ میں بھی ان دفاتر کے ساتھ اپنی خوشنودی کا اظہار کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اپنے فرائض کے ادا کرنے اور احکام کی فرمانبرداری بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ درحقیقت ایمان اور اخلاص کا یہی نمونہ ہے جو ہم لوگوں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں تا انہیں یہ احساس ہو جائے اور یہ احساس مجھ کو اور آپ کو بھی ہو جائے کہ ایک انگلی اُٹھے گی تو آپ سب کھڑے ہو جائیں گے اور وہ انگلی جھکے گی تو آپ سب بیٹھ جائیں گے۔تب دنیا یہ سمجھ لے گی کہ اِس جماعت کو کچلنا آسان بات نہیں اور جماعت کا امام بھی سمجھ لے گا کہ وہ اپنی جماعت کو ہر دشوار ترین راستہ پر چلا سکتا ہے کیونکہ دنیا میں کوئی شخص صرف اِس نیت سے کام نہیں کیا کرتا کہ اُسے ضرور فتح نصیب ہوگی بلکہ کام کرنے والا یہ جانتا ہے کہ اس کے لئے یا تو عزت والی زندگی مقدر ہے اور یا پھر اسے عزت والی موت نصیب ہوگی۔ دونوں میں سے ایک میں اس کا ضرور حصہ ہوگا۔اور اگر

یہ یقین پیدا نہ ہو کہ جو قدم تم اُٹھاؤ گے اس کے نتیجہ میں عزت والی زندگی یا عزت والی موت ملے گی تو قدم اُٹھانے سے پہلے تم بہت احتیاط سے کام لو گے اتنی احتیاط سے کہ بسا اوقات کام کا وقت گزر جائے گا۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ منافق لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ کافر بڑے جتھے والے ہیں اور مومن کمزور ہیں پھر مومنوں کو فتح کیسے میسر آ سکتی ہے۔[1] تم میں سے بھی بعض کمزور ایمان والے لوگ ان کا ساتھ دے دیتے ہیں مگر کیا تم نے کبھی اتنا بھی سوچا ہے کہ دنیا میں لوگ ہمیشہ فتح کے لئے نہیں لڑا کرتے بلکہ لڑائیاں اَور وجوہات سے بھی ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص راستہ پر چلا جاتا ہے ڈاکو اُس پر حملہ کر دیتے ہیں وہ اُن کا مقابلہ کرتا ہے اور مارا جاتا ہے۔ اس واقعہ کا جہاں کہیں ذکر کیا جاتا ہے یہی کہا جاتا ہے کہ فلاں نے کیا ہی اچھا نمونہ دکھایا ہے۔ فلاں نے بزدلی نہیں دکھائی بلکہ اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا ہے۔ حضرت امام حسینؓ جب گھر سے باہر نکلے تھے تو وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ وہ ضرور جیت جائیں گے۔ لوگ کہتے ہیں کہ کوفہ والوں نے بغاوت کی تھی یہ ٹھیک ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا امام حسینؓ کوفہ والوں سے مل کر ساری دنیا سے لڑ سکتے تھے؟ امام حسینؓ یہ سمجھتے تھے کہ خدا تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہ سنت چلی آئی ہے کہ بعض اوقات ایک چھوٹی جماعت اپنے سے بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ آپ کو اپنی فتح کا احساس نہیں تھا آپ کو اپنی فتح کا احساس ضرور تھا لیکن غالب خیال یہ تھا کہ یا تو انہیں دشمن کے مقابلہ میں فتح نصیب ہو گی یا شاندار موت تو کہیں گئی ہی نہیں۔ قرآن کریم میں بھی آتا ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں عزت والی زندگی اور شاندار موت دونوں چیزوں میں سے ایک چیز ضرور ملے گی۔[2] لیکن تمہارے دشمنوں کو یا تو دونوں چیزیں نہیں ملیں گی اور یا دونوں چیزوں کا ملنا اس کے لئے مشتبہ سا ہے لیکن تمہارے پاس دونوں چیزیں یقینی ہیں۔ پھر بہادر کون ہے تم یا تمہارا دشمن؟ پس دوستوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر احساسِ قومی پیدا کریں اور چاہیے کہ عمل ان کے لئے خوشکن چیز ہو۔ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بھی کوئی خوشکن نظارہ نہیں ہو گا تم اپنے اندر یہ احساس پیدا کرو کہ ہر کام کو اپنا کام سمجھو اور اسے اس نیت اور ارادے سے کرو کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں اس کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔

ایک بات پر میں اظہارِ افسوس بھی کرتا ہوں اور وہ یہ کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ کل شام کو

جب اجلاس ہو رہا تھا تو جماعت کے ساٹھ فیصدی احباب باتیں کر رہے تھے یہ نہایت افسوسناک امر ہے۔ نیکی کے کام کی جگہ پر باتیں کرنا منع ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن جب خطبہ ہو رہا ہو اُس وقت باتیں کرنا تو کجا کسی قسم کا اشارہ کرنا بھی منع ہے۔[۴۳] اب دیکھنے والی بات یہ ہے کہ خطبہ کو کوئی سہرا تو نہیں لگا ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت باتیں کرنا صرف اِس لئے منع فرمایا ہے کہ اس وقت نیکی کی باتیں ہو رہی ہوتی ہیں۔ پس احباب جب جلسہ گاہ میں آیا کریں تو کچھ تکلیف اُٹھا کر جلسہ گاہ میں بیٹھا کریں اور جب جلسہ گاہ میں بیٹھیں تو کچھ تکلیف اُٹھا کر نیکی کی باتیں سنا بھی کریں اور اُن پر عمل کیا کریں اور اگر ان میں سے کوئی کام بھی نہ کر سکیں تو جلسہ گاہ میں ہی نہ آیا کریں۔ آخر آپ لوگوں میں سے کتنے ہیں جن کو سال میں کئی بار مرکز میں آنے کا موقع ملتا ہے۔ آپ لوگوں میں سے بعض کے لئے سال میں یہی دو تین دن ہوتے ہیں جن میں وہ مرکز کی برکات سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اِس لئے دوستوں کو چاہیے کہ وہ یہ کوشش کریں کہ ان دنوں کو زیادہ سے زیادہ عمل میں لگایا جائے۔

ایسے اجتماعوں کے موقع پر خصوصاً اِس جنگل میں بعض مجبوریاں بھی پیش آ جاتی ہیں دوستوں کو چاہیے کہ وہ ان کی پرواہ نہ کریں بلکہ ان سے بھی لطف اُٹھائیں۔ بعض دفعہ لوگ عشق کی باتوں کو بدتہذیبی یا حماقت بھی کہہ دیتے ہیں لیکن عشق جہاں عقل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے وہاں وہ اپنے اندر وارفتگی کا رنگ بھی رکھتا ہے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے آپ نے ایک نہایت اچھا کپڑا پہنا ہوا تھا۔ ایک صحابیؓ نے دیکھ کر کہا **یَارَسُوْلَ اللّٰہ** یہ کپڑا مجھے عطا کر دیں۔ آپ نے وہ کپڑا اُسے دے دیا۔ دوسرے صحابہؓ نے اُس صحابیؓ کو ملامت کی۔ اُنہوں نے کہا میں نے یہ کپڑا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس لئے مانگا ہے کہ آپ کو یہ زیادہ پسند تھا اور میں نے چاہا کہ اس سے اپنا کفن بناؤں سو میں نے آپ سے اپنے لئے کفن مانگ لیا۔ یہ جواب سن کر دوسرے صحابہؓ کو رشک پیدا ہونے لگا کہ یہ کپڑا ہم نے کیوں نہ مانگ لیا۔[۴۴]

اِسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مرض الموت سے بیمار ہوئے تو آپ نے

فرمایا۔ میں صرف ایک پیغامبر ہوں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ جو ذمہ داریاں تم پر ہیں وہ مجھ پر بھی ہیں۔ جہاں تک مجھ سے ہوسکا میں نے آپ لوگوں کے حقوق کو ادا کیا ہے لیکن ممکن ہے مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہو یا تم میں سے کسی کو مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن تمہیں ہر چیز کا بدلہ دینا پڑے گا سو میں نہیں چاہتا کہ خدا تعالیٰ مجھ سے قیامت کے دن بدلہ لے۔ اگر مجھ سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو وہ مجھ سے یہیں بدلہ لے لے۔ ظاہر ہے کہ ایسے محبوب کی بیماری کی حالت میں جسے صحت کی حالت میں بھی کوئی دُکھ دینا برداشت نہیں کیا جاسکتا تھا، یہ فقرات سن کر صحابہ کا کیا حال ہوا ہوگا۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپ گئے مگر ایک صحابیؓ آگے بڑھا اور اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! مجھے آپ سے ایک تکلیف پہنچی ہے میں اُس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر دوسرے صحابہؓ کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور اُنہوں نے چاہا کہ اگر ممکن ہو تو اس صحابی کی تکہ بوٹی کر دی جائے لیکن اس صحابی نے ان کی طرف نہ دیکھا وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف دیکھتے رہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے اگر مجھ سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہے تو اس کا بدلہ لے لو۔ اس صحابی نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! فلاں جنگ کے موقع پر جب آپ اسلامی لشکر میں صف بہ صف پھر کر نقص دور فرما رہے تھے آپ پیچھے کی طرف سے ہماری صف کو چیرتے ہوئے گزرے اُس وقت آپ کی کہنی میری پیٹھ پر لگی تھی میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میری پیٹھ ہے اِسے کہنی مار لو۔ اس پر اُس صحابی نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! جب آپ کی کہنی میری پیٹھ پر لگی اُس وقت میری پیٹھ ننگی تھی اس پر کرتہ نہیں تھا اور آپ نے کرتہ پہنا ہوا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری پیٹھ پر سے کپڑا اُٹھا دو تاکہ یہ شخص اپنا بدلہ لے لے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر سے کپڑا اُٹھایا گیا۔ صحابہؓ کی آنکھوں سے خون بہنے لگا مگر اس شخص کی آنکھوں میں محبت کے آنسو آ گئے وہ جھکا اور آپ کی پیٹھ پر بوسہ دے کر اس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! پتہ نہیں پھر کب ملاقات ہو میں نے چاہا کہ اِس بہانہ سے آخری دفعہ پیار تو کر لوں۔[۵] غرض عشق کی مختلف شانیں ہوتی ہیں۔ وہی صحابہؓ جن کا دل چاہتا تھا کہ اس شخص کے تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں کیونکہ اُس نے ایک نامعقول حرکت کی

ہے انہی کا دل چاہتا تھا کہ اسے خوب جھنجھوڑیں اور مروڑیں کہ تم نے تو پیار کر لیا ہمیں کیوں یہ موقع نہ ملا۔

یہ وادی بے آب وگیاہ، یہ گرد وغبار، اِس میں بیسیوں باتیں ایسی ہیں جو دیکھنے والے کو عجیب معلوم ہوتی ہیں مگر عشق کی نگاہ میں وہ بڑی پیاری ہیں لیکن پھر بھی مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کی تکلیف کا موجب نہ بنے۔ مجھے بعض دوستوں نے لکھا ہے کہ موٹروں والے اپنی موٹریں بے تحاشا چلاتے ہیں جس کی وجہ سے گرد وغبار ہم پر پڑتا ہے، ہماری آنکھیں مٹی سے بھر جاتی ہیں، ہمارے چہرے غبار سے اَٹ جاتے ہیں، کپڑے خاک آلودہ ہو جاتے ہیں، نزلہ زکام اور کھانسی میں ہم مبتلا ہو جاتے ہیں، ہمارا دل چاہتا ہے کہ انہیں ذرا کھڑے کر کے پوچھیں کہ تم یہ کیا حرکتیں کرتے ہو؟ میں کہتا ہوں بے شک ان کا ذہن بدظنی کی طرف گیا ہے لیکن میرا ذہن نیک ظنی کی طرف جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ لوگ اپنی موٹریں اس لئے نہیں بھگاتے کہ وہ دکھائیں کہ ان کے پاس موٹریں ہیں بلکہ شاید وہ اس لئے کاریں دَوڑاتے ہیں کہ وہ اس وادیٔ بے آب وگیاہ میں بھی جس میں ہزاروں سال سے کوئی آدم زاد نہیں بسا اپنی کاریں دَوڑائیں تا خدا تعالیٰ کے اس نشان میں جو اس سرزمین میں دکھایا گیا وہ بھی حصہ دار ہوں۔ اگر وہ اس نیت سے موٹریں دَوڑاتے ہیں تو میں کہوں گا **اے مبارک گرد! تو بھی خدا تعالیٰ کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے آ اور ہمارے کپڑوں اور جسموں کو گرد آلود کر دے۔ آ اور ہمارے ناک اور آنکھوں کو بھر دے، ہمیں نزلہ، زکام اور کھانسی کی کچھ پرواہ نہیں۔ محبت کی نگاہ میں یہ مٹی بھی ایک شان رکھتی ہے۔ آخر یہ خدا تعالیٰ کا ہی کام ہے کہ اس نے ہزارہا سال کے بعد اس زمین کو جس کے آباد کرنے سے لوگ عاجز آ گئے تھے اپنی پاک جماعت کے ذریعہ آباد کیا۔** اور جیسا کہ میں نے کل بتایا تھا مرغابیاں ایک جگہ پر بیٹھی ہوئی ہوتی ہیں اُن پر شکاری فائر کرتا ہے بعض ماری جاتی ہیں اور باقی اُڑ جاتی ہیں لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر ایک جگہ پر اکٹھی بیٹھ جاتی ہیں۔ کیا یہ خدا تعالیٰ کا کام نہیں کہ تم بھی اس قوم میں سے تھے جو تشتّت اور پراگندگی کا شکار ہو رہی تھی۔ تم قادیان میں بیٹھ گئے۔ دشمن نے تم پر فائر کیا، تم وہاں سے اُڑے اور ربوہ میں آ کر بیٹھ گئے۔ مگر آخر غریبوں کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم

بدتہذیب ہو، میں یہ نہیں کہتا کہ تم اخلاق سے گری ہوئی کوئی حرکت کر رہے ہو، میں کہتا ہوں کہ تمہارے اعمال ہمیشہ اچھی نیتوں پر مبنی ہونے چاہئیں۔ آخر جب تک سڑکیں نہیں بنیں گی یہ گرد وغبار تو ضرور اُڑے گا کیونکہ ہر شخص یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ نیکی کی جگہ پر سب سے پہلے پہنچے اور اس کے لئے موٹروں والے اپنی موٹریں بھی دَوڑائیں گے جس کی وجہ سے گرد وغبار اُڑے گا اور تمہارے جسموں اور کپڑوں پر پڑے گا۔ میں تو اِس کی گرد کو بھی رحمت کا ایک چھینٹا سمجھتا ہوں۔ آخر اَور کونسی قوم ہے جو ہماری طرح بے بس ہو، بیکس ہو اور پھر اللہ تعالیٰ نے اُسے اِس طرح اکٹھا کر دیا ہو۔ پس **یہ گرد وغبار زندہ خدا کا ایک زندہ نشان ہے۔ یہ گرد کے ذرّے نہیں یہ خدا تعالیٰ کے نور کی شعاعیں ہیں جو نکل رہی ہیں اور بتا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے۔**
مگر جہاں مجھے اس نشان کو دیکھنے میں مزا آتا ہے وہاں مجھے اُن دوستوں کو سمجھانا بھی پڑتا ہے جو ایک رنگ میں اپنے بھائیوں کی تکلیف کا موجب بنتے ہیں۔ عقل یہی کہتی ہے کہ کمزور کا خیال رکھا جائے۔ بعض لوگ بیمار بھی ہوتے ہیں اُن کی صحت کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ ہم نے بھی تقریریں کرنی ہوتی ہیں ہمارا بھی خیال رکھیں گرد گلے میں جاتی ہے جس سے تکلیف ہوتی ہے۔ ابھی جب میں تقریر کے لئے آ رہا تھا تو ہماری جرمن بہن رقیہ تھامَس مارگرٹ نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کا بھی خیال رکھیں۔ آخر آپ نے تقریر کرنی ہے۔ میں نے کہا اِس کا کون خیال کرتا ہے۔ بہرحال ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم دوسرے بھائیوں کی تکلیف کا موجب نہ بنیں۔

میں سمجھتا ہوں اِس میں ایک حد تک ذمہ داری منتظمین پر بھی عائد ہوتی ہے۔ ذمہ دار لوگوں نے اِس میں کوتاہی کی ہے اُنہیں چاہیے تھا کہ وہ سڑکوں کے نشانوں کو نمایاں کرتے لیکن اُنہوں نے ایسا نہیں کیا۔ مگر ساتھ ہی میں شکایت کرنے والے دوستوں کو بھی کہوں گا کہ وہ اپنی نظروں کو وسیع کریں اور اِن چیزوں میں بھی خدا تعالیٰ کا نشان دیکھیں۔ میری نصیحت ایسی ہی ہے جیسے بچے ماں کو گالیاں دیتے اور تھپڑ مار دیتے ہیں تو ماں انہیں مارتی بھی ہے مگر اس کے چہرے پر عجیب آثار ہوتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ تھپڑ نہیں کھا رہا کوئی مزیدار شربت پی رہا ہے۔ میں حیران ہوں کہ وہ کونسی طاقت ہے جس نے ایک جگہ پر جس کو حکومتیں بھی نہیں بسا سکیں

تھیں تمہیں لا کر بسا دیا ہے۔ اِسے دیکھ کر وہ زمانہ یاد آتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذریعہ مکہ کی دوبارہ بنیاد رکھوائی۔ یہ نشان تمہارے ایمان کی جتنی تقویت کا بھی موجب ہو تھوڑا ہے۔

مجھ سے یہ خواہش کی گئی ہے کہ میں الفضل کے متعلق بھی تحریک کروں کہ احباب اِس کی اشاعت کو بڑھانے کی طرف توجہ کریں۔ پچھلے سال میں نے احباب کو ایجنسیاں قائم کرنے کے لئے کہا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس تحریک کی وجہ سے اب دُگنی تعداد ہوگئی ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ بھی کم ہے جہاں جہاں شہروں میں جماعتیں پائی جاتی ہیں دوستوں کو وہاں ایجنسیاں قائم کرنی چاہئیں اور الفضل کی اشاعت کو بڑھانے میں مدد کرنی چاہیے۔

اب سب سے پہلے میں ربوہ کے سوال کو لیتا ہوں میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا یہاں آنا کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ دیر کی ایک الٰہی تقدیر ہے۔ بعض لوگ جنہوں نے سنجیدگی کے ساتھ اِس معاملہ میں غور نہیں کیا اور اُس سلسلۂ تحریک کو نہیں دیکھا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے جاری کیا گیا ہے وہ اسے اتفاقی حادثہ سمجھتے ہیں لیکن یہ اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُس کی ایک مقررہ سکیم کے ماتحت ہوا ہے۔ اِس کا ثبوت اِس بات سے ملتا ہے کہ اس بارہ میں دیر سے خبریں دی جا رہی تھیں اور جس چیز کے متعلق دیر سے خبریں دی گئی ہوں وہ اتفاقی حادثہ نہیں ہوا کرتی۔ آپ لوگوں میں کسی شخص کا چلتے چلتے گھوڑا اگر جاتا ہے وہ خود زخمی ہو جاتا ہے اور اسے کسی مکان میں لے جایا جاتا ہے اس واقعہ کی کسی کو پہلے خبر دینے کی کیا ضرورت ہے مثلاً یسعیاہ کو کیا ضرورت ہے کہ وہ اس واقعہ کی پہلے سے اطلاع دیں، حزقیل کو کیا ضرورت ہے کہ وہ اِس واقعہ کے متعلق پہلے سے کچھ ذکر کریں یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس کے متعلق قبل از وقت اطلاع دینے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر دنیا میں بھی یہ طریق جاری ہے کہ بڑے افسر اور اعلیٰ محکمے بڑی بڑی سکیمیں بناتے ہیں اور چھوٹی سکیمیں آگے چھوٹے افسروں اور ادنیٰ محکموں کے سپرد ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر سیکرٹریٹ کا کوئی آدمی یا کوئی منسٹر کوئی سکیم بناتا ہے تو وہ اہم اور اصولی سمجھی جائے گی۔ پھر اس کا کوئی حصہ ڈیفنس کمشنر کے سپرد ہوگا، کوئی پروانشل کمشنر کے سپرد ہوگا اور کوئی ڈپٹی کمشنر کے سپرد ہوگا جتنے نیچے ہم اُترتے آئیں گے اس کے معنی یہ ہوں گے

کہ وہ باتیں کم اہم ہیں۔ پس اگر ہمارے ربوہ میں آباد ہونے کا ذکر پہلے سے انبیاء کی کتابوں میں ہے تو ماننا پڑے گا کہ یہ الٰہی تقدیر تھی خواہ اِس کی حقیقت ہم پر آج کھلی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی خبر دی ہے کہ جب مسیح دنیا میں آئے گا تو اُس وقت دو قومیں نکلیں گی اور اُن کا جتھہ اتنا مضبوط ہوگا کہ ان کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں ہوگی۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے آواز آئے گی کہ حَرِّزْ عِبَادِیْ اِلَی الطُّوْرِ کہ تو ہمارے بندوں کو پہاڑ کی طرف لے جا۔[٦]

اس حدیث میں یہ خبر دی گئی ہے کہ کسی زمانہ میں مسیح موعود کی جماعت کو اپنا مرکز چھوڑنا پڑے گا اور وہ کسی پہاڑی علاقہ میں جا گزیں ہوگی۔ اب سارے پنجاب میں کس کو علم تھا کہ وہ اِس جگہ ٹھہرے گی۔ یہ خدائی فعل تھا کہ ہجرت کے بعد اس نے جماعت کو اس جگہ لا کر اکٹھا کر دیا باوجود اِس کے کہ مجھے بھی رؤیا میں یہ جگہ دکھائی گئی تھی مگر پھر بھی میری نظر میں یہ جگہ نہ تھی۔ میں شیخوپورہ کے ضلع میں کوشش کر رہا تھا کہ کہیں ایسی جگہ مل جائے جہاں جماعت کا عارضی مرکز بنایا جائے۔ ایک دفعہ میں اس بارہ میں بعض دوستوں سے مشورہ کر رہا تھا کہ چوہدری عزیز احمد صاحب سب جج آئے اور اُنہوں نے کہا میں ایک جگہ بتاؤں جس کا میں خود واقف ہوں۔ چناب پار ایک جگہ ہے جس پر آپ کی خواب کے اکثر حصے چسپاں ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک تاریخ مقرر کی گئی اور میں نواب محمد الدین صاحب مرحوم، میاں بشیر احمد صاحب اور بعض اور دوست یہاں آئے اور یہ جگہ دیکھی۔ جب میں نے یہ مقام دیکھا تو سوائے اِس کے کہ یہاں سبزہ نہیں تھا باقی تمام علامات درست نکلیں اور میں نے سمجھ لیا کہ یہ وہی جگہ ہے جو مجھے خواب میں دکھائی گئی تھی۔ سبزہ کے متعلق میں نے سمجھا کہ شاید اس کی کوئی اور تعبیر ہو۔ ظاہر ہے کہ ۵ ہزار مربع میل کے علاقہ میں کوئی جگہ تلاش کرنا آسان بات نہیں۔ بعض غیر احمدی افسر اور معززین جب یہاں سے گزرتے ہیں تو کوئی ان میں سے مجھے ملنے کے لئے آ جاتے ہیں اور بے ساختہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ آپ نے تو غضب کی جگہ چنی ہے۔ اب یہ کوئی اتفاقی بات نہیں کہ چوہدری عزیز احمد صاحب سب جج کو میری وہ خواب یاد آ گئی جس میں ہجرت کے بعد یہاں آنا دکھایا گیا تھا۔ پھر اُن کے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ وہی جگہ ہے جس کا خواب میں ذکر ہے۔ پھر جس مجلس میں اس کا ذکر

ہو رہا تھا اُس میں وہ موجود تھے۔ پھر اُنہوں نے چاہا کہ میں اس بارہ میں مشورہ دے دوں اور پھر میرا دل بھی اُن کا مشورہ ماننے پر راضی ہو گیا۔ یہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت ہوا۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از وقت اس جگہ کی خبر دی ہے۔ اگر یہ مقام اسلام کی سکیم کا حصہ نہیں تھا تو آپ نے قبل از وقت اِس جگہ کا ذکر کیوں کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کتنے واقعات رونما ہوئے ہیں مگر اُن میں سے ہزاروں واقعات کا آپ نے ذکر نہیں کیا لیکن اس کا ذکر موجود ہے کہ مسیح موعود کی پہلے دجال سے لڑائی ہوگی، اس کے بعد یأ جوج اور مأ جوج دو قومیں نکلیں گی اور وہ ایسی طاقتور ہوں گی کہ ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکے گا، اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے آواز آئے گی کہ جاؤ پہاڑ پر چلے جاؤ وہاں تمہیں پناہ ملے گی۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ یہ جگہ خود اتنی اونچی ہے کہ پہاڑ معلوم ہوتی ہے جب ہم یہ جگہ دیکھنے کے لئے آئے تو احمد نگر چلے گئے تا کہ اس زمین کے حالات دریافت کئے جائیں۔ پانی کے متعلق پوچھا تو ہمیں بتایا گیا کہ دو دفعہ بعض لوگوں نے کوشش کی ہے کہ اِس مقام کو آباد کیا جائے لیکن وہ ناکام ہوئے اور بھاگ گئے۔ پھر ہم نے پوچھا کہ کیا دریا میں کبھی سیلاب بھی آتا ہے؟ تو بتایا گیا ہاں سیلاب آتا ہے اور ہماری فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ ہم نے دریافت کیا کہ کیا سیلاب کا پانی اس جگہ پر بھی آ جاتا ہے؟ تو گاؤں کے نمبردار نے جس سے ہم حالات دریافت کر رہے تھے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اگر اس کے سر تک پانی پہنچ جائے تو شاید اُس جگہ بھی پانی چڑھ جائے۔ غرض یہ اونچی جگہ ہے جس کی وجہ سے اس کا نام **''ربوہ''** رکھا گیا ہے اور خدائی تصرف کے ماتحت ہم یہاں لائے گئے ہیں۔ باقی یہ کہ خدا تعالیٰ نے اس کی حقیقت کو کب کھولنا شروع کیا ہے سو یاد رکھنا چاہیے کہ خدائی سکیمیں آہستہ آہستہ کھلتی ہیں۔ مکہ مکرمہ کی بنیاد کے وقت کس شخص کو علم تھا کہ واقع میں یہ اتنا بڑا شہر بن جائے گا اور دنیا کی ہر نعمت یہاں میسر ہو سکے گی لیکن وہی کچھ ظہور میں آیا جس کا پہلے علم دیا گیا تھا۔

بعض لوگ اس حکمت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم قادیان کے بے وفا ہیں کیونکہ ہم نے دوسرا مرکز بنا لیا ہے۔ وہ نادان ہیں وہ نہیں جانتے کہ گو ہم قادیان کے وفادار

ہیں مگر سب سے زیادہ ہم خدا تعالیٰ کے وفادار ہیں ۔ جہاں خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہوگا ہمارا ہاتھ بھی اُسی جگہ ہوگا۔ پھر قادیان دلانا ہے تو خدا تعالیٰ نے دلانا ہے ہم میں کیا طاقت ہے کہ قادیان واپس لیں ۔خدا تعالیٰ ہی ایسے کرے گا اور جب خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی سب کچھ ہے تو اس کی سکیم میں دخل انداز ہونے کی ضرورت کیا ہے ۔اگر خدا تعالیٰ ایک صدی کے لئے بھی ہمیں کسی اَور جگہ رکھنا چاہے تو اٰمَنَّا وَ صَدَّقْنَا ہم اس کے لئے تیار ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ایمان عشق کا نام ہے۔

محمود غزنوی کو اپنے ایک غلام ایاز نامی سے بہت پیار تھا۔امراء اُس پر حسد کرتے تھے اور حسد کی وجہ سے وہ بادشاہ کے پاس شکایت کرتے رہتے تھے کہ وہ غدار ہے اور بادشاہ کا مال ضائع کرتا ہے۔محمود غزنوی یہ سمجھتا تھا کہ وہ حق پر نہیں بلکہ محض حسد کی بناء پر ایسا کر رہے ہیں ۔مگر اُس نے اُنہیں خاموش کرانے کے لئے ایک دن دربار لگایا اور اپنے خزانہ کا سب سے قیمتی موتی جس کی وجہ سے اس کی دُور دُور تک شہرت تھی منگوایا اور وزیر اعظم کو بُلایا اور ہتھوڑا منگوا کر اسے کہا کہ اِس موتی کو توڑ دو۔ وزیر اعظم نے کہا بادشاہ سلامت! ہمارے باپ دادا بھی آپ کے نمک خوار چلے آئے ہیں، ہم غدار تھوڑے ہیں کہ اتنے قیمتی موتی کو جس کی وجہ سے آپ کی دُور تک شہرت ہے توڑ دیں ۔سب درباریوں نے اس کے اس جذبہ کی تعریف کی ۔اُس زمانہ میں بادشاہ کے سات وزیر ہوا کرتے تھے۔ بادشاہ نے باری باری ساتوں وزیروں کو بُلایا مگر چونکہ وزیر اعظم کا جواب وہ سن ہی چکے تھے اور وہ یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ سب درباریوں نے اسکی تعریف کی ہے اس لئے ان میں سے ہر ایک یہی جواب دیتا۔سب درباری تحسین کرتے اور وہ بیٹھ جاتا۔ساتوں وزیروں کے جوابات سننے کے بعد بادشاہ نے اپنے غلام ایاز کو بُلایا اور اُسے اشارہ کیا کہ اِس موتی کو توڑ دو۔ بادشاہ کے منہ سے اِس لفظ کا نکلنا تھا کہ اُس نے ہتھوڑا مار کر موتی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ دربار میں ناراضگی کی ایک لہر دَوڑ گئی ۔سب درباری کہنے لگے کہ یہ کتنا قیمتی موتی تھا ہمارے بادشاہ کی اِس موتی کی وجہ سے دُور دُور تک شہرت تھی ، ایسا موتی کسی اور بادشاہ کے پاس نہ تھا لیکن اِس بے وقوف نے کچھ بھی نہ سوچا اور ہتھوڑا مار کر موتی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بادشاہ نے مصنوعی غصہ بنایا اور ایاز سے کہا ایاز! تم نے دیکھا نہیں تھا کہ ان کا نمونہ

کیا تھا؟ ایاز نے جواب دیا بادشاہ سلامت! جو جواب ان لوگوں نے دیا ہے اُس کی ذمہ داری اِن پر ہے، میرے نزدیک محمود کے منہ سے نکلا ہوا ایک لفظ اِس قسم کے ہزاروں موتیوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ اِس کی قدر میں جانتا ہوں یہ نہیں جانتے۔ دربار پر ایک سناٹا چھا گیا۔ بادشاہ نے درباریوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا اب بتاؤ تم میں سے کون میرا سچا خیر خواہ ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا ہم ہارے اور یہ جیتا۔ پس ہم تو خدا تعالیٰ کو جانتے ہیں اور اُس کے وفادار ہیں وہ جس طرف اشارہ کرے گا ہم چلے جائیں گے۔ وہ اگر کہے تو خواہ کسی پہاڑ کی چوٹی کیوں نہ ہو یا سمندر کی سطح ہی کیوں نہ ہو ہم کہیں گے حضور! یہی بہترین جگہ ہے۔ مومن عاشق ہوتا ہے دلیلیں دینا اور بحث کرنا نوکر کا کام ہے عاشق کا کام نہیں۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتاب نزول المسیح میں بیان فرمایا ہے کہ زکریا کی کتاب کے چودھویں باب میں جہاں یروشلم کا ذکر ہے وہاں یروشلم سے مراد بیت المقدس نہیں بلکہ قادیان ہے اور اِس باب میں جو خبر دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک زمانہ میں یروشلم پر حملہ ہوگا۔ شہر والے مغلوب ہو جائیں گے اور پھر پہاڑوں کی ایک وادی کی طرف بھاگ جائیں گے جہاں پناہ لیں گے۔ [۷] اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا بھی الہام ہے کہ ''داغِ ہجرت'' [۸] اب سوال یہ ہے کہ یہ ہجرت کہاں ہونی ہے؟ اِس کا پتہ اوپر دیئے ہوئے حوالہ سے لگتا ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قادیان کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ پھر آپ کا ایک اور الہام یہ بھی ہے کہ **یُخْرِجُ هَمُّهٗ وَغَمُّهٗ دَوْحَةَ اِسْمَاعِیْلَ فَاَخْفِهَا حَتّٰى تَخْرُجَ** [۹] یعنی تمہارے ہم اور غم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک اسماعیلی درخت اُگائے گا لیکن یہ راز چھپائے رکھو یہاں تک کہ وہ درخت نکل آئے۔ سو اِس ہجرت پر پردہ پڑا رہا یہاں تک کہ قادیان پر جن دنوں حملہ ہو رہا تھا اور میں بتا رہا تھا کہ تم خدائی وعدہ کے مطابق قادیان سے نکلو گے، آپ لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے تو یہاں سے ہلنا نہیں۔ پھر ان لوگوں میں سے جو کہہ رہے تھے کہ ہم نے ہلنا نہیں بعض نکل آئے مگر دوسرے لوگ پھر بھی کہہ رہے تھے کہ ہم نے تو یہاں سے نہیں جانا۔ حقیقت یہ ہے کہ قادیان سے محبت کی وجہ سے کسی کا اِس طرف خیال ہی نہیں جاتا تھا کہ ہجرت ہوگی اور ہم قادیان کو چھوڑ کر باہر آ جائیں گے۔ جیسے رسول کریم ﷺ نے

جب وفات پائی تو حضرت عمرؓ کی یہ کیفیت تھی کہ باوجود اس کے کہ رسول کریم ﷺ فوت ہو چکے تھے وہ یہ کہنے لگے کہ میں تو مان ہی نہیں سکتا کہ رسول کریم ﷺ فوت ہو گئے ہیں۔ پس جہاں محبت ہوتی ہے وہاں ایسا خیال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ کا قادیان کو دائمی اور مستقل مرکز قرار دینا اِس بات پر پردہ ڈال رہا تھا کہ ہمیں قادیان سے ہجرت کرنی پڑے گی۔ مگر آخر وہی بات ہوگئی کہ فَاَخْفِهَا حَتّٰی تَخْرُجَ جب تک وہ درخت نکل نہ آئے اُسے ظاہر نہ کرنا۔ ورنہ یہ لوگ قادیان آنے سے رُک جائیں گے اور اگر یہ رُک گئے تو قادیان میں مکان کیسے بنائیں گے حالانکہ ہمارا یہ ارادہ ہے کہ یہ لوگ قادیان میں مکان بناتے چلے جائیں۔ جب قادیان ہاتھ سے نکل جائے گا تو جو سچا متبع ہوگا وہ تو کہے گا کہ جیسے ہم نے پہلے چھتہ بنایا تھا ویسے ہی پھر بنالیں گے اور جو کمزور ہوگا اُس کا دل تو یہ کہتا ہوگا کہ میں نے جو کرنا تھا کر لیا لیکن بظاہر وہ کہے گا اچھا یہ اور مرکز بنا رہے ہیں یہ قادیان کو بھول رہے ہیں اور اس طرح وہ اپنی منافقت کو ظاہر کر دے گا۔

پھر خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا تھا کہ آپ ایک نئی زمین اور نیا آسمان بنائیں گے۔[۱۰] بے شک سلسلہ بھی ایک نئی زمین اور نیا آسمان ہے لیکن بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ چونکہ انہیں بنا بنایا مرکز مل گیا ہے اس لئے انہیں طاقت حاصل ہوگئی ہے۔ چنانچہ جب میری خلافت کا انکار کیا گیا اور منکرین خلافت قادیان چھوڑ کر لاہور آ گئے تو اُس وقت اُنہوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ جماعت کا پچانوے فیصدی حصہ ہمارے ساتھ ہے لیکن ایک ماہ کے اندر اندر خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت کا اکثر حصہ میرے ساتھ شامل ہو گیا۔ اُس وقت وہ لوگ یہی جواب دیتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وجہ سے جماعت کو قادیان سے محبت ہے اس لئے یہ نہیں جیتا قادیان جیتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اُن کو اِس اعتراض کا جواب دینا تھا اب لاہور میں جو اِن کا ۳۵ سالہ مرکز ہے اُن کا بھی جلسہ ہو رہا ہے وہ ذرا ربوہ کے جلسہ کی سی شان تو دکھا دیں۔ اِس وادئ بے آب و گیاہ میں بھی لوگ جمع ہوئے ہیں یا نہیں؟ کہاں گئی اُن کی وہ دلیل کہ میں قادیان کی وجہ سے جیتا ہوں۔ اگر اُس وقت میں قادیان کی وجہ سے جیتا تھا تو اب قادیان میرے ہارنے کا بھی موجب ہونا چاہیے تھا کیونکہ میں قادیان میں نہیں تھا۔

مجھ سے عقیدت رکھنے والے لوگ تو یہ کہہ سکتے تھے کہ میں مصیبت کی وجہ سے یہاں آ گیا ہوں مگر جو مخالف تھے انہیں تو مجھے چھوڑ دینا چاہیے تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ایک واقعہ سنایا کرتے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک عورت بڑی محنتی تھی، وہ سوت کا تا کرتی تھی اور جو اُجرت ملتی تھی اس سے ایک رقم اکٹھی کر کے اس نے سونے کے کڑے بنوائے۔ ایک دن وہ سو رہی تھی کہ ایک چور آیا اور اس نے اس کے کڑے اُتارنے کی کوشش کی۔ اس نے پانچ سال کی محنت کے بعد کڑے بنوائے تھے وہ ان کی حفاظت کے لئے کچھ وقت تک چور کا مقابلہ کرتی رہی لیکن آخر چور زبردستی کڑے چھین کر بھاگ گیا۔ اس عورت نے چور کی شکل پہچان لی۔ دیہات میں عورتوں کا یہ طریق ہوتا ہے کہ وہ گھروں سے باہر گلیوں میں چرخہ کاتا کرتی ہیں وہ بھی گلی میں بیٹھی ایک دن چرخہ کات رہی تھی کہ ایک شخص لنگوٹی پہنے گزرا۔ اس عورت نے اُسے پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے اس کے کڑے چرائے تھے۔ اُس نے اُسے آواز دی اور کہا ذرا بات سن جاؤ۔ وہ شخص گھبرایا اور وہاں سے بھاگا۔ اِس عورت نے کہا میں کسی کو بھید نہیں بتاؤں گی، صرف میری ایک بات سن لو۔ جب اس نے یہ سمجھا کہ یہ عورت جو کچھ کہہ رہی ہے سنجیدگی سے کہہ رہی ہے تو وہ واپس آیا اور اُس نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ اُس عورت نے کہا دیکھو! حلال اور حرام میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ مجھے سونے کے کڑے پہننے کا شوق تھا میں نے پانچ سال کی محنت کے بعد کڑے بنوائے مگر وہ تُو لے گیا۔ میں نے پھر محنت کی اور کڑے بنوا لئے چنانچہ دیکھ لو میرے پاس اَب بھی کڑے موجود ہیں لیکن تیری وہی لنگوٹی کی لنگوٹی ہے۔ میں بھی اُن لوگوں کو یہی جواب دیتا ہوں کہ میرے پاس کڑے اَب بھی موجود ہیں لیکن تمہاری وہی لنگوٹی کی لنگوٹی ہے۔ بہرحال یہ خدا تعالیٰ کی سکیم تھی اور خدا تعالیٰ یہ بتانا چاہتا تھا کہ قادیان سے باہر رہ کر بھی احمدیت ترقی کر سکتی ہے۔

پھر بعض منافق کہتے تھے کہ احمدیت کی ترقی رُک رہی ہے لیکن خدا تعالیٰ نے کتنے بڑے انقلاب میں ڈال کر تمہیں دوبارہ اکٹھا کر دیا۔ اگر یہ سلسلہ کمزور ہوتا تو اس ابتلاء کی تاب نہ لا سکتا اور ٹوٹ جاتا، کمزور شیشہ ٹوٹ جایا کرتا ہے۔ اگر منافق لوگوں کے کہنے کے مطابق یہ سلسلہ فی الواقعہ کمزور ہوتا تو بہشتی مقبرہ، مساجد، مینارۃ المسیح، کالج، سکول اور کروڑوں کی

جائدادیں چھوڑ کر یہاں آنے کے بعد لوگ کہتے کہ یہ جھوٹا تھا، اس لئے قادیان سے نکل آیا لیکن اتنی بڑی ٹھوکر کے بعد بھی جماعت متزلزل نہیں ہوئی بلکہ پھر اکٹھی ہوگئی اور اس نے دشمنانِ احمدیت کو بتا دیا کہ اتنے بڑے ابتلاء اور اتنی بڑی ٹھوکر کے بعد بھی وہ پہاڑ کی طرح کھڑی ہے اور اُس وقت تک کھڑی رہے گی جب تک کہ کفر اس سے ٹکرا کر پاش پاش نہیں ہو جاتا۔ پھر میں نے بھی ہجرت کے متعلق کھلی کھلی رؤیا دیکھی تھیں جو الفضل میں چھپ چکی ہیں اور میں نے پچھلے جلسہ سالانہ کے موقع پر سنائی بھی تھیں۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیاں پوری ہو چکی تھیں تو پھر مجھے یہ نظارے کیوں دکھائے گئے؟ یہ اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے کہ اس کا نبی خبر دیتا ہے اور وہ بظاہر بعض اور لوگوں پر بھی صادق آتی ہے۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام تھا A Word and Two Girls[11] (اے ورڈ اینڈ ٹو گرلز) یعنی ایک کلام اور دو لڑکیاں۔ یہ الہام اپنے اندر ایک خاص حکمت رکھتا تھا اور اس نے آئندہ کسی زمانہ میں پورا ہونا تھا لیکن جب یہ الہام شائع ہوا اُڑیسہ کے احمدی دوست قادیان آ رہے تھے اُن کے ساتھ ان کی دو لڑکیاں بھی تھیں۔ اُنہوں نے اس الہام کو اپنے اوپر چسپاں کر لیا اور کہا سُبْحَانَ اللّٰہ کتنی جلدی پورا ہوا۔ میں یہاں آیا ہوں اور میرے ساتھ دو لڑکیاں بھی ہیں۔ غرض بعض لوگ تو پیشگوئیوں کو کسی معمولی چیز پر چسپاں کر کے وہیں چھوڑ دیتے ہیں اور بعض دفعہ لوگ اُنہیں قیامت کے بغیر اور کسی چیز پر چسپاں ہی نہیں کرتے جیسے مسلمانوں نے اِس زمانہ کے متعلق جس قدر پیشگوئیاں تھیں انہیں قیامت پر لگا دیا حالانکہ ہم ان کے ساتھ آجکل یورپ کو شرمندہ کر رہے ہیں۔ گویا پہاڑ ٹوٹنے کی خبر کو بعض تو گھڑا ٹوٹنے پر لگا دیتے ہیں اور بعض کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو قیامت کے متعلق ہے اس لئے خدا تعالیٰ کی یہ سُنّت ہے کہ جب اس کی کسی پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت آتا ہے تو وہ اس کی کسی اَور ذریعہ سے بھی خبر دے دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہام ہوا ''داغِ ہجرت'' اور جب اس کے پورا ہونے کا وقت آیا تو خدا تعالیٰ نے مجھے بعض نظارے دکھائے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ الہام اِسی زمانہ کے متعلق تھا سو پورا ہو گیا۔

میں نے کل پرندوں کا ذکر کیا تھا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام بھی ہے کہ یَا جِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَہٗ وَالطَّیْرَ [۱۲] اے پہاڑ واور اے پرندو! تم اس مسیح کے ساتھ مل کر خدا تعالیٰ کے ذکر کو بلند کرو۔ اس الہام میں یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ آئندہ کسی وقت پہاڑوں میں بھی خدا تعالیٰ کا ذکر بلند کیا جائے گا اور اس میں مسیح بھی شامل ہوگا۔ لیکن جب وقت لمبا ہو گیا اور لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ وہ سوسائٹیاں بنا کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے تو خدا تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ تمہیں انہیں رستوں سے گزرنا ہوگا جن سے پہلے انبیاء کی جماعتیں گذری ہیں۔ چنانچہ مجھے الہامات ہونے شروع ہوئے کہ ہمیں قادیان چھوڑنا پڑے گا اور کسی پہاڑی مقام میں پناہ لینی پڑے گی پھر وہاں سے ہم خدا تعالیٰ کے ذکر کو بلند کریں گے۔ یہ چیز بتاتی تھی کہ پہلی پیشگوئی ختم نہیں بلکہ ابھی چل رہی ہے۔ چنانچہ بعد میں عملاً لڑائیاں ہوئیں اور قادیان ہمیں چھوڑنا پڑا سو اَب تعبیر کی ضرورت نہیں۔ باقی رؤیا میں جو سبزہ دکھایا گیا تھا دیکھیں خدا تعالیٰ اسے کس رنگ میں پورا کرتا ہے۔ پچھلے جلسہ کے بعد جب ہم لاہور واپس جانے لگے تو میں، تین چار مستورات اور دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے چند آدمی موٹر کے ذریعہ گئے اور باقی افراد ٹرین کے ذریعہ۔ پہلے ٹرین لیٹ تھی اور اس کے آنے میں دیر ہوگئی اس لئے ہم نے سب سواریوں کو واپس بلا لیا لیکن جب ٹرین آئی تو ایک انسپکٹر جو ساتھ تھا اُس نے کہا کہ کچھ ڈبے لاہور سے آئے ہیں اور ریزرو ہیں ان کا دوسری گاڑی کے ساتھ لگانے کا انتظام ہوگا اور دوسری ٹرین ان کا انتظار کرے گی اس لئے ان سواریوں کو پھر ٹرین کے ذریعہ بھیج دیا گیا۔ جب ٹرین چلی تو معلوم ہوا کہ ان کا کھانا رہ گیا ہے اس پر کھانا موٹر کے ذریعہ چنیوٹ بھجوا دیا گیا۔ اب صورت یہ تھی کہ جب تک موٹر واپس نہ آئے میں لاہور نہیں جا سکتا تھا اس لئے میں لیٹ گیا۔ اُس وقت مجھ پر غنودگی سی طاری ہوئی اور اِس نیم غنودگی کی حالت میں میں نے دیکھا کہ میں خدا تعالیٰ کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھ رہا ہوں۔

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب
پاؤں کے نیچے سے مرے پانی بہا دیا

اِس سے میں نے سمجھا کہ خدا تعالیٰ کوئی ایسی صورت ضرور پیدا کر دے گا کہ پانی نکل آئے۔ سو

خدا تعالیٰ نے اِس جلسہ کی وجہ سے کہ اس کے بندے ایک بڑی تعداد میں یہاں آئے اور اُنہوں نے اس کے ذکر کو بلند کیا اِس الہام کو بھی پورا کر دیا۔ جس طرح بادشاہ کے آنے پر لوگ تحفے دیا کرتے ہیں اسی طرح اس دفعہ خدا تعالیٰ نے کہا میرے بندے آئے ہیں چلو اِنہیں تحفہ کے طور پر میٹھا پانی ہی دے دو۔ چنانچہ سرکاری ٹکڑوں میں جہاں میرا گھر بنایا جانا تجویز کیا گیا ہے اُسی جگہ کے نیچے خدا تعالیٰ نے پانی نکال دیا ہے۔ پہلے یہاں پانی نہیں نکلتا تھا ہم نے لائلپور کے محکمہ کے ذریعہ تین جگہ بورنگ کروائی مگر بے سُود لیکن عین اُس جگہ کے نیچے جہاں میرا مکان تجویز کیا گیا تھا پانی نکل آیا۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہے کہ کنویں پر انجن لگا ہوا ہے اور وہی پانی آپ لوگ استعمال کر رہے ہیں۔

میں نے جماعت کو بار بار توجہ دلائی ہے کہ جن حالات سے ہم گذر رہے ہیں اِن سے بڑی بڑی قربانیاں ابھی ہمارے سامنے آنے والی ہیں۔ جیب سے کچھ خرچ کر کے گھروں میں بیٹھے ہوئے باہر مبلّغ بھیج دینے سے ہمارا مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ یہ کام تو دوسری سوسائٹیاں بھی کرسکتی ہیں۔ نبیوں کی قومیں ماریں کھاتی ہیں اور وطن سے نکالی جاتی ہیں۔ پس جب تک ہم بھی ان حالات سے نہیں گزریں گے ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔

تحریک جدید کے اعلان کے بعد میں نے متواتر خطباتِ جمعہ میں احباب کو اس طرف توجہ دلائی تھی۔ چنانچہ یہ پہلا موقع ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے ہم سے وہ کام کرایا ہے جو پچھلے انبیاء کی قومیں کرتی چلی آئی ہیں اور وہ یہ کہ ساری کی ساری قوم اپنے مرکز کو چھوڑ کر باہر آ گئی۔ جائدادیں لٹ گئیں، رشتہ دار مارے گئے، بہن بھائی قتل ہوئے، بعض عورتیں اُدھر ہی رہ گئیں۔ اب ہم اُن دروازوں سے گذرے ہیں جن سے انبیاء کی جماعتیں گزرا کرتی ہیں اور یقیناً اس کے نتیجہ میں جنت بھی تمہیں نصیب ہو جائے گی۔

لوگ کہتے ہیں قادیان سے نکلنے کے بعد ہم اپنے مقصد کو کھو بیٹھے ہیں میں کہتا ہوں کہ قادیان سے ہم نکلے اور ہم نے اپنے مقصد کو پا لیا کیونکہ ہم نے وہ کچھ کر لیا جو انبیاء کی جماعتیں کرتی چلی آئی ہیں۔ اگر ہم اِن دروازوں سے نہ گذرتے تو ایک نبی کی جماعت نہ کہلا سکتے۔ تم مجھے کسی ایک نبی کی قوم ہی دکھا دو جو بغیر تکلیفوں کے اور بغیر وطن سے نکلنے کے جیتی ہو۔

آخر دنیا کو فتح کرنا کوئی کھیل نہیں کہ ایک انجمن بنا لی اور مثلاً اس کا نام ''ترقی اسلام'' یا ''حمایت اسلام'' رکھ لیا اور سمجھ لیا کہ ہم اسلام کو دنیا میں غالب کر دیں گے۔ اِس قسم کی انجمنوں سے انبیاء کی قومیں نہیں جیتا کرتیں۔ انبیاء کی جماعتیں قتل کی جاتی ہیں، اُنہیں وطنوں سے نکالا جاتا ہے، اُن کی جائدادیں لوٹی جاتی ہیں تب وہ کامیاب ہوا کرتی ہیں۔

پھر ایک اور چیز بھی قابل غور ہے اور وہ یہ کہ اگر تم اپنے وطنوں سے نکالے گئے ہو، اگر تم میں سے بعض قتل کئے گئے ہیں اور تمہاری جائدادیں لوٹی گئی ہیں تو تمہارے ساتھ دوسرے لوگ بھی تو ہیں جن کے ساتھ ایسا سلوک ہوا یہ کیوں ہوا؟ میں کہتا ہوں آؤ ذرا قرآن کریم دیکھو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے نکلنے کے متعلق جہاں ذکر آتا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے مصر کو چھوڑا تو ان کے ساتھ وہ لوگ بھی تھے جو آپ کی جماعت میں شامل نہیں تھے۔ پس بعض دفعہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسے ابتلاء بھی لائے جاتے ہیں کہ وہ صرف نبی کی قوم پر ہی نہیں آتے بلکہ اُن کے ساتھ دوسروں پر بھی آتے ہیں مگر مقصود صرف نبی کی جماعت ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو غیر از جماعت لوگ آئے کنعان اُنہیں نہیں ملا۔ کنعان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو ملا۔ اِسی طرح تمہارے ساتھ جو دوسرے لوگ مشرقی پنجاب سے نکلے تھے اُنہیں کوئی مرکز نہیں ملا۔ مرکز ملا ہے تو تمہیں ملا ہے کیونکہ اس سے مقصود صرف تم ہی تھے۔ تم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہم اکٹھے رہیں گے خواہ جنگل میں ہی ہمیں بسنا پڑے۔ یہی عزم نبیوں کی جماعتوں میں پایا جاتا ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے عزم کر لیا تھا کہ وہ اکٹھے رہیں گے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں کنعان کا مُلک دے دیا لیکن اس کے غیر نے یہ عزم نہیں کیا تھا۔ یہی عزم ہے جو انبیاء کی جماعتوں کو کامیاب بناتا ہے۔ یہی عزم ہے جس کی طرف میں تمہیں توجہ دلاتا ہوں۔ تم یہ عزم کر لو کہ ہم اکٹھے رہیں گے اور خواہ ہمیں کتنی ہی تکلیفیں دی جائیں ہم کبھی جدا نہیں ہوں گے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مسیح کو کہا جائے گا کہ پہاڑوں پر جا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی یہی کہا گیا تھا کہ تو ہجرت کرے گا لیکن آپ فوت ہو گئے اور آپ کے زمانہ میں یہ بات پوری نہ ہوئی اب کیا اس کے یہ

معنی ہیں کہ وہ بات جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی کہی وہ نَعُوْذُ بِاللّٰہ جھوٹی نکلی؟ یا کوئی ایسی گنجائش ہے کہ اس کے معنی بدل سکیں؟ یاد رکھنا چاہیے کہ بخاری میں لکھا ہے جب دنیا سے ایمان اُٹھ جائے گا تو خدا تعالیٰ فارسی النسل لوگوں میں سے کچھ لوگ ایسے کھڑے کرے گا جو ایمان کو پھر اِس دنیا میں واپس لائیں گے۔ [۱۳] بعض روایات میں رجلٌ کا لفظ آتا ہے اور بعض روایات میں رجالٌ کا لفظ آتا ہے۔ یعنی یہ پیشگوئی ایک سے زیادہ اشخاص کے ہاتھ سے پوری ہوگی۔ رجالٌ کا لفظ استعمال کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ یہ پیشگوئی ایک ہی شخص کے متعلق نہ سمجھ لینا۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی واضح کر دیا کہ کسی نبی کے خلیفہ کے ذریعہ بھی اُس کی بعض پیشگوئیاں پوری ہو جاتی ہیں اس لئے ضروری نہیں کہ یہ پیشگوئی یعنی ہجرت کی پیشگوئی میرے ہی ذریعہ پوری ہو۔ ہوسکتا ہے کہ یہ پیشگوئی میرے کسی ظل کے ذریعہ سے پوری ہو۔ پھر میں نے جو رؤیا میں دیکھا کہ میں مسیح موعود ہوں تو اس سے بھی یہ سوال حل ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ میرا ایک بیٹا ہوگا جو حسن و احسان میں میرا نظیر ہوگا۔ [۱۴] پھر ازالہ اوہام میں لکھا ہے کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہمارے بعد کوئی اَور بھی مسیح کا مثیل بن کر آوے۔ [۱۵]

مجھے یاد ہے ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے مجھے فرمایا کہ میاں! اپنے ابا سے پوچھو تو سہی کہ وہ مسیح کونسے ہیں اور وہ کب ہوں گے؟ بہرحال جب اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت قریب آیا تو میں نے وہ رؤیا دیکھا جس میں میرے منہ سے نکلا اَنَا الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ مَثِیْلُہٗ وَ خَلِیْفَتُہٗ خدا تعالیٰ نے جب دیکھا کہ لوگ کہیں گے کہ یہ پیشگوئی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ پوری ہونی تھی تو اُس نے میرے منہ سے نکلوا دیا کہ اَنَا الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ ۔ میں بھی مسیح موعود ہوں گویا ساڑھے تین سال قبل اِس کی پیش بندی کر دی۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ اُس وقت ختم نہیں ہوا جبکہ وہ فوت ہوئے بلکہ وہ جاری رہنے والا تھا اور اُس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک کہ اسلام قوت نہیں پکڑتا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ میرا زمانہ اس لئے حضرت مسیح موعود کا زمانہ

ہے کہ دوبارہ بعثت مسیحی میں ابھی کچھ وقفہ ہے اس لئے میں اس وقفہ کو پورا کرنے کیلئے ہوں۔ جب وہ ہوگی تو یہ خلیج پاٹ کر ایک ہی زمانہ پھر شروع ہو جائے گا۔ پس درحقیقت آپ کا زمانہ ممتد ہے میرے زمانہ تک۔ جب تک میں ہوں اُس وقت تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہی زمانہ ہے پھر اَور مسیح ہوں گے شاید وہ کچھ وقفہ کے بعد ہوں لیکن مقدر یہی ہے کہ اسلام کے استحکام کے لئے بار بار مسیح دنیا میں آئیں اور انہیں آنا چاہیے کیونکہ جتنا نقصان مسیحؑ کی اُمت نے اسلام کو پہنچایا ہے اتنا نقصان اور کسی نے نہیں پہنچایا اس لئے اسلام کے استحکام پر بھی خدا تعالیٰ مسیح کی اُمت کو ہی لگانا چاہتا ہے۔

غرض تمام پیشگوئیوں سے ظاہر ہے کہ یہ زمانۂ مسیح موعود ہے اور میں اُن کا بروز اور اُن کا نام پانے والا ہوں۔ پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا مسیح موعود سے کہے گا کہ پہاڑ پر چلے جاؤ تو اِس سے مراد میں تھا۔ چنانچہ مجھے بتایا گیا کہ میں قادیان سے ہجرت کر کے ایک پہاڑی علاقہ میں جاؤں گا۔ پھر جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آؤ ہم ایک نیا آسمان اور نئی زمین بنائیں جس میں سلسلہ کا نیا مرکز بنانے کی طرف اشارہ تھا تو اِس سے بھی مراد میں تھا۔ پھر جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہر نبی کے لئے ہجرت ضروری ہے اس لئے ان کو بھی ہجرت کا موقع ملے گا تو اس سے میں ہی مراد تھا کہ میرے ذریعہ سے آپ کو ہجرت نصیب ہوگی اور یہ سمجھایا گیا تھا کہ نادان اور کمزور کہیں گے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاش کو قادیان میں چھوڑ کر چلے گئے اس لئے اُن کو سمجھانے کے لئے خدا تعالیٰ نے کہا کہ نہیں مسیح موعود خود قادیان سے نکل کر ہجرت کر گیا یعنی میرے وجود میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح حلول کر کے قادیان سے آ گئی ہے۔ نادان کہے گا وہ اَور تم اَور، دو وجود ایک کیسے ہو گئے؟ میں انہیں کہتا ہوں یہ اُسی طرح ہوا جس طرح خدا کی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ جب مریم اور مسیح ایک ہو سکتے ہیں تو میں اور مسیح ایک کیوں نہیں ہو سکتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے کہ میں مریم بھی ہوں اور مسیح بھی ہوں۔ [۱۶] پھر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں کہا کہ خدا ایک ہے اُس کا کوئی شریک نہیں تو

کفار نے کہا اِس نے تو سب خداؤں کو ایک بنا دیا ہے۔ اگر سب خداؤں کو ملا کر ایک خدا کی تعلیم دی جا سکتی ہے، اگر مریم اور مسیح ایک ہو سکتے ہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے مسیح کا نام پانے والا بھی ایک ہو سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی باتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ جو الٰہی رازوں کو نہیں سمجھتے وہ اعتراض کر دیتے ہیں۔

۱۳۰۰ سال ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے مگر خدا تعالیٰ نے کہا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری زمانہ میں عرب سے ہجرت کر کے مسجد اقصیٰ میں آئیں گے۔ وہ کونسا نسخہ ہے جس سے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب سے ہندوستان میں لاتے ہو۔ پھر اُس نے اِس وعدہ کو دُہرا کر فرمایا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پناہ گزین ہوئے قلعہ ہند میں'' [کا] وہ کونسا نسخہ ہے یا وہ کونسی تاویل ہے جس کے ذریعہ تم اِس الہام کو حل کرتے ہو۔ اگر تمہارے خیال میں یہ سب باتیں سچی تھیں اور تم اِنہیں سچی کہتے ہو تو اس رنگ میں تم اس مشکل کو بھی حل کر سکتے ہو۔ کیا یہ ہوا کرتا ہے کہ مُردے واپس آ جائیں؟ مگر جبکہ تمہارے دشمن کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے ایسا نہیں ہوسکتا، تم کہتے ہو ہو گیا اور مسیح موعود کے ذریعہ سے ہو گیا اب بھی منافق کہتا ہے یہ کیونکر ہوا؟ میں کہتا ہوں جس طرح خدا تعالیٰ کی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ ایلیا یوحنا کے ذریعہ سے آیا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسیح موعود کے ذریعہ سے آئے اور مسیح موعود میرے ذریعہ سے آئے۔ اگر نہیں آئے تو بتاؤ کیا وہ پیشگوئیاں جھوٹی نکلیں؟ کب گئے تھے مسیح موعود پہاڑ پر؟ کب اُنہوں نے ہجرت کی؟ کیا خدا تعالیٰ نے جھوٹ بولا یا تم نے جھوٹ سمجھا؟ مگر خدا تعالیٰ جھوٹ نہیں بولتا۔ جھوٹا منافق یا کافر ہی ہوتا ہے مگر مؤمن خدا تعالیٰ کی باتوں پر ایمان لاتا ہے خواہ اس کے لئے اسے سر ہی کیوں نہ دینا پڑے۔

اے سننے والو سُنو، اور اے سوچنے والو سوچو! جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ دنیا نہیں چاہتی تھی کہ ایسا ہو مگر خدا تعالیٰ چاہتا تھا کہ ایسا ہو۔ خدا تعالیٰ کی باتیں پوری ہو چکی ہیں جن کی آنکھیں ہیں دیکھتے ہیں، جن کے کان ہیں سنتے ہیں، منکر انکار ہی کرتے چلے جائیں گے، بہرے یہی کہتے جائیں گے کہ کوئی آواز نہیں آئی، اندھے یہی کہتے جائیں گے کہ ہمیں کچھ نظر نہیں آیا لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ وہ پیشگوئی جس میں کہا گیا تھا کہ مسیح موعود پہاڑی علاقہ میں جائے گا اور وہ

پیشگوئیاں جن میں کہا گیا تھا کہ اے پہاڑو! اور اے پرندو! ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم مسیح موعود کے ساتھ مل کر ذکرِ الٰہی کرو، اِن پیشگوئیوں کو پورا کرنے والا پھر پیدا نہ ہوگا کیونکہ یہ پوری ہو چکی ہیں۔ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں مسیح علیہ السلام آسمان پر ہیں اور وہ دوبارہ اِس دنیا میں آئیں گے مگر یہ لوگ اسی طرح انتظار کرتے جائیں گے یہاں تک کہ نسل کے بعد نسل گزرتی جائے گی لیکن آسمان سے کوئی نہیں آئے گا۔ اِسی طرح میں کہتا ہوں کہ لوگ شاید اِس انتظار میں ہوں کہ کوئی اَور مسیح آئے گا جو پہاڑی علاقہ میں جائے گا اور جس کے ساتھ پہاڑ اور پرندے مل کر ذکرِ الٰہی کو بلند کریں گے لیکن وہ انتظار کرتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ اُن کی نسل کے بعد نسل گذر جائے گی اور غالباً یہ انتظار کرنے والے احمدی ہی ہوں گے مگر وہ مسیح جسے پہاڑ پر جانے اور ایک نئی بنیاد رکھنے کا حکم تھا وہ اب کبھی نہیں آئے گا کیونکہ وہ آ چکا ہے۔ اب قیامت تک دوسرا ان پیشگوئیوں کا پورا کرنے والا پیدا نہ ہوگا۔ منافق ہنستے چلے جائیں گے، منکر انکار کرتے جائیں گے مگر ایک دن ان کی امیدوں کا پودا خشک ہو جائے گا، اُمنگوں کی عمارت گر جائے گی تب وہ حسبِ عاداتِ منکرین سرے سے ان پیشگوئیوں ہی کا انکار کر دیں گے۔ مگر جس طرح انتظار سے کچھ نہیں بنے گا انکار سے بھی کچھ نہیں بنے گا دُلہنیں اپنے سنگھار سے خوش وخرم ہوں گی، بیوائیں خون کے آنسو بہاتی چلی جائیں گی۔

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ربوہ کی پوزیشن کیا ہے۔ **ربوہ کو خدا تعالیٰ نے مسیح موعود کا دوسرا مسکن مقرر فرمایا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسیح موعود کی الہامی جائے پناہ قرار دیا ہے۔ میرے الہامات نے اس پیشگوئی کے قرب میں پورا ہونے کا اعلان کیا ہے۔ سو اب یہ مقدس ہے جس طرح خدا تعالیٰ کی مقدس جگہیں ہوتی ہیں۔** مجھے تعجب آتا ہے کہ سکھ تو اپنے گوروؤں کی جگہ کو مقدس سمجھتے ہیں لیکن ہماری جماعت کا یہ عجیب احساس ہے کہ وہ سمجھتی ہے جو چاہے یہ حق لے لے حالانکہ سب سے پہلے ہمارا حق ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کی جگہوں کو مقدس کہیں کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مقدس قرار دی گئی ہیں۔

پس اب یہ ایک مقدس مقام ہے اور یہاں کی عبادتیں دوسری جگہوں کی عبادتوں سے اچھی

ہیں اور یہاں کی رہائش دوسری جگہوں کی رہائش سے اچھی ہے۔ لوگ کہیں گے کیا یہ مکہ ہے؟ میں کہوں گا نہیں۔ لوگ کہیں گے کیا یہ بیت المقدس ہے؟ میں کہوں گا نہیں۔ لوگ کہیں گے کیا یہ مدینہ ہے؟ میں کہوں گا نہیں۔ لوگ کہیں گے اچھا تو کیا یہ قادیان ہے؟ میں کہوں گا نہیں۔ لوگ کہیں گے پھر یہ کیا ہے اور یہ گرد و غبار کی جگہ جو رہائش کے لئے بھی موزوں نظر نہیں آتی جو ہزاروں سال سے ویران پڑی تھی جس کے متعلق گورنمنٹ کے کاغذات میں بھی یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ کاشت کے ناقابل ہے یہ کس طرح مقدس ہوگئی اور اس کو برکت کہاں سے ملی؟ میں کہوں گا یہ خدا تعالیٰ کے مقدسوں کی جائے پناہ ہے اور اِس کو وہیں سے برکت ملی ہے جہاں سے باقی مقدس مقاموں اور بہت سے جانے نہ جانے مقامات کو برکت ملی ہے۔

ایک عورت اور ایک بچہ آج سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال پہلے خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے نکلے تھے اور ایک جگہ نے ان کو پناہ دی۔ زمین نے انہیں پانی دے دیا۔ اُس جگہ میں کیا رکھا تھا؟ وہ بے آب و گیاہ جگہ تھی اور کوئی جانا پہچانا نبی ہمیں ایسا معلوم نہیں ہوتا جو وہاں رہ کر عبادتیں کیا کرتا ہو لیکن خدا تعالیٰ نے جب دیکھا کہ اس زمین نے میرے پیاروں کو پناہ دی ہے تو اُس نے کہا میری رضا کی تلاش کرنے والی روحوں کو پناہ دینے والی جگہ تُو بابرکت ہوجا اور وہ بابرکت ہوگئی۔ اُس جگہ کو برکتیں ملنے کی وجہ صرف اتنی تھی کہ اس نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو پناہ دی اور جب اس نے پناہ دی تو خدا تعالیٰ نے عرش سے اسے دیکھ کر کہا کہ اے زمین! تو نے میری رضا کی خاطر بھاگنے والوں کو پناہ دی ہے۔ دنیا تجھے بیکار سمجھتی ہے، تو کسی کام کی نہیں تھی مگر تو نے وہ کام کیا جو کسی نے نہ کیا جو سرسبز و شاداب کھیتوں نے نہ کیا۔ میں کہتا ہوں تو ہوجا بابرکت۔ جس ذات نے کُنْ [18] کہا اور سب چیزیں پیدا ہوگئیں اُسی ذات نے اُسے کہا تو بابرکت ہوجا اور وہ بابرکت ہوگئی۔ وہ پناہ لینے والے بھی فوت ہوگئے اور ان پناہ لینے والوں کی اولاد بھی کچھ عرصہ بعد روزی کی تلاش میں اُس جگہ کو چھوڑ کر مُلک میں پھیل گئی۔ صدیوں بعد زمانۂ محمدی کے قریب پھر ایک باہمت انسان انہیں مکہ میں جمع کر کے لایا لیکن وہ بابرکت رہی تب بھی جب وہ آباد تھی اور وہ بابرکت رہی تب بھی جب وہ ویران تھی۔ وہ بابرکت تھی جب خدا تعالیٰ کا آخری اعلان وہاں سے سنایا گیا اور وہ بابرکت تھی جب کہ خدا تعالیٰ کا

آخری شارع وہاں سے مجبور کر کے نکال دیا گیا کیونکہ خدا تعالیٰ کی یہ سنّت ہے کہ جگہوں کی برکت واپس نہیں کی جاتی کیونکہ وہ گناہ نہیں کرتیں جس کے خمیازہ میں ان سے برکت چھینی جائے۔ آدمی گناہ کرتے ہیں، خاندان گناہ کرتے ہیں اور اُن سے برکتیں چھین لی جاتی ہیں لیکن جگہوں سے برکتیں واپس نہیں لی جاتیں۔

پھر ایک خدا کا بندہ اور اُس کی قوم شاہانِ مصر کے ظلموں سے تنگ آ کر مصر سے نکلے۔ کنعان کی زمین نے اُن کو پناہ دی۔ پس کنعان کا دل یروشلم بابرکت ہوگیا۔ وہ بابرکت رہا اُس قوم کی نبوت کے زمانہ میں۔ اور وہ بابرکت رہا اُس قوم کی نبوت کے ختم ہونے کے بعد بھی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ جب کسی جگہ کو برکت دیتا ہے تو پھر اُسے واپس نہیں لیتا۔ کیونکہ انسان کبھی خدا تعالیٰ کا باغی ہو کر برکت کھو بیٹھتا ہے مگر جگہ باغی نہیں ہوتی اس لئے اُس کی برکت دائمی ہوتی ہے۔ وہ زندہ پیغام سے کم بابرکت ہوتی ہے مگر بوجہ موت نہ آنے کے ہوتی ہمیشہ کے لئے بابرکت ہے۔

ایک خدا کا پہلوان، کائنات کا اصلی راز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے ظلموں سے تنگ ہو کر مکہ جیسی بابرکت بستی کو چھوڑ کر نکلا۔ یثرب نے اُس کے لئے اپنی گود کھول دی۔ یثرب کی بیٹیوں نے اُس کے راستہ میں اپنی آنکھیں بچھا دیں۔ عرش پر خدا تعالیٰ نے یہ نظارہ دیکھا اور وہ خوش ہوگیا۔ اُس نے کہا یہ زمین جس نے میرے پیارے کو برکت دی، برکت والی ہوا اور وہ برکت والی ہوگئی۔ خدا تعالیٰ نے مکہ سے برکت نہیں چھینی کیونکہ اُس کی برکتوں کا خزانہ محدود نہیں ہے۔ اُس نے نئی برکت اُس دوسری بستی کو دے دی۔ پھر وہ محبوب بھی اِس دنیا سے چلا گیا اُس کا بنایا ہوا مرکز بھی وہاں سے نکل کر عراق اور شام کی طرف منتقل ہوگیا مگر اُس جگہ کی برکت قائم رہی کیونکہ خدا تعالیٰ جو انعام کیا کرتا ہے اُسے بلا وجہ واپس نہیں لیا کرتا۔ پھر ایک زمانہ آیا کہ اسلام غریب ہوگیا۔ خدا تعالیٰ اپنی مملوکہ دنیا میں ایک اجنبی کی طرح دیکھا جانے لگا اور اُس کی مہمان نوازی سے دنیا نے انکار کر دیا۔ مگر قادیان کے ایک فرد نے اُسے اپنے دل میں جگہ دی، عزت سے اپنے گھر لے گیا اور خدا تعالیٰ نے کہا اے قادیان کی بستی! تو بابرکت ہو جا اور وہ بابرکت ہوگئی۔ وہ برکت اب کبھی نہیں چھینی جائے گی، اس کا جھنڈا کبھی سرنگوں نہ ہوگا۔

برکتوں والے لوگ وہاں سے چلے جائیں، برکتوں والے ادارے وہاں سے منتقل ہو جائیں مگر برکت وہاں سے نہیں جائے گی۔ جو بھی اور جب بھی وہاں برکت کے لئے جائے گا اُسے وہاں برکت ملے گی۔ پھر ایک دن آیا کہ دنیا کی وجاہت چاہنے والوں نے اس پُر امن بستی پر حملہ کیا اور خدا تعالیٰ کی یاد میں بسر کرنے والے اور صداقت کو پھیلانے والے مسکین بندے قادیان کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے، وہ گھروں سے پریشان ہو کر نکلے اُنہوں نے چاروں طرف نگاہ کی، معمور شہروں، آباد قصبوں اور زرخیز زمین نے انہیں پناہ دینے سے انکار کر دیا، ان کے ساتھ بھاگنے والے چاروں طرف پھیل گئے مگر یہ حیران تھے کہ ہم کہاں جائیں کیونکہ وہ ایک مقصد رکھتے تھے اور اس کے لئے اکٹھا رہنا ان کے لئے ضروری تھا۔ وہ خدا تعالیٰ کے سپاہی تھے اور اکٹھا رہنا اور اکٹھا لڑنا جانتے تھے۔ وہ حیران تھے کہ چناب پار کی پہاڑیوں نے اُنہیں دعوت دی، بہتے ہوئے پانی کے پاس ایک اونچے ٹیلے نے کہا اے خدا کی راہ میں بھاگنے والو! اِدھر آؤ۔ میری چھاتیوں میں دودھ نہیں ہے مجھے کبھی بھی دنیا کے نوجوانوں نے اپنے لئے قبول نہیں کیا مگر میں اپنی خشک چھاتیاں اور جھلسا ہوا سینہ تمہارے لئے پیش کرتی ہوں اور ان بھاگنے والوں نے خدا کا شکر کیا اور اِس جگہ ڈیرہ ڈال دیا۔ جس طرح مکہ میں ایک دائی کو سب لوگوں نے اپنے بچے دینے سے انکار کر دیا تھا مگر اُس نے خالی ہاتھ جانا پسند نہ کیا اور وہ ایک ایسے بچے کو لے گئی جو یتیم تھا، جس کی ماں بیوہ تھی اور جس کے گھر سے اُسے کچھ ملنے کی امید نہ تھی۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ نے اِنہیں بھی ایک ایسی دائی دی جس کا گھر آمنہ کے گھر کی طرح خالی تھا۔ پس اُنہوں نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اُنہوں نے اس میں خدا تعالیٰ کی باتوں کو پورا ہوتے دیکھا اور خدا تعالیٰ نے بھی عرش سے اِس امر کو دیکھ کر کہا اے بے آب و گیاہ وادی! تُو بابرکت ہو کہ تو نے میرے لئے بھاگنے والوں کو پناہ دی اور وہ بابرکت ہوگئی۔ اس نے یہ برکت کسی اَور سے نہیں چھینی۔ مکہ کی برکتیں اُسی کے پاس ہیں، یروشلم کی برکتیں اُسی کے پاس ہیں۔ مدینہ کی برکتیں اُسی کے پاس ہیں، قادیان کی برکتیں اُسی کے پاس ہیں، اِس کو یہ برکت خدا کے خزانہ سے ملی ہے جس کے خزانے غیر محدود ہیں۔ وہ جو اِس پر حسد کرتا ہے حسد کرتا چلا جائے۔ دینے والے نے دے دیا اور لینے والے نے لے لیا۔ اب حاسد کے لئے سوائے دانت پیسنے اور رونے کے

کچھ نہیں۔ اب یہ جگہ ہمیشہ کے لئے بابرکت ہے خواہ ہمیں اِسے کسی وقت چھوڑنا ہی پڑے۔ اس کی برکت اس سے کبھی چھینی نہیں جائے گی بلکہ پیش گوئیوں سے جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ قیامت سے پہلے یہ جگہ ضرور ایک دفعہ علم محمدی کے سربلند کرنے کا موجب ثابت ہوگی اور اسرافیل یہاں سے ایک دفعہ ضرور اپنا صور پھونکے گا لیکن میں کہتا ہوں خواہ اوپر کے امور میں سے کوئی بھی درست نہ ہوتا پھر بھی جماعت کے لئے ایک مرکز کی ضرورت تھی۔ اگر کسی کے پاس روحانی آنکھیں نہیں کہ وہ اِس چیز کی اہمیت کو محسوس کر سکے تو کم از کم اتنی عقل تو اُس میں ہونی چاہیے کہ وہ اِس بات کو سمجھ سکے کہ بغیر مرکز کے جماعت ترقی نہیں کر سکتی۔

قادیان بے شک ہمارا مرکز ہے مگر اِس کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہماری زندگی کی بنیاد رکھنے والا ہے۔ پس جب کبھی ہمارا عملی مرکز وہاں سے جدا ہو، اس عرصہ میں بھی کوئی نہ کوئی مرکز ضروری ہے تاکہ اجتماعی کام خوش اسلوبی سے ہوسکیں وہ ربوہ نہ سہی کوئی سہی۔ اور اَور کوئی نہ ہو تو ربوہ سہی۔ بہرحال جب تک ہم اکٹھے نہیں رہیں گے اُس وقت تک اسلام کی ترقی کے لئے سکیمیں کس طرح بنائیں گے۔ اکٹھے نہ بیٹھیں گے تو مل کر کام کس طرح کریں گے۔ ہمارے مبلغ کہاں تیار ہوں گے، لٹریچر کہاں تیار ہوگا، لائبریریاں کہاں قائم ہوں گی، دین سیکھنے کے خواہش مند دین کہاں سیکھیں گے، روپیہ کہاں جمع ہوگا، سکول کہاں بنائے جائیں گے، مبشرین کی کلاسیں کہاں کھولی جائیں گی۔ پس اگر یہ پیش گوئیاں نہ بھی ہوں تب بھی ہمیں کوئی نہ کوئی جگہ مرکز کے لئے اختیار کرنی پڑے گی۔ اگر کسی کے پاس روحانی آنکھیں نہیں تو بے شک وہ ان باتوں کو نہ مانے جن کو میں نے ابھی بیان کیا ہے اِس میں میرے لئے گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی باتیں ہیں جو پوری ہو کر رہیں گی لیکن انہیں کم از کم اتنا تو ماننا پڑے گا کہ ہمارے لئے اپنے کام کو جاری رکھنے کے لئے مرکز بنانا ضروری ہے اور جب ہمیں کسی نہ کسی جگہ مرکز بنانا ہی پڑے گا تو اس کو آباد کرنا بھی جماعت کا ہی کام ہے۔ قادیان سے نکلنے کے بعد ہمارا کام بہت ترقی کر گیا ہے۔ وہی مبلّغ جو دوسرے ممالک میں بیٹھے نہایت سستی کے ساتھ کام کر رہے تھے اُنہیں یکدم ہوش آ گیا اور وہ بڑے بڑے عالم اور فقیہہ بن گئے ہیں اور اپنے کام کو اُنہوں

نے وسیع کر لیا ہے۔ قادیان سے نکلنے سے پہلے ہماری جماعت جتنی معروف تھی اُس سے کئی گنا زیادہ اب معروف ہے۔ قادیان سے نکلنے سے پہلے جتنے لوگ اس کی طرف متوجہ تھے اُس سے بہت زیادہ لوگ اب توجہ کر رہے ہیں۔ غرض قادیان سے نکلنے کے بعد ہمارے مشنوں میں یکدم بیداری پیدا ہوگئی ہے اور اب وہ جوان ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے ہماری ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں اور مبلّغ بننے کے لئے باہر سے لوگ آ رہے ہیں۔ شروع میں مسٹر کنزے اور ایک دو چینی طالب علم آئے تھے اب رشید احمد (امریکن نَومسلم) آئے ہیں ابھی ایک اور جرمن اور ایک امریکن خاتون دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے یہاں آنے والے ہیں اُن کی تعلیم کا انتظام ہمیں کرنا ہوگا۔ اب اگر مرکز نہ ہو تو یہ کہاں تعلیم حاصل کریں گے۔ قادیان میں ہمارے سکول تھے، کالج تھا، جامعہ احمدیہ تھا، لڑکیوں کا سکول تھا، کروڑوں کی جائدادیں تھیں، بارہ تیرہ مساجد تھیں، دفاتر تھے یہاں پر سب عمارتیں نئے سرے سے بنانی پڑیں گی۔ پھر قادیان میں کارکنوں کے اپنے مکانات تھے اور یہاں وہ بھی بنانے پڑیں گے۔ ان سب کیلئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ ۱۹۴۷ء میں میں نے ایک لاکھ روپیہ کی تحریک کی تھی لیکن دو جلسوں پر اور عارضی رہائش کے لئے عمارتیں بنانے میں ہی بہت زیادہ روپیہ خرچ ہوگیا ہمارا اندازہ تھا کہ پندرہ ہزار میں سوائے چند پکی عمارتوں کے کچی عمارتیں بن جائیں گی۔ مسجد مبارک کے لئے تو دوستوں نے چندہ دیا ہے اور امید ہے کہ ایک دو ماہ کے اندر اندر مسجد تیار ہو جائے گی۔ پھر بڑی مسجد کے لئے چندہ کا اعلان کیا جائے گا اِس کے بعد ہمیں سکولوں اور کالجوں کے لئے بھی چندہ کرنا پڑے گا۔ سلسلہ کی مالی حالت یہ ہے کہ ہندوستانی جماعتوں کا چندہ جو دو لاکھ روپیہ تھا اب نہیں ملتا اور اِدھر کام بڑھ گیا ہے۔ میں نے یہ تجویز کی ہے کہ گورنمنٹ نے زمین کی جو واجبی قیمت تھی وہ تو لے لی ہے۔ جب ہم یہاں بس جائیں گے تو کالجوں اور سکولوں کی وجہ سے لازماً لوگ یہاں مکان بنائیں گے اس لئے جو زیادہ قیمت مل سکے وہ ہمارا حق ہے اور ہمیں لینی چاہیے کیونکہ ہماری وجہ سے لوگ یہاں بسیں گے اور مکانات بنائیں گے۔ پس میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے وقت میں اِس جگہ کی آبادی کے لئے جو سامان کرے گا اُسی روپیہ سے عمارتیں بن جائیں گی۔ تین لاکھ پچاس ہزار کی زمین فروخت ہو چکی ہے اور اِس سے عارضی مکانات بنائے

جائیں گے لیکن اِن اخراجات میں سے کچھ حصہ ایسا بھی ہے جو واپس آ جائے گا۔ مثلاً لکڑی ہے یہی لکڑی دوسرے مکانات کے کام آ جائے گی۔ یہ خدا تعالیٰ کی تدبیر تھی کہ بجائے اِس کے کہ وہ ہم پر کوئی نیا بوجھ ڈالے، ہمیں اِس زمین سے ہی روپیہ مل رہا ہے۔ اب زمین بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ صرف چار سَو کنال کا ٹکڑا ایسا رہ گیا ہے جو فروخت نہیں ہوا جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر یہی قیمت رہی تو تین لاکھ روپیہ کی اور امید ہو سکتی ہے مگر بعد میں آنے والوں کو مرکز میں دیر سے آنے کا کچھ خمیازہ بھی بھگتنا چاہیے۔ اگر زمین کی قیمت کچھ بڑھا دی گئی تو شاید کچھ اور رقم آ جائے اور پندرہ سولہ سَو روپیہ مزید مل جائے۔ اگر میری یہ رائے صحیح ہے کہ یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کا قائم کردہ ہے بلکہ میں رَای العین کی طرح کہہ سکتا ہوں کہ یہ خدا کا قائم کردہ ہے تو پندرہ سَو کیا پندرہ ہزار بھی آ جائیں گے بہرحال اِس وقت ہمیں پندرہ لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے تین لاکھ پچاس ہزار کی تو زمین بِک چکی ہے اور تین چار لاکھ روپیہ کی اَور آمد ہوگی مگر ضرورت ہے پندرہ لاکھ روپیہ کی۔ آٹھ لاکھ روپیہ باقی رہ جاتا ہے وہ کہیں سے پورا کرنا ہے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ چندہ حفاظت مرکز کے وعدے جن کے ذمہ واجب الادا ہیں وہ ادا کر دیں۔ اگر ان لوگوں نے جو اَب سستی کر رہے ہیں کوشش کی تو شاید چار پانچ لاکھ اَور بھی جمع ہو جائے۔ یہ بارہ تیرہ لاکھ کے قریب ہو جاتا ہے۔ رہ گیا تین لاکھ روپیہ اِس کے لئے میں چند تجاویز دوستوں کے سامنے رکھتا ہوں جن پر عمل کر کے وہ بغیر تکلیف اُٹھائے ربوہ کی آبادی میں مدد دے سکتے ہیں۔

یہ تو میں نے اشارہ کر دیا ہے کہ جو یہاں آنا چاہتے ہیں وہ آ جائیں ورنہ بعد میں ہزار ہزار، پندرہ پندرہ سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے بھی زمین نہیں مل سکے گی۔ دوست اگر کوشش کریں تو یہ کوئی مشکل امر نہیں اگر وہ الگ الگ زمین لیں تو شاید سالوں میں بھی یہاں مکان نہ بنا سکیں لیکن اگر دو دو، تین تین مل کر ایک ٹکڑہ خرید لیں اور مکان بنا لیں، پھر دوسرا ٹکڑا خرید لیں اور مکان بنا لیں تو بڑی آسانی سے وہ یہاں مکان بنا سکتے ہیں۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ امانت تحریک جدید اور امانت صدر انجمن احمدیہ کی برکت کو تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہے یہاں روپیہ جمع کرنے کی وجہ سے گذشتہ فسادات میں ہزاروں احمدیوں کا

روپیہ بچ گیا ہے۔ جو لوگ امانت تحریک جدید میں یا صدر انجمن احمدیہ کے پاس روپیہ رکھواتے تھے ان کی ساری کی ساری رقمیں محفوظ رہی ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص نے پانچ ہزار روپیہ امانت میں رکھوایا تھا تو اُسے پانچ ہزار کا پانچ ہزار ہی مل گیا ہے اور اِدھر آ کر اُس نے اس سے مختلف تجارتیں اور دوسرے کاروبار کامیاب طور پر چلا لئے ہیں لیکن جنہوں نے امانت میں روپیہ نہیں رکھوایا تھا بلکہ نفع کی خاطر کسی اور شخص کو دے دیا تھا اور کہتے تھے کہ ہمیں پچیس فیصدی منافع ملے گا، اُن کو نہ پچیس فیصدی منافع ملا اور نہ اصل رقوم ہی ملیں۔ پچیس فیصدی منافع لیتے لیتے اُن کی اصل رقوم بھی ضائع ہوگئیں۔ اب بھی میں بتاتا ہوں کہ تمہارا فائدہ اِسی میں ہے کہ تم اپنا روپیہ امانت تحریک جدید یا امانت صدر انجمن احمدیہ میں جمع کراؤ یہ مفت کا ثواب ہے جو تمہیں حاصل ہوسکتا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص اپنا سارے کا سارا روپیہ تجارت میں نہیں لگاتا۔ فرض کرو تم پانچ پانچ روپے بھی امانت تحریک جدید یا امانت صدر انجمن احمدیہ میں جمع کراؤ تو دس لاکھ روپیہ جمع ہو جاتا ہے پھر روپیہ واپس لینے میں کوئی مشکل بھی نہیں۔ کسی نوٹس کی ضرورت نہیں چاہے آج جمع کراؤ اور کل لے جاؤ۔ بلکہ میں کہتا ہوں اگر کسی میں ایمان ہو تو جب وہ ربوہ میں آئے تو اگر اس کے پاس پانچ روپے بھی ہوں تو وہ آتے ہی یہاں جمع کرا دے اور پھر جاتے ہوئے لے لے۔ اِس طرح چھوٹی سے چھوٹی رقم سے بھی جماعت فائدہ اُٹھا سکتی ہے۔ آپ کہیں گے کہ چھوٹی چھوٹی رقوم سے کس طرح فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے؟ سو یہ ایک اقتصادی راز ہے جو ہر شخص نہیں جانتا مگر میں بتا دیتا ہوں کہ وہ کیا ہے۔ دنیا میں جتنے بینک ہیں اِن کے پاس امانتیں ہوتی ہیں اور وہ اِن امانتوں سے بڑی بڑی آمدنیں پیدا کر لیتے ہیں۔ ایک دفعہ الائیڈ بنک کا جنرل مینیجر جو انگریز تھا مجھے امرتسر سے ملنے کے لئے آیا اور اُس نے کہا مجھے پتہ لگا ہے کہ آپ کے خزانہ میں دس پندرہ لاکھ روپیہ پڑا ہے وہ آپ ہمارے بنک میں کیوں جمع نہیں کرا دیتے ہم آپ کو ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائیں گے۔ میں نے کہا تم امرتسر سے چل کر یہاں آئے ہو آخر کوئی بات تو ہے۔ اُس نے کہا یہ دس پندرہ لاکھ روپیہ ہمارے بینک میں جائے گا تو ہم بہت کچھ کما لیں گے۔ میں نے اُسے کہا تم مجھے وہ راز بتاؤ جس کے ذریعہ تم اِس روپیہ سے بہت کچھ کما لو گے۔ میں نے تو اپنے دفتر والوں کو یہ ہدایت دی ہوئی ہے کہ روپیہ میں سے اٹھنی خرچ کرنی ہے

اٹھنی خرچ نہیں کرنی۔ اُس نے کہا ہم تو دس آنہ میں سے ایک آنہ رکھتے ہیں نو آنے خرچ کر لیتے ہیں مثلاً ایک لاکھ روپیہ اگر ہمارے پاس ہو تو نوے ہزار سے ہم تجارتیں کرتے ہیں اور دس ہزار خزانہ میں پڑا رہتا ہے۔ کبھی گاہک اتنا روپیہ ایک ہی دفعہ آ کر نہیں لیتا۔ میں نے کہا میں تو روپیہ میں سے اٹھنی سے زیادہ خرچ کرنے کی اجازت نہیں دیا کرتا۔ جب ہم قادیان سے نکلے تو یکدم ریلا آ پڑا اور لوگ اپنی اپنی رقمیں واپس لے گئے کیونکہ کسی نے تجارت شروع کر دی اور کسی نے کوئی اور کام شروع کر دیا اور اس کے لئے اُنہیں روپیہ کی ضرورت تھی۔ میری تجویز یہ تھی کہ روپیہ میں سے آٹھ آنے خرچ کرو آٹھ آنے محفوظ رکھو جب لوگ روپیہ واپس لینے آئے تو میں نے کہا ہر ایک کو اُس کا روپیہ دے دو۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خزانہ سے بارہ تیرہ لاکھ روپیہ یکدم نکل گیا لیکن پھر بھی ہمارے پاس امانت پڑی رہی۔ غرض امانت رکھنا بڑی مفید چیز ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے لئے تو اللہ تعالیٰ نے امانت کو روزی کا ایک ذریعہ بنایا ہے۔ ہم اپنے پاس امانتیں رکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ ہمارا گزارہ چلا رہا ہے۔ ضرورت کے وقت امانت میں سے ہم روپیہ نکالتے ہیں اور خرچ کر لیتے ہیں اور جب روپے والا اپنی رقم واپس لینے آتا ہے تو اُس کے لئے بھی روپیہ موجود ہوتا ہے۔ غرض امانت سے سلسلہ کو بہت بڑی مدد مل سکتی ہے اس لئے میں تحریک کرتا ہوں کہ دوست زیادہ سے زیادہ رقوم امانت تحریک جدید اور امانت صدر انجمن احمدیہ میں جمع کرائیں۔ اگر دوست صحیح طور پر اِس پر عمل کریں تو میرا خیال ہے کہ ہمارے پاس اتنا روپیہ جمع ہو سکتا ہے کہ کسی قسم کا چندہ لینے کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔ غرض اپنا روپیہ امانت تحریک جدید اور امانت صدر انجمن احمدیہ میں جمع کرانا شروع کر دو اِس سے ہمیں بہت بڑی امداد مل جائے گی۔ اِدھر میں دفتر والوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ جس طرح شہر کا بینک ضرورت کے وقت بغیر کٹوتی کے روپیہ ادا کر دیتا ہے اِسی طرح وہ بھی روپیہ واپس مانگنے پر بغیر کسی کٹوتی کے روپیہ بھیج دیا کریں۔ مثلاً منٹگمری کا ایک آدمی ہے اُس نے اپنے شہر کے بنک میں روپیہ جمع کرایا ہے اُسے جب بھی ضرورت ہوگی وہاں جائے گا اور رقم لے لے گا اور پوری کی پوری لے گا اس پر کوئی منی آرڈر فیس وغیرہ نہیں لگے گی۔ اِسی طرح اگر آپ بھی کریں گے اور روپیہ واپس مانگنے پر بغیر کسی کٹوتی کے دے دیں گے تو روپیہ جمع کرانے

والے سمجھیں گے کہ اس میں اور بنک میں کوئی فرق نہیں اور جب کوئی فرق نہیں تو وہ کیوں اپنا روپیہ امانت تحریک جدید یا امانت صدرانجمن احمدیہ میں جمع نہ کرائیں۔ اِس طرح لوگ خوشی سے اپنا روپیہ یہاں جمع کرائیں گے اور کثرت سے کرائیں گے۔ یہ امانت غیر تابع مرضی نہیں ہوگی بلکہ تابع مرضی ہوگی۔ بے شک کوئی صبح جمع کرائے اور دو گھنٹے بعد اپنی رقم واپس لے لے۔ اگر انجمن نے میرا مشورہ مان لیا تو احباب کو بوقتِ ضرورت بغیر کسی خرچ کے روپیہ واپس مل جائے گا۔ یا ان کے شہر کے بنک کے نام چیک بھجوا دیا جائے گا اور وہاں سے انہیں پوری کی پوری رقم مل جائے گی۔

غرض یہ صورت ایسی ہے کہ بغیر کسی محنت کے اور بغیر کسی خطرے کے روپیہ جمع ہوسکتا ہے اور اُس سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ بظاہر تو آئندہ کوئی خطرہ نظر نہیں آتا مگر پچھلے خطرہ کے وقت بھی جن لوگوں نے روپیہ جمع کرایا تھا ان کا روپیہ بالکل محفوظ رہا تھا اور اس میں بھی خدا تعالیٰ نے مجھے ہی کام کرنے کا موقع دیا تھا اور وہ اس طرح کہ بیت المال والوں نے اصرار کیا کہ روپیہ بنک میں محفوظ ہے اور اسے وہیں رہنے دیا جائے لیکن میں نے اصرار کیا کہ روپیہ جلد نکلواؤ۔ اُس وقت ہندوستان سے روپیہ آنے میں کوئی روک نہ تھی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت ہے جونہی اُنہوں نے روپے واپس منگوائے ہندوستان سے روپیہ آنا بند ہو گیا۔ صرف ۶۰ ہزار روپیہ کی ایک رقم باقی رہ گئی جو میرے مشورہ کے بغیر رہنے دی گئی تھی۔

تیسری صورت قرض ہے اگر جماعت نے امانت کی طرف پوری توجہ نہ دی تو پھر جماعت کی بعض جائدادیں گرو رکھ کر اس کام کے لئے رقم حاصل کی جائے گی۔ میرا ارادہ ہے کہ چندہ کی صورت میں ربوہ کی تعمیر کے لئے کوئی رقم جمع نہ کی جائے بلکہ جماعت کی بعض جائدادیں گرو رکھ کر قرض حاصل کر لیا جائے یا دوست امانت کی صورت میں اِس کام میں مدد دیں۔ اگر شہر بن گیا تو آپ لوگوں کے لڑکے یہاں آئیں گے اور تعلیم حاصل کریں گے اُس وقت خدا تعالیٰ آپ لوگوں کی جیبوں میں سے کسی اَور صورت میں روپیہ نکال لے گا۔ مثلاً آپ یہاں آئیں گے تو یہاں کے دُکانداروں سے سَودا خریدیں گے۔ اِس طرح دُکانداروں کی آمدنیں بڑھیں گی اور چندہ میں زیادتی ہوگی۔

اب میں جماعت کے دوستوں کو اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ مرکز کے قیام سے اِسی صورت میں فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جب وہ بار بار یہاں آئیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ بار بار قادیان آنے کی خواہش نہیں رکھتے وہ اپنے ایمانوں کی فکر کریں۔ بعض لوگوں سے میں نے سنا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قادیان کہا ہے، ربوہ نہیں کہا۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ربوہ نہیں کہا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قادیان کب کہا تھا؟ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مدینہ نہیں کہا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام نے مکہ کب کہا تھا؟ یہ تو الٰہی سلسلہ ہے جو لوگ اطاعت میں اپنی گردنیں جھکا دیں گے وہ برکتیں حاصل کریں گے اور جو اپنی گردنیں نہیں جھکائیں گے وہ خود نقصان اُٹھائیں گے، دوسروں کو اس سے کیا نقصان ہو سکتا ہے۔

قادیان سے تعلق رکھنے کے متعلق جو کہا گیا تھا وہ اِسی لئے تھا تا مرکز سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ قادیان سے پہلے مکہ سے بوجہ مرکز ہونے کے فائدہ اُٹھایا جاتا تھا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بار بار قادیان آنے کے لئے جماعت کو تلقین کی تو مخالفین نے کہا دیکھو! اب مکہ کی بھی ہتک ہونے لگی حالانکہ وہ نادان یہ نہیں جانتے تھے کہ مکہ سے فائدہ اُٹھانے کے لئے جب کہا گیا تھا تو اُس کے مرکز ہونے کی وجہ سے کہا گیا تھا۔ اِسی طرح اگر تم میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قادیان کہا تھا ربوہ نہیں کہا تو اُنہیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ جو کچھ تھا قادیان کے مرکز ہونے کی وجہ سے تھا۔ اب تو وہ وہاں رہ گیا۔ اب اگر وہ کالج نہیں ہوں گے جو قادیان میں تھے تو کیا عالم بن جائیں گے؟ پس قطع نظر اِس سے کہ ربوہ مرکز ہے یا نہیں، برکات یہیں ہیں جو اِن برکات سے حصہ نہیں لے گا وہ خود نقصان اُٹھائے گا دوسروں کا اِس سے کیا بگڑے گا۔ پس دوستوں کو یہاں بار بار آنا چاہیے اس سے مشکلات کے حل میں مدد ملے گی۔ جن لوگوں کو فرصت ہو وہ یہاں آئیں اور دفاتر میں کام کریں۔ آخر نیا مرکز بن رہا ہے اور اِس کی تعمیر کے رستہ میں جو مشکلات ہیں اُنہیں بھی ہم نے ہی حل کرنا ہے۔ پس دوستوں کو چاہیے کہ وہ اپنے فرائض کو سمجھیں اور بار بار یہاں آئیں اور کام میں مدد دیں۔ جن کی تعلیم کا انتظام نہیں وہ یہاں آئیں خود بھی تعلیم حاصل کریں اور بچوں کو

بھی تعلیم دلائیں اِس طرح جماعت مضبوط ہوگی۔ پھر یہاں آکر اجتماعی عبادات سے فائدہ اُٹھائیں۔ اجتماعی دعائیں بہت بابرکت ہوتی ہیں۔ سب سے بڑی جماعت بہرحال ربوہ میں ہی ہے (اِس سے پہلے سب سے بڑی جماعت قادیان میں تھی) اس لئے اِس جگہ کی عبادت کا فائدہ بہرحال اُس عبادت سے زیادہ ہوگا جو تم اپنے گھروں میں کرتے ہو۔ دوسرے تعمیر میں جتنی مشکلات ہیں اُن کا دوستوں کو علم ہوگا۔ جتنی دلچسپی اس کام میں نواب محمد الدین صاحب مرحوم نے لی ہے باقیوں نے نہیں لی حالانکہ جماعت کے مرکز کو مضبوط بنانا ایسا کام ہے کہ مومن کو اپنے بیوی بچوں سے بھی زیادہ اسے مقدم سمجھنا چاہیے۔

اب میں ایک بات مہاجرین سے بھی کہتا ہوں۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پچھلی دفعہ بھی اور اِس دفعہ بھی میں نے دیکھا ہے کہ اِن کے چہروں پر ایک افسردگی سی طاری ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایسا کیوں ہے؟ دوسرے لوگ مایوس رہیں تو رہیں ہمارا تو ایک زندہ خدا ہے، ہمارے لئے مایوسی اور افسردگی کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی بلکہ مومن تو ہزار بھٹیوں سے بھی گزر کر پھر بھی خوش رہتا ہے۔ میں نے کئی دفعہ واقعہ سنایا ہے کہ ایک جرمن عورت کے سات لڑکے تھے۔ پچھلی جنگ عظیم میں وہ ساتوں کے ساتوں مارے گئے جب اُس کا ساتواں بچہ مارا گیا تو فوج کے کمانڈر نے وزیر جنگ کو اطلاع بھیجی کہ اس عورت کی عزت افزائی کی جائے۔ وزیر جنگ نے قیصر کو بتایا اس نے بھی اسے نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا اور کہا میرے نام سے اس عورت کا شکریہ ادا کیا جائے۔ وہ لوگ تو قیصر کو خدا سمجھتے تھے۔ قیصر نے وزیر جنگ سے کہا کہ اُس عورت کو بُلائے اور میری طرف سے شکریہ ادا کرے۔ وزیر جنگ نے اُس عورت کو بُلایا اور بڑا اعزاز کیا اور کہا میں قیصر کی طرف سے تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں تمہارے ساتوں بچے مُلک کی خدمت کرتے ہوئے مارے گئے ہیں۔ انگریز جنگ کے زمانہ میں بھی دوسرے مُلکوں میں انہی میں سے نامہ نگار رکھا کرتے تھے جو حالات انہیں بھیجتے رہتے تھے۔ میں ڈیلی کرانیکل اخبار منگوایا کرتا تھا اُس میں لکھا تھا کہ جب وہ عورت باہر آئی نامہ نگار نے لکھا کہ میں بھی وہاں کھڑا تھا وہ ۸۰ سال کی بڑھیا تھی، اُس کے اعصاب کانپ رہے تھے اور اُس سے کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا مگر اس نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر اپنی کمر کو سیدھا کیا اور ایک جھوٹا قہقہہ لگا کر کہا آخر ہوا کیا

میرے ساتوں بچے اپنے مُلک کے لئے ہی مارے گئے ہیں۔ دیکھو! وہ بڑھیا ۸۰ سال کی تھی مگر اُس کے اندر یہ احساس تھا کہ آخر ہوا کیا، میرے بچے مُلک کی خدمت کرتے ہوئے مارے گئے ہیں۔ اُس کے بچے تو مُلک کے لئے مارے گئے تھے اور وہ مُلک بچا نہیں لیکن اگر مسلمان مارے گئے ہیں تو اُنہیں ایک مُلک بھی تو مل گیا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے تمہیں غلامی سے آزاد کر دیا، تمہیں تو اپنی تکلیفوں کا خیال بھی نہیں کرنا چاہیے۔

میں اَوروں کو تو نہیں کہہ سکتا ہاں احمدیوں سے یہ کہتا ہوں کہ یہ خیال چھوڑ دو کہ تم لُٹے ہوئے ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن مہاجرین پر افسوس کیا کرتے تھے جو وطن اور جائدادوں کے چھوٹ جانے پر افسوس کرتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے اُس وقت مدینہ کا نام یثرب ہوا کرتا تھا اور وہاں ملیریا کثرت سے ہوتا تھا۔ ملیریا پھیلنا شروع ہوا تو مہاجرین کو بخار چڑھے اِدھر وطن کی جدائی کا صدمہ تھا ان میں سے بعض نے رونا اور چلانا شروع کر دیا کہ ہائے مکہ ہائے مکہ۔ ایک دن حضرت بلالؓ کو بھی بخار ہو گیا اُنہوں نے شعر بنا بنا کر شور مچانا شروع کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو آپ خفا ہوئے اور فرمایا کیا تم ایسے کام کے لئے یہاں آئے ہو؟[۱۹] میں بھی تمہیں یہی کہتا ہوں کہ خوش رہو۔ تم یہ نہ دیکھو کہ ہم نے کیا کھویا ہے تم یہ دیکھو کہ ہم نے کس کے لئے کھویا ہے۔ اگر تم نے جو کچھ کھویا ہے وہ خدا تعالیٰ کے لئے اور اسلام کی ترقی کے لئے کھویا ہے تو تم خوش رہو اور کسی موقع پر بھی اپنی کمریں خم نہ ہونے دو۔ تمہارے چہرے افسردہ نہ ہوں بلکہ اُن پر خوشی کے آثار پائے جائیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک مسلمان ایسی حالت میں چلے آ رہے تھے کہ اُنہوں نے گردن نیچے ڈالی ہوئی تھی حضرت عمرؓ نے اُن کی ٹھوڑی پر مکہ مارا اور کہا اسلام کی فتوحات کا زمانہ ہے اور تم اپنی گردن جھکائے پھر رہے ہو!! خدا تعالیٰ نے اِس وقت اسلام کو حکومت دی ہے دنیا جو چاہے کہے مگر تم تو یقین رکھتے ہو کہ اسلام کو فتح ہوگی۔ اگر تم یقین رکھتے ہو کہ اسلام کو فتح ہوگی تو پھر رونا کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی ایک

لڑکی کا بچہ فوت ہو جایا کرتا تھا۔ جب کئی بچے فوت ہو گئے تو اُس کی والدہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس دعا کے لئے آئیں۔ آپ نے دعا کی اور فرمایا کوئی بات نہیں۔ پھر ایک بچہ پیدا ہوا اور فوت ہو گیا۔ وہ پھر دعا کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے دعا کی اور فرمایا گھبراؤ نہیں بچہ کمزور تھا خدا تعالیٰ اسے تندرست کر کے واپس بھیجے گا۔ وہ واپس چلی گئیں پھر تیسرا بچہ پیدا ہوا اور مر گیا تو بیٹی نے والدہ سے کہا جلدی جاؤ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دعا کراؤ۔ اُنہوں نے جواب دیا میں جب گئی تھی تو آپ نے فرمایا تھا بچے وہاں تندرست ہونے جاتے ہیں اب جانے کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اُنہیں بچے دیئے اور اب اُن کے بچوں کے بھی بچے ہیں۔ پس میں مہاجرین سے کہتا ہوں کہ تم اپنی اُمنگوں اور امیدوں کو بڑھاؤ اور یہ بات مت بھولو کہ خدا تعالیٰ نے تم سے ابھی بہت کچھ کام لینے ہیں جتنا بیج تم ڈالا کرتے ہو تمہیں اتنی ہی کھیتی ملتی ہے مگر میں خدا تعالیٰ کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ تمہارا جو کچھ نقصان ہوا ہے، اُس سے بہت زیادہ تمہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ملے گا۔'' (الفضل ۲۶ ؍دسمبر ۱۹۶۱ء)

حفاظت مرکز قادیان کے لیے چندہ کی اپیل

اب میں قادیان کو لیتا ہوں۔ قادیان ہمارا مقدس مرکز ہے جو اِس وقت ہم سے کٹا ہوا ہے اور اِس وجہ سے اس کی ذمہ داریوں کو ہم نے ہی ادا کرنا ہے۔ میں نے جماعت میں تحریک کی تھی کہ جن احباب کے پاس جائدادیں ہیں وہ اُن کی قیمت کا ایک فیصدی حفاظت مرکز کے لئے بطور چندہ دیں اور جن کی جائدادیں نہیں وہ ایک ایک ماہ کی آمد دیں۔ اِس تحریک کے جواب میں جو وعدے آئے وہ تیرہ لاکھ روپیہ کے تھے لیکن جو وصولی ہوئی وہ صرف چھ سات لاکھ روپیہ کی ہے۔ گویا چھ سات لاکھ روپیہ ایسا ہے جو ابھی واجب الادا ہے لیکن اب کسی دن آٹھ روپے اور کسی دن دس روپے اِس مد میں وصول ہوتے ہیں اگر وصولی کی یہی رفتار رہی تو غالباً کسی نئے مأمور کے وقت تک بھی یہ رقم جمع نہیں ہوگی۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایسا کیوں ہے میں جب باہر جاتا ہوں تو میرے اِردگرد ایک جمگھٹا سا بندھ جاتا ہے اور لوگ پوچھتے ہیں کہ قادیان کب ملے گا؟

لیکن قادیان سے اُن کی محبت کا یہ حال ہے کہ اُس کی حفاظت کے لئے چندہ کی تحریک کی گئی تو بعض نے وعدہ بھی کیا لیکن وہ وعدہ اب تک پورا نہیں کیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اب اِس چندہ کی کیا ضرورت ہے دوسرے لفظوں میں وہ یہ کہتے ہیں کہ مریض تو مر چکا ہے اب علاج کی کیا ضرورت ہے۔ ایک طرف تو وہ کہتے ہیں کہ قادیان ہمیں واپس کب ملے گا اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ قادیان کا کام ختم ہو چکا ہے۔ جب قادیان اُن کے نزدیک ختم ہو چکا ہے تو وہ واپس کس طرح مل سکتا ہے لیکن اگر وہ مریض ہے تو پھر اس کے علاج کی کس نے کوشش کرنی ہے۔ آخر قادیان ہمارا ہے اور اس کے علاج کی ہمیں ہی کوشش کرنی پڑے گی غیر تو ایسا نہیں کرے گا۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو چندہ ادا کر چکے ہیں مثلاً اُن میں سے ایک میں ہی ہوں۔ میں نے قادیان میں ہی یہ چندہ ادا کر دیا تھا لیکن نصف کے قریب لوگ ایسے تھے جنہوں نے اِس مد میں چندہ لکھوایا تو تھا لیکن یا تو چندہ ادا ہی نہیں کیا یا اُس کا برائے نام ایک حصہ ادا کیا ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے شروع سے ہی کانوں میں سکہ ڈال رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم نے اچھا کیا کہ چندہ نہ دیا کیونکہ قادیان نے ہمارے ہاتھ سے چلے ہی جانا تھا۔ لیکن کیا کسی کا بچہ مر جائے تو وہ یہ کہا کرتا ہے کہ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ میں نے علاج نہیں کیا تھا۔ ایسا کوئی نہیں کہتا اس لئے کہ اُسے بچہ سے محبت ہوتی ہے لیکن تم میں سے بعض ایسا کہتے ہیں اس لئے کہ انہیں قادیان سے محبت نہیں۔ اگر انہیں قادیان سے محبت ہوتی تو وہ ایسا کیوں کہتے۔ میں اُن لوگوں سے جو کہتے ہیں کہ قادیان ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے اب چندہ کی کیا ضرورت ہے کہتا ہوں کہ یہ چندہ کس لئے تھا؟ آیا تمہاری حفاظت کے لئے تھا یا قادیان کی حفاظت کے لئے تھا؟ اگر یہ چندہ تمہاری حفاظت کے لئے تھا تو پھر اس کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن اگر قادیان کی حفاظت کے لئے تھا تو قادیان اب بھی موجود ہے اور جب تک وہ واپس ہمارے ہاتھ میں نہ آ جائے اُس کی ذمہ داریوں کو ادا کرنا ہمارا فرض ہے۔ تم اپنے نفس سے پوچھ لو کہ تم نے کس لئے یہ وعدہ کیا تھا۔ خیر و عافیت سے اپنے آپ کو پاکستان پہنچانے کے لئے یا قادیان کی حفاظت کے لئے؟ اگر خیر و عافیت سے اپنے آپ کو ہندوستان میں سے لانے کے لئے تم نے اِس چندہ کا وعدہ کیا تھا تو تم کہہ سکتے ہو ہم

پاکستان آ گئے اب اِس چندہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تم نے اِس چندہ کا وعدہ قادیان کی حفاظت کے لئے کیا تھا تو قادیان اب بھی موجود ہے اور اس کی حفاظت کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔

میں جب کوئٹہ گیا تو رستہ میں میری ایک لڑکی رونے لگی وہ کہنے لگی کہ میں نے اس کمرہ میں نہیں رہنا میں نے دوسری والدہ کے پاس جانا ہے۔ (اُس کی اپنی والدہ فوت ہو چکی ہے) چونکہ جگہ محدود تھی اور برابر کی تقسیم کی ہوئی تھی میں نے چاہا کہ اُسے دوسرے کمرہ میں چھوڑ آؤں اور اُس کی جگہ پر کوئی دوسری سواری لے آؤں۔ میں اُس لڑکی کو دوسرے کمرہ میں چھوڑ آیا اور اُس کی جگہ پر اپنی ایک بہو کو لے آیا۔ میں ابھی پلیٹ فارم پر ہی تھا کہ گاڑی چل پڑی۔ ڈرائیور نے غالباً شرارت کی اور گاڑی کو یکدم تیز کر دیا۔ زنجیر کھینچی گئی مگر وہ جام تھی اِس لئے کھینچی نہ جاسکی اِدھر پرائیویٹ سیکرٹری کا عملہ حسب دستور چپ چاپ گاڑی میں بیٹھا رہا۔ میری بیوی اور لڑکی کا چونکہ جسمانی رشتہ بھی تھا اس لئے اُنہوں نے شور مچا دیا دوسرے ڈبہ سے میری بیوی نے زنجیر کھینچنے کے لئے پورا زور لگایا مگر وہ بھی جام تھی اُنہوں نے لڑکی سے کہا تو بھی ساتھ لٹک جا چنانچہ دونوں نے مل کر زور لگایا اور بِالآخر وہ زنجیر کھینچنے میں کامیاب ہو گئیں۔ جب کوئٹہ پہنچے تو میں نے مذاقاً کہا اب پرائیویٹ سیکرٹری صاحب تار دیں گے کہ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ ہم سب خیریت سے پہنچ گئے ہیں صرف خلیفۃ المسیح پیچھے رہ گئے ہیں۔ تمہارا رویہ بھی ایسا ہی ہے کہ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ ہم سب خیریت سے پاکستان پہنچ گئے ہیں صرف قادیان پیچھے رہ گیا ہے اس لئے اب کسی چندہ کی ضرورت نہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ قادیان کے متعلق خدا تعالیٰ کیا تدابیر اختیار کرے گا مگر ہماری دلی خواہش یہی ہے کہ خدا تعالیٰ ایسا فضل فرمائے کہ قادیان ہمیں جلد سے جلد مل جائے۔

تم میں سے بعض مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ میرا ایک نیا مرکز بنانا قادیان سے بے وفائی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قادیان کے لئے اُنہوں نے وہ قربانی نہیں کی جو میں نے کی ہے۔ یہ بات بتا رہی ہے کہ ایسا اعتراض کرنے والے منافق ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اگر میں نئی تحریک کروں تو مخلص لوگ ضرور اس میں حصہ لیں گے اور کئی دوست مجھے تحریک بھی کرتے رہتے ہیں کہ اگر بقایا داران چندہ نہیں دیتے تو آپ نئی تحریک کریں ہم چندہ دینے کے لئے تیار ہیں لیکن

میں کہتا ہوں کہ باقی رہنے والا ٹکڑا بہت زیادہ ہے اگر نادہندگان تھوڑی تعداد میں ہوتے تو میں انہیں نظر انداز کر دیتا اتنے بڑے ٹکڑے کو میں خدا تعالیٰ کی ملامت کے نیچے لانا پسند نہیں کرتا۔ اگر میں نئی تحریک کر دوں تو یہ لوگ خدا تعالیٰ کی ناراضگی کے مورِد بن جائیں گے اور یہ بات میری طبیعت برداشت نہیں کرتی۔

میں جانتا ہوں کہ نادہندگان میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ قادیان کی جنگ چونکہ ختم ہو چکی ہے اس لئے اب کسی چندہ کی ضرورت نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ قادیان کی جنگ اب بھی جاری ہے اور اُس کے لئے ہمیں بار بار قربانی کرنی پڑے گی اور متواتر جدوجہد جاری رکھنی ہوگی۔ وہ لوگ جو اپنی جائدادیں مشرقی پنجاب چھوڑ آئے ہیں اُنہیں یہ کوشش کرنی چاہیے تھی کہ وہ چندہ پہلے ادا کر دیتے لیکن اگر اب وہ اِس حالت میں نہیں کہ چندہ ادا کر سکیں تو کم از کم وہ یہ لکھ کر دے دیں کہ ہماری جائدادیں مشرقی پنجاب میں رہ گئی ہیں اور اب ہم اس قابل نہیں کہ اپنے وعدہ کو پورا کر سکیں۔ اس کے بعد وہ ثواب حاصل کرنے کے لئے اس مد میں خواہ ایک روپیہ ہی چندہ دے سکیں دے دیں یہ چندہ اُن کی جائدادوں کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ بطور اظہارِ عقیدت یہ بتانے کے لئے ہوگا کہ اگرچہ ہم غریب ہیں مگر ہمارا دل غریب نہیں اور اس سے یہ بھی پتہ لگ جائے گا کہ نادہندگان میں سے کتنے ہیں جو وعدہ پورا کرنے سے معذور ہیں۔

ہم نے مغربی پنجاب کے دو ضلعوں لائلپور اور ملتان کا اندازہ لگایا ہے ان میں سے ایک کے ذمہ ابھی ۷۰ فیصدی کے قریب وعدے واجب الادا ہیں اور ایک کے ذمہ ۸۰ فیصدی۔ جب وعدہ کنندگان کو اِس طرف توجہ دلائی گئی تو اُن میں سے بعض نے جواب دیا کہ ہم تو سمجھے تھے کہ کام ختم ہو گیا اِس لئے اب اِس چندہ کی ضرورت نہیں رہی۔ مگر یہ جواب صحیح نہیں تھا کام جاری ہے اور اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک قادیان ہمیں دوبارہ نہیں مل جاتا۔ لیکن جو لوگ اب چندہ دینے سے معذور ہیں اُنہیں کم از کم اپنے کھاتے صاف کرا دینے چاہئیں اور پھر حسبِ توفیق ایک روپیہ یا آٹھ آنے ہی اگر وہ چندہ دے سکتے ہیں تو حفاظت مرکز کے لئے ارسال کر دیں تاکہ وہ ثواب سے محروم نہ رہیں اور جو اِس طرف کے رہنے والے ہیں اور اُن کی جائدادیں محفوظ ہیں اُن سے میں کہتا ہوں کہ تم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور یہ چندہ بہت جلد ادا

کرنے کی کوشش کرو۔ اور وہ کارکن جو چندہ دے چکے ہیں انہیں میں کہتا ہوں کہ تمہارا کام ہے کہ غافل مؤمنوں کو بیدار کرو۔ دفتر سے اپنی جماعت کے وعدوں کی نقول منگواؤ اور لوگوں کے پاس جاؤ اور اُنہیں ادائیگی کی طرف متوجہ کرو۔ یاد رکھو نادہندوں میں سے بعض غافل مؤمن ہیں اور بعض منافق۔ منافق قادیان پر سب سے زیادہ آنسو بہاتا ہے لیکن تم دیکھو گے قادیان کا چندہ اُس کے ذمہ ہوگا اور غافل مومن کبھی مخلصوں کی آواز پر جاگ پڑتا ہے اور کبھی منافقوں کی آواز پر سو جاتا ہے اُس کو جگانا ہمارا فرض ہے اور اُس کا کوشش کر کے جاگنا خود اُس کا فرض ہے سو اگر تم مخلص ہو تو کمزوروں کو جگا کر اُن سے رقم وصول کرواؤ اور اگر تم سست ہو تو استغفار کر کے اپنی غلطی کا ازالہ کرو۔

وقف جائداد اور وقف آمد کی تحریکیں ایک بھی ہیں اور الگ الگ بھی ہیں۔ جن لوگوں نے جائدادیں وقف کی ہوئی تھیں اُنہیں لکھا گیا تھا کہ وہ اپنی جائداد کی قیمت کا ایک فیصدی دیں لیکن چونکہ وہ نازک موقع تھا اور روپیہ کی فوراً ضرورت تھی اس لئے ہم نے کہا کہ دوسرے لوگ جن کے پاس جائدادیں نہیں وہ بھی آئیں اور اپنی ایک ماہ کی آمد دے کر اِس چندہ میں حصہ لیں۔ جس شخص نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے خواہ وقف جائداد کے لحاظ سے خواہ وقف آمد کے لحاظ سے وہ اِس تحریک کا مخاطب نہیں لیکن جس نے چندہ نہیں دیا اُس کے لئے چندہ کا ادا کرنا ضروری ہے۔

(اس کے بعد حضور نے فرمایا:)

وہ لوگ جنہوں نے چندہ حفاظت مرکز دے دیا ہے وہ کھڑے ہو جائیں (اِس پر وہ دوست جنہوں نے چندہ حفاظت مرکز دے دیا تھا کھڑے ہو گئے اس کے بعد حضور نے فرمایا) اب جنہوں نے یہ چندہ ادا نہیں کیا اُن سے میں کہتا ہوں کہ اگر ان دوستوں نے چندہ دے دیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ تم یہ چندہ نہیں دیتے۔ میں جانتا ہوں کہ جو لوگ بیٹھے رہتے ہیں اُن میں سے ایک ایسی تعداد بھی ہے جو مشرقی پنجاب سے آئی ہے اور وہ اب غربت کی حالت میں ہیں لیکن میں اُن سے کہتا ہوں کہ اگر وہ چندہ ادا نہیں کر سکتے تو اپنا کھاتہ صاف کرا دیں اور دفتر کو اپنی ذمہ داری کی اطلاع دے دیں۔ اور جو اِن کے سِوا ہیں میں اُن سے کہتا ہوں کہ آخر اس غفلت

کے معنی کیا ہیں ہمیں دو تین سال کے لئے دو تین لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے اور اس کے بعد بھی کچھ رقم کی ضرورت ہوگی اور یہ رقم ہم دوسرے چندوں سے نہیں بچا سکتے۔ حفاظت مرکز کے چندہ کے تیرہ لاکھ کے وعدے تھے اور اب جماعت کچھ بڑھ بھی گئی ہے اس لئے شاید یہ وعدے پندرہ لاکھ تک پہنچ چکے ہوں گے بہرحال نادہندگان پر بہت بڑی ذمہ داری ہے انہیں چاہیے کہ استغفار کریں اور اپنی غفلتوں کو دور کریں لیکن اگر اُنہوں نے اپنی غفلتوں کو دور نہ کیا تو اِن دوستوں سے جو اپنے وعدے ادا کر چکے ہیں میں کہوں گا کہ اگر یہ لوگ نہ جاگیں تو کیا وہ تیار ہیں کہ میں دوبارہ تحریک کروں اور وہ چندہ دیں؟ (اِس پر سب وعدہ پورا کرنے والوں نے بیک آواز کہا کہ حضور ہم تیار ہیں۔)

(آخر میں حضور نے فرمایا:)

اب میں ان لوگوں سے جنہوں نے چندہ ادا نہیں کیا کہتا ہوں کہ آپ اپنے بقایا اگلے چھ ماہ میں ادا کر دیں۔ مشرقی پنجاب سے آنے والوں میں سے جنہیں کام مل گئے ہیں یا جائیدادیں مل گئی ہیں اور اب وہ اِس قابل ہیں کہ چندہ ادا کرسکیں وہ بھی اِس میں شامل ہیں۔ اگر اِس مدت کے اندر اُنہوں نے اپنا چندہ ادا نہ کیا تو ہم سمجھیں گے کہ خدا کے مقرر کردہ مرکز سے اُنہیں کوئی محبت نہیں پھر میں دوبارہ تحریک کروں گا جس میں اِن لوگوں کے لئے حصہ لینا قطعاً ناجائز ہوگا۔ اور میں جماعت پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ اپنا فرض ادا کر چکے ہیں وہ یقیناً ایک بار پھر یہ ثابت کر دیں گے کہ دنیا میں جہاں فرض ادا نہ کرنے والے لوگ ہیں وہاں اپنے فرض کو ادا کرنے والے لوگ بھی موجود ہیں۔ (از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

۱؎

۲؎ قل هل تربصون بنا الا احدى الحسنيين (التوبة:۵۲)

۳؎ بخاری کتاب الجمعة باب الانصات یوم الجمعة (الخ)

۴؎ بخاری کتاب الادب باب حسن الخلق والسخاء (الخ)

۵؎ سیرت ابن هشام جلد۲ صفحہ ۲۷۸۔۲۷۹۔مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۶؎ مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال (الخ)

۷ نزول المسیح صفحہ ۴۴۔حاشیہ۔روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۲۰ حاشیہ + ذکریا باب ۱۴ آیت ۱ تا ۲۱ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء (مفہوماً)

۸ تذکرہ صفحہ ۲۷۷۔ایڈیشن چہارم

۹ تذکرہ صفحہ ۵۹۵۔ایڈیشن چہارم

۱۰ تذکرہ صفحہ ۱۹۲۔۱۹۳۔ایڈیشن چہارم

۱۱ تذکرہ صفحہ ۵۹۳۔ایڈیشن چہارم

۱۲ تذکرہ صفحہ ۴۸۰۔ایڈیشن چہارم

۱۳ **بخاری کتاب التفسیر۔تفسیر سورۃ الجمعۃ باب قولہ و آخرین منھم (الخ)**

۱۴ تذکرہ صفحہ ۱۵۸۔ایڈیشن چہارم

۱۵ ازالہ اوہام صفحہ ۷۹۔۸۰۔روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۱۷۹۔۱۸۰

۱۶ کشتی نوح صفحہ ۴۸۔۴۹۔روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۵۰، ۵۱

۱۷ تذکرہ صفحہ ۴۸۵۔ایڈیشن چہارم

۱۸ یٰسین: ۸۳

اسلام اور ملکیت زمین

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وَالسَّلَامُ عَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔ھُوَ النَّاصِرُ

اسلام اور ملکیت زمین

اِس وقت پاکستان اور ہندوستان کی مختلف سیاسی پارٹیوں میں طاقت حاصل کرنے کے لئے ایک رسّہ کشی جاری ہے۔ دوسرے ملکوں کا تو یہ قاعدہ ہے کہ پارٹیاں بعض اصول کیلئے بنائی جاتی ہیں اور ان اصول کے ماننے والے اُن میں شامل ہو جاتے ہیں۔ جوں جوں کوئی پارٹی طاقت پکڑتی جاتی ہے وہ اپنے تجویز کردہ اصول کو ملک میں جاری کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ شروع شروع میں دوسری پارٹیوں سے مل کر اور جب اُسے اتنا اقتدار حاصل ہو جائے کہ وہ منفردانہ طور پر اپنے اصول کو ملک میں جاری کر سکے تو پھر بلا اشتراک غیرے وہ اپنے تجویز کردہ اصول کو قانون کی شکل میں بدل دیتی ہے لیکن ہندوستانی ممالک میں بدقسمتی سے پارٹیاں پہلے بنتی ہیں اور اصول بعد میں تجویز کئے جاتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان و ہندوستان میں زیادہ تر پارٹیوں کی بنیاد مذہب پر ہے مذہب ابھی تک اس برصغیر میں ایک متحرک اور قوی طاقت ہے۔ عوام الناس کی اکثریت مذہب پر عمل کرے نہ کرے وقتی طور پر اگر جوش میں آتی ہے تو مذہب کے نام سے ہی آتی ہے۔ اِس لئے جب کبھی کوئی تحریک اِس برصغیر میں اُٹھتی ہے تو اِس کا محرک مذہب ہی ہوتا ہے گو شکل اُسے سیاسی دے دی جاتی ہے۔ اور اگر کوئی سیاسی تحریک بھی اُٹھے تو بعد میں وہ مذہبی رنگ اختیار کر جاتی ہے۔ جیسے کانگرس جب ہندوستان میں بنائی گئی تو اُس وقت خالص سیاسی تھی بلکہ خالص تمدنی تھی لیکن آہستہ آہستہ وہ ہندو تحریک بنتی چلی گئی اور مسلمان عناصر اِس سے الگ ہوتے چلے گئے۔ خلافت کی تحریک کے زمانہ میں پھر مسلمان اس

میں داخل ہوئے لیکن مجبوری سے یا خوشی سے ایک دو سال کے بعد وہ پھر اس سے الگ ہو گئے۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ گو کانگرس حقیقی طور پر ایک سیاسی تحریک بن چکی تھی مگر چونکہ اُس میں ایک بہت بڑی اکثریت ہندوؤں کی تھی ہندو مذہبی رہنماؤں نے اِس کو اپنا آلۂ کار بنانا آسان امر سمجھا اور ایسے لوگ بھی کانگرس میں شامل ہو گئے جو حقیقتاً سیاسی نقطۂ نگاہ نہیں رکھتے تھے بلکہ مذہبی یا نسلی نقطۂ نگاہ رکھتے تھے۔ حقیقی سیاسی نقطۂ نگاہ رکھنے والے ہندوؤں کی وجہ سے نہیں بلکہ اس دوسرے گروہ کی نجی گفتگوؤں کو سن سن کر مسلمان چوکنے ہو گئے۔ انہوں نے اپنی ایک الگ انجمن بنالی جو مسلم لیگ کہلائی۔ مسلم لیگ کی بنیادی ضرورت صرف اِتنی تھی کہ ہندوستان کی طاقت پکڑنے والی سیاسی انجمنوں کی کوششوں کے نتیجہ میں ہندوستان کی سیاسی طاقت ہندوؤں کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ اُن ہندو کہلانے والے لوگوں کے ہاتھ میں نہیں جو درحقیقت سیاسی تربیت رکھنے کی وجہ سے ہندوستانی ہیں ہندو نہیں بلکہ اُن ہندوؤں کے ہاتھ میں جو پس پردہ کانگرس پر اپنا جال ڈال رہے ہیں اور آہستہ آہستہ کانگرس کو اپنا آلۂ کار بنا کر اپنی سکیم کو ملک میں جاری کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کانگرس کی طرح مسلم لیگ کا بھی کوئی معیّن سیاسی پروگرام نہیں ہوسکتا تھا۔ کانگرس کا سیاسی پروگرام یہ تھا کہ ہندوستانیوں کے ہاتھ میں اختیارات آجائیں۔ ابتدائے کار میں اِس کو اِس سے غرض نہ تھی کہ اختیار کن کے ہاتھ میں آئے، قدیم الخیال لوگوں کے ہاتھ میں یا آزاد خیال لوگوں کے ہاتھ میں یا سوشلسٹ لوگوں کے ہاتھ میں یا کمیونسٹ لوگوں کے ہاتھ میں، اُس کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ملک آزاد ہو۔ پھر جو طاقتور ہوا اختیارات سنبھال لے۔ مسلم لیگ کا بھی کوئی سیاسی پروگرام نہیں تھا۔ مسلم لیگ کی غرض بھی یہی تھی کہ جب ملک میں طاقت آئے تو مسلمان کو بھی اُس کا حصہ ملے۔ ہندوستانی سے مراد ہندو نہ ہو بلکہ اُسی طرح مسلمان مراد ہو جس طرح ہندو مراد ہو۔ باقی رہا سیاسی پروگرام سو مسلمانوں میں سے جو طاقت اُس وقت غالب ہو وہ اختیارات کو سنبھال لے۔ لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ ہمارے ملک کا اصلی نظریہ مذہبی ہے اِس لئے لازمی نتیجہ اِن تحریکوں کا یہ ہوا کہ ہندوستانی کی تعریف ہندو سے بدلتی چلی گئی اور مسلم کی جگہ پر اسلام آگے آتا چلا گیا۔ حقیقتاً تو مذہب آگے نہیں آیا لیکن مذہب کو حالات نے آگے دھکیل دیا۔ مجھے اِس سے سروکار نہیں کہ اِس تحریک کے نتیجہ

میں ہندو مذہب کو کوئی فائدہ پہنچا یا نہیں یا اسلام کو کوئی فائدہ پہنچا یا نہیں لیکن ظاہری صورت یہی ہو گئی کہ ایک طرف ویدک تہذیب کی بلندی کے نعرے لگنے لگ گئے اور دوسری طرف اسلام زندہ باد کا آوازہ بلند ہونے لگا۔ ہندوؤں کا مذہب چونکہ کسی معیّن صورت میں باقی نہیں، جو لوگ ہندو مذہب کی تائید میں جدو جہد کرنے لگے اُن کی کوششیں بجائے ہندو مذہب کی مضبوطی کے اسلام کی تخریب میں خرچ ہونے لگیں۔ کیونکہ جب کوئی عمارت ہو ہی نہ تو اُس کی مرمت اور اصلاح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورت میں انسان صرف یہی کرسکتا ہے کہ اپنے مدّ مقابل کے مکان کو گرانے کی کوشش کرے۔ لیکن مسلم لیگ کی کوششوں کے نتیجہ میں جو اسلام زندہ باد کے نعرے بلند ہونے لگے اِس سے مسلم عوام کے دل میں یہ احساس پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ اب اسلامی احکام کو اُس علاقہ میں جاری کیا جائے گا جو مسلمانوں کے قبضہ میں آئے گا۔ مسلمان اسلام سے غافل تھا، مسلمان اسلام کی پابندی چھوڑ چکا تھا، اکثر مسلمانوں نے قرآن کا نام سنا تھا اُسے کھول کر دیکھا نہیں تھا، مسجدیں خالی پڑی تھیں، زکوۃ جن جن پر واجب تھی وہ اُس کے دینے سے گریز کرتے تھے، سُود کا عام رواج ہو رہا تھا، حج کو وہ لوگ تو نہ جاتے تھے جن پر حج فرض تھا ہاں اُن لوگوں میں سے کچھ تعداد جاتی تھی جن پر حج فرض نہیں تھا لیکن اسلام کی محبت مسلمان میں باقی تھی اُس کی عظمت کا وہ قائل تھا۔ وہ اُس پر متواتر عمل کرنے کو تیار نہ تھا لیکن ہنگامی طور پر اُس پر جان دینے پر آمادہ تھا۔ وہ عملاً تو اسلام پر قائم نہ تھا لیکن اُس کے دل کی گہرائیوں میں یہ احساس موجود تھا کہ اسلام پر عمل کرنا اُس کے لئے دینی و دُنیوی طور پر اچھا ہو گا۔ وہ ایک افیون کے نشہ میں مبتلا آدمی کی طرح جو ایسے گھر میں پڑا ہو جس میں آگ لگ چکی ہو خود اپنی کوشش سے تو اپنی حالت کو بدل نہیں سکتا تھا لیکن اُس کے اندر یہ خواہش ضرور تھی کہ کوئی مجھے اُٹھا کر محفوظ جگہ پر ڈال دے۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ مجھ سے کوئی حکومت جبراً اسلام پر عمل کروانے لگے۔ غرض قوتِ عمل اُس کی بیکار تھی لیکن ارادۂ نیک ابھی زندہ تھا۔ مسلمانوں میں سے سیاسی اقتدار حاصل کرنے والے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ جس طرح ہندو مسلمانوں کے خلاف کچھ قانون بنا کر اپنی قوم میں سچا ہندو کہلا سکتا ہے اس طرح ہم ہندوؤں کے خلاف کوئی قانون بنا کر سچے مسلمان نہیں کہلا سکتے۔ کیونکہ ہندو مذہب ایک خیالی چیز ہے اسلام ایک حقیقت ہے۔

خیالی معشوق اور حقیقی معشوق میں فرق ہوتا ہے۔ ایک شاعر اپنے خیالی معشوق کی موجودگی میں دنیا کے سارے کام کرتا ہے مگر ایک نوجوان حقیقی عشق کے مرض میں مبتلا ہونے کے بعد دنیا کے سب کاموں سے محروم ہو جاتا ہے پس مسلمانوں کے سیاسی رہنماؤں میں سے جو مذہبی رنگ رکھتے تھے اُنہوں نے تو اپنے جذبات کے ماتحت یہ فیصلہ کر لیا کہ پاکستان میں کسی نہ کسی رنگ اسلامی قانون جاری کرنا ہوگا اور جو مذہبی رنگ نہیں رکھتے تھے اُنہوں نے یہ سمجھ لیا کہ پاکستان میں جو بھی قانون جاری کیا جائے اُسے اسلامی رنگ دینا ضروری ہوگا خواہ ہو بھیڑ یا مگر بھیڑ کی کھال اُسے پہنانا ضروری ہے ورنہ عوام الناس مسلمان اُسے قبول نہ کریں گے۔

یہ مختلف خیالات کے لوگ مسلم لیگ میں یا دوسری اسلامی سوسائٹیوں میں ہنگامی طور پر اِس لئے شامل ہو گئے تھے کہ ہندو مسلمان میں کشمکش پیدا ہو رہی تھی اور وہ بھی مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے کی وجہ سے اِس کشمکش کے اثرات سے بچ نہیں سکتے تھے۔ لیکن جب پاکستان بن گیا تو مختلف لوگوں کے مختلف سیاسی نظریے پھر روشن ہونے لگے، پھر ان کے مٹے ہوئے نقوش اُبھرنے لگے لیکن اُنہوں نے دیکھا کہ پاکستان کی جنگ اسلام ہی کے نام سے لڑی گئی ہے اور اِسی کے نام کی برکت سے فتح کی گئی ہے۔ اور پھر انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ اسلام ایک معین اور ایک مفصل تعلیم رکھتا ہے اِس کو بالکل پیچھے نہیں دھکیلا جا سکتا۔ محض سیاسی نظریوں کو پیش کر کے اِس کا اثر مسلمانوں کے دلوں سے محو نہیں کیا جا سکتا پس اُنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ عوام الناس اسلام کے نام پر جان دیتے ہیں مگر قرآن و حدیث کو نہ انہوں نے پڑھا نہ اُس کی تعلیم انہیں معلوم ہے اس لئے اپنے نظریوں کا نام اسلام رکھ دو اور یہ شور مچا دو کہ اسلامی تعلیم کو پاکستان میں جاری کرنا چاہیے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عوام الناس کے جوش بھڑکیں گے نہیں۔ جہاں تک اس تعلیم کو لوگوں میں مقبول عام کیا جا سکے گا وہ تعلیم بغیر مذہبی مخالفت کے پاکستان کے سیاسی پروگرام کا جزو بن جائے گی۔ یہ مرض اتنی بڑھی کہ پاکستان کے کمیونسٹ بھی ''اسلام خطرے میں ہے'' کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ اپنی نجی گفتگوؤں میں وہ اسلام پر تمسخرے اُڑاتے ہیں اور اسلام کو ایک فرسودہ مذہب قرار دیتے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر سٹالن ان کے نزدیک زیادہ شان رکھتا ہے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) اور اسلام سے کمیونزم کے اصول ان

کے نزدیک زیادہ شاندار ہیں لیکن کمیونزم کے معروف اصول کے ماتحت وہ کمیونسٹ تعلیم کو اسلامی تعلیم قرار دے کر پاکستانی عوام میں اِس کو مقبول بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چونکہ اس کی ظاہری شکل ایسی ہے کہ موجودہ اکثریت اِس کے حق میں چلی جاتی ہے اس لئے اسلام کے نام کی وجہ سے عوام الناس اِن کے بعض اصول کو اپنا لیتے ہیں اور جب دوسرے سیاسی لیڈر یہ دیکھتے ہیں کہ فلاں فلاں نظریہ عوام میں بہت مقبول ہو گیا ہے تو وہ بھی اس نظریے کو اپنانا اپنی کامیابی کے لئے ضروری سمجھ لیتے ہیں۔ چنانچہ ایسے ہی مسائل میں سے ایک **ملکیتِ زمین** کا مسئلہ ہے۔

کمیونسٹ تحریک نے مختلف سیاسی پارٹیوں کے ساتھ شامل ہو کر یہ آواز بلند کرنی شروع کی ہے کہ زمین کی ملکیت کے متعلق ہمارے ملک میں اصلاح کی ضرورت ہے اور جو اصلاح انہوں نے تجویز کی ہے وہ تفصیلاً وہی ہے جو کمیونزم نے تجویز کی ہے لیکن پاکستان کے عوام الناس کے احساسات کا خیال رکھتے ہوئے اس کا نام اسلامی اصلاح رکھا گیا ہے۔ بعض نے تو اسلامی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر ایسی شکل دینے کی کوشش کی ہے کہ لوگ اس تحریک کو اسلامی ہی سمجھیں۔ بعض نے بعض اصولی آیات یا احادیث کو لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے تعامل کو بالکل نظر انداز کر کے کچھ نئے معنی ان آیات اور احادیث کو دے دیئے ہیں جن سے ان کے نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے اور بعض نے بعض دوسرے طریقے اختیار کئے ہیں جن کی تفصیل میں پڑنے کا یہ موقع نہیں۔ اس پروپیگنڈا سے متأثر ہو کر مسلم لیگ نے بھی زمیندارہ سسٹم کی اصلاح کے متعلق مختلف جگہوں پر کمیٹیاں مقرر کیں۔ بعض جگہ حکومت کے انتظام کے نیچے اور بعض جگہ صرف مسلم لیگ کے انتظام کے نیچے اس مسئلہ پر غور کیا گیا۔ پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد اور ایسٹ بنگال میں ایسی کمیٹیاں بنی ہیں اور اُنہوں نے اپنی رپورٹیں پیش کی ہیں اور ان رپورٹوں پر غور کرنے کے بعد مرکزی مسلم لیگ نے بھی ایک کمیٹی مقرر کی ہے جس کی رپورٹ پر غور کرنے کے لئے پھر اس نے ایک اور سب کمیٹی مقرر کی اور اس سب کمیٹی کی رپورٹ پر مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے زمیندارہ اصلاح کے متعلق کچھ اصول تجویز کر کے صوبجاتی حکومتوں کو توجہ دلائی کہ ان اصول کو اپنے ملک میں جاری کرنے کی کوشش کریں۔

مسلم لیگ جس نتیجہ پر پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ زمینداری اور جاگیرداری کو جلد ختم کیا جائے۔ مرکزی مسلم لیگ کے بعض ممبروں یا صوبجاتی مسلم لیگوں کے بعض ممبروں میں اگر کوئی اختلاف ہے تو اِس بارہ میں ہے کہ ان دونوں چیزوں کو کس شکل میں ختم کیا جائے یا کس حد تک ختم کیا جائے۔ یعنی کتنی زمین کسی کے پاس رہنے دی جائے یا کتنی قیمت کسی کو دی جائے لیکن اس پر سارے متفق ہیں کہ زمینداری اور جاگیرداری کو ختم کرنا چاہیے۔

جہاں تک حکومت کے نمائندوں کے فیصلوں کا تعلق ہے مجھے اُس پر بحث کرنے کی نہ ضرورت ہے نہ میں اس کا اہل ہوں کیونکہ سیاسی امور سیاسی لوگوں پر ہی چھوڑ دینے چاہئیں۔ اگر ملک کی اکثریت کوئی قانون بنائے تو اقلیت کا فرض ہے کہ وہ اُس قانون پر عمل کرے۔ ہاں اگر مناسب سمجھے تو آئینی طریقوں سے اس کے بدلوانے کی کوشش کرے۔ پس جہاں تک قانون کا سوال ہے ایک پاکستانی شہری ہونے کے لحاظ سے مجھے حق تو پہنچتا ہے کہ میں اس پر رائے زنی کروں لیکن بوجہ ایک مذہبی آدمی ہونے کے میں سمجھتا ہوں کہ مسئلہ کے اِس حصہ کو میں سیاسی لوگوں پر ہی چھوڑ دوں۔ مگر ایک بات ایسی ہے جس کے متعلق خاموشی کو میں جائز نہیں سمجھتا اور وہ یہ کہ اسلام کے نام پر کوئی ایسی بات کہی جائے جو اسلام سے ثابت نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو پھر ہر مذہبی آدمی کا فرض ہے کہ وہ اُس وقت اسلام کی تعلیم کو واضح کر دے۔ اس وضاحت کو ماننا یا نہ ماننا یہ دوسرے آدمی کا کام ہے لیکن اس کا واضح کر دینا ایک مذہبی آدمی کا فرض ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کے سامنے جواب دِہ ہوگا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ زمینداری کا طریق اسلام کے بعد جاری نہیں ہوا بلکہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے یہ طریق دنیا میں کسی نہ کسی رنگ میں رائج چلا آتا ہے۔ عرب بے شک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ویران ملک تھا اور اس کی آبادی چند لاکھ افراد پر مشتمل تھی بوجہ صحراؤں اور بیابانوں کی کثرت کے اس میں کھیتی باڑی کم ہوتی تھی مگر پھر بھی کچھ ٹکڑے ایسے تھے جو بہت زرخیز تھے اور ان ٹکڑوں کی آبادی کے لئے چھوٹے چھوٹے قصبے یا شہر ان کے گرد بن گئے تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ فرمایا تو اُس وقت ایسے قصبے اور شہر موجود تھے۔ مکہ مکرمہ کے ہمسایہ میں طائف کا علاقہ زمیندارہ علاقہ تھا، طائف سے چل کر مکہ

سے آٹھ دس میل کے فاصلہ تک کھجوروں کے باغات اور کھیتوں کا سلسلہ ممتد تھا اور مکہ کے امراء ان باغوں یا کھیتوں کو خرید کر اپنے لئے گزارہ کی صورتیں پیدا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا مجمل اشارہ ملا تو آپ نے اُسی وقت ایک رؤیا کی بناء پر جس میں یہ دکھایا گیا تھا کہ آپ ایک کھجوروں والے علاقہ میں ہجرت کر کے گئے ہیں یہ سمجھا کہ طائف اور مکہ کے درمیان جو نخلہ مقام ہے اور جہاں کھجوروں کے بہت سے باغ ہیں شاید آپ ہجرت کر کے وہاں تشریف لے جائیں گے۔ آپ کا وہ اہم سفر جو طائف کی طرف آپ نے اختیار فرمایا وہ بھی اسی تعبیر کے نتیجہ میں تھا۔ آپ نے خیال فرمایا کہ اگر نخلہ ہی وہ مقام ہے جدھر آپ کو ہجرت کرنی ہوگی تو غالباً طائف کے لوگ آپ پر جلد ایمان لے آئیں گے لیکن خدا تعالیٰ کے علم میں وہ مقام نخلہ نہ تھا بلکہ مدینہ منورہ تھا۔[1] اس لئے طائف کے لوگوں نے بجائے ایمان لانے کے آپ پر پتھر برسائے اور آپ کو سخت ایذائیں دیں۔[2] یمن بھی ایک زرعی ملک ہے، دار الہجرت مدینہ منورہ بھی ایک زرعی علاقہ ہے، بحرین کا علاقہ بھی زرعی ہے اور کئی دوسرے عرب علاقے بھی زرعی ہیں۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کے وقت عرب میں زراعت کی جاتی تھی۔ لوگ زمینوں کے مالک تھے، بڑے مالک بھی اور چھوٹے مالک بھی، اِس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام کے سامنے یہ مسئلہ نہیں آیا اس لئے اس نے اس مسئلہ کے متعلق کوئی روشنی نہیں ڈالی یا اس کے متعلق کوئی تفصیلات بیان نہیں کیں۔ ہمارے نزدیک تو اسلام خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا مذہب ہے اور خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ وہ آئندہ آنے والے امور کے متعلق بھی قرآن کریم میں راہنمائی فرماتا ہے لیکن بعض مادی خیال کے لوگ ایسی دلیلیں بعض دفعہ پیش کر دیا کرتے ہیں کہ فلاں بات اسلام کے وقت میں نہیں تھی اس لئے اسلام میں اس کے متعلق اس تعلیم کا ملنا مشکل ہے۔ ایسے لوگوں کا منہ بند کرنے کیلئے میں کہتا ہوں کہ زمین کی ملکیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پائی جاتی تھی اور یہ سوال پوری طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ پس ایسا سوال جو آپ کے سامنے آیا، ایسا معاملہ جو خود آپ کی ذات سے گزرا اور آپ کے صحابہؓ کے ساتھ پیش آیا اُس کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ اسلام نے اس کے بارہ میں کوئی تعلیم نہیں دی یہ گویا اِس بات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ **نَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ**

اسلام ایک نامکمل مذہب ہے بلکہ ناقص مذہب ہے جس نے آئندہ زمانوں کے مسائل کو تو کیا حل کرنا تھا اپنے زمانہ کے اہم مسائل کو بھی اِس نے نہ حل کیا نہ چھیڑا (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ)

اگر اسلام نے اِس مسئلہ کے متعلق کوئی روشنی نہیں ڈالی تو بہر حال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہؓ نے زمینوں کے متعلق کوئی نہ کوئی طریق عمل تو اختیار کیا ہوگا کیونکہ اسلام کی حکومت میں زمیندار بستے تھے، اور زمینداروں اور ان کے مزارعوں کے درمیان اختلافات پیدا ہوتے تھے اور تصفیہ کے لئے وہ حکام کے سامنے پیش بھی ہوتے رہتے تھے۔ اگر نَعُوْذُ بِاللّٰہِ اسلام نے کوئی تعلیم نہیں دی تھی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے کوئی عقلی فیصلہ اسلامی اصول کی روشنی میں اس بارہ میں ضرور کیا ہوگا۔ اور اگر ایسا کوئی فیصلہ کیا تھا تو وہ فیصلہ ہزاروں ہزار مسلمانوں کے عمل میں بھی آیا ہوگا۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی چونکہ زمین تھی آپ کے عمل میں بھی آیا ہوگا۔ آپ کے خلفاء کے پاس بھی زمین تھی ان کے عمل میں بھی آیا ہوگا۔ آپ کے صحابہؓ میں سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور بہت سے اکابر صحابہؓ کی زمینداریوں کا ثبوت حدیثوں اور تاریخوں سے ملتا ہے اور انصار تو قریباً سب کے سب زمیندار تھے ان لوگوں کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا لائحہ عمل پیش کیا تھا؟ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی خیبر کی فتح کے بعد زمین آ گئی تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے کیا طریق عمل پسند فرمایا تھا؟ اس سوال کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ہمارے لئے اتنا ہی کافی نہیں کہ ہم قرآن کریم کی بعض آیات کا غلط یا صحیح مفہوم نکال کر ایک قانون بنا دیں بلکہ ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ قرآن کریم کی اس آیت کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا معنی کئے اور اس پر کس شکل میں عمل کیا۔ کیونکہ یہ مسئلہ صرف اعتقادی نہیں کہ اسے صرف اصولی احکام سے حل کیا جائے بلکہ عملی ہے جس کی تفصیلات پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمل کیا اور دوسروں سے عمل کروایا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صاف طور پر فرماتا ہے۔ **اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰ ھُمُ اقْتَدِہْ**[۳] یعنی تو ہمارے پہلے بھیجے ہوئے بزرگوں کے طریق پر عمل کر۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریق تھا کہ جب تک

قرآن کریم کا کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا آپ تورات کے بتائے ہوئے طریق اور انبیائے سابق کے عمل کی اتباع فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً قبلہ کا مشہور مسئلہ ہے۔ جب تک قبلہ کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ آپ خانہ کعبہ کی اُس سمت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے جس سمت میں خانہ کعبہ بھی آپ کے سامنے آجاتا تھا اور بیت المقدس کی مسجد بھی آپ کے سامنے آجاتی تھی۔ اِس ذریعہ سے آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنّت پر بھی عمل کر لیتے تھے اور بنی اسرائیل کے انبیاء کی سنت پر بھی عمل کر لیتے تھے۔ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو چونکہ مدینہ منورہ بیت المقدس اور مکہ مکرمہ کے درمیان میں ہے اور دونوں طرف ایک ہی وقت میں منہ نہیں کیا جاسکتا اس لئے آخری زمانہ کے انبیاء کا احترام کرتے ہوئے آپ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دی لیکن بعد میں قرآن کریم میں قبلہ کا حکم نازل ہو گیا اور پھر آپ نے خانۂ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی شروع کر دی۔[۴]

اِسی طرح اور بہت سے مسائل ملتے ہیں جن میں رسول کریم ﷺ نے احکامِ قرآنیہ کے نزول سے پہلے بنی اسرائیل کے انبیاء کے طریق کو اختیار کئے رکھا اور تاریخ اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ بِالارادہ یہ کام کرتے تھے۔ پس جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہے کہ جہاں اور جب تک کوئی نص نہ ملے پُرانے انبیاء کے طریق کو اختیار کر لیا کرو تو کیا یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ اگر بِالفرض کوئی نص قرآن کریم میں موجود نہیں تو ایک مسلمان کو یہ اجازت ہے کہ وہ اپنی عقل سے اپنے لئے رستہ تجویز کرے اور رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے طریق عمل کو نہ دیکھے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی فرمانبرداری اور اطاعت کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور اطاعت بھی واجب کی ہے اور میرا تو یہی عقیدہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کرتے تھے وہ کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت کرتے تھے لیکن فرض کرو کسی کا یہ عقیدہ نہیں تو بھی اُس کو یہ ماننا پڑے گا کہ اگر کسی معاملہ میں اُس کو قرآنی ہدایت نہیں ملتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کے ارشاد میں سے اسے اسلام کی اصولی تعلیم کا صحیح مفہوم ملے گا۔ اِس تمہید کے بعد جاگیرداری اور زمینداری کے متعلق جو مختلف سوال پیدا ہو سکتے ہیں یا ہوئے ہیں ان کے متعلق میں قرآن کریم اور حدیث اور ائمۂ اسلام کی

تعلیم اور ان کا تعامل پیش کرنا چاہتا ہوں تا مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ اسلام کی رائے اس مسئلہ کے متعلق کیا ہے اور کوئی بات اسلام کے نام سے ایسی نہ کہی جائے جس کو اسلام نے پیش نہیں کیا۔

پہلا باب

اِسلام نے ملکیّتِ اشیاء کے متعلق کیا قانون مقرر کئے ہیں؟

دنیا میں بہت سے جھگڑے اِس بناء پر پیدا ہوتے ہیں کہ ملکیت اشیاء کس کی ہے؟ بعض ملکیت حکومت کا حق سمجھتے ہیں، بعض قوم کا، بعض خاندان کا اور بعض فرد کا۔ اور پھر ملکیت کے بعد تصرف اور کسی چیز سے نفع حاصل کرنے کے متعلق بھی وہ اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض مقبوضہ چیزوں سے نفع اُٹھانے کے غیر محدود حق کو تسلیم کرتے ہیں اور بعض لوگ محدود حق کو تسلیم کرتے ہیں۔ اسلام نے اِس بارہ میں جو تعلیم دی ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ [5] یعنی اللہ ہی ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان سب کو چھ زمانوں میں پیدا کیا اور پھر وہ عرش پر قائم ہو گیا۔

دوسری جگہ اِسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ [6] یقیناً تمہارا ربّ وہ اللہ ہے جس نے کہ آسمانوں اور زمین کو چھ زمانوں میں پیدا کیا۔ پھر تمام مخلوق کا انتظام کرتے ہوئے وہ عرش پر قائم ہو گیا۔ یہ مضمون قرآن کریم میں مختلف جگہ پر آیا ہے۔ مثلاً سورۂ لقمان میں، سورۂ زخرف میں، سورۂ زمر میں، سورۂ ہود میں، سورۂ حدید میں اور مختلف اَور سورتوں میں۔ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ زمین اور آسمان اور جو کچھ اِن میں ہے سب اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے اس لئے اُسی کو حق ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے متعلق کوئی قانون بنائے اور اس مخلوق کا نظام چلانے کے متعلق کوئی اصول تجویز کرے۔ اِس مضمون کی مزید تشریح کیلئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا [7] یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے کہ جس نے زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ تم سب کے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے۔ اِس آیت

میں اِس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ تمام بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے بنایا گیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے زمین اور اُس کے ساتھ کی متعلقہ چیزوں کو خدائی قانون کے مطابق فائدہ اُٹھانے کے لئے انسان کو بحیثیت مجموعی بخش دیا ہے۔ اسلام کے مختلف احکام اِسی مسئلہ کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ مثلاً جب جانور ذبح کیا جاتا ہے تو بِسْمِ اللّٰهِ کہی جاتی ہے۔ جس میں اِس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ جانور اصل میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اُس کی اجازت سے میں اِسے ذبح کر رہا ہوں۔ ہر چیز کے کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھی جاتی ہے۔ اس کے بھی یہی معنی ہوتے ہیں کہ میں خدا تعالیٰ کی اجازت سے اِس کھانے کو استعمال کرنے لگا ہوں۔ یہ کھانا اصل میں اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور کھانے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہی جاتی ہے۔ یہ جملہ ایسا ہی ہے جیسے انسان کو کوئی تحفہ دیتا ہے تو اُس کے مقابلہ میں جَزَاکُمُ اللّٰهُ کہا جاتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے معنی ہیں سب تعریف اللہ ہی کی ہے یعنی یہ تحفہ بھی خدا نے ہی دیا ہے اور باقی سب چیزیں جو مجھے ملتی ہیں وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی ملتی ہیں۔ اِسی طرح جب جانور پر سواری کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ [8] یعنی یہ جانور بھی اصل میں خدا کا ہے اور اُسی نے مجھے دیا ہے تا کہ میں اس سے فائدہ اُٹھاؤں۔ تسخیر کے ایک معنی عربی زبان میں یہ بھی ہوتے ہیں کہ کسی کو مفت فائدہ اُٹھانے کے لئے کوئی چیز دینا۔[9] پس اس حکم کے معنی یہی ہیں کہ انسان جب کسی جانور سے فائدہ اُٹھائے تو اقرار کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور یہ عارضی طور پر مجھے فائدہ اُٹھانے کے لئے دیا گیا ہے۔

غرض مختلف احکامِ شریعت کو اوپر بیان کئے ہوئے مضمون کی تشریح کے طور پر اسلام نے بیان کیا ہے اور بار بار ایک مسلمان کے ذہن میں یہ بات راسخ کی گئی ہے کہ ملکیت اشیاء اللہ تعالیٰ کی ہے اِس لئے کہ اُس نے اِن چیزوں کو پیدا کیا ہے اور جو پیدا کرتا ہے وہی چیز کا مالک ہوتا ہے دوسرا مالک نہیں ہوتا۔ دوسرے کی ملکیت مستعار ہوگی یعنی مالک کے دیئے ہوئے حقوق کے مطابق اُس کو حقوق حاصل ہونگے اُس سے زیادہ نہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ کیا خدا تعالیٰ کلّی طور پر کسی کو ملکیت دے دیتا ہے؟ تو اس کا جواب بھی

قرآن کریم میں بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ نحل میں فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۚ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ [۱] یعنی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے پس وہ جن کو دوسروں پر رزق میں فضیلت حاصل ہے وہ اپنے غلاموں کو اس طرح اپنے مال کا مالک نہیں بناتے کہ وہ غلام اُن کے ساتھ ملکیت میں برابر کے شریک ہو جائیں۔ پھر کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں؟ یعنی جو لوگ یہ تعلیم پھیلاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی بعض مخلوق فرشتے، جن یا بُت یا انسان خدائی طاقتیں رکھتے ہیں اور جب اعتراض کیا جائے تو یہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طاقتیں ان کے سپرد کر دی ہیں ہم اُن سے یہ کہتے ہیں کہ کیا کبھی تم نے بھی ایسا کیا ہے کہ اپنے مالوں میں اپنے غلاموں کو برابر کا شریک کر لو؟ اگر تم نے کبھی ایسا نہیں کیا تو تم خدا تعالیٰ کے متعلق یہ کیونکر خیال کرتے ہو کہ وہ اپنی مملوکہ اشیاء میں دوسروں کو برابر کا شریک کر لے گا۔ اِس قسم کا خیال تو تبھی آ سکتا ہے جبکہ انسان دل میں یہ سمجھتا ہو کہ اصل میں یہ دُنیا خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ نہیں کچھ دوسری ہستیوں کا بھی اِس کے پیدا کرنے میں دخل ہے اور اس لئے وہ اس کی مالک ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کلّی ملکیت کبھی کسی دوسرے کو نہیں دیتا۔ اصل ملکیت ہر چیز کی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے دوسروں کی طرف ایک محدود ملکیت منتقل کی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اسلام کے نزدیک تمام مخلوقات کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ ملکیت اُس کو بوجہ مخلوقات کا خالق ہونے کے حاصل ہوئی۔ جبر یا ورثہ سے نہیں ملی یعنی یہ ملکیت اس کی خالص اور منصفانہ ہے۔ اِس میں کسی اور کی ملکیت کا حق غصب نہیں کیا گیا نہ کسی سے حق مستعار لیا گیا ہے۔ ہاں آگے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بہت حد تک زمین اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والی چیزوں کی ملکیت بخش دی ہے اور جیسا کہ دوسری آیات سے پتہ لگتا ہے ایک حد تک زمین سے باہر کی اشیاء پر بھی اس کو فائدہ اُٹھانے کا حق بخشا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ [۱۱] یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے فائدہ کے لئے آسمانوں میں اور زمین میں جو

کچھ بھی ہے سب کا سب تمہیں مفت فائدہ اُٹھانے کے لئے عطا فرمایا۔ اس میں سوچنے والے لوگوں کے لئے بڑے بھاری نشانات ہیں۔

اس آیت میں دو باتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ اوّل یہ کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ تو ظاہری طور پر انسان کے سپرد ہے ہی مگر زمین کے اوپر اور بلندیوں میں جو کچھ ہے اس سے بھی انسان فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور اُٹھاتا ہے اور یہ بات شریعت یا اسلام کے خلاف نہیں۔ دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ انسان کو اپنی علمی ترقی میں صرف زمینی چیزوں پر غور کرنے تک محدود نہیں رہنا چاہیے بلکہ انسان کی ایجاد کا سلسلہ آسمانی چیزوں تک ممتد ہے۔ نظر آنے والی روشنی کی شعاعیں اور نہ نظر آنے والی شعاعیں اور آسمانی ستاروں کی سرگرمیاں اور اَور کئی چیزیں معلوم اور غیر معلوم اَن گنت ایسی ہیں جن کو انسان غور کر کے معلوم کر سکتا اور اپنے فائدہ کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ پس انسان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے صرف زمین پر ہی قبضہ نہیں ملا بلکہ زمین سے پیدا ہونے والی یا ان سے پیدا ہونے والی تمام چیزوں پر قبضہ ملا ہے اور ان سب چیزوں کو استعمال کرتے وقت انسان خدا تعالیٰ کا اجیر ہوتا ہے، کامل مالک نہیں ہوتا۔ حتّٰی کہ جس دماغ سے انسان کام لیتا ہے اُس کا مالک بھی خُدا ہے۔ اور اس سے فائدہ اُٹھاتے وقت بھی انسان اپنی کامل ملکیت کی چیز سے فائدہ نہیں اُٹھا رہا ہوتا بلکہ خدا تعالیٰ کی مشروط طور پر دی ہوئی چیز سے ایک مشروط حد تک اور مقید حد تک فائدہ اُٹھا رہا ہوتا ہے۔ اور جس طرح زمین کی تمام چیزیں تمام بنی نوع انسان کی ملکیت ہیں اِسی طرح ان سے آگے نکلی ہوئی تمام چیزیں بھی تمام بنی نوع انسان کی ملکیت ہیں حتی کہ خود تمام انسان بھی ایک رنگ میں تمام بنی نوع انسان کی ملکیت ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اسلام کیوں تمام بنی نوع انسان کے ذمہ یہ خدمت لگاتا کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کی خدمت کریں۔

درحقیقت یہ ملکیت کا مسئلہ قرآن کریم نے صرف ایک اعتقادی مسئلہ کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ اسلامی احکام کی اس میں تشریح اور توضیح کی ہے۔ اسلام کہتا ہے سچ بولو اور اسلام کہتا ہے لوگوں سے سچ بلواؤ۔ ایک انسان کہہ سکتا ہے کہ مجھے یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے۔ آخر خدا کو اس سے کیا واسطہ ہے؟ خدا تعالیٰ اِس کا جواب یہ دیتا ہے کہ یہ دنیا بھی مَیں نے پیدا کی، دوسری

مخلوقات بھی میں نے پیدا کیں اور تم کو بھی میں نے پیدا کیا ہے۔ جس طرح دنیا کا ہر ذرہ میں نے تمہارے لیے پیدا کیا ہے تم کو میں نے دنیا کی باقی مخلوق کے لئے پیدا کیا ہے۔ جس طرح خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا کہہ کر باقی مخلوق کو تمہاری ملکیت بنایا گیا ہے اسی طرح اِس فقرہ سے تم بھی تو دوسرے انسانوں کے مملوک ہو جاتے ہو۔ کیونکہ تمام انسان بھی مَا فِي الْاَرْضِ میں شامل ہیں۔ پس جس طرح زمین کا ہر ذرّہ تمام نوعِ انسان کیلئے ہے اِسی طرح زمین کا ہر فرد تمام بنی نوع انسان کیلئے بلکہ ساری مخلوقات کیلئے ہے اور یہ ملکیت درحقیقت ایک غیر متناہی دائرہ کی صورت میں اِس دنیا میں قائم کی گئی ہے۔ اس وجہ سے ہر ذرّہ اور ہر فرد پر خدا تعالیٰ کی طرف سے حق ہے کہ وہ دوسرے ذرّات اور دوسرے افراد کی خدمت کرے۔ اسلام کی ساری تعلیم اِسی نکتہ کے ماتحت ہے اِس سے باہر نہیں۔ دوسرے مذاہب نے بھی خدمتِ خلق وغیرہ کے مسائل بیان کئے ہیں لیکن اُنہوں نے اِن مسائل کے جواز کی کوئی صورت پیش نہیں کی۔ اسلام نے اِس حقیقت کو بیان کر کے ان تمام احکام کے جائز اور درست ہونے کی دلیل مہیا کر دی ہے۔ ہاں یہ بھی قرآن کریم نے بتا دیا ہے کہ یہ تمام باہمی ایک دوسرے پر ملکیت کے حقوق خدا تعالیٰ کے بیان کردہ قواعد کے ماتحت ہونگے اُن سے باہر نہیں ہونگے کیونکہ ملکیت خدا تعالیٰ کی ہے کسی اَور کی نہیں۔ اور جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے اللہ تعالیٰ نے جنسی ملکیت کے علاوہ جو تمام بنی نوع انسان کو دنیا کی تمام اشیاء پر حاصل ہے فردی ملکیت کو بھی تسلیم فرمایا ہے۔ جیسا کہ خود فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ اللہ تعالیٰ نے ہی تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے۔ اگر فردی ملکیت مسلّم نہیں تو کسی شخص کو دوسرے پر رزق میں جائز طور پر فضیلت حاصل ہی نہیں ہوسکتی۔

میں نے جو اِن آیات کی تشریح کی ہے میری اِس تشریح کے ساتھ پُرانے ائمہ بھی متفق ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۹۲ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

ان الکل مال اللّٰہ لیس فیه حق لاحد فی الحقیقة لکن اللّٰہ تعالی لما اباح لهم الانتفاع بالارض وما فیها وقعت المشاحة فکان الحکم حینئذ ان لا یهیج احد

مما سبق الیه من غیر مضارة فالارض المیتة التی لیست فی البلادو لافی فناء ھا اذا عمرھا رجل فقد سبقت یدہ الیھا من غیر مضارة۔ [۱۲]

یعنی جو کچھ بھی اِس دنیا میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا مال ہے۔ حقیقی ملکیت اس میں کسی اَور کو حاصل نہیں لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو زمین اور جو کچھ اس میں ہے اُس سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت دی ہے اس لئے بوجہ ملکیت کی مشارکت کے اعلان کے باہمی اختلافات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ پس اِس مخالفت کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بنا دیا ہے کہ جو شخص کسی دوسرے فرد کے حق کو نقصان پہنچائے بغیر کسی چیز پر پہلے قبضہ کرلے وہ اُسی کی ملکیت سمجھی جائے گی۔ چنانچہ وہ زمین جو شہری حدود میں نہ ہو اور نہ شہر کے گرد کے علاقہ میں ہو اور کسی کے قبضہ میں نہ ہو جب اُسے کوئی شخص قبضہ میں لے آئے تو اُس کا قبضہ صحیح سمجھا جائے گا اور باوجود اِس کے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت دنیا کی ہر چیز کے تمام انسان مشترک مالک ہیں اُس حصہ پر اُس شخص کی منفرد ملکیت تسلیم کر لی جائے گی اور کسی کو اختلاف کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اِس حوالہ سے ظاہر ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب بھی اسلام کی مالکیت کے متعلق تعلیم میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو میں نے قرآن کریم سے استدلال کر کے اوپر بتایا ہے۔ اور ان کے نزدیک بھی تمام اشیاء کا مالک اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کے ارشاد کے ماتحت کھیتوں اور دوسری چیزوں کی ملکیت فرداً واحداً حاصل کرسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ فقرہ بھی لکھا ہے کہ **معنی الملک فی حق الادمی کونہ احق بالا نتفاع من غیرہ** [۱۳] آدمی کے حق میں ملکیت کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ دوسرے شخص کی نسبت زیادہ فائدہ اُٹھانے کا شرعاً حقدار ہوتا ہے۔

حدیث کی کتاب ابوداؤد میں آتا ہے۔ **من سبق الی مالم یسبق الیه مسلم فھو له** [۱۴] جو شخص کسی ایسی چیز پر قبضہ کرلے جس پر پہلے کسی اور مسلمان نے قبضہ نہیں کیا تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

اِسی طرح حنفیوں کی مشہور کتاب ھدایہ میں لکھا ہے **من سبقت یدہ الی مال مباح ملکه** [۱۵] جس نے دوسرے سے پہلے کسی ایسی چیز پر قبضہ کرلیا جس کا کوئی فرد مالک نہیں تو وہی

اُس کا مالک ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ صاحب اِس بارہ میں یہ قید لگاتے ہیں کہ **لایجوز احیاء الارض الا باذن الامـــــام۔** غیرمملوکہ یا غیرمزروعہ زمین (جس پر اس سے پہلے تاریخی زمانہ میں زراعت نہیں ہوئی) پر اُسی وقت دوسرے شخص کو قبضہ کرنے کی اجازت ہوسکتی ہے جب کہ امام اِس کی اجازت دے (یا اُن دنوں کی حکومت اس کی اجازت دے تب اس زمین پر قبضہ ہوسکتا ہے)

اوپر کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی شخص کو کسی دوسرے شخص کی زمین پر قبضہ کرنے کا حق نہیں۔ اگر کسی شخص کے پاس زمین ہو اور وہ اسے زیر کاشت نہ لاتا ہو یا اور کسی کام میں نہ لاتا ہو یا حکومت کی زمین ہو جو اُفتادہ پڑی ہو تو اُس پر دوسرے لوگوں کو جن کے پاس زراعت کے لئے زمین نہ ہو قبضہ کرنے کا حق ہے بشرطیکہ حکومت کی طرف سے اِس کی اجازت ہو (یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا استدلال ہے جو اُنہوں نے ایک اصولی حدیث سے کیا ہے اور عقل اس پر شاہد ہے کہ جس جگہ کوئی حکومت ہو اُس جگہ اُس کے قاعدہ کی پابندی لازمی ہے ورنہ فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جاتا ہے) اور یہی قانون زمین کے سِوا دوسری اشیاء کے بارہ میں بھی ہے۔ چنانچہ بخاری میں آتا ہے۔

عن زید بن خالدؓ قال جاء رجل الی رسول اللّٰہ ﷺ فسالہ عن اللقطۃ فقال اعـرف عـفـا صھـا ووکـاء ھـا ثم عرفھا سنۃ فان جاء صاحبھا و الا شانک بھا قال فضالۃ الغنم؟ قال ھی لک اولاخیک او للذئب قال فضالۃ الابل؟ قال مالک ولھا معھا سقاء ھا وحذاوھا ترد الماء وتاکل الشجر حتی یلقاھاربھا۔[16]

یعنی حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے عرض کیا کہ اگر مجھے راستہ میں کوئی گری پڑی چیز مل جائے تو اُس کے بارہ میں حضور کا کیا ارشاد ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اُس کے بٹوے کو اور اُس کے منہ باندھنے والے تسمہ کو اچھی طرح پہچان رکھ اور ایک سال تک لوگوں میں اعلان کر۔ اگر اِس عرصہ میں اُس کا مالک تجھے مل جائے تو تُو وہ چیز اُس کے حوالہ کر اور اگر نہ ملے تو پھر اُس روپیہ کو تُو جہاں چاہے خرچ کر لے۔ اُس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اگر کوئی

گم شدہ بکری مجھے مل جائے تو اُس کے بارہ میں حضور کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا۔ تُو اُسے اپنے قبضہ میں لے لے کیونکہ یا تو وہ تیرے ہاتھ آئے گی یا تیرے کسی بھائی کے ہاتھ میں آئے گی یا کسی بھیڑیئے کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ اُس نے کہا **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** اگر کوئی گُم شدہ اونٹ مجھے مل جائے تو اس کے بارہ میں حضور کا کیا ارشاد ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تیرا اونٹ سے کیا واسطہ۔ اُس کا پانی اُس کے پاس ہے اور اُس کی ٹانگیں بھی موجود ہیں وہ پانی پی کر اور درختوں کے پتے وغیرہ کھا کر زندہ رہ سکتا ہے یہاں تک کہ اُس کا مالک اُسے ڈھونڈ لے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ زمین کے علاوہ دوسری اشیاء کے لئے بھی یہی قاعدہ ہے کہ جس چیز کا مالک کوئی نہ ہو وہ جسے ملے اُس پر قبضہ کر سکتا ہے بشرطیکہ پہلے مناسب جگہوں پر اعلان کر دے لیکن وہ اشیاء جو خود اپنی فکر کر سکتی ہیں اُن پر قبضہ کرنا خواہ اُن کا مالک نظر نہ آتا ہو جائز نہیں۔ چنانچہ جب اُس شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا کہ **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** اگر مجھے ایک اونٹ نظر آئے جس کا مالک پاس نہ ہو تو کیا میں اُس پر قبضہ کر لوں؟ تو آپ نے فرمایا اُس کا کھانا (جنگل کے کانٹے) اور اُس کا پانی اُس کے پاس ہے پھر تجھے اُس سے کیا کام۔ یعنی یہ حکم تو اُن اشیاء کے بارہ میں ہے جن کے ضائع ہو جانے کا ڈر ہے اگر مالک اُن کا وقت پر نہ پہنچے گا تو وہ ضرور ضائع ہو جائیں گی اِس لئے جس کو مل جائیں وہ اُن پر قبضہ کر لے۔ اگر اُن کو کچھ عرصہ تک سنبھال کر رکھا جا سکتا ہو تو سنبھال کر رکھا جائے اور اُن کے بارہ میں اعلان کیا جائے اگر پھر بھی مالک نہ ملے تو اپنے کام میں لایا جائے۔ اگر سنبھال کر نہ رکھا جا سکے مثلاً سڑنے والی اشیاء تو اِس بات کی تسلّی ہو جانے پر کہ اُن کا مالک کہیں چلا گیا ہے اُن کو استعمال کر لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ زمین ان چیزوں میں سے نہیں کہ اس کا ضائع ہونے کا ڈر ہو اس لئے اس کے بارہ میں وہی قانون جاری ہوگا جو اونٹ کے بارہ میں ہے کہ جب اونٹ خود اپنی حفاظت کر سکتا ہے تو مالک کا پاس نہ ہونا دوسرے کو اُس پر قبضہ کر لینے کا حق نہیں دیتا۔ ہاں چونکہ اس کے بیکار پڑا رہنے سے ملک کو نقصان پہنچتا ہے اِس لئے حکومت کو حق ہے کہ مالک کو نوٹس دے کہ زمین کو آباد کرے۔ اگر وہ پھر بھی آباد نہ کرے تو وہ اُسے دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دے۔ گو میرے نزدیک اُس وقت بھی حکومت کا فرض ہوگا کہ اُس کی مناسب قیمت مالک کو دے یا کوئی

مناسب سمجھوتہ مالک اور نیا قبضہ کرنیوالے لوگوں میں کروا دے۔

میری دلیل اِس بارہ میں یہ ہے کہ بلال بن حارث مزنی کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو زمین ملی تھی جب وہ اُس کو آباد نہ کر سکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے وہ زمین چھینی نہیں بلکہ اُنہیں بُلا کر سمجھایا اور آخر اُن کی اِس شرط کو قبول کر لیا کہ میں زمین تو چھوڑتا ہوں لیکن اس زمین کی کانیں سب میری ملکیت ہونگی۔ [۷۱] اِس حدیث سے یہ نتیجہ نکلا کہ حکومت کی اپنی عطا کردہ اُفتادہ زمین کو بھی حکومت مُلک کی اقتصادی حالت کے درست کرنے کے لئے واپس تو لے سکتی ہے لیکن اُسے مالکوں سے معاہدہ کرنا پڑے گا جبراً ایسی زمین حاصل نہیں کر سکتی۔

ملکیت زمین کے متعلق آئمہ اہل تشیع کا بھی وہی خیال ہے جو اہل السنّت کا ہے۔ چنانچہ فروع الکافی جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ میں جو اہل تشیع کے نزدیک حدیث کی ویسی ہی مستند کتاب ہے جیسی اہل السنّت کے نزدیک بخاری اور مسلم ہیں یہ حدیث آتی ہے کہ **عن معاویة بن وهب قال سمعت ابا عبدالله یقول.......... ان الارض للّٰه ولمن عمرها** یعنی معاویہ بن وہب کہتے ہیں یعنی امام ابوعبداللہ علیہ السلام سے سنا کہ زمین کا اوّل مالک اللہ ہے اور اس کے بعد وہ شخص مالک ہے جس نے اُسے آباد کیا ہے۔ پس اس سوال کے متعلق کہ آیا افراد زمین کے مالک ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ تمام مسلمان فرقے متفق ہیں اور اُن کا یہ فیصلہ ہے کہ افراد زمین کے مالک ہو سکتے ہیں مگر وہ ملکیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوگی کیونکہ اصل مالک وہ ہے۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ جب زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے تو کیا حکومت کو جو خدا تعالیٰ کی ظل ہے اِس بات کا اختیار حاصل نہیں کہ وہ ملکیت زمین کے متعلق کوئی نیا قانون جاری کر دے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ ظلّی حکّام کی حکومت اُس طرح محدود ہوتی ہے جس طرح ظلّی مالک کی ملکیت محدود ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ اور اُس کے رسول نے جہاں ظلّی مالکوں کے لئے کچھ قیود مقرر کی ہیں وہاں ظلّی حاکموں کے لئے بھی اُس نے کچھ قیود مقرر کر دی ہیں اور وہ قیود یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اور اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے فیصلہ کے خلاف کوئی نیا قانون جاری نہیں کیا جا سکتا اور زمین کا معاملہ ایسا ہے جس کے متعلق خدا تعالیٰ کا فیصلہ بھی موجود ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ بھی موجود ہے اور خلفائے اربعہ اور ائمہ صحابہ کا فیصلہ بھی

موجود ہے۔ اس صورت میں کسی حکومت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ظل اللہ قرار دے کر کوئی نیا قانون بنا دے۔ وہ اُن امور میں بے شک نئے قانون بنا سکتی ہے جن کے متعلق خدا اور اس کا رسول اور اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ صحابہؓ خاموش ہیں لیکن اُن امور کے متعلق وہ کوئی نیا قانون نہیں بنا سکتی جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے کوئی روشنی ڈالی ہے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے سامنے وہ معاملات پیش ہوئے ہیں اور اُنہوں نے اُن کے متعلق اصولی یا جزوی فیصلے کئے ہیں۔ اگر ظلّی حکّام کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ خدا اور اُس کے رسول اور اکثریت صحابہ کے فیصلوں کو ردّ کر کے کوئی نیا فیصلہ جاری کر دیں تو پھر ظلّی مالکوں کو بھی حق ہے کہ وہ اُن تمام حد بندیوں اور قیود کا انکار کر دیں جو خدا اور رسول اور صحابہ کرامؓ کی طرف سے اُن پر عائد ہیں۔ ظل بہرحال اصل کے تابع ہوتا ہے وہ حاکم ہو یا مالک اُس کی حکومت بھی محدود ہے اور اُس کی مالکیت بھی محدود ہے۔ یہ میں آگے چل کر تفصیل سے بیان کروں گا کہ اِس بارہ میں خدا اور اُس کے رسول اور اکثریت صحابہؓ نے کیا فیصلہ کیا ہے۔

دوسرا باب

کیا زمین کو اسلام نے فردِ واحد کی ملکیت اُن معنوں میں قرار دیا ہے جن معنوں میں کہ دوسری چیزوں کی ملکیت ہوتی ہے؟

اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ جو آیات اوپر لکھی گئی ہیں ان میں زمین اور غیر زمین میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ ان آیات میں صاف بتا دیا گیا ہے کہ ہر چیز خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہے اس لئے ہر مخلوق خدا تعالیٰ کی مِلک ہے۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ زمین کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہر چیز اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے بخشی ہے۔ اوپر کی آیت میں جو ارض کا لفظ ہے اُس سے مراد کھیتی نہیں بلکہ کرۂ ارض ہے اور اُس میں سے نکلی ہوئی چیز کے معنی سبزی، ترکاری یا غلّہ نہیں بلکہ کرۂ ارض کے اوپر یا نیچے ہر ایسی چیز جس پر انسان قبضہ کر سکتا ہے مراد ہے۔ بلکہ اس زمین سے نکلی ہوئی چیزوں سے جو چیز آگے بنائی جائے وہ بھی مراد ہے کیونکہ کسی کی دی ہوئی لکڑی سے، کسی کے دیئے ہوئے ہتھیاروں کی مدد سے، کسی کے دیئے ہوئے ہاتھ اور دماغ کے ذریعہ سے جو چیز بنے گی اُس کا مالک بھی وہی ہوگا جس کی لکڑی تھی، جس کے ہتھیار تھے، جس نے ہاتھ اور دماغ بنایا تھا۔ پس خدا تعالیٰ صرف کھیتوں ہی کا مالک نہیں بلکہ خدا تعالیٰ روئی کا بھی مالک ہے، لکڑی کا بھی مالک ہے، لوہے کا بھی مالک ہے، جڑی بوٹیوں کا بھی مالک ہے، جنگل کے پتھروں کا بھی مالک ہے، اُس کی ریت کا بھی مالک ہے اور جب اُس نے ان چیزوں کی ملکیت تمام بنی نوع انسان کو مشترکہ طور پر عطا فرمائی تو صرف کھیتوں ہی کی ملکیت تمام انسانوں کو عطا نہیں فرمائی بلکہ دریاؤں کی ملکیت بھی تمام بنی نوع انسان کو عطا فرمائی۔ پہاڑوں اور اُن کی برفوں اور اُن کے درختوں اور اُن کے پھولوں اور اُن کی بوٹیوں اور اُن کے اندر

چھپی ہوئی کوئلہ کی کانوں، سیسہ کی کانوں، تانبے کی کانوں، ہیرے اور جواہرات کی کانوں اور اِسی طرح زمین کے صحراؤں، پانی کے نیچے کی مچھلیوں، ہوا کے پرندوں اور تمام باقی چیزوں کی ملکیت بھی عطا فرمائی۔ بنی نوع انسان مشترک طور پر صرف کھیتی ہی کے مالک نہیں بلکہ پرندوں کے بھی مالک ہیں۔ تمام اُن دواؤں کے بھی مالک ہیں جو کہ بوٹیوں سے تیار کی جاتی ہیں، تمام اُن مشینوں کے بھی مالک ہیں جو کہ لوہے سے بنائی جاتی ہیں۔ تمام اُن اشیاء کے بھی مالک ہیں جو خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ لکڑیوں سے بنائی جاتی ہیں۔ غرض دنیا میں جس چیز پر کوئی قبضہ کر سکتا ہے یا جس چیز کی کوئی قیمت پڑ سکتی ہے ایسی ہر چیز کے تمام بنی نوع انسان مشترک طور پر مالک ہیں۔ آگے خاص حالات میں اس مشترک ملکیت کو مقید کر دیا گیا ہے اور ایک خاص دائرہ میں شخصی ملکیت کو بھی تسلیم کر لیا گیا ہے لیکن قرآن شریف کی کسی آیت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث میں کارخانوں میں بننے والی چیزوں یا زمین کے اندر سے نکالی جانے والی چیزوں یا جنگل میں اُگنے والی چیزوں یا تجارت سے حاصل ہونے والے مالوں یا دریاؤں کے نیچے سے نکلنے والی چیزوں اور کھیتوں کی ملکیت میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ خدا تعالیٰ یکساں مالک ہے کھیتوں کا بھی، پہاڑوں کا بھی، دریاؤں کا بھی، کارخانوں کا بھی اور تمام بنی نوع انسان یکساں مالک ہیں اِن تمام چیزوں کے۔ اور فرد اِن چیزوں میں سے جتنے حصّہ کا مالک ہے اُس کو ایک ہی قسم کے حقوق حاصل ہیں خواہ وہ کھیتی کا مالک ہو، خواہ کارخانے کا مالک ہو یا کانوں کا مالک ہو یا تجارتی گوداموں کا مالک ہو یا گورنمنٹ سے حاصل ہونے والی تنخواہ کا مالک ہو۔

تیسرا باب

زمین کی ملکیت کو اسلام نے جن معنوں میں تسلیم کیا ہے اُن کے رُو سے وہ زمین کے مالک کو کیا کیا حق دیتا ہے؟

اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ قرآن کریم اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شریعت زمین کے مالک کو ویسے ہی تمام حقوق دیتی ہے جیسا کہ وہ کارخانوں کے مالک کو دیتی ہے یا تجارتی کوٹھیوں کے مالکوں کو دیتی ہے یا کانوں کے مالکوں کو دیتی ہے یا جڑی بوٹیوں یا جنگلوں کے خریدنے والوں کو دیتی ہے اس میں اسلام کوئی فرق نہیں کرتا۔ ان تمام قسم کی ملکیتوں کے متعلق اسلام کی طرف سے مندرجہ ذیل قیود عائد ہیں:۔

اوّل: اصل مالک خدا ہے۔ اُس کی ملکیت بہر حال قائم رہے گی یعنی خدا تعالیٰ جتنا چاہے فردِ واحد کی ملکیت کو مقید کر سکتا ہے۔

دوم: کوئی ملکیّت ایسی شکل میں نہیں آسکتی کہ وہ ملکیت اپنی ذات میں دوسروں کے حقوق پر اثر انداز ہو۔ مثلاً زمین کی ملکیت کو لے لو۔ کوئی شخص پانی کو زمین پر چلنے سے نہیں روک سکتا، افراد کو جائز طور پر زمین پر چلنے سے روک نہیں سکتا۔ جائز طور پر چلنے کے معنی یہ ہیں کہ جو پگڈنڈیاں بنائی جائیں اُن پر چلنے سے روک نہیں سکتا یا بغیر نقصان کے کھیتوں میں سے چلنے والے کو روک نہیں سکتا۔ یہ مراد نہیں کہ کوئی شخص زبردستی کسی کے کھیت کو تباہ کرنا چاہے تو وہ اُس کو بھی روک نہیں سکتا۔ کوئی شخص غیر محدود زمانہ تک زمین کو اُفتادہ نہیں رکھ سکتا۔ اگر زمین پر کام کرنے والے لوگ موجود ہیں تو وہ کام میں آنی چاہئے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔ **المسلمون شرکاء فی الماء والکلاء والنار** [۱۸] یعنی لوگوں کو حق نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو پانی سے روکیں یا خودرَو گھاس سے کسی کو روکیں یا آگ لینے سے کسی کو روکیں۔ پس جائز نہیں ہوگا کہ اگر کسی کی زمین میں چشمہ ہو تو وہ وہاں سے پانی لینے سے لوگوں کو روکے یا خودرَو گھاس

ہوتو وہ اُس کے کھانے سے دوسروں کے جانوروں کو منع کرے یا وہ آگ جلائے تو دوسرے لوگوں کو آگ لینے سے منع کرے۔ اِسی طرح علامہ ابن قدامہ اپنی کتاب مغنی میں تحریر فرماتے ہیں۔

المعادن الظاھرة وھی التی یوصل مافیھا من غیر موونة ینتابھا الناس وینتفعون بھا کالملح والماء والکبریت والقیر والمومیاء والنفت والکحل والیاقوت ومقاطع الطین واشباہ ذلک...... لا تملک بالا حیاء ولا یجوز اقطاعھا لاحد من الناس ولا احتجار ھادون المسلمین لان فیه ضررا بالمسلمین وتضییقا علیھم [۱۹]

یعنی وہ کانیں جن کو کھود کر اور تکلیف سے نکالنا نہیں پڑتا بلکہ وہ سطح زمین پر یا اس کے قریب ہوتی ہیں اور عوام الناس اُن کو کام میں لاتے اور فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ جیسے نمک اور پانی اور گندھک اور کول تار اور مومیائی اور مٹی کا تیل اور سرمہ اور یاقوت اور مٹی لینے کی جگہیں اور اِسی قسم کی چیزیں خواہ کوئی اس زمین پر جائز قبضہ کرے جس میں وہ پائی جاتی ہیں تب بھی یہ اشیاء اُس کی ملکیت نہیں ہوں گی اور کسی بادشاہ کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اِن چیزوں کو کسی ایک شخص کے حق میں دے دے یا حُکمًا اُن کا استعمال مسلمانوں کے لئے روک دے کیونکہ اس میں مسلمانوں کے لئے نقصان اور تنگی ہے۔

اِسی طرح علّامہ ابن قدامہ مغنی جلد۴ صفحہ ۳۸۶ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

وکذالایجوز احیاء ماتعلق به حق العامة کما فی النھر والطریق یعنی اِسی طرح شخصی ملکیت نہروں اور راستوں پر بھی تسلیم نہیں کی جاسکتی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا فیصلہ اور اس کے بعد علمائے اسلام کے اُس فیصلہ سے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی تشریح میں ہے اور خالی عقلی بناء پر نہیں کیا گیا، یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی ملکیت محدود ہے اور بعض امور میں پبلک کے حق میں اُس کو اپنی ملکیت چھوڑنی پڑے گی۔ مثلاً اگر کوئی پہاڑی نالہ کسی کی زمین پر سے گذرتا ہے تو اُس کے پانی کی ملکیت اُس کی نہیں ہوگی فوراً پبلک کی ملکیت ہو جائے گی۔ یا حکومت کی ملکیت ہو جائے گی۔ اِسی طرح کوئی شاہراہ بھی اگر کسی کی ملکیت میں سے گزرتا ہے تو وہ اُس کی ملکیت نہیں ہو سکے گا بلکہ پبلک کا ہو جائے گا۔ اِسی طرح کانیں وغیرہ جو سطح زمین پر ہیں اور اُن کے لئے گہری

کھدائی نہیں کرنی پڑتی وہ بھی پبلک کی ملکیت ہوں گی گو حکومت ان کی منتظم اور نگران ہو گی مگر حکومت بھی اُن کانوں کے آس پاس رہنے والے لوگوں کی روزانہ ضرورتوں سے اُن کو محروم نہیں کر سکتی۔ ہاں جتنا حصہ تجارتی ہو گا وہ حکومت کے قبضہ میں ہو گا۔ اِسی اصل کے ماتحت ہم یہ قانون نکالیں گے کہ اگر کوئی انسان ایسی فصل بوئے جو صحت کے لئے مضر ہو یا اُس کے پھول اور کیڑے اُڑ کر اِردگرد کی فصلوں کو نقصان پہنچائیں اور اُن کی حیثیت کو ادنیٰ بنا دیں تو حکومت ایسے احکام جاری کر سکتی ہے جن کے رُو سے وہ لوگوں کو اِس قسم کی فصل بونے سے روک دے۔ مثلاً جس علاقہ میں عام طور پر امریکن کپاس بوئی جاتی ہے اگر اُس علاقہ میں دیسی کپاس بوئی جائے تو اُس کی وجہ سے امریکن کپاس کی قسم کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور بعد میں اُس کے امتزاج کی وجہ سے باقی لوگوں کی کپاس کی قیمتیں بھی گر جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں حکومت کو یقیناً اختیار حاصل ہے کہ وہ مندرجہ بالا حدیث اور ائمہ کے استدلال پر قیاس کرتے ہوئے حکم دے دے کہ اِس علاقہ میں فلاں چیز کا بونا چونکہ لوگوں کے لئے مضر ہے اس لئے اُس کو نہ بویا جائے۔ لیکن حکومت یہ نہیں کہہ سکتی کہ چونکہ اِس شخص کی ملکیت دوسرے لوگوں کے لئے مضر ہے اس لئے اس کو ملکیت سے محروم کر دیا جائے کیونکہ ملکیت اپنی ذات میں ضرر نہیں پہنچاتی جس طرح کہ غلط کاشت اپنی جگہ میں دوسروں کو نقصان پہنچاتی ہے۔

اِس حد تک تو میں نے یہ بتایا ہے کہ مالکِ زمین کے حقوق کہاں تک محدود ہیں۔ اب میں یہ بتاتا ہوں کہ زمین کے مالک کے حقوق کس حد تک قرآن کریم اور احادیث اور صحابہ ءکرامؓ اور ائمہ عظام کے فتووں یا عمل سے ثابت ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت فرماتا ہے کہ ہم نے اُن کو کہا۔ اُسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ [۲۰] اے آدم تُو اور تیری بیوی دونوں اس باغ میں رہو۔ اِس آیت سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ انسان زمین کا مالک ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم اور اُن کی بیوی کو ایک باغ کا مالک بنایا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کو کسی جگہ پر رہنے کا اختیار دیا جائے گا دوسروں کو اُس جگہ پر جانے کا اختیار باقی نہیں رہے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک کافر اور ایک مؤمن کی گفتگو ان الفاظ میں بیان

فرماتا ہے۔ وَلَوْ لَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا [۲۱] یعنی مؤمن کافر سے کہتا ہے کہ جب تُو اپنے باغ میں داخل ہوتا ہے تو تُو یہ کیوں نہیں کہتا کہ خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے سِوا کسی کو کوئی طاقت حاصل نہیں ہے اور تو مجھ پر فخر جتاتا ہے کہ تیرے پاس مجھ سے زیادہ مال ہے اور تیری اولاد مجھ سے زیادہ ہے۔ پس تو یاد رکھ کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ مجھے تیرے باغ سے بڑا باغ دے اور تیرے باغ پر آسمان پر سے ایک کنکروں والی آندھی چلا دے اور تیرا باغ اُجڑی ہوئی زمین ہو کر رہ جائے۔ گو یہ ایک مثال ہے لیکن اس سے یہ اصول ثابت ہو جاتا ہے کہ انسان بڑے بڑے باغوں کا بھی مالک ہو سکتا ہے اور باغ اور زمین میں کوئی فرق نہیں کیونکہ باغ زمین کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔

اِسی طرح سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ گزشتہ انبیاء کی قوموں نے جب اُن کو دکھ دیا اور اُن کو دھمکی دی کہ وہ اُنہیں ملک سے نکال دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو الہام کیا کہ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ [۲۲] ہم اپنی ذات ہی کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم کو اِس زمین میں بسا دیں گے۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اُن لوگوں کے زمین میں بسانے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور جب ہم پہلی تاریخوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی اُمتوں میں فردِ واحد کی ملکیت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ پس ''ہم بسا دیں گے'' کے الفاظ نے اِس ملکیت کو نہ صرف جائز قرار دیا ہے بلکہ اِس بات کا بھی اظہار فرمایا ہے کہ وہ ملکیت خدا تعالیٰ کے قانون کے مطابق تھی اور خدا تعالیٰ کی عطا کی ہوئی تھی۔

اِسی طرح سورۂ بنی اسرائیل کے بارہویں رکوع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ ارضِ مقدس میں بس جاؤ۔ [۲۳] اِس بسنے کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اور جب ہم بائبل سے اس بسنے کی کیفیت معلوم کرتے ہیں تو اس میں زمین کی انفرادی ملکیت کا ثبوت ملتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم کی مختلف آیات سے زمینوں اور باغوں کی انفرادی ملکیت کا استدلال ہوتا ہے۔ احادیث بھی اس استدلال کی مؤید ہیں۔ چنانچہ سنن ابوداؤد باب ۲ فی اقطاع الارضین کے نیچے صفحہ ۴۳۷ پر لکھا ہے۔ **عن اسمر بن مضرس قال اتیت النبی ﷺ فبایعتہ فقال من سبق الی مالم یسبق الیہ مسلم فھولہ** [۲۴] یعنی حضرت اسمرؓ فرماتے ہیں مَیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے آپ کی بیعت کی۔ اُس وقت میں نے سُنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے کہ جس زمین پر کسی مسلمان کا قبضہ نہیں جو مسلمان بھی اُس پر قبضہ کرے وہ اُسی کی ملکیت ہو جائیگی۔

اسی طرح بخاری کتاب المزارعۃ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **من اعمر ارضالیست لاحد فھوا حق۔** [۲۵] جو شخص کسی ایسی زمین پر قابض ہو جائے جو کسی اَور کی نہیں تو وہی اُس کا جائز مالک ہوگا۔ اِس حدیث سے ثابت ہے کہ جو زمین آپ کے زمانہ میں کسی کی مملوکہ تھی آپ نے اُس کی ملکیت کو جائز قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو یہ نصیحت کی ہے کہ ایسی زمینوں پر قبضہ کرو جن کے دوسرے مالک نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد کے مطابق حضرت عمرؓ سے بھی ایک اثر ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ **قال عمر من احیا ارضا میتۃ فھی لہ** [۲۶] جو شخص کسی ایسی زمین پر قبضہ کرے جس پر کوئی مسلمان قابض نہیں تو وہ اُس کا مالک قرار دیا جائے گا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ارضِ موات جس پر قبضہ کرنا جائز رکھا گیا ہے وہ کیا چیز ہے؟ اور آیا اُس پر قبضہ کرنے کی کوئی شرائط بھی ہیں یا نہیں؟ سو اِس کا جواب یہ ہے کہ ارضِ موات سے مراد سرکاری زمینیں ہیں نہ کہ افراد کی زمینیں اور نہ وہ زمینیں جو کہ شہروں اور قصبات کے اِردگرد ہوتی ہیں اور زمینداروں کی مشترک ملکیت ہوتی ہیں۔ اُنہیں کاشت میں نہیں لایا جاتا مگر وہ چراگاہوں کے طور پر، کھیل کے میدانوں کے طور پر، یا سوختنی لکڑیوں کے جنگلوں کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ چنانچہ کتاب **بدائع الفقۃ الحنفیہ** میں لکھا ہے **الاراضی فی الاصل نوعان ارض مملوکۃ وارض مباحۃ غیر مملوکۃ والمملوکۃ نوعان عامرۃ وخرابوالمباحۃ نوعان ایضا۔ نوع ھو من مرافق البلدۃ محتطبا لھم و مرعی**

لمواشیھم ونوع لیس من مرافقھا وھو مسمی بالموات [۲۷] یعنی زمین درحقیقت دوقسم کی ہوتی ہے ایک مملوکہ اور ایک غیر مملوکہ۔ مملوکہ بھی آگے دوقسم کی ہوتی ہے آباد اور غیر آباد۔ اور غیر مملوکہ بھی دوقسم کی ہوتی ہے ایک وہ جو کہ شہروں کے پاس ہو اور شہری لوگ اُس سے فائدہ اُٹھاتے ہوں یا اُس سے لکڑیاں لیتے ہوں یا اُن کے جانور اُس سے فائدہ اُٹھاتے ہوں اور ایک غیر مملوکہ وہ ہوتی ہے جو شہروں سے دُور ہوتی ہے اور لوگ اُس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور اُسی کو موات کہتے ہیں۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ **الموات کل ارض اذا وقف علی ادناھا من العامر مناد باعلی صوتہ لم یسمع اقرب الناس الیھا فی العامر** [۲۸] یعنی موات وہ زمین ہے کہ اُس کا جو حصہ شہر سے قریب ترین ہو اُس پر کھڑے ہو کر اگر کوئی اونچی آواز والا آدمی نہایت بلند آواز سے بولے تو شہر میں سے جو حصہ اُس جانب سب سے قریب ہے وہاں کے لوگ بھی اُس کی آواز نہ سن سکیں۔

اِن حوالوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مملوکہ زمین تو کسی صورت میں بھی موات نہیں کہلاتی اور غیر مملوکہ زمین بھی اُسی وقت موات کہلاتی ہے جس پر قبضہ کر لینے کا افراد کو حق دیا گیا ہے یا لوگوں میں تقسیم کرنے کا حق دیا گیا ہے جبکہ وہ زمین شہروں سے اتنے فاصلہ پر ہو کہ شہر کی ضرورتوں کو اُس کے تقسیم کر دینے سے نقصان نہ پہنچتا ہو۔ گویا حنفی علماء کے نزدیک افراد کا قبضہ کر لینا تو الگ رہا حکومت بھی ایسی زمین کو تقسیم نہیں کر سکتی جس کا آزاد چھوڑنا کسی شہر یا قصبہ کیلئے ضروری ہو۔

اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو فرد کسی صورت میں بھی ایسی غیر مملوکہ اور سرکاری زمین پر بغیر حکومت کی اجازت کے قبضہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔ **لایجوز احیاء الارض الا باذن الامام لقولہ ﷺ لیس لاحد الا ماطابت بہ نفس امامہ** [۲۹] یعنی لاوارث اور غیر مملوکہ زمین پر قبضہ کرنا بھی بغیر حکومت کی اجازت کے جائز نہیں کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی سرکاری چیز کا مالک نہیں ہو سکتا جب تک کہ امام خوشی سے اُس کو بخش نہ دے۔

چوتھا باب

اسلام نے زمین کی ملکیت کا حق کن کن اصول پر دیا ہے؟

یہ ثابت کر چکنے کے بعد کہ اسلام میں زمین کی ملکیت جائز ہے اور یہ ثابت کرنے کے بعد کہ زمین کی ملکیت اُسی حد تک جائز ہے جس حد تک کہ اموالِ تجارت یا پیشوں یا نوکریوں کی آمدنیوں کی ملکیت جائز ہے یعنی جو حق ایک پیشہ ور کو اپنے پیشہ کے متعلق ہے، ایک تاجر کو اپنی تجارت کے متعلق ہے، ایک صنّاع کو اپنی صنعت کے متعلق ہے وہی حق ایک زمیندار کو اپنی زمین کے متعلق ہے اور جن معنوں میں کہ زمین خدا تعالیٰ کی ملکیت ہے اُنہی معنوں میں اموالِ تجارت اور صنعت و حرفت سے تیار کئے ہوئے اموال اور پیشوں سے حاصل کئے ہوئے مال اور نوکریوں سے حاصل کئے ہوئے مال بھی خدا تعالیٰ کی ملکیت میں شامل ہیں۔ اور زمینوں کے متعلق وہی قوانین بنائے جاسکتے ہیں جو ان دوسری چیزوں کے متعلق بنائے جاتے ہیں ان دونوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاسکتا۔ اب میں یہ بتاتا ہوں کہ اسلام نے زمین کی ملکیت کن کن بنیادوں پر تسلیم کی ہے۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام میں ملکیت کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

اوّل ورثہ **دوم** خرید **سوم** ہبہ **چہارم** کسی ایسی چیز پر قبضہ جو لاوارث ہو اور جس پر قبضہ کرنا شریعت کے رُو سے جائز ہو۔

ورثہ کا ثبوت تو قرآن شریف سے ثابت ہے۔ قرآن شریف میں اولاد کو والد کی جائداد کا وارث قرار دیا گیا ہے پس جس کے والد کے پاس کوئی جائداد تھی اُس کی اولاد اُس کی مالک ہے اور ویسی ہی مالک ہے جیسا کہ باپ مالک تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل نے یہ بات بھی بلا اختلاف ثابت کر دی ہے کہ جاہلیت کی ملکیتیں اسلام میں بھی جائز ملکیتیں سمجھی جائیں گی اِسی طرح جاہلیت کے قبضے اسلام میں بھی جائز سمجھے جائیں گے۔ چنانچہ عرب میں جو لوگ مسلمان ہوئے وہ جن زمینوں پر قابض تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں اُن زمینوں پر قابض رہنے دیا سوائے اِس کے کہ وہ زمینیں جنگی قانون کے ماتحت ضبط ہوئی ہوں۔

دوسری صورت خرید کی ہے۔ خرید کا ثبوت بھی صحابہؓ کے طریق سے ثابت ہے بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسجد اور اپنے مکانوں کے لئے مدینہ کے لوگوں سے زمین خریدی۔ یہ امر ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے۔ مدینہ میں ان لوگوں کی کوئی جائدادیں نہیں تھیں۔ مدینہ میں جا کر جو اِن لوگوں نے گھر بنائے وہ وہیں کے لوگوں سے زمینیں خرید کر بنائے تھے۔ چنانچہ یہ مشہور حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کچھ عرصہ تک مدینہ کے باہر ٹھہر کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو آپ نے فرمایا جہاں میری اونٹنی ٹھہرے گی وہاں میں اپنا گھر بناؤں گا۔ مدینہ کے لوگوں نے اپنے گھروں میں سے نکل نکل کر اصرار کیا کہ اُن کے گھروں میں آپ ٹھہریں مگر آپ نے اِسے تسلیم نہ کیا۔ آخر جس جگہ پر آپ کی اونٹنی ٹھہری اُس جگہ کو آپ نے مسجد کے لئے اور اپنے مکانوں کے لئے پسند فرمایا۔ وہ دو یتیموں کی زمین تھی یتیموں کے وارثوں نے وہ زمین مفت دینی چاہی مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کو پسند نہ فرمایا بلکہ فرمایا کہ واجبی قیمت پر اِس کو فروخت کردو۔[۳۰] اِس جگہ پر بعد میں مسجد اور آپ کے اہلِ بیت کے گھر بنے۔ پس زمین کی بیع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے عمل اور طریق سے ثابت ہے۔

تیسرا طریقہ ملکیت کا ہبہ ہے یعنی کوئی شخص کسی شخص کو یا کسی قوم کو یا کسی جماعت کو اپنا مال ہبہ کے طور پر بخش دے تب اُس شخص کو یا اُس گروہ کو اُس زمین پر اُس حد تک مالکانہ حقوق حاصل ہونگے جس حد تک کہ ہبہ کرنے والے شخص نے ان کو حق دیا ہے۔ اگر اُس نے پورے مالکانہ حقوق بخش دیئے ہیں تو جو حق کسی کامل مالک کو حاصل ہوتے ہیں وہ سب اُن لوگوں کو حاصل ہونگے جن کے نام زمین ہبہ کی گئی ہے اور اگر کسی شرط کے ساتھ ملکیت منتقل کی گئی ہو تو جس حد تک پابندی لگائی گئی ہے اس کے بعد باقی حق اُن کو حاصل ہونگے۔ اِس قسم کے ہبے احادیث سے دونوں طرح کے ثابت ہیں۔ بے شرط بھی اور شرط کے ساتھ بھی۔ بے شرط ہبہ کی مثال وہ زمینیں ہیں جو قرآنی حکم کے ماتحت مالِ غنیمت کے طور پر صحابہؓ میں تقسیم کی گئیں جس کی مشہور مثال خیبر کی زمین ہے۔ اس کے علاوہ انفرادی مثالیں بھی بہت سی پائی جاتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی زمینوں میں سے جو فوری طور پر صحابہؓ میں تقسیم نہیں کی گئیں

اپنی مرضی سے یا صحابہؓ کے مانگنے پر اُن کو زمینیں عطا فرمائیں۔ چنانچہ کنز العمال میں بیہقی کے حوالہ سے لکھا ہے۔

عن عبداللّٰہ بن ابی بکر قال جاء بلال بن الحارث المزنی الی رسول اللّٰہ ﷺ فاستقطع ارضا عریضة طویلة فقطعها۔[۳۱]

یعنی عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بلال بن حارث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ زمین کا ایک بہت لمبا اور چوڑا قطعہ اُن کے نام ہبہ کر دیا جائے۔ اُن کی اِس درخواست کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا اور ایک بہت بڑا ٹکڑہ جو شاید بیسیوں مربع میل کا تھا اُن کو ہبہ کر دیا۔

چوتھی صورت یعنی ایسی جگہ پر قبضہ کر لینا جس پر کسی اَور کا قبضہ نہ ہو اور اُس پر قبضہ کرنا شریعت کے رو سے جائز ہو۔ اِس کی مثال کے طور پر مَیں یہ حدیث پیش کرتا ہوں۔

بخاری میں لکھا ہے **کتاب المزارعة باب من احیا ارضًاموا تًا** ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **من اعمر ارضا لیست لاحد فھوا حق**۔ جس نے کسی ایسی زمین کو آباد کر دیا جو کسی کی نہیں وہ اُس کا حقدار ہے۔

اِسی طرح بخاری کی اِسی کتاب اور اِسی باب میں یہ درج ہے کہ **قال عمر من احیا ارضا میتة فھی لہ** ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص کسی ایسی لاوارث زمین پر قابض ہو گیا جس کا کوئی مالک نہیں وہ اُسی کو ملے گی۔

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا قبضہ اُسی صورت میں جائز ہوگا جبکہ امام کی طرف سے اس کی اجازت دی جائے کیونکہ لاوارث زمین درحقیقت حکومت کی ہوتی ہے پس امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ حکومت اُس کی مالک ہے حکومت کی اجازت کے بعد اُس پر قبضہ کرنا چاہیے یونہی نہیں۔ باقی آئمہ کے نزدیک چونکہ حکومت اُس کو کام میں نہیں لا رہی اور درحقیقت مالک افراد ہیں حکومت صرف مختارِ کار ہے اِس لئے اگر افراد میں سے کوئی شخص ایسی زمین پر بقدرِ ضرورت قبضہ کر لے تو وہ جائز ہوگا۔

میری غرض ان حوالوں کو نقل کرنے سے یہ ہے کہ ہر مسلمان جو نسلاً کسی زمین کا وارث چلا

آ رہا ہے اور اُس پر اُس کا قبضہ ہے یا جس نے وہ زمین خریدی ہے یا جس کو وہ زمین ہبہ میں ملی ہے یا جس نے کسی اُفتادہ زمین پر کہ جو کسی کی ملکیت نہیں تھی قبضہ کر لیا ہے اسلامی شریعت کے رُو سے وہ شخص اُس کا مالک تصور کیا جائے گا ویسا ہی مالک جیسا کہ کارخانہ کا مالک اُس کا مالک ہے یا تجارتی دکان کا مالک اُس کا مالک ہے یا ملازمت سے حاصل ہونے والے روپے کا مالک اُس کا مالک ہے۔ ہاں اگر اِن چار ذرائع کے سِوا کسی اور ناجائز ذریعہ سے کسی نے کوئی زمین دبالی ہو تو حکومت کا حق ہے کہ اُس کو واپس لے۔ لیکن اوپر کے بیان کردہ چار ذرائع کے لحاظ سے اگر کوئی شخص کسی زمین کا مالک ہے تو یہ کہہ کر کہ زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اُس پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ زمین کا ہی مالک نہیں وہ نوکریوں کا بھی مالک ہے۔ تجارتوں کا بھی مالک ہے، صنعت وحرفت کا بھی مالک ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ملکیت کی وجہ سے زمینوں پر قبضہ کرنا جائز ہے تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت کی وجہ سے تجارتوں پر بھی، صنعت وحرفت پر بھی اور ملازمتوں پر بھی قبضہ کرنا چاہیے، بلکہ افراد کی جانیں بھی خدا تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کی ملکیت کے یہ معنی ہیں کہ حکومت اپنے آپ کو ظل اللہ قرار دے کر جس چیز پر چاہے قبضہ کر لے تو پھر حکومت کو لوگوں کی جانوں پر بھی قبضہ حاصل ہونا چاہئے۔ حکومت کو اختیار حاصل ہونا چاہئے کہ جس کو چاہے جس کام پر لگا دے اور کھانا کپڑا دے دے کوئی تنخواہ وغیرہ مقرر نہ کرے جیسا کہ غلاموں کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن یہ امر سوائے بالشوزم کے اور کہیں جائز نہیں سمجھا جاتا۔

پانچواں باب

کیا جاگیرداری اسلام میں جائز ہے؟

میں نے اوپر کی فصل میں یہ بات بیان کی ہے کہ زمینوں کی ملکیت جائز ذرائع سے افراد کے لئے جائز ہے۔ یہاں شاید کسی کو یہ دھوکا لگے کہ اس اوپر کی فصل کے ماتحت جاگیرداری بھی جائز ہے۔ سو یاد رہے یہ درست نہیں۔ جاگیرداری اور زمینداری میں ایک فرق ہوتا ہے۔ زمینداری اِسے کہتے ہیں کہ ایک شخص زمین کا مالک ہوتا ہے لیکن حکومت یا پبلک کے حقوق کو پوری طرح ادا کرتا ہے اور جاگیرداری اِسے کہتے ہیں کہ حکومت یا پبلک کا حق کلّی طور پر یا جزوی طور پر اُسے معاف ہو جاتا ہے۔ مثلاً زمیندار باوجود زمین کا مالک ہونے کے حکومت کی طرف سے مقرر کردہ معاملہ یا آبیانہ جسے اسلامی اصطلاح میں عُشر یا خراج یا زکوٰۃ کہتے ہیں ادا کرتا رہتا ہے لیکن جاگیردار کو تو کلّی طور پر خراج یا عشر یا زکوٰۃ معاف ہوتی ہے یا اس کا ایک حصہ معاف ہوتا ہے اور وہ گویا ملک کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں دوسری رعایا کے ساتھ شریک نہیں ہوتا۔ مُلک کے امن، مُلک کے عدل وانصاف، مُلک کی حفاظت، مُلک کے دفاع اور مُلک کی حکومت کے چلانے کے لئے ایک غریب سے غریب آدمی کچھ نہ کچھ زکوٰۃ یا ٹیکس دے رہا ہوتا ہے لیکن یہ شخص ان تمام انتظامات سے فائدہ تو اُٹھا رہا ہوتا ہے لیکن ان کا بوجھ اُٹھانے میں شریک نہیں ہوتا۔ یہ چیز قطعی طور پر حرام ہے اور کسی حکومت کو زکوٰۃ یا عُشر کے معاف کر دینے کا حق نہیں حتی کہ بانی اسلام بھی ایسا نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہ حق خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے اور خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ حق کو کوئی انسان معاف نہیں کر سکتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلا معاملہ یہی مسلمانوں کو پیش آیا۔ آپ کی وفات کے بعد عرب کے قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ یہ حق صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک تھا اس کے بعد نہیں۔ صحابہؓ نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی تو حکومت چلے گی

کس طرح ؟ اگر ایسا کیا جائے تو اسلامی نظام درہم برہم ہو جائے گا لیکن نَو مسلم قبائیلیوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی اور اُنہوں نے اصرار کیا کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ ان کو جاگیر دار سمجھ لیا جائے۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے حکام کے نام ہدایتیں جاری کی گئیں کہ زکوٰۃ باقاعدہ وصول کی جائے اور کسی کو معاف نہ کی جائے تو ملک نے بیک وقت بغاوت کر دی اور مختلف قبائل مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اپنے گھروں سے روانہ ہو گئے۔ یہ وقت اسلام کے لئے نہایت نازک تھا۔ سوائے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ اور ایک دو اَور ایسی جگہوں کے تمام کا تمام عرب باغی ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا بہادر آدمی بھی اِس موقع پر گھبرا گیا اور اُنہوں نے دوسرے صحابہؓ سے مشورہ کر کے حضرت ابو بکرؓ سے یہ درخواست کی کہ سرِ دست لوگوں کو زکوٰۃ معاف کر دی جائے۔ آہستہ آہستہ جب یہ لوگ اسلام میں پکے ہو جائیں گے تو آپ ہی آپ زکوٰۃ دینے لگ جائیں گے اور ساتھ ہی اُنہوں نے کہا کہ مدینہ کے چند ہزار آدمی سارے عرب کا مقابلہ کر ہی کس طرح سکتے ہیں۔ بیس بیس ہزار کا لشکر ایک ایک طرف سے چلا آ رہا ہے اگر یہ لوگ مدینہ تک پہنچ گئے تو مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی ساری بات سن کر فرمایا عمرؓ! زکوٰۃ خدا کا حق ہے میں اسے معاف کرنے کی طاقت نہیں پاتا۔ خدا کی قسم! میں خدا کے اس حق کے لینے کے لئے لڑوں گا اور اگر صحابہؓ بھی میرا ساتھ چھوڑ دیں تو میں اکیلا ان لوگوں سے جنگ کروں گا۔ خدا کی قسم! اگر یہ لوگ مدینہ میں گھس آئیں اور ازواجِ نبیؐ کی لاشیں گلیوں میں کتے گھسیٹتے پھریں تب بھی میں ان لوگوں سے نہیں ڈروں گا اور اُس وقت تک ان سے جنگ جاری رکھوں گا جب تک کہ زکوٰۃ کی وہ چھوٹی رسّی جو اونٹ کا گھٹنا باندھنے کے کام آتی ہے اور جسے یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ادا کرتے تھے اب بھی ادا نہ کریں گے۔[۳۲] حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ باتیں سن کر میرا دل دہل گیا اور میں نے سمجھا کہ واقعہ میں یہی شخص اِس بات کا مستحق تھا کہ رسول کریم ﷺ کے بعد اسلام کی باگ ڈور اِس کے ہاتھ میں دی جاتی۔

یہ وہ فیصلہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام کے پہلے خلیفہ نے کیا اور صحابہؓ باوجود خطرات کو دیکھنے کے اس فیصلہ کو ماننے پر مجبور ہو گئے اور خدا تعالیٰ نے بھی

آسمانی شہادتوں سے اس فیصلہ کی سچائی کو ثابت کر دیا۔ اکثر حصہ مسلمانوں کا اسامہ بن زیدؓ کے ماتحت شام کی جنگ کے لئے بھجوا دیا گیا تھا اور مٹھی بھر صحابہؓ باقی رہ گئے تھے۔ دشمن اتنی تعداد میں تھا اور اتنا طاقتور تھا کہ باقی ماندہ صحابہؓ ان کے اونٹوں کے پاؤں تلے روندے جا سکتے تھے لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی تھی، اُسی طرح اِن ایام میں اُس نے حضرت ابوبکرؓ کی بھی مدد کی۔ اس لئے کہ ابوبکرؓ ایک ایسے مسئلہ کی تائید کے لئے کھڑے ہوئے جو اسلام کے پانچ ارکان میں شامل ہے اور خدا تعالیٰ نے صحابہؓ کو وہ قوتِ بازو بخشی اور وہ عزم عطا فرمایا کہ باوجود اِس کے کہ بعض دفعہ ہزاروں ہزار آدمی کے لشکر کے سامنے وہ پہاڑی کنکروں کی طرح اِدھر اُدھر بکھر جاتے تھے مگر پھر ان کے قدم مضبوط ہو جاتے تھے، ان کو پھر اکٹھا ہو جانے کی توفیق مل جاتی تھی اور شیروں کی طرح وہ دشمنوں کے ٹڈی دل لشکروں پر پھر جا پڑتے تھے۔ جہاں تک لشکروں کا سوال ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اتنی کم تعداد کے صحابہؓ کو اتنے بڑے لشکروں کا مقابلہ کرنے کا موقع نہیں ملا لیکن نہ صحابہؓ نے اس کمی کو محسوس کیا اور نہ خدا تعالیٰ نے اِس کمی کے بدنتائج پیدا ہونے دیئے۔ آخر مدینہ سے چند منزل کے فاصلہ پر سب سے بڑے باغی لشکر کو جس میں بعض روایتوں کے مطابق کوئی ایک لاکھ کے قریب سپاہی تھا، صرف دو ہزار صحابہؓ نے شکست دی۔ وہ دانوں کی طرح بھن گئے، وہ قیمے کی طرح اُڑ گئے لیکن اُن کا قدم پیچھے نہ ہٹا اور اُسی وقت اُن کی تلواریں ٹھہریں جبکہ مسیلمہ کذاب مارا گیا اور باقی لشکر تتر بتر ہو گیا۔

یہ واقعات بتاتے ہیں کہ آسمان سے خدا تعالیٰ نے کہا کہ جو کچھ ابوبکرؓ نے کیا ٹھیک کیا۔ اگر زکوٰۃ کا معاف کرنا کسی حکومت کے اختیار میں ہوتا تو ایسے نازک حالات میں ابوبکرؓ ضرور زکوٰۃ معاف کر دیتے۔ لیکن اُنہوں نے زکوٰۃ معاف نہیں کی اور یہاں تک کہہ دیا کہ اگر دشمن مسلمانوں پر غالب آ کر مدینہ میں گھس آئے اور ازواج النبیؐ کی لاشوں کی ٹانگیں پکڑ کر کتے مدینہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھریں تب بھی وہ زکوٰۃ معاف نہیں کریں گے۔ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ کوئی حکومت خواہ مذہبی ہو یا سیاسی اِس چیز کو معاف نہیں کر سکتی۔ میں حیران ہوں کہ مسلمانوں میں یہ جہالت کس طرح آ گئی کہ انہوں نے عُشر اور خراج معاف کرنے شروع کر دیئے اور

جاگیرداری سسٹم قائم کر دیا۔ جاگیرداری سسٹم کے تو یقیناً یہ معنی ہیں کہ مالک خدا نہیں بلکہ حکومت ہے اور وہ جس کو چاہتی ہے اپنے بندوں کا مالک بنا دیتی ہے۔

غرض جاگیرداری سسٹم قطعاً اسلام کے خلاف ہے اور نہ صرف اسلام کے خلاف ہے بلکہ اسلام کے پنج ارکان کے خلاف ہے وہ پانچ حکم جن میں سے ایک حکم توڑنے سے بھی انسان قطعی کافر ہو جاتا ہے ان میں سے ایک ہے۔ پس میں مسلمان جاگیرداروں سے کہوں گا کہ حکومت کے کہنے پر نہیں خدا اور رسول کے کہنے پر وہ اپنی جاگیریں چھوڑ دیں۔ عُشر کو یا خراج کو کوئی معاف نہیں کر سکتا۔ اسلام میں عُشر وصول نہ کرنے کی صرف ایک ہی مثال پائی جاتی ہے اور وہ بطور سزا کے ہے۔ ایک شخص نے عُشر کے ادا کرنے میں تنگی محسوس کی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ اس شخص سے زکوٰۃ وصول نہ کی جائے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے وہ شخص اپنی زکوٰۃ لے کر جو ہزاروں ہزار روپیہ کی قیمت کی تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عاجزانہ طور پر درخواست کی کہ زکوٰۃ مجھ سے وصول کی جائے۔ لیکن وہ ابوبکرؓ جس نے مرتدین عرب کے مقابلہ میں یہ کہا تھا کہ اگر زکوٰۃ کی ایک چھوٹی سی رسّی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کی جاتی تھی تو وہ بھی میں لے کر چھوڑوں گا اُسی ابوبکرؓ نے اُس شخص کو یہ جواب دیا کہ جس زکوٰۃ کو خدا کے رسول نے وصول نہیں کیا ابوبکرؓ اُس کو وصول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ وہ شخص ہر سال زکوٰۃ لاتا تھا۔ اُس سال کی بھی اور پچھلے سالوں کی بھی اور اصرار کرتا تھا کہ اُس سے زکوٰۃ وصول کی جائے مگر حضرت ابوبکرؓ اُس کی زکوٰۃ کو ردّ کر دیتے تھے اور وہ اپنی بدبختی پر خون کے آنسو بہاتا ہوا مثالی طور پر نہیں عملی طور پر روتا ہوا واپس چلا جاتا تھا۔

اِس ایک جاگیرداری کی مثال کے سِوا قرونِ اُولیٰ میں جاگیرداری کی کوئی مثال نہیں ملتی مگر یہ کتنی ذلّت والی اور کتنی دکھ والی جاگیرداری تھی۔ وہ کمزور انسان، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ردّ کر دینے والا انسان اِس زکوٰۃ کی معافی کو لعنت سمجھتا تھا اور اس لعنت کے داغ کو اپنے ماتھے پر سے دھونا چاہتا تھا۔ کیا آج کا جاگیردار مسلمان اِس لعنت کو اپنی اولادوں کی طرف منتقل کرنا چاہتا ہے؟ یہ تو کوئی سوال ہی نہیں کہ حکومت کوئی ایسا قانون پاس کرتی ہے یا

نہیں ایک مسلمان کی حیثیت سے جاگیردار کو چاہیے کہ حکومت اگر زور بھی دے کہ تُو یہ رقم اپنے پاس رکھ لے تو وہ کہے کہ میں یہ رقم رکھنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ یہ تو میرے ایمان کا دیوالہ نکالنے والی بات ہے، یہ تو مجھے کافروں میں شامل کرنے والی رقم ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی جائدادیں صحابہؓ کو ہبہ کی تھیں اُن سب کے اوپر آپ نے زکوٰۃ کو قائم رکھا تھا۔ چنانچہ سنن ابوداؤد میں آتا ہے۔

عن بشیر بن یسار عن رجال من اصحاب النبیﷺ ادرکھم یذکرون عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حین ظھر علی خیبر قسمھا علی ستة وثلاثین سھما ۔ جمع کل سھم مائة سھم فجعل ذالک کلہ للمسلمین فکان فی ذالک النصف سھام المسلمین وسھم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم معھا وجعل النصف الاخر لمن ینزل بہ من الوفود والا مور و نوائب الناس [۳۳] یعنی بشیر بن یسار نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابہؓ سے جن سے اُن کو ملاقات کا موقع ملا ہے یہ روایت سنی ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر فتح پائی تو آپؐ نے خیبر کی ساری زمین چھتیس حصوں میں تقسیم کر دی۔ ہر حصہ ایک سَو حصص کا تھا۔ گویا کل تین ہزار چھ سَو حصہ مقرر کیا گیا۔ اِن حصوں میں سے نصف یعنی اٹھارہ سَو حصے تو آپ نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جن میں خود آپ کا بھی حصہ شامل تھا اور باقی نصف آپ نے اِس بات کے لئے محفوظ کر دیا کہ غریبوں کی مشکلات اور حکومت کی ضروریات پر اس کی آمد خرچ ہو۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی نصف زمین صحابہؓ میں بانٹ دی تھی۔ اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ کیا اِس نصف زمین پر سے عُشر وصول ہوتا تھا یا نہیں؟ سو اِس کے متعلق ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہؓ کو خیبر کی طرف بھیجا کرتے تھے اور وہ وہاں جا کر کھجوروں کے درختوں کے پھلوں کی قیمت کا اندازہ لگاتے تھے پیشتر اِس کے کہ لوگ اُس میں سے کچھ کھائیں۔ پھر وہ یہودیوں کو موقع دیا کرتے تھے کہ خواہ وہ اس اندازہ کو قبول کر کے اپنا حقِ مزارعہ رکھ کر ان کو دے دیں یا وہ اس اندازہ کو ردّ کر دیں تو ابن رواحہ اپنے اندازہ کے مطابق ان کو

حصہ دے کر باقی اپنے پاس رکھ لیں۔[۳۴] یہ وہی طریقہ ہے جسے کنکوت کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ وہ اِس لئے ایسا کرتے تھے کہ پھلوں کے کھائے جانے سے پہلے زکوٰۃ کا اندازہ ہو جائے جس کے معنی یہ ہیں کہ خیبر کے عطیات پر بھی زکوٰۃ واجب ہوتی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ سے زیادہ کون جاگیرداری کا مستحق تھا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اپنے لئے جاگیرداری کو قبول کیا اور نہ صحابہؓ کیلئے جاگیرداری پسند کی بلکہ زکوٰۃ کا حق سب سے وصول کیا۔

چھٹا باب

کیا زمین کے بڑے بڑے ٹکڑوں کی ملکیت بھی جاگیرداری کی طرح ممنوع ہے؟

اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ اسلام میں زمین کے بڑے بڑے ٹکڑوں کا مالک ہونا بھی جائز ہے اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کا مالک ہونا بھی جائز ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں جو خیبر کی زمین آئی تھی وہ اتنی بڑی تھی کہ **کان ینفق منھا ویاکل و یعود علی فقراء بنی ھاشم ویزوج ایمھم** [۳۵] یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اِس زمین کی آمد میں سے اپنے اخراجات اور اپنے ۹ گھروں کے اخراجات بھی نکالتے تھے اور بنو ہاشم کے غرباء پر بھی اسے خرچ کرتے تھے اور بنو ہاشم کی بیواؤں کے نکاح بھی اس روپیہ سے کرتے تھے۔

اِس طرح حدیث میں آتا ہے۔ **قد سال یمیم الداری رسول اللہ ﷺ ان یقطعه عیون البلد الذی کان منه بالشام قبل** [۳۶] یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تمیم داری رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ آپ شام کی بعض نہروں کی زمین اُن کو عطا فرما دیں اور آپ نے اُن کو وہ زمین عطا فرما دی۔

اِس طرح روایت ہے کہ حضرت عمرو بن عاص کا طائف میں انگوروں کا ایک باغ تھا جس میں دس لاکھ لکڑی سہارے کی لگی ہوئی تھی [۳۷] اگر ایک ایک انگور کے سہارے کے لئے دس دس لکڑیاں بھی سمجھی جائیں تو ایک لاکھ درخت بنتا ہے اور اِس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سَوا ایکڑ سے بڑا باغ تھا۔ باغ کے ایک ایکڑ کی آمدن دس ایکڑ زرعی زمین سے زیادہ ہوتی ہے گویا ایک ہزار ایکڑ کی ملکیت اُن کے پاس تھی۔

کتاب الخراج صفحہ ۳۵ پر شیخ الاسلام امام ابو یوسفؒ شاگرد حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے

ہیں کہ **حدثنی بعض اشیاخی من اھل المدینة قال اقطع رسول اللہﷺ بلال ابن الحارث المزنی مابین البحر والصخر** [۳۸] یعنی رسول کریمﷺ نے بلال بن حارث کو سمندر اور پہاڑ کے درمیان کا علاقہ سارے کا سارا بخش دیا۔ اِس واقعہ کو سنن ابو داؤد باب اقطاع الارضین صفحہ ۴۳۵ پر یوں بیان کیا گیا ہے کہ عمرو بن عوفؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث المزنی کو سمندر سے لے کر مدینہ کے قریب کے پہاڑ قدس تک تمام کانیں اور تمام اونچے ٹیلوں والی زمینیں اور تمام نشیب والی زمینیں عطا فرما دی تھیں لیکن یہ شرط لگا دی تھی کہ اس علاقہ میں اگر کسی مسلمان کی زمین ہو تو وہ تم کو نہیں ملے گی اور ان الفاظ میں آپ نے اُن کو ہبہ نامہ عطا فرمایا تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ھذا ما اعطی محمد رسول اللہﷺ بلال ابن الحارث المزنی اعطاہ معادن القبلیة من القدس جلسیھا و غوریھا وحیث یصلح الزرع ولم یعطه حق مسلم [۳۹] یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلال بن حارث کو یہ پروانہ دیتے ہیں کہ آپ نے ان کو قبلیہ کی کانیں خواہ وہ اونچی جگہوں پر ہوں یا نیچی جگہوں پر ہوں اور قدس پہاڑ کے پرے جتنی زمین زراعت کے قابل ہے سب کی سب بخش دی ہے۔

یہ زمین اتنی بڑی تھی کہ باوجود اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کی فتوحات سے مسلمانوں کے پاس بہت مال آ گیا تھا پھر بھی بلال اُن کو آباد نہیں کر سکے اور اس بارہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک قدم اُٹھانا پڑا جس کا ذکر ایک اگلے باب میں آئے گا۔

کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۹۰ پر سنن بیہقی کے حوالے سے یہ روایت لکھی ہے کہ **عن عبداللہ بن الحسن ان علیا سال عمر بن الخطاب فاقطعه ینبع** ۔یعنی عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے خواہش کی کہ وہ انہیں کچھ زمین ہبہ کریں۔ اِس پر اُنہوں نے ینبُع قصبہ سارے کا سارا اُن کے نام لکھ دیا۔

ینبُع ایک قصبہ ہے جو مدینہ منورہ کا بندرگاہ بھی ہے اس لحاظ سے اسے خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ اس قصبہ کے ساتھ پانچ سات ہزار ایکڑ زمین تو ضرور ہوگی بلکہ اِس

سے بھی زیادہ زمین ہوگی۔

اِسی طرح حدیث میں آتا ہے:۔**قد اقطع رسول اللّٰہ ﷺ الزبیر بن العوام رکض فرسه من موات النقیح فاجراه ثم رمی بسوطه رغبة فی الزیادة فقال رسول اللّٰہ ﷺ اعطوه منتهی سوطه** [۴۰] سنن ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت اس طرح درج ہے کہ **اقطع الزبیر حضر فرسهٖ فاجریٰ فرسهٗ حتی قام ثم رمی بسوطهٖ فقال اعطوه من حیث بلغت السوط** [۴۱] یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو سرکاری زمینوں میں سے ایک اتنا بڑا ٹکڑا عطا فرمایا جس میں کہ حضرت زبیرؓ کا گھوڑا آخری سانس تک دَوڑ سکے۔ حضرت زبیرؓ کا گھوڑا جس جگہ پر جا کر کھڑا ہوا وہاں سے انہوں نے اپنا کوڑا بڑے زور سے اُور پرے پھینکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ نہ صرف اُس حد تک زمین اُن کو دی جائے جہاں اُن کا گھوڑا جا کر کھڑا ہوگیا تھا بلکہ جہاں اُن کا کوڑا گرا تھا اُس حد تک ان کو زمین دی جائے۔ ہمارے ملک کا گھوڑا بھی میلوں میل دَوڑ سکتا ہے اور عرب کا گھوڑا تو بہت زیادہ تیز ہوتا ہے اگر چار پانچ میل بھی گھوڑے کی دَوڑ رکھی جائے تو بیس ہزار ایکڑ کے قریب زمین بنتی ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کتاب الخراج کے صفحہ ۳۴ پر لکھتے ہیں **اقطع رسول اللّٰہ ﷺ الزبیر ارضا فیها...... نخل من اموال بنی نضیر و ذکر انها کانت ارضا یقال له الجرف** [۴۲] یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو ایک زمین کا ٹکڑا بخشا جس میں کھجور کے درخت بھی لگے ہوئے تھے اور وہ کسی وقت یہودی قبیلہ بنو نضیر کی ملکیت میں سے تھا اور اُس کو جرف کہتے تھے یعنی وہ ایک مستقل گاؤں تھا۔ جب ہم پہلی حدیثوں سے اِس حدیث کو ملائیں تو اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو اُس وقت اوپر والی زمین بخشی جبکہ وہ پہلے سے ایک گاؤں کے مالک تھے جس میں کھجور کے باغ بھی تھے۔

کتاب الخراج کے صفحہ ۳۵ پر امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ ایک اور روایت بھی درج فرماتے ہیں جو یہ ہے۔**عن ابی رافع قال اعطاهم النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ارضا فعجزوا عن عمارتها فباعوها فی زمن عمر ابن الخطاب رضی اللّٰہ عنه بثمانیة الاف دینارا**

او بثمان مائة الف درهم [۴۳] یعنی حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے خاندان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت بڑی زمین دی۔ اُس کی وسعت کی وجہ سے ان کا خاندان اسے آباد کرنے سے قاصر رہا۔ آخر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہ زمین آٹھ ہزار دینار پر جو آٹھ لاکھ درہم کے برابر ہوتا ہے فروخت کر دی۔ درہم کی قیمت ہمارے زمانہ کے سکّوں کے لحاظ سے ساڑھے تین آنہ بنتی ہے وہ چاندی کا سکہ ہوتا تھا اور دینار سونے کا سکہ ہوتا تھا۔ پس حساب کے رو سے اگر آٹھ لاکھ درہم کو روپوں میں تبدیل کیا جائے تو قریباً دو لاکھ روپے ہوتے ہیں۔ چونکہ اُس وقت سکہ کی قیمت زیادہ گراں ہوتی تھی اور اب سکہ کی قیمت اُس زمانہ سے پندرہ بیس گنا گر گئی ہے اس لئے یہ رقم اس زمانہ کے لحاظ سے پندرہ بیس لاکھ سے کم نہیں بنتی۔

اُوپر کے حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہؓ نے بڑی بڑی زمینداریاں بعض افراد کو بخشی تھیں۔ جن میں سے بعض پندرہ پندرہ، بیس بیس، تیس تیس ہزار ایکڑ پر مشتمل تھیں اور جن میں سے ایک کی قیمت جو بڑی زمینداریوں میں سے نہیں تھی موجودہ زمانہ کے روپیہ کے لحاظ سے پندرہ بیس لاکھ روپے کی تھی۔

ساتواں باب

کیا زمین کا خود کاشت کرنا ضروری ہے یا اُسے آگے لگان پر بھی دیا جا سکتا ہے؟

اُوپر کے باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلامی شرع کے رُو سے ایک شخص زمین کے بڑے ٹکڑے کا بھی مالک ہوسکتا ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس بڑے ٹکڑے کو کیا کرے گا؟ آخر کوئی شخص اتنے بڑے ٹکڑے کو خود کاشت نہیں کرسکتا۔ یہی صورت ہوسکتی ہے کہ وہ دوسروں کو ملازم رکھ کر کاشت کروائے یا دوسرے لوگوں کو حصہ پر یا لگان پر کاشت کرنے کے لئے اپنی طرف سے زمین دے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اسلام کی رُو سے یہ جائز ہے کہ انسان اپنی زمین پر خود تو کاشت نہ کرے لیکن دوسروں سے کاشت کروا کے ان سے حصہ لے لے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں یہ جائز ہے اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔ مسلمانوں میں اختلاف کی بنیاد شیعہ سُنّی سے پڑتی ہے۔ تیسری پارٹی خوارج کی ان کے بعد آئی۔ شیعوں کو سارا غصہ یہی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے باغِ فدک کی جائیداد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کے خاندان کے خرچ کے لئے مخصوص تھی اُسے آپ کا ترکہ قرار نہ دے کر حسبِ شریعت تقسیم نہ کیا۔ اِس جھگڑے سے تو ہمیں بحث نہیں کیونکہ اس جگہ پر ہم زمین کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ وہ زمین خواہ وقف تھی خواہ مملوکہ تھی اور خواہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اموال باقی مسلمانوں کی طرح ورثہ میں تقسیم ہو سکتے تھے یا آپ کے بعض ارشادات کے مطابق تقسیم نہیں ہو سکتے تھے، کیا اس کی کاشت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود کیا کرتے تھے یا آپ کے خاندان کے لوگ کیا کرتے تھے؟ زمین تو خیبر میں تھی مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کے تمام مرد افراد مدینہ منورہ میں رہتے تھے وہ اس زمین کو کاشت کر ہی نہیں سکتے تھے۔ بہرحال دوسرے لوگ ہی اس کی کاشت کرتے ہونگے۔ پس خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے خاندان کا گزارہ ایک ایسی زمین پر تھا جو آگے مقاطعہ پر دی ہوئی تھی اور جو آمد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مطہر وجود کے لئے پاک تھی وہ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کے لئے کیوں پاک نہیں؟ بہرحال آپ کے فعل نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ اسلام کے رُو سے مالک زمین کا اپنی زمین دوسرے کو مقاطعہ پر دے دینا بالکل جائز اور درست ہے۔ یہ جو کچھ میں نے کہا ہے ایسا واضح معاملہ ہے کہ اس کا کوئی عقلمند انسان انکار نہیں کر سکتا لیکن میں مزید ثبوت کے طور پر بعض احادیث اور روایات بھی اس کی تائید میں پیش کرتا ہوں۔

بخاری میں لکھا ہے۔ **عن ابن عمر ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعطی خیبر الیھود علی ان یعملوھا ویزرعوھا ولھم شطر ماخرج منھا** [۴۴] یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین پر جو آپ نے اپنے لئے اور اپنے صحابہؓ کیلئے اور بیت المال کے لئے تقسیم کر دی تھی یہودیوں کو اس شرط پر دے دی کہ وہ اس پر کام کریں اور اس میں زراعت کریں اور جو پیداوار ہو اُس کا نصف اُن کو دیا جائے۔

اہلِ شیعہ کی احادیث میں بھی اس مسئلہ کی تصدیق آتی ہے۔ چنانچہ فروع الکافی جلد ۲ صفحہ ۱۰۳ پر یہ روایت درج ہے کہ

عن یعقوب بن شعیب عن ابی عبداللّٰہ علیہ السلام قال سألت عن الرجل یکون لہ الارض من ارض الخراج فیدفعہ الی الرجل علٰی ان یعمرھا ویصلحھا ویودی خراجھا وماکان من فضل فھو بینھما قال لاباس وسالتہ عن المزارعۃ فقال النفقۃ منک والارض لصاحبھا فما اخرج اللّٰہ منھا من شیء قسم علی شرط وکذلک اعطی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خیبر حین اتوہ فاعطاھم ایاھا علی ان یعمروھا ولھم النصف مما اخرجت یعنی یعقوب بن شعیبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوعبداللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر کسی شخص کے پاس خراجی زمین میں سے کچھ حصہ زمین کا ہو تو کیا اُس کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی اَور شخص کو وہ زمین دے دے تا کہ وہ اس میں کاشت کرے اور اس کو سنوارے اور گورنمنٹ کا خراج اس میں سے ادا کرے اور خراج کے بعد جو کچھ بچ رہے اُسے زمین دینے والے کے ساتھ آدھا آدھا بانٹ لے؟ امام ابوعبداللہ نے

فرمایا کہ اِس میں کوئی حرج نہیں وہ ایسا کرسکتا ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا کسی سے زمین مقاطعہ پر لے کر اُس میں کھیتی کرنا جائز ہے؟ فرمایا ہاں خرچ تمہارا ہوگا، زمین اُس کی ہوگی۔تم دونوں اس کے حصہ دار ہوگے۔ پھر جو کچھ اس زمین میں سے پیدا ہوگا وہ مقاطعہ کی شرطوں کے مطابق تقسیم ہو جائے گا۔اور فرمایا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو اس طرح کرتے تھے۔ جب خیبر کے یہودی آپؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے خیبر کی زمینیں جو مسلمانوں میں تقسیم ہو چکی تھیں، وہ اُن کو اِس شرط پر دِلوادیں کہ وہ اس میں کھیتی باڑی کریں گے اور آدھا حصہ مسلمانوں کو مل جائے گا اور آدھا حصہ اُن کو مل جائے گا۔

اِن روایتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام کے احکام کے رُو سے اگر کوئی شخص بوجہ بیماری یا غیر حاضری اپنی تھوڑی سی زمین کو خود کاشت نہ کر سکے یا بڑی زمین کو خود آباد نہ کر سکے تو وہ اپنی زمین بٹائی پر دوسرے لوگوں کو دے سکتا ہے۔خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا اور صحابہؓ نے ایسا کیا اور دوسروں کو ایسا کرنے کا مشورہ دیا۔ پس بٹائی پر زمین کا دینا اسلام کی رُو سے ہرگز ناجائز نہیں۔

آٹھواں باب

کیا زمین صرف بٹائی پر دی جاسکتی ہے یا لگان پر بھی دی جاسکتی ہے اور کیا اس کے لئے کوئی حد بندی مقرر ہے؟

یہ ثابت کر چکنے کے بعد کہ اسلام میں بڑی زمینوں کی ملکیت بھی جائز ہے اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس کے پاس بڑی زمین ہو چونکہ وہ خود کاشت نہیں کرسکتا اور اُسے لازماً زمین دوسروں کو دینی پڑے گی تا کہ وہ اس کی طرف سے کاشت کریں اس کے لئے آیا اسلام نے کوئی قاعدہ مقرر کیا ہے یا مختلف طریقوں کو جائز رکھا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے رُو سے زمین کو کاشت پر دینے کی کئی جائز صورتیں پائی جاتی ہیں۔

اوّل زمین کو بٹائی پر دینا۔

دوم زمین کو لگان پر دینا۔

سوم زمین اپنے بھائیوں کی امداد کے لئے مفت دینا۔

پہلی صورت یعنی بٹائی پر دینے کے متعلق پہلے مختلف ابواب میں احادیث نقل کی جا چکی ہیں اور بتایا جاچکا ہے کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زمین اس طرح پر یہودیوں کو کاشت کے لئے دی تھی۔ اِسی بارہ میں بعض اور احادیث اور اقوال بھی نقل کئے جاتے ہیں۔

محلّٰی ابن حزم جلد ۸ کتاب احکام المزارعہ میں لکھا ہے۔ **ان اخر فعل رسول اللہ ﷺ الی ان مات کان اعطاء الارض بنصف مایخرج منھا من الزرع و من الثمر ففعلہ علیہ السلام فی خیبر ھو الناسخ** یعنی امام ابن حزم (جو حدیث میں اتنا بڑا پایہ رکھتے ہیں کہ ان کو چھوٹا احمد بن حنبل کہا جاتا ہے) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری فعل جو وفات تک جاری رہا یہ تھا کہ آپ پیداوار کی نصفا نصف بٹائی پر زمین مزارع کو دیا کرتے تھے اور کھجوروں کا باغ بھی پیداوار کی نصفا نصف بٹائی پر دیا کرتے تھے۔ پس چونکہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

آخری فیصلہ تھا جو آپ نے خیبر میں نافذ کیا اور آپ کی وفات تک اِس پر عمل کیا گیا اس لئے اگر کوئی حدیث اِس کے خلاف ہے تو یہ فیصلہ اور یہ عمل اُس کو منسوخ کرتا ہے۔

خلفاء اور صحابہ کا عمل بھی اِسی کے مطابق تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں زمین بٹائی پر دینے کا کام جاری رکھا تھا۔ چنانچہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب یمن سے یہودیوں اور عیسائیوں کو نکال دیا تو اُن کی زمینیں لوگوں کو ٹھیکہ پر دیں اور شرط یہ کی کہ اگر وہ تمام قسم کے اخراجات خود برداشت کریں تو دو تہائی اُن کا اور حکومت کا ایک ثلث حصہ ہوگا اور اگر عمرؓ یعنی حکومت بیج اپنے پاس سے دیں تو نصف عمرؓ یعنی حکومت کو ملے گا اور نصف مزارعین کو ملے گا۔ بعض روایتوں سے پتہ لگتا ہے کہ بعض جگہ پر اس میں کسی قدر تبدیلی بھی ہوئی اور اس طرح بھی مقاطعہ دیا گیا کہ اگر بیج، بیل اور سامانِ کاشت حضرت عمرؓ یعنی حکومت دے تو حکومت کو دو تہائی اور مزارع کو ایک تہائی ملے گا۔ اور اگر یہ چیزیں مزارع دیں تو پھر آدھا حکومت کا ہوگا اور آدھا اُن لوگوں کا ہوگا۔[۴۵]

اسی طرح بخاری باب المزارعۃ میں یہ حدیث درج ہے۔ **قال قیس بن مسلم عن ابی جعفر قال ما بالمدینة اھل بیت ھجرۃ الا یزرعون علی الثلث والربع و زارع علی وسعد بن مالک و عبداللّٰہ بن مسعود و عمرو بن عبدالعزیز والقاسم و عروۃ بن زبیر و اٰل ابی بکر و اٰل عمر و اٰل علی و ابن سیرین و قال عبدالرحمن بن الاسود کنت اشارک عبدالرحمٰن بن یزید فی الزرع** ۔ یعنی ابی جعفرؒ کی روایت ہے کہ مدینہ کے مہاجرین کا ایک خاندان بھی نہیں تھا جو تیسرے یا چوتھے حصہ کی بٹائی پر زراعت نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ اور سعد بن مالکؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور عمرو بن عبدالعزیزؒ اور قاسمؒ اور عروہ بن زبیرؒ اور خاندانِ حضرت ابوبکرؓ اور خاندانِ حضرت عمرؓ اور خاندانِ حضرت علیؓ اور مشہور تابعی ابن سیرین یہ سب کے سب زمین بٹائی پر دیا کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن الاسود کہتے ہیں کہ میں بھی عبدالرحمٰن بن یزید کے ساتھ مل کر یہ کام کیا کرتا تھا۔

اِس حدیث پر علامہ ابن حجر اپنی کتاب فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۷ میں یہ نوٹ لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے یہ روایت نقل کر کے اِس طرف اشارہ کیا ہے کہ بٹائی پر زمین دینے کے جواز میں کسی

صحابی کو اختلاف نہیں خصوصاً مہاجر، اہلِ مدینہ تمام کے تمام اِس بات پر متفق ہیں۔

اِسی طرح ایک روایت میں خالد حذاء یمنی کہتے ہیں کہ مَیں ایک دفعہ حضرت مجاہد کے پاس بیٹھا تھا (یہ ایک بہت بڑے فقیہہ اور مفسر قرآن تابعی تھے) کہ حضرت مجاہد نے رافع بن خدیج کی روایت بیان کی جو زمین کو مقاطعہ پر دینے کے خلاف ہے۔ اس مجلس میں طاؤس بھی بیٹھے ہوئے تھے (یہ بھی بہت بڑے تابعی اور مفسر گزرے ہیں۔) انہوں نے جب یہ روایت سُنی تو اپنے سینہ پر زور سے ہاتھ مارا اور کہا کہ **قدم علینا معاذ الیمن و کان یعطی الارض علی الثلث والربع فنحن نعمل به الی الیوم** [۴۷] یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمارے پاس آپؐ کی طرف سے گورنر مقرر ہو کر حضرت معاذ صحابیؓ یمن میں تشریف لائے اور آپ زمین تیسرے یا چوتھے حصّہ پر بٹائی پر لوگوں کو دیا کرتے تھے ہم بھی اِسی طرح بٹائی پر لوگوں کو زمین دیتے رہے اور آج تک دیتے ہیں اس لئے ہم اس دوسری حدیث کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے۔

حضرت طاؤس کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اِس فیصلہ پر اتنا اصرار تھا کہ نسائی میں عمرو بن دینار سے روایت لکھی ہے کہ طاؤس کہتے تھے اصل طریقہ زمین کو کاشت کے لئے دینے کا بٹائی ہی ہے کسی رقم کے بدلہ پر زمین دینا ناپسندیدہ ہے (اس بارہ میں تفصیل آگے آئے گی۔)

بخاری کتاب المزارعۃ میں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک راویت آتی ہے کہ انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے باغات ہم میں اور مہاجرین میں آدھے آدھے بانٹ دیئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ پھر فرمایا یہ صورت ہوسکتی ہے وہ لوگ محنت کریں اور پھل میں تمہارے ساتھ شریک ہو جائیں۔ انصار نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم نے آپؐ کا ارشاد سنا اور ہم ایسا ہی کریں گے۔

ائمہ اہل بیت کا بھی یہی تعامل رہا ہے اور اِسی کے مطابق ان کا فتویٰ تھا۔ چنانچہ حضرت امام ابوعبداللہ سے روایت ہے کہ آپؒ نے فرمایا گندم کی معین مقدار پر زمین کا ٹھیکہ مت لیا کرو بلکہ نصف پیداوار یا تہائی پیداوار یا چوتھائی پیداوار یا پانچویں حصہ کی پیداوار پر ٹھیکہ لیا کرو۔ اِس میں کوئی حرج نہیں (فروع الکافی جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ یہ کتاب شیعوں کی کتب میں حدیث بخاری کا

درجہ رکھتی ہے)

اِسی طرح حضرت امام ابوعبداللہ سے یعقوب بن شعیب روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میری جان آپؑ پر قربان ہو آپ کا کیا فتویٰ ہے اُس زمین کے بارہ میں جو مجھے بادشاہ سے ملے پھر میں اُس کو آگے مقاطعہ پر دے دوں اور یہ شرط کروں کہ جو کچھ اس میں سے نکلے، سلطنت کا حق دینے کے بعد جو بچے گا اُس میں سے نصف یا ثلث میرا ہوگا آیا یہ جائز ہے؟ حضرت امام نے فرمایا۔ اس میں کوئی حرج نہیں میں بھی اِسی طرح اپنی زمینوں کے متعلق کیا کرتا ہوں۔ [۴۹]

اِسی طرح ابراہیم کرخی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام ابوعبداللہ سے پوچھا کہ میں اگر کسی ذمی کے ساتھ یہ معاہدہ کروں کہ زمین اور بیج اور بیل میرے ہونگے اور ذمی کے ذمہ زمین کی نگہداشت اور پانی دینا اور ہل چلانا اور گڈائی وغیرہ کرنا ہوگا یہاں تک کہ گندم یا جَو پک جائیں پھر جو فصل پیدا ہو اُس میں سے حکومت کا خرچ ادا کرنے کے بعد جو بچے اُس میں سے وہ ذمی مزارع تو تیسرا حصہ لے اور باقی دو حصّے میرے ہوں تو کیا یہ جائز ہے؟ حضرت امام ابوعبداللہ نے فرمایا۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ [۵۰]

ائمہ اہل السنّت و اہل حدیث اور دیگر علماء کا بھی یہی فیصلہ ہے چنانچہ امام نووی شرح مسلم کی جلد۲ صفحہ۱۴ پر لکھتے ہیں کہ **قال ابن ابی لیلٰی و ابویوسف و محمد وسائر الکوفیّین وفقھاء المحدثین واحمد وابن خزیمة وابن شریح وآخرون تجوز المساقاة والمزارعة مجتمعتین و یجوز کل واحد منھما منفردةً** یعنی ابن ابی لیلےٰ اور ابو یوسف اور محمد اور کوفہ کے دوسرے تمام علماء اور محدثین میں سے سب بڑے بڑے فقہاء اور امام احمد اور شافعیوں میں سے ابن خزیمہ اور ابن شریح اور اَور بہت سے علماء باغ اور اس کی زمین کو اکٹھا ٹھیکے پر لینا یا دینا یا زمین کو الگ ٹھیکے پر دینا اور باغ کو الگ ٹھیکے پر دینا جائز سمجھتے ہیں۔

اِسی صفحہ پر اُن کا یہ قول بھی درج ہے کہ ابن شریح اور ابن خزیمہ اور ان کے سوا ہمارے شافعی مذہب کے دوسرے بڑے علماء کی بھی یہی رائے ہے اور یہی پسندیدہ فیصلہ ہے اور اِسی پر ہمارا عمل ہے۔ پھر امام نووی کی یہ رائے بھی اِسی صفحہ پر درج ہے کہ تمام ملکوں کے مسلمان اور

تمام پچھلے زمانوں کے مسلمان زمین کو بٹائی پر دینے کے طریقہ پر عمل کرتے رہے ہیں۔
امام ابو یوسف جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سے سب سے بڑے پایہ کے سمجھے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ **ھذا احسن ما سمعنا فی ذالک واللّٰہ اعلم وھو الماخوذ بہ عندنا** [۵۱] یعنی بٹائی پر زمین دینے کا جو طریق ہے اس کے جائز ہونے کے متعلق جو روایتیں ہیں وہ نہایت ہی ثابت شدہ روایتیں ہیں۔ باقی حقیقی علم خدا تعالیٰ کو ہے مگر ہم لوگ تو اِسی فتویٰ پر عمل کرتے ہیں۔
اِسی طرح امام نووی سے ان کی شرح مسلم کی جلد ۲ صفحہ ۱۲ پر یہ روایت درج ہے کہ مالکیوں میں سے ایک بڑی جماعت کا یہ فتویٰ ہے کہ زمین کو بٹائی پر دینا تیسرے حصہ پر یا چوتھے حصہ پر یا اَور کسی طریق پر جس کا باہم فیصلہ ہو جائے جائز ہے۔
سابق بڑے ائمہ میں سے صرف امام ابو حنیفہؒ ہیں جو اس کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ صرف نقدی پر زمین دی جاسکتی ہے، بٹائی پر زمین نہیں دی جاسکتی۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہ فتویٰ امام نووی کی شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۴ پر درج ہے۔ اور علامہ طحاوی کی کتاب شرح معانی الآثار جلد ۴ صفحہ ۱۳۰ پر بھی یہ فتویٰ درج ہے۔ اس کتاب میں یہ فتویٰ اِن الفاظ میں درج ہے۔ **لایجوز المساقاۃ ولا المزارعۃ الا بالدراھم والدنا نیر وما اشبھما من العروض** ۔ یعنی باغوں کا ٹھیکہ پر دینا یا زمین کا ٹھیکہ پر دینا صرف روپے سونے کے لگان کے بِالمقابل جائز ہے، غلّہ کی بٹائی پر جائز نہیں۔
علّامہ ابن قیم جو اہلِ حدیث اور صوفیاء دونوں میں بڑی عزّت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اعلام الموقعین جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ پر فرماتے ہیں۔ **المزارعۃ الطریقۃ المشروعۃ التی فعلھا رسول اللّٰہ ﷺ حتی کانھا رای عین واتفق علیہ الصحابۃ وصح فعلھا عن الخلفاء الراشیدین لایشک فیھا کما حکاہ البخاری** [۵۲] یعنی زمین کا بٹائی پر دینا ایک شرعی طریقہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے اور اِس حد تک ثابت ہے کہ گویا ہم نے اپنی آنکھوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ عمل کرتے دیکھ لیا ہے۔ اور صحابہؓ نے بھی اِس پر اتفاق کیا ہے اور خلفائے راشدین کا عمل بھی اس پر ثابت ہے جس میں کوئی شک کی

گنجائش نہیں۔ اور امام بخاری نے ایسا ہی روایت کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی یہی مذہب تھا چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ کی جلد۲ صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸ پر یہ عبارت درج ہے۔ **المساقاة ان تكون اصول اشجر لرجل فيكفى مؤونتها الاخر على ان تكون الثمر بينهما والمزارعة ان تكون الارض والبذر لواحد والعمل والبقر من الاخر والمخابرة ان تكون الارض لواحد والبذرو البقر والعمل من الاخر ونوع اخر ان يكون العمل من احدهما والباقى من الاخر...... وكان وجوه التابعين يتعاملون بالمزارعة ويدل على الجواز حديث معاملة اهل خيبر۔**[۵۳]
شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مساقاۃ کا لفظ جو حدیثوں میں آتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ درخت کسی شخص کی ملکیت ہوں اور اُن کو پانی دینے کا کام یا دوسری خدمات کسی اَور شخص کے سپرد ہوں اِس شرط پر کہ پھل وہ آپس میں بانٹ لیں گے۔ اور مزارعت یہ ہے کہ زمین اور بیج ایک کا ہو اور محنت اور جانور وغیرہ دوسرے کے ہوں اور پھر فصل آپس میں بانٹ لی جائے۔ اور مخابرت یہ ہے کہ زمین ایک کی ہو اور بیج اور جانور اور محنت دوسرے کی ہو۔ اور ایک قسم اَور بھی ہوتی ہے کہ صرف محنت ایک شخص کی ہو اور باقی سب اخراجات اور زمین دوسرے کے ہوں۔ تابعیوں میں سے جو بڑے بڑے تابعی تھے وہ لوگ اوپر جو مزارعۃ کی قسم لکھی ہے اُس پر عمل کیا کرتے تھے اور اہلِ خیبر سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاملہ کیا اُس سے بھی اِس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اوپر کی روایات سے ثابت ہے کہ غیر مشروط طور پر صرف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہی بٹائی ناجائز ہے باقی سب نے یا تو کلّی طور پر اِس کو جائز رکھا ہے یا مقیّد طور پر اِس کو جائز رکھا ہے۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ صرف امام ابوحنیفہؒ ہی ہیں جو کلّی طور پر بٹائی کے خلاف ہیں اور یہ بھی واضح کر چکا ہوں کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اُن کے دونوں بڑے شاگرد اُن کے اِس فتویٰ کو تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ اِس کی سند میں علامہ نووی کا یہ حوالہ پیش ہے وہ فرماتے ہیں **المزارعة مختلف فيها عندالحنفية فابو حنيفة يقول انها لاتجوز الابالذهب والورق وابويوسف و محمد يقولان بجوازها مطلقا وقولهما هوا لمفتى به**

فیالمذھب لان فیه توسعة علی الناس ۵۴؎ یعنی حنفیوں کے نزدیک زمین ٹھیکہ پر دینے کے متعلق اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چاندی اور سونے کے سِوا اور کسی رنگ میں مقاطعہ پر نہیں دی جاسکتی لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام محمد اِن کے دونوں شاگرد کہتے ہیں کہ مقاطعہ پر دینا کلّی طور پر جائز ہے اور اِنہی دونوں کے قول کے مطابق حنفیوں میں فتویٰ دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں لوگوں کے لئے زیادہ سہولت ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے خیبر کی روایت کی یہ توجیہہ کی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان تھا۵۵؎ لیکن ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم احسان کے طور پر بھی کوئی ناجائز فعل تو نہیں کر سکتے تھے جو چیز منع تھی وہ ہر ایک کے لئے منع تھی۔

دوسری توجیہہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ شاید امام کو بیت المال اور لوگوں کے درمیان معاملات طے کرنے میں خاص حق حاصل ہونگے جو دوسرے لوگوں کو باہم معاملات میں حاصل نہیں۔۵۶؎

اِس حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کو خود بھی تسلی نہیں کہ اصل وجہ کیا تھی کیونکہ وہ خود بھی تردّد ظاہر کرتے ہیں کہ شاید یہ وجہ ہو یا یہ وجہ ہو۔ اور شاید کے ساتھ تو کوئی نص صریح باطل نہیں ہوسکتی۔ ایک طرف نص ہے اور ایک طرف قیاس۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کے دونوں چوٹی کے شاگرد اِس فتویٰ میں اُن کے خلاف تھے۔

یہ بھی غور طلب بات ہے کہ بٹائی کا طریق کیوں ناپسندیدہ ہے۔ اِس کے ناپسندیدہ ہونے کی وجہ یہی بیان کی جاتی ہے کہ اِس سے کسان کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگر یہ وجہ صحیح ہو تو یہ کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ حکومت کے لئے تو یہ جائز ہو کہ وہ کسان کو نقصان پہنچائے لیکن عوام الناس کو جائز نہ ہو کہ وہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں۔ اگر اس سے کسان کو نقصان پہنچتا ہے اور اِسی وجہ سے شریعت نے اِس کو منع فرمایا ہے تو حکومت زیادہ حقدار ہے کہ وہ رعایا کے ساتھ احسان کرے اور اِس بات کی زیادہ پابند ہے کہ رعایا کو نقصان نہ پہنچنے دے۔ پس اگر بٹائی کے نادرست ہونے کی جو وجہ بتائی جاتی ہے وہ درست ہے تو پھر عوام الناس کے لئے خواہ بٹائی جائز ہوتی حکومت کے لئے بالکل ناجائز ہونی چاہیے تھی کیونکہ وہ عوام الناس کے حقوق کی محافظ ہے۔

اِس کی حیثیت بھائی بھائی کی نہیں بلکہ اُس کی حیثیت ایک مختارِ کار کی ہے۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمین بٹائی پر دینا ثابت کرتا ہے کہ یہ وجہ درست نہیں ہے۔ اِسی طرح یہ امر بھی سوچنے کے قابل ہے کہ خیبر کی زمین سب کی سب حکومت کی نہ تھی بلکہ اس کا نصف صحابہ میں تقسیم ہو گیا تھا۔ پس اس زمین کا بٹائی پر دینا بتاتا ہے کہ حکومت کے علاوہ عوام بھی بٹائی پر زمین دے سکتے ہیں۔

بٹائی کے متعلق جو بعض اختلافات پائے جاتے ہیں اُن میں سے بعض یہ ہیں:۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ بٹائی جائز تو ہے مگر بہتر یہ ہے کہ بیج کی ذمہ داری مالک پر ڈالی جائے یعنی وہ بیج کا دینا مالک پر واجب تو نہیں سمجھتے لیکن اِس بات کو پسندیدہ سمجھتے ہیں کہ مالک یہ ذمہ داری لے۔ [۵۷]

مالکیوں کا یہ خیال ہے کہ ہر رنگ میں یہ بات جائز ہے مگر خود امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ اُسی زمین کا نکلا ہوا غلّہ بٹائی میں دیا جائے۔ امام مالک کے بعض اقوال میں یہ بھی ہے کہ غلّہ کے بدلہ میں خواہ وہ اُس زمین میں سے نہ بھی نکلا ہو بٹائی نہ کی جائے۔ لیکن اُن کے شاگردوں میں سے بعض کا قول یہ ہے کہ نہیں نہ صرف بٹائی جائز ہے بلکہ اُس غلّہ کے ساتھ بھی بٹائی جائز ہے جو اُس زمین سے پیدا ہوا ہو۔ [۵۸]

شافعیہ میں بھی اِسی طرز پر اختلاف ہے بعض اِس کو ناجائز قرار دیتے ہیں بعض باغ اور زمین کو اکٹھا دینا جائز سمجھتے ہیں اور بعض مطلق زمین کو دینا جائز سمجھتے ہیں۔ [۵۹]

امام شافعیؒ کے نزدیک بھی ایسی زمین جس میں کچھ درخت ہوں بٹائی پر دی جاسکتی ہے ورنہ نہیں۔ گو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مطلقاً بٹائی ناجائز ہے اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مشروط طور پر جائز ہے اور امام احمد حنبلؒ اور امام بخاریؒ اور امام مسلم اور علاّمہ ابن حزم اور تمام اہلِ حدیث اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے دونوں بڑے شاگرد اور شافعیوں کے تمام بڑے علماء اور مالکیوں میں سے بھی ایک بڑا حصہ مزارعت کو مطلقاً جائز سمجھتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز جن کو گویا خلافت کا دوبارہ احیاء کرنے والا سمجھا جاتا تھا وہ بھی غلّہ کی بٹائی کے طریق کو جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ محلّی شرح محلّی کتاب المزارعۃ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے

اپنے گورنروں کو لکھا کہ تمام اُفتادہ زمین مقاطعہ پر دے دو۔ چوتھے حصہ پر لگ جائے تو چوتھے حصہ پر لگا دو، تیسرے حصہ پر لگ جائے تو تیسرے حصہ پر لگا دو، پانچویں حصہ پر لگ جائے تو پانچویں حصہ پر لگا دو۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص زمین کاشت کرنے والا نہ ملے تو اگر کوئی دسواں حصہ دے کر ہی کاشت کرنے پر راضی ہو جائے تو دسویں حصہ پر ہی زمین دے دو لیکن زمین کو خالی نہ چھوڑو۔ اِسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاء اور آپ کے صحابہؓ سے عملاً یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے غلّہ کی بٹائی پر زمین مقاطعہ پر دی۔

اب رہا دوسرا طریق یعنی نقدی پر زمین کا دینا سو جیسا کہ بتایا جا چکا ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو درحقیقت یہی صورت جائز ہے، بٹائی جائز نہیں۔ اور طاؤس کے نزدیک بٹائی ہی جائز ہے روپیہ پر دینا مکروہ ہے۔ بہرحال اِس امر کی تائید میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث موجود ہیں چنانچہ رافع بن خدیج کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ زمین تین طرح پر کاشت کی جاسکتی ہے۔ ایک تو اِس طرح کہ کوئی شخص خود زمین کاشت کرے۔ دوسرے اِس طرح کہ کسی اَور نے اُس کو زمین دی ہو اور وہ کاشت کرے۔ تیسرے اِس طرح کہ زمین چاندی اور سونے کے بدلہ میں مقاطعہ پر لے کر کاشت کی جائے۔[۶۰]

فتح الباری جلد۵ صفحہ۱۷ پر لکھا ہے کہ **قد اطلق ابن المنذر ان الصحابة اجمعوا علی جواز کراء الارض بالذھب والفضة...... و نقل ابن بطال اتفاق فقھاء الامصار علیه** یعنی ابن المنذر نے قطعی طور پر لکھا ہے کہ صحابہؓ اِس امر پر متفق تھے کہ سونے اور چاندی کے بدلہ میں زمین مقاطعہ پر دینی جائز ہے۔ اور ابن بطال نے بھی لکھا ہے کہ تمام مختلف ممالک کے علمائے اسلام اِس بات پر متفق ہیں کہ سونے چاندی کے بدلہ میں زمین مقاطعہ پر دینی جائز ہے۔ باقی رہا کسی کو زمین مفت بلا مبادلہ کاشت پر دینا سو اِس کے متعلق کسی کو شبہ ہی نہیں ہو سکتا یہ احسان ہے اور احسان کو اسلام ردّ نہیں کرتا۔

نواں باب

کیا حکومت کسی کے مال پر جس میں زمین بھی شامل ہے جبراً قبضہ کرسکتی ہے؟

آجکل بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بے شک ایک انسان اِس قدر زمین کا مالک بھی ہوسکتا ہے کہ جس کو وہ خود کاشت نہ کرسکتا ہو اور مقاطعہ پر بھی دے سکتا ہے لیکن اگر کسی وقت حکومت مصلحتِ مُلکی کے مطابق چاہے تو اُس سے وہ زمین ضبط بھی کرسکتی ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ اسلام کی رو سے ایسا کرنا ویسا ہی غصب ہوگا جیسا کوئی غیر حاکم کسی دوسرے کی زمین چھین لے۔ پہلی دلیل تو اِس کی یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور تمام مسلمانوں کے استعمال میں آنے والی مسجد کے لئے مدینہ میں زمین خریدنی چاہی۔ بحقِ حکومت آپؐ نے ضبط کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ دوسرے اِس بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کئی احادیث بھی مروی ہیں جن سے زمین کا ضبط کرنا ناجائز ثابت ہوتا ہے۔ رافع بن خدیج جن کی روایت پر آجکل بہت کچھ مدار رکھا جاتا ہے ان سے کتب احادیث میں ایک روایت ان الفاظ میں آتی ہے۔ **قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من زرع بارض قوم بغیر اذنھم فلیس لہ من الزرع شیء ولہ نفقتہ**[۶۱] یعنی جو شخص کسی زمین پر زمین کے مالک کی اجازت کے بغیر کاشت کرے اُس کو فصل کا کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ صرف اُس کا جو خرچ ہے وہ اُس کو دلوایا جائے گا۔

اِسی طرح سعد بن زیدؓ سے روایت ہے کہ **قال رسول اللّٰہ** صلی اللہ علیہ وسلم **من اخذ شبرا من ارض بغیر حق طوقہ من سبع ارضین**[۶۲] جو شخص کسی کی زمین بغیر حق کے لے لے تو سات زمینوں کا طوق اُس کی گردن میں ڈالا جائے گا۔

اَئمہ اسلام نے اِس بارہ میں یہ لکھا ہے کہ وہ آباد زمین جس کا مالک معلوم ہو بادشاہ کو اُس

میں کسی قسم کا دخل دینے کا حق نہیں۔ سوائے زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی کے جو اُس زمین پر مقرر ہے۔[۶۳]

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے لڑکے عبدالمالک سے پوچھا کہ میری حکومت سے پہلے جو خلفاء نے بعض لوگوں کی زمینیں چھین لی تھیں ان کے متعلق لوگ مطالبہ کرتے ہیں تمہاری اس بارہ میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ فوراً یہ زمینیں واپس کریں ورنہ جن لوگوں نے ان پر پہلے خلفاء کے احکام کے ماتحت قبضہ کیا ہوا ہے آپ بھی ان کے گناہ میں شریک ہونگے۔اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فوراً ان جائدادوں کو واپس کرنے کا حکم جاری فرما دیا۔[۶۴]

ردّالمختار شامی جو حنفیوں کی نہایت ہی مستند کتاب ہے اِس کی جلد ۵ صفحہ ۳۵۵ پر لکھا ہے کہ ملک الظاہر بیبرس (BAYBARS)[۶۴A] جو مصر کا بادشاہ تھا اُس نے احکام جاری کئے کہ ہر زمیندار ثبوت پیش کرے کہ جو زمین اُس کے پاس ہے وہ اُس کی ملکیت ہے۔اگر وہ ایسا نہ کرسکا تو وہ زمین اُس سے چھین لی جائے گی۔ اِس پر شیخ الاسلام امام نووی کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ یہ فیصلہ بالکل جاہلانہ ہے اور محض بغض پر مبنی ہے اور یہ کہ مسلمانوں کے علماء میں سے کسی ایک کے نزدیک بھی ایسا کرنا جائز نہیں بلکہ جس کی ملکیت میں کوئی زمین ہو وہی اُس کا مالک ہے۔اُس کا قبضہ ہی اُس کے مالک ہونے کا ثبوت ہے اور کسی کے لئے جائز نہیں کہ اُس پر کوئی اعتراض کرے اور نہ یہ کہ اُس سے ثبوت طلب کرے کہ کسی زمانہ میں یہ زمین تمہارے پاس کس طرح آئی تھی (کیونکہ یہ مقدمہ اُس شخص کی طرف سے ہوسکتا ہے جسے اُس کا اصل مالک ہونے کا دعویٰ ہو نہ کہ حکومت کی طرف سے۔) امام نووی بادشاہ کو برابر اِس بارہ میں ملامت کرتے رہے اور وعظ و نصیحتیں کرتے رہے یہاں تک کہ اُس نے اِس حکم کو واپس لے لیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت میں آتا ہے کہ جب انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے ماتحت یہودیوں اور عیسائیوں کو یمن سے نکالا تو آپ نے اُن کی زمینیں ضبط نہیں کیں بلکہ اُن کی زمینیں خریدیں۔[۶۵]

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اِس مسئلہ میں اتنے متشدد تھے کہ جب اُنہیں معلوم ہوا کہ بغداد

جس زمین پر آباد کیا گیا ہے وہ دوسرے لوگوں کی ملکیت تھی اور حکومت نے ضبط کی تھی اور اس کی مناسب قیمت ادا نہیں کی تھی تو آپ نے اپنی وفات کے وقت یہ وصیّت کی کہ جو قبرستان اس زمین میں واقع ہے مجھے اُس میں دفن نہ کیا جائے کیونکہ میں اُس زمین میں دفن ہونا ناجائز سمجھتا ہوں جو بغیر مناسب قیمت دینے کے حکومت نے ضبط کر لی ہو۔ چنانچہ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو بغداد کے قبرستان سے باہر کے علاقہ میں دفن کیا گیا۔ آپ کے وقت کا خلیفہ منصور عباسی خود بھی آپ کا جنازہ پڑھنے کیلئے گیا اور اُس نے آپ کا جنازہ پڑھا۔ جب بعد میں اُسے آپ کی وصیّت سنائی گئی تو اُس نے جھنجھلا کر کہا کہ اِس شخص نے زندگی میں بھی مجھے ستایا اور مرتے ہوئے بھی مجھے دکھ دے گیا۔ [۶۶]

اسی طرح امام ابو یوسف جو امام ابو حنیفہؒ کے چوٹی کے شاگرد سمجھے جاتے تھے اور سب سے پہلے شیخ الاسلام تھے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ جو زمین بھی سواد کے علاقہ (یعنی عراق) میں سے خلفائے اربعہ نے کسی کو دی ہو بعد میں آنے والے خلفاء میں سے کسی کا حق نہیں کہ اُس زمین کو واپس لے سکے یا اُس شخص سے واپس لے سکے جس نے اُس کو خریدا ہو یا اُس کو ورثہ میں پایا ہو۔ اور جو زمین اس طرح بادشاہ کسی کے ہاتھ سے لے کر کسی اَور کو دے دے اُس کی حالت ویسی ہی ہوگی جیسے کوئی شخص ایک کا حق چُرا لیتا ہے اور دوسرے کو دے دیتا ہے اور یہ بات کسی بادشاہ کے لئے جائز نہیں۔ اِسی طرح کسی بادشاہ کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایک مسلمان سے کوئی چیز لے کر دوسرے مسلمان کو دے دے۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ کسی غیر مسلم رعایا سے کوئی چیز چھین کر کسی دوسرے کو دے دے۔ اور کوئی چیز کسی کے ہاتھ سے بغیر حق کے نہیں لی جاسکتی [۶۷] اور حق کی تعریف علماء نے یہ کی ہے کہ جو چیز ورثہ سے ملے یا ہبہ سے ملے یا خریدی جائے یا وقف کی صورت میں کوئی چیز کسی کے سپرد کی جائے یا نص احکامِ شرعیہ کے ماتحت اُس پر قبضہ کیا جائے۔ جیسے زکوٰۃ، عُشر یا لاوارثی وغیرہ۔ اِن پانچ صورتوں کے علاوہ کوئی چیز کسی شخص سے دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوسکتی۔

دسواں باب

اُن لوگوں کا جواب جن کے نزدیک بڑی زمینوں کی ملکیّت یا زمینوں کا بٹائی پر دینا جائز نہیں یا جن لوگوں کے نزدیک حکومت کو حق حاصل ہے کہ وہ ضرورت کے موقع پر زمینداروں سے زمینیں واپس لے لے

اب میں اُن لوگوں کے اعتراضات کو لیتا ہوں جو زمین کی ملکیّت کے بارے میں یہ پہلو اختیار کرتے ہیں کہ بڑی زمینوں کا رکھنا جائز نہیں، نہ زمین کا بٹائی پر دینا جائز ہے، نہ مقاطعہ پر دینا جائز ہے۔ یا تو انسان خود کاشت کرے یا لوگوں کو مفت کاشت پر دے دے اور یہ کہ قرآن کریم کی نص سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین خدا تعالیٰ کی ملکیّت ہے اور اُس نے سب بندوں کے لئے اِس کو پیدا کیا ہے اور چونکہ زمین کو اُس نے سب بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اس لئے کسی ایک شخص کے ہاتھ میں بہت سی زمین جمع نہیں ہوسکتی کیونکہ اِس سے دوسرے حصہ داروں کو نقصان پہنچتا ہے۔

جہاں تک اِس سوال کا تعلق ہے کہ زمین خدا تعالیٰ نے سب انسانوں کے لئے پیدا کی ہے اس لئے بہت بڑی زمین کسی ایک ہاتھ میں جمع نہیں ہوسکتی کیونکہ اِس سے دوسروں کے حقوق کو نقصان پہنچتا ہے اِس کا جواب مَیں پہلے باب میں دے آیا ہوں اور ثابت کر چکا ہوں کہ قرآن کریم کی رُو سے زمین ہی نہیں بلکہ تمام اشیاء خدا تعالیٰ نے تمام انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کی ہیں۔ اگر اتنی زمین کسی شخص کے ہاتھ میں جمع نہیں ہوسکتی جس کی آمدن تین ہزار روپیہ ماہوار تک پہنچتی ہو تو یقیناً حکومت کسی شخص کو اتنی تنخواہ بھی نہیں دے سکتی جس کی مقدار تین ہزار روپیہ ماہوار تک پہنچتی ہو اور نہ کسی ڈاکٹر اور وکیل کو اجازت ہوسکتی ہے کہ وہ اِس حد سے

زیادہ کمائے جس حد تک کہ زمیندار کی آمدن کو محدود کیا جائے اور نہ کارخانہ داروں اور صنّاعوں کو ایسی اجازت ہو سکتی ہے کیونکہ قرآن کریم میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ کھیتی کے نہیں بلکہ زمین اور اس کی متعلقہ تمام اشیاء کے ہیں جس میں سونا، چاندی، روپیہ، اور سکّہ وغیرہ سب شامل ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جائداد کے خالی پڑا رہنے کے لئے قرآن کریم میں کوئی نص موجود نہیں صرف علماء نے قیاس کیا ہے اور روپیہ، چاندی اور سونے کے جمع نہ رکھنے کے متعلق قرآن کریم میں نص موجود ہے۔ روپیہ سکہ، سونا اور چاندی کے جمع رکھنے کو اِس لئے اہمیت دی گئی ہے کہ روپیہ سکّہ، چاندی اور سونا جمع رکھا جائے تو اِس سے دوسرے لوگ کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے لیکن زمین اگر پڑی رہے اور اس کو استعمال میں نہ لایا جائے تو اس میں خودرَو جھاڑیاں اور گھانس وغیرہ اُگ کر کچھ نہ کچھ فائدہ دنیا کو پہنچا دیتا ہے اس لئے شریعت نے روپیہ سکہ چاندی اور سونے کے جمع رکھنے کو زیادہ خطرناک جرم قرار دیا ہے اور اس کے متعلق نص اُتاری ہے لیکن زمین کا بے فائدہ پڑے رہنا چونکہ کم جرم ہے اس لئے اس کے متعلق کوئی نص نہیں اُتاری۔

زمین کو مال کے مطابق قرار دینے کی سند مندرجہ ذیل ہے:۔

حضرت امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **الارض عندی بمنزلة المال** [۶۸] یعنی زمین کے متعلق احکام میرے نزدیک وہی ہیں جو مال کے متعلق ہیں۔ یعنی جس طرح مال تجارت پر لگایا جا سکتا ہے یا صنعت وحرفت پر لگایا جا سکتا ہے اسی طرح زمین بھی مقاطعہ یا بٹائی وغیرہ پر دی جا سکتی ہے۔

امام محمد ابن سیرین جو تابعی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد تھے اور بہت بڑے روحانی اور ظاہری عالم سمجھے جاتے تھے فرماتے ہیں۔ **الارض عندی مثل مال المضاربة** [۶۹] یعنی میرے نزدیک زمین کے احکام بھی ویسے ہی ہیں جیسا کہ تجارت پر لگائے جانے والے مال کے۔

امام ابن قیم تحریر فرماتے ہیں کہ زمین کے متعلق میرا نظریہ یہی ہے کہ **هو نظير دفع مال الی من يتجر فيه لجزء من الربح** [۷۰] یعنی زمین کی حیثیت میرے نزدیک وہی ہے جیسا کہ اُس مال کی جسے کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے اِس لئے حوالے کر دے کہ وہ اُس کے ساتھ

تجارت کرے اور اُس کے نفع کا ایک حصہ اُس کو دے۔

اِن حوالجات سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن ائمہ نے تسلیم کیا ہے کہ اصل نص مال کے متعلق ہے اِس لئے زمین کے معاملہ کو مال پر قیاس کیا جاتا ہے۔ پس جبکہ اصل نص مال کے متعلق ہے اور زمین کے معاملہ کو اس پر قیاس کیا جاتا ہے تو یہ کہنا کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ زمین کے ذریعہ سے تو زیادہ روپیہ کمانا جائز نہیں لیکن روپیہ کے ذریعہ سے زیادہ مقدار میں روپیہ کمانا جائز ہے۔ کیونکہ ناجائز ہونے کی قیود شریعت نے نص کے ذریعہ سے مال پر لگائی ہیں زمین پر نہیں لگائیں اور فقہاء نے ان قیود کو زمین کی طرف قیاس اور اجتہاد کے ذریعہ سے منتقل کیا ہے۔ پس شریعت کا مسئلہ یہ ہوگا کہ اصل حرمت مال کے متعلق ہے اور اجتہاداً ہم اس کو زمین کی طرف منتقل کرتے ہیں۔ پس جو چیز ہم تجارت اور صنعت وحرفت کے متعلق جائز قرار دینگے وہ لازماً اور بدرجہ اولیٰ زمین کے متعلق جائز ہوگی۔

یہ کہنا کہ زمین کا کسی ایک شخص کے پاس ہونا دوسرے افراد کو کمائی سے روکتا ہے اِس لئے اِس بات کو روکنا چاہئے۔ اگر یہ استدلال درست ہے تو بڑی تجارت اور بڑی صنعت وحرفت اور بڑی تنخواہیں بھی سامانِ معیشت کو دوسرے لوگوں تک پہنچنے سے روکتی ہیں بلکہ جتنی زمین ایک شخص کے پاس رہنے دینے کی تجویز بعض لوگ کر رہے ہیں اِس کی آمد کو مدنظر رکھتے ہوئے تو معمولی تجارت اور معمولی صنعت وحرفت کی اجازت بھی کسی شخص کو نہیں دی جاسکتی۔

مندرجہ بالا خیالات کے لوگوں کی طرف سے قرآن کریم کی یہ آیت اپنی تائید میں پیش کی جاتی ہے۔ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ [اے]

یعنی اے انسانو! کیا تم اُس خدا کی صفات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو اوقات میں پیدا کیا اور اُس کے شریک اور مثیل بناتے ہو حالانکہ وہ تمام جہانوں کو پیدا کر کے اُنہیں ترقی کی طرف لے جانے والا ہے۔ اور اُس نے (یعنی خدا تعالیٰ نے) زمین میں پہاڑ بنائے ہیں اور

زمین میں بہت سی کانیں وغیرہ پیدا کی ہیں اور اس میں ان تمام اشیاء کو بقدر اندازہ مہیا کیا ہے جو اس کے اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کے لئے قیام کا موجب ہیں اور یہ سب کچھ اُس نے چار وقتوں میں پیدا کیا ہے اور تمام جستجو کرنے والوں کے لئے برابر مواقع بہم پہنچائے ہیں۔

نیز ایک ادنیٰ تدبّر سے بھی یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اس آیت سے اوپر کا استدلال نکالنا بالکل غلط ہے۔ اِس آیت سے اس بارہ میں جو کچھ نکلتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ:۔

(۱) زمین اور اس کی تمام کانیں اور اس کی تمام زراعت اور اُس سے پیداوار ہونے والی یا اُس کے نیچے جمع ہونے والی ساری کی ساری اشیاء خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔

(۲) یہ کہ تمام جستجو کرنے والوں کے لئے اس میں برابر کے حقوق ہیں۔

اس مضمون سے یہ کہاں نکلتا ہے کہ زمین میں سب انسان برابر کے حقدار ہیں۔ اگر اس سے کچھ نتیجہ نکلتا ہے تو یہ کہ ان چیزوں میں سب انسان برابر کے حقدار ہیں۔ لیکن کیا زمین کو تقسیم کرنے والے باقی چیزوں کو بھی تقسیم کرواتے ہیں؟ اگر اس آیت کا وہی مطلب لیا جائے جو کہ نکالا جاتا ہے تو پھر زمین کا سارا لوہا لوگوں میں برابر تقسیم ہونا چاہیے، زمین کی ساری لکڑی لوگوں میں برابر تقسیم ہونی چاہیے، زمین کا سارا پانی لوگوں میں برابر تقسیم ہونا چاہیے، زمین کا سارا مٹی کا تیل اور پٹرول لوگوں میں برابر تقسیم ہونا چاہیے، زمین کی ساری روئی لوگوں میں برابر تقسیم ہونی چاہیے، زمین کی ساری گندم لوگوں میں برابر تقسیم ہونی چاہیے، مگر کیا ایسا ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے؟ جو بات عقل کے خلاف ہے وہ یقیناً قرآن کریم کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ خود آیت کا اگلا حصہ ہی اِن معنوں کو رد کرتا ہے اور اس آیت کے صحیح مفہوم کو واضح کرتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ سَوَآءً لِّلنَّاسِ تمام انسانوں کے لئے برابر ہے بلکہ یہ فرمایا کہ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ تمام جستجو کرنے والوں کے لئے برابر ہے۔ یعنی جو شخص بھی صحیح ذرائع کو کام میں لا کر زمین اور اس کی زراعت اور اس کی دھاتوں اور اس کی کانوں اور اس کی کیمیاوی اشیاء سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرے گا۔ خدا تعالیٰ اُس کو اپنی اس جستجو میں ناکام نہیں کرے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ صحیح ذرائع کو ہندوستانی کام میں لائے تو کامیاب ہو جائے چینی کام میں لائے تو کامیاب نہ ہو یا عیسائی کام میں لائے تو کامیاب ہو جائے لیکن مسلمان

کام میں لائے تو کامیاب نہ ہو۔ یا یوروپین کام میں لائے تو کامیاب ہو جائے لیکن مشرقی کام میں لائے تو کامیاب نہ ہو۔ اور یہ حقیقت ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور اس آیت میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے کہ خدا ایک ہے اور کافر ومومن کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ مشرک وموحد کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ اگر دنیا کے کئی خدا ہوتے تو دنیا میں مختلف لوگوں کے لئے مختلف قواعد ہوتے۔ کسی خدا کے ملک میں کچھ قانون ہوتا اور کسی خدا کے ملک میں کچھ قانون ہوتا۔ جیسے امریکہ کی دولت سے امریکن لوگ جس قدر فائدہ اُٹھا سکتے ہیں ہندوستانی اُس قدر فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ اسی طرح ایک خدا کے ملک میں اُس کے عبادت گزار زیادہ فائدہ اُٹھا سکتے اور دوسرے لوگ اجانب قرار دیئے جا کر اُس فائدہ سے محروم کر دیئے جاتے۔ پس معلوم ہوا کہ خدا ایک ہے اور اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں۔ یہ مضمون لفظوں کے مطابق بھی ہے اور عقل کے مطابق بھی ہے اور حقیقت کے مطابق بھی ہے لیکن جو استدلال اِس سے زمینوں کی برابر تقسیم کے مدعی لوگوں نے کیا ہے وہ تو عقل کے بھی خلاف ہے، حقیقت کے بھی خلاف ہے اور آیت کے الفاظ کے بھی خلاف ہے۔ آخر کیوں خدا تعالیٰ نے یہاں انسان کا لفظ نہیں رکھا ہے جستجو کرنے والے کا لفظ کیوں رکھا ہے؟ اسی لئے کہ یہاں تقسیم کا ذکر نہیں تھا۔ یہاں قابلیت کے نتائج پیدا کرنے کا ذکر تھا اور قابلیت کے نتائج پیدا کرنے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مختلف جستجو کرنے والوں میں فرق نہیں کیا جاتا خواہ اُن کا مذہب کوئی بھی ہو۔ اگر مسلمان سستی کرنے لگ جائیں اور قوانین قدرت سے فائدہ اُٹھانا چھوڑ دیں اور کفار چُست ہو جائیں اور خدا تعالیٰ کے قانونِ قدرت سے فائدہ اُٹھانے لگ جائیں تو دُنیوی طور پر کفار ترقی کر جائیں گے اور مسلمان گر جائیں گے۔ پس اِس آیت سے اگر مسلمان فائدہ اُٹھانا چاہتے تو انہیں یہ فائدہ اُٹھانا چاہئے تھا وہ جھُوٹے توکّل کو کام میں لا کر سست نہ ہو جاتے، علوم کو نہ چھوڑ دیتے، صنعت وحرفت کی طرف سے توجہ ترک نہ کر دیتے اور سمجھتے کہ اِس آیت کے ماتحت دنیا کی دولتیں اور دنیا کے سامان ہمارے لئے مخصوص نہیں بلکہ جو بھی اس کے متعلق کوشش کرے گا اُس کو مل جائے گا۔ اگر اسلام کے دشمن کوشش کریں گے تو وہ اُن کو مل جائیں گے۔ اور اگر صرف مسلمان کوشش کریں گے تو اُن کو ملیں گے کفار کو نہیں ملیں گے۔ اور اگر دونوں کوشِش کریں گے تو دونوں کو اپنی اپنی محنت اور

کوشش کے مطابق نتیجہ مل جائے گا۔ پس ہمیں سست نہیں ہونا چاہئے۔

زمین کو برابر تقسیم کرنے کے مدعی اس بات سے بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں اس قانون سے یہ نتیجہ نہ نکال لیا جائے کہ ذاتی قابلیت کی کوئی قیمت اسلام تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اس سے ان کی اپنی تنخواہوں اور اپنے کاروبار اور اپنی صنعت وحرفت پر بھی اثر پڑتا ہے اِس لئے وہ یہ اصول بھی اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ اسلام نے ذاتی قابلیت کی قیمت کو تسلیم کیا ہے۔ اس لئے جو شخص ذاتی قابلیت سے کچھ کمائے وہ اُسی کا حق ہے۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں وہ قرآن شریف کی یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ [۲] یعنی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے۔ پس وہ لوگ جن کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے غلاموں کو اپنا رزق اِس طرح نہیں دیتے کہ غلام کا اوران کا حق اُس میں برابر ہو جائے۔ کیا اِس دلیل کے ہوتے ہوئے بھی مشرک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں؟

اس سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ذاتی قابلیت کے جوہر کی قیمت کو تسلیم کیا ہے پس زمین سے زیادہ کمانا تو ناجائز ہے لیکن ذاتی قابلیت سے زیادہ کمانا جائز ہے۔ مذکورہ بالا آیت بھی قرآن کریم میں شرک کے ردّ کے لئے آئی ہے اوراس میں بتایا گیا ہے کہ اگر انسان اپنے مال اور اپنی جائیداد میں اپنے غلام کو برابر کا شریک نہیں بناتا تو خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی ملکیت میں برابر کا شریک بنا کران کو ایک معبود کا رُتبہ کس طرح دے سکتا ہے۔

جب مشرکین پر قرآن کریم میں اعتراض کئے گئے کہ شرک کا مسئلہ عقلاً کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوسکتا تو اُنہوں نے اپنے پیشرو مشرکین کی طرح شرک کی یہ تاؑویل کی کہ جس کو تم شرک کہتے ہو وہ شرک ہے ہی نہیں وہ تو کامل توحید ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کے سواء کوئی اور شخص بھی اپنی ذات میں دنیا کا حاکم ہے بلکہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے خود اپنے بعض مقرب بندوں کو اپنے اختیاراتِ حکومت سونپ دیئے ہیں اِس لئے جن لوگوں کی ہم پرستش کررہے ہیں وہ پرستش درحقیقت خدا تعالیٰ ہی کی پرستش ہے پس یہ شرک نہیں۔ اللہ تعالیٰ اِس

کے جواب میں فرماتا ہے کہ بادشاہ کے نائب یا ماتحت کو تو اِس لئے اختیار دیئے جاتے ہیں کہ بادشاہ ہر جگہ نہیں پہنچ سکتا۔ جہاں دونوں موجود ہوں یعنی بادشاہ بھی اُسی طرح موجود ہو جس طرح ماتحت۔ جیسے شاہی دربار ہوتا ہے کیا اس جگہ پر بھی بادشاہ کے اختیارات ماتحتوں کی طرف منتقل ہوتے ہیں؟ ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسے موقع پر تو کسی اور کو مخاطب کرنا بھی گستاخی سمجھا جاتا ہے۔ پس چونکہ خدا تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اسے اس طرح اختیار سپرد کرنے کی ضرورت نہیں اور اس کے معاملہ میں نائب کی مثال درست نہیں بلکہ یہ مثال درست ہے کہ ایک آقا اپنے گھر میں اپنے غلام کو مساوی حقوق دیدے مگر ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ دور کے علاقوں میں نیابت کے اختیارات دیئے جاتے ہیں مگر یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ایک بادشاہ اپنے غلام سے یہ کہے کہ تمہیں میری بیوی بچوں پر یا گھر کے ساز و سامان پر یا نوکروں پر برابر کے اختیارات حاصل ہیں۔ اس طرح تو وہ دوعملی پیدا ہوگی کہ اندھیر آ جائے گا اور مالک کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہے گی۔ پس یہ دلیل جو مشرک دیتے ہیں غلط ہے اور خدا تعالیٰ ہرگز کسی کو اختیارِ عبودیت عطا نہیں فرماتا کیونکہ وہ ذرّے ذرّے کا خود واقف ہے اور ذرّے ذرّے تک اُس کا اقتدار براہ راست پہنچتا ہے۔ اُس کو تحصیلیں اور ضلع اور گورنریاں بنانے کی ضرورت نہیں۔

اصل مفہوم تو اِس آیت کا وہ ہے جو میں نے اوپر بیان کیا ہے لیکن ضمنی طور پر اس سے اور نتائج اخذ کرنا قرآنی اصول کے خلاف نہیں بلکہ درست ہے۔ پس اگر اِس آیت سے وہ معنے بھی نکلتے ہوں جو کہ زمین کو برابر تقسیم کرنے کے خواہش مند مگر ذاتی قابلیتوں کے نتائج میں امتیاز قائم رکھنے کو جائز سمجھنے والے لوگ نکالتے ہیں تو یقیناً میں اِس کو درست تسلیم کروں گا۔ لیکن ایک ادنیٰ تدبّر سے بھی یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ ان کے لئے ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ یہ استدلال ان کے پہلے استدلال کے مخالف پڑتا ہے۔ اور قرآن کریم کی کسی آیت کے وہ معنی نہیں لئے جاسکتے جو اس کی کسی دوسری آیت کو ردّ کرتے ہوں کیونکہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور خدا تعالیٰ کے کلام میں اختلاف نہیں ہوسکتا بلکہ کسی معمولی عقلمند انسان کے کلام میں بھی اختلاف نہیں ہوسکتا۔ اگر مختلف ذاتی قابلیت رکھنے والے لوگوں میں مختلف مدارج کو ملحوظ رکھنا ہوگا تو پھر بڑی اور چھوٹی جائداد رکھنے والوں میں بھی مختلف مدارج کو ملحوظ رکھنا ہوگا کیونکہ سوال یہ ہے کہ بڑی

جائداد کسی شخص کے پاس آتی کس طرح ہے؟ ظاہر ہے کہ بڑی جائداد تین ہی جائز ذریعوں سے آسکتی ہے۔ اول اِس طرح کہ کسی نے کوئی بڑی جائداد خریدی ہو۔ اگر کسی نے کوئی بڑی جائداد خریدی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ بہت سے روپے کا مالک ہوگا، وہ روپیہ اُس نے اپنی ذاتی قابلیت سے ہی کمایا ہوگا۔ دوسرے تھوڑے سے روپیہ کے ساتھ وہ جائداد بڑھاتا چلا گیا ہوگا۔ اگر ایسا ہے تو یہ بھی ذاتی قابلیت کا ہی نتیجہ ہوگا۔ تیسرے ذاتی قابلیت سے پیدا کرنے والے کی جائداد کا وارث ہو کر۔

اگر شریعت نے ذاتی قابلیت کی قیمت کو تسلیم کیا ہے تو ذاتی قابلیت سے اعلیٰ نوکری پر پہنچنے والا اور ذاتی قابلیت سے اعلیٰ تجارت حاصل کرنے والا اور ذاتی قابلیت سے اعلیٰ صنعت و حرفت کا مالک ہونے والا اور ذاتی قابلیت سے زیادہ زمین کا مالک ہونے والا برابر ہیں، ان میں امتیاز کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ زمین بھی نتیجہ ہے ذاتی قابلیت کا، اور عہدہ بھی نتیجہ ہے ذاتی قابلیت کا اور تجارت بھی نتیجہ ہے ذاتی قابلیت کا۔ اور صنعت و حرفت بھی نتیجہ ہے ذاتی قابلیت کا، اگر کہا جائے کہ ہم تو اس شخص کے متعلق بات نہیں کرتے جس نے کہ ذاتی قابلیت کے ماتحت بہت سی زمین حاصل کر لی ہو بلکہ ہم تو اُن اشخاص کا ذکر کرتے ہیں جن کو ورثہ میں زمین ملی ہو تو اس پر بھی وہی اعتراض ہوتا ہے کیونکہ اگر ورثہ میں بڑی زمین مل جانے پر اعتراض ہے تو ورثہ میں بڑی کوٹھی مل جانے پر بھی اعتراض ہونا چاہئے۔ ورثہ میں بڑی تجارت مل جانے پر بھی اعتراض ہونا چاہئے۔ ورثہ میں بڑی صنعت و حرفت مل جانے پر بھی اعتراض ہونا چاہئے۔ آخر جو شخص تین یا چار یا پانچ ہزار روپیہ گورنمنٹ سے تنخواہ لیتا ہے۔ کیا اُسے مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ساری کی ساری رقم ماہوار خرچ کر دے؟ یا اسے اجازت ہوتی ہے کہ وہ بچے ہوئے روپیہ سے کوٹھیاں اور مکان خریدے؟ یا صنعت و حرفت کے کارخانوں کے حصے خریدے؟ یا بنک میں روپیہ جمع کرا دے؟ اور اگر شریعت کا پابند نہیں تو اس کے سود سے فائدہ اُٹھائے؟ اور اگر اسے یہ اجازت ہوتی ہے اور واقعہ میں ایسی اجازت ہے تو کیا ان کوٹھیوں اور مکانوں اور دکانوں اور تجارتی حصوں اور کارخانوں کے حصوں کی وارث اِس کے بعد اُس کی اولاد ہوتی ہے یا نہیں ہوتی؟ اگر اُس کی اولاد اس کے بعد وارث ہوتی ہے حالانکہ اس کمائی میں اولاد کی ذاتی قابلیت

کا کوئی دخل نہیں ہوتا تو پھر اگر کسی شخص نے ذاتی قابلیت سے بہت سی زمین خرید لی تو اُس کی اولاد اس کی کیوں وارث نہیں ہوسکتی۔ قرآن شریف میں ذاتی قابلیت کو اگر تسلیم کیا ہے تو جس طرح وہ نوکری اور تجارت اور صنعت وحرفت میں تسلیم کی جائے گی اسی طرح زمین کے متعلق بھی تسلیم کی جائے گی۔ اور اگر ذاتی قابلیت رکھنے والے انسان کی متروکہ جائداد کی اولاد جائز وارث ہوسکتی ہے تو پھر جس طرح نوکری کی آمد سے پیدا کی ہوئی جائداد کی اولاد جائز وارث ہو سکتی ہے یا تجارت اور صنعت وحرفت سے پیدا کی ہوئی جائداد کی اولاد جائز وارث ہوسکتی ہے اسی طرح ذاتی قابلیت سے پیدا کی ہوئی زمینوں کی بھی اولاد جائز وارث ہوسکتی ہے۔

اگر کہا جائے کہ ہم ان لوگوں کے متعلق بھی گفتگو نہیں کر رہے جن کے باپ دادوں نے جائداد خریدی تھی بلکہ ہم تو ان لوگوں کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں جن کی جائدادوں کے متعلق معلوم نہیں کہ وہ جائدادیں ان کو کس طرح ملیں یا جن کو حکومت نے جائدادیں بخشیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو یہ بات غلط ہے کہ یہ لوگ صرف ان لوگوں کے متعلق بحث کر رہے ہیں جن کی جائدادوں کے متعلق علم نہیں کہ وہ کیسے حاصل ہوئی تھیں یا جن کی جائدادیں حکومت کی عطا کردہ ہیں۔ اس مسئلہ پر جتنی بحثیں کی گئی ہیں ان میں قطعی طور پر کوئی استثناء نہیں کیا گیا اور جائدادیں خریدنے والے اور ورثہ میں لینے والے اور گورنمنٹ سے حاصل کرنے والے سب کو برابر قرار دیا گیا ہے لیکن اگر یہ لوگ یہ امتیاز اور فرق تسلیم کرلیں تب بھی ان کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ جیسا کہ میں اوپر ثابت کر چکا ہوں کوئی حکومت اپنے سے پہلے زمانہ کی ملکیتوں پر نئے سرے سے بحث نہیں اُٹھا سکتی۔

پہلا ثبوت تو اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ملتا ہے۔ آپ نے اپنے زمانہ کے صاحب جائداد لوگوں کے متعلق ہرگز یہ سوال نہیں اُٹھایا کہ اُن کو یہ جائداد کس ذریعہ سے حاصل ہوئی۔ جائز ذریعہ سے یا ناجائز ذریعہ سے۔ کیونکہ ایک لمبے عرصہ کے بعد کوئی شخص اس بات کو ثابت ہی نہیں کرسکتا کہ اس کے باپ دادا کو جائداد کہاں سے ملی تھی۔ پس شریعت نے ایسے پرانے قبضہ کو جائز قبضہ قرار دیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بڑی جائدادیں تھیں ہی نہیں۔ چونکہ بڑی جائدادیں نہیں تھیں اس لئے ان

کے متعلق اس قسم کی بحث اُٹھانے کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکا تھا تو یہ عذر بھی درست نہیں ہوگا اس لئے کہ خود ان معترضین نے تسلیم کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کے پاس ایسی جائدادیں موجود تھیں جو ان کو کافر ماں باپ کی طرف سے ورثہ میں ملی تھیں مگر جن کو وہ اکیلے کاشت نہیں کر سکتے تھے اور وہ زمینیں انہیں دوسرے لوگوں کو کاشت پر دینی پڑتی تھیں اور یہ لوگ مدینہ منورہ کے رہنے والے انصار تھے۔ ان معترضین نے خود وہ حدیثیں نقل کی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ میں رہنے والے انصار اپنی ساری زمینیں خود کاشت نہیں کر سکتے تھے اور وہ دوسروں کو زمین کاشت پر دے دیا کرتے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے انہیں نہیں منع فرمایا۔ اس سوال کو الگ رکھ کے کہ آیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کیا یا نہیں کیا؟ یا اگر منع کیا تو کس بات سے منع کیا۔ (اس امر پر میں بحث آگے چل کر کروں گا) ان احادیث سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ مدینہ کے بعض انصار کے پاس اتنی زیادہ زمینیں تھیں کہ وہ خود اُن کو کاشت نہیں کر سکتے تھے اور دُوسروں کو کاشت کے لئے دینے پر مجبور تھے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا تو پھر یہ دیکھنا پڑے گا کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ اپنی زمین کے متعلق ثابت کریں کہ ان کے باپ دادوں کو وہ زمین کس جائز ذریعہ سے ملی تھی ورنہ وہ زمین سرکاری زمین سمجھی جائے گی اور بحق سرکار ضبط ہو کر ان کے پاس اتنی ہی زمین رہنے دی جائے گی جس کی وہ خود کاشت کر سکیں باقی دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اسلام سے پہلے کی حاصل کردہ جائدادوں کی ملکیت کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم فرمایا ہے۔

دوسری دلیل اِس کی تائید میں امام نووی کا فیصلہ ہے وہ بھی میں نویں باب میں درج کر آیا ہوں۔ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مصر کے بادشاہ بیبرس (BAYBARS) نے اپنے زمانہ کی زمینوں کو اِسی بناء پر ضبط کرنا چاہا کہ لوگ ثابت کریں کہ ان کے باپ دادا کو وہ زمینیں جائز ذرائع سے حاصل ہوئی تھیں ورنہ ان کی زمینیں ضبط کی جائیں گی۔ اِس پر علامہ نووی نے اُس کے خلاف احتجاج کیا اور ثابت کیا کہ تمام علمائے اسلام اِس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص جس جائداد پر قابض ہے وہ اُس کا مالک سمجھا جائے گا سوائے اِس کے کہ کوئی دوسرا مدعی اُس پر نالش

کر کے اپنا حق ثابت کرے۔ پس اس معاملہ میں چونکہ حکومت مدعی ہے حکومت ثابت کرے کہ فلاں شخص کے پاس جو جائداد ہے وہ اُس کی نہیں بلکہ حکومت کی ہے اور اُس نے اُس پر ناجائز اور ناواجب قبضہ کیا ہے۔ زمین کے قابض کا یہ فرض نہیں کہ وہ یہ دلیل دے کہ وہ زمین اس کے پاس جائز طور پر آئی ہے۔ اُس کا قبضہ ہی اِس بات کا ثبوت ہے کہ قبضہ جائز ہے۔ اگر قبضہ جائز نہیں تھا تو کیوں نہیں زمین کا مالک بولا اور کیوں نہیں اِس کے خلاف اس نے کوئی کارروائی کی۔ اِس حوالہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دیرینہ قبضہ کے درست ہونے کو جس طرح موجودہ حکومتیں تسلیم کرتی ہیں اسی طرح اسلام کا قانون بھی تسلیم کرتا ہے۔

اگر زمین کی برابر تقسیم کے مدعی سرکاری عطیات کے متعلق اپنے اعتراضات محدود کر دیں تو بھی ان کا خیال درست نہیں کیونکہ یہ بھی میں چھٹے باب میں ثابت کر آیا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لوگوں کو اتنی اتنی زمینیں دیں جن کی وہ خود کاشت نہیں کر سکتے تھے بلکہ جن کے ہزارویں حصہ کے کاشت کرنے کی بھی ان میں طاقت نہیں تھی۔ اسی طرح بعد میں خلفاء نے بھی لوگوں کو ایسے عطیے عطا کئے اور اسلامی بادشاہوں نے بھی لوگوں کو ایسے عطیے دیئے مگر کبھی بھی ان کو ناجائز قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ جیسا کہ میں نویں باب میں ثابت کر چکا ہوں امام ابو یوسف کا یہ فتویٰ ہے کہ اس قسم کے عطیات واپس لینے کا کسی کو کوئی حق حاصل نہیں۔ اور اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص سے جس کو حکومت نے عطیۃً کوئی زمین دی ہو یا اس کی اولاد سے زمین واپس لے لے تو وہ ویسا ہی غاصب سمجھا جائے گا جیسا کہ ہر ذاتی ملکیت کا غصب کرنے والا۔ (دیکھو نواں باب بعنوان کیا حکومت کسی کے مال پر جس میں زمین بھی شامل ہے، جبرًا قبضہ کر سکتی ہے؟)

اصل سوال تو یہ ہے کہ آیا اسلام اتنی زمین سے زیادہ جس پر انسان خود ہل چلا سکے کسی کو زمین رکھنے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے تو ظاہر ہے کہ جس بات کی اسلام اجازت دیتا ہے اُسے گناہ نہیں قرار دیا جا سکتا اور نہ خلافِ قانون قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور جب کوئی چیز نہ گناہ ہے نہ خلافِ قانون تو اُس کی ضبطی جائز نہیں ہو سکتی۔

معترضین اِس جگہ پر تین حوالے پیش کیا کرتے ہیں جن سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اگر کسی

شخص کے پاس اتنی زمین ہو کہ وہ اُسے آباد نہ کر سکے تو وہ زائد زمین یا تو اپنے بھائیوں کو مفت کاشت کرنے کے لئے دے دے یا حکومت اُس سے وہ زمین ضبط کرلے اور دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دے۔ ان میں سے پہلا حوالہ رافع بن خدیج ؓ کی حدیث کا پیش کیا جاتا ہے۔ یہ حدیث بخاری میں درج ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔ **عن رافع بن خدیج قال نھا نا رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم عن امرٍ کان لنا نافعًا اذا کانت لاحد نا ارض ان یعطیھا ببعض خراجھا اوبد راھم وقال اذا کانت لا حدکم ارض فالیمنحھا اخاہ اولیزرعھا۔**[۴۳] یعنی حضرت رافع بن خدیج ؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایسی بات سے منع فرمایا جو ہمارے لئے نفع بخش تھی اور وہ یہ کہ جب ہم میں سے کسی کے پاس زیادہ زمین ہوتی تھی تو وہ کسی دوسرے شخص کو بٹائی یا روپیہ کے بدلہ میں زمین دے دیتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس زمین ہو تو یا تو اُسے اپنے بھائی کو کاشت کرنے کے لئے مفت دے دیا کرو یا خود کاشت کیا کرو۔

اسی طرح رافع بن خدیج ؓ سے یہ روایت بھی آتی ہے۔ **ان رسول اللّٰہ ﷺ اتی بن حارثۃ فرأ ی زرعا فی ارض ظھیر فقال ما احسن زرع ظھیر قالوا لیس لظھیر قال الیس ارض ظھیر قالوا بلی ولکنہ زرع فلان ۔ قال فخذوا زرعکم وردوا علیہ النفقۃ قال رافع فاخذنا زرعنا ورددنا الیہ النفقۃ۔**[۴۴] یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ اس جگہ پر آئے جہاں بنو حارثہ کی زمینیں تھیں۔ آپ نے ایک کھیتی دیکھی جو ظہیر کی زمین میں تھی اور فرمایا ظہیر کی کھیتی کتنی اچھی ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ ظہیر کی تو نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ زمین ظہیر کی نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں زمین تو ظہیر کی ہے لیکن اس میں فلاں شخص نے کھیتی کی ہے۔ اِس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی کھیتی لے لو اور اِس کا خرچ اُس کو دے دو۔ رافع کہتے ہیں اِس پر ہم نے فصل لے لی اور اُس کا خرچ اُسے دے دیا۔

ایک روایت رافع بن خدیج ؓ سے اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ **عن عمہ ظھیر بن رافع قال ظھیر لقد نھانا رسول اللّٰہ ﷺ کان بنا رافقا قلت ما قال رسول اللّٰہ ﷺ۔ قال ماتصنعون بمحا قلکم؟ قلت نؤاجرھا علی الربیع و علی الا وسق من**

التمر والشعیر قال لا تفعلوا ازرعوھا او ازرعوھا او امسکوھا ۵۷ یعنی رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ میں نے اپنے چچا ظہیر بن رافع سے سنا آپ فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایسی بات سے روکا جو ہمارے لئے بڑی سہولت والی تھی۔ میں نے کہا کہ وہ کیا بات تھی؟ تو انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی زمینوں کے ساتھ کیا کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہم ان کو اس شرط کے ساتھ ٹھیکہ پر دے دیتے ہیں کہ ربیع ہماری اور کچھ کھجوریں اور کچھ جَو ہمارے۔ اِس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا مت کرو۔ یا خود کھیتی کرو یا کسی کو کھیتی کرنے دو یا زمین بنجر چھوڑ دو۔

اِس قسم کی بعض اور روایات بھی مسلم اور دوسری کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ **نھی رسول اللّٰہ ﷺ ان یوخذ للارض اجر او حظ** ۶۷ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو منع فرمایا کہ ہم زمین کے بدلہ میں کوئی روپیہ لیں یا اس میں سے کوئی حصہ لیں۔

اِنہی جابرؓ سے ایک اور روایت بخاری میں بھی درج ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

کانوا یذرعونھا بالثلث والربع والنصف فقال النبی ﷺ من کانت له ارض فلیزرعھا اولیمنحھا فان لم یفعل فلیمسک ارضه ۷۷ یعنی ہم لوگ تیسرے یا چوتھے حِصّہ پر یا نصف بٹائی پر زمین دیا کرتے تھے۔ یہ معلوم کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہو یا تو وہ خود کھیتی کرے یا دوسرے کو مفت دے دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو پھر اپنی زمین خالی پڑی رہنے دے کسی کو نہ دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس بارہ میں ایک ایسی ہی روایت درج ہے۔

بظاہر اِن حدیثوں سے یہی معنی نکلتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو مقاطعہ پر دینے سے کلّی طور پر منع فرمایا ہے اور صرف یہی اجازت دی ہے کہ جو شخص خود کاشت نہیں کر سکتا وہ اپنے کسی بھائی کو مفت زمین کاشت کرنے کے لئے دے دے یا خالی پڑا رہنے دے۔ چونکہ زمین کا خالی رہنے دینا جبکہ اس کے لئے کاشتکار موجود ہوں اسلامی اصول کے خلاف ہے اس لئے اس نہی کے دوسرے معنے یہی نکلیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اِس امر کی

طرف توجہ دلاتے تھے کہ ان کو اس سے زیادہ زمین اپنے پاس نہیں رکھنی چاہیے جس کو کہ وہ خود کاشت کر سکیں۔ مگر جیسا کہ میں ابھی ثابت کروں گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہرگز یہ منشا نہیں تھا اور اگر رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی یہ روایت صحیح ہے تو اس کا بھی وہ مفہوم نہیں جو سمجھا گیا ہے اور نہ جابر رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کے وہ معنے ہیں جو بظاہر لفظوں سے نظر آتے ہیں۔

پہلی دلیل جو مَیں اصولی طور پر دینا چاہتا ہوں یہ ہے کہ میں اوپر چھٹے باب میں یہ ثابت کر آیا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال بن حارث مزنی کو اتنا وسیع ٹکڑا زمین کا عطا فرمایا کہ ایک چھوڑ ہزار آدمی بھی اُس میں ہل نہیں چلا سکتا تھا۔ اس طرح حضرت زبیرؓ کو آپ نے اتنا بڑا ٹکڑا زمین کا عطا فرمایا جس کا رقبہ کئی مربعہ میل بنتا تھا۔ اس باب میں مَیں یہ بھی حدیث نقل کر چکا ہوں کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک بڑا ٹکڑا زمین کا طلب فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ ٹکڑا اُن کو دیا۔ اگر رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے وہی معنی ہیں جو ملکیت زمین کے مخالف لوگ پیش کرتے ہیں تو اوّل تو خود رافع کے خاندان کے پاس ضرورت سے زیادہ زمین کا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناجائز قرار نہیں دیا ورنہ آپ اُن سے زمین چھینتے کیوں نہ۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ ان کے پاس وہ زمین پہلے سے چلی آتی تھی اس لئے آپ نے اُن سے چھینی نہیں بلکہ نصیحت کر دی تو پھر اوپر کی روایتوں کا کیا جواب ہوگا۔

رافعؓ کے خاندان سے تو آپ نے اِس لئے زمین نہ چھینی کہ اُن کے پاس یہ زمین اسلام سے پہلے کی تھی۔ ہاں اشارہ فرما دیا کہ اتنی زمین رکھنی منع ہے مگر بلال رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو اِن سے بھی کئی سو گنے زیادہ زمین خود کیوں دے دی؟ کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنی بڑی زمین دیتے وقت یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ایک ہل یا بیٹوں کے ہل ملا کر تین چار ہل بیسیوں مربع میل علاقہ میں کاشت نہیں کر سکتے۔ پھر کون مان سکتا ہے کہ اِس حکم کے ہوتے ہوئے حضرت علیؓ جیسا مستغنی انسان حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ینبع کے قصبہ کی زمین طلب فرمائے گا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا انسان اِس ممنوع سوال کو قبول کر لے گا اور وہ

زمین اُن کو دے دیگا۔ میں نے رافع کی روایت میں چند الفاظ کا ترجمہ نہیں کیا تھا۔ صرف عربی الفاظ ہی دُہرا دیئے تھے اور اس کی ایک وجہ تھی۔ وہ وجہ یہ تھی کہ زمین کی ملکیت کے مخالف لکھنے والوں میں سے ایک صاحب جنہوں نے گورنمنٹ کی کمیٹی میں اپنی رائے علیحدہ لکھ کر پیش کی ہے اُنہوں نے اِن احادیث میں آنے والے الفاظ ربیع اور اربعاء کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ہم چوتھے حصہ پر بٹائی کیا کرتے تھے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس سے منع فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان صاحب نے بجائے اصل حدیثیں دیکھنے کے کسی ناواقف شخص کے ترجمہ سے یہ حدیثیں اخذ کی ہیں ورنہ وہ اتنی بڑی غلطی نہ کرتے۔ ان احادیث میں جو ربیع اور اربعاء کے الفاظ آتے ہیں ان کے معنی چوتھے حصہ کے نہیں بلکہ ربیع کے معنے چھوٹی نہر کے ہوتے ہیں اور اربعاء اس کی جمع ہے جس کے معنی ہیں چھوٹی نہریں۔ پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہیرؓ سے سوال کیا کہ تم اپنی زمینوں کے ساتھ کیا کرتے ہو؟ تو جو جواب حضرت ظہیر رضی اللہ عنہ نے دیا اس کے یہ معنے نہیں تھے کہ ہم چوتھے حصہ پر بٹائی کرتے ہیں اور کھجور اور جَو کا کچھ وزن مقرر کر لیتے ہیں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو منع فرمایا بلکہ ظہیر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا اور یہی معنی عربی کے ہیں کہ ہم جس کو زمین بٹائی پر دیتے تھے اُس سے یہ شرط کر لیتے تھے کہ جو حصہ فصل کا نہروں کے کناروں پر آئے گا وہ سارا ہمارا ہوگا اور جو باقی بچے گا اُسے اُس کے بدلہ میں تم کچھ کھجوریں اور کچھ جَو جو پہلے مقرر کر دیئے جاتے تھے ہم کو دے دیا کرنا۔ ظاہر ہے کہ یہ طریق خالص جوئے بازی کا ہے۔ اوّل تو یہ فعل نہایت ظالمانہ ہے کہ پانی کے کنارے کی جو اعلیٰ فصل ہو اُس کو اپنے لئے مخصوص کر لیا جائے۔ دوسرے یہ بھی ناجائز فعل ہے کہ بغیر اِس علم کے کہ زمین سے کیا پیدا ہوگا اور کیا نہیں ہوگا قبل از وقت کچھ مقدار غلّہ کی اور کچھ کھجور کی مقرر کر لی جائے کہ یہ تم نے ہم کو ضرور دینی ہے خواہ فصل پیدا ہو یا نہ ہو۔

یہ استدلال میرا نہیں بلکہ خود رافع بن خدیجؓ نے دوسری حدیثوں میں اس کی تشریح کر دی ہے چنانچہ رافع بن خدیجؓ کی ایک حدیث ان الفاظ میں کتابوں میں آتی ہے۔ **حدثنی عمای انهما کانا یکریان علی عهد رسول اللہ ﷺ بما ینبت علی الاربعاء وشیء یستثنیه صاحب الارض فنهی النبی ﷺ عن ذالک** [۸] یعنی رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ مجھ

سے میرے دونوں چچوں نے ذکر کیا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زمین مقاطعہ پر دیا کرتے تھے اور شرط یہ ہوتی تھی کہ جو فصل پانی کی نالیوں کے کنارے پر ہو اور جو فصل اُن ٹکڑوں پر ہو جن کو زمین کا مالک خود پسند کرے وہ اُس کی ہوگی اور باقی مزارع کی ہوگی اِس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو منع فرمایا۔

اس حدیث میں بھی اربعاء کا لفظ ہے جو ربیع کی جمع ہے اور اس کے معنے چوتھے حصے کے نہیں بلکہ پانی کے نالوں کے کناروں کی فصل کے ہیں۔ چنانچہ یہ حدیث جہاں بخاری میں آتی ہے وہاں اسکی شرح میں علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں **الاربعاء جمع ربیع وھوالنھر الصغیر والمعنی انھم کانوا یکرون الارض ویشترطون لانفسھم ماینبت علی الانھار۔**[۷۹] یعنی اربعاء کا لفظ جو اِس حدیث میں آیا ہے وہ ربیع کی جمع ہے اور اِس کے معنی چھوٹی نہر کے ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اُس زمانہ میں لوگ زمین مقاطعہ پر دیتے وقت یہ شرط کر لیا کرتے تھے کہ جو فصل نہروں کے کناروں پر ہوگی وہ مالک لے گا۔

علّامہ شوکانی اس حدیث کو پیش کر کے یہ نوٹ لکھتے ہیں:۔ **ھذا الحدیث یدل علی ان سبب النھی ھو ھذا و وجہ ذالک الجھالۃ وتجویز عدم حصول ماینبت فی المکان الذی کان التاجیر علی مایخرج منہ وعلیہ یحمل ماورد من مطلق النھی عن المخابرۃ** [۸۰] یعنی اس حدیث سے پتہ لگتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سے منع فرمایا وہ یہی بات تھی نہ کہ زمین کا بٹائی پر دینا۔ اور اس مناہی کی وجہ یہ ہے کہ یہ امر کہ فلاں ٹکڑا میں کیا فصل ہوگی غیر معلوم ہے اور جوئے کی قسم ہے اور اِس سے یہ بھی خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ معینہ مقدار غلّہ کی مالک کو دے کر مزارعہ کے لئے کچھ بھی نہ بچے حالانکہ مزارعة کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مزارع کا بھی فصل میں حصّہ ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مخابرۃ سے منع فرمایا ہے اُس سے بھی یہی مراد ہے۔

مسلم کی ایک روایت سے پتہ لگتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف یہی طریقہ مقاطعہ کا رائج تھا چنانچہ اُس میں یہ حدیث آتی ہے۔ **عن حنظلۃ بن قیس الانصاری قال سألت رافع بن خدیج عن کراء الارض بالذھب والورق قال لابأس**

بہ انما کان الناس یؤاجرون علی عھدالنبی ﷺ علی الماذیانات واقبال الجداول واشیاء من الزرع فیھلک ھذا ویسلم ھذا۔ ویسلم ھذا ویھلک ھذافلم یکن للناس کراء الاھذا فلذلک زجر عنه [۸۱] یعنی حنظلہ بن قیس انصاری کہتے ہیں کہ میں نے رافع بن خدیج ؓ انصاری سے پوچھا کہ کیا زمین کا سونا چاندی کے مقاطعہ پر دینا بھی منع ہے؟ حضرت رافع ؓ نے فرمایا اِس میں کوئی حرج نہیں۔ بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ ماذیانات اوراقبال الجداول اور کھیتی کے کچھ حصّہ کی شرط پر زمین مقاطعہ پر دیا کرتے تھے تو کبھی یہ حصہ مارا جاتا اور وہ بچ جاتا اور کبھی وہ مارا جاتا اور یہ بچ جاتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اِس کے سوا مقاطعہ پر دینے کا کوئی طریق نہیں تھا پس آپؐ نے اِس سے منع فرمایا۔

حدیث کے یہ الفاظ کہ لوگ ماذیانات اوراقبال الجداول پر زمین مقاطعہ پر دیا کرتے تھے اِس کے معنی علامہ نووی نے شرح مسلم کی جلد ۲ صفحہ ۱۳ پر یوں درج کئے ہیں۔

ماذیانات کے معنی پانی کی نہریں ہیں یا پانی کی نہروں کے کناروں پر جو کھیتی اُگتی ہے۔ اور یہ لفظ غیر زبان کا ہے جو عربی میں اختیار کرلیا گیا ہے۔ علامہ ابن الاثیر فرماتے ہیں کہ یہ ماذیان کی جمع ہے جس کے معنی بڑے نالے کے ہیں اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ زمین اِس شرط پر مقاطعہ پر دیتے تھے کہ جو شخص اِس زمین کو کاشت کرے وہ نہروں کے کناروں کی فصل مالک کو دے دے اور پانی کی نالیوں پر جو فصل ہو وہ بھی مالک کو دے دے یا وہ یہ شرط کیا کرتے تھے کہ جب فصل ہوگی تو فلاں ٹکڑے کی فصل میں لے لُوں گا اور فلاں ٹکڑے کی فصل تجھے دے دونگا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا کیونکہ اس میں دھوکا ہوتا ہے۔

اِس حدیث سے بھی واضح ہے کہ خود رافع بن خدیج ؓ کے نزدیک مقاطعہ پر زمین دینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا بلکہ اس دھوکا دینے والے طریق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے جس کو اسلام کے علماء نے کبھی بھی پچھلے پونے چودہ سَو سال میں جائز نہیں رکھا۔ بلکہ یہ طریق متفقہ طور پر تمام مسلمانوں کے نزدیک خواہ وہ سنّی ہوں یا شیعہ ہوں یا خارجی ہوں منع اور حرام ہے کیونکہ اس میں جوئے کا رنگ پایا جاتا ہے

مسند ابوداؤد میں بھی اس حدیث کو درج کر کے یہ لفظ لکھے ہیں **حدیث ابراھیم ھذا اتم** [۸۲] یعنی اس بارہ میں جتنی حدیثیں آئی ہیں ان میں سب سے زیادہ ابراہیم کی مذکورہ بالا حدیث ہی مکمل ہے۔

حنفیوں کی معتبر ترین کتابوں میں سے مشہور کتاب طحاوی میں لکھا ہے **عن رافع بن خدیجؓ قال کنا بنی حارثة اکثر اھل المدینة حقلا و کنا نکری الارض علی ان ماسقی الماذیانات والربیع فلنا وما سقت الجداول فلھم فربما سلم ھذا و ربما ھلک وسلم ھذا ولم یکن عندنا یومئذ ذھب ولا فضة فنعمل ذالک فسئلنا رسول اللّٰہ ﷺ عن ذالک فنھانا** [۸۳] یعنی رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ ہمارا قبیلہ بنو حارثہ مدینہ میں سب سے زیادہ زمینوں کا مالک تھا اور ہم اپنی زمینیں اِس شرط پر مقاطعہ پر دیا کرتے تھے کہ بڑے نالے اور چھوٹے نالے سے براہ راست پانی لے کر یا اُس کے کناروں پر جو فصل ہوگی وہ ہماری ہوگی اور کھائیاں کھود کر جس زمین کو پانی دیا جائے وہ مزارع کی ہوگی نتیجہ یہ ہوتا کہ کبھی یہ سلامت رہ جاتی اور وہ ہلاک ہو جاتی اور کبھی وہ سلامت رہ جاتی اور یہ ہلاک ہو جاتی۔ اُس زمانہ میں ہمارے پاس سونا چاندی نہیں ہوتا تھا کہ ہم اُس کے ذریعہ سے یہ کام کرتے۔ سو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس بارہ میں دریافت فرمایا تو آپؐ نے ہم کو اِس بات سے روک دیا۔

یہ حدیث بھی اس بات پر شاہد ہے کہ مناہی زمین کو مقاطعہ پر دینے کی نہیں تھی بلکہ اُس غلط طریق پر جو جوئے کے مشابہہ تھا مقاطعہ پر دینے کی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے مدینہ میں رائج تھا۔

بعض صحابہؓ نے تو رافع کی حدیث کو باوجود ان تشریحات کے غلط قرار دیا ہے چنانچہ مسند ابوداؤد اور طحاوی دونوں میں ایک حدیث درج ہے جو ان الفاظ میں آئی ہے۔ **وانکر بعض علی رافع و قال انه لم یحفظ اوّل الحدیث لان عروة قال قال زید بن ثابت یغفر اللّٰہ لرافع بن خدیجؓ انا واللّٰہ کنت اعلم بالحدیث منه انما جاء رجلان من الانصار الی رسول اللّٰہ ﷺ قد اقتتلا فقال ان کان ھذا شانکم فلاتکروا المزارع فسمع**

قوله لاتکروا المزارع ۸۴؎ یعنی بعض لوگوں نے رافعؓ کی اِس حدیث کو بالکل ردّ کر دیا ہے اور وہ لوگ اِس کے بارہ میں یہ کہتے ہیں کہ رافعؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا ایک حصہ یاد رہ گیا اور دوسرا بھول گیا۔ چنانچہ عروہ کہتے ہیں کہ میں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی جن کے سپرد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے قرآن شریف کے جمع کرنے کی ڈیوٹی لگائی تھی اِس بناء پر کہ یہ سب سے زیادہ قرآن شریف کو جانتے اور نہایت دیانتدار آدمی ہیں) کو یہ کہتے سنا کہ اللہ تعالیٰ رافع بن خدیجؓ کی غلطی معاف فرمائے۔ خدا کی قسم! مجھے یہ حدیث اُن سے زیادہ معلوم ہے۔ میں اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا جب یہ واقعہ ہوا آپؐ کے پاس انصار کے دو آدمی جھگڑتے ہوئے آئے (معلوم ہوتا ہے اُن میں سے ایک رافع کے چچا تھے اور ایک اُن کا مزارع تھا) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اُن کو اِس طرح جھگڑتے ہوئے دیکھا تو آپؐ نے فرمایا اگر تم لوگوں کی حالت ایسی ہی ہے کہ ان باتوں پر لڑنے جھگڑنے لگ جاتے ہو تو زمین مقاطعہ پر دو ہی نہ اِس جھگڑے کو ختم کرو۔ معلوم ہوتا ہے رافعؓ نے اتنا فقرہ تو سُن لیا کہ زمین مقاطعہ پر نہ دو اور باقی بات نہ سنی۔

میں کہتا ہوں کہ خود رافعؓ کی حدیث سے میں اوپر ثابت کر آیا ہوں کہ رافع خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود ہی نہیں تھے اُن کو اُن کے چچا نے گھر پر آکر یہ بات سُنائی۔ پس ہوسکتا ہے کہ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا ہو کہ اس قسم کے لڑائی جھگڑوں کو بند کرنے کے لئے میں فی الحال مزارعۃ کو ہی روکتا ہوں تو انہوں نے اپنے بھتیجے کو بات کا خلاصہ سنا دیا اور بھتیجے نے اِس سے ایک غلط نتیجہ نکال لیا۔ اور اِس کی قطعی دلیل یہ ہے کہ زید بن ثابتؓ جو نہایت اعلیٰ پائے کے صحابی، کاتبِ وحئ قرآن اور جامع قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیکرٹری تھے قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ رافع نے یہ بات نہیں سمجھی۔ میں خود اس موقع پر موجود تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات یوں نہیں فرمائی بلکہ یوں فرمائی ہے۔

اِسی طرح ایک اور حدیث بھی اس بارہ میں آئی ہے جو یہ ہے۔ **عن سعید بن المسیب عن سعد بن ابی وقاص قال کان اصحاب المزارع یکرون مزارعھم فی زمان**

رسول اللہ ﷺ بما یکون علی الساقی من الزرع فجاؤوا یختصمون فنھاھم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یکروا بذلک وقال اکروا بالذھب والفضة ۸۵؎ یعنی سعید بن مسیّب نے سعد بن ابی وقاصؓ صحابی سے جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے یہ روایت کی ہے کہ زمینوں والے لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنی زمینیں مقاطعہ پر دیا کرتے تھے اور شرط یہ کیا کرتے تھے کہ جو نہروں کے کناروں پر فصل ہوگی وہ اُن کی ہوگی اور دوسری جگہ جو پانی سے دُور ہوگی وہ مزارع کی ہوگی۔ ایک دفعہ ایسے لوگ جھگڑتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اِس شرط پر مقاطعہ دینے سے منع فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ چاندی اور سونے کے بدلے زمین دیا کرو۔

امام محمد جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اعلیٰ پایہ کے شاگرد تھے فرماتے ہیں کہ جعفر بن محمد نے اپنے والد سے یُوں روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو مقاطعہ پر دینے سے منع نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے ایک دوسرے کے ظلم کی شکایتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائیں۔ بعض آدمی اپنی زمین مقاطعہ پر دیتے تھے اور یہ شرط کر لیتے تھے کہ بڑی نہر سے براہ راست جس زمین کو پانی لگے یا جو نہر کے کناروں پر اُگے وہ اُن کی ہوگی۔ بعض دفعہ اِس پر جھگڑا ہو جاتا (مالک اچھی فصل دیکھ کر ایک لمبا قطعہ مقرر کر دیتا کہ یہ قطعہ نہر کے کنارے کا قطعہ ہے۔ یا درمیان کی فصل خراب دیکھ کر مزارع عین نہر کے سرے پر نشان دہی کرتا تھا کہ اتنا چھوٹا سا حصّہ نہر کا کنارہ ہے باقی نہیں) جب اِس قسم کے جھگڑوں کی شکایت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے اِس قسم کے جھگڑے والی بات سے منع فرمادیا۔ ۸۶؎

پس امام محمد نے اِس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ نہی اس جھگڑے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور حقیقی نہیں بلکہ ایک قید ہے۔

علّامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقاطعہ سے منع نہیں فرمایا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس غلط شرط سے منع فرمایا ہے۔ ۸۷؎

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب جن کے حوالوں پر زمینداری کے مخالفوں نے خاص طور پر

انحصار رکھا ہے وہ تو اِس سے بھی آگے چلے جاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ **هذه الممانعة على مصلحة خاصة بذلک الوقت من جهة كثرة مناقشتهم فى هذه المعاملة حينئذ** [۸۸] یعنی یہ ممانعت خاص مصلحت کے ماتحت اُس محدود زمانہ کے لئے تھی کیونکہ اُس وقت اِس بارہ میں جھگڑے بہت بڑھ گئے تھے۔

طاؤس تابعی اور مفسر قرآن کہتے ہیں کہ مجھ سے مسلمانوں کے علماء میں سے سب سے بڑے عالم یعنی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقاطعہ سے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو زمین مفت دے دے تو یہ مقاطعہ سے بہتر رہے گی۔ [۸۹]

میں یہ کہتا ہوں زمین اپنے بھائی کو مفت دے دینا یقیناً ایک احسان ہے اور احسان سود سے اچھا ہوتا ہے۔

اسی طرح علامہ شوکانی نے ابن عباسؓ کی یہ روایت درج کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقاطعہ سے منع نہیں فرمایا لیکن یہ فرمایا کہ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نرمی کا معاملہ کرنا چاہیے۔ [۹۰]

علماء نے ان تمام احادیث پر غور کرنے کے بعد یہ فتویٰ دیا ہے کہ **احاديث رافع بن خديج مضطرب المتون ولذلک ضعفها بعض المحدثين** ۔ [۹۱] یعنی رافع بن خدیجؓ کی حدیث اس بارہ میں بہت سے اختلاف رکھتی ہے اس لئے بعض محدثین نے اِس کو کمزور قرار دیا ہے۔

ابن شہابؒ (یعنی امام زہری جو ائمہ ءفقہاء اور محدثین کے استادوں میں سے تھے اور تابعی تھے) فرماتے ہیں کہ میں نے سالم بن عبداللہؒ (حضرت عمرؓ کے پوتے) سے پوچھا کہ زمین کا مقاطعہ پر دینا کیسا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ سونے اور چاندی پر دینے میں تو کچھ بھی حرج نہیں۔ اِس پر میں نے کہا کہ آپ نے وہ حدیث تو سنی ہے جو رافع بن خدیجؓ کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا رافع نے اس معاملہ میں تعدی سے کام لیا ہے۔ اگر میرے پاس زمین ہوتی تو میں اُسے ضرور مقاطعہ پر دیتا [۹۲] (اور اِس حدیث کی کوئی پرواہ نہ کرتا کیونکہ

یہ حدیث رسول نہیں بلکہ رافع کا غلط خیال تھا)۔
جیسا کہ میں اوپر درج کر آیا ہوں جن علماء نے رافع بن خدیجؓ کی روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے انہوں نے بھی یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ ابتدائے اسلام کا حکم تھا بعد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کو منسوخ فرما دیا اور خیبر کی زمینیں مقاطعہ پر دیں اور آخر عمر تک برابر مقاطعہ پر دیتے رہے اور اسی طرح آپ کے بعد خلفاء اور صحابہؓ کرتے رہے۔
یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کیوں منع فرما دیا اور پھر کیوں اِس کو جائز قرار دے دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق یہ تھا کہ جب ایک بُرائی کسی قوم میں رائج ہوتی تھی جس کی اصلاح کی جا سکتی تھی تو آپ پہلے اُس سے قطعاً منع فرما دیا کرتے تھے۔ جب قوم کی عادت درست ہو جاتی تو پھر اصلاح شدہ امر کو جاری فرما دیتے تھے۔ چونکہ مدینہ کے لوگوں میں اوپر کے بیان کردہ مقاطعہ کے طریق کے سوا اور کوئی رائج نہیں تھا اور اس طریق میں جوئے بازی کا رنگ پایا جاتا تھا اِس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر کہ ساری کی ساری قوم ایک عادت میں مبتلا ہے پہلے اِس سے قطعاً منع فرما دیا پھر جب دیکھا کہ وہ عادت ان کی چھٹ چکی ہے تو پھر وہ طریق جو اسلام کے مطابق تھا جاری کر دیا یعنی ساری پیداوار پر خواہ وہ کناروں کی ہو یا بیچ کی ہو، تھوڑی ہو یا بہت ہو اُس کو جمع کر کے زکوٰۃ دینے کے بعد اُس کا مقررہ حصہ مالک کو دے دیا جائے۔
اِس طریق کی میں ایک اور مثال پیش کرتا ہوں جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس حکیمانہ فعل پر روشنی پڑتی ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عبدالقیس کا جو ربیعہ قبیلہ کا ایک حصہ تھا ایک وفد آیا اور اُنہوں نے اسلام قبول کیا اور آپ سے چلتے وقت کچھ نصائح کی درخواست کی۔ اِس پر آپ نے اُن کو جہاں بعض اور نصیحتیں کیں وہاں یہ بھی فرمایا کہ تم سبز روغن کئے ہوئے برتن اور سوکھے کدّو کے بنے ہوئے پیالے اور لکڑی کے کھود کر بنائے ہوئے برتن اور وہ برتن جن پر لُک لگایا گیا ہو استعمال نہ کیا کرو۔ [۹۳]
اِس کی وجہ درحقیقت یہ تھی کہ وہ لوگ اِن چار برتنوں میں شراب بناتے تھے۔ آپ نے اُن کی شراب کی عادت کا اندازہ لگا کر یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر یہ برتن ان کے سامنے آتے رہے تو پھر

شراب بنانے لگ جائیں گے اور شراب پینے لگ جائیں گے اس لئے بہتر ہے کہ اِس سے ان کو کُلّی طور پر روک دوں۔ جب کچھ عرصہ بعد ان کی وہ عادت دُور ہوگئی تو آپ نے اِس حکم کو بدل دیا۔ چنانچہ اب سارے مسلمان ان برتنوں کو استعمال کرتے ہیں کیا حنفی اور کیا وہابی اور کیا شافعی اور کوئی بھی ان سے منع نہیں کرتا۔ اور علمائے حدیث اور فقہ یہی لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کی شراب کی عادت چھڑوانے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کُلّی مناہی کا حکم دے دیا تھا جو بعد میں آپ نے منسوخ فرما دیا۔

دوسری دلیل پراونشل سندھ زمیندارہ کمیٹی کی اقلیت کی رپورٹ میں یہ دی گئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلال بن الحارث المزنی کو بُلا کر کہا کہ تمہارے پاس زمین زیادہ ہے اور تم اس کو کاشت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ زمین ضبط کر کے دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی۔ اِس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ اُتنی ہی زمین کسی شخص کے پاس ہونی چاہئے جتنی زمین کی وہ کاشت کر سکے۔ دوسرے یہ کہ حکومت کو زائد زمین ضبط کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

اِس اعتراض کے متعلق بھی مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اصل حوالہ کو نہیں دیکھا گیا بلکہ دوسری کتابوں سے نقل کر لیا گیا ہے۔ اگر اصل حوالہ کو دیکھا جاتا تو معترض کو معلوم ہو جاتا کہ اِس حوالہ کا مفہوم اُس سے بالکل مختلف ہے جو انہوں نے لیا ہے۔ بلال بن الحارث المزنی کی زمین کے متعلق پچھلے باب میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ یہ زمین نہ اُن کی جدّی تھی نہ اُن کی خرید کردہ تھی بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بیت المال سے عطیّہ کے طور پر دی تھی۔ اِس لئے اگر معترض کا اعتراض درست بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ اس کا اثر گورنمنٹ کے عطیوں پر پڑے گا اِس سے زیادہ نہیں۔ مگر میں اُوپر پوری طرح ثابت کر چکا ہوں کہ گورنمنٹ بھی اپنے عطیوں کو واپس نہیں لے سکتی سوائے اس کے کہ عطیہ مشروط ہو۔ اور جس کو زمین یا کوئی اور چیز عطیّہ میں دی گئی ہو وہ اُس کی شرطوں کو پورا کرنے سے قاصر رہا ہو۔ بشرطیکہ وہ شرطیں جائز ہوں۔ اور اگر بیع ہو تو کوئی شرط ایسی نہ ہو جو بیع کے شرعی قواعد کے لحاظ سے ناجائز ہو۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہرگز وہ زمین بلالؓ سے نہیں چھینی بلکہ اُن کی مرضی سے

وہ زمین اُن سے لی گئی تھی اور اُس شرط کے ماتحت لی گئی تھی جو بلالؓ نے خود عائد کی تھی۔ چنانچہ اِس واقعہ کے متعلق جو اثر آتا ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں۔ **حدثنی بعض اشیا خی من اهل المدینة قال اقطع رسول اللهﷺ بلال بن الحارث المزنی مابین البحر والصخر فلما کان زمن عمر بن الخطاب قال له انک لاتستطیع ان تعمل هذا فطیب له ان یقطعها ماخلا المعادن فانه استثناها** [۹۴] یعنی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے بعض اُستادوں نے جو مدینہ کے رہنے والے تھے بیان کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن الحارث المزنی کو سمندر اور پہاڑ کے درمیان کا تمام علاقہ عطا فرما دیا تھا۔ جب حضرت عمر بن خطابؓ کا زمانہ آیا تو انہوں نے بلالؓ سے کہا کہ آپ اس زمین کو آباد نہیں کر سکتے اور یہ زمین خالی پڑی ہے۔ اِس بات کو سن کر بلالؓ نے اپنی خوشی سے وہ زمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو واپس کر دی اور اجازت دی کہ وہ اُس کو دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ مگر شرط یہ کی کہ جتنی کانیں اِس زمین میں ہوں گی اُن کا مالک مَیں ہی رہوں گا کوئی اَور نہیں ہوگا۔ اس طرح کانوں کو اُنہوں نے باقی حصوں سے مستثنیٰ کر لیا۔

اس حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرگز بلالؓ سے زمین نہیں چھینی۔

پس اوّل تو اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ کم سے کم حکومت اپنے ہدیہ کو تو واپس لے سکتی ہے درست نہیں۔

دوسرے اس حدیث سے ثابت ہے کہ بلالؓ نے اپنی مرضی سے یہ زمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی نہ کہ جبریہ قانون کے ماتحت۔

تیسرے اِس حدیث سے ثابت ہے کہ بلالؓ نے زمین کو واپس کرتے وقت ایک شرط بھی اپنی طرف سے پیش کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے تسلیم کر لیا اور وہ شرط یہ تھی کہ اُس میں سے جتنی کانیں نکلیں وہ بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ کی ہوں گی۔ یہ شرط اپنی ذات میں بتاتی ہے کہ بڑی زمینداریاں جائز ہیں کیونکہ کانوں کی ملکیت تو خالی زمین کی ملکیت سے بہت بڑی ملکیت ہوتی ہے۔

تیسری دلیل اس مسئلہ کے متعلق بعض لوگ یہ پیش کیا کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بڑے بڑے زمینداروں سے اُن کی زمینیں چھین لیں اور لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ حوالہ بھی قطعی طور پر غلط اور خلافِ واقعہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یزید کے زمانہ سے بنوامیہ میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ وہ ایک بادشاہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور خلافت کی قیود اُن پر عائد نہیں۔ اُن کا نام خلیفہ تھا لیکن عمل جابر بادشاہوں والے تھے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد خلافت ہو گی اور خلافت کے بعد **مُلْكًا عَاضًّا** ہو گا یعنی ظالم بادشاہتیں ہوں گی۔ پس یہ لوگ اپنے لئے وہ سب کچھ جائز سمجھتے تھے جو قیصر و کسریٰ اپنے لئے جائز سمجھتے تھے اور اُن کا خیال تھا کہ تمام زمین حکومت کی ہے اور حکومت اُن کے نزدیک بادشاہ کا مترادف لفظ تھا۔ پس اُن کے خیال کے مطابق تمام زمین بادشاہ کی تھی اِس لئے جب وہ اپنے کسی رشتہ دار یا عزیز کو خوش کرنا چاہتے تھے تو لوگوں کی زمینیں چھین کر اُن کو دے دیتے تھے جیسے جابر بادشاہ کیا ہی کرتے ہیں۔ اب بھی کشمیر کا راجہ اِسی طرح کیا کرتا تھا اور شاید اَور راجے بھی ہندوستان کے اِسی طرح کرتے ہوں۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھ میں حکومت آئی تو چونکہ وہ ایک خدا ترس انسان تھے اور اسلام کے احکام کو اُن کی اصلی صورت میں قائم کرنے کی کوشش کرتے تھے، جن لوگوں کی زمینیں چھینی گئی تھیں اُنہوں نے اُن کے پاس درخواستیں بھجوانی شروع کیں کہ ہماری زمینیں ہم کو واپس دلائی جائیں کیونکہ حکومت کو کوئی اختیار حاصل نہیں تھا کہ وہ جبراً ہم سے زمینیں چھین کر دوسرے لوگوں کو دے دیتی۔ جب یہ درخواستیں کثرت سے آپ کے پاس آئیں تو جیسا کہ میں باب نمبر ۹ میں یہ روایت درج کر آیا ہوں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے بیٹے عبدالملک سے جو ایک بہت بڑے عالم اور بڑے خدا ترس تھے مشورہ لیا کہ مَیں اِس بارہ میں کیا کروں؟ ایک طرف یہ لوگ ہیں جو اپنی زمینیں واپس مانگتے ہیں اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنہیں پہلے بادشاہوں نے زمینیں عطا کر دیں تھیں اور وہ اپنے آپ کو اُن کا جائز مالک سمجھتے ہیں۔ عبدالملک نے اپنے والد کو مشورہ دیا کہ چونکہ یہ زمین لوگوں سے چھین کر اُن کو دی گئی تھی اِس لئے یہ مغصوبہ زمین ہے اور مغصوبہ زمین کا کوئی شخص مالک نہیں ہو سکتا۔ نہ حکومت اور نہ غیر۔ پس مغصوبہ زمین کا موجودہ

قابضوں سے چھین لینا کوئی گناہ کی بات نہیں بلکہ یہ عین انصاف ہے پس آپ یہ زمینیں لوگوں سے چھین کر اُن کے اصل مالکوں کو واپس کر دیں۔ اِس مشورے کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے قبول کیا اور وہ تمام زمینیں جو مغصوبہ زمینیں تھیں یعنی دوسروں کی مملوکہ زمینوں کو اُن سے چھین کر اَوروں کے حوالے کیا گیا تھا اصل مالکوں کو واپس کر دیں۔

پس اس حوالہ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ حکومت لوگوں کی ضرورت سے زیادہ زمینیں چھین کر دوسرے لوگوں میں تقسیم کر سکتی ہے بلکہ اس حوالہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر لوگوں کی زمینیں چھین کر حکومت نے دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی ہوں تو بعد میں آنے والی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ پھر اُن کے قابضوں سے زمین چھین کر اُن کے اصل مالکوں کو زمین لوٹا دے۔ پس یہ حوالہ تو زمینداری کے مخالف لوگوں کے منشاء کے اُلٹ ہے۔

سندھ گورنمنٹ کی زمیندارہ کمیٹی کی اقلّیت کی رپورٹ میں مولوی عبیداللہ صاحب سندھی کا بھی ایک حوالہ پیش کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تابع ہیں اور امام صاحب نے زمین کو مقاطعہ پر دینا ناجائز قرار دیا ہے بلکہ اتنی ہی زمین اپنے پاس رکھنے کی اجازت دی ہے جتنی کوئی خود کاشت کر سکتا ہے اس لئے موجودہ طریق زمینداری کا ناجائز ہے۔ مولوی عبیداللہ صاحب سندھی ایک خدا ترس انسان تھے اور سادہ مزاج تھے۔ میرے وہ بچپن سے واقف تھے۔ جماعت احمدیہ کے پہلے امام کے زمانہ میں وہ قادیان بھی آیا کرتے تھے اور باوجود اِس کے کہ میں اُس وقت ایک طالب علم کی حیثیت رکھتا تھا میرا بہت ادب کرتے تھے۔ بعد میں بھی اُن کے ساتھ تعلقات قائم رہے۔ چنانچہ مَیں دیوبند میں بھی جا کر اُن سے ملا تھا۔ کبھی کبھار پیغام وسلام بھی آتا جاتا رہتا تھا اس لئے میرے دل میں اُن کا بہت ادب ہے۔ مَیں اُن کو متصنّع آدمی نہیں سمجھتا تھا لیکن اُن کو جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ شدّت سے کمیونسٹ خیالات سے متاثّر تھے۔ ہجرت کی تحریک کے موقع پر وہ ہندوستان سے نکلے۔ رشیا میں بڑے بڑے کمیونسٹ لوگوں سے اُن کے تعلقات رہے لیکن پھر بگاڑ پیدا ہو گیا اور وہاں سے آ گئے لیکن کمیونسٹ خیالات نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا بوجہ کمیونسٹوں سے بگاڑ کے وہ ظاہراً کمیونسٹ نہیں رہے تھے مگر خیالات پر وہی رنگ تھا۔ حجاز میں رہتے ہوئے بھی جو رپورٹیں آتی تھیں وہ یہی تھیں

کہ کمیونسٹ اصول کو انہوں نے ترک نہیں کیا۔ چنانچہ غالباً ۱۹۲۷ء یا ۱۹۲۸ء کی بات ہے کہ اُن کے متعلق تحریک کی گئی کہ چونکہ اب کمیونسٹ حکومت اُن کی مخالف ہے اِس لئے اُن کو ہندوستان میں آنے کی اجازت دی جائے۔ اُس وقت غالباً سر ماؤنٹ مورنسی پنجاب کے گورنر تھے۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا مَیں اُن کو جانتا ہوں اور آیا ان کو واپس آنے کی اجازت دینے میں کوئی حرج تو نہیں ہوگا؟ میں نے اُنہیں جواب دیا کہ میں مولانا کو خوب جانتا ہوں وہ نہایت شریف اور نیک طبیعت کے آدمی ہیں لیکن اپنی بات کے پکّے بھی ہیں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ریشہ دوانی یا سازش کی باتوں سے وہ بالا ہیں اور اِس قسم کا شُبہ اُن پر نہیں کیا جا سکتا مگر یہ کہ خود کمیونسٹ خیالات سے وہ آزاد ہو چکے ہوں میرے خیال میں یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی کیونکہ وہ اپنی بات کے بڑے پکّے ہیں۔ نہ جلدی رائے قائم کرتے ہیں نہ جلدی رائے چھوڑتے ہیں۔ ہاں نیک طبیعت اور سادہ طبع ہونے کی وجہ سے دوسرے کے فائدہ کے خیال سے کبھی اپنی بات جلدی سے بدل بھی لیتے ہیں مگر طبیعت کی وجہ سے نہیں بلکہ اخلاق کی اتباع کے خیال سے۔ کچھ عرصہ کے بعد اُن کے واپس آنے کی اجازت دے دی گئی۔ مَیں نہیں جانتا کہ اس تحقیق کے سلسلہ میں یا بعد میں دوبارہ سوال اُٹھایا گیا اور اُنہیں ہندوستان واپس آنے کی اجازت مل گئی۔ اس کے بعد ہمیں ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

شاید ۱۹۴۴ء کی بات ہے کہ میں نے اُن کو دعوت دینے کا ارادہ کیا مگر مَیں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ وہ فوت ہو گئے۔ پُرانی طرز کے علماء میں سے وہ ایک نہایت ہی اعلیٰ پایہ کے آدمی تھے لیکن اُن کا کوئی خیال دلیل نہیں کہلا سکتا۔ وہ بعض دفعہ عجیب عجیب قسم کی باتیں سوچا کرتے تھے۔ اُن کے دوست اُن کے دماغ کی اِس کیفیت کو خوب جانتے ہیں۔ مَیں مثال کے طور پر ایک بات پیش کرتا ہوں۔

ایک دفعہ مجھ سے کہنے لگے کہ آپ جانتے ہیں کہ میں احمدیوں سے کوئی تعصّب نہیں رکھتا۔ میں نے کہا خوب جانتا ہوں۔ کہنے لگے اِس کا یہ مطلب نہیں کہ مَیں احمدیہ عقیدہ سے بھی متفق ہوں۔ میں مرزا صاحب کو ایک بڑا بزرگ سمجھتا ہوں اور صوفی سمجھتا ہوں مگر میرا یقین ہے کہ اُن کو مسیح اور مہدی کے بارہ میں غلطی لگی ہے اور اس بارہ میں مَیں نے بڑی لمبی تحقیق کی ہے اور گہرا

غور کیا ہے اور عجیب نکتہ نکالا ہے۔ میں نے پوچھا فرمائیے وہ کیا نکتہ ہے ہمیں بھی معلوم ہو۔ تو اِس پر وہ ایک بستہ اُٹھا لائے جس میں بہت سے نوٹ اُن کے لکھے ہوئے تھے۔ اُس میں انہوں نے بڑی لمبی تحقیقات لکھی ہوئی تھی جسے نہ وہ سُنا سکتے تھے نہ ہمارے پاس اُس کے سُننے کا وقت تھا۔ بہرحال اُس کا خلاصہ تھا کہ مسیحؑ دوبارہ اِس دنیا میں آئیں گے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اُن کی تھیوری یہ تھی کہ وہ فوت تو ہو چکے ہیں مگر دوبارہ زندہ کر کے بھجوائے جائیں گے اور یہ وہ زمانہ ہوگا جب اُمتِ محمدؐیہ میں سے مہدی پیدا ہو چکا ہوگا۔ مہدی آ کر مسلمانوں کی بادشاہت سنبھال لے گا اور عیسیٰؑ آ کر عیسائیوں کی حکومت سنبھال لے گا اور یہ دونوں مل کر ایک سمجھوتہ کر لیں گے جس کے ماتحت عیسائیوں اور مسلمانوں میں دائمی صلح ہو جائے گی۔ میں نے کہا مولانا! سیاسی صلح کیلئے تو مسیحؑ اور مہدی کی ضرورت نہیں اور خاتم النبیّن کے بعد دین میں کسی شکست وریخت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو یہ آ کر مسیحیوں اور مسلمانوں میں صلح کس بات کی کرائیں گے؟ اُنہوں نے پھر اِس پر ایک لمبی تقریر کی جس کا کچھ حصہ تو مجھے یاد نہیں اور جو یاد ہے اُس کا کہنا مناسب نہیں۔

پس باوجود اِس کے کہ مولوی عبیداللہ صاحب سندھی کا میں بہت ادب اور احترام کرتا ہوں اور اُن کو طبیعتاً ایک نیک انسان سمجھتا ہوں لیکن وہ ہرگز اِس پایہ کے آدمی نہیں تھے کہ اِن معاملات میں اُن کی رائے کو کوئی وزن دیا جا سکے۔ اور شاید اپنے خیالات کی سختی کی وجہ سے وہ بعض دفعہ پوری تحقیق کرنے سے بھی عاجز رہتے تھے۔ مثلاً یہی حوالہ جو اُن کی طرف منسوب کیا گیا ہے اُس کا مضمون قطعی طور پر غلط ہے اور یا شاید اقلیت کی رپورٹ نے اِس کو غلط نقل کر دیا ہے۔ بہرحال اقلیت کی رپورٹ کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

> ''ہم امام ابو حنیفہ کے تابع ہیں جنہوں نے زمین کو مقاطعہ پر دینا منع کیا ہے اُن کے نزدیک آدمی اتنی ہی زمین رکھ سکتا ہے جتنی زمین وہ خود کاشت کر سکے''۔ [95]

میں اوپر بار بار حوالوں سے ثابت کر چکا ہوں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ہرگز یہ مذہب نہیں۔ امام ابو حنیفہ ہرگز مقاطعہ پر زمین دینے کو ناجائز نہیں سمجھتے بلکہ وہ بٹائی پر زمین دینے کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ پھر ذیل میں مَیں چند حوالے درج کرتا ہوں۔

لایجوز المساقاة ولا المزارعة الا بالدراھم والدنا نیر وما اشبھھما من العروض وھذا کلہ قول ابی حنیفةؒ ۹۶

یعنی باغ اور زمین کو ٹھیکے پر دینا جائز ہے سوائے اِس کے کہ سونے اور چاندی کے بدلہ میں اُنہیں ٹھیکے پر دیا جائے یا ایسی چیزیں جو قیمت کے طور پر استعمال ہوتی ہیں اُن کے بدلہ میں انہیں ٹھیکہ پر دے دیا جائے اور یہ سب کہ سب الفاظ امام ابوحنیفہؒ کے ہیں۔

حنفی علماء جانتے ہیں کہ علاّمہ طحاوی حنفیوں کے فقہاء میں سے ائمہ کے بعد بڑے رتبہ کے لوگوں میں سے ہیں۔نووی میں لکھا ہے **المزارعة مختلف فیھا عند الحنفیة فابو حنیفة یقول انھا لاتجوز (الا بالذھب والورق) وابو یوسف ومحمد یقولان بجواز ھا مطلقا** ۹۷ یعنی زمین کو مقاطعہ پر دینے کے بارہ میں حنفیوں میں اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ زمین صرف سونے چاندی کے بدلہ میں ٹھیکہ پر دی جاسکتی ہے بٹائی پر نہیں۔لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد دونوں اُن کے شاگرد یہ کہتے ہیں کہ زمین کو ٹھیکے پر دینا خواہ بٹائی پر ہو یا روپیہ کے بدلہ میں دونوں طرح جائز ہے۔

پس علامہ سندھی نے جو بات امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب کی ہے وہ حنفی فقہ سے کلّی طور پر غلط ثابت ہوتی ہے۔نہ امام ابوحنیفہؒ نے یہ کہا ہے کہ زمین کو مقاطعہ پر دینا قطعی طور پر ناجائز ہے اور نہ اُنہوں نے یہ کہا کہ انسان صرف اُتنی ہی زمین اپنے پاس رکھ سکتا ہے جس کو وہ خود کاشت کر سکے۔یہ دونوں باتیں سراسر غلط ہیں۔

اقلیتی رپورٹ میں امام ابو یوسف پر ایک نہایت ہی رکیک الزام لگایا گیا ہے۔اُس میں لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک زمین ٹھیکے پر دی جاسکتی ہے اور پھر لکھا ہے کہ وہ تو ہارون الرشید کے بڑے مفتی تھے جو شہنشاہیت کا بڑا علمبردار تھا اور اس لئے امام ابو یوسف سے یہ امید بھی نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ ہارون الرشید کے اُن خیالات کے خلاف کہہ سکے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔اِس زمانہ کے معمولی معمولی ٹٹ پونجئے گریجوایٹوں کے متعلق یا مولویوں کے متعلق تو کہا جاتا ہے کہ اُن پر بدظنی نہ کی جائے لیکن امام ابو یوسف جیسے انسان کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اُن کا یہ فتویٰ دیانت داری پر مبنی نہیں تھا بلکہ ہارون الرشید کو خوش کرنے کے لئے

انہوں نے دے دیا تھا۔ لیکن اقلیت کی رپورٹ لکھنے والوں کا ذہن اِدھر نہیں گیا کہ یہ فتویٰ امام ابو یوسف کا ہی نہیں امام محمد کا بھی ہے جن کو حکومت میں کوئی رُتبہ حاصل نہیں تھا اور وہ امام ابو یوسف سے اُتر کر امام ابو حنیفہ کے دوسرے نمبر کے شاگرد سمجھے جاتے تھے۔ گو انہوں نے بوجہ وفات امام ابو حنیفہؒ تکمیل تعلیم امام ابو یوسف سے کی۔ سوال یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے اگر ہارون الرشید کو خوش کرنے کے لئے شریعت کو بدل دیا تھا تو امام محمد نے کس کو خوش کرنے کے لئے شریعت کو بدل دیا۔

امام ابو یوسف کے پایہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ائمہ اہل حدیث جو کہ فقہاء کی بہت کم تعریف کیا کرتے ہیں اُنہوں نے امام ابو یوسف کی نہایت اچھے الفاظ میں تعریف کی ہے۔ مثلاً یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ علمائے فقہ میں سے امام ابو یوسف سے زیادہ کثیر الحدیث اور صحیح الروایت اَور کوئی شخص نہیں۔ اور اُن کے متعلق یحییٰ بن معین نے یہ الفاظ بھی کہے ہیں کہ امام ابو یوسف صاحبِ حدیث اور صاحب السنة ہیں۔ ۹۸ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا تتبع کرتے ہیں اور رسول کریم کے طریقِ عمل پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اَلْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَ عْدَاءُ۔ خوبی وہی ہوتی ہے جس کا مخالف بھی اقرار کرتا ہو۔ یہ اقرار اُن لوگوں کا ہے جو علمائے فقہاء کے خلاف تھے۔ اُن کا یہ کہنا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں پیش پیش ہیں ایک ایسی شہادت ہے جس کو آجکل کا کوئی آدمی کسی صورت میں بھی ردّ نہیں کر سکتا۔

اُن کی نسبت تاریخوں سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ خلیفہ ہارون کی بیویوں اور حکام کے خلاف فیصلے کرتے تھے بلکہ خود خلیفہ ہارون کی مرضی کے خلاف بھی فیصلے کیا کرتے تھے۔

اس رپورٹ میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا بھی ایک حوالہ لکھا گیا ہے جس میں یہ درج ہے کہ ہندوستان کی تمام زمین مسلمانوں کی ہے اور بیت المال کی ہے اور یہ کہ زمیندار مینجروں کی طرح ہیں۔ یہ حوالہ بھی صحیح درج نہیں۔ شاہ صاحب نے اِس بات پر بحث نہیں کی کہ ہندوستانی زمین کی ملکیت کی نوعیت کیا ہے بلکہ اُنہوں نے عُشر پر بحث کی ہے اور یہ بتانا چاہا ہے کہ

ہندوستان کی زمینوں پر عُشر ہے یا نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ از روئے اسلام زمینیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک عُشری اور ایک خراجی۔ عُشر چونکہ زکوٰۃ کا قائم مقام ہے اِس لئے ائمّہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ عُشر صرف اُن زمینوں کے لئے ہے جن کے مالک مسلمان ہو جائیں کیونکہ زکوٰۃ صرف مسلمان سے لی جاسکتی ہے۔ آگے خراجی زمین کے متعلق پھر اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا کہ جب اس زمین کا مالک مسلمان ہو جائے گا تو اُس کی زمین عُشری ہو جائے گی۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ عُشری اور خراجی زمین کے لحاظ سے ہے مالک کے لحاظ سے نہیں۔ اگر خراجی زمین کو مسلمان خرید لے تو وہ عشری نہیں بن جاتی کیونکہ جو حق ایک وقت میں قائم ہو گیا وہ مالک کے بدلنے سے بدل نہیں جاتا۔ اِس بناء پر انہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ہندوستان کی زمین خراجی ہے عُشری نہیں خواہ بعد میں اُس کے مالک مسلمان ہو گئے ہوں۔ اس اختلاف پر شاہ صاحب اپنی رائے دے رہے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں:۔

''امامِ وقت جو زمین کسی کو بطور انعام دیتا ہے اس کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں۔

اوّل: امام بیت المال کی مملوکہ زمین کسی کو ہمیشہ کے لئے دے دے۔

دوم: امام بیت المال کی مملوکہ زمین کی آمدن بطور انعام دے دے (یعنی عُشر یا خراج بخش دے)

سوم: امام کسی ذمّی یا مسلمان کی مملوکہ زمین چھین کر کسی دوسرے کو ہمیشہ کے لئے دے دے۔

چہارم: امام ایسی زمین کی سرکاری آمدن کسی دوسرے کو بطور انعام دے دے۔

(یعنی زمین مالک ہی کے پاس رہے۔ اُس کا خراج یا عُشر دوسرے کو دے دے)

ان میں سے تیسری صورت صرف عقلی احتمال ہے جو خلافِ شرع بھی ہے (جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے نزدیک حکومت کا کسی مسلمان یا کافر سے اس کی زمین چھین کر کسی اَور کو دے دینا علاوہ خلاف شریعت ہونے کے اس قدر خلافِ عقل ہے کہ وہ باور ہی نہیں کرتے کہ کوئی اسلامی حکومت ایسا کرے گی اس لئے لکھتے ہیں کہ عملاً تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ صرف بحث کی خاطر میں اس شق کو بطور احتمال پیش کرتا ہوں۔ یعنی بفرض محال اگر کوئی حکومت ایسا کرے تو اس کا کیا حکم ہے۔ سو وہ حکم یہ ہے کہ یہ عمل خلاف شریعت ہوگا) باقی تین صورتوں

میں سے پہلی صورت میں وہ شخص زمین کا پوری طرح مالک ہوگا جس کو زمین دی گئی ہے اور باقی دو صورتوں میں صرف خراج اور عُشر یعنی سرکاری آمدن لینے کا اُسے حق ہوگا لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ سارے قواعد ہمارے ملک کے رواج پر منطبق نہیں ہوتے اِس لئے کہ اس ملک میں ہر جگہ زمیندار زمین کے مالک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پس ایسی زمین جو بیت المال کی ملک ہو اِس ملک میں موجود نہیں اور نہ ہی ایسی زمین جو موات کا حکم رکھتی ہو یا ایسی زمین جو وارث کے نہ ہونے کی وجہ سے بیت المال کی ملک میں آئی ہو یا بیت المال کی آمدن سے اُسے خریدا گیا ہو اور اگر کوئی ایسی زمینیں ہیں تو وہ ممیّز اور دوسری زمینوں سے نمایاں نہیں ہیں۔ پس اس حکم کو کسی معین جگہ پر جاری کرنا ممکن نہیں ہوگا سوائے اس کے حضرت شیخ جلال تھانیسری نے جو کچھ اپنے رسالہ میں لکھا ہے اُسے بنیاد مانا جائے۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ ہندوستان کی زمین ابتداء میں سوادِ عراق کی مانند فتح ہوئی تھی اس لئے یہ بیت المال کے لئے وقف ہے اور زمینداروں کی حیثیت متولّی اور مینجر سے زیادہ نہیں جیسا کہ لفظ زمیندار بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے اور زمینداری میں تغیر وتبدل اور زمینداروں کو معزول کرنا اور رکھنا اور بعض کو نکالنا اور بعض کو مقرر کرنا اور بعض زمینیں افغانوں، بلوچوں، سیّدوں اور قدوائیوں کو بطور زمینداری دینا اس پر صریح دلالت کرتا ہے۔ پس اس صورت میں تمام اراضیِ ہندوستان بیت المال کی مِلک ہو جائیں گی۔ اِس طور پر کہ وہ اُن کے پاس نصف یا کم وبیش بٹائی کی صورت میں ہونگی۔ اس زمین کا ہر قطعہ جو بادشاہِ وقت دائمی طور پر کسی کو بخش دے وہ اُس کی مِلک ہوگا اور جو قطعہ بصورتِ گذارہ آمدن (حقوقِ موروثیت) اُس کو دیا گیا ہو وہ عاریۃً شمار ہوگا۔ ہاں پُرانے بادشاہوں کے حکمناموں کو دیکھ لینا چاہیے تاکہ معلوم ہو کہ کون سی زمین دائمی ملکیت کی ہے اور کون سی دوسری۔ اور جو زمین دائمی ملکیت کی ہے اگر تو اُس کے ساتھ خراج کی معافی بھی تھی تو خراج بھی واجب نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں رقبہء ارضی کی تملیک ہوگی اور خراج بطور تنخواہ اُسے ملتا ہوگا۔ اور اگر صرف زمین کی تملیک ہے اور خراج معاف نہیں ہوا تو خراج واجب ہوگا۔ اور پہلی صورت میں بھی امام کو حق حاصل ہے کہ زمین مذکورہ سے خراج وصول کرے۔ بہرحال اس ملک کی زمینوں میں شبہ ہے اور پہلوں کو جو زمینیں دی گئی تھیں اُن کے دینے کی صورتوں میں بھی

لوگوں کے مختلف خیالات ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ۹۹

یہ حوالہ جس کتاب سے سندھ زمیندارہ کمیٹی کی اقلیتی رپورٹ میں درج کیا گیا ہے کسی قدر مختلف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اصل کتاب سے مفصل عبارت کا ترجمہ درج کر دیا ہے جو لفظاً لفظاً صحیح ہے۔ ہر شخص اصل کتاب نکال کر دیکھ سکتا ہے کہ ترجمہ وہی ہے جو مَیں نے کیا ہے اور وہ غلط ہے جو اس رپورٹ میں کیا گیا ہے۔ اِس حوالہ سے ظاہر ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے ہرگز یہ بحث نہیں کی اور نہ یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہندوستان کی زمین کی حکومت اُن معنوں میں مالک ہے جن معنوں میں اقلیت کی رپورٹ میں لیا گیا ہے۔ شاہ صاحب تو اِس پر بحث کر رہے ہیں کہ آیا ہندوستان کی زمین پر عُشر لینا واجب ہے یا نہیں اور مختلف اقوال نقل کر رہے ہیں کہ بعضوں نے اِس زمین کو خراجی قرار دیا ہے اور حکومت کی ملکیت قرار دیا ہے اور بعضوں نے اس کو عُشری قرار دیا ہے یعنی اس پر وہ احکام جاری کئے ہیں جو مسلمان کی مملوکہ زمین کے ہوتے ہیں۔ اِس سے یہ کیونکر نتیجہ نکل آیا کہ زمین حکومت کی ہے اور وہ جس طرح چاہے اُس کو تقسیم کر سکتی ہے۔ خراجی اور عُشری کی بحث کا اس معاملہ سے دُور کا بھی تعلق نہیں اور نہ شاہ صاحب نے اِس جگہ پر اپنی کوئی رائے دی ہے۔ اور نہ اِس پر بحث کی ہے کہ خراجی اور عُشری زمین کی ملکیتوں میں فرق کیا ہوتا ہے یمن کی زمین جو عیسائیوں اور یہودیوں کے نیچے تھی وہ خراجی تھی لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ زمین یہودیوں اور عیسائیوں سے لے لی اور اُن کو عرب کے جزیرے سے نکال دیا تو باوجود اِس کے کہ وہ زمین خراجی تھی اور اصولی طور پر حکومت اُس کی مالک سمجھی جاتی تھی اُنہوں نے وہ زمین اُن سے چھینی نہیں بلکہ خریدی۔ چنانچہ فتح الباری (شرح بخاری) جلد ۵ صفحہ ۸ پر یہ حدیث درج ہے۔ **عن یحیی بن سعید ان عمر اجلی اھل نجران والیھود والنصاری واشتری بیاض ارضھم و کرومھم** یعنی یحییٰ بن سعیدؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے نجران کے مشرکوں اور یہودیوں اور عیسائیوں کو وہاں سے جلاوطن کر دیا اور اُن کی زمینیں اور باغ خرید لئے۔

یہ ظاہر ہے کہ یہودیوں کی زمین عُشری نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر وہ عُشر تھی تو اس کا مالک کوئی مسلمان ہوگا۔ پس یہودیوں سے اُس کے خریدنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا وہ یقیناً خراجی تھی

جیسا کہ ہندوستان کی زمین کو خراجی قرار دیا جاتا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس کو خراجی قرار دے کر اور حکومت کو اُس کا مالک قرار دے کر اُس کو ضبط نہیں کیا بلکہ اُس کو خریدا۔

شاید کوئی کہے کہ یہ زمین نہ خراجی ہوگی نہ عُشری ہوگی بلکہ کسی اور قسم کی ہوگی تو یہ خیال بے ہودہ ہوگا اور اسلامی شریعت سے ناواقفی کی علامت ہوگا۔ اُوپر جو حوالہ شاہ صاحب کا درج کیا گیا ہے اُس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عُشری اور خراجی کے سوا اَور کوئی زمین اسلام میں نہیں سوائے اِس کے کہ وہ بیکار پڑی ہوئی ہو اور اُس کا مالک کوئی فردِ واحد نہ ہو۔ پس لازماً یہودی اور نصرانی اور مشرک اہلِ نجران کی زمینیں یا خراجی تھیں یا عُشری تھیں مگر دونوں صورتوں میں اُن کا مالک حضرت عمرؓ نے اُن کے قابضوں کو قرار دیا ہے اور اُن سے وہ زمین خریدی ہے۔

اب میں پھر شاہ صاحب کے حوالہ کی طرف آتا ہوں اور توجہ دلاتا ہوں کہ اِس حوالہ کو پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ زمینداری کے مخالف لوگوں کے سراسر خلاف ہے نہ کہ اُن کی تائید میں۔ شاہ صاحب تو اِس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ بادشاہ خراج اور عُشر کو بھی معاف کرسکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ مَیں اوپر باب ۵ میں ثابت کر آیا ہوں میرے نزدیک کوئی بادشاہ عُشر یا خراج کو معاف نہیں کرسکتا اور نہ کوئی حکومت ایسا کرسکتی ہے۔ شاہ صاحب نے شریعت کا ادب مدنظر رکھتے ہوئے اشارۃً اِس اعتراض کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ زمین کی آمدن عطیہ سمجھی جائے گی اور خراج یا عشر جو حکومت نے چھوڑا ہے وہ اُس شخص کی تنخواہ سمجھی جائے گی لیکن ظاہر ہے کہ یہ توجیہہ کوئی ایسی اعلیٰ توجیہہ نہیں ہے۔ درحقیقت بات یہی ہے کہ خراج بقدر عُشر یا عُشر کو کوئی حکومت معاف نہیں کرسکتی اور معافی والی جاگیر ہرگز اسلام میں جائز نہیں۔ خراج کا اُتنا حصہ جو عُشر کے برابر ہو اور عُشر بہر حال تمام مسلمان زمینداروں سے لینا پڑے گا۔ غیر مسلم پر چونکہ زکوٰۃ واجب نہیں اِس لئے میں اِس وقت اُس کے متعلق کوئی فتویٰ نہیں دیتا وہ مسئلہ اس بحث کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا۔ لیکن ہر مسلمان زمیندار کو عُشری زمین کے بدلہ میں عُشر یا خراجی زمین کے بدلہ میں کم سے کم عُشر کے برابر رقم لازماً دینی ہوگی اور حکومت کو یہ رقم لازماً لینی ہوگی۔ اگر کوئی مسلمان زمیندار یہ رقم نہ دے گا تو وہ گنہگار ہوگا اور اگر حکومت اتنی رقم اس سے نہ لے گی تو وہ گنہگار ہوگی۔ نہ اِس کے معاف کروانے کا کسی کو حق ہے نہ اس کے

معاف کرنے کا کسی کو حق ہے۔

شاہ صاحب کے مندرجہ بالا حوالہ میں یہ بھی ذکر آتا ہے کہ بعض علماء نے ہندوستان کی زمین کو سوادِ عراق کی زمین کا قائم مقام قرار دیا ہے اور اس لئے یہ ساری زمین حکومت کی مملوکہ ہے۔ اِس حوالہ کا کوئی تعلق زمینداری کی بحث کے ساتھ نہیں لیکن آجکل اِس حوالہ کے غلط معنی لے کر بعض لوگ ناجائز فائدہ اُٹھا رہے ہیں وہ لوگ اس کے یہ معنی کرتے ہیں کہ سوادِ عراق کی زمین اِس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام نے زمینوں کو حکومت کی ملکیت میں رکھنے کا حکم دیا ہے اور اس لئے تمام اسلامی حکومتوں میں جس قدر زمینیں پائی جاتی ہیں وہ سب حکومت کی ملکیت قرار دی جانی چاہئیں۔ سوادِ عراق کی زمینوں کے مسئلہ کو شاید ہندوستان میں جو اہمیت دی جا رہی ہے اُس کا پہلا بانی میں ہوں۔ آج سے قریباً ۲۷ سال پہلے مَیں نے خلافت پر لیکچر دیئے تھے اور اُن میں اِس زمین کے سوال کو اختلافات کی بنیادوں میں اہم بنیاد ثابت کیا تھا۔ میرے یہ لیکچر خدا تعالیٰ کے فضل سے علمی دنیا میں خاص طور پر مقبول ہوئے تھے اور بعض اسلامی کالجوں میں پرائیوٹ سٹڈی کے طور پر مقرر کئے گئے تھے۔ شاید اُس وقت میرے ذہن میں بھی یہ بات نہ تھی کہ کسی زمانہ میں یہی مسئلہ ایک اَور شکل اختیار کر کے ملک میں فتنہ کا موجب بن جائے گا۔

سوادِ عراق کی زمینوں کی حقیقت یہ ہے کہ جب عراق فتح ہوا تو عراق میں جو شاہِ ایران کسریٰ کی مملوکہ زمین تھی وہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔ اُس وقت تک طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی ملک بزورِ شمشیر فتح ہوتا تھا اور اُس کے متعلق کوئی معاہدہ نہ ہوتا تھا تو تمام سرکاری زمینیں یا اُن لوگوں کی زمینیں جو عملاً لڑائی میں شامل ہوتے تھے چھین کر مسلمان مجاہدین میں تقسیم کر دی جاتی تھیں سوائے اُتنے حصہ کے جو قرآن کریم نے اموالِ غنیمت میں سے خدا تعالیٰ اور حکومت کا مقرر فرمایا ہے۔ چونکہ ابتداءً زمینیں کم آتی تھیں اور مسلمان محتاج زیادہ تھے یا بعض ایسے حقدار مسلمان ہوتے تھے جنہوں نے اسلام کی بڑی خدمات کی ہوئی ہوتی تھیں اُن کو دوسرے لوگوں سے زیادہ معاوضہ دینے کا فیصلہ کیا جاتا تھا اِس لئے عراق کی فتح تک تمام ایسی زمینیں جو حکومت کی ملکیت ہوتی تھیں یا لڑنے والے افراد کی ملکیت ہوتی تھیں مسلمانوں میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ خدا تعالیٰ اور حکومت کا حصہ بھی قریباً قریباً ساتھ کے ساتھ تقسیم ہوتا چلا جاتا تھا کیونکہ آخر

وہ بھی پبلک کے فائدہ کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ فرق اتنا تھا کہ وہ حصہ ایسے غرباء کو مل جاتا تھا جو لڑائی میں شامل نہیں ہوتے تھے یا اُن لوگوں کو مل جاتا تھا جن کو اُن کے غنیمت کے حق سے زیادہ دینے کا فیصلہ کیا جاتا تھا لیکن جب عراق فتح ہوا تو چونکہ عراق میں شاہِ کسریٰ کی بہت بڑی بڑی زمینیں تھیں اِسی طرح اُس کے اُمراء کے بہت بڑے بڑے علاقے خالی پڑے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو اب کافی زمینیں مل چکی ہیں اب آئندہ فوجوں کے اخراجات غنیمت کے مال سے نکلنے مشکل ہونگے اِس طرح آئندہ آنے والی نسلوں کی امداد اگر حکومت کرنا چاہے گی تو اُس کے لئے بھی روپیہ کی ضرورت ہوگی پس انہوں نے فیصلہ کیا کہ سرِ دست سوادِ عراق یعنی عراق کی غیر مملوکہ زمین اور بعض کے نزدیک شام کے علاقہ کی کچھ زمین یا دوسرے لفظوں میں سرکاری زمین موجودہ مجاہدین میں تقسیم نہ کی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِس فیصلہ کے اعلان سے پہلے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو صحابہؓ نے اُن سے اِس بارہ میں سخت اختلاف کیا اور اصرار کیا کہ یہ زمین سابق دستور کے مطابق فوراً مسلمانوں میں تقسیم ہو جانی چاہئے۔ چنانچہ اِس کی تفصیل کتاب الخراج میں اِس طرح آتی ہے۔

قال ابو یوسف وحدثنی غیر واحد من علماء اھل المدینة قالوا .... لما جاء فتح العراق شاور الناس فی التفصیل... وشاورھم فی قسمة الارضین التی افاء اللّٰہ علی المسلمین من ارض العراق والشام فتکلم قوم فیھا وارادوا ان یقسم لھم حقوقھم وما فتحوا فقال عمر رضی اللّٰہ عنہ فکیف بمن یاتی من المسلمین فیجدون الارض بعلوجھا قد اقتسمت و ورثت عن الاباء وحیزت ۔ ماھذا رأیی... واللّٰہ لایفتح بعدی بلد فیکون فیہ کبیر نیل بل عسی ان یکون کلا علی المسلمین فاذا قسمت ارض العراق بعلوجھا وارض الشام بعلوجھا فما یسدبہ الثغور وما یکون للذریة والارامل بھذالبلد وبغیرہ من اھل الشام والعراق...... قدرأیت ان احبس الارضین بعلوجھا واضع علیھم فیھا الخراج وفی رقابھم الجزیة یؤدونھا فتکون فیئا للمسلمین المقاتلة والذریة ولمن یأتی من بعدھم ارأیتم ھذہ الثغور لا بدلھا من رجال یلزمونھا أرئیتم ھٰذہ المدن العظام کالشام والجزیرة والکوفة

والبصرة ومصر لا بدلها من ان تشحن بالجيوش وادرار العطاء عليهم فمن اين يعطى هولاء اذا قسمت الارضون والعلوج فقالوا جميعا الرأى رأيك فنعم ماقلت ونعم مارأيت[۱۰۰]

یعنی امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ مجھ سے اہلِ مدینہ کے کئی علماء نے بیان کیا ہے کہ جب عراق فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مشورہ کیا اور اُن سے پوچھا کہ شام وعراق میں جو زمین خدا تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے اُس کو کس طرح تقسیم کیا جائے۔ اِس پر لوگوں نے مشورہ دیا کہ اُن کے حقوق جو اموالِ غنیمت کے ہیں اور جو زمین انہوں نے فتح کی ہے وہ اُن میں فوراً تقسیم ہونی چاہیے۔ اِس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ اُن مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جو بعد میں آئیں گے اور وہ دیکھیں گے کہ زمین کا ہر ٹکڑہ اور اُس کے کسان تقسیم ہو چکے ہیں اور باپ دادوں سے دوسرے لوگوں کو ورثہ میں ملے ہوئے ہیں۔ میری یہ رائے نہیں۔ خدا کی قسم! میرے بعد کوئی اور ملک ایسا فتح نہیں ہوگا جس میں نیل جیسے دریا ہوں بلکہ ممکن ہے کہ ایسے ملک فتح ہوں جو مسلمانوں پر بوجھ ہوں اور اُن کا خرچ مسلمانوں کو اُٹھانا پڑے۔ پس اگر مَیں عراق کی زمین اور اُس کے کسانوں کو تقسیم کر دوں اور شام کی زمین اور اُس کے کسان کو تقسیم کر دوں تو اسلامی ملک کی سرحدوں پر لڑائی کا خرچ کہاں سے اُٹھایا جائے گا اور آئندہ اولاد کے لئے کیا بچے گا اور اس ملک اور شام اور عراق کے رہنے والے لوگوں اور بیواؤں کو کیا ملے گا۔ میری رائے تو یہ ہے کہ میں یہ زمینیں اور اُن کے کسانوں کو روک لُوں اور اُن کے اُوپر ایک خراج مقرر کر دوں اور اِس طرح شرعی طور پر ایک جزیہ مقرر کر دوں جو وہ دیتے رہیں۔ پس یہ ایک مال ہوگا اُن مسلمانوں کے لئے جو آئندہ جنگ میں حصہ لیں گے اور اُن کی اولادوں کے لئے اور اُن لوگوں کے لئے جو اُن کے بعد آئیں گے۔ کیا تمہاری رائے نہیں کہ یہ اسلامی سرحدیں اِس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ وہاں فوجیں رہیں جو ہر وقت اُن کی نگہداشت کریں؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ بڑے بڑے شہر جیسے دمشق اور جزیرہ اور کوفہ اور بصرہ اور مصر کے لئے ضروری ہے کہ فوجوں کے ساتھ اُن کی حفاظت کی جائے اور مقررہ وظائف فوجیوں کو ملتے رہیں؟ اگر یہ زمینیں اوران کے کسان تقسیم کر دیئے جائیں تو وہ فوجی کس روپیہ سے مہیّا کئے جائیں گے جن کی

ملک کی حفاظت کے لئے ضرورت ہے۔ اِس پر صحابہؓ نے کہا جو کچھ آپ نے فرمایا ہے درست ہے اور جو کچھ آپ نے سمجھا وہی صحیح ہے۔

بعض اور آثار میں یہ زائد بات بھی بیان کی گئی ہے کہ صحابہؓ برابر کئی دن تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بحث کرتے رہے یہاں تک کہ تیسرے دن حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ مجھے قرآن شریف کی ایک آیت سے حوالہ مل گیا جس سے میرا استدلال درست ثابت ہوتا ہے چنانچہ اس بارہ میں مندرجہ ذیل روایت کتاب الخراج میں لکھی ہے۔

حدثنی محمد بن اسحاق عن الزهری ان عمر بن الخطابؓ استشار الناس فی السواد حین افتتح فرأی عامتهم ان یقسمه و کان بلال بن رباح من اشدهم فی ذلک و کان رأی عمرؓ ان یترکه ولا یقسمه فقال اللهم اکفنی بلا لاو اصُحابه ومکثوا فی ذلک یومین او ثلاثة اودون ذلک ثم قال عمرؓ انی قد وجدت حجة قال اللّٰه تعالی فی کتابه ما افاء اللّٰه علی رسوله منهم فما اوجفتم علیه من خیل ولارکاب ولکن اللّٰه یسلط رسله علی من یشاء واللّٰه علی کل شیئ قدیر حتی فرغ من شأن بنی النضیر فهذه عامة فی القری کلهاثم قال ما افاء اللّٰه علی رسوله من اهل القری فللّٰه وللرسول ولذی القربی والیتمی والمسکین و ابن السبیل کیلا یکون دولة بین الاغنیاء منکم و ما اتکم الرسول فخدوه ومانهکم عنه فانتهوا واتقوا اللّٰه ان اللّٰه شدید العقاب ۔ ثم قال للفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من دیارهم واموالهم یبتغون فضلا من اللّٰه و رضوانا۔ وینصرون اللّٰه و رسوله اولئک هم الصدقون ثم لم یرض حتی خلط بهم غیرهم فقال والذین تبوؤا الدار والایمان من قبلهم یحبون من هاجر الیهم ولا یجدون فی صدورهم حاجة مما اوتوُا ویؤثرون علی انفسهم ولوکان بهم خصاصة ومن یوق شح نفسه فاؤلئک هم المفلحون۔ فهذا فیما بلغنا واللّٰه اعلم۔ للانصار خاصة ثم لم یرض حتی خلط بهم غیر هم فقال والذین جاء وا من بعدهم یقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غِلا للذین اٰمنوا ربنا انک رء وف رحیم ۔ فکانت

ھذہ عامة لمن جاء من بعدھم فقد صار ھذا الفئ بین ھو لاء جمیعا فکیف نقسمه لھؤلاء و ندع من تخلف بعدھم بغیر قسم فاجمع علی ترکه وجمع خراجه [۱۰۱] یعنی محمد بن اسحاق نے امام زہری سے روایت کی ہے کہ جب سوادِ عراق فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے اس کے متعلق مشورہ کیا۔ اُن میں سے اکثر کی رائے یہ تھی کہ اس کو تقسیم کر دیا جائے اور بلال بن رباح رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ شدت سے اس بات پر مصِرّ تھے کہ یہ ضرور تقسیم ہونا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اس کو چھوڑ دیا جائے اور فی الحال تقسیم نہ کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اِن لوگوں کی مخالفت دیکھتے تھے تو بے اختیار اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! بلالؓ اور اُس کے ساتھیوں کے اعتراض سے مجھے بچا اور اُن کا جواب مجھے خود سمجھا۔ یہ بحث دو تین دن تک یا اِس سے کم وبیش جاری رہی۔ آخری دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک دلیل مل گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ اپنے رسول کو عطا فرمائے ایسی چیزیں جن پر تمہارے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑے بلکہ اُس نے خود ہی اپنے فضل سے اپنے رسول کو جس چیز پر چاہا قبضہ دے دیا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اِس آیت کی تلاوت کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا یہاں تک تو یہودیوں کے بنو نضیر قبیلہ کے متعلق ذکر تھا اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اگلی آیتوں میں تمام ملکوں کے متعلق احکام جاری فرمائے ہیں اور فرمایا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بستیوں اور اُن کے باشندوں میں سے بخشا وہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس کے رسول کا ہے اور قریبیوں کا ہے اور یتامیٰ کا ہے اور مساکین کا ہے اور مسافروں کا ہے تا کہ یہ مال تم میں سے امیروں کے درمیان چکر کھانے والا نہ بن جائے۔ اور رسول اِس مال میں سے تم کو جو کچھ دے وہ لے لو اور جس بات سے روکے اُس سے رُک جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو کیونکہ اللہ سزا دینے میں سخت بھی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ آگے فرماتا ہے کہ یہ مال مہاجر غریبوں کے لئے ہے جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اپنے مالوں سے محروم کئے گئے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضاء کی جستجو میں رہتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی سچے لوگ ہیں۔ اتنی آیتیں پڑھنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیکھو! پھر اللہ تعالیٰ نے اِسی پر بس نہیں

کیا بلکہ اُن کے ساتھ ایک اور جماعت کو ملایا ہے اور فرماتا ہے اور اُن لوگوں کے لئے بھی جو اس گھر میں پہلے سے رہتے تھے اور جنہوں نے کہ ایمان کو اپنے دلوں میں داخل کر لیا تھا وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے اُن کے شہر میں آ بسے ہیں اور اپنے دلوں میں اُس مال سے جو اُن کو دیا جائے پورا استغناء محسوس کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ کتنی ہی غربت اور فاقہ میں کیوں نہ مبتلا ہوں۔ اور جس قوم کے دل سے اللہ تعالیٰ بخل کو دور کر دے وہ قوم بڑی کامیابی پانے والی ہوتی ہے۔ یہ آیتیں پڑھنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جہاں تک ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا ہے یہ آیتیں خاص طور پر انصار کے متعلق ہیں۔ پھر فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ نے اِسی پر بس نہیں کی بلکہ اُن کے ساتھ ایک اور جماعت کو ملا دیا اور فرمایا وہ لوگ جو اُن کے بعد آئیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش اور ہمارے اُن بھائیوں کو بخش جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے تھے اور ہمارے دلوں میں مومنوں کے متعلق بغض پیدا نہ کر تُو بہت بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ پھر فرمایا دیکھو! یہ آیت اُن سب لوگوں کے متعلق ہے جو بعد میں آئیں گے اور قرآنی فیصلہ کے مطابق حکومت کو تمام لوگوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ پس ہم کس طرح تمام اموال کو موجودہ نسل میں تقسیم کر دیں اور جو ابھی تک آئے نہیں اُن کا حصہ کوئی چھوڑیں ہی نہ۔ اِس پر تمام صحابہؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق ہو گئے اور سوادِ عراق پر خراج لگانے کا فیصلہ دے دیا گیا۔

اِس حوالہ سے ظاہر ہے کہ یہ کوئی اسلامی فتویٰ نہیں کہ تمام مفتوحہ ممالک کی زمین حکومت کی ہوتی ہے۔ اگر یہ فتویٰ ہوتا تو عرب کے مفتوحہ علاقوں کی زمین کیوں تقسیم کی جاتی؟ یا سوادِ عراق سے باہر عراق کے علاقوں کی یا شام کے بعض علاقوں کی زمین کیوں تقسیم کی جاتی؟ جو بات اِس حوالہ میں سے نکلتی ہے وہ صرف اِس قدر ہے کہ حکومت کو صرف اپنے موجودہ زمانہ کے لوگوں کی ضرورتوں کا ہی خیال نہیں رکھنا چاہئے بلکہ آئندہ زمانہ کے لوگوں کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِسی خیال کے ماتحت ساری فتوحات نہیں بلکہ فتوحات کا ایک حصہ حکومت کے قبضہ میں رکھا۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ علاقے بھی آخر حکومت نے تقسیم کر دیئے اور

لوگوں کی ملکیت ہو گئے اور ایسی ملکیت ہو گئے کہ جب بنو عباس نے شاید اِسی قسم کے فتویٰ سے متاثر ہو کر جو اِس وقت زمیندارہ کے خلاف لوگ دے رہے ہیں لوگوں سے زمین چھین کر بغداد بسایا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اِس چھینی ہوئی زمین کے مقبرہ میں دفن ہونا بھی پسند نہ فرمایا اور وصیت کی کہ مجھے اِس جگہ سے باہر دفن کیا جائے۔

پُرانے فقہا نے جو کچھ سواد کے متعلق سمجھا ہے میں اس کے متعلق بھی اس جگہ پر ایک حوالہ نقل کر دیتا ہوں۔ حنفیوں کی مشہور کتاب ردّ المختار شامی میں لکھا ہے۔ **سواد العراق ای قراہ وکذا کل مافتح عنوۃ واقر اھلہ علیھا اوصولحوا ووضع الخراج علی ارضیھم فھی مملوکۃ لاھلھا............ لان الامام اذا فتح ارضا عنوۃ لہ ان یقرا ھلھا علیھا ویضع علیھا الخراج وعلی رؤو سھم الجزیۃ فتبقی الارض مملوکۃ لاھلھا** [۱۰۲] یعنی سوادِ عراق کی زمین اور اسی طرح اُن تمام ممالک کی زمین جو زور کے ساتھ فتح کئے گئے ہوں اور فاتح حکومت نے اُس ملک کے باشندوں کو اُن کی زمینوں پر قابض رہنے دیا ہو یا ایسے ملک جن کے ساتھ صلح کی گئی ہو اور اُن کی زمین پر خراج لگا دیا گیا ہو یہ سب کی سب (سوادِ عراق اِس میں شامل ہے) اُن زمینوں کے مالکوں کی ملکیت ہونگی کیونکہ جب امام کسی زمین کو زبر دستی فتح کرے تو وہ اگر مناسب سمجھے تو اُس جگہ کے لوگوں کو اُس پر قابض رہنے دے اور اُن پر خراج مقرر کر دے اور جزیہ لگا دے اِس صورت میں زمین اُنہی لوگوں کی رہتی ہے جن کے قبضہ میں وہ ہوتی ہے۔

اِس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ سوادِ عراق کی بحث کا زمینوں کی ملکیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اور جیسا کہ مَیں نے ردالمختار شامی کے حوالہ سے بتایا ہے سوادِ عراق کی زمینوں کو حنفیوں نے ویسی ہی افراد کی مملوکہ زمینیں قرار دیا ہے جیسا کہ کوئی اَور زمین ہو۔ شاہی زمین ہونے کی وجہ سے لوگوں کی ملکیت میں کچھ بھی فرق نہیں پڑتا۔ شاہی زمین ہونے کے محض اتنے معنی ہیں کہ اُس زمانہ میں جب وہ ملک فتح ہوا اُس زمین کے حقوقِ ملکیت کسی اَور شخص کو نہیں دیئے گئے لیکن بعد میں جب وہ حقوق دوسروں کو دیدئے گئے تو وہ لوگ جو اُس پر قابض تھے اُن سب کو ویسا ہی مالک سمجھا گیا جیسا کہ دنیا میں کوئی اَور مالک ہوتا ہے۔

پھر اسی کتاب میں لکھا ہے۔ **ان ارض سواد العراق مملوكة لاهلها يجوز بيعهم لها وتصرفهم فيها وكذلك ارض مصر و الشام** [۱۰۳] یعنی سوادِ عراق کی زمین جن لوگوں کی ملکیت میں ہے وہ اُنہی کی مملوکہ ہے (حکومت کی نہیں) وہ اُس کو بیچ بھی سکتے ہیں اور جس طرح چاہیں اُس میں تصرّف بھی کر سکتے ہیں (یعنی عمارتیں وغیرہ بنالیں یا باغ بنالیں) اِسی طرح مصر اور شام کی زمین کے متعلق بھی یہی حکم ہے۔

خلاصہ یہ کہ سوادِ عراق کے محض اتنے معنی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اُس زمین کو اُسی زمانہ کے مسلمانوں میں تقسیم کر کے عُشری نہیں بنایا بلکہ اُس کو خراجی رہنے دیا تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں میں اُن زمینوں کو تقسیم کیا جا سکے اور اُن کے لئے بھی کچھ حصہ باقی رہے۔ ورنہ جو کسان اُس پر قابض تھے وہ اُس کے ویسے ہی مالک تھے جیسے اور موروثی کسان مالک ہوتے ہیں اور جن لوگوں کو وہ زمین دی جاتی تھی یا جو حکومت سے خریدتے تھے وہ اُس کے ویسے ہی مالک ہوتے تھے جیسے کوئی اَور زمینوں کا مالک ہوتا ہے۔

اگر کسی کے دل میں یہ شبہ ہو کہ آیا حکومت کا مال فروخت بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کے لئے میں چند حوالے پیش کرتا ہوں۔

مذکورہ بالا کتاب میں ہی لکھا ہے۔ **لو باع شيئا من بيت المال صح بيعه** [۱۰۴] اگر امام یعنی حکومت بیت المال کی چیزوں میں سے کسی چیز کو بیچے تو اُس کی بیع درست ہو گی۔

اِسی طرح لکھا ہے۔ **من اشترى شيئا مما صارت لبيت المال فقد ملكها** [۱۰۵] جو شخص کوئی ایسی چیز خریدے جو بیت المال کی تھی تو وہ اس کا پوری طرح مالک ہو جائے گا بلکہ یہاں تک لکھا کہ اگر کوئی خراجی زمین حکومت سے خریدے تو وہ بھی خراجی نہیں رہے گی عُشری بن جائے گی۔

چنانچہ لکھا **ان الخراج ارتفع عن اراضى مصر لعودها الى بيت المال بموت ملاكها فاذا اشترها انسان من الامام بشرطه شراء صحيحا ملكه ولا خراج عليها لان الامام قد اخذ البدل للمسلمين** [۱۰۶] یعنی مصر کی زمین پر سے خراج اُڑ گیا۔ مصر کی زمین سے خراج کیوں اُڑا؟ اِس لئے کہ اُس کے قابض اُمراء کے مرنے کے بعد وہ زمین بیت

المال کی ہوگئی اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص حکومت سے شرائط کے مطابق صحیح سودا کرے تو وہ اُس کا پورا مالک بن جاتا ہے اور اِس لئے اُس زمین پر خراج نہیں رہتا اِس لئے کہ امام نے جو اُس زمین میں مسلمانوں کا حصہ تھا اُس کے بدلہ میں خریدار سے قیمت وصول کر لی۔ یعنی علاّمہ شامی یہ سوال اُٹھا کر مصر کی زمین جو خراجی تھی اب وہ عُشری کیوں ہوگئی ہے؟ اِس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ پہلے مصر خراجی تھا کیونکہ وہ فتح کیا گیا تھا اور فتح کے نتیجے میں وہ مسلمانوں کی ملکیت ہوگیا تھا لیکن مصر کے رؤساء کے پاس ہی اُن کی زمینیں رہنے دی گئی تھیں اور حکومت جو مسلمانوں کی قائم مقام تھی وہ مسلمانوں کے حق کے طور پر اُن رؤساء سے خراج لیتی تھی۔ اِس کے بعد ایک ایسا زمانہ آیا کہ وہ رؤساء اور زمیندار مر گئے اور اُن کی زمینیں لاوارثی کے طور پر پھر حکومت کے پاس آگئیں اور مسلمانوں نے حکومت سے وہ زمینیں دوبارہ خریدیں تو اب وہ خراجی نہ رہیں۔ کیونکہ حکومت یعنی مسلمانوں کی نمائندہ طاقت نے زمین کی قیمت خریدار سے وصول کر لی اور اس طرح جو مالکانہ حصہ تھا وہ حکومت کے پاس چلا گیا۔ پس خراج جو مالکانہ حصہ کے مقابلہ میں ہوتا ہے وہ روپیہ کی صورت میں حکومت کو مل گیا یا دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کو مل گیا۔ اب صرف عُشر رہ گیا جو خدا تعالیٰ کا حصہ ہے جس کو نہ کوئی معاف کر سکتا ہے نہ بخش سکتا ہے۔

دیکھو! اس حوالہ میں کتنی وضاحت سے یہ بات بتا دی گئی ہے کہ خراج درحقیقت قائم مقام ہے اُس مالکانہ حق کا جو مفتوحہ ملک پر مسلمانوں کو حاصل ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کوئی زمین حکومت سے خرید لے یا حکومت اُس کو بخش دے تو پھر اُس پر سے خراج اُڑ جاتا ہے اور صرف عُشر باقی رہ جاتا ہے اور حکومت کو آئندہ اُس زمین کے متعلق کوئی اختیار باقی نہیں رہتا بلکہ خریدار کو یا جس کو ہبہ کے طور پر زمین دی گئی ہو کلّی طور پر ملکیت کے حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔

اقلیت کی رپورٹ میں مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کا بھی ایک حوالہ دیا گیا ہے مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کو بھی شریعت کے متعلق کوئی خصوصی مقام حاصل ہونے کا دعویٰ نہیں نہ اُن کی طرف سے کوئی ایسی دلیل ہی پیش کی گئی ہے جس کو شرعی طور پر ردّ کرنے کی ضرورت ہے۔

میں قریباً اُن تمام باتوں کا اُوپر جواب دے چکا ہوں جو زمینداری کے مخالف لوگوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں اور خصوصاً وہ باتیں جو سندھ گورنمنٹ زراعتی کمیٹی کی اقلّیت کی رپورٹ میں درج کی گئی ہیں۔ البتہ ایک بات رہ گئی ہے جو کوئی شرعی دلیل تو نہیں لیکن ایک جذباتی دلیل ضرور ہے اور وہ ابن تین کا قول ہے یعنی چھٹی صدی ہجری کے ایک محدث ابن تین کا ایک قول نقل کیا گیا ہے جو یہ ہے:۔

''ہمارا آج کا مشاہدہ بھی یہ ہے کہ سب سے زیادہ تکلیف اور دُکھ پانے والی جماعت کسان ہیں۔'' [۱۰۷]

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس حوالہ کا ترجمہ بھی غلط کیا گیا ہے۔ اِس حوالہ میں ہرگز اس طرف یہ اشارہ نہیں ہے کہ کسانوں کی حالت خراب ہے جیسا کہ اقلیتی رپورٹ نے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اِس رپورٹ میں اِس حوالہ کے نقل کرنے سے پہلے یہ لکھا ہے کہ:۔

''زمیندارہ طریق نے ایک وسیع مصیبت اور غربت کسانوں میں پیدا کر دی تھی یہاں تک کہ چھٹی صدی ہجری میں بھی ابن تین کو یوں لکھنا پڑا۔''

اِن الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ رپورٹ لکھنے والے صاحب پڑھنے والے پر یہ اثر ڈالنا چاہتے ہیں کہ گویا اوپر کی عبارت میں کسان کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو زمیندار کے ظلم کی وجہ سے اُس پر وارد ہو رہی تھی حالانکہ اِس حوالہ میں ہرگز اس کی طرف اشارہ بھی نہیں۔ ابن تین کی پوری عبارت کا ترجمہ یہ ہے:۔

''ابن تین کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات (جس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا) غیب کی خبروں میں سے تھی کیونکہ یہ بات مشاہدہ سے معلوم ہوتی ہے کہ اکثر ظلم کھیتی کرنے والوں پر ہوتا ہے۔''

اِس حوالہ میں کھیتی باڑی کے الفاظ ہیں جو ہرگز کسان پر دلالت نہیں کرتے۔ بارہ ایکڑ یا پندرہ ایکڑ یا پچیس ایکڑ والا وہ زمیندار جو اَب پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے وہ بھی کھیتی باڑی کرنے والا آدمی ہوگا اور ویسا ہی آدمی جو پہلے گزر چکا ہو وہ بھی کھیتی باڑی کرنے والا تھا

خواہ وہ اپنی زمین کا آپ مالک تھا۔ پس اِس عبارت سے وہ نتیجہ نکالنا جو نکالا گیا ہے بالکل خلافِ واقعہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اِس عبارت کو سمجھنے کے لئے اِس کے پہلے حصّہ کا درج کرنا بھی ضروری تھا جس کو رپورٹ لکھنے والے نے حذف کر دیا ہے اور وہ پہلا حصہ یہ ہے کہ ''**رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات پیشگوئی کے طور پر معلوم ہوتی ہے۔**'' اِس حصہ کو اگر رپورٹ لکھنے والے صاحب ساتھ نقل کر دیتے اور یہ حصہ اُس کتاب میں موجود ہے جس سے انہوں نے یہ حوالہ نقل کیا ہے تو غالباً اُن پر بھی حقیقت کھل جاتی اور پڑھنے والوں پر بھی حقیقت کھل جاتی۔ اگر وہ حوالہ پورا نقل کرتے تو ہر شخص یہ سوال کرتا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کونسی بات ہے جس کی طرف ابن تین اشارہ کرتے ہیں اور جب وہ بات اس کے سامنے آتی تو ساری حقیقت اُس پر واضح ہو جاتی۔

وہ بات جس کی طرف ابن تین نے اشارہ کیا ہے وہ ایک حدیث ہے جو بخاری میں بھی اور بہت سی دوسری کتب احادیث میں بھی درج ہے۔ اِس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔ **عن ابی امامة الباهلی انه رای سکة و شیئا من الة الحرث فقال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول لا یدخل هذا بیت قوم الا ادخله اللّٰہ الذل** [۱۰۸] یعنی ابی امامۃ الباہلیؓ کی نسبت روایت ہے کہ انہوں نے ہل اور زراعت کے آلات میں سے کوئی اَور آلہ دیکھا تو فرمایا میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ چیز یعنی زراعت کا آلہ کسی قوم میں داخل نہیں ہوتا کہ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اُس کے گھر میں ذلّت نہ داخل کر دیتا ہو۔

ابن تین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس قول کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً بطور پیشگوئی کے فرمائی تھی کیونکہ زمینداروں پر (جس میں زمیندار اور کاشتکار دونوں شامل ہیں نہ کہ صرف کاشتکار) اِس زمانہ میں سب سے زیادہ ظلم ہوتا ہے۔

ابن تین کی بات کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے مَیں خود اس حدیث کے متعلق اَئمہ اہلحدیث کے اقوال درج کرتا ہوں۔ امام محمدؒ مبسوط میں فرماتے ہیں۔ **مراد الحدیث ان المسلمین اذا اشتغلوا بالزراعة واتبعوا اذناب البقر وقعدوا عن الجهاد کرعلیهم**

عدوھم فجعلوھم اذلۃ [۱۰۹] یعنی اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جب مسلمان زراعت میں مشغول ہو جائیں گے (صاف ظاہر ہے کہ یہاں صرف کسان مراد نہیں) اور بیلوں کی دُموں کے پیچھے پیچھے چلیں گے اور جہاد کو چھوڑ دیں گے تو اُن پر دشمن لوٹ کر حملہ کرے گا اور اُن کو ذلیل کر دے گا۔

اِسی طرح اُنہوں نے لکھا ہے کہ ظنوا ان المراد بالتزام الخراج ولیس کذلک [۱۱۰] یعنی بعض لوگوں نے اس حدیث کے یہ معنے کئے ہیں کہ زراعت کرنے سے ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے اور یہ ذلّت ہے۔ امام محمدؒ کہتے ہیں یہ ہرگز مراد نہیں بلکہ مراد وہ ہے جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب بھی اِس بارہ میں یُوں فرماتے اعلم ان النبی ﷺ بعث بالخلافۃ العامۃ وغلبۃ دینہ علی سائر الادیان لا یتحقق الا بالجھادو اعداد الاتہ فاذا ترکوا الجھاد واتبعوا اذناب البقر احاطہ بھم الذل وغلب علیھم اھل سائر الادیان [۱۱۱] یعنی یاد رکھو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور سارے دینوں پر آپ کے دین کا غلبہ جہاد اور جہاد کے سامانوں کی تیاری کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا۔ پس جب مسلمانوں نے جہاد چھوڑ دیا اور بیلوں کی دُموں کے پیچھے چل پڑے (یعنی کھیتی باڑی کرنے لگے) تو ذلّت نے اُن کو گھیر لیا اور دوسرے دینوں والے لوگ اُن پر غالب آ گئے۔

عینی شرح بخاری میں بھی اِس حدیث کے متعلق یُوں لکھا ہے۔ ھذا لمن یقرب من العدو فانہ اذا اشتغل بالحرث لایشتغل بالفروسیۃ ویتاسد علیہ العدو واما غیرھم فالحرث محمود لھم وقال عزوجل واعدوا لھم ماستطعتم الایۃ وھولا تقوم الا بالزراعۃ ومن ھو بالثغور اوبمقاربۃ للعدو لایشتغل بالحرث فعلی المسلمین ان یمدوھم بمایختاجون الیہ [۱۱۲] (جو حنفیوں کی لکھی ہوئی بخاری کی شرح ہے) یعنی یہ حدیث تمام مسلمانوں کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف اُن مسلمانوں کے لئے ہے جو دشمن کے قریب ہیں کیونکہ اگر وہ کھیتی باڑی میں لگ جائیں تو پھر جنگی فنون کی طرف توجہ نہیں کر سکتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمن اُن پر دلیر ہو کر حملہ آور ہو جائے گا۔ اور جو اُن کے سوا ہیں یعنی اندرونِ ملک کے رہنے والے اُن کے لئے کھیتی ہے اُن کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

دشمن کیلئے اُن تمام ذرائع سے کام لے کر تیاری کرو جو تمہاری طاقت میں ہوں اور یہ حکم بغیر زراعت کے پُورا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جو فوجیں سرحدوں پر بیٹھی ہوں گی یا دشمن کے قرب و جوار میں رہتی ہوں گی وہ تو کھیتی باڑی میں مشغول نہیں ہوسکتیں پس دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ کھیتی باڑی کر کے اُن فوجوں تک غلّہ اور دوسرے کھانے پینے کے سامان بھجوائیں۔

دیکھئے اِن حوالوں سے ابن تین کی بات کس قدر بدل جاتی ہے۔ ابن تین اپنے پاس سے بات نہیں کہتے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اِس حدیث میں کسانوں کا ذکر نہیں بلکہ زراعت کرنے والوں کا ذکر ہے اور علمائے اسلام نے اِن احادیث کے یہ معنی کئے ہیں کہ یہ حدیث اُن مسلمانوں کے لئے ہے جن کے ذمہ حفاظت ملک کا کام ہوتا ہے اُن کو کھیتی باڑی میں مشغول نہیں ہونا چاہئے اگر وہ ایسا کریں گے تو پھر جنگی فنون کی طرف سے غافل ہو جائیں گے۔ ورنہ کھیتی باڑی ایک اچھا فعل ہے۔ پس حدیث میں نہ کسی کسان کا ذکر ہے نہ کسی زمیندار کے ظلم کا ذکر ہے بلکہ مسلمانوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ اپنے میں سے ایک حصہ کو (کیونکہ اُس وقت باقاعدہ فوجیں نہیں ہوتی تھیں) کھیتی باڑی کی فکروں سے آزاد کر دیں۔ تاکہ وہ لوگ کلّی طور پر فارغ ہو کر فنونِ جنگ کے سیکھنے میں لگ جائیں اور دشمن کے مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔ ظاہر ہے کہ اِن معنوں سے کھیتی باڑی کرنے والے کی تعریف کی گئی ہے مذمّت نہیں کی گئی اور کسانوں کا ظلم نہیں بیان کیا گیا بلکہ خواہ ملکیتی زمین رکھنے والا ہو یا مقاطعہ کی زمین رکھنے والا ہوا گر وہ فوج میں اپنے آپ کو بھرتی کرتا ہے یا ایسے مقام پر ہے جہاں سے اُسے فوجی خدمت کے لئے بُلانے کی ضرورت پیش آ جائے گی تو اُسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ زراعت کے کام کی طرف توجہ نہ کرے تاکہ وہ جنگ کے کاموں کی طرف پوری توجہ دے سکے۔

قرآن شریف میں بالکل اِسی رنگ کا یہودیوں کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام یہودیوں کو کنعان کی طرف لے کر جا رہے تھے تاکہ اُس ملک کی بادشاہت اُن کے حوالے کی جائے تو رستہ میں بہت سی مشکلات پیش آئیں اور کئی قوموں سے اُنہیں جنگیں کرنی پڑیں۔ ایک لمبا عرصہ گذر جانے کی وجہ سے یہودی گھبرا گئے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

سے کہا۔ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا [۱۱۳] یعنی اے موسیٰ! یہ جنگل کی کھمبیاں اور بوٹیاں کھانی اور شکاری پرندے پکڑ کر کھانے ہمیں پسند نہیں۔ ہمیشہ ایک ہی کھانے پر ہم کب تک صبر کرتے چلے جائیں۔ پس تُو اپنے ربّ سے کہہ کہ وہ ہمارے لئے وہ چیزیں پیدا کرے جو زمین اُگاتی ہے جیسے سبزی، ککڑیاں، کھیرے، ساگ، گندم دالیں اور پیاز وغیرہ۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ۚ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ [۱۱۴] یعنی اے لوگو! کیا تم اچھی چیز کے بدلہ میں ادنیٰ چیز لیتے ہو؟ اگر تمہاری ایسی ہی خواہش ہے تو جاؤ کسی شہر میں چلے جاؤ وہاں جو کچھ تم مانگ رہے ہو وہ تمہیں مل جائے گا۔ سو اُن کے اِس قول کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن پر ذلّت اور مسکینی نازل کی اور خدا تعالیٰ کے غضب نے اُن کے گھروں میں ڈیرے ڈال دیئے۔

دیکھو! اس آیت میں ترکاریاں مانگنے کے خلاف کتنی شدّت سے غصّہ کا اظہار کیا گیا ہے حالانکہ ترکاری بُری چیز تو نہیں اچھی چیز ہے۔ خود قرآن شریف نے میووں وغیرہ کی تعریفیں کی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ترکاری پسند تھی۔ قرآن شریف میں حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ اُن کے لئے خدا تعالیٰ نے کدو کا درخت اُگایا یعنی وہ اُس کا پانی پی پی کر طاقت حاصل کرتے تھے۔ تو جب قرآن شریف اور حدیث میں کئی ترکاریوں کی تعریف آئی ہے اور وہ بھی خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہیں تو اتنا غضب اُن پر کیوں نازل کیا گیا۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ یہودی لوگ اُس وقت دشمنوں سے جنگ کر رہے تھے۔ اُن کے قومی حالات کے مناسبِ حال یہی پیشہ تھا کہ شکار کرتے، جانور پکڑتے، خود رو سبزیاں کھاتے اور ہر وقت جنگ کے لئے تیار رہتے۔ اگر وہ کھیتی باڑی میں مشغول ہو جاتے تو لازماً اُن کا سفر وہیں رُک جاتا اور کنعان جانے سے پہلے پہلے ہی وہ ایک چھوٹا سا قبیلہ بن کر اپنے اِردگرد کی اقوام میں مدغم ہو جاتے۔ یہی بات ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے جس کو بگاڑ کر کچھ کا کچھ کر دیا گیا ہے۔ ابن تین کا مفہوم بھی یہی ہے کہ زمیندار بوجہ اِس کے کہ اپنی جگہوں سے ہل نہیں سکتے

اور زمینوں کی ملکیت کی وجہ سے اپنے مقام کو چھوڑ نہیں سکتے بادشاہ اُن پر زیادہ ظلم کر سکتے ہیں۔ تاجر پر اتنا ظلم نہیں کیا جا سکتا۔ صناع پر اتنا ظلم نہیں کیا جا سکتا تاجر اپنی تجارت نسبتاً آسانی کے ساتھ دوسرے ملک میں منتقل کر سکتا ہے۔ اِسی طرح صناع اپنے ہتھیار لے کر دوسرے صوبہ یا ملک میں جا سکتا ہے لیکن زمیندار اپنی زمین اُٹھا کر نہیں لے جا سکتا اس لئے وہ مجبور ہے کہ پولیس کے انتظامی افسروں کے، زراعتی افسروں کے اور تعلیمی افسروں کے ظلم سہے اور ڈالیوں سے اُن کے گھر بھرتا رہے، مگر اس وجہ سے اپنے گھر میں بیٹھا رہے کہ میں اپنی زمین چھوڑ کر کہاں جاؤں۔ پس ابن تین نے کسانوں کی حالت کا نقشہ نہیں کھینچا بلکہ زمیندار کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے جو زمین کا مالک ہوتا ہے اور وہی ہے جو زمین چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ ورنہ کسان تو زمیندار سے زیادہ آزاد ہوتا ہے اگر کسی علاقہ میں اُس پر ظلم ہو تو وہ اُس کو نسبتاً آزادی سے چھوڑ سکتا ہے۔

گیارھواں باب

سندھ زمیندارہ کمیٹی اور مسلم لیگ کی زمیندارہ کمیٹیوں کی رپورٹوں کی بعض خامیوں پر عقلی بحث

مرکزی مسلم لیگ زراعتی کمیٹی نے جو رپورٹ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے پاس کی ہے اُس کا جو خلاصہ مَیں نے اخباروں میں پڑھا ہے اُس میں علاوہ اُن دینی خامیوں کے جن میں سے بعض کا مَیں اُوپر ذکر کر چکا ہوں مجھے عقلی طور پر بھی ایک خامی نظر آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اُس میں وقف جائیدادوں کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ فرض کریں کہ اسلام افراد کے پاس جائیدادیں جائز نہ بھی سمجھتا ہو تو بھی وقف تو اسلام کا ایک ضروری حصہ ہے اور افراد کی تعلیمی اور تربیتی اور مذہبی جدّ و جہد کے لئے اور اُن کے اندر ترقی کی رُوح قائم رکھنے کے لئے اور مُلکی خدمت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے اسلام نے وقف کا اصول تسلیم فرمایا ہے۔ شروع اسلام سے برابر وقف ہوتے چلے آئیں ہیں۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے ماتحت صحابہؓ نے وقف کئے اور حضرت طلحہ انصاری اور حضرت عمر خلیفہ دومؓ نے اِس میں حصہ لیا۔ اگر وقف کی جائیدادیں بھی چھین کر لوگوں میں تقسیم کر دی جائیں تو قطع نظر اِس کے کہ ایسا کرنا شریعت کے خلاف ہوگا۔ قومی روح کے بھی خلاف ہوگا۔ اِس کے یہ معنی ہوں گے کہ ملک میں ایک TOTALITARIAN یعنی حاویِ کُل حکومت (حکومت مانعہ کافہ) ہو جس کے باہر کوئی جدوجہد باقی نہ رہے۔ حالانکہ جہاں ملک کی ترقی کے لئے اتحاد ضروری ہے، جہاں ملک کی ترقی کے لئے حکومتی کاموں کے لئے ایک مرکزی نقطہ کی ضرورت ہے وہاں افراد میں ترقی کی رُوح کو زندہ رکھنے اور بیداری کے جذبات کو اُبھارنے کے لئے انفرادی اور آزاد اجتماعی جدوجہد کا قائم رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔

جو لوگ کمیونسٹ خیالات کے ساتھ اتحاد رکھتے ہیں لیکن ابھی کمیونسٹ نہیں ہوئے اُن کا

آخری نقطہ یہی ہوتا کہ گو ہم کمیونسٹ خیالات سے متاثر ہیں لیکن ہم اُن کی TOTALITARIAN یعنی حاوی کل حکومت کے مخالف ہیں۔ اِس نظام کے ساتھ انسان کی آزادی ضمیر اور ترقی کی خواہش بالکل کچلی جاتی ہے اور وہ ایک آلہء بے جان ہو کر رہ جاتا ہے۔ کوئی عقلمند شخص بھی دنیا میں ایسا نہیں جو اس نکتہ میں کمیونسٹ اصول کے ساتھ متفق ہونے کے بعد کمیونزم سے باہر رہا ہو۔ جب کوئی شخص اس نکتہ کو تسلیم کر لیتا ہے تو لازماً پکّا کمیونسٹ ہو جاتا ہے کیونکہ کمیونزم کے خلاف انسانی دماغ کے جہاد کی آخری خندق یہی ہے۔ اس مورچہ میں کھڑے ہو کر اُسی وقت انسان کمیونزم سے جنگ کرتا ہے جب باقی سارے مورچے کھو چکا ہوتا ہے۔ پس وقف اور آزاد اجتماعی کوشش انسانی دماغ کی آزادی کا اُس کی ترقی کے لئے جدوجہد کا آخری سہارا ہے۔ اگر یہ سہارا بھی کسی قانون کے ماتحت اُڑا دیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ملک میں کوئی بھی آزاد جدوجہد ترقی کے لئے باقی نہ رہے۔ سوال یہ نہیں ہوتا کہ حکومت کے موجودہ افراد کس حد تک قابلِ اعتبار ہیں بلکہ سوال یہ ہوا کرتا ہے کہ آیا اِس بات کا کوئی ضامن موجود ہے کہ ہمیشہ ہی قابلِ اعتبار لوگ برسر اقتدار آتے رہیں گے؟ اور سوال یہ ہوا کرتا ہے کہ موجودہ برسر اقتدار لوگوں کے مرجانے یا کسی حادثہ کا شکار ہو جانے یا بیکار ہو جانے یا کسی بات سے خفا ہو کر خود حکومت سے علیحدہ ہو جانے یا کسی سبب سے جو غلط ہو یا درست ملک کے لوگوں کے ان کو حکومت سے الگ کر دینے کے بعد ملک کے آزاد لوگوں میں سے کوئی طبقہ ایسا بھی ہوگا جو اُن کی جگہ لے سکے؟ اور کوئی طبقہ ایسا بھی ہوگا جس نے آزاد فکر اور غور کے بعد ترقی کے لئے مزید راہیں سوچی ہوں گی؟ یہ امر کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ملک کے مختلف افراد اپنے اپنے نقطۂ نگاہ کے ماتحت آزاد وقفوں اور چندوں کے ذریعہ سے ملک کی ترقی کے متعلق نئے نئے تجارب نہ کرتے رہے ہوں۔ پس وقف کے معاملہ پر مرکزی مسلم لیگ زمیندارہ کمیٹی کا روشنی نہ ڈالنا عقلاً ایک بہت بڑا سُقم ہے، جیسا کہ شرعاً ایک ناجائز فعل ہے۔ اوقاف کے ٹوٹ جانے کے بعد جو اُس قانون کا لازمی نتیجہ ہے جس کا خلاصہ میں نے پڑھا ہے یقیناً کمیونزم کا مقابلہ کرنے کی کوئی رُوح ملک میں باقی نہیں رہے گی اور ملک کا نوجوان جس کی عادت غور کرنے کی ہوگی نہ کہ صرف کتابیں پڑھنے اور اُن پر ایمان لانے کی اِس نتیجہ پر پہنچ جائے گا کہ میرے ملک نے کمیونزم کے

آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔

دوسرا عقلی اور خلاف عدل نقص اِس میں یہ ہے کہ اِس رپورٹ نے جہاں منڈی سے بہت کم قیمتوں پر زائد زمینوں کی ضبطی کی سفارش کی ہے وہاں اُس نے اِس امر کا بالکل خیال نہیں کیا کہ اِس وقت ملک کی لاکھوں ایکڑ زمین ایسی ہے جو لوگوں نے اپنے باپ دادوں سے ورثہ میں نہیں پائی بلکہ خود انہوں نے حکومت سے یا زیادہ سے زیادہ اُن کے باپ نے حکومت سے قیمت دے کر خریدی ہے۔ قطع نظر اِس کے کہ علمائے اسلام کا فتویٰ یہ ہے جیسا کہ میں کتاب کے صفحہ ۱۸۲ پر لکھ آیا ہوں کہ حکومت کی فروخت کردہ زمین نہ صرف یہ کہ کلّی طور پر اس کے اختیار سے باہر چلی جاتی ہے بلکہ وہ زائد ٹیکس سے بھی آزاد ہو جاتی ہے۔ عقل اور انصاف بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص آج سو روپے پر ایک چیز فروخت کر کے دوسرے دن انصاف کے نام پر بیس روپیہ پر وہ چیز واپس لے لے۔ اوّل تو مالکِ زمین کی بتائی ہوئی قیمت پر زمین کا لینا درست ہوسکتا ہے لیکن انصاف کا ادنیٰ درجہ یہ ہوگا کہ جو قیمت زمین کی حکومت نے خود وصول کی ہے کم سے کم اُس قیمت پر تو زمین واپس لے۔ گو اسلام کی رُو سے یہ بھی ناجائز ہوگا۔ فقہ حنفیہ میں یہ لکھا ہے **الاصل انه متی ملک انسان شیئا ملکا تاما بسبب من الاسباب السابقة لایجوزان ینتزع منه ماملکه الا برضاه ولکن قد توجددواع...... وهذه الدواعی تنحصر فی الحالتین...... الاولی ان یکون المالک مدینا دینا واجب الاداء وامتنع عن ادائه امتناعا ادی الی رفع الدائن امره الی القاضی وقال الامام ابوحنیفه لا یجوز الحجر علی المدین ولابیع املاکه جبرا لان فی ذلک اهداما لادمییه...... الحالة الثانی ان یکون الملک محتاجا الیه للمنافع العامة کحفرالانهار...... ولم یقبل المالک مختار بالثمن الذی یتفق علیه مع الحکومة یحکم القاضی بنزع ملکیتها جبرا عنه فی مقابلة ثمن یقدره الخبراء العادلون** [۱۱۵]

یعنی اصل حکم تو یہ ہے کہ جب کوئی انسان کسی چیز کا پورا مالک ہو جائے اُن ذرائع سے جن کا ذکر ہم اُوپر کر چکے ہیں (یعنی ورثہ، ہبہ، وقف، خرید، لاوارثی جگہ پر قبضہ با اجازت حکومت یا بچشم پوشی حکومت) تو اُس سے اُس کی ملکیت کا اُس کی مرضی کے بغیر چھین لینا ہرگز جائز نہیں

لیکن بعض دفعہ ایسے امور پیدا ہوتے ہیں کہ جن کی وجہ سے اس قاعدہ میں کچھ استثنٰی کرنا پڑتا ہے اور یہ وجوہات دو حالتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ پہلی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ کسی چیز کے مالک نے ایسا قرضہ دینا ہو جس کا ادا کرنا ضروری ہو اور وہ اُس کی ادائیگی سے انکار کر دے اور اُس کا قرض خواہ قاضی کے پاس اُس کا معاملہ لے جائے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ نے اِس صورت میں بھی اُس کی جائیداد کو جبراً فروخت کر کے قرضہ ادا کرنا ناجائز قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ جائز قرار دیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو اس کے انسانی حقوق سے محروم کر دیا جائے (گویا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کسی چیز کے مالک سے اُس کی مملوکہ چیز کا لے لینا خواہ حکومت ہی ایسا کرے یا جج کے حکم سے ہی ایسا کیا جائے اِس لئے درست نہیں کہ یہ انسانیت کے حقوق کے منافی ہے۔ لیکن جیسا کہ اُوپر کی عبارت سے ظاہر ہے امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ بعض دوسرے علماء اِس کو جائز قرار دے دیتے)

دوسری صورت یہ ہے کہ بادشاہ ملک کے عام لوگوں کے فائدہ کے لئے جیسے نہروں کا کھودنا ہے زمین لینے پر مجبور ہو اور مالک زمین حکومت کے ساتھ کسی قیمت پر بھی فیصلہ کرنے پر راضی نہ ہوتا ہو۔ تب معاملہ حکومت کو عدالت کے سامنے لے جانا چاہئے۔ تب عدالت ماہر لوگوں کے فیصلہ کے مطابق جو اُس زمین کی رائج الوقت قیمت مقرر کریں اُس مالک سے زمین کو جبراً چھین کر حکومت کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر سکتی ہے۔

اس حوالہ سے ثابت ہے کہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک (اور اس بارہ میں اُنہی کے فتوے موجود ہیں کیونکہ حکومت حنفیوں کے ہاتھ میں رہی ہے) کسی کی زمین کا چھیننا حکومت کے لئے جائز نہیں۔ ہاں اگر ملک کی اجتماعی ضرورتوں کے لئے جیسے نہریں یا سڑکیں یا ریلیں وغیرہ ہیں زمینوں کی ضرورت ہو تو پھر ایسی قیمت پر زمینداروں سے حکومت زمین خرید سکتی ہے جس پر اُس کا اور زمیندار کا باہم سمجھوتہ ہو جائے۔ اگر کسی وجہ سے سمجھوتہ نہ ہو سکے تو پھر حکومت کو عدالت مقررہ کے پاس معاملہ لے جانا ہوگا جو ماہرینِ فن کی ایک کمیٹی مقرر کرے گی جو رائج الوقت قیمت لگائے گی۔ اور اُس قیمت پر زمین جبراً خریدنے کا حق حکومت کو دے گی۔ بغیر عدالت کی اجازت کے اور عدالت کی مقرر کردہ قیمت ادا کرنے کے حکومت جبراً کوئی زمین کسی فرد کی جو

اُس کے ماتحت رہتا ہو نہیں لے سکتی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ہماری حکومت یا دنیا کی کوئی حکومت اِس فیصلہ پر عمل کرے یہ تو حکّام کا کام ہے کہ وہ اپنے لئے قانون تجویز کریں۔ مَیں صرف یہ کہتا ہوں کہ اسلام یا فقہ حنفیہ کے نام پر وہ یہ کام نہ کریں کیونکہ انسان جس چیز کا نام لیتا ہے ذمہ داری اس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ اگر وہ اسلام یا فقہ حنفیہ کا نام لیں گے تو اس فعل کا جو بھی نتیجہ نکلے گا وہ اسلام اور فقہ حنفیہ کی طرف منسوب ہوگا۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ آج اگر کمیونزم کے زور کی وجہ سے اِس قسم کی باتیں پسند کی جاتی ہیں تو وہ دن آنے والا ہے اور ضرور آنے والا ہے جب ان باتوں کو انصافِ محض کی وجہ سے بُرا قرار دیا جائے گا اور کمیونزم کا نظام کلّی طور پر بدل دیا جائے گا۔ اُس وقت ایک مسلمان کے لئے یہ بات دنیا کے سامنے پیش کرنی بڑی مشکل ہو جائے گی کہ وہ بات جو اسلام کے نام پر پیش کی گئی تھی درحقیقت وہ اسلام نے نہیں سکھائی تھی بلکہ کمیونزم کی بعض تعلیموں کو اسلام کا نام دے دیا گیا تھا۔ گذشتہ زمانوں میں ایسی غلطیاں بعض مسلمانوں نے کی ہیں اور آج ہمیں اُن کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔ ہمیں اسلامی تعلیم کو وقتی ضرورتوں اور وقتی تقاضوں سے بالکل آزاد رکھنا چاہیے۔ ہمیں ہر نئی تحریک جو کہ دنیا میں پسندیدہ اور مرعوبِ عام ہو جائے اُس کو اسلام کا نام دے کر کل اسلام کے لئے اعتراضات کے دروازے نہیں کھولنے چاہئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اِس وقت کمیونزم کا خوف دنیا پر طاری ہو رہا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ بڑی بڑی حکومتیں بھی جو اِس وقت کمیونزم کا مقابلہ کرنے کا دعویٰ کر رہی ہیں اُن کے دل اندر سے کھوکھلے ہو رہے ہیں۔ اُردو زبان کا یہ مشہور مقولہ ہے کہ:۔

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

یعنی جب دنیا میں لوگ کثرت سے ایک آواز اُٹھانے لگتے ہیں تو قلوب مرعوب ہو جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ الٰہی فیصلہ ہے اور اِسی طرح ہو کر رہے گا حالانکہ وہ آواز محض ایک رَو ہوتی ہے جیسے بہاؤ کی طرف پانی بہتا ہے لیکن ہمیشہ بہاؤ کی طرف بہنے دینا کوئی عقلمندی نہیں ہوتی۔ جن لوگوں نے یہ کہا کہ پانی بہاؤ کی طرف بہا کرتا ہے اُن کے ملک اُجڑتے رہے لیکن جنہوں نے یہ کہا کہ بے شک پانی بہاؤ کی طرف بہتا ہے لیکن بہاؤ کا بنانا بھی خدا تعالیٰ نے

انسان کے اختیار میں رکھا ہے آؤ ہم نئے بہاؤ بنائیں۔ اُنہوں نے نہریں بنائیں اور نالے بنائے اور ویران ملکوں کو آباد کر دیا۔ پس کوئی شخص میری بات سنے یا نہ سنے۔ مَیں یہ صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں کمیونزم کے خوف کی وجہ سے کوئی بات نہیں کہنی چاہئے۔ اگر کمیونزم اچھی چیز ہے تو اُس سے خوف کے کوئی معنی نہیں ہمیں شوق سے اس کو قبول کرنا چاہئے اور اس کے خلاف سب باتوں کو چھوڑ دینا چاہئے۔ خواہ مذہب کے نام پر کوئی بات کہی جاتی ہو یا کسی اور نام پر۔ جو بات ٹھیک ہے وہ بہر حال ٹھیک ہے لیکن اگر کمیونزم غلط ہے تو محض اس وجہ سے کہ وہ ایک نئی تعلیم پیش کر رہی ہے جس کی وجہ سے عوام الناس اُس کی طرف بھاگے جا رہے ہیں ہمارا اُس کو قبول کر لینا خودکشی کے مترادف ہوگا اور ہمیں بہادروں کی صف میں نہیں بلکہ بُزدلوں کی صف میں کھڑا کرے گا۔

اسلام عیسائیت کی طرح ایسا مذہب نہیں جس نے یہ کہہ دیا ہو کہ شریعت ایک لعنت ہے اور صرف چند اصول بتا دیئے ہوں۔ قرآن کریم اور اسلام نے صرف اصول ہی نہیں بتائے انہوں نے فروع بھی بتائے ہیں اور دنیا کے تمام مسائل قرآن کریم اور احادیث میں موجود ہیں یا ایسی نصوص موجود ہیں جن سے اُن کے متعلق قواعد اخذ کئے جا سکتے لیکن نص کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ سُنّت اُس کی تصدیق کرے۔ پس ہم یہ نہیں کر سکتے کہ قرآن شریف کی بعض آیتوں کو لے لیں اور قطع نظر اس کے کہ قرآن اور حدیث میں اس کی تفصیل کس طرح بیان کی گئی ہیں آپ ہی آپ اُن سے مسائل اخذ کرنے لگ جائیں بلکہ ہمیں اُن کی تفصیلات کو بھی دیکھنا پڑے گا۔ آج کا تعلیم یافتہ آدمی اِس بات سے ڈرتا ہے کہ وہ دنیا کو کیا کہے کہ اسلام نے غریبوں کے اُبھارنے کے لئے کیا کِیا ہے۔ اُس کو اسلام پر عدم تدبّر کی وجہ سے اور کوئی رستہ نظر نہیں آتا صرف وہی رستہ نظر آتا ہے جسے کمیونزم نے پیش کیا ہے۔ یعنی جن کے پاس ہے اُن سے چھین لو اور جن کے پاس نہیں ہے اُن کو دے دو۔ حالانکہ کمیونزم کی بنیاد مادیات پر ہے اور اسلام کی بنیاد روحانیات پر اور علمِ غیب پر ہے۔ کمیونزم نہیں جانتی کہ دنیا کے اندر کیا کیا قوتیں چھپی ہوئی ہیں لیکن اسلام کا خدا جانتا ہے کہ اُس نے انسانوں کے فائدہ کے لئے کیا کچھ اِس دنیا میں بھر رکھا ہے۔ ہم غلط طریقے اختیار کر کے یقیناً اسلام کو بدنام کرتے اور اپنے بھائیوں کو مصیبت میں ڈالنے کا موجب

ہو جاتے ہیں لیکن صحیح طریقے اختیار کر کے ہم اس الزام سے بری اور پاک ہو جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کمیونزم اس اصول سے شروع ہوتی ہے کہ دنیا میں تمام انسان برابر ہیں اس لئے جن کے پاس کچھ زیادہ ہے اُن سے چھین کر غریبوں کو دے دینا چاہیے بلکہ اگر موقع ہو تو جن کے پاس پہلے کچھ تھا اُن کے پاس اب کچھ بھی رہنے نہیں دینا چاہیے۔ اِس عقیدہ کی بنیاد اس بات سے شروع ہوتی ہے کہ کمیونسٹ دنیا کے ذرائع کو محدود قرار دیتا ہے۔ کمیونسٹ اصولِ سیاسیات میں درحقیقت وہی مقام رکھتا ہے جو حیوانیات میں ضبطِ تولید اور عِلْمُ الْاَغْذِیَہ کے فلسفوں کو حاصل ہے۔ اِن دونوں قسم کے فلسفیوں کے نزدیک بھی چونکہ انسان دنیا میں زیادہ ہو گئے ہیں اور مقدارِ پیداوار اس نسبت سے بڑھ نہیں سکتی اِس لئے انسانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو محدود کریں۔ کچھ تو شادیاں دیر کے بعد کریں۔ کچھ ایسے طریقے اختیار کریں کہ اولاد زیادہ پیدا نہ ہو۔ کمیونزم نے سیاسیات میں اِسی فلسفہ کو یہ شکل دے دی ہے کہ چونکہ دنیا کی مقدارِ آمد کم ہے اور انسان زیادہ ہیں جن کے پاس کچھ زیادہ نظر آتا ہے اُن سے چھین کر اُن لوگوں میں بانٹ دینا چاہئے جن کے پاس روپیہ کم ہے۔ لیکن اسلام نہ ضبطِ تولید کی تائید میں ہے اور نہ قلّتِ پیداوار کی تائید میں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بصراحت اِس کو لغو قرار دیا ہے اور قرآن کریم نے اشارۃ النّص سے اِس کو ردّ کیا ہے۔ بظاہر اس موقع پر بھی اعتراض ہوتا ہے کہ پھر دنیا کیا کرے گی؟ نسلیں بڑھتی چلی جائیں گی اور غذائیں کم ہوں گی پھر کیا ہوگا؟ اُس طرح جس طرح کمیونسٹ خیالات سے متاثر انسان کہتا ہے کہ غریب تو مر رہے ہیں تو پھر ہوگا کیا؟

اِن دونوں سوالوں کا جواب قرآن کریم میں بھی موجود ہے اور انسانی تجربہ میں بھی موجود ہے مگر میں اصولی اور تفصیلی بحث اِس جگہ پر نہیں کر سکتا کیونکہ مَیں کمیونزم کے متعلق کتاب نہیں لکھ رہا۔ صرف اِتنی بات اس جگہ پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اسلام اس بات کا مدّعی ہے کہ اگر انسان خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون پر چلے تو خدا تعالیٰ اُس کے لئے ترقی کے نئے راستے کھول دیتا ہے اور یہ کہ دنیا کی بہتری محض قانون کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتی بلکہ انسان کے دماغ کی تربیت کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ تجربہ اس اصول کے اعلیٰ ہونے پر شاہد ہے۔ مغرب قانون کے ذریعہ حکومت کر رہا ہے لیکن باوجود اس کے کہ ظاہر میں اُس کی حالت اچھی نظر آتی ہے وہ

امن اور انصاف کے قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا کیونکہ قانون کے بنانے اور قانون کے چلانے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ انسان قانون سے امن نہیں پاتا بلکہ انسان اُس صحیح رُوح سے امن پاتا ہے جو قانون کو چلاتی ہے۔ اچھے سے اچھا قانون ارادۂ اصلاح کے بغیر لعنت بن جاتا ہے اور بُرے سے بُرا قانون ارادہ اصلاح کے ساتھ کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا دیتا ہے۔ انجیل میں جو یہ آتا ہے کہ مسیحؑ نے کہا کہ شریعت ایک لعنت ہے تو درحقیقت اِس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ خدا کی شریعت ایک لعنت ہے بلکہ اِس کے یہی معنی تھے کہ خدا تعالیٰ کی شریعت کو چھوڑ کر جو لوگ دنیا میں اپنے قانون جاری کریں گے وہ انسانوں کے لئے لعنت بن جائیں گے۔ مسیحؑ نے خدائی الہام سے اُس زمانہ کی مسیحی دنیا کا نقشہ معلوم کر لیا اور اُنہیں نظر آ گیا کہ قانونِ محض کے نام پر حکومت کی جائے گی اور اخلاقی ذمہ داریوں کو چھوڑ دیا جائے گا۔ پس اُنہوں نے کہا کہ قانون ایک لعنت ہے۔ مگر مسیحی آباء نے اُس کا ترجمہ یہ کر دیا کہ شریعت ایک لعنت ہے۔ حالانکہ مسیحؑ خود کہتا ہے کہ میں پہلی شریعتوں کو بدلنے نہیں آیا بلکہ اُن کو قائم کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اور خود کہتا ہے کہ قیامت تک (یعنی بنی اسرائیل کی رُوحانی قیامت تک جو بعثتِ محمدؐیہ کے وقت تک مقدر تھی) شریعت کا ایک شوشہ بھی نہیں بدلے گا۔

بعض باتیں جو زمیندارہ کی اصلاح کے متعلق ہیں اُن کو میں اس کے بعد دوسرے باب میں درج کروں گا۔ اس جگہ پر میں صرف یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ:۔

اوّل: جو اصلاحات تجویز کی گئی ہیں اُن سے کمیونزم کا خطرہ دُور نہیں ہوگا بلکہ بڑھ جائے گا اور امن قائم نہیں ہوگا بلکہ مٹ جائے گا۔ بعض غیر ملک جنہوں نے زمینداری میں اصلاح کی ہے اُن کی نقل ہمارا ملک نہیں کر سکتا اس لئے کہ اُن ملکوں میں زمین زیادہ ہے اور آدمی کم۔ بڑی زمینداریوں کو لوگوں میں تقسیم کرنے کے نتیجہ میں چھوٹے زمینداروں کو اتنی بڑی زمینیں مل گئی ہیں جن سے اُن کا گذارہ چل سکتا ہے لیکن ہمارے ملک میں حالات مختلف ہیں۔ مغربی پنجاب میں بڑے زمینداروں کے پاس صرف ۱/۴ فیصدی زمین ہے۔ اگر زمین تمام زمینداروں میں برابر تقسیم کر دی جائے تو کسی صورت میں بھی ایک ایکڑ فی زمیندار سے زیادہ نہیں دی جائے گی اور ظاہر ہے کہ ایک ایکڑ فی فرد پر ہرگز گذارہ نہیں چل سکتا۔ آجکل پیداوار کی جو قیمت ہے وہ

معمول سے چار گُنے زیادہ ہے اس لئے اُس پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے۔ پچھلے ڈیڑھ سال میں مغربی پنجاب میں گندم کی قیمت بیس روپے من سے گر کر سات سَو روپے من پر آ گئی ہے۔ اگر یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ اِس سے نصف تک قیمت جائے گی زیادہ نہیں گرے گی (حالانکہ پہلی جنگ عظیم کے بعد گندم کی قیمت ایک روپیہ چار آنے من پر آ گئی تھی) تو بھی موجودہ قیمت بہت گر جائے گی۔ اِسی طرح اگر کپاس کی قیمت موجودہ سے نصف پر جا کر ٹھہر جائے تو ایک مربع کا مالک (یعنی چار آدمی کا خاندان سمجھ کر فی فرد چھ ایکڑ نہری زمین کا مالک) اڑتالیس من کپاس اور ۸۰ من گندم کا مالک ہو سکے گا یا آئندہ قیمت کے رُو سے ساڑھے سات سَو روپیہ سالانہ کا مالک اس میں سے وہ اوسطاً ڈیڑھ سَو روپیہ گورنمنٹ کو خراج دے گا (سندھ میں اس سے دُگنا) اور سو روپیہ اُس کے آلاتِ زراعت وغیرہ کے لئے سمجھنے چاہئیں اور سَو روپے جانوروں کے اخراجات کے لئے چار سَو روپیہ باقی رہ گیا۔ گویا ایک مربع کا مالک صرف تینتیس ۳۳ روپیہ مہینہ کمائے گا لیکن چونکہ زائد فصلیں بھی ہوتی ہیں اس لئے ۳۳ کی بجائے یہ سمجھنا چاہئے کہ ایک مربع کا مالک کوئی ساٹھ روپے ماہوار کمائے گا۔ لیکن مجوزہ تقسیم کے بعد جو زمین فی خاندان ملے گی اُس کا مالک صرف پندرہ روپیہ مہینہ کمائے گا۔ کیا کوئی شخص یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ اس سے ملک میں امن قائم ہو جائے گا؟ اس کے تو صرف یہ معنی ہیں کہ زمینداروں کا کچھ حصہ جو پہلے شورش نہیں کرتا تھا اور اپنے اِردگرد کے زمینداروں اور رشتہ داروں کو بھی شورش سے روکتا تھا وہ بھی شورش میں شامل ہو جائے گا۔ گورنمنٹ کی لیبر کمیٹیوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ پچاس روپے کم سے کم ماہوار مزدوری ہونی چاہئے۔ کوئی شخص بھی مغربی پنجاب کی زمین کو برابر تقسیم کر کے مجھے بتا دے کہ کیا پچاس روپیہ ماہوار ہر زمیندار کو مل سکے گا؟ بلکہ میں کہتا ہوں اس آمد کو آدھی کر کے ہی کوئی شخص ثابت کر دے کہ پچیس روپیہ ماہوار ہر زمیندار کو مل سکے گا؟ پس اس تقسیم کی وجہ سے فساد بڑھے گا گھٹے گا نہیں کیونکہ کسانوں میں سے بھی اکثر زمینداروں کے رشتہ دار ہیں۔ وہی چھوٹا زمیندار جو آج زمین کی تقسیم کا حامی ہے کل تقسیم ہونے کے بعد وہ اُس زمین کے متعلق تو خوش ہوگا جو اُس کو دوسرے زمیندار سے چھین کر دی جائے گی لیکن دوسرے گاؤں کے اپنے رشتہ دار زمیندار کی تائید میں ایجی ٹیشن کرے گا جس کی زمین چھینی گئی ہوگی۔

دوم: زمیندار طبقہ کی کوئی نمائندگی حکومت میں باقی نہیں رہے گی کیونکہ زمینداروں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہوگا جو باوقار زندگی شہر میں بسر کر سکے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ غیر زمیندار زمینداروں کے ووٹ خریدیں گے اور ہمارے ملک کا الیکشن تمسخر بن کر رہ جائے گا اور زمیندار کی کوئی نمائندگی حکومت میں باقی نہیں رہے گی۔

سوم: یا یہ ہوگا کہ جو حکومت برسر اقتدار آئے گی زمیندار کا ووٹ اُس کے قبضہ میں ہوگا اور حکومت جبری کا طریق ہمارے ملک میں رائج ہو جائے گا۔ مزید خرابی یہ ہوگی کہ کیسی ہی جبری حکومت ہو وہ کبھی نہ کبھی بدلتی ہے۔ جب بھی کوئی نئی حکومت آئے گی اگر زمیندارہ بغاوت کے بغیر وہ آئی تو وہ زمینداروں کو مزید کچلے گی اس لئے کہ وہ پہلی حکومت کی تائید میں تھے حالانکہ اُن کی پہلی تائید جبری ہوگی طوعی نہیں۔

چہارم: میرے اپنے نزدیک تو اگلی نسل میں ہی زمیندار خود ہی فساد کے لئے کھڑا ہو جائے گا بلکہ شاید اِس سے بھی پہلے۔ میں اگلی نسل اس لئے کہتا ہوں کہ جب زمین تقسیم کر دی گئی تو آئندہ نسل میں زمین کم سے کم دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گی اور آدھا آدھا ایکڑ فی کس رہ جائے گی اور زمیندار کی حالت ایسی ہو جائے گی کہ وہ حکومت کے خلاف سازشوں کو قبول کرنے کے لئے بالکل تیار ہو جائے گا۔ اگر کہا جائے کہ اب موجودہ حالات میں ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ موجودہ حالات میں حکومت والوں نے اپنے اُوپر زمین دلانے کی ذمہ داری نہیں لی ہوئی۔ یہ ذمہ داری انہوں نے قانونِ قدرت پر چھوڑی ہوئی ہے جو کہ طبعی طریقہ ہے۔ جب ایک دفعہ قانونِ قدرت کی ذمہ داری انہوں نے اپنے اُوپر لے لی تو زمیندار ہمیشہ اُن سے مطالبہ کرے گا کہ تم اب اپنی ذمہ داری کو پورا کرو۔ سب سے زیادہ کمیونزم زمیندارہ اصلاح پر زور دیتی ہے اور سب سے زیادہ بغاوت روس میں زمیندار ہی کر رہے ہیں اور اِس کی یہی وجہ ہے کہ حکومت نے اپنے ذمہ ایک ایسی بات لے لی ہے کہ جو خدا تعالیٰ نے کسی کے اختیار میں رکھی ہی نہیں اپنے اختیار میں رکھی ہے۔ اگر ایک ڈاکٹر ایک بیماری کے متعلق کہتا ہے کہ اِس کا کوئی علاج میرے پاس نہیں اِس کا علاج خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور پھر وہ کسی ایسے مریض کا علاج کرتا ہے تو مریض سمجھتا ہے کہ ذمہ داری مجھ پر ہے ڈاکٹر پر نہیں۔ اگر مریض کسی قدر

افاقہ پالیتا ہے تو وہ ڈاکٹر کا شکر گزار ہوتا ہے اور اگر مر جاتا ہے تو اُس کے رشتہ دار کہتے ہیں کہ صاحب! ڈاکٹر نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس کا علاج میرے بس کی بات نہیں۔ لیکن اگر ڈاکٹر یہ کہہ کر کام کرتا ہے کہ اس مریض کا علاج میں خوب جانتا ہوں اور ایسے مرض کو میں عمدگی سے دُور کر سکتا ہوں اور پھر اُس کے ہاتھ سے وہ مریض مر جاتا ہے تو سارے لوگ شور مچاتے ہیں کہ یہ بڑا دھوکے باز اور فریبی ہے۔ پس یہ تقسیم ایک ایسی ذمہ داری حکومت پر عائد کر دے گی جو آئندہ حکومت کو متواتر مصیبتوں میں مبتلا رکھے گی۔

پنجم: مگر دور جانے کی ضرورت نہیں میں تو کہتا ہوں کہ ابھی سے کمیونزم کے ایجنٹ جو ہمارے ملک میں کثرت سے پائے جاتے ہیں ایک نئے رنگ میں ایجی ٹیشن شروع کر دیں گے۔ جب قلیل ترین مقدارِ زمین زمینداروں کے پاس تقسیم کر دی گئی اور یہ تسلیم کر لیا گیا کہ زمیندار کو گزارہ کے قابل رقبہ دینا حکومت کے ذمہ ہے خواہ ملک کے جائز حالات اِس کی اجازت دیتے ہوں یا نہ دیتے ہوں تو فوراً کمیونسٹ اس بات سے فائدہ اُٹھا کر زمینداروں میں یہ تحریک شروع کر دیں گے کہ دیکھو بھائی! تمہاری جائیداد اتنی تھوڑی ہے کہ اِس کی آمد تمہارے گزارہ کے لئے کافی نہیں اس لئے گورنمنٹ کو چھوٹے زمینداروں سے کوئی معاملہ وصول نہیں کرنا چاہئے۔ جب سب زمیندار ہی چھوٹے ہو جائیں گے اور اُنہیں سمجھانے اور روکنے والا کوئی حصہ اُن کی اپنی قوم کا اُن میں نہیں ہوگا تو لازماً یہ تحریک آگ کی طرح زمینداروں میں پھیل جائے گی اور اس ایجی ٹیشن کا جواب پھر حکومت کے پاس کوئی نہیں ہوگا۔ اگر حکومت اِس ایجی ٹیشن کے آگے دب جائے گی تب بھی وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دے گی اور اگر نہیں دبے گی تب بھی وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دے گی۔ کیونکہ ۸۰ فیصدی ملک کی آبادی کمیونزم کی گود میں جا پڑے گی۔

ہر ایک شخص اِس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ کمیونسٹ ایجنٹ زمیندار کو آرام نہیں پہنچانا چاہتا۔ وہ تو اِن باتوں کی جستجو میں رہتا ہے کہ جس سے ملک کے ایک طبقہ میں حکومت کے خلاف جوش پیدا کیا جا سکے۔ پس یہ کبھی نہیں ہوگا کہ اِس قسم کی اصلاح یا میرے نزدیک خرابی پیدا کرنے کے بعد کمیونسٹ خوش ہو جائیں گے اور گورنمنٹ کے ممنون ہوں گے اور آئندہ اپنی کوششیں چھوڑ دیں

گے بلکہ وہ ایک دوسرے کو کہیں گے کہ ہم نے ایک مورچہ فتح کر لیا اب دوسرے مورچہ کو فتح کرنا ہمارے لئے پہلے سے زیادہ آسان ہے۔ اب بڑا زمیندار درمیان میں سے ہٹ گیا اب چھوٹے زمیندار کو سمجھانے والا اُس کا کوئی آدمی نہیں رہا بلکہ وہ خود بھی حکومت کے خلاف مشتعل ہے آؤ اب ہم اُس کو معاملہ اور آبیانہ کے خلاف اُکسائیں تا کہ حکومت کا معاملہ یا اُس کی طاقت دونوں میں سے ایک چیز برباد ہو جائے یا دونوں ہی برباد ہو جائیں۔ اُس وقت واپس لوٹنا حکومت کے لئے نہایت ہی مشکل ہوگا۔

اگر فرض کرو حکومت اُن کا معاملہ بھی معاف کر دے تو پھر بھی کمیونسٹ ایجنٹ یہ شور مچائے گا کہ اشیائے خوردنی کی قیمت بڑھائی جائے تا کہ زمیندار کی حالت اچھی ہو یا گورنمنٹ اپنے پاس سے اُن کے لئے وظائف مقرر کرے۔ غرض یہ قدم بوجہ اِس کے کہ غیر طبعی ہے اور بوجہ اس کے انسان یہ قدم اُٹھا کے وہ چیز اپنے ہاتھ میں لیتا ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے حکومت کو سخت مشکلات میں ڈال دے گا اور آئندہ بے چینی کا دروازہ کھل جائے گا۔ پس میرے نزدیک صحیح طریقہ یہی ہے کہ جو چیز خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے وہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی رہنے دی جائے اور صرف وہی حصہ اپنے ہاتھ لیا جائے جو خدا تعالیٰ نے انسان کے ہاتھ میں رکھا ہے اور جو آج سے پچاس سال بعد بھی اُس کے ہاتھ میں ہوگا اور سو سال کے بعد بھی اُس کے ہاتھ میں ہوگا۔ آسمانی آفات کو انسان نہیں دور کر سکتے آسمانی آفات جب نازل ہوتی ہیں جن میں سے ایک آبادی کا بہت بڑھ جانا اور پیداوار کا نسبتی طور پر کم ہو جانا بھی ہے تو اُس وقت آسمانی تدبیروں کے ماتحت ہی انسان اپنے آپ کو حالات کے مطابق بناتا ہے۔ کبھی ہجرت، کبھی جنگ اور کبھی کوئی اور تدبیر آسمان سے تجویز کی جاتی ہے اور پھر دنیا اپنے آپ کو ایسا محسوس کرتی ہے جیسا کہ ہر چول اپنی اپنی جگہ پر ٹک گئی ہے مگر کچھ عرصہ کے بعد پھر کوئی نیا تغیر پیدا ہوتا ہے اور اس طرح دنیا شروع سے چلی آئی ہے اور آخر تک چلی جائے گی۔ انگلستان پر وہ وقت آیا ہوا ہے اور باوجود اس کی ساری تدبیروں کے جو کمیونزم سے مستعار لی جا رہی ہیں مگر ساتھ ساتھ کمیونزم کو گالیاں بھی دی جا رہی ہیں اُس کا قدم نیچے کی طرف جا رہا ہے اس لئے کہ اُن کاموں کو حکومت نے اپنے ذمہ لے لیا ہے جو اُس کے ذمہ نہیں ہیں اور جن کے متعلق پہلے

زمانوں کے لوگ سمجھتے تھے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور انفرادی طور پر ہم کو اُن کا مقابلہ کرنے کی تدبیر کرنی چاہئے۔ مثلاً بعض زمیندار جب دیکھتے تھے کہ گندم اور کپاس کی پیداوار سے گزارہ نہیں چلتا تو وہ سبزی ترکاری بونے میں لگ جاتے تھے یا باغ اُگانے میں لگ جاتے تھے یا زمینیں چھوڑ کر مزدوریاں کرنے لگ جاتے تھے۔ یہ تبدیلیاں اُن پر گراں نہیں گزرتی تھیں اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اس قسم کے حالات کو بدلنا ہمارا اپنا فرض ہے اور یہ کہ یہ مصیبت قانونِ قدرت کے نتیجہ میں ہے حکومت کی ڈالی ہوئی نہیں اس لئے وہ اُس کے ازالہ کے لئے حکومت کی طرف نہیں جاتے تھے بلکہ اس کے ازالہ کیلئے خود کوشش کرتے تھے لیکن یہی تغیر اگر حکومت کرے تو تمام ملک میں بغاوت شروع ہو جائے جیسا کہ روس میں ہو رہا ہے۔ جب زمینداروں کے حالات خراب ہوتے ہیں اور آبادی زمین سے زیادہ ہو جاتی ہے تو زمینداروں کی ہی نسل کا ایک حصہ خود بخود یہ فیصلے کرنے لگ جاتا ہے کہ ہم اِس ملک کو چھوڑ کر کسی اور ملک میں چلے جاتے ہیں یا ہم زمیندارہ چھوڑ کر مزدوری کرنے لگ جاتے ہیں یا ہم گندم کی بجائے مُولیاں گاجریں بونے لگ جاتے ہیں لیکن یہی کام اگر حکومت اپنے ذمہ لگا لے تو اُس کا قانون ایسے آدمیوں کو ہجرت پر مجبور کر دے گا جو ملک میں رہنا چاہتے ہیں اور ان کو رہنے پر مجبور کر دے گا جو جانا چاہتے ہیں۔ اور اُن آدمیوں کو مُولیاں گاجریں بونے پر مجبور کر دے گا جو گندم بونا چاہتے ہیں۔ اور اُن لوگوں کو گندم بونے پر مجبور کر دے گا جو مولیاں اور گاجریں بونا چاہتے ہیں۔ اور اُن آدمیوں کو مزدوری پر مجبور کر دے گا جو زمیندارہ کرنا چاہتے ہیں اور اُن لوگوں کو زمیندارہ پر مجبور کر دے گا جو مزدوری کرنا چاہتے ہیں۔ انسان کے دل کو یا خدا تعالیٰ پڑھ سکتا ہے یا خود وہ انسان پڑھ سکتا ہے کوئی حکومت یا کوئی دوسرا شخص اُس کو نہیں پڑھ سکتا۔ پس اِس قسم کی تبدیلیاں افراد خود کرتے ہیں۔ ہوشیار حکومت اِس میں اُن کی مددگار بنتی ہے مگر اس کی ذمہ واری نہیں اُٹھاتی۔ مددگار بننے کی صورت میں لوگ اس کے ممنون ہوتے ہیں۔ ذمہ داری اُٹھانے کی صورت میں لوگ اُس کے خلاف ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو شخص ایسا کام کرتا ہے جس کی ذمہ داری اُس پر نہیں وہ احسان کرتا ہے اور جو شخص ایسے کام میں غلطی کر بیٹھتا ہے جس کے ذمہ دار ہونے کا وہ مدعی ہوتا ہے لوگ اُس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ آپ دنیا کی ہر چیز کو بدل سکتے ہیں لیکن آپ

انسانی فطرت کو نہیں بدل سکتے۔ میں وہ چیز آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جو انسانی فطرت کے صحیفہ میں درج ہے۔ اگر آپ بھی غور کریں گے تو اُنہی نتیجوں پر پہنچیں گے جن پر میں پہنچا ہوں۔

اِس باب میں کہنے والی اور بھی بہت سی باتیں ہیں مگر جیسا کہ میں نے کہا ہے یہ کتاب کمیونزم کے متعلق نہیں ہے اِس لئے بعض باتیں ضمنی رنگ میں ہی اس بارہ میں کہی جاسکتی ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے مجھے کمیونزم کے متعلق کوئی اور کتاب لکھنے کی توفیق عطا فرمائی (ایک کتاب میں اِس سے پہلے لکھ چکا ہوں) تو اُس میں میں اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی ان امور پر بحث کروں گا۔ اب میں اختصار کے ساتھ کچھ ایسی تجاویز پیش کرتا ہوں جن سے زمیندار کی موجودہ حالت کے بدلنے میں امداد مل سکتی ہے۔

بارھواں باب

کیا زمیندار کی موجودہ حالت تسلی بخش ہے؟ اگر نہیں تو اُس کی اصلاح کے صحیح طریقے کیا ہیں؟

میری رائے یہ ہے کہ ہمارے ملک کا عام زمیندار جو زمین کاشت کرتا ہے خواہ اپنی ملک کی ہو یا کسی اور کی لے کر کاشت کر رہا ہو ان دونوں کی حالت نہایت کمزور اور خراب ہے اور یقیناً اُن کی مشکلات کو دور کرنا حکومت اور اُن کے اُن بھائیوں کا فرض ہے جو ہاتھ سے زراعت نہیں کرتے۔ میرے نزدیک زمیندار کی یہ خراب حالت (مَیں زمیندار کا لفظ اِس باب میں جب لکھوں گا اس کے معنی زمین سے روزی کمانے والے شخص کے ہوں گے کسان یا غیر کسان کا امتیاز نہیں ہوگا) کئی اسباب سے ہے۔ جن میں سے موٹے موٹے اسباب یہ ہیں:۔

(۱) زمیندارہ طریق میں نقص یعنی زمیندار اُن تمام طریقوں کو استعمال نہیں کرتے جن کے ذریعہ مغربی ممالک کے زمیندار آمدن پیدا کر رہے ہیں۔

(۲) سڑکوں اور ذرائع آمد و رفت کی کمی۔

(۳) صنعت و حرفت کا کم ہونا اور بے موقع ہونا۔

(۴) زمینداروں کی مزدوری کے کاموں سے نفرت۔

(۵) زمینوں کے مالکوں کا زمین کاشت کرنے والوں سے جابرانہ سلوک۔

(۶) زمینوں کی حکومت کی طرف سے وقت پر نگہداشت نہ ہونا۔

(۷) کاشت کے متعلق گورنمنٹ کی طرف سے زمینداروں کو صحیح راہنمائی نہ ملنا۔

(۸) ملک کی اُفتادہ زمینوں کو قابل کاشت نہ بنانا۔

(۹) افسروں کی ناواجب لُوٹ کھسوٹ۔

(۱۰) زمیندار کا طبعاً فخر و مباہات کا شکار ہونا۔

(۱۱) مقدمہ بازی

(۱۲) روپیہ کا بوقت ضرورت مہیّا نہ ہوسکنا۔

(۱) زمیندارہ طریق میں نقص

اب میں باری باری ایک عنوان کو لے کر مختصراً اُس کو بیان کرتا ہوں۔

میں سالہا سال سے مغربی ممالک کے زمیندارہ کے متعلق تحقیقات کر رہا ہوں اور وہاں کی پیداوار کے متعلق بھی میں نے کتابیں دیکھی اور پڑھی ہیں اور بحث و مباحثہ اور مطالعہ کے بعد میں اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہمارے ملک کے زمیندارانہ تمدّن اور مغربی ممالک کے تمدّن میں جتنا فرق ہے اُس کا سبب یہ نہیں کہ غیر ملکوں کی پیداوار ہمارے ملک سے بہت زیادہ ہوتی ہے بلکہ یہ ہے کہ غیر ملکی زمیندار اپنی مملوکہ جائیداد کے ہر حصہ کو ہر طریق سے آمدن پیدا کرنے میں لگاتا ہے جبکہ ہمارا زمیندار ایسا نہیں کرتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ امریکہ کا زمیندار مزدور سو ڈالر سے ڈیڑھ سو ڈالر تک ماہوار کماتا ہے۔ وہاں کی فی ایکڑ پیداوار زیادہ سے زیادہ یہاں سے دگنی فرض کر لینی چاہئے۔ پس سوال یہ ہے کہ باوجود اس کے اتنی رقم مزدور کو کس طرح دی جاتی ہے؟ ظاہر ہے کہ یا تو مزدور زیادہ کام کرتا ہے یا پھر کھیتی باڑی کو ایسے طریق پر چلایا جاتا ہے کہ علاوہ فصل کی آمدن کے اور آمدنیں بھی اُس سے حاصل ہوتی ہیں۔ اب تک ہمارے ملک کی طرف سے زمیندارہ اصلاحات کے لئے جتنے مشن بھی غیر ممالک کو جاتے ہیں وہ بڑی بڑی انسٹیٹیوٹ اور بڑے بڑے فارموں کو دیکھ کر واپس آجاتے ہیں حالانکہ اصل چیز دیکھنے والی یہ ہے کہ جن ملکوں میں زمینیں تھوڑی ہیں

الف اُن میں عام طورِ پر فی کس کتنے ایکڑ زمین زمیندار کے پاس ہے۔

ب اُس ملک کی زمین میں کن کن چیزوں کی کاشت کی جاتی ہے۔

ج فی ایکڑ کاشت شدہ اجناس کتنی کتنی پیدا ہوتی ہیں۔

د منڈی میں اُن اجناس کی کیا قیمتیں ہیں۔

ہ کیا اجناس کی قیمتوں کی میزان اتنی رقم کو پہنچتی ہے جس رقم میں مغربی ممالک کا زمیندار گھرانہ گزارہ کرتا ہے اور کیا وہ میزان ہمارے ملک کی میزان کے مطابق ہے؟ اگر نہیں تو

باہم کتنا تفاوت ہے۔

و اگر زمین کی اجناس کی پیداوار اُس رقم سے کم رہتی ہے کہ جس میں زمیندار گزارہ کرتا ہے یا کر سکتا ہے تو باقی رقم اُس کے پاس کہاں سے آتی ہے۔

جہاں تک میرا خیال ہے ایسے بہت سے ممالک پائے جاتے ہیں جن کی اقتصادی حالت ہم سے اچھی ہے لیکن جن کی زمینداری فی خاندان اُس سے زیادہ نہیں ہے جتنی کہ ہمارے ملک کی ہے۔ ابھی ہمارے ایک دوست اٹلی سے آئے ہیں اُن کی شادی ایک انگریز کے ہاں ہوئی ہوئی ہے۔ جنگ کے بعد اُن کے ذرائعِ آمد بند ہو گئے تھے۔ مَیں نے اُن سے پوچھا کہ اُن کا گزارہ کس طرح چلتا تھا؟ اُنہوں نے کہا کہ ہر قسم کی اشیاء خوردنی میرا خسر بھجوا دیتا تھا۔ مَیں نے اُن سے پوچھا کہ اُن کے خسر کی کیا جائیداد ہے؟ اِس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ اُن کے خسر کے والد نے کسی وجہ سے اپنے بیٹے کو ورثہ سے محروم کر دیا تھا اور جائیداد اپنی بیٹی کو دے دی تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد بھائی کی حالت خراب دیکھ کر بہن نے بھائی کو اٹلی کی جائیداد سپرد کر دی جو تیرہ چودہ ایکڑ کے برابر ہے اور اس پر تین ہاری یا کسان کام کر رہے ہیں۔ وہ تینوں ہاری اچھی حالت میں ہیں اور اُن کا خسر بھی اس جائیداد سے گزارہ کرتا ہے اور اُن کی بھی امداد کرتا ہے اور کچھ آمدن اپنی بہن کو بھی بھیجتا ہے۔ میرے لئے یہ نہایت ہی حیرت انگیز بات تھی۔ میں نے اُن پر جرح کی کہ اتنی تھوڑی سی زمین سے اس قدر آمدن پیدا کس طرح ہو سکتی ہے۔ یہ تو نہیں کہ یورپ کی زمینیں بیس بیس گنے غلّہ پیدا کرتی ہوں۔ چونکہ وہ واقف نہیں تھے پہلے وہ میرے سوالوں کا جواب نہیں دے سکے لیکن آخر کرید کرید کر مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہاں کا فارم باغ بھی ہے، کھیت بھی ہے، سؤر پالنے کی جگہ بھی ہے، شہد کی مکھیاں پالنے کی جگہ بھی ہے، مرغیاں پالنے کی جگہ بھی ہے، گائے پالنے کی جگہ بھی ہے اور غلّہ کے علاوہ سبزی ترکاری بھی اُس میں سے پیدا کی جاتی ہے اور زمین کے ایک ایک چپے کو اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ زمین سونا اُگلنے لگ جاتی ہے۔ اِسی قسم کی گواہیاں مجھے دوسرے لوگوں سے بھی ملی ہیں اور بعض کتابیں بھی میں نے اِس بارہ میں پڑھی ہیں جن سے اِس کے مطابق حالات معلوم ہوتے ہیں۔ حال ہی میں ہمارے ایک نومسلم دوست نے انگلینڈ میں زمین مقاطعہ پر لی ہے اور ایک ملازمت جو

ہمارے پاکستان کے نقطۂ نگاہ سے نہایت اچھی ملازمت کہلائے گی اُسے چھوڑ کر اُنہوں نے زمیندارہ شروع کیا ہے۔ مجھے اُن کے خطوں سے معلوم ہوا ہے کہ اُس تھوڑی سی زمین سے انہوں نے وہ رقم جو قرض اُٹھا کر مقاطعہ پر خرچ کی تھی اُس کا بھی کچھ حصہ اُنہوں نے ادا کر دیا ہے اور اُن کی مالی حالت ملازمت سے زیادہ اچھی ہے۔ اِن سب باتوں پر غور کرنے کے بعد میں اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ زمیندارہ طریق میں اصلاح کا جو قدم اِس وقت تک حکومت اُٹھاتی رہی ہے وہ صحیح نہیں تھا۔ ہمیں اپنی راہنمائی کے لئے امریکہ نہیں جانا چاہیے جہاں وسیع اور کھلی زمینیں پڑی ہوئی ہیں، نہ رُوس جانا چاہیے جہاں ابھی آبادی کے بڑھنے کے لئے وسیع مواقع موجود ہیں ہمیں اپنے زمینداری طریق کی اصلاح کے لئے اٹلی، جنوبی انگلستان اور جنوبی اور وسطی جرمنی میں جانا چاہیے۔ ممکن ہے فرانس اور سپین سے بھی اور شام اور لبنان سے بھی اِس بارہ میں ہم کو کچھ مدد مل سکے۔ جو وفد اِن ملکوں کے دورہ کے لئے جائیں اُن کو عملی طور پر ایسے کھیتوں میں کام کرنے کی ہدایت ہو جن کی کل زمین دس پندرہ ایکڑ سے زیادہ نہ ہو۔ وہ عملی طور پر معلوم کریں کہ اُن کے مالکوں کی کیا حالت ہے اگر ہمارے ملک سے اچھی حالت ہے تو وہ کس ذریعہ سے بنائی جاتی ہے اور کہاں سے اس کے لئے آمد پیدا کی جاتی ہے۔

جہاں تک میں دیکھتا ہوں ہمارا زمیندار پوری محنت سے کام نہیں لیتا۔ اُس کا بہت سا وقت حُقّہ میں یا اِسی قسم کی اور لغویات میں صرف ہوتا ہے۔ اُس کی گھریلو محبت اتنی مر چکی ہے کہ اگر اُسے اپنے کھانے کے لئے روٹی مل جائے تو وہ اِس کی ذرہ بھی پرواہ نہیں کرتا کہ اُس کی بیوی کا پیٹ بھرا ہے یا نہیں یا اس کے بچوں کا پیٹ بھرا ہے یا نہیں۔ اگر اُس کی بیوی آدھ روٹی بھی اُس کے سامنے کھاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ ہر وقت چرنے سے ہی کام ہے اور کوئی ہوش نہیں۔ اگر وہ کھیت کے کناروں سے چولائی کا ساگ لا کر پکاتی ہے تو وہ یہ نہیں کرتا کہ بیوی بچوں کا حصہ نکالے بلکہ روٹی پر سارا ساگ ڈال کر کھالے گا اور سمجھے گا کہ اب سب ذمہ داریاں ادا ہو گئی ہیں۔ اِس حالت نے اُسے صحیح جذبات سے محروم کر دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اُس کے اندر زندگی کے نئے جذبات پیدا کئے جائیں۔ یہ امید دلا کر کہ خدا تعالیٰ نے اس زمین میں بڑی طاقتیں رکھی ہیں اور کام میں بڑی برکتیں ہیں نہ یہ کہ لوٹ کھسوٹ کی عادت ڈال کر اور لوگوں کا

مال چھین کر اُس کے اخلاق کو اور بھی بگاڑا جائے۔ اُسے ترکاری بونے، شہد کی مکھیاں پالنے، جانور رکھنے اور اُن کے دُودھ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ یورپ کا زمیندار دودھ بلوتا ہے نہ کہ دہی اور یا تو اُس کی بالائی فروخت کر دیتا ہے یا اُس کی بالائی سے مکھن بناتا ہے۔لیکن ہمارا زمیندار دودھ کو کاڑھتا ہے، پھر اُس سے دہی جماتا ہے، پھر اُس کو بلوتا ہے اور بہت سا وقت اپنی بیوی کا اُس میں خرچ کروا دیتا ہے۔ اِسی طرح وہ کھاد جو خدا تعالیٰ نے اُس کے لئے پیداوار کا ذریعہ بنائی ہے اُسے ایندھن کے طور پر خرچ کر لیتا ہے۔ گورنمنٹ کے آفیسر اُس کے سامنے لیکچر دیتے ہیں کہ اِس کھاد کو استعمال نہ کرو یہ قیمتی چیز ہے لیکن وہ کبھی اس پر غور نہیں کرتے کہ کوئی ایسی باقاعدہ جدوجہد کی جائے کہ جس سے زمیندار کو اپنے گھر کی ضرورتوں کے لئے لکڑی آسانی سے مہیا ہو جائے۔

میرے خیال میں وہ جائز ضرورتیں جن کے ماتحت حکومت جبر کر سکتی ہے خواہ عدالت کے ذریعہ سے ہی کیوں نہ ہو اُن میں سے ایک یہ ہے کہ دو تین گاؤں جن کی سرحدات ملتی ہوں اُن میں ایک رقبہ چن کر ایک سوختنی اور تعمیری لکڑی کے درختوں کا ذخیرہ بنایا جائے۔ یا اگر اس میں دِقّت ہو تو ایک ایک گاؤں میں ایسا ذخیرہ بنا دیا جائے تا ایسے قواعد کے ماتحت جو تجویز کئے جا سکتے ہیں مفت یا معمولی سی قیمت پر لکڑی جلانے اور گھروں اور مکانوں وغیرہ کے استعمال کے لئے مل سکے۔ اگر یہ انتظام کیا جائے تو پھر زمیندار کو کھاد سنبھال کر رکھنے کی تلقین جائز بھی ہو سکتی ہے اور شاید وہ کوئی مفید نتیجہ بھی پیدا کرے۔ (میں نے حال ہی میں پاکستان حکومت کا ایک اعلان پڑھا ہے کہ ہر زمیندار ہر ایک ایکڑ میں چار درخت لگائے اور اِس مقدار کو قائم رکھے اور حکومت کی اجازت کے بغیر نہ کاٹے۔ یہ ایک اچھا اقدام ہے لیکن یقیناً اس سے وہ نتائج پیدا نہ ہوں گے جو میری تجویز سے پیدا ہوں گے) یہ تو میں نے ایک مثال دی ہے ورنہ ایسے کئی ذرائع ہیں جن سے کام لے کر زمیندار کے اندر بیداری پیدا کی جا سکتی ہے اور اُسے محسوس کرایا جا سکتا ہے کہ یہ کام اُس کے فائدہ کا ہے اور یہ کہ اس ذریعہ کو اختیار کئے بغیر وہ کبھی بھی اپنے قدموں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ کام ایسا نہیں کہ جو بڑے بڑے محکمے بنا کر کیا جائے۔ میری رائے میں ہمارے بہت سے کام اس لئے رہ جاتے ہیں کہ ہم اُن کے لئے بڑے بڑے محکمے بنا دیتے ہیں۔

زمیندار اور ان محکموں کے افسروں میں اُتنا ہی بعد ہوتا ہے جتنا زمین کے رہنے والوں اور سورج کے درمیان بُعد ہے۔ میں نے سر میکلیگن کے زمانہ میں اُن کو اِس نقص کی طرف توجہ دلائی تھی اور میرے کہنے پر انہوں نے سب انسپکٹر زراعت اور زراعتی مقدموں کا طریقہ جاری کیا تھا لیکن وہ طریقہ بھی کامیاب نہیں ہو رہا کیونکہ اب تک اس محکمہ اور زمیندار میں برابری کا تعلق قائم نہیں ہوا۔ ابھی تک ہمارا زمیندار اتنا گرا ہوا ہے کہ ایک مقدم بھی اُس کیلئے ایک سرکاری افسر ہے اور بجائے اُس سے کچھ سیکھنے کے وہ اُس کی آمد پر اُس کی روٹی پانی کے فکر میں ہی اپنا وقت گزار دیتا ہے۔

(۲) سڑکوں اور ذرائع آمدورفت کی کمی

دوسری چیز جس کی وجہ سے ہمارا زمیندار ترقی نہیں کر رہا اور نہیں کرسکتا وہ یہ ہے کہ دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں ہمارے ملک میں سڑکوں اور دوسرے ذرائع آمدورفت کی بہت کمی ہے۔ پنجاب میں تو صرف چھوٹے دیہات میں یہ دِقّت ہے مگر سندھ میں تو یہ حالت ہے کہ بڑے بڑے قصبات اور سینکڑوں میل کے علاقے بغیر سڑکوں کے ہیں۔ سندھ کے ایک نہایت ہی اہم ضلع میں جماعت احمدیہ کی طرف سے خیراتی کاموں کے لئے بہت سی زمین خریدی گئی۔ وہاں کچھ زمین میں نے بھی خریدی ہوئی ہے۔ ہمیں ایک جگہ سے دوسری جگہ پر جانے کے لئے کوئی سڑک میسر نہیں صرف نہر والوں کی مہربانی سے ہم ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکتے ہیں ورنہ شاید ہوائی جہاز کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ لیکن جب ہمارے زمیندار ہوائی جہاز رکھ سکیں گے تو شاید میرا یہ باب اُس وقت ایک بے کار چیز سمجھا جائے گا۔ اس بات کا نتیجہ یہ ہے کہ سبزی ترکاری اور پھل لوگ نہیں بو سکتے کیونکہ یہ چیزیں سڑ جاتی ہیں اور کسی ایسی جگہ پر نہیں پہنچ سکتیں جہاں اس کے خریدار موجود ہوں۔ اور دوسرا نقص یہ ہوتا ہے کہ شہر کے لوگوں کے پاس بھی سبزی ترکاری کم پہنچتی ہے اُن کو سبزی ترکاری کے استعمال کی عادت نہیں رہتی۔ اس لئے اگر کسی وقت سبزی وہاں پہنچ بھی جائے تو وہ اُس کے خریدنے سے بے رغبتی اختیار کرتے ہیں۔ تیسرا نقص یہ ہوتا ہے کہ زمیندار چونکہ سبزی ترکاری محض اس لئے بوسکتا ہے کہ اُس کے بدلہ میں اُسے روپیہ ملے۔ جب اُس کی سبزی ترکاری نہ منڈی تک پہنچ سکتی ہے نہ فروخت ہوسکتی ہے تو وہ

سبزی ترکاری بوتا ہی نہیں اور اُس فائدہ سے محروم ہو جاتا ہے جو سبزی ترکاری کو بونے کی صورت میں اور اس کا کچھ حصہ خود اپنے گھر میں استعمال کر کے وہ اٹھا سکتا تھا اور جس کی وجہ سے اُس کے تمام افراد میں ایک بیداری اور ہوشیاری پیدا ہو سکتی تھی۔

(۳) صنعت وحرفت کا کم ہونا اور بے موقع ہونا

تیسری وجہ زمینداروں کی حالت کی خرابی کی یہ ہے کہ ہمارے ملک میں صنعت وحرفت کی بہت کمی ہے۔ یورپ کے لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ تمہارا ملک زراعتی ہے تمہیں زراعت کی طرف توجہ کرنی چاہیے لیکن وہ اِس بات کا جواب نہیں دیتے کہ ہم زمین لائیں کہاں سے؟ ہمارا ملک بے شک زراعتی ہے لیکن جتنے آدمیوں سے ہمارے ملک کی زراعت کے کام کو چلایا جاسکتا ہے اُس سے زیادہ آدمی ہمارے ملک میں پایا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک روپیہ کے پیدا کرنے پر بجائے ایک آدمی کے ہمارے دو یا تین آدمی لگے ہوئے ہیں۔ اُن دو یا تین آدمیوں کو آسانی کے ساتھ دوسرے کاموں کے لئے فارغ کیا جاسکتا ہے۔ مگر اُن کے لئے اور کام کوئی نہیں اِس لئے وہ بجائے بے کار بیٹھنے کے اپنے بھائی کے ساتھ اُس کا ایک ہی لقمہ بانٹنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

درحقیقت زمین کا بڑھانا یا آدمیوں کا کم کرنا دونوں میں سے ایک قانونِ قدرت کے خلاف ہے اور دوسرا قانونِ شریعت کے خلاف ہے۔ پس اِس کا علاج جو آج بھی کام دے سکتا ہے اور آج سے ہزار سال بعد بھی کام دے سکتا ہے وہ یہی ہے کہ صنعت وحرفت کو ترقی دی جائے اور صنعت وحرفت کو ایسے طور پر ملک میں پھیلایا جائے کہ زائد زمیندار آبادی آسانی سے اُس طرف متوجہ ہو سکے۔ صرف بڑے بڑے شہروں میں صنعت وحرفت کا محدود کر دینا یا تو اُن ملکوں میں ممکن ہوتا ہے جو بہت چھوٹے ہوتے ہیں اور جن کی ساری آبادی سمٹ کر شہروں میں آجاتی ہے۔ جیسے انگلینڈ، ہالینڈ اور بلجیئم۔ اور یا پھر ایسے ملکوں میں ممکن ہوتا ہے جہاں صنعت وحرفت اور زمینداری کو متوازی ترقی کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ دونوں آزادانہ ترقی کر سکتی ہیں۔ جیسے یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ، کینیڈا یا ارجنٹائنا۔ یا ایسے ملکوں میں ممکن ہوتا ہے جو ملک یہ فیصلہ کر چکے ہوتے ہیں کہ زمینداری کی طرف توجہ کرنا ہمارے لئے بالکل عبث ہے ہم اس میں کامیاب

ہو ہی نہیں سکتے۔ ہمارا ملک ان تینوں ملکوں میں سے نہیں اِس لئے ہمارے ملک کی صنعت وحرفت تبھی پورے طور پر فائدہ پہنچا سکتی ہے جبکہ اُسے ملک میں ایسے طور پر پھیلایا جائے کہ زمیندار آبادی اپنے کاموں کو چھوڑے بغیر صنعت وحرفت میں مزدوری کر سکے اور اُس کی دلچسپیاں اپنی زراعت کے ساتھ بھی باقی رہیں۔ غور کرنے سے کئی قسم کی صنعتیں ایسی نکل آئیں گی جن کو ملک میں پھیلایا جاسکے اور اِس کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ حکومت کو مجبوراً ذرائع حمل ونقل کو وسیع کرنا پڑے گا۔

(۴) زمینداروں کی مزدوری کے کاموں سے نفرت

ایک وجہ زمینداروں کی غربت کی اُن کی مزدوری کے کاموں سے نفرت ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ زمیندار خواہ کتنا غریب ہے ہمارے ملک میں اس کے دل میں یہ احساس پیدا ہوگیا ہے کہ وہ سب سے معزز وجود ہے اور مزدور کا نام کمین رکھ دیا گیا ہے۔ اب یہ سردار کمین بننے کی طرف کبھی رغبت نہیں کرسکتا۔ یہ قومی برتری اور قومی کمتری کے غیر متناہی سلسلے جو ہمارے ملک میں پیدا ہیں جب تک اِن کو بڑے زبردست پراپیگنڈہ کے ساتھ ختم نہ کیا جائے گا اُس وقت تک زمیندار کا احساسِ برتری تو پرورش پاتا جائے گا لیکن وہ اور اُس کا خاندان پرورش نہیں پا سکے گا۔

(۵) زمینوں کے مالکوں کا زمین کاشت کرنے والوں سے جابرانہ سلوک

ایک موجب دوسرے کی زمین ٹھیکہ پر لے کر کاشت کرنے والے زمیندار کی کمزوری کا یقیناً یہ بھی ہے کہ بعض بڑے زمیندار اُن پر سختی کرتے ہیں۔ پہلے تو یہ بات بہت زیادہ تھی اب بہت کم ہے لیکن اب بھی ایک حد تک بیگار رائج ہے۔ اسلامی اصول کے مطابق یہ چیز بالکل ناجائز ہے بلکہ اگر مقاطعہ کی شرطوں میں بھی بیگار داخل ہو تب بھی وہ ناجائز ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر معیّن مبادلہ کو ناجائز قرار دیا ہے جیسا کہ میں اوپر حدیثوں سے ثابت کر چکا ہوں اور بیگار ایک غیر معیّن مبادلہ ہے اور علاوہ ظلم کے جوئے کا رنگ رکھتا ہے۔ پس حکومت اگر بیگار کو سختی کے ساتھ روکے یا اُس کو قانون کے ساتھ بند کرے اور اس کے لئے سزائیں مقرر کرے تو یہ بالکل جائز ہوگا۔ اِسی طرح زمیندار اور اُن کے گماشتے اِس بات کو جائز سمجھتے ہیں کہ کھڑے

کھیت میں سے بعض چیزیں لے لیں اور اس کو وہ اپنے اقتدار کی ایک علامت خیال کرتے ہیں یہ بات بھی ناجائز ہے۔ جب کسی شخص نے کوئی زمین مقاطعہ پر لی تو جب تک وہ اُس کے پاس ہے اُس وقت تک شریعت اور انصاف کی رُو سے وہ اُس زمین کا ویسا ہی مالک ہے جیسا کہ خود مالکِ زمین۔ اور جب تک کہ فصل شریعت کے احکام کے مطابق تقسیم نہ ہو زمین کے مالک کو ہرگز کسی قسم کے تصرف کرنے کا اختیار حاصل نہیں۔

اِسی طرح میں دیکھتا ہوں کہ چھوٹے زمینداروں کو جو زمین مقاطعہ پر دی جاتی ہے اُس کے لئے میعاد مقرر نہیں ہوتی۔ بسا اوقات زمین کا مالک ناراض ہو کر اگلے ہی سال مزارع کو جواب دے دیتا ہے۔ چونکہ اِس کی مثالیں کثرت سے پائی جاتی ہیں اس لئے مزارع زمیندار اُس زمین کی مستقل پرورش میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ میرے نزدیک اگر حکومت مزارع زمینداروں اور مالک زمینداروں کے مشورہ کے ساتھ یہ قانون پاس کر دے کہ ہر زمین کا مقاطعہ تین سے چھ سال تک کے لئے ہوگا اس مقررہ عرصہ سے پہلے کسی مزارع زمیندار کو زمین سے بے دخل نہیں کیا جا سکے گا تو یقیناً زمینوں کی حالت پہلے سے اچھی ہو جائے گی اور مالک زمیندار کا ظلم بھی کم ہو جائے گا۔

جیسا کہ میں اوپر اسلامی لٹریچر کے حوالوں میں درج کر آیا ہوں مالک کو اُس کے ملکیتی حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکتا اس لئے دائمی طور پر کسی کسان کو دوسرے کی ملکیتی زمین کا موروثی مزارع نہیں بنایا جا سکتا لیکن فتنہ کو روکنے کے لئے اور مزارع کی محنت کو برباد ہونے سے بچانے کے لئے یقیناً حکومت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اوّل تو باہمی سمجھوتہ سے کوئی ایسا تصفیہ کر دے یا ایک آزاد کمیٹی مقرر کر کے جس میں دونوں قوموں کے بھی نمائندے ہوں اور حکومت کے بھی نمائندے ہوں وہ ایک ایسا قانون بنا دے جس کی وجہ سے مزارع کو اُس کی محنت کے پھل سے محروم نہ کیا جا سکے۔ اور جیسا کہ میں نے لکھا ہے میرے نزدیک تین سے چھ سال تک کی مدت ایسی ہے جس سے کم عرصہ کی صورت میں مزارع اپنے پھل سے محروم ہو جاتا ہے۔ مثلاً نوتوڑ (نو آباد) زمین کی صورت میں جتنی محنت مزارع کو کرنی پڑتی ہے اُس کی قیمت کبھی بھی اُسے ایک دو سال میں نہیں مل سکتی۔ دوسرے کھیتی میں کھاد ڈالنا ایک بڑی محنت چاہتا ہے۔ اِس

میں کوئی شبہ نہیں کہ مالک زمین کھاد کے خرچ میں شامل ہوتا ہے۔ کم سے کم مَیں تو اپنے مزارع زمیندار کے ساتھ اس میں شریک ہوتا ہوں اور جماعت کی جو خیراتی اغراض کے لئے جائیداد ہے اُس میں بھی جماعت کو اُس کے ساتھ شریک کرتا ہوں لیکن باوجود پوری نگرانی کے میں محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے مقرر کردہ نائب مزارع زمینداروں کے ساتھ کامل دیانتداری کا برتاؤ نہیں کرتے۔ کئی دفعہ مجھے احساس ہوا ہے کہ کسی ذاتی جھگڑے کی بناء پر وہ مزارع زمیندار کو اُلجھاؤ میں ڈال دیتے ہیں اور اِس طرح اُس سے وہ زمین چھیننے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جس میں کم سے کم نصف کھاد اُس نے ڈالی تھی۔ یا جس کو نوتوڑ کرنے میں اُس نے اپنے جسم کا خون استعمال کیا تھا۔ میری رائے میں زمیندار اپنے طور پر باوجود دیانتدار ہونے کے اس اصلاح میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ کم سے کم میں باوجود مذہبی دباؤ حاصل ہونے کے کامیاب نہیں ہوسکا اور کئی دفعہ میری ضمیر اس بارہ میں مجھے ملامت کر چکی ہے اِس لئے گو میرے نزدیک ہمیشہ کے لئے بغیر تصفیہ اور بغیر معاوضہ کے مزارع زمیندار کو موروثی نہیں بنایا جاسکتا لیکن شریعت اسلام کی رُو سے اتنے سال کا عرصہ ضرور مقرر کیا جاسکتا ہے جس میں وہ اپنی محنت کا پورا پھل حاصل کر سکے۔ اور چونکہ حیوانی کھاد چھ سال تک زمین کو فائدہ پہنچاتی ہے اور نباتاتی کھاد دو سال تک فائدہ پہنچاتی ہے میری رائے میں اگر یہ قانون پاس کیا جائے کہ کوئی زمیندار اپنے مزارع کو تین سال یا یوں کہو کہ چھ سال تک اُس زمین سے بے دخل نہیں کرسکتا جو کہ اُسے دی گئی ہو تو اِس سے بہت کچھ انصاف قائم ہو جائے گا لیکن ایک نقص پھر بھی رہ جائے گا اور وہ یہ کہ عام طور پر مالک زمنیدار یا اُن کے مختار مزارع زمیندار کو فصل وار زمین بانٹتے ہیں۔ میرا تجربہ ہے کہ اس سے مزارع زمیندار کو بہت نقصان پہنچتا ہے اور وہ کھاد ڈالنے سے گھبراتا ہے۔ اِس رسم کی تائید میں ہمارے آفیسرز بہت سی وجوہات پیش کرتے ہیں جن میں سے بعض وزنی بھی ہیں اور معقول بھی ہیں لیکن میرے نزدیک یہ قطعی بات ہے کہ اِس سے ظلم کا رستہ کھلتا ہے۔ پس میرے نزدیک یہ شرط ہونی چاہیے کہ جب کسی کو زمین مزراعۃ پر دی جائے تو لازماً مالک زمیندار اور مزارع زمیندار کے درمیان ایک گورنمنٹ کے پاس شدہ فارم پر معاہدہ ہوا کرے جس میں وہ ساری زمین اپنے نمبروں سمیت درج ہو جو کاشت کرنے کے لئے مزارع زمیندار کو دی گئی

ہے تا کہ اختتامِ معاہدہ تک وہ نمبر اُس سے نہ لئے جائیں اور وہ اِس یقین سے کاشت کرے کہ کھاد اور زمین بنانے کا فائدہ وہ وقت مقررہ تک ضرور اُٹھائے گا سوائے اِس کے وہ خود اپنی مرضی سے اس زمین کو چھوڑنا چاہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو مزارع زمیندار کی مشکلات اَور بھی دور ہو جائیں گی۔ ان مشکلات کا تجربہ مجھ کو نہری زمینوں میں ہوا ہے ورنہ ہماری پرانی زمینیں جو قادیان اور اُس کے گرد و نواح میں تھیں وہاں مزارع اور ہمارے مختاروں کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہوتا تھا اِس لئے کہ مستقل زمین ہونے کی وجہ سے زمین کے بدلنے یا پانی وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور ہمارے بعض مزارع ایسے تھے کہ باوجود موروثی نہ ہونے کے وہ پچاس یا ساٹھ سال سے اُسی زمین پر قابض چلے آتے تھے جو ہمارے آباء سے اُنہوں نے لی تھی اور چونکہ ہم اپنے مختاروں کو ظلم نہیں کرنے دیتے تھے ہمارے مزارع اتنے دلیر ہوتے تھے کہ وہ بسا اوقات ہمارے سامنے غیر منصفانہ طور پر ہی نہیں بلکہ وحشیانہ طور پر بھی کلام کر لیا کرتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ زمینداروں کے کسی جھگڑے کے سلسلہ میں ایک تحصیلدار میرے پاس بعض ہمارے مزارعوں کو لے کر آیا۔ میں نے تھوڑی سی بات کی تھی کہ ایک مزارع بولا کہ ان کو ہم سے کیا زائد حق ہے۔ میں تو ہنس پڑا لیکن تحصیلدار نے اُس کو ملامت کی کہ اِنہوں نے کس اخلاق سے بات کی ہے اَور تم نے کیسی بدتہذیبی اختیار کی ہے۔ مَیں نہیں جانتا کہ اور لوگوں کے ساتھ پکّی زمینوں میں کیا حالات گزرتے ہیں مگر ہمارا مزارع قادیان اور نواحی کا پوری طرح مطمئن تھا۔ ہاں نہری زمینوں کے تجربہ کے بعد مجھے افسوس ہے کہ مزارع زمیندار کی حالت وہاں ایسی اچھی نہیں جیسی کہ ہونی چاہئے اور اُس کے ساتھ پورا انصاف نہیں برتا جاتا۔

بٹائی وغیرہ کے متعلق جو جھگڑے ہیں میرے نزدیک وہ بھی بغیر اِس کے کہ شریعت کو توڑا جائے یا انصاف کو توڑا جائے طے کئے جا سکتے ہیں۔ جہاں تک ہمارے ملک کے موجودہ زراعتی نظام کا تعلق ہے یہ بات ظاہر ہے اور اِس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نہری زمینوں کو چھوڑ کر بارانی زمینوں سے مزارع زمیندار ایسا گزارہ پیدا نہیں کر سکتا جس کو کہ انسانی زندگی کے معیار کے مطابق کہا جا سکے اِس لئے ایسی زمینوں کی پیداوار میں یقیناً مزارع کا حصہ موجودہ دستور سے زیادہ ہونا چاہیے۔ پنجاب میں مزارع زمیندار ہی سب معاملہ دیتا ہے بخلاف سندھ کے جہاں

سارا معاملہ مالک زمیندار دیتا ہے۔ پس اِس معاملہ میں مغربی پنجاب کی حالت درست کرنی نہایت ضروری ہے۔ لیکن اِس کا طریق یہ نہیں کہ ہم کوئی قانون بنائیں جس سے جبراً یہ اصلاح کریں۔ اِس کا طریق شرعی طور پر نکالا جا سکتا ہے بغیر اِس کے کہ قانونِ شریعت کو توڑا جائے۔ میری اپنی رائے یہ ہے کہ جو بھی تبدیلی ہو اُس میں معاملہ اور آبیانہ مزارع زمیندار کے ذمہ ڈالا جائے ورنہ بہت سی خرابیاں پیدا ہوں گی۔ حکومت کو بھی معاملہ اور آبیانہ کی وصولی میں دقتیں ہوں گی اور مالک زمیندار کو بھی ناقابل برداشت نقصان پہنچے گا۔ پنجاب میں نمبرداری کا طریق رائج ہے اور گورنمنٹ کی طرف سے نمبردار ذمہ دار ہوتا ہے کہ سارے معاملہ کو وقت پر داخل کرے خواہ لوگوں نے وہ معاملہ دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ اور میرا تجربہ ہے کہ ہر سال سینکڑوں نمبردار ذلیل اور خوار ہو کر افسروں کی گالیاں سنتے ہیں اور بعض جیل خانے میں جاتے ہیں اِس وجہ سے کہ وہ وقت پر معاملہ نہیں دے سکے۔ اور جو بچ جاتے ہیں وہ بھی اِسی طرح بچتے ہیں کہ لوگوں سے قرض لے کر معاملہ ادا کر دیتے ہیں یا بیویوں کے زیور بیچ کر ادا کر دیتے ہیں۔ بعد میں بے شک گورنمنٹ بقائے کی وصولی میں اُن کی مدد کرتی ہے لیکن اصل سوال یہ ہے کہ وقت پر اُن کو روپیہ کہاں سے ملے۔ پس میرے نزدیک سب جگہ نہیں بعض جگہ حصہ مالک اور حصہ مزارع میں تبدیلی کرنے کی ضرورت ہے۔ مزارع زمیندار کا حصہ یقیناً بڑھانے کی ضرورت ہے ورنہ وہ تندرستی کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا نہ اُس کا خاندان انسانی وقار کو قائم رکھ سکتا ہے۔ مگر یہ فرق مختلف جگہوں پر الگ الگ ہے کوئی ایک قانون اِس فرق کو دُور نہیں کر سکتا۔ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں تین چار من فی ایکڑ گندم کی پیدائش ہے، کوئی ایسی جگہ ہے جہاں پندرہ سولہ من فی ایکڑ گندم کی پیدائش ہے اور کوئی ایسی جگہ ہے جہاں پچیس چھبیس من فی ایکڑ گندم کی پیدائش ہے۔ میری مراد یہ نہیں کہ ہر ایکڑ کے فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے بلکہ میری مراد اُس اوسطاً پیداوار سے ہے جو پچاس ساٹھ یا سَو میل کے حلقہ میں ہوتی ہے۔ اِس فرق کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے پس کوئی ایک قانون یہ اصلاح نہیں کر سکتا۔ اس کے متعلق ماہرین کی ایک کمیٹی بٹھانی چاہیئے جو مختلف علاقے پیداوار کے لحاظ سے تجویز کریں۔ جس کا یونٹ میرے نزدیک کم سے کم ایک تحصیل کے برابر ہو اور پیداوار کے لحاظ سے یہ تعیین کی جائے کہ یہاں کا مزارع زمیندار کتنی مزید آمد کا مستحق ہے۔ اِسی طرح باقی جنسوں کی پیداوار کے متعلق بھی غور کیا جائے۔ اس کے بعد ہر یونٹ

میں یعنی ہر ایسے حلقہ میں جس کی اوسط پیداوار دوسرے حلقہ سے مختلف ہوگئی ہے کمیٹیاں مقرر کی جائیں جو مالک زمیندار اور مزارع زمیندار کے سمجھوتہ کے ساتھ کسی فیصلہ کی کوشش کریں اور جو فیصلہ ہو جائے اس کے مطابق حصہ مقرر کر دیا جائے لیکن میرے نزدیک یہ مناسب ہوگا کہ مزارع کے حصہ میں گورنمنٹ کا معاملہ شامل ہو۔ مثلاً فرض کرو ایک جگہ پر نصف حصہ پیداوار کا مزارع زمیندار کا سمجھا جائے اور نصف حصہ مالک زمیندار کا۔ تو بجائے اِس کے کہ مالک کو نصف حصہ دِلوا کر معاملہ اُس سے وصول کیا جائے۔ اگر معاملہ کی شرح پندرہ فی صد سمجھی گئی ہے تو مالک کو ۳۵ فیصدی دلوایا جائے اور ۶۵ فیصدی مزارع کو دلوا کر معاملہ اور آبیانہ اس کے ذمہ ڈالا جائے۔ یا فرض کرو کسی علاقہ میں چالیس فیصدی مالک کو دلوانا مناسب ہوتا ہے اور فرض کرو معاملہ کی اوسط یہاں بھی پندرہ فیصدی تک پہنچتی ہے تو مالک کو ۲۵ فیصدی دلوایا جائے اور مزارع کو ۷۵ فیصدی دلوایا جائے لیکن معاملہ اور آبیانہ اُس پر ڈالا جائے۔ اگر معاملہ اور آبیانہ مزارعین کے اُوپر نہ ڈالا جائے گا تو وہ معاملہ اور آبیانہ ادا کرنے سے گریز کریں گے۔ گورنمنٹ مالک زمین کو قید کر سکتی ہے مگر وہاں سے روپیہ پیدا نہیں کر سکتی جہاں روپیہ موجود نہیں۔ لیکن اگر کسی وجہ سے ایسا کرنا مناسب نہ ہو تو پھر حکومت دونوں فریق کے مشورہ سے کوئی اَور مناسب تدبیر تجویز کرے۔ گو یہ شریعت کا مسئلہ تو نہیں مگر جتنی احادیث یا آثار ہمیں ملتے ہیں اُن سے یہ پتہ لگتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ شرح مبادلہ مسلمانوں میں یہی رہی ہے کہ پیداوارِ زمین سے معاملہ اور آبیانہ کی رقم کو الگ کر کے جو باقی بچے وہ مالک اور مزارع میں نصف نصف کیا جائے۔ کئی اَور صورتیں بھی آئی ہیں لیکن جہاں تک میں نے غور کیا ہے اور جیسا کہ اوپر کی احادیث سے ثابت ہے اِس سے زیادہ سخت شرح مسلمانوں میں کوئی ملتی نہیں۔ پس جو بھی سمجھوتہ ہو اُس میں زمینداروں پر واضح کرنا چاہیے کہ اگر تم اسلامی طریق کو اختیار کرنا چاہتے ہو تو اسلامی ملائمت اور نرمی کو بھی اختیار کرو ورنہ منہ سے اسلام لانے کا کیا فائدہ؟

(۶) زمینوں کی حکومت کی طرف سے وقت پر نگہداشت نہ ہونا

میرے نزدیک زمینداروں کی حالت کی خرابی میں بہت بڑا دخل اس بات کا بھی ہے کہ گورنمنٹ کے محکمے زمینوں کی وقت پر

نگہداشت نہیں کرتے اور یہ خرابی پاکستان میں ہندوستان سے زیادہ ہے۔ کیونکہ یہ خرابی ہمیشہ نہری زمینوں میں ہوتی ہے اور پاکستان کا نہری علاقہ نسبتی طور پر ہندوستان سے بہت زیادہ ہے۔ جہاں کہیں بھی نہریں جائیں گی لازماً وہاں کے کچھ علاقوں میں سیم شروع ہو جائے گا اور سائنس کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سیم کے متعلق نہر کھودنے سے بھی پہلے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ کب شروع ہوگا۔ یہ اندازہ اکثر صورتوں میں صحیح ہوتا ہے۔ جب پنجاب میں نہریں کھودی گئیں یا سندھ میں نہریں کھودی گئیں تو ماہرین سائنس نے قبل از وقت بتا دیا تھا کہ اتنے اتنے سال میں یہاں سیم شروع ہو جائے گی لیکن باوجود اس کے حکومت کی طرف سے اُس کا مقابلہ کرنے کی تیاری وقت پر نہ کی گئی۔ اوّل تو ایسی صورت میں نہریں بناتے وقت ایسی احتیاطیں کرنی چاہئیں کہ سیم یا تو پیدا نہ ہو یا کم سے کم پیدا ہو۔ لیکن اگر نہروں کے بنانے میں ایسی احتیاط کرنا بہت سے خرچ کو چاہتا ہو تو کم سے کم معالجاتی تدابیر تو فوراً شروع ہو جانی چاہئیں۔ لیکن نہ حفاظتی تدابیر کی جاتی ہیں اور نہ معالجاتی تدابیر کی جاتی ہیں یہاں تک کہ مرض آ جاتا ہے بلکہ پھیل جاتا ہے۔ اگر وقت پر ان امور کا خیال نہ کیا جائے تو پھر یہ ناقابل حل مسئلہ بن جاتا ہے۔ میرے نزدیک زمینداروں کی حالت درست کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اِس سوال کی طرف پوری توجہ دی جائے۔

(۷) کاشت کے متعلق گورنمنٹ کی طرف سے زمینداروں کو صحیح راہنمائی نہ ملنا

میرے نزدیک زمینداروں کی غربت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حکومت کی طرف سے کاشت کے متعلق صحیح راہنمائی نہیں ہوتی اور اُن کے ساتھ صحیح تعاون نہیں ہوتا۔ محکمہ زراعت تو بن گیا ہے لیکن مختلف محکموں کا آپس میں تعاون کوئی نہیں۔ میں ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں جس سے ملک کو میرے نزدیک کروڑوں روپیہ کا نقصان پہنچا ہے اور وہ یہ ہے کہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ عام طور پر ایک ہی جگہ کا بیج استعمال کرتے رہنا فصل کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اچھی فصلوں کے لئے ضروری ہے کہ مختلف دوسری جگہوں سے بیج منگوا کر ڈالا جائے۔ سندھ کے متعلق تو یہ تجربہ خطرناک حد تک صحیح ثابت ہوا ہے۔ وہاں بیج بڑی جلدی خراب ہو جاتا ہے اور جب اُس میں

بیماری آتی ہے تو وہ عارضی بیماری نہیں ہوتی بلکہ مستقل بیماری ہوتی ہے اور ہر سال لگتی ہے۔ گزشتہ سالوں میں خوراک کے مہیا کرنے کی خاطر دوسری چیزوں کی نقل وحرکت پر پابندیاں لگائی گئی تھیں لیکن اگر سوچا جائے تو چند ہزار من کپاس کا بیج پنجاب سے بھجوا کر اگر سندھ کے اُن علاقوں کی اصلاح کر لی جاتی جن میں وہ بیج کامیاب ثابت ہوسکتا ہے تو ملک کو کروڑوں کروڑ روپیہ کا فائدہ پہنچتا اور چند ہزار من بنولہ بھجوانے سے خوراک کی تقسیم پر کوئی معتد بہ اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ خوراک کی نقل وحرکت کو درست رکھنا بے شک ایک نہایت اہم چیز تھی۔ لیکن دیکھنے والی بات یہ تھی کہ جو نقصان بنولے کے پنجاب سے سندھ جانے پر پہنچتا تھا اُس کے مقابلے میں اِس کا فائدہ کتنا بڑا تھا۔ ممکن ہے کہ ایک لاکھ آدمی کو ایک مہینہ تک ایک پاؤ روٹی اُس سے کم ملتی جو وہ کھاتا تھا لیکن موجودہ صورت میں تو کروڑوں روپیہ کا نقصان ملک کو پہنچ گیا۔ پس یہ کوشش ہونی چاہیے کہ چونکہ زمیندارہ کا سوال ہمارے ملک کے لئے ایک نہایت ہی اہم سوال ہے کیونکہ ہماری زمین محدود اور ہماری آبادی خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت بڑھنے والی ہے اِس لئے اِس مسئلہ کو چوٹی کے مسئلوں میں سے سمجھ کر اِس مشکل کو حل کیا جائے۔

اِسی طرح یہ امر بھی مدنظر رکھنے والا ہے کہ بیجوں پر اِس نقطۂ نگاہ سے بھی غور کیا جائے کہ کلّر اور سیم میں کونسی اجناس پرورش پاسکتی ہیں یا بالکل پانی نہ دینے سے کونسی اجناس پرورش پاسکتی ہیں۔ یہ تین مسائل ہمارے لئے زراعت میں سب سے زیادہ اہم ہیں۔ یا تو ہمیں وہ بیج نکالنے پڑیں گے جو کلّر اور سیم میں پرورش پاسکتے ہیں اور یا ہمیں اِس بات کی طرف توجہ کرنی پڑے گی کہ ایسے بیج نکالیں جو بغیر پانی کے نشو ونما پاسکیں اور نہروں کو محدود کیا جائے تا کہ ہمارا ملک دلدل بن جانے سے بچ جائے ورنہ جس رنگ میں ہمارے ملک میں سیم بڑھ رہی ہے تیس پینتیس سال میں اِس رفتار کے ساتھ اُس کی حالت ایسی ہو جائے گی کہ روپیہ پیدا کرنے والی فصلیں تو الگ رہیں اپنے ملک کے لئے خوراک مہیا کرنا بھی مشکل ہو جائے گا اور زمیندار ہاری کا سوال بالکل مٹ جائے گا سوال ہر پاکستانی کی روٹی کا پیدا ہو جائے گا۔

(۸) ملک کی اُفتادہ زمینوں کو قابلِ کاشت نہ بنانا

زمینداروں کی حالت درست کرنے کے لئے میرے نزدیک ملک کی اُفتادہ زمینوں کے صحیح استعمال کی طرف توجہ کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اِس وقت گورنمنٹ کے پاس بہت سی زمینیں پڑی ہیں اور جو غیر مسلم زمینیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں اُن کا بھی بہت سا حصہ ابھی نکلوانے کے قابل ہے۔ اگر ان تینوں ذرائع سے زمین کو محفوظ کیا جائے یا قابلِ کاشت بنایا جائے تو ابھی سَو سال تک زمیندارہ سوال ہمارے لئے کوئی مشکل پیدا نہیں کرسکتا۔ اگر گورنمنٹ تحقیقات کرائے تو اُسے معلوم ہوگا کہ سندھ میں کئی لاکھ غیر پاکستانی زمیندارہ یا زمیندارہ مزدوری کر رہا ہے۔ یہ لوگ بیکانیر، جیسلمیر، جودھ پور، جے پور، کچھ اور تھل کے علاقہ سے آتے ہیں اور مقاطعہ پر زمینیں لے کر کاشت کرتے ہیں یا زمیندارہ مزدوری کرتے ہیں۔ اگر سندھ میں زمیندارہ مشکلات پیدا ہوچکی ہیں تو اِن آدمیوں کو اُدھر سے بلوانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ آدمی جو زیادہ ہے اور جس کے لئے جگہ نکالنے کی ضرورت ہے وہ اُن لوگوں کی جگہ کام کرسکتا ہے۔ یہ لوگ جو اُدھر سے آتے ہیں بعض صورتوں میں بڑے منظّم ہوتے ہیں اور بعض صورتوں میں کانگرس کے مقرر کردہ افسر اُن کے ساتھ آتے ہیں۔ خطرہ کے وقت میں یہ لاکھوں کی آبادی نہایت ہی خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔ مگر اِس وقت تو میں کہتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ اپنے ملک کی آبادی کے لئے گزارہ کی صورت نہ پیدا کی جائے اور غیر ملک کے لوگوں کو یہ موقع دیا جائے؟ اگر کہا جائے کہ ہمارے ملک میں اتنا آدمی نہیں کہ وہ یہ کام کر سکے تو میں کہوں گا کہ سندھ کے متعلق تو یہ بالکل درست ہے مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ سندھ میں کوئی زمیندارہ سوال نہیں یہ سوال بناوٹی طور پر پیدا کیا جا رہا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ گورنمنٹ کی زمینیں جن میں نئی نہریں نکالی جا رہی ہیں اُن کو فروخت نہ کیا جائے بلکہ صرف مقاطعہ پر دیا جائے اور سوادِ عراق کی مثال سے فائدہ اٹھایا جائے۔ میرے دل میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے خدا خیر کرے کہ (غلط ہو) کہ ہمارے بعض بڑے سیاسی لیڈر دل میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ ابھی ہندوستان سے مسلمانوں کا کوئی اور ریلہ آنے والا ہے اور وہ ان تبدیلیوں سے اُن کے لئے جگہ نکالنا چاہتے ہیں۔ میرے نزدیک تو یہ رائے اُن کی غلط ہے

اس بناء پر نہیں کہ ایسا ریلہ نہیں آ سکتا بلکہ بعض دوسری وجوہ سے۔مگر میں کہتا ہوں ایسے شبہات صحیح بھی ہوں تو وہ بیس تیس لاکھ ایکڑ اَور زمین جو سندھ میں نکلنے والی ہے اُس کو محفوظ رکھا جائے۔ اِسی طرح بلوچستان جس کی زمین آٹھ کروڑ ایکڑ کے قریب ہے اگر وہاں بند لگا کر پانی کے محفوظ کرنے کی تدبیریں کی جائیں تو کم سے کم ستّر اسّی لاکھ ایکڑ زمین تو بڑی آسانی کے ساتھ اور وہ بھی اعلیٰ درجہ کی زرخیز نکل سکتی ہے اور بھی بعض علاقے مغربی پاکستان میں ایسے ہیں جہاں سے نئی زمین پیدا کی جاسکتی ہے۔ اگر ایک مبصّرین کی کمیٹی اِس پر بیٹھے اور وہ ایک مستقل سکیم اِس کے متعلق تجویز کرے تو میری رائے میں ابھی ڈیڑھ کروڑ ایکڑ زمین تو مغربی پاکستان سے چند سال کے اندر پیدا کی جاسکتی ہے۔وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِالصَّوَابِ۔

(۹) افسروں کی ناواجب لُوٹ کھسوٹ

ایک وجہ زمینداروں کی غربت کی یہ ہے کہ افسروں کی ناواجب لوٹ کھسوٹ کا وہ شکار رہتے ہیں۔ مزدور کو جو ناواجب تحفے دینے پڑتے ہیں اس سے زمیندار کو سَو گنے زیادہ دینا پڑتا ہے اور اپنی دماغی بناوٹ کی وجہ سے وہ بدقسمت یہ خیال کرتا ہے کہ افسروں کو کھلا کر اُس کی عزت بڑھ گئی ہے۔ یہ کافی بوجھ زمیندار پر ہے جس کا دور کرنا نہایت ضروری ہے۔ اب تک اِس نیم بر اعظم میں جو ہندوستان کہلاتا تھا اور اب پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم ہے یہ مرض چلتی چلی جارہی ہے اِس کا علاج کوئی نہیں ہوسکا۔ زمینداروں کی آمد کا کافی حصّہ پولیس اور تحصیل کے افسروں بلکہ مَیں نے تو دیکھا ہے کہ ٹیکہ لگانے والوں تک کی نذر ہوتا ہے اور وہ غریب اپنی سادگی میں اِن سب کو صاحب بہادر سمجھتے ہوئے اُن کی خاطر کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں اُسے کچھ زمین عطیہ کے طور پر عطا ہو جائے گی۔ یہ خواب وہ اور اُس کی اولاد دیکھتی چلی جاتی ہے اور گو وہ اور اُس کی نسل اس بات کو سمجھ لیتے ہیں کہ اِس کی کوئی تعبیر نہیں نکل رہی مگر پھر بھی اُن کا ایمان اِس بارہ میں متزلزل نہیں ہوتا۔

مجھے یاد ہے میں ایک دفعہ پنجاب کے ایک گاؤں میں گیا وہاں ایک زمیندار کے گھر میں ہم ٹھہرے اُس نے بڑی لمبی داستان سنائی کہ اُس نے گورنمنٹ کی بڑی بڑی خدمات کی ہیں مگر

ابھی تک اُسے کوئی مربع زمین کا عطا نہیں ہوا۔ حالانکہ اُس کے پاس حکام کے بڑے بڑے سرٹیفکیٹ بھی موجود ہیں۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ کوئی بڑا سرٹیفکیٹ مجھے بھی تو دکھاؤ۔ اُس نے ٹین کا ایک لمبا بھبکا نکلوایا جو بڑی احتیاط سے رکھا ہوا تھا اور اُس میں سے ایک بڑا کاغذ مجھے دکھایا۔ جب میں نے اُس کو دیکھا تو اُس میں ٹیکہ لگانے والے ڈاکٹر نے یہ لکھا ہوا تھا کہ اس شخص نے طاعون کا ٹیکہ کرایا ہے ہم اس کی سند دیتے ہیں۔

اِسی طرح ایک شخص میرے پاس سفارش کے لئے آیا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب مجھ سے کچھ خفا ہوگئے ہیں میری سفارش کریں۔ میں نے گورنمنٹ کی بڑی بڑی خدمات کی ہوئی ہیں اور اُس نے اپنے سرٹیفکیٹس کا رجسٹر میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے جو سب سے آخری سندات تھیں اُنہی پر نظر ڈالی تو اُس وقت کے ڈپٹی کمشنر سے جو پہلے ڈپٹی کمشنر تھا اُس کا ایک سرٹیفکیٹ انگریزی میں لکھا ہوا میری نظر سے گزرا جس کا مضمون یہ تھا کہ یہ شخص ہر وقت افسروں کے پیچھے پڑا رہتا ہے اور بڑی تکلیف کا موجب ثابت ہوتا ہے۔ میں نے اُس سے کہا کہ اِس سرٹیفکیٹ کا مضمون یہ ہے تم نے جب موجودہ ڈپٹی کمشنر کو دکھایا ہوگا تو وہ ضرور تم سے بگڑا ہی ہوگا۔ اِس پر بے ساختہ طور پر اُس نے افسروں کو بُرا بھلا کہا کہ مجھے یہ شکار پر لے جاتے رہے ہیں، خاطریں مجھ سے کرواتے رہے ہیں اور لکھ یہ دیا۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کیونکہ میں انگریزی نہیں جانتا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ زمیندار کی آمدن کا ایک کافی حصہ خود حکام کے پیٹوں میں جاتا ہے۔ اگر اس کو بچایا جائے تو اس سے بھی زمیندار کی حالت بہتر ہو جائے گی۔ ذرا حکومت اپنے خفیہ سراغ رسانوں کو نہروں کے علاقہ میں بھیج کر دیکھے تو سہی کہ جو بہ دائیگی مزدوری بیگار اُن سے لی جاتی ہے حقیقتاً اُس میں سے کتنا حصہ زمیندار کو ادا کیا جاتا ہے۔ سوائے چند بااثر زمینداروں کے اور کسی کو بھی وہ حصہ نہیں ملتا صرف زمینداروں کے انگوٹھے اُس پر لگوا لئے جاتے ہیں۔

(۱۰) زمیندار کا طبعاً فخر ومباہات کا شکار ہونا

ایک وجہ زمیندار کی غربت کی یہ بھی ہے کہ وہ اپنی جبلی بہادری کی وجہ سے قربانی پر دلیر ہوتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے۔ چنانچہ کوئی بھی چندہ ہو زمیندار اپنی دولت کی نسبت سے کہیں زیادہ چندہ دے گا جو تاجر سے پانچ چھ گنا زیادہ ہوگا۔ اسی طرح

شادی بیاہ پر تو بہت زیادہ روپیہ خرچ کر دے گا۔ یہ چیز اُسے مقروض کر دیتی ہے اور لازماً اس کی آمد کا ایک حصہ قرضہ کا منافع ادا کرنے میں خرچ ہو جاتا ہے۔

(۱۱) مقدمہ بازی

ایک مصیبت زمیندار کو غریب کرنے والی اُس کا مقدمہ بازی کا شوق ہے۔ یہ مرض اب تک زمینداروں سے نہیں گئی۔ معمولی معمولی لڑائیاں اور معمولی معمولی جھگڑے جن کو غیر ملک کے لوگ ہنس کر ٹال دیتے ہیں ہمارا زمیندار عدالت میں لے جائے بغیر اُن کو طے کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور پولیس اور وکلاء اِس میں اُس کو شہہ دیتے ہیں کیونکہ ایک کی کارگزاری اور ایک کی آمد اُس کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ حکومت کو ایسے ذرائع نکالنے چاہئیں جن سے یہ مقدّمہ بازی ختم ہو۔ ہمارے ملک میں تو عدالتوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ یورپ میں اتنی عدالتیں نہیں ہوا کرتیں بالعموم آنریری مجسٹریٹوں سے ہی اُن کے کام چل جاتے ہیں اور چند ملازم مجسٹریٹ ملک کا دورہ کر کے سارے ملک کے مقدمات بھگتا دیتے ہیں مگر ہمارے ملک میں تو مجسٹریٹوں اور افسروں کی ایک فوج ہے جس کی مثال دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں پائی جاتی۔ انگریز کو تو اِس کی ضرورت تھی کیونکہ وہ غیر ملکی تھا اور یہاں کے امن کے قیام کے لئے اُس کو غیر طبعی ذرائع اختیار کرنے پڑتے تھے لیکن پاکستان یہی کام لوگوں کی تربیت کے ذریعہ سے کر سکتا ہے۔ صحیح طور پر عوام الناس کی تربیت کی جائے تو مقدمات بھی کم ہو جائیں گے، جھگڑے بھی کم ہو جائیں گے اور پھر پولیس اور مجسٹریٹی بھی کم ہو جائے گی، گورنمنٹ کا روپیہ بھی بچ جائے گا اور زمیندار کا روپیہ بھی بچ جائے گا۔

(۱۲) روپے کا بوقتِ ضرورت مہیّا نہ ہو سکنا

ایک بڑی دِقّت زمیندار کیلئے ضرورت کے موقع پر روپیہ کا نہ پہنچنا ہے۔ انگریزی زمانہ کے آخری دَور میں کوآپریٹو سوسائٹیز بنی تھیں مگر اُن کا دائرہ عمل بہت محدود تھا اور زیادہ تر چند افراد کو فائدہ پہنچانے کا موجب ہوتی تھیں۔ پھر اُن میں سُودی کاروبار ہوتا تھا جو اسلام میں ناجائز ہے اور سُود بھی بڑا سخت ہوتا تھا۔ میرے نزدیک اگر کوآپریٹو سوسائٹیز بنائی جائیں اور اُن کو تجارتی اصول پر چلایا جائے بجائے سُودی اصول کے

اور گورنمنٹ کی مدد ایک حد تک روپے یا اجناس کی وصولی میں ہو تو زمیندار کو وقت پر روپیہ سہولت سے مل سکے گا اور کئی کام جن کے لئے اب وہ مالک زمیندار کی طرف متوجہ ہونے کا محتاج ہوتا ہے اور اِس طرح اُس کی جان اُس کے قابو میں آ جاتی ہے وہ تعاونِ باہمی کی انجمنوں سے اپنی ضروریات کو پورا کر سکے گا۔

میں نے یہ چند باتیں مثال کے طور پر زمینداروں کی حالت کی درستی کے لئے پیش کی ہیں اور میرے نزدیک یہی طبعی ذرائع ہیں۔ غیر طبعی ذرائع اختیار کر کے کبھی کوئی حکومت یا قوم کامیاب نہیں ہو سکتی اور غیر شرعی ذرائع استعمال کر کے تو اگلے جہان میں بھی کوئی قوم سرخرو نہیں ہو سکتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اور بہت سے ذرائع ایسے اختیار کئے جا سکتے ہیں جن سے زمینداروں کی حالت کو درست کیا جا سکے مگر ایسا حکومت اور پبلک کے تعاون سے ہی ہو سکتا ہے۔ اور اِسی کی طرف میرے نزدیک حکومت کو توجہ کرنی چاہیے نہ کہ اُن غیر طبعی تجاویز کی طرف جو اُس کو ایسی مشکلات میں اُلجھا دیں گی کہ وہ کمیونزم کے حملہ کا مقابلہ کرنے کی طاقت کھو بیٹھے گی اور جس چیز کو وہ علاج سمجھتی ہے وہی اُس کے لئے مرض بن جائے گا۔

آخر میں مَیں بڑے زمینداروں کو بھی اُن کے فرائض کی طرف توجہ دلاتا ہوں اسلام کی بنیاد اخوت اور رحم پر ہے اُن کے اپنے بھائیوں کی مشکلات کے حل کرنے میں سیاسی لیڈروں سے زیادہ کوشاں ہونا چاہئے۔ اگر وہ غریب زمیندار کی مدد خود خوشی سے کریں گے اور ایسے قوانین کے بنانے میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں گے جن سے ظلم دور ہو جائے اور اُن کا غریب بھائی آرام سے زندگی بسر کرے تو یہ بات دین اور دُنیا دونوں میں اُن کے لئے عزّت اور آرام کا موجب ہوگی اور وہ اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے سُرخرو جا سکیں گے۔ ورنہ وہ سمجھ لیں کہ اگر حکومت اسلامی احکام کے ادب سے کوئی جابرانہ قانون نہ بھی بنائے تو بھی خدائی عذاب سے اُن کو دوچار ہونا پڑے گا اور کوئی چیز بھی اِس سے اُن کو نہ بچا سکے گی۔ اللہ تعالیٰ اُن کو سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

---

۱ بخاری کتاب مناقب الانصار باب ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ

۲ السیرۃ الحلبیۃ جلد ۱ صفحہ ۲۹۲ مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء

۳ الانعام: ۹۱
۴ بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورة البقرة باب قوله سیقول السفهاء
۵ السجدة: ۵ ۶ یونس: ۴ ۷ البقرة: ۳۰
۸ الزخرف: ۱۴
۹ اقرب الموارد جلد ا صفحہ ۵۰۲، ۵۰۳ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء
۱۰ النحل: ۱۴ ۱۱ الجاثیة: ۱۴
۱۲، ۱۳ حجة الله البالغة جلد ۲ صفحہ ۱۰۳ مطبوعہ دمشق صفحہ ۱۳۵۵ھ
۱۴ ابوداؤد کتاب الخراج باب فی اقطاع الارضین
۱۵ هدایه کتاب احیاء الاموات صفحہ ۴۶۲
۱۶ بخاری کتاب اللقطة باب اذالم یوجد صاحب اللقطة (الخ)
۱۷ کتاب الخراج صفحہ ۳۵ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ
۱۸ ابوداؤد کتاب الاجارة باب فی منع الماء
۱۹ مغنی مؤلفہ علامہ ابن قدامہ جلد ۶ صفحہ ۱۵۷
۲۰ البقرة: ۳۶ ۲۱ الکهف: ۴۰، ۴۱ ۲۲ ابراهیم: ۱۵
۲۳ وقلنا من بعده لبنی اسرائیل اسکنوا الارض (بنی اسرائیل: ۱۰۵)
۲۴ سنن ابوداؤد کتاب الخراج باب فی اقطاع الارضین
۲۵، ۲۶ بخاری کتاب المزارعة باب من احی ارضًا مواتًا (الخ)
۲۷ کتاب بدائع الصنائع جلد ۶ صفحہ ۱۹۲، ۱۹۳ مطبوعہ مصر
۲۸، ۲۹ الاحکام السلطانیه صفحہ ۱۵۹
۳۰ بخاری کتاب المناقب باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابه الی المدینة
۳۱ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۹۱
۳۲ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۱۵ مطبوعہ لاہور ۱۸۹۲ء
۳۳ سنن ابی داؤد کتاب الخراج باب ماجاء فی حکم ارض خیبر (مفہوماً)

۳۴؎ سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب فی الخرص
۳۵؎ فتوح البلدان البلاذری صفحہ ۴۵ مطبوعہ ازہر ۱۹۳۲ء
۳۶؎ الاحکام السلطانیہ صفحہ ۱۶۹
۳۷؎ الارتسامات لامیر سکیب ارسلان صفحہ ۱۱۵
۳۸؎ کتاب الخراج صفحہ ۳۵ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ
۳۹؎ سنن ابی داؤد کتاب الخراج۔باب فی اقطاع الارضین (مفہوماً)
۴۰؎ الاحکام السلطانیہ صفحہ ۱۶۸
۴۱؎ سنن ابی داؤد۔کتاب الخراج باب فی اقطاع الارضین
۴۲؎ کتاب الخراج صفحہ ۳۴ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ
۴۳؎ کتاب الخراج صفحہ ۳۵ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ
۴۴؎ بخاری کتاب المزارعة باب المزارعة مع الیھود+ بخاری کتاب المزارعة باب اذا لم لیشترط السنین فی المزارعة
۴۵؎ فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۸
۴۶؎ بخاری کتاب المزارعة باب المزارعة بالشطر
۴۷؎ مبسوط جلد ۳ کتاب المزارعة
۴۸؎ بخاری کتاب المزارعة باب اذا قال اکفنی (الخ)
۴۹،۵۰؎ فروع الکافی جلد ۲ صفحہ ۱۰۳
۵۱؎ کتاب الخراج صفحہ ۵۱ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ
۵۲؎ اعلام الموقعین جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ دھلی ۱۳۱۴ھ
۵۳؎ حجة اللہ البالغة جلد ۲ صفحہ ۱۱۷ مطبوعہ دمشق ۱۳۵۵ھ
۵۴؎ نووی جلد ۲ صفحہ ۱۴
۵۵؎ مبسوط کتاب المزارعة جلد ۲۳
۵۶؎ مبسوط کتاب المزارعة جلد ۲۳

۵۷؎ نووی جلد ۲ صفحہ ۱۱۴ اور فقه علی مذاهب الاربعه جلد ۳ صفحہ ۳
۵۸؎ کتاب الفقه و بداية المجتهد و مدونه جلد ۳ صفحہ ۴۶۸
۵۹؎ کتاب الفقه جلد ۳ صفحہ ۳ وبداية المجتهد جلد ۳ صفحہ ۸۳
۶۰؎ بداية المجتهد جلد ۲ صفحہ ۱۸۳
۶۱؎ ابوداؤد کتاب البیوع باب فی زرع الارض بغیر اذن صاحبها
۶۲؎ کتاب الخراج صفحہ ۳۵ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ
۶۳؎ الاحکام الاسلامیه صفحہ ۱۶۹
۶۴؎ سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۲۶

۶۴؎-A بیبرس اوّل (BAYBARS): الملک الظاہر رکن الدین الصالحی (۱۲۳۳ء۔ ۱۲۷۷ء) مصر کے بحری مملوکوں میں سے چوتھا سلطان۔ عہدِ حکومت (۱۲۶۰ء۔ ۱۲۷۷ء) یہ قپچاقی ترک تھا جسے بعض دوسرے افراد کے ساتھ سلطان نجم الدین ایوبی نے بطور غلام خریدا۔ ۱۲۳۹ء میں وہ مصری فوج کے ساتھ شام گیا اور ابتدائی جنگی تجربات حاصل کئے۔ پھر اس نے جنگ منصورہ ۱۲۵۱ء میں نمایاں خدمات انجام دیں جس میں شاہِ فرانس گرفتار ہوا اور چار سال اسیری میں گزارے۔
بیبرس کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے سیف الدین قطز کے ماتحت جالوت کی جنگ میں ۱۲۶۰ء میں تاتاریوں کو خوفناک شکست دی۔ قطز مارا گیا اور بیبرس مصر کا سلطان بن گیا۔ اسے حکمرانی کے لئے صرف سترہ سال کی مہلت ملی لیکن اس مختصر سی مدت میں اس نے جو عظیم الشان کارنامے انجام دیے وہ دوسروں کی طویل المیعاد حکومتوں میں بھی کم نظر آتے ہیں۔ اُس وقت مصر کے لئے تین بڑے خطرے تھے۔ اوّل صلیبی مہم جو، دوم تاتاری، سوم حشیشی۔ بیبرس نے تاتاریوں کو ۹ مرتبہ شکستیں دیں۔ تین مرتبہ حشیشیوں پر حملے کئے۔ پانچ مرتبہ وہ ازمنوں سے لڑا اور ۲۱ مرتبہ صلیبیوں کو بُری طرح تباہ کیا۔ ۱۵ زبردست لڑائیوں میں وہ خود فوجوں کی کمان کرتا رہا اور ہمیشہ خطرے کے مقام پر سب سے آگے رہتا۔ دشمنوں کی سرکوبی کے لئے کم از کم ۲۶ مرتبہ دارالحکومت سے باہر گیا۔ پھر خبروں کا انتظام اِس اعلیٰ پیمانے پر کیا کہ اسے جلد سے جلد دُور افتادہ علاقوں سے اہم اطلاعات مل جاتی تھیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کو فاش

شکستیں دی تھیں مگر کام ادھورا رہ گیا تھا۔ بیبرس نے انہیں بالکل ختم کر دیا۔ وہی تھا جس نے عباسی خاندان کے ایک شہزادے کو قاہرہ میں خلیفہ بنا کر مسند خلافت از سرنو قائم کر دی اور خلفائے عباسیہ کا یہ نیا سلسلہ ۱۶۱۵ء تک قائم رہا۔ اس طرح بیبرس کو موقع مل گیا کہ حرمین شریفین کو اپنی نگرانی میں لے کر ان مقدس مقامات کی زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دے۔ بیبرس نے دمشق میں وفات پائی۔ (اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ا صفحہ ۲۸۵ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۶۵ بخاری کتاب المزارعة باب اذا قال رب الارض (الخ)

۶۶ مناقب امام الاعظم الکروری جلد ۲ صفحہ ۲۳، ۱۹۰

۶۷، ۶۸ کتاب الخراج صفحہ ۴۳ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ

۶۹ نسائی کتاب المزارعة باب ذکر اختلاف الالفاظ المأثورة فی المزارعة

۷۰ اعلام الموقعین جلد ا صفحہ ۲۸۳

۷۱ حم السجدة: ۱۰، ۱۱ ۷۲ النحل: ۲۷

۷۳ ترمذی ابواب الاحکام باب من المزارعة+ بخاری باب المزارعة

۷۴ ابوداؤد کتاب البیوع باب فی التشدید فی ذٰلک

۷۵ بخاری کتاب المزارعة باب ماکان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یواسی بعضهم بعضا (الخ)

۷۶ مسلم کتاب البیوع باب کراء الارض

۷۷ بخاری کتاب المزارعة باب ماکان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یواسی بعضهم بعضا (الخ)

۷۸ سیل الجراد لعلامه شوکانی جلد ۲ صفحہ ۲۱۱

۷۹ فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۱۵

۸۰ سیل الجراد لعلامه شوکافی جلد ۲ صفحہ ۲۱۱

۸۱ مسلم کتاب البیوع باب کراء الارض بالذهب والورق

۸۲ ابوداؤد کتاب البیوع باب فی المزارعة

۸۳ طاوی جلد ۴ صفحہ ۱۱۷

۸۴ ابوداؤد کتاب البیوع باب فی المزارعة+ طحاوی جلد ۴ صفحہ ۱۱۷

۸۵ محلّٰی ابن حزم کتاب المزارعة

۸۶ مبسوط جلد ۲۳ کتاب المزارعة

۸۷ فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۱۰

۸۸ حجة الله البالغة جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ دمشق ۱۳۵۵ھ

۸۹ طحاوی جلد ۴ صفحہ ۱۱۹

۹۰ سیل الجراد جلد ۲ صفحہ ۲۱۱

۹۱ هدایةالمجتهد جلد ۲ صفحہ ۱۸۴

۹۲ ابو داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۵۷

۹۳ بخاری کتاب العلم باب تحریض النبی ﷺ وفد عبدالقیس (الخ)

۹۴ کتاب الخراج صفحہ ۳۵ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ

۹۵ مولانا عبیداللہ سندھی بحوالہ رپورٹ اقلیت زمیندارہ کمیٹی مقررہ سندھ گورنمنٹ

۹۶ طحاوی جلد ۴ صفحہ ۱۳۰

۹۷ نووی جلد ۲ صفحہ ۱۴

۹۸ تاریخ فقہ اسلامی صفحہ ۳۲۵

۹۹ فتاوی عزیزی مطبوعہ مجتبائی صفحہ ۴۶، ۴۷

۱۰۰ کتاب الخراج صفحہ ۱۴ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ

۱۰۱ کتاب الخراج صفحہ ۱۵ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ

۱۰۲ ردّالمختار شامی جلد ۳ صفحہ ۳۵۲

۱۰۳ ردّالمختار شامی جلد ۳ صفحہ ۳۵۵

۱۰۴ ردّالمختار شامی جلد ۳ صفحہ ۳۵۶

۱۰۵ ردّالمختار شامی جلد ۳ صفحہ ۳۵۷

۱۰۶ ردّالمختار شامی جلد ۳ صفحہ ۳۵۲

۱۰۷ اقلیتی رپورٹ سندھ گورنمنٹ زراعتی کمیٹی

۱۰۸ بخاری کتاب المزارعة باب مایحذر من عواقب الاشتغال (الخ)

۱۰۹ مبسوط جلد ۱۰ صفحہ ۸۳

۱۱۰ مبسوط جلد ۱۰ صفحہ ۸۳

۱۱۱ حجة الله البالغة جلد ۲ صفحہ ۱۷۳

۱۱۲ عینی شرح بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۲۷

۱۱۳، ۱۱۴ البقرة: ۶۲

۱۱۵ فقه حنفیه۔ کتاب المعاملات جلد ۱ صفحہ ۱۱۰ تا ۱۱۳ مطبوعہ مصر ۱۹۲۳ء

علمائے جماعت اور طلبائے دینیات سے خطاب

از
سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

علمائے جماعت اور طلبائے دینیات سے خطاب

(فرمودہ ۸ مئی ۱۹۵۰ء احاطہ جامعۃ المبشرین ربوہ)

تشہد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''ہمارے ہاں ایسے مواقع پر عموماً تین تقریروں کا رواج ہے۔ ایک تقریر داعی جماعتوں یا داعی جماعت کی طرف سے ہوتی ہے۔ دوسری تقریر آنے والے صاحب کی طرف سے ہوتی ہے اور تیسری تقریر سے متعلق مجھ سے امید کی جاتی ہے کہ میں آخر میں اپنے خیالات کا اظہار کروں لیکن آج چونکہ میں ہی داعی ہوں اور پہلے اور پیچھے کی تقریریں کچھ بے معنی سی ہو کر رہ جاتی ہیں اور پھر مدعووین اِتنے ہیں کہ ایک ہی قسم کے خیالات کے تکرار سے بدمزگی پیدا ہونے کا احتمال ہوسکتا ہے اِس لئے اس عام طریق کے خلاف میں نے یہی پسند کیا کہ صرف میں ہی اپنے خیالات کو ظاہر کردوں۔

جہاں تک دعوت کرنے والوں کا یہ طریق ہے کہ وہ آنے والے کو خوش آمدید کہتے ہیں یا جہاں تک آنے والوں کا یہ طریق ہے کہ وہ دعوت کرنے والوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں یہ محض ایک رسمی بات ہے۔ یہ صاف بات ہے کہ دعوت کرنے والا تبھی دعوت کرے گا جب وہ خوش ہوگا اگر وہ خوش نہیں ہوگا تو دعوت کیوں کرے گا۔ پھر یہ بھی صاف بات ہے کہ جب کوئی شخص دعوت کرے گا تو کھانے پینے کی چیزیں بھی رکھے گا اور دوسرا شخص بہرحال ممنون ہوگا۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص دعوت کرے اور دوسرا شکریہ بھی ادا نہ کرے۔ پس یہ طبعی تقاضے ہیں جن کو قدرتی طور پر انسان ہمیشہ ظاہر کرتا رہتا ہے لیکن ہم جب اِس قسم کی تقاریب میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں تو ہماری کچھ اَور غرض ہوتی ہے اور وہ غرض یہ ہے کہ ایسے مواقع پر جب آنے

والوں کا اعزاز کیا جاتا ہے تو دوسرے نوجوانوں کے دلوں میں بھی یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایک اچھا کام ہے جس میں ہمیں بھی حصہ لینا چاہئے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ فلاں مبلّغ جا رہا ہے یا آ رہا ہے اور اُس کے لئے نعرے لگ رہے ہیں مرحبا اور تحسین کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں تو نوجوان طبیعتیں جو اِن باتوں سے بڑی جلدی متأثر ہوتی ہیں فوراً یہ خیال کرنے لگ جاتی ہیں کہ اوہو! ہم تو محروم ہی رہ گئے۔ اگر ہم جاتے تو ہمارے لئے بھی نعرے لگتے اور ہمیں بھی مَرْحَبًا اور جَزَاکَ اللّٰہ کہا جاتا۔ ان کا دماغ ابھی اتنا پختہ نہیں ہوتا کہ وہ اس فعل کے روحانی نتائج پر نظر ڈال سکیں لیکن نعروں اور مرحبا اور تحسین کی آوازوں کا ان پر گہرا اثر ہوتا ہے اور یہ نعرے انہیں دینی خدمت کی طرف زیادہ سے زیادہ مائل کرتے چلے جاتے ہیں۔ پس اِن دعوتوں سے ایک تو ہماری یہ غرض ہوتی ہے کہ نوجوانوں کے دلوں میں تحریک پیدا ہو اور وہ بھی اپنے آپ کو خدمت دین کیلئے پیش کریں۔ تم اسے نفسانیت کہہ لو مگر چونکہ اِس سے ہماری ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ خدا اور خدا کے دین کو فائدہ پہنچتا ہے اس لئے یہ کوئی بُری چیز نہیں۔

درحقیقت ہمارا یہ طریق ایسا ہی ہوتا ہے جیسے شکاری مچھلی کے شکار کے لئے کنڈی ڈالتا ہے تو اس کے ساتھ آٹا بھی لگا دیتا ہے تاکہ مچھلی آئے اور پھنس جائے اس طرح یہ بھی نوجوانوں کو پھانسنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے مگر چونکہ وہ دین کیلئے پھانسے جاتے ہیں، خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے پھانسے جاتے ہیں اس لئے خواہ ننگے الفاظ میں اسے مچھلی کے شکار سے مشابہت دے لو بہرحال یہ شکار مبارک ہے کیونکہ یہ شکار اپنے لئے نہیں کیا جاتا اپنے عزیزوں کے لئے نہیں کیا جاتا بلکہ خدا اور اُس کے رسول کے لئے کیا جاتا ہے۔ دوسرا فائدہ اُس سے یہ ہوتا ہے کہ ہمیں آنے والوں اور جانے والوں کے لئے بعض خیالات جو مستقل حیثیت رکھتے ہیں ان کے اظہار کا موقع مل جاتا ہے۔ انسانی دماغ کو خدا تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ اسے نیا مضمون نکالنے کے لئے کسی نئے محرک کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک بامذاق انسان جو ہنسی اور مزاح کی طرف اپنا میلان رکھتا ہے وہ بھی ہر وقت ہنسی اور مزاح کی باتیں نہیں کرتا بلکہ ان باتوں کے لئے اسے بھی کسی محرک کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک شاعر جو شعر کہنے کا عادی ہے وہ بھی ہر وقت شعر نہیں کہہ سکتا بلکہ اسے بھی کسی محرّک کی ضرورت ہوتی ہے۔ برسات کا موسم ہوتا ہے، آسمان

پر بادل آئے ہوئے ہوتے ہیں، ٹھنڈی ہوا چل رہی ہوتی ہے تو اُس کے جسم میں حرکت اور خون میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے اور اُس کی طبیعت شعر کہنے کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ یا چمن میں گئے اور فوارے چلتے دیکھے تو طبیعت جس ڈگر پر چل رہی تھی اس سے بدل گئی اور شعر کی طرف مائل ہوگئی۔ یا چاندنی رات ہے، میدان میں سیر کے لئے نکلے تو چاند کی چاندنی سے متأثر ہوئے اور شعر کہنے لگ گئے۔ یا صبح کے وقت ٹھنڈی ہوا سے آنکھ کھل گئی دیکھا تو نیند پوری ہو چکی تھی اور طبیعت میں شگفتگی تھی اُس وقت صبح کی ٹھنڈی ہوا نے تحریک پیدا کر دی اور شعر گوئی کی طرف طبیعت کا میلان ہو گیا۔ تو کوئی نہ کوئی ذریعہ ہوتا ہے انسان اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ اگر وہ ذرائع اچھے ہوں اور طبیعت بھی اچھی ہو تو اچھے نتائج پیدا ہوتے ہیں اور اگر ذرائع اچھے نہ ہوں یا طبیعت اچھی نہ ہو تو خوشگوار نتائج پیدا نہیں ہو سکتے۔

شاہ عالم بادشاہ سوداؔ سے اپنے شعر درست کروایا کرتے تھے ایک دفعہ بادشاہ نے اپنی ایک غزل سوداؔ کو اصلاح کے لئے دی مگر ایک ہفتہ گزر گیا اور اُنہوں نے نظم واپس نہ کی۔ بادشاہ نے پوچھا تو اُنہوں نے کہا کہ طبیعت حاضر نہیں۔ اِس پر پھر ایک ہفتہ گزر گیا۔ اگلے ہفتہ اُنہوں نے دوبارہ دریافت کروایا تو سوداؔ نے پھر یہی جواب دیا کہ طبیعت حاضر نہیں مجبوراً بادشاہ نے ایک اور ہفتہ انتظار کیا اور خیال کیا کہ شاید اب غزل واپس آ جائے گی۔ مگر پھر بھی نظم واپس نہ آئی اور جب بادشاہ نے پوچھا تو انہوں نے پھر یہی جواب دیا کہ طبیعت حاضر نہیں۔ اِس پر بادشاہ کو غصہ آیا اور اُس نے کہا کہ آپ کی طبیعت بھی عجیب ہے کہ حاضر ہونے میں ہی نہیں آتی ہم تو پاخانہ بیٹھے بیٹھے دو غزلیں کہہ دیا کرتے ہیں۔ سوداؔ تیز طبیعت انسان تھے اُنہوں نے کہا حضور! ان میں سے بُو بھی تو ویسی ہی آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے بادشاہ کو قبض کی بیماری ہوگی اور چونکہ ایسا انسان بیٹھے بیٹھے مختلف خیالات میں مبتلا رہتا ہے اسی قسم کے خیالات اسے بھی سوجھتے ہوں گے اور وہ وقت گزارنے کے لئے غزل کہنے لگ جاتا ہوگا مگر یہ ظاہر بات ہے کہ جب محرک بُرا ہوگا تو نتیجہ بھی بُرا ہوگا۔ وہ شخص جس کو شعر کہنے کی تحریک فوارے کرتے ہیں یا چاندنی راتیں کرتی ہیں یا برسات کا موسم کرتا ہے یا باغ کا نظارہ کرتا ہے اور وہ شخص جسے شعر کہنے کی تحریک قبض کرتی ہے ان دونوں کے شعر کبھی برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ ایک کا محرک اَور ہے اور دوسرے کا محرک اَور

ہے۔ پس سوؔدا نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا مگر پھر ڈر کر بادشاہ کی ملازمت چھوڑ کر چلے گئے۔ تو خیالات کے اظہار کے بھی بعض مواقع ہوتے ہیں اور ان کے خیالات کے اظہار کے لئے بعض محرکات کی ضرورت ہوتی ہے۔

اِس وقت بیسیوں مبلّغ بیرونی ممالک میں کام کر رہے ہیں اور ان سے بعض دفعہ اپنے کاموں میں غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ رپورٹیں آتی ہیں ہم انہیں پڑھتے ہیں تو ہم ان پر ایک آدھ نوٹ دے دیتے ہیں اور بات ختم ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ میں اس وقت تقریر شروع کر دوں۔ پھر چند دنوں کے بعد ان کی طرف سے دوسری رپوٹ آتی ہے اور ہمیں کوئی اور غلطی نظر آتی ہے جس کی طرف انہیں اختصار کے ساتھ توجہ دلائی جاتی ہے اور بات ختم ہو جاتی ہے لیکن ایسے مواقع پر جب مبلغین سامنے موجود ہوں اور محرک نظر آرہا ہو تو ہمیں بھی اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل جاتا ہے اور کئی مضامین کسی محرک کے نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک بیان نہیں ہوئے ہوتے اس طرح بیان ہو جاتے ہیں اور لوگوں کو فائدہ پہنچ جاتا ہے۔

پس ایک طرف نوجوانوں کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلانا اور انہیں تحریک کرنا کہ وہ وہی طریق اختیار کریں جس پر ان کے پہلے بھائی چل چکے ہیں اور دوسری طرف آنے والوں کو توجہ دلانا کہ وہ اپنی غلطیوں کی اصلاح کریں اور اپنے کاموں میں مزید تقویت پیدا کریں، اپنے اندر جرأت اور بہادری کا مادہ پیدا کریں اور غور اور فکر سے کام لینے کی عادت ڈالیں۔ یہ مقاصد ہیں جن کے ماتحت اِس قسم کی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔ ادھر جو کارکن ان سے کام لے رہے ہیں ان کے فرائض کی طرف بھی اس موقع پر انہیں توجہ دلا دی جاتی ہے اور اس طرح کام لینے والوں اور کام کرنے والوں دونوں کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ جو کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے وہ اتنی نوعیّتوں کا حامل ہے اور اتنا پھیلاؤ اپنے اندر رکھتا ہے کہ جب تک ہمارا دماغ اِس کام کا ہر وقت جائزہ نہ لیتا رہے، نہ وہ پوری طرح ہمارے ذہنوں میں آسکتا ہے اور نہ ہم اس کے لئے تیاری کر سکتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ہماری جماعت کی بنیاد ایک مأمور کے ہاتھ سے رکھی گئی ہے ہماری جماعت کوئی سوسائٹی نہیں جسے عام سوسائٹیوں کے طریق پر چلایا جائے۔ یہ ایک مذہب ہے اور مذہب بھی ایسا جس

کا لوگوں کو سمجھانا بڑا مشکل ہے۔ مذہب کا کسی دوسرے کو سمجھانا یوں بھی بڑا مشکل کام ہوتا ہے مگر دوسرے مذاہب میں اور اسلام اور احمدیت میں ایک فرق ہے جس کی وجہ سے ہماری مشکلات ان سے بہت زیادہ ہیں۔ دنیا میں جب پہلا نبی آیا تو اُس کا کام بڑا مشکل تھا کیونکہ لوگوں کے سامنے نبوت کی پہلے کوئی نظیر موجود نہیں تھی۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ الہام کیا ہوتا ہے، نبوت کیا ہوتی ہے، خدا تعالیٰ سے تعلق کے کیا معنی ہوتے ہیں، لوگوں کا اس پر ایمان لانا کیوں ضروری ہوتا ہے مگر جب اُس کی اُمت قائم ہوگئی تو اگلے نبی کا کام نسبتاً آسان ہوگیا۔ پھر تیسرا نبی آیا تو اس کا کام اَور بھی آسان ہوگیا کیونکہ لوگ جانتے تھے کہ الہام کیا ہوتا ہے، کتاب کیا ہوتی ہے، نبوت کیا ہوتی ہے صرف ان کی طرف سے یہ سوال اُٹھنے لگتا ہے کہ ہمارے ملک میں کسی نبوت کی کیا ضرورت ہے یا ہم میں ایسے کونسے نقائص ہیں جن کی وجہ سے تم ہماری اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے ہو۔ اِس طرح سوالات محدود ہوتے چلے جاتے ہیں اور مشکلات کم ہوتی جاتی ہیں۔ لیکن اس کے خلاف ہمارے زمانہ میں یہ ایک نئی مشکل پیدا ہوگئی ہے کہ پہلے نبی جو آتے رہے وہ تو یہ کہتے تھے کہ پہلی شریعت منسوخ ہوگئی ہے یا ہم نے براہِ راست نبوت حاصل کی ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ آپ کوئی نئی شریعت نہیں لائے، نہ ہی آپ نے براہِ راست نبوت کا مقام حاصل کیا ہے بلکہ قرآن کریم اور اسلام کے احکام ہمیشہ کے لئے واجب العمل رہیں گے مگر اس کے باوجود لوگوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لائیں۔ یہ چیز ایسی ہے جس کا سمجھنا ان کے لئے بڑا مشکل ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دنیا میں مبعوث ہوکر یہ نہیں فرمایا کہ میں قرآن کریم کو بدلنے آیا ہوں، آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو بدلنے آیا ہوں بلکہ آپ نے یہ فرمایا کہ میں تمہیں بدلنے کے لئے آیا ہوں۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کو سن کر کئی لوگ کہہ دیتے ہیں کہ جب مرزا صاحب کوئی نئی چیز نہیں لائے تو ہم انہیں مانیں کیوں؟ میں نے دیکھا ہے کئی لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا مرزا صاحب کا کوئی نیا کلمہ ہے؟ میں کہتا ہوں نہیں۔ وہ کہتے ہیں کیا آپ نئی شریعت لائے ہیں؟ میں کہتا ہوں نہیں۔ وہ کہتے

ہیں کیا آپ اسلام میں کوئی تبدیلی کرنے کے لئے آئے ہیں؟ میں کہتا ہوں نہیں۔ اِس پر وہ عجیب قسم کی مسکراہٹ ظاہر کر کے کہتے ہیں کہ پھر ہم آپ پر کیوں ایمان لائیں۔ یہ ایک ایسی مشکل ہے جس کا مقابلہ کرنا ہماری جماعت کا فرض ہے۔ پس پہلے لوگوں کی مشکلات اَور رنگ کی تھیں اور ہماری مشکلات اور رنگ کی ہیں، اُن کے سامنے اَور سوالات تھے اور ہمارے سامنے اَور سوالات ہیں۔

پھر بڑی دِقت یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں ایسی قومیں غالب ہیں جن کی اسلام کے ساتھ ایسی شدید دشمنی ہے جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم یہود کو اسلام کا شدید ترین دشمن پاؤ گے لیکن اِس زمانہ میں اسلام کا شدید ترین دشمن عیسائی ہے۔ اگر یہودی دشمنی کرتا ہے تو وہ بھی عیسائی کی مدد سے ہی کرتا ہے۔ جب امریکہ کی مدد اس کے پیچھے ہوتی ہے جب فرانس اور دوسرے ممالک کی توپیں عرب ممالک کا رُخ کر لیتی ہیں تو عرب جانتا ہے کہ اب سوائے مونچھیں نیچی کر لینے کے میرے لئے اَور کوئی چارہ نہیں۔ غرض ہمارے لئے قدم قدم پر مشکلات ہیں اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہماری کامیابی کے راستہ میں جو چیز سب سے زیادہ حائل ہے وہ یہ ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ کوئی نئی چیز نہیں لائے۔ آپ اسلام کو ہی دوبارہ دنیا میں قائم کرنے کیلئے مبعوث ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر ہماری طرف سے کوئی نئی چیز پیش کی جاتی تب بھی لوگ مخالفت کرتے کیونکہ لوگوں کی مخالفت کیلئے کوئی نہ کوئی بہانہ چاہئے جو اُنہیں مل جاتا ہے۔

ہمارے ملک میں قصہ مشہور ہے ایک مالدار شخص تھا اُس کی یہ عادت تھی کہ اِدھر شادی کرتا اور اُدھر چند دنوں کے بعد ہی کوئی بہانہ بنا کر عورت کو طلاق دے دیتا اور اُس کے زیورات اور کپڑے وغیرہ خود رکھ لیتا۔ بہانے بنانے تو کوئی مشکل ہی نہیں ہوتے کسی کو کسی بہانہ پر اور کسی کو کسی وجہ سے طلاق دے دیتا۔ اس طرح اس نے یکے بعد دیگرے کئی عورتوں کو طلاق دی۔ آخر ایک ہوشیار لڑکی کی اُس سے شادی ہوگئی۔ اُس نے کوشش کی کہ کوئی بہانہ ملے تو اسے طلاق دے دوں مگر وہ کوئی موقع پیدا نہ ہونے دیتی۔ خود ہی کھانا پکاتی، خود ہی کپڑے وغیرہ دھوتی اور خود ہی گھر کے تمام کام کرتی۔ جب کئی دن گزر گئے اور طلاق دینے کا اُسے بہانہ نہ مل سکا تو تنگ

آ کر ایک دن وہ باورچی خانہ چلا گیا۔ اس کی بیوی روٹیاں پکا رہی تھی اس نے جوتی اپنے ہاتھ میں پکڑ لی اور کہنے لگا کمبخت! تو روٹی تو ہاتھ سے پکاتی ہے تیری کہنیاں کیوں ہلتی ہیں اور اسے زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ لڑکی کہنے لگی میں آپ کی لونڈی ہوں آپ جتنا چاہیں مجھے ماریں مگر اِس وقت آپ اپنی طبیعت کو کیوں خراب کرتے ہیں کھانے کا وقت قریب ہے آپ پہلے کھانا کھالیں اور جتنا چاہیں مجھے مارلیں۔ میں آخر یہیں ہوں کہیں چلی تو نہیں جاؤں گی۔ اس نے بھی سمجھا بات درست ہے۔ چنانچہ اُس نے بیوی کو چھوڑ دیا۔ جب وہ کھانا کھانے بیٹھا تو ابھی اس نے ایک دو لقمے ہی منہ میں ڈالے تھے کہ بیوی نے اُس بڈھے کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہنے لگی کمبخت! کھانا تو تو منہ سے کھاتا ہے تیری ڈاڑھی کیوں ہلتی ہے۔ پس مخالفت کا بہانہ بنانا کوئی مشکل چیز نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تو لوگوں نے اَور بہانہ بنالیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تو لوگوں نے اَور بہانہ بنالیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا تلوار چلاؤ تو لوگوں نے کہہ دیا کہ یہ نبی کیسا ہے یہ تو لڑائی کی تعلیم دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تو اُنہوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص تیرے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تُو اپنا دوسرا گال بھی اُس کی طرف پھیر دے۔ اِس پر لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ بھی کوئی تعلیم ہے کیا اس طرح دنیا میں گزارہ ہو سکتا ہے؟ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آپ نے فرمایا کہ موقع محل کے مطابق کبھی سختی کرو اور کبھی نرمی۔ اِس پر لوگوں نے کہا یہ تو دونوں مذہبوں سے گیا یہ نہ موسیٰؑ کے راستہ پر ہے اور نہ عیسیٰؑ کے راستہ پر۔ اس کی تعلیم ہم کیوں مانیں؟ غرض لوگ ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا لینے کے عادی ہوتے ہیں۔

پس اگر ہماری طرف سے کوئی جدید چیز پیش کی جاتی تب بھی لوگوں کی مخالفت ضرور ہوتی مگر آجکل جو اعتراض شدت سے کیا جاتا ہے وہ یہی ہے کہ جب حضرت مرزا صاحب کوئی نئی چیز نہیں لائے تو ہم آپ پر کیوں ایمان لائیں؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض جاہل یہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے نیا کلمہ بنالیا ہے یا ان کا نیا قرآن ہے مگر تعلیم یافتہ طبقہ جانتا ہے کہ یہ ساری باتیں جھوٹی ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ ہم ختم نبوت کا انکار نہیں کرتے، وہ جانتا ہے کہ ہم مرزا صاحب

کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم سمجھتے ہیں، وہ جانتا ہے کہ تبلیغ اسلام اِس وقت صرف ہم لوگ ہی کر رہے ہیں، وہ جانتا ہے کہ معترض پاگل ہیں وہ جھوٹ بولتے اور لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ مگر وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ جب تم قرآن کو ہی پیش کرتے ہو، جب تم حدیثوں کو ہی منواتے ہو، جب تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر ہی عمل کرتے ہو تو ہم مرزا صاحب پر کیوں ایمان لائیں؟ اور در حقیقت یہی وہ اعتراض ہے جس کو اس زمانہ میں حل کرنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ مخالف لوگ تو جو کچھ کہتے ہیں وہ محض جھوٹ ہوتا ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ اس حقیقت کو خوب سمجھتا ہے۔ مخالف اگر ہمارے خلاف شور مچاتے ہیں تو محض اِس لئے کہ اِس مخالفت کے نتیجہ میں اُن کا اعزاز بڑھ جاتا ہے اور لوگ اُن کی تعریفیں کرنے لگ جاتے ہیں ورنہ جس دن احمدیت کو کامیابی حاصل ہوئی تم دیکھو گے کہ اُس دن وہ بھی اِدھر آ جائیں گے۔

میں ابھی بچہ تھا کہ میں نے ایک دفعہ رؤیا میں دیکھا کہ کبڈی کا میچ ہو رہا ہے۔ جس میں ایک طرف احمدی ہیں اور دوسری طرف غیر احمدی۔ غیر احمدیوں میں مولوی محمد حسین بٹالوی بھی شامل ہیں۔ احمدی جب کبڈی کے لئے جاتے ہیں تو غیر احمدیوں کو ہاتھ لگا کر آ جاتے ہیں اور وہ سب مرتے چلے جاتے ہیں۔ یعنی جس کو ہاتھ لگ جاتا ہے اُسے بٹھا دیا جاتا ہے یہاں تک ہوتے ہوتے صرف مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی پیچھے رہ گئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اب میں ہی اکیلا رہ گیا ہوں اور میرے سارے ساتھی بیٹھ چکے ہیں تو جس طرح بچے بعض دفعہ دیوار کیساتھ منہ لگا کر آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیتے ہیں اِسی طرح انہوں نے بھی قریب کی ایک دیوار کے ساتھ منہ لگا کر اِدھر بڑھنا شروع کیا۔ جب وہ لکیر پر پہنچے تو کہنے لگے اب تو سارے ہی اِدھر آ گئے ہیں لو میں بھی آ جاتا ہوں اور یہ کہہ کر وہ بھی ہماری طرف آ گئے۔ اِس رؤیا میں مخالفین کی حالت کا یہی نقشہ کھینچا گیا ہے۔ پہلے وہ مخالفت کرتے ہیں مگر جب وہ دیکھتے ہیں کہ سب لوگ مانتے چلے جا رہے ہیں تو وہ بھی آ کر شامل ہو جاتے ہیں۔

بہر حال وہ دِقت جو اِس وقت ہمیں پیش آ رہی ہے پہلے زمانہ میں مسیحیوں کو بھی پیش آئی تھی۔ حضرت مسیحؑ آئے اور اُنہوں نے کہا یہ مت سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کے صحیفوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔[۱] اس پر یہودی مفکرین نے یہ

سوال اُٹھایا کہ اگر آپ اُنہی چیزوں کو قائم کرنے کے لئے آئے ہیں جو ہمارے پاس پہلے سے موجود ہیں تو پھر ہم آپ پر کیوں ایمان لائیں؟ جیسے اِس زمانہ میں کہا جاتا ہے کہ جب مرزا صاحب اُنہی چیزوں کو قائم کرنے کے لئے آئے ہیں جو اسلام میں پائی جاتی ہیں تو ہم آپ کو کیوں مانیں؟۔ اگر کہو کہ بعض عقائد میں تبدیلی پیدا ہو چکی تھی جن کی اصلاح ضروری تھی تو اِس غرض کے لئے ہمارے مولوی کافی تھے مرزا صاحب پر ایمان لانا کہاں سے نکل آیا۔ یہی سوالات مسیحیوں کے سامنے آئے اب بجائے اِس کے کہ وہ اِس لڑائی کو صبر اور استقلال اور دعاؤں سے فتح کرتے کچھ مدت کے بعد کمزور عیسائیوں نے گھبرا کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ مسیحؑ خدا کا بیٹا تھا وہ دنیا کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ اُس نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ شریعت لعنت ہے۔ جب اِس طرح ایک نئی چیز لوگوں کے سامنے پیش کی گئی تو لوگوں نے عیسائیت میں داخل ہونا شروع کر دیا۔

یہی خطرہ ہمارے سامنے ہے۔ ہماری کامیابی میں بھی سب سے بڑی مشکل لوگوں کا یہی سوال ہے کہ حضرت مرزا صاحب کیا لائے؟ اگر تو ہم نے استقلال سے کام لیا تو آہستہ آہستہ ہم اس لڑائی کو اِنْشَاءَ اللّٰہِ فتح کر لیں گے لیکن اگر ہم نے بھی گھبرا کر کوئی غلط قدم اُٹھا لیا تو لوگ بے شک ہمارے اندر داخل ہو جائیں گے مگر ہم ایک نئی عیسائیت کی بنیاد رکھنے والے بن جائیں گے۔ پس یہ بھی ایک بڑی کٹھن منزل ہے جس کو ہم نے صبر اور استقلال اور دعاؤں سے طے کرنا ہے۔ اور یہ مشکل ایسی ہی ہے جیسے سانپ کے منہ میں چھپکلی، اُگل دے تو کوڑھی ہو جائے اور نگلے تو مر جائے۔ اگر ہم ان مشکلات کو قائم رہنے دیتے ہیں تو کامیابی کا حصول مشکل نظر آتا ہے اور اگر ہم اپنا پینترا بدل دیتے ہیں تو آپ بھی بے دین ہوتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بے دین کرتے ہیں۔ پس ہمیں بہت زیادہ غور و فکر اور ہوشیاری سے کام لینے کی ضرورت ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اسلام کو ایسے رنگ میں قائم کریں کہ نہ اسلام بدلے نہ اس کی تعلیموں میں کوئی تغیر ہو اور نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت اور آپ کے درجہ میں کوئی فرق آئے۔ یہ ایک بہت ہی مشکل کام ہے جس کے لئے ہمیں پہلوں سے بہت زیادہ ہوشیار اور بیدار رہنے کی ضرورت ہے۔

وہ قومیں جن کو جلد ترقی اور پھر حکومت مل جاتی ہے وہ پھر بھی حکومت کے سہارے ان مشکلات کا ایک حد تک مقابلہ کر سکتے ہیں لیکن ہماری ترقی بتدریج اور آہستگی کے ساتھ مقدر ہے پس جب ہماری فتح نے دیر سے آنا ہے اور آہستہ آہستہ آنا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کی درستی کریں اور انہیں پہلوں سے زیادہ ہوشیار اور پہلوں سے زیادہ کار آمد وجود بنائیں۔ جب فتح جلدی آ جائے تو انسان خیال کرسکتا ہے کہ اگلی نسل کی حکومت کے ماتحت خود بخود نگرانی ہوتی رہے گی لیکن جب فتح آہستہ آہستہ آنے والی ہو اور انسان جانتا ہو کہ میں مر گیا تو میری آئندہ نسل بھی اِسی طرح مخالفین کے نرغہ میں گھری ہوگی جس طرح میں گھرا ہوا ہوں تو اُس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ آئندہ نسل کی درستی کا خاص طور پر فکر کرے اور چونکہ ہمارے سامنے یہی خطرہ ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کے معیارِ اخلاق اور ان کے معیارِ دین اور ان کے معیارِ تقویٰ کو زیادہ سے زیادہ بلند ترین اور ان کے اندر پہلوں سے زیادہ احساس قربانی پیدا کریں تاکہ اسلام دشمن پر غالب آئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اِس دنیا میں ہمیشہ کیلئے قائم ہو جائے۔

اس وقت ہمارے مشن قریباً ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور یہ امر جہاں ہماری عظمت کا موجب ہے وہاں ایک رنگ میں ہمارے لئے خطرہ کا موجب بھی بن رہا ہے کیونکہ ہمارا مرکز کمزور ہے اور بیرونی ممالک میں جماعتیں ترقی کر رہی ہیں۔ اگر مرکز میں ہماری تعداد زیادہ ہوتی اور ہمارے اندر اتنی طاقت ہوتی کہ ہم بیرونی ممالک کے بوجھ کو برداشت کر سکتے تو یہ ترقی یقیناً ہماری عظمت کا موجب ہوتی۔ مگر اِس وقت حالت یہ ہے کہ مرکز طاقتور نہیں اور ہر جگہ کے لوگ چلا رہے ہیں کہ مرکز ہماری مدد کرے۔ پس بجائے اِس کے کہ یہ وُسعت ہماری طاقت کا موجب ہوتی وہ ہماری کمزوری کا موجب بن رہی ہے۔

ہٹلر نے اپنے ابتدائی زمانہ میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام میری ''جدوجہد'' تھا۔ اس کتاب میں اس نے یہ بحث کی ہے کہ عمارت کی اونچائی کا انحصار اُس کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اگر بنیاد چوڑی اور مضبوط ہو تو اوپر کے حصہ کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر بنیاد چھوٹی یا کمزور ہوگی تو وہ عمارت ہر وقت خطرہ میں گھری رہے گی اور پھر وہ زیادہ اونچی بھی نہیں جا سکے گی۔ اِس اصول

کے ماتحت اُس نے لکھا کہ جرمن قوم کی ترقی کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی بیس (BASE) مضبوط ہو پھر وہ جتنا پھیلے گی اُتنی ہی مضبوط ہوگی لیکن اگر بیس (BASE) مضبوط نہیں ہوگی تو اس کا پھیلاؤ اُس کے تنزل کا موجب بن جائے گا۔ یہ ایک دُنیوی مثال ہے مگر الٰہی سلسلے بھی اِس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔

اس وقت حالت یہ ہے کہ بیرونی جماعتوں کو ہم پوری طرح سنبھال نہیں سکتے۔ ہمارے آفس اُن کی پوری طرح نگرانی نہیں کر سکتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے نظم میں فرق آجاتا ہے اور بعض دفعہ ان کی طرف سے احکام کی پوری فرمانبرداری نہیں ہوتی یا فرمانبرداری تو ہوتی ہے مگر ناقص ہوتی ہے، اِس طرح بعض دفعہ ترقی کے مواقع نکلتے ہیں تو ہم ان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ مثلاً کسی جگہ سَو یا پچاس مبلغوں کی ضرورت ہوتی ہے مگر ہم بھجوا نہیں سکتے۔ یا مبلّغ تو ہوتا ہے مگر لٹریچر کی اشاعت اور سفروں وغیرہ کے لئے اس کے پاس روپیہ نہیں ہوتا۔ مثلاً امریکہ میں ہی اگر ہم دس مبلّغ رکھیں تو چونکہ وہ بہت مہنگا ملک ہے ان کے آنے جانے کے اخراجات، وہاں کی رہائش کے اخراجات اور سفروں اور لٹریچر وغیرہ کے لئے ہی دو لاکھ روپیہ سالانہ کی ضرورت ہے مگر ہمارے پاس اتنا روپیہ نہیں۔ اور اگر ہم اتنا روپیہ صرف ایک مشن کو دے دیں تو باقی سب کام بند ہو جائیں گے۔ یا فرض کرو کسی غیر ملک میں ہم دینیات کا سکول نہیں کھول سکتے تو کم از کم ہمارے پاس اتنا روپیہ تو ہونا چاہئے کہ ہم وہاں سے لوگوں کو بُلا کر تعلیم دے سکیں اور اگر ہم ایسا نہیں کر سکتے تو لازماً ہماری ترقی میں نقص واقع ہو جائیگا۔

غرض ہمارے مشنوں کی وسعت ہمارے لئے ایک رنگ میں کمزوری کا موجب بن رہی ہے اِس کمزوری کو دور کرنے کا طریق یہ ہے کہ پاکستان اور ہندوستان میں جماعت کو بڑھایا جائے اور تبلیغ کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کی جائے اور ایسے مبلّغین پیدا کئے جائیں جو موجودہ ضرورتوں کو سمجھنے والے اور نئے زاویوں اور نئے نقطۂ نگاہ سے موجودہ مسائل پر گہری نظر رکھنے والے ہوں۔

اب زمانہ بدل چکا ہے، خیالات تبدیل ہو چکے ہیں، نئی پود نئے زاویۂ نگاہ سے دیکھنے کی عادی ہے، وہ نئے انداز اور نئے پہلوؤں سے مسائل پر غور وفکر کرتی ہے مگر ہمارے بعض علماء

ابھی تک ضَرَبَ یَضْرِبُ کی گردانوں میں ہی پھنسے ہوئے ہیں اور وہ مسائل جن کو آج دنیا سننے کے لئے بھی تیار نہیں اُنہی کو بار بار پیش کرنے کے عادی ہیں۔ ہمارے علماء اُٹھیں گے اور وفاتِ مسیحؑ کا مسئلہ پیش کر دیں گے حالانکہ اُن کا مخاطب بعض دفعہ ایسا شخص ہے جو مسیحؑ کو نبی بھی نہیں مانتا۔ ہمارا مبلّغ کہتا ہے عیسیٰؑ مر گیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں تو اُسے نبی بھی نہیں مانتا تم مجھے کیا کہہ رہے ہو۔ وہ حیران ہوتا ہے کہ میں کیا پوچھتا ہوں اور یہ کیا کہتا ہے۔ وہ سوال کرتا ہے کہ تم نے میری مادی ترقی کے لئے کیا کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ میں ویسا ہی معزز بن جاؤں جیسے ایک امریکن معزز ہے یا ایک فرانسیسی معزز ہے اور یہ میری امنگیں ہیں۔ تم مجھے بتاؤ کہ تم نے مجھے ایک امریکن یا ایک انگریز جیسا معزز اور طاقتور بنانے کیلئے کیا کیا ہے۔ جب تک ہم اُس کے اِس زاویۂ نگاہ کو غلط ثابت نہ کر دیں، جب تک ہم اسکے خیالات کی رَو کو اور طرف نہ پھیر دیں اُس وقت تک ہمارا صرف وفات مسیحؑ اور ختم نبوت کی بحثیں کرنا بالکل فضول ہے۔ لیکن اگر ہمارا عالم ان باتوں کو جانتا ہی نہیں تو وہ ان سوالات کو سن کر زیادہ سے زیادہ یہی کہہ دیگا کہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کیسے بیہودہ خیالات ہیں مگر اِن خیالات کی اصلاح اور درستی کے لئے وہ کوئی کوشش کر ہی نہیں سکتا کیونکہ اُس نے اِن باتوں پر کبھی غور ہی نہیں کیا۔

اِسی طرح موجودہ زمانہ میں سب سے زیادہ شور اقتصادی مشکلات کی وجہ سے برپا ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ ان کی بھوک دُور ہو، اُن کی غربت دُور ہو، اُن کے اقتصادی حالات اچھے ہوں اور وہ بھی دنیا میں باعزت زندگی بسر کرنے کے قابل ہوں اور چونکہ ان کے کانوں میں بار بار ڈالا جاتا ہے کہ کمیونزم ہی دنیا کی بھوک کا علاج ہے اِس لئے وہ بھی کمیونزم کا شکار ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شاید یہی ہمارے دُکھوں کا علاج ہو۔ اِس فتنہ کا مقابلہ کرنا اِس وقت ہماری جماعت کا اہم ترین فرض ہے۔ کچھ مسلمانوں نے تو یہ کہہ کر چھٹی حاصل کر لی ہے کہ کمیونزم عین اسلام ہے اُنہیں اِس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ اسلام زندہ رہتا ہے یا مرتا ہے وہ صرف اپنی جان بچانا چاہتے ہیں اور اپنی جان کے بچاؤ کا طریق اُنہوں نے یہی سوچ رکھا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ کمیونزم اور اسلام دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ گویا ان کی مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسے ہندوؤں نے پہلے بدھ مذہب کی شدید مخالفت کی مگر آخر میں آ کر کہہ دیا کہ بدھ ہمارا

ساتواں اوتار تھا۔ اِسی طرح بعض مسلمانوں نے پہلے تو کچھ کمیونزم کا مقابلہ کیا مگر آخر تنگ آ کر کہہ دیا کہ کمیونزم عین اسلام ہے۔ مگر ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم کمیونزم کو بھی اسلام کے خلاف ثابت کریں اور پھر لوگوں کو یہ بھی بتائیں کہ اسلام دُنیا کی بھوک کا کیا علاج کرتا ہے۔

روٹی کا سوال اِس وقت ساری دنیا پر چھایا ہوا ہے اور اس سوال پر تم بھی کئی بار بحثیں کرتے ہو۔ آخر تم کہتے ہو یا نہیں کہ ہمیں کیا گزارہ ملے گا؟ ہمارے بیوی بچوں کو کیا ملے گا؟ ہم باہر گئے تو ہمیں کتنا روپیہ بھجوایا جائے گا اور ہمارے بیوی بچوں کو کتنا دیا جائیگا؟ یہ سوالات اگر تمہارے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں تو اَور لوگ اِن پر کیوں بحث نہ کریں۔ مگر ہمارے علماء کا ایک طبقہ ان باتوں سے غافل ہے۔ وہ ضرورت ہی نہیں سمجھتا کہ اِس بات پر غور کرے کہ کمیونزم کے خطرہ کا مقابلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے اور کس طرح اسلام پر قائم رہتے ہوئے اِس کو ردّ کیا جا سکتا ہے۔ اور لوگ تو یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر کمیونزم ہم میں آ بھی گیا تو کیا ہوا ہم خدا اور اس کے رسول کو مانتے ہوئے کمیونسٹ ہو جائیں گے مذہب اِس میں روک ہی نہیں۔ وہ کبھی خیال ہی نہیں کرتے کہ بعض رَوئیں لازمی طور پر کسی دوسرے خیالات کو ردّ کر دیتی ہیں اور سٹالن کے پیچھے اُسی وقت چل سکتے ہیں جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انکار کر دیں۔ بے شک وہ کہتے ہیں کہ ہم باخدا کمیونسٹ ہو جائیں گے مگر سوال یہ ہے کہ باخدا کمیونسٹ ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں ہو سکتا تو وہ ہونگے کس طرح؟ یہ تو ویسی ہی احمقانہ بات ہے جیسے ملکہ فرانس کا قصہ مشہور ہے کہ وہ ایک دفعہ شکار سے واپس آ رہی تھی کہ اُس نے دیکھا کہ اُس کے قلعہ کے پاس ہزاروں ہزار لوگ جمع ہیں اور وہ روٹی روٹی کے نعرے بلند کر رہے ہیں۔ اس نے اپنے ماتحت افسران سے پوچھا کہ یہ لوگ کیوں جمع ہیں اور ''روٹی روٹی'' کیا نعرہ لگا رہے ہیں؟ اُنہوں نے بتایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ کھانے کو کچھ نہیں ملتا، ہمارے ملک میں قحط پڑا ہوا ہے ہمیں روٹی دی جائے تا کہ ہمارا پیٹ بھرے۔ اِس پر وہ بے ساختہ کہنے لگی یہ لوگ بڑے بے وقوف ہیں اگر بھوکے ہیں تو کیک کیوں نہیں کھا لیتے۔ چونکہ اُس کے اپنے گھر میں ہر چیز کی فراوانی تھی وہ یہ سمجھتی تھی کہ اِتنی چیزیں تو ہر شخص کے گھر میں موجود ہونگی۔ یہی احمقانہ حالت بعض مسلمانوں کی ہے۔ وہ کہتے

ہیں با خدا کمیونسٹ ہو جائیں گے۔ وہ احمق اتنا بھی نہیں جانتے کہ بعض افکار میں خدا تعالیٰ کا خیال پنپ سکتا ہے اور بعض میں نہیں پنپ سکتا۔ جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم پتھر پر گندم بونا چاہو تو نہیں بو سکتے۔ پس یہ کہنا کہ ہم متضاد افکار کو جمع کر لیں گے یہ بالکل غلط ہے۔ یہ چیزیں ہیں جو اسلام کی کامیابی کے راستہ میں زیادہ سے زیادہ روکیں پیدا کر رہی ہیں۔ یورپ کا آدمی اپنے ہتھیار پھینک کر اِس کا مقابلہ کر سکتا ہے، امریکہ اپنی جگہ بدل کر کمیونزم کا مقابلہ کر سکتا ہے، انگلینڈ اپنی جگہ بدل کر کمیونزم کا مقابلہ کر سکتا ہے کیونکہ اُن کی جگہ معین نہیں لیکن ایک مسلمان ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی جگہ معین ہے اور اسلام نے اس کے لئے ایک حد مقرر کر دی ہے جس سے وہ ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتا۔ ایک انگریز یا ایک امریکن کمیونزم کے دباؤ کے ماتحت اپنی جگہ سے کتنا بھی ہل جائے میرے لئے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر ہونا جائز نہیں کیونکہ میرے لئے اسلام نے ایک حد مقرر کر دی ہے۔ وہ کہتا ہے تم ایک انچ بھی اِدھر ہوئے تب بھی کافر ہو جاؤ گے اور ایک انچ اُدھر ہوئے تب بھی کافر ہو جاؤ گے۔ پس ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اسلام کو بھی قائم رکھیں اور کمیونزم کے خطرہ کو بھی دُور کرنے کی کوشش کریں۔ اور یہ چیزیں ایسی ہیں جن پر نئے زاویۂ نگاہ سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اِس کے لئے نئے افکار اور نئی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اس غرض کے لئے اپنی کوششوں کو صرف نہیں کریں گے تو گو اسلام کی فتح پھر بھی یقینی ہے مگر ہماری شکست میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ بعض اَور لوگوں کو کھڑا کر دے گا جو اُس کے دین کے لئے قربانیاں پیش کریں گے اور ہم اس کی مدد اور نصرت سے محروم ہو جائیں گے حالانکہ ایک مومن کے لئے جہاں یہ امر خوشی کا موجب ہوتا ہے کہ اُس کا خدا جیت جائے وہاں اگر وہ پاگل نہیں اور اگر اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی سچی محبت پائی جاتی ہے تو وہ یہ بھی خواہش رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ میں بھی جیت جاؤں۔ پس یہ سوال نہیں کہ اسلام کو فتح حاصل ہو گی یا نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ میرے ہاتھ سے اسلام کو فتح ہو اور میرے ہاتھ سے کفر کی موت واقعہ ہو۔ اگر میرے ہاتھ سے کفر کے دیو شکست کھا جائیں اور اگر میرے ہاتھ سے اُس کے بُت ٹوٹ جائیں تو میرے لئے اِس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

آج میں نے خصوصیت سے اِس مقام پر یہ جلسہ اِس لئے رکھا ہے تا کہ میں طلباء کو بھی اور اساتذہ کو بھی ان کے فرائض کی طرف توجہ دلاؤں۔ میں تمہیں ہوشیار کرتا ہوں کہ اِس وقت تک تمہارے بعض علماء نے اپنے پینترے نہیں بدلے، انہوں نے ابھی تک زمانہ حال کی ضروریات کے مطابق اپنے آپ کو نہیں ڈھالا، ان کی جدوجہد اس سے بہت کم ہے جتنی ہونی چاہئے، اُن کے افکار اُس سے بہت کم ہیں جتنے ہونے چاہئیں۔ پس میں کہتا ہوں کہ تم زمانہ کی ضرورت کو سمجھو اور زمانہ کی ضرورت کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالو میں تمہیں مسیح ناصری ؑ کے الفاظ میں کہتا ہوں کہ:

''فقیہہ اور فریسی جو کچھ کہتے ہیں وہ کرو مگر جو کچھ کرتے ہیں وہ مت کرو۔''[۲]

تم اپنے اساتذہ کی باتوں کو سنو اور جو کچھ وہ کہیں اُسی طرح کرو مگر تم ان کے عمل کی طرف مت دیکھو اُن میں وہ جدوجہد نہیں پائی جاتی جو ایک پاگل عاشق میں پائی جانی چاہئے، نہ وہ ان راہوں کو نکالتے ہیں جن راہوں کے نکالے بغیر کامیابی کا حصول مشکل ہے۔ پس اس لئے کہ وہ عالم ہیں اور تم اُن کے شاگرد بنائے گئے ہو تم اُن کی باتوں کو مانو مگر جیسے مسیح ناصری نے کہا تھا تُو کر جو فقیہی اور فریسی کہتا ہے مگر تُو مت کر جو فقیہی اور فریسی کرتا ہے۔ تم بھی وہ کچھ کرو جو تمہارے اساتذہ تمہیں پڑھائیں مگر تم ان کے اعمال کو اپنے لئے نمونہ مت سمجھو۔ اُن میں یہ احساس ہی نہیں کہ وہ دین کیلئے جدوجہد کریں وہ اُسی طرح کھاتے اور پیتے اور آرام سے سوتے ہیں جیسے ایک گاؤں کا بنیا کھاتا پیتا اور سوتا ہے حالانکہ ایک گاؤں کے بنیئے کی زندگی اور نیویارک یا لندن کے تاجر کی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ وہ صبح و شام انگاروں پر لَوٹ رہا ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ میرا کن سے مقابلہ ہے اور مجھے کس طرح ان سے فوقیت حاصل کرنی چاہئے۔

مجھے یاد ہے میں اپنے طالب علمی کے زمانہ میں ایک دفعہ لاہور گیا وہاں ایک بائیسکلوں کے تاجر مستری موسیٰ صاحب ہوا کرتے تھے جو اپنے کام میں بڑے ہوشیار تھے۔ وہ ایک دن دکان میں مجھ سے باتیں کر رہے تھے اور اوپر سے ڈاک والا آیا اور اس نے ایک تار ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ اُنہوں نے تار پڑھتے ہی فوراً بائیسکل لیا اور اس پر سوار ہو کر بڑی تیزی کے ساتھ کہیں باہر نکل گئے۔ میں حیران ہوا کہ یہ تار کیسا آیا ہے کہ انہوں نے بات بھی پوری نہیں کی

اور بائیسکل لے کر غائب ہوگئے ہیں۔ آدھ گھنٹہ کے بعد وہ واپس آئے اور کہنے لگے۔ بڑا اچھا موقع تھا۔ بیس ہزار کا آج نفع ہو جانا تھا مگر افسوس کہ کام نہیں بنا۔ پھر انہوں نے سنایا کہ بمبئی سے ابھی ہمارے ایجنٹ نے تار دیا تھا کہ ٹائروں کا ریٹ اتنا بڑھ گیا ہے۔ میں فوراً بائیسکل پر چڑھ کر بھاگا کہ فلاں دکان پر جتنا مال ہوگا وہ سب کا سب خریدلوں گا اور میرا خیال تھا کہ وہاں ڈاکیہ اتنی دیر میں پہنچے گا کہ میں پہلے سودا کرلوں گا مگر ابھی میں اس سے سَودے کے متعلق گفتگو کرہی رہا تھا کہ اوپر سے ڈاکیہ آ گیا اور اُسے بھی تار مل گیا کہ ٹائروں کا ریٹ اتنا بڑھ گیا ہے اور ہمارا سَودا ہونے سے رہ گیا ورنہ آج بیس ہزار روپے کا نفع ہو جانا تھا۔ اب دیکھو کہ یہ کس قسم کے جنون کی حالت ہے اور کتنا جوش اور فکر ہے جو اُن لوگوں میں پایا جاتا ہے لیکن ایک گاؤں کے بنئے میں کچھ بھی جوش نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرے گاؤں والا مجھ سے ہی سَودا خریدے گا۔ شہر میں بعض دفعہ ایک چیز آٹھ آنے پر فروخت ہورہی ہوتی ہے اور وہ چار آنے پر دے رہا ہوتا ہے اور بعض دفعہ ایک چیز شہر میں دو آنے کو مل رہی ہوتی ہے اور وہ چار آنے کو دے رہا ہوتا ہے اور گاہک بھی اُس سے سَودا خریدتا ہے خواہ اُسے مہنگا ملے یا سستا۔ اسے کیا مصیبت پڑی ہے کہ دھیلے پیسے کی چیز کے لئے شہر کی طرف بھاگا پھرے۔ ہمارا عالم بھی اُسی رنگ میں چل رہا ہے جس رنگ میں چھوٹے گاؤں کا بنیا ہوتا ہے۔ اُسے احساس ہی نہیں کہ ملک میں کیا ہورہا ہے اور اسے کیا کرنا چاہئے۔ اِس وقت مخالفت کے سمندر میں ایک جوش پیدا ہورہا ہے، اس کی لہریں اُٹھنی شروع ہوگئی ہیں، اس کی موجوں میں تلاطم آرہا ہے، اس کا پانی دیہات اور شہروں اور باغات کی طرف بڑھ رہا ہے مگر وہ آرام سے سوئے ہوئے ہیں۔ گویا اُن کی مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسے انگریزی میں یہ ضربُ المثل ہے کہ:۔

''روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا''

مَیں تم کو بتاتا ہوں کہ تم اپنے اندر تغیر پیدا کرو۔ اگر تم ان کے نقش قدم پر چلے تو سمجھ لو کہ تمہارے لئے موت ہے۔ ایمان کے لئے موت نہیں، دین کے لئے موت نہیں، سچے مخلصوں کے لئے موت نہیں مگر جو اِن کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں گے اُن کی یقیناً موت ہوگی۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا میں ہماری فتح یقینی ہے کیونکہ خدا کا ہاتھ ہمارے ساتھ ہے لیکن اس میں

بھی کوئی شبہ نہیں کہ علماء ہماری فوج ہیں اور جب فوج کے کسی حصّہ میں غفلت پیدا ہو جائے تو یہ حالت بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ان میں سے بعض کی نہ دین کی طرف توجہ ہوتی ہے، نہ اُن میں خدا تعالیٰ کے عشق کی گرمی ہے، نہ قومی خدمت کا احساس ہے بس سوائے اس کے اور کوئی کام ہی نہیں کہ درسی کتب لڑکوں کو پڑھا دیں اور آرام سے سوئے رہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ میرے پاس رپورٹیں آتی رہتی ہیں کہ بعض دفعہ اُن سے سوالات کئے جاتے ہیں تو وہ اُن کے جواب نہیں دے سکتے۔ اگر واقعہ میں ان کے دلوں میں دین کا درد ہوتا تو وہ پارہ کی طرح اُچھل رہے ہوتے مگر کسی میں کوئی گرمی، کوئی حدت اور کوئی جوش مجھے نظر نہیں آتا۔

اِسی طرح جو باہر سے آنے والے مبلّغ ہیں اُن کو میں یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو اپنے علاقوں کا بادشاہ تصور نہ کیا کریں۔ میں نے بے شک اپنے علماء کی تنقیص کی ہے لیکن جماعت زندہ ہے اور جماعتی روح جسے دوسرے لفظوں میں خلافت کہتے ہیں وہ بھی زندہ ہے۔

تمہیں یاد رکھنا چاہئے ایک مرکز ہے جس کے بنائے ہوئے قانونوں پر تمہیں پوری طرح عمل کرنا پڑے گا اور اگر کوئی شخص اِس کی خلاف ورزی کرے گا تو اُسے جماعت میں سے خارج کر دیا جائے گا۔ پس بیرونی مبلغین بھی اپنے پہلے طریق کو بدل لیں۔ یہ کہ محکمہ کی کمزوری کی وجہ سے تم اپنے علاقوں میں حاکم بنے رہو اِس کے یہ معنی نہیں کہ تمہیں جماعت سے نکالا نہیں جا سکتا۔ اگر تم دس ہزار میل پر بھی بیٹھے ہو اور تمہیں اپنے علاقوں میں لاکھوں لوگ عقیدت مندانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوں، تب بھی مرکز کی نافرمانی کرنے پر تم جماعت سے نکال دیئے جاؤ گے اِس وقت تک اس بارہ میں کوتاہی سے کام لیا گیا ہے کیونکہ کام پر ایسے آدمی مقرر تھے جنہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں تھا مگر اب ہم مرکز کو ایسا مضبوط بنانے والے ہیں کہ مرکز کے ہر لفظ کی اطاعت ضروری ہوگی اور اگر کسی قسم کی کوتاہی ہوئی تو ایسے شخص کو سخت سزا دی جائے گی۔ پس وہ من مانی کارروائیاں جو بیرونی مبلّغین کر لیا کرتے تھے اب ان کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تمہارے جاہلیت کے تمام خون میں اپنے پاؤں کے نیچے مسلتا ہوں اب کسی شخص کے لئے ان کا بدلہ لینا جائز نہیں ہوگا۔[۳] اسی طرح میں اپنے پہلے طریق کو اپنے پاؤں کے نیچے مسلتا ہوں۔

(اِس موقع پر حضور نے اپنے پاؤں کو زمین پر رگڑا اور بڑے پُر جلال انداز میں فرمایا) اب تمہیں مرکز کی کامل طور پر لفظاً لفظاً، قدماً قدماً، شبراً شبراً اطاعت کرنی پڑے گی اور اگر اِس بارہ میں کسی قسم کی غفلت کی گئی تو میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ایسے شخص کے خلاف جماعتی طور پر شدید ترین کارروائی کی جائے گی۔ تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لمبے عرصہ کے بعد پھر مسلمانوں کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کیا ہے اور اس اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے ہماری تمام کوششیں وقف رہنی چاہئیں۔

تم مت خیال کرو کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو احمدیت کے رستہ میں روک بن سکتا ہے یا تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جس کی وجہ سے احمدیت کو مدد مل رہی ہے۔ نہ احمدیت کے رستہ میں کوئی شخص روک بن سکتا ہے اور نہ حقیقی طور پر کسی کی مدد کے ذریعہ احمدیت ترقی کر رہی ہے۔ جب حضرت مولوی عبدالکریم صاحب فوت ہوئے تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ بڑا بولنے والا انسان تھا اب یہ جماعت گئی۔ مگر جماعت آگے سے بھی بڑھ گئی۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہوئے تو مولویوں نے کہا اب یہ سلسلہ ختم ہو گیا مگر جماعت آگے سے بھی بڑھ گئی۔ پھر لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ اصل میں تمام کام نورالدین کا تھا وہی مرزا صاحب کو سکھایا کرتا تھا اب اس کی وفات پر یہ جماعت ختم ہو جائے گی لیکن حضرت خلیفہ اوّل فوت ہوئے اور جماعت نے پہلے سے بھی زیادہ ترقی کرنی شروع کر دی۔ پھر پیغامیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ایک پچیس سال کا لڑکا خلیفہ بن گیا ہے اب یہ جماعت کو تباہ کر دے گا۔ مگر آج ۳۶ سال گزر چکے ہیں اور دنیا دیکھ رہی ہے کہ جماعت تباہ نہیں ہوئی بلکہ پہلے سے بہت زیادہ ترقی کر چکی ہے۔ اس وقت جتنے ممالک میں ہمارے مبلغین موجود ہیں ان ممالک میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک بھی احمدی نہیں تھا اور کوئی بھی آپ کے نام کو نہیں جانتا تھا۔ نہ سوڈان والے آپ کو جانتے تھے، نہ انڈونیشیا والے آپ کو جانتے تھے، نہ جرمنی والے آپ کو جانتے تھے، نہ دوسرے ممالک میں کوئی احمدی موجود تھا ان تمام ممالک میں میرے زمانہ میں ہی احمدیت کا نام پہنچا ہے۔ پس جب تک خدا کا ہاتھ ہمارے ساتھ ہے کوئی فرد ہمارے راستہ میں روک نہیں بن سکتا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہ

ہم کتنی بھی عزت کریں ہمیں ماننا پڑے گا کہ جماعت کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں بنایا، ہمیں ماننا پڑے گا کہ جماعت کو خلیفہ اوّل نے نہیں بنایا، ہمیں ماننا پڑے گا کہ اس جماعت کو خلیفہ ثانی نے بھی نہیں بنایا۔ اسی طرح کوئی شخص خواہ کتنی بھی پوزیشن رکھتا ہوا گر وہ احمدیت کے مقابلہ میں کھڑا ہوا تو وہ ایک مکھی کی طرح اِس سلسلہ میں سے نکال دیا جائے گا اور وہ کچھ بھی اس سلسلہ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اور جب تک یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریق پر چلتا چلا جائے گا اسے زیادہ سے زیادہ شان وشوکت حاصل ہوتی چلی جائے گی لیکن جس دن خدانخواستہ یہ سلسلہ اس راستہ سے ہٹ گیا (اور ابھی یہ بہت دور کی بات ہے) تو پھر تم اُٹھاؤ گے تو یہ نہیں اُٹھے گا اور تم روکوں کو دُور کرو گے تو وہ دور نہیں ہوں گی۔

پھر دفتر کی بدانتظامی کی وجہ سے جو مبلغین پہلے بیرونی ممالک سے آتے تھے وہ چھ چھ مہینے، سال سال، دو دو سال تک فارغ بیٹھے رہتے تھے اور ان سے کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔ اب میں نے ہدایت دے دی ہے کہ مبلغین کو باقاعدہ رخصت دو اور پھر رخصت سے واپس آنے پر ریفریشر کورس انہیں دیا جائے اور جن کے لئے ضروری نہ ہو اُنہیں دفاتر میں کام پر لگایا جائے۔ اس طرح ان کی معلومات میں اضافہ ہوسکتا ہے اور ان کے ذریعہ سلسلہ بھی فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ مثلاً اگر ایسٹ افریقہ میں کام کرنے والے مبلّغ کو ویسٹ افریقہ کی ڈاک کے کام پر لگا دیا جائے یا ویسٹ افریقہ کے مبلّغ کو انڈونیشیا کی ڈاک کا کام سپرد کر دیا جائے اور وہ ان کی فائلیں وغیرہ دیکھتے رہیں اور مبلغین سے خط وکتابت کرتے رہیں تو تھوڑے عرصہ میں ہی وہ اُس ملک کے حالات سے باخبر ہو جائیں گے۔ اور پھر اگر اس مبلّغ کو اِسی ملک بھجوا دیا جائے تو وہاں وہ آسانی سے کام کر سکے گا۔ بہر حال وقت کو ضائع کرنا ناپسندیدہ امر ہے۔ اس سے دماغ کند ہو جاتا ہے اور انسان کی طاقتیں رائیگاں چلی جاتی ہیں۔ میں نے اب حکم دے دیا ہے کہ اگر نظارت کسی مبلّغ کو فارغ رکھے گی اور اس سے کام نہیں لے گی تو اسے سزا دی جائیگی۔

اس کے بعد میں طالب علموں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ انہیں درسی کتب کے علاوہ مختلف علمی کتابوں کا بھی مطالعہ کرتے رہنا چاہئے اور اس طرح اپنی معلومات کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنا چاہئے۔ تمہارے اُستاد تمہیں یہاں قرآن کریم پڑھاتے ہیں مگر تمہیں یہ بھی معلوم ہونا

چاہئے کہ غیر احمدی مولوی قرآن کریم سے کیا نتیجہ نکالتے ہیں، تمہارے استاد تمہیں یہاں بخاری پڑھاتے ہیں مگر تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ مخالف علماء بخاری کے کیا معنی کرتے ہیں اور پھر تمہارا فرض ہے کہ تم ان کے اعتراضات کا حل سوچو۔ قرآن کریم بے شک خدا کی کتاب ہے مگر اُس نے اپنی صداقتیں اِس میں مخفی رکھی ہیں۔ اگر ہر صداقت کو اشاروں میں بیان کرنے کی بجائے تفصیلی طور پر بیان کیا جاتا تو اِس کیلئے لاکھوں لاکھ مجلدات کی ضرورت تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ کے ماتحت تمام صداقتیں اس میں بیان تو کر دی ہیں مگر اس طرح اشاروں میں بیان کی ہیں کہ ان کو سمجھنے کے لئے بہت بڑے تدبر اور فکر کی ضرورت ہے اور تمہارا کام ہے کہ تم ان حقائق کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اور اپنے اندر تدبر کا مادہ پیدا کرو۔ اسی طرح غور کرو کہ کمیونزم کا کس طرح مقابلہ کیا جاسکتا ہے، سوشلزم کیا چیز ہے اور اس کے کیا اثرات ہیں اور تمہیں اس کے متعلق ہر قسم کا لٹریچر پڑھنا چاہئے۔ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے تمام علوم کی کتابیں پڑھتا رہتا ہوں۔ اسی طرح اگر تم بھی ان کتب کا مطالعہ کرو اور اپنے اساتذہ سے سوالات دریافت کرتے رہو تو تمہارے اُستادوں کو بھی پتہ لگ جائے گا کہ دنیا کیا کہتی ہے اور اس طرح تم اپنے استادوں کے بھی استاد بن جاؤ گے۔ میرے پاس کمیونزم کے متعلق ہر قسم کی کتابیں موجود ہیں، سوشلزم کے متعلق ہر قسم کی کتابیں موجود ہیں، احمدیت کے مخالفین کا بھی لٹریچر موجود ہے اور میں نے یہ تمام کتابیں پڑھی ہوئی ہیں۔ میں نے بعض دفعہ ایک ایک رات میں چار چار سَو صفحہ کی کتاب ختم کی ہے اور اب تک بیس ہزار کے قریب کتابیں میں پڑھ چکا ہوں۔ دس ہزار کتاب تو قادیان میں ہی میری اپنی لائبریری میں تھی مگر مطالعہ کیلئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ کتاب کا غیر ضروری حصہ انسان چھوڑتا چلا جائے۔ مثلاً کمیونزم کے متعلق جو کتاب ہوگی عموماً اُس کے تین حصے ہونگے۔ پہلا یہ کہ امریکہ اور انگلستان کا فرد اُس کے دفاع کیلئے کیا کرتا ہے۔ دوسرا یہ کہ کمیونزم کے اصل خیالات کیا ہیں۔ تیسرے کمیونزم کے متعلق دشمنوں کے کیا اعتراضات ہیں۔ اب یہ سیدھی بات ہے کہ مجھے اِس بات سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا کہ امریکہ اور انگلستان اس کا کس طرح دفاع کرتا ہے، اسی طرح لوگوں کے اعتراضات کی بھی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہوگی میں صرف یہ دیکھوں گا کہ کمیونزم کے اصل خیالات کیا ہیں اور اس

طرح پانچ سَو صفحہ کی کتاب میں سے بعض دفعہ پچاس ساٹھ صفحات ہی پڑھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ بہرحال کتب کا مطالعہ تم اتنا وسیع کرو کہ ہر طالبعلم دو سال کے بعد جب یہاں سے نکلے تو وہ دو دو، تین تین سَو کتاب پڑھ چکا ہو اور اس کے دماغ میں اتنا تنوع ہو کہ جب وہ کسی مجلس میں بیٹھے اور کسی مسئلہ پر گفتگو شروع ہو تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اُس کے سامنے کوئی نئی چیز پیش کی جا رہی ہے بلکہ وہ یہ سمجھے کہ یہ تو وہی چیز ہے جو میں پڑھ چکا ہوں۔

میں اِس موقع پر اساتذہ کو اس امر کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہماری زنجیر کا سب سے کمزور خانہ اِس وقت وہی ہیں۔ اِنہیں اپنے اندر روحانیت پیدا کرنی چاہئے، اپنے اندر دینداری اور محبت باللہ کی روح پیدا کرنی چاہیے۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ کو محض نوکر سمجھتے ہیں حالانکہ اگر ہمارا مقصد صرف لڑکوں کو پڑھانا ہوتا تو اِس غرض کے لئے غیر احمدیوں کو بھی رکھا جا سکتا تھا تمہارا کام صرف لڑکوں کو درسی کتب پڑھا دینا کافی نہیں بلکہ تمہیں اپنے اندر روحانیت پیدا کرنی چاہئے اور تمہیں یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اِس وقت اللہ تعالیٰ اسلام کو دنیا میں غالب کرنا چاہتا ہے اِس سکیم کے راستہ میں جو شخص بھی روڑا بن کر کھڑا ہو گا وہ مارا جائے گا اور اس کا ایمان ضائع چلا جائے۔ پس اپنے ایمان کو مدنظر رکھتے ہوئے تمہیں یہ سوچ لینا چاہئے کہ تمہارا انجام کیا ہوگا۔ آج بے شک تم اپنے ایمانوں کو مضبوط سمجھتے ہو لیکن اگر تمہارے اندر یہی بے حسی رہی تو کسی نہ کسی وقت تمہیں ٹھوکر لگ جائے گی کیونکہ جب تک انسان اپنے فرائض کو نہ سمجھے خدا تعالیٰ کی تلوار اُس کی گردن پر لٹکی ہوئی ہوتی ہے اور اُس کا انجام خطرناک ہوتا ہے۔ بے شک ہم تمہیں اِس کام کے بدلہ میں کچھ گزارہ بھی دیتے ہیں مگر یہ گزارہ اصل چیز نہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ تمہیں یہ نظر آنا چاہئے کہ ہمیں جو کچھ دے رہا ہے خدا دے رہا ہے۔ ہاتھ بے شک بندوں کے ہیں لیکن اِن ہاتھوں کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی نصرت کام کر رہی ہے۔ اور یہی وہ نقطۂ نگاہ ہے جو تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ روشن کر سکتا ہے۔

یوں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی لوگ ہی دیتے تھے مگر وجہ کیا ہے کہ وہ ہر تائید کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے اس کی وجہ یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہاماً

فرما دیا تھا کہ یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُوْحِیْ اِلَیْھِمْ مِنَ السَّمَآءِ [4] مدد کرنے والے لوگ تیری مدد کریں گے اور تحائف پیش کرنے والے تیرے پاس تحفے لائیں گے مگر درحقیقت وہ نہیں دے رہے ہوں گے مگر ہم اُن کی گردنیں پکڑ کر تیرے پاس لا رہے ہوں گے اور وہ جو کچھ تجھے دیں گے ہمارے حکم کے ماتحت دیں گے۔ دنیا میں دینے والا احسان کرتا ہے اور لینے والا ممنون ہوتا ہے مگر یہاں دینے والا ممنون ہوتا ہے اور احسان کرتا ہے۔ یہ یَدُالْعُلْیَا خدا تعالیٰ کے مامور کا ہاتھ ہوتا ہے اور یَدُالسُّفْلٰی اُس شخص کا ہاتھ ہوتا ہے جو دے رہا ہوتا ہے اِسی طرح تمہیں بھی نظر آنا چاہئے جو کچھ تمہیں مل رہا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل رہا ہے اور تمہارے اندر اتنی روحانیت ہونی چاہئے کہ تمہارا اُٹھنا بیٹھنا، تمہارا اوڑھنا اور تمہارا بچھونا، تمہارا سونا اور تمہارا جاگنا، تمہارا بولنا اور تمہارا خاموش رہنا سب کچھ خدا کے لئے ہو۔ پس تم اپنے آپ کو اس جماعت کا صحیح معنوں میں فرد بنانے کی کوشش کرو جس جماعت کا عالم کہلانے کا اُس نے تمہیں موقع عطا فرمایا ہے ورنہ اگر تمہاری دینی حالت کمزور رہے گی اور تمہارے اندر دین کی رغبت اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اسلام کی اشاعت کی ایک آگ اور سوزش نہیں ہوگی تو اللہ تعالیٰ ہی تمہارا انجام بخیر کرے تو کرے اِس کے سِوا تمہارے بچاؤ کی اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

میں آخر میں دوبارہ طالبعلموں سے کہتا ہوں کہ کرو جو کچھ تمہارے اساتذہ کہتے ہیں مگر مت کرو جو وہ کرتے ہیں کیونکہ اِن پر اِس قسم کی سستی اور لاپرواہی چھائی ہوئی ہے کہ اِسے دیکھ کر دل لرز جاتا ہے۔ تمہارے اندر ایک آگ ہونی چاہئے۔ تمہارے اندر ایک جلن اور سوزش ہونی چاہئے جو ہر وقت تمہیں بے تاب رکھے۔ تم آگ کے ساتھ ایک عظیم الشان جنگل کو جلا کر راکھ کر سکتے ہو مگر تم منہ کی پھونکوں کے ساتھ ایک پتہ کو بھی نہیں جلا سکتے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا کے خس و خاشاک کو جلا کر راکھ کر ڈالو تو تمہیں اپنے دل میں ایک آگ پیدا کرنی چاہئے۔ اور اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا کے خس و خاشاک کو جلاؤ لیکن تمہارے دل میں آگ نہیں، تمہارے منہ سے شعلے نہیں نکلتے بلکہ تمہارے منہ سے گرم بھاپ بھی نہیں نکلتی تو تمہاری زندگی عبث ہے اور تم اپنا وقت رائیگاں کھو رہے ہو۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب پر رحم کرے، ہماری غلطیوں کو معاف فرمائے اور ہمیں اسلام کی صحیح خدمت کی توفیق بخشے۔ آمین

(الفضل ۹، ۱۶، ۲۳ جنوری ۱۹۶۳ء)

---

۱ متی باب ۵ آیت ۱۷ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء (مفہوماً)

۲ متی باب ۲۳ آیت ۲: ۳ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء (مفہوماً)

۳ البداية والنهاية جلد ۵ صفحہ ۲۰۱۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۶ء

۴ تذکرہ صفحہ ۵۰۔ ایڈیشن چہارم

تعلیم الاسلام ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ کے قیام و استحکام میں ایک نوجوان کا تاریخی کردار

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

تعلیم الاسلام ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ کے قیام واستحکام میں ایک نوجوان کا تاریخی کردار

(فرمودہ ۱۶ مئی ۱۹۵۰ء بمقام چنیوٹ)

تشہّد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''بات تو کئی دفعہ کہی ہوئی ہے لیکن پھر بھی کسی نے کہا ہے:۔

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

سنی ہوئی باتیں پھر کئی دفعہ سنی جاتی ہیں اور کہی ہوئی باتیں بھی کئی دفعہ کہی جاتی ہیں۔ کبھی تو اس لئے کہ دل ان کی یاد سے خوش ہوتا ہے یا دل ان کی یاد سے اپنے غم کو تازہ کرنا چاہتا ہے اور کبھی اس لئے ایک کہی ہوئی بات جو نہایت ضروری ہوتی ہے باوجود اِس کے کہ وہ کہی ہوئی ہوتی ہے اثر کرنے سے قاصر رہ جاتی ہے اس لئے اُسے بار بار دُہرانا ضروری ہوتا ہے تا وہ اثر انداز ہو۔ پس کوئی وجہ سمجھ لو مجھے آج پھر ایک پرانا قصہ دُہرانا پڑ رہا ہے۔ ہماری زبان میں ''دُہرانا پڑ رہا ہے'' کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے نفس پر جبر کر کے وہ کام کر رہا ہے۔ میں نے اِن معنوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا ہے اور یہ فقرہ میرے منہ سے اتفاقی طور پر نہیں نکلا۔ مگر یہ چیز کسی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے ہی نفس کی طرف سے اور اپنی ہی پُرانی یادوں کی وجہ سے ہے جنہوں نے میرے دل میں پھر اپنا سر اُٹھایا اور یہ باتیں باہر نکلنے کیلئے تڑپیں۔ اور انہوں نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں انہیں ان کے قفس سے آزاد کر دوں تا ایک دفعہ پھر وہ ہوا میں پھڑ پھڑا سکیں۔

شہد کی مکھیوں کو دیکھو شاید تمہیں نیچرل ہسٹری پڑھائی جاتی ہو تو تم نے پڑھا ہو یا پڑھائی

نہیں جاتی تو مطالعہ میں یہ بات دیکھی ہو کہ شہد کی مکھیاں ایک ملکہ کے ماتحت ہوتی ہیں۔ جب چھتہ شہد سے بھر جاتا ہے اور شہد تیار ہو جاتا ہے تو انسان جو اپنے آپ کو تمام مخلوقات کا مالک سمجھتا ہے شہد کے جمع کرنے اور اسے نکال لینے کے لئے چھتہ پر جاتا ہے اور اُس کے نیچے دھواں رکھ دیتا ہے تا شہد کی مکھیاں اُڑ جائیں یا سمٹ کر ایک طرف ہو جائیں۔ شہد کی مکھیوں کی نوجوان پود وہ نئی پود جو اپنی عمر کو باقی سمجھتی ہے اور اس دنیا میں اپنا ایک زندہ مقصد قرار دیتی ہے وہ ملکہ کی سب سے بڑی بیٹی کو جو اُن کی آئندہ ہونے والی ملکہ ہوتی ہے یا انسانوں کی زبان میں وہ ان کی ولی عہد ہوتی ہے لے کر اُڑ جاتی ہیں اور پیشتر اِس کے کہ شہد کا چھتہ تباہ کیا جائے اور اُس سے شہد نکال لیا جائے وہ نیا چھتہ بنا لیتی ہیں اور نئے سرے سے اپنی زندگی کو شروع کر دیتی ہیں اور اپنے لئے ایک نیا مقام اور نیا مرکز بنانا شروع کر دیتی ہیں۔

یہ خدائی قدرت کا ایک بھاری معجزہ ہے کہ ایک چھوٹا سا جانور جس میں سوائے تھوڑی سی رطوبت کے کچھ بھی نہیں ہوتا، نہ ہڈیاں ہوتی ہیں نہ فقراتِ ظَہر ہوتے ہیں، نہ سانس لینے کے لئے سینہ ہوتا ہے، نہ جگر اور گردہ ہوتا ہے اسے مارو تو پچک کر رطوبت نکل جاتی ہے اور تھوڑی سی کھال اور تھوڑے سے پَر اور چند چھوٹی چھوٹی ہڈیوں کا مجموعہ جو صرف سر کی جگہ پر پائی جاتی ہیں باقی رہ جاتا ہے۔ بظاہر یہ چھوٹا سا کیڑا ہے لیکن کام اور عزم میں انسانوں کی بڑی بڑی سمجھدار اور مہذب قوموں سے بھی زیادہ تنظیم، استعداد اور عزم اپنے اندر رکھتا ہے۔ پس یہ قدرت کا ایک بہت بڑا معجزہ ہے مگر اس میں صرف ایک بات پائی جاتی ہے۔ صرف ایک پہلو معجزہ کا ہمیں نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے مکھیوں کی جوان نسل تباہی اور بربادی کے آنے پر یہ فیصلہ کر لیتی ہیں کہ ہم مریں گی نہیں اور اپنی خزاں کو بہار سے بدل دیں گی۔ یہ عزم جو نئی پود رکھتی ہے اور کسی حد تک یہ بات قدرتی نظر آتی ہے نوجوانوں کے لئے اِس میں بہت بڑا سبق ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ کم از کم تم میں ایک مکھی سے تو زیادہ عزم ہونا چاہئے۔ جب شہد کا چھتہ اُجاڑا جاتا ہے تو نوجوان مکھیاں انسان کو چیلنج کرتی ہیں کہ تم نے ہمیں اُجاڑا ہے لیکن تم ہمارے عزم کو نہیں اُجاڑ سکتے ہم اس کے ساتھ ایک نیا چھتہ تیار کریں گی۔ اِسی طرح ہم ہر مصیبت، ہر آفت، ہر ابتلاء اور ہر امتحان کے موقع پر اپنی نسلوں اور اولادوں کو کہہ سکتے ہیں کہ اے اشرف المخلوقات کی

نسلو! آفات اور مصائب سے گھبرانا نہیں۔ تمہیں کم از کم اتنا عزم تو دکھانا چاہئے جتنا شہد کی مکھیاں دکھاتی ہیں۔ اِسی طرح ہم اس مثال سے فائدہ اُٹھا سکتے تھے اور فائدہ اُٹھاتے ہیں اور یہ مثال پیش کر کے نوجوانوں کی ہمتوں کو بلند کر سکتے تھے اور بلند کرتے ہیں لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کا منشاء کبھی اس سے بڑے معجزے بھی دکھا سکتا ہے تو ہمارا سر خدا تعالیٰ کے سامنے اور زیادہ شکر گزاری کے ساتھ جھک جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں یہی سکول جو اَب تعلیم الاسلام ہائی سکول کہلاتا ہے قائم ہوا۔ یہ سکول اُس وقت قائم ہوا تھا جب میں ابھی ۹، ۱۰ سال کا تھا۔ ہمارے بعض لڑکے آریہ سکول میں پڑھا کرتے تھے جو اُس وقت قائم ہو چکا تھا اور ابھی مڈل تک تھا اور بعض لڑکے گورنمنٹ پرائمری سکول میں پڑھتے تھے جس کا ہیڈ ماسٹر اتفاقی طور پر آریہ تھا اور وہ ہر وقت بچوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا رہتا تھا جس کی وجہ سے طلباء اپنے اپنے گھر جا کر اسی قسم کی باتیں کرتے تھے۔ اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ اب ہمارے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ ایک سکول کھولا جائے۔ چنانچہ ایک پرائمری سکول قائم کیا گیا جو اُسی سال مڈل تک ہو گیا اور پھر کچھ عرصہ بعد ہائی سکول بن گیا۔ گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی یہ سکول قائم ہو گیا تھا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ مخالفین نے جماعت پر شدت سے حملے کرنے شروع کر دیئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا اب ہمیں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے نئی جدوجہد کرنی چاہئے اور آپ نے ایک مجلس شوریٰ بلائی تا جماعت مشورہ دے کہ اس وقت کے مقابلہ میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اُس وقت مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم بھی آئے ہوئے تھے اُنہوں نے سمجھا کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسی تحریک کر دی جائے جو ہماری کسی سکیم کے خلاف ہو۔ مناسب یہی ہے کہ ہم خود ہی یہ تحریک کر دیں کہ ہائی سکول کو توڑ دیا جائے اور اس کی بجائے علماء کی ایک جماعت تیار کی جائے، ہائی سکول اور بھی بہت ہیں اور ہمارے بچے ان میں تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ اس وقت علماء کی ضرورت ہے اور ان کے تیار کرنے کے لئے ایک دینیات سکول کی ضرورت ہے ہائی سکول کی ضرورت نہیں عجب یہ ہے کہ وہی لوگ جو انگریزی زبان کے حامی تھے وہی اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ ہائی سکول توڑ دیا

جائے ۔صرف خلیفۃ المسیح الاوّل ایک ایسے شخص تھے جن کا خیال تھا کہ ہائی سکول توڑ نا نہیں چاہئے ہائی سکول بھی قائم رہے اور دینیات کی تعلیم بھی دی جائے اور میرا خیال بھی یہی تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی عادت تھی کہ آپ اپنی بات کا زیادہ پروپیگنڈا نہیں کرتے تھے ہاں ملنے جلنے والوں سے باتیں کر لیتے تھے لیکن یہ نہیں ہوتا تھا کہ عام لوگوں میں جا کر کوئی لیکچر دیں۔آپ نے ایک مضمون لکھا تا وہ حضرت مسیح موعودؑ تک پہنچ جائے اور آپ کے خیالات کا حضورؑ کو علم ہو جائے ۔آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا میاں ! سنا ہے کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا میں تو اِس کا قائل نہیں ۔آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ ہم ایک سے دو ہو گئے میں ساری رات سویا نہیں میرے دل میں ایک بوجھ سا تھا کہ کوئی میرا ہم خیال نہیں اب تمہاری بات سے یہ خیال معلوم ہوا تو میں نے کہا اَلْحَمْدُلِلّٰہِ میں ایک نہیں رہا بلکہ دو شخص ایسے موجود ہیں جو ہم خیال ہیں ۔ میں نے ایک مضمون لکھا ہے یہ چیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس لے جاؤ۔ میں وہ مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس لے گیا۔ چنانچہ ایک جلسہ ہوا اور عام طور پر لوگوں نے یہی کہا کہ ہائی سکول کو جاری رکھنا فضول ہے ۔آخر دنیا میں اور ہائی سکول بھی موجود ہیں ہمارے بچے وہاں تعلیم حاصل کر سکتے ہیں ۔بعض افراد ایسے بھی تھے جنہوں نے یہاں تک کہا کہ ہمیں دینیات کی بھی کیا ضرورت ہے چنانچہ کوئٹہ کے تحصیلدار نذیر احمد صاحب نے یہی بات کہی لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس بات کی تائید کی کہ ہائی سکول بھی قائم رکھا جائے ۔آپ نے فرمایا میرا یہ منشا ہرگز نہیں تھا کہ ہائی سکول کو توڑ دیا جائے اور دینیات کلاس کھولی جائے ۔ پھر مدرسہ احمدیہ قائم ہوا ۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۷ء کی بات ہے ۔

گویا مدرسہ احمدیہ کی بنیاد بھی نہایت چھوٹے پیمانہ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود رکھی ۔ اِس کے سال دو سال بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہو گئے ۔آپ کے فوت ہو جانے کے بعد وہی لوگ جنہوں نے یہ تجویز کی تھی کہ ہائی سکول توڑ کر دینی کلاس کھولی جائے ،اُنہوں نے یہ تجویز کیا کہ مدرسہ احمدیہ توڑ دیا جائے اور ہائی سکول کو قائم رکھا جائے اور لڑکوں کو وظیفے دے کر کالج کی تعلیم حاصل کرائی جائے ۔اب کی دفعہ یہ مدنظر رکھا گیا کہ یہ تجویز ناکام نہ ہو اور مجلس شوریٰ کے قائم ہونے سے پہلے جماعتوں میں دَورے

کر کے اُن پر یہ اثر ڈال لیں تا جب یہ بات شوریٰ کے سامنے پیش ہو تو پہلے ہی جماعتیں اِس کی تائید کریں۔ چنانچہ صدر انجمن احمدیہ کے ایجنڈا میں یہ بات رکھی گئی کہ جلسہ سالانہ کے موقع پر مشورہ کر لیا جائے۔ میں بھی صدر انجمن احمدیہ کا ممبر تھا لیکن اتفاقاً یا ارادۃً وہ تجویز مجھے نہ بھیجی گئی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے معلوم بھی نہ ہوا کہ کیا ہونے والا ہے۔ میں چھوٹی سی مسجد کے باہر کسی سے باتیں کر رہا تھا کہ کسی نے کہا اندر شوریٰ ہو رہی ہے اور آپ یہاں کھڑے ہیں۔ میں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں مسجد میں گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد کناروں تک بھری ہوئی ہے۔ میں نے آگے نکلنا چاہا لیکن جگہ نہیں تھی۔ اُس وقت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کے ماموں چوہدری عبداللہ خان صاحب وہاں کھڑے تھے ایک دُھندلی سی یاد پڑتی ہے کہ اُنہوں نے کہا اچھا ہوا کہ آپ آ گئے۔ کنارے کے پاس ذرا آگے مجھے تھوڑی سی جگہ مل گئی اور میں وہاں کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک کے بعد دوسرا کھڑا ہوتا ہے اور دوسرے کے بعد تیسرا کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے ہمیں اِس سکول کی ضرورت ہی کیا ہے، ہر مسلمان عالم ہوتا ہے۔ جب کوئی ڈاکٹر بنے گا یا وکیل بنے گا اور اس کے پاس دینی تعلیم بھی ہوگی تو جتنی تبلیغ وہ کر سکے گا اُتنی مولوی نہیں کر سکتے۔ غرض ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا کھڑا ہوتا اور مدرسہ احمدیہ کے خلاف تقریر کرتا۔ غریب سے غریب آدمیوں نے بھی جب یہ سنا کہ لڑکوں کو وظیفے دیئے جائیں گے اور انہیں ڈاکٹر اور وکیل بنایا جائے گا تو اُن کے منہ میں پانی آنا شروع ہوا کہ کل ان کا لڑکا بھی ڈاکٹر یا وکیل بنے گا۔ اُنہوں نے بھی جوش میں آ کر یہ کہنا شروع کر دیا یہ مبارک بات ہے ایسا ہی ہونا چاہئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک آواز بھی ایسی نہیں تھی جو اس کی تائید میں ہو کہ مدرسہ احمدیہ جاری رکھنا چاہئے۔

تب میں نے کہا کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ شاید بعض دوستوں کو اُس وقت معلوم ہوا کہ میں بھی مجلس میں آ چکا ہوں۔ میری اُس وقت ۱۹ سال کی عمر تھی شاید بعض سٹوڈنٹس کی عمریں مجھ سے زیادہ ہوں۔ میں نے کہا میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جماعت گو ساری کی ساری اِس بات پر متفق تھی کہ مدرسہ احمدیہ توڑ دینا چاہئے لیکن ان سب نے بیک آواز کہا کہ ہاں ہاں! آپ

بولیے غالباً وہ سمجھتے تھے کہ میں اس بات پر اَور زور دوں گا کہ وظیفے دیئے جائیں اور جماعت کے نوجوانوں کو ڈاکٹر اور وکیل بنایا جائے۔ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم اُس وقت تقریر کر رہے تھے، وہ گھبرائے اور کہا کہ میں ذرا اپنی تقریر ختم کرلوں، پھر کہا آپ آگے آجائیں۔ میں نے کہا میں یہیں ٹھیک ہوں۔ میں نے کہا کہ ہم حدیثوں میں پڑھا کرتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے مسلمانوں کی ساری جان نکال کر ایک لشکر تیار کیا سارے نوجوان جو لڑنے والے بالغ اور سمجھدار تھے ان سب کی ایک فوج بنائی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی اس لشکر میں شامل تھے کیونکہ روما نے حملہ کر کے بعض مسلمانوں کو مار دیا تھا۔ اس فوج پر آپ نے حضرت اسامہؓ کو افسر مقرر کیا اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ نے فرمایا میں اچھا ہوں گا تو اِس لشکر کو خود باہر چھوڑنے کے لئے جاؤں گا مگر مشیّت الٰہی کے ماتحت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیماری سے شفایاب نہ ہوئے اور اُسی میں وفات پا گئے۔ آپ کی وفات کی خبر سنتے ہی سارا عرب باغی ہوگیا اور صرف مکہ اور مدینہ میں اسلامی حکومت باقی رہ گئی۔ حضرت ابوبکرؓ پہلے خلیفہ مقرر ہوئے آپ نے حکم دیا کہ یہ لشکر روما کی طرف روانہ ہو اور حضرت اسامہؓ سے صرف اتنا کہا کہ اگر اجازت دو تو عمرؓ کو میں اپنے پاس رکھ لوں تا وہ میرے مشیر کار ہوں۔ انہوں نے اجازت دے دی اور حضرت عمرؓ مدینہ میں رہ گئے۔ روما کی حکومت اُس وقت آدھی دنیا پر حکمران تھی اور بظاہر حالات لشکر کا بچ کر آجانا ناممکن نظر آتا تھا۔ بعض صحابہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ سارا عرب باغی ہو چکا ہے اگر یہ لوگ بھی چلے گئے تو دشمن آگے بڑھتا چلا آئے گا اور اسے روکنے والا مدینہ میں کوئی شخص نہیں ہوگا۔ چنانچہ صحابہؓ کا ایک وفد حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ اس لشکر کو روک لیجئے پہلے یہ باغیوں اور مرتدوں کے ساتھ لڑئے اور جب وہ انہیں شکست دے دے تو باہر بھیجا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کے رسول نے ایک لشکر تیار کیا تھا اور فرمایا تھا کہ میں تندرست ہونے پر سب سے پہلا موقع ملنے پر اس لشکر کو روانہ کروں گا۔ پھر وہ فوت ہوگیا اور خدا تعالیٰ نے اس کی خلافت مجھے عطا فرمائی۔ اب کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اُس کا خلیفہ اور قائم مقام ہو کر سب سے پہلا کام یہ کروں کہ اُس نے جو حکم دیا تھا اُسے منسوخ کر دوں؟[1] کیا یہ خلافت ہوگی یا تردید؟

صحابہؓ خاموش ہو گئے اور وہ لشکر روانہ ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو خدا تعالیٰ نے بغیر فوجوں کے فتح دی اور لشکر بھی کامیاب وکامران واپس آیا۔

میں نے کہا ہم حدیثوں میں یہ پڑھا کرتے تھے اب پھر خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی بُری حالت اور ان کی ناکامیوں اور نامرادیوں کو دیکھ کر اپنا ایک مأمور مبعوث فرمایا اور وہ مأمور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اُس جماعتی مشکلات کو دیکھتے ہوئے مدرسہ قائم کیا اور خود ایک شوریٰ بُلا کر اس بات کا اظہار کیا اور دو بزرگوں مولوی عبدالکریم صاحب اور مولوی برھان الدین صاحب کی طرف اِسے منسوب کیا کہ اِن کی یادگار قائم رکھنے کے لئے اِس سکول کو قائم کیا گیا ہے تا ایسے لوگ آئندہ بھی جماعت میں تیار ہوتے رہیں۔ میں نے کہا کہ ہم جن کی زبانیں یہ بات کہتے ہوئے خشک ہوتی ہیں کہ ہم صحابہؓ کے مثیل ہیں، ہم جن کی زبانیں یہ کہتے ہوئے خشک ہوتی ہیں کہ ہم نے خلافت کا اِحیاء کر دیا ہے اور اسلام کو دوبارہ قائم کیا ہے ہماری یہ حالت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو منسوخ نہیں کر سکتا لیکن ہم اپنے اجلاس میں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ جو فیصلہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا تھا ہم اُسے منسوخ کرتے ہیں۔ بیشک ڈاکٹری اور وکالت کی لالچ ہے مگر ایمان کی لالچ اِس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس پر وہی جماعت جو سر دُھن رہی تھی اور کہہ رہی تھی ٹھیک ہے ٹھیک ہے مدرسہ احمدیہ توڑ دیا جائے اور لڑکوں کو وظائف دے کر ڈاکٹر اور وکیل بنایا جائے، یوں معلوم ہوا کہ وہ سوتے سوتے جاگ اُٹھے ہیں۔ یا تو وہ اُن کی باتوں سے اتفاق کر رہے تھے یا اِن کی آنکھوں سے شرارے نکلنے شروع ہوئے۔ خواجہ صاحب بڑے کایاں آدمی تھے وہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا میں نے بھی تو یہی کہا تھا اب اِس مضمون کو بند کر دیا جائے۔ آئندہ تحریر کے ذریعہ معلوم کیا جائے کہ جماعت کی اِس بارے میں کیا رائے ہے۔ چنانچہ خط میں بھی انہوں نے یہی مضمون لکھا اور مجھے یاد ہے کہ دو جماعتوں کے سوا باقی سب نے یہی کہا کہ مدرسہ احمدیہ کو نہ توڑا جائے ہم تو شوریٰ کے موقع پر ہی فیصلہ کر آئے تھے اب دوبارہ کیا ضرورت ہے۔ غرض ہماری جماعت پر نازک دور آئے اور بڑی عمر کے لوگوں نے سکول جاری رکھنے یا بند کرنے کے

سوال پر ٹھوکر کھائی اور کہا اسے بند کردو لیکن اشرف المخلوقات انسان کی نسل میں سے ایک نوجوان نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ ہم سکول بند نہیں ہونے دیں گے اور جماعت کو نئے سرے سے مضبوط بنائیں گے۔ اور اُس نے ثابت کر دیا کہ انسانوں میں سے بھی ایسے لوگ ہیں جو شہد کی مکھی سے کم نہیں اور پھر یہی نظارہ دوبارہ مدرسہ احمدیہ کے بند کرنے کے متعلق نظر آیا۔ پھر انسان نے چھتہ میں سے شہد نکال کر اُسے بیکار کرنے کی کوشش کی اور پھر مکھیوں کو بے گھر بنانے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھانا شروع کیا۔ پھر دوبارہ بنی نوع انسان میں سے ایک نوجوان کو خدا تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اُس نے کہا کہ ہم اپنے گھر کو اُجڑنے نہیں دیں گے بلکہ ہم اسے اور زیادہ مضبوط بنائیں گے۔ یہ تو مکھی والا معجزہ ہوا۔

لیکن اس کا ایک دوسرا پہلو بھی تھا کہ اگر قوم کی نوجوان پود اِسی قسم کے معجزے دکھانے پر قادر ہوئی تو کیا اُدھیڑ عمر والے یا اُدھیڑ عمر سے زیادہ عمر والے لوگ بھی اِس قسم کا معجزہ دکھا سکتے ہیں جو وہ جوانی میں دکھا سکتے تھے۔ شہد کی مکھی نے ہمیشہ یہ معجزہ جوانی میں دکھایا ہے اور بہت سی قومیں یہ معجزہ دکھانے میں بھی نا قابل ثابت ہوئی ہیں۔ بہت کم نوجوان ایسے ہیں جنہوں نے انسانوں میں سے ایسا کام کر کے دکھایا ہے لیکن جماعت احمدیہ کے ایک فرد نے یہ معجزہ دو دفعہ دکھایا۔

مگر خدا تعالیٰ یہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ انسان جسے میں نے اشرف المخلوقات قرار دیا ہے شہد کی مکھی جیسا معجزہ نہیں بلکہ اِس سے بڑھ کر بھی معجزہ دکھا سکتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے مجھے زندہ رکھا یہاں تک کہ مخالفین کا ہاتھ ایک دفعہ اَور چھتہ کی طرف بڑھا اور اس دفعہ بڑی سختی کے ساتھ بڑھا۔ دشمن نے قادیان میں جمع ہوئی ہوئی مکھیوں کو تباہ کرنا چاہا اور ان کے چھتہ کو بیکار کرنا چاہا۔ قرآن کریم نے کلامِ الٰہی کو شہد سے تشبیہہ دی ہے قادیان میں کلامِ الٰہی کی خاطر جمع ہونے والی مکھیوں کو دشمن نے ان کے چھتہ سے بے دخل کر دیا اور انہیں اُڑا دیا۔ شہد کی مکھیوں کا یہ معجزہ ہے کہ ان کی ولی عہد یعنی ملکہ کی سب سے بڑی لڑکی اپنی رعایا میں سے بعض مکھیوں کو لیکر دوسرا گھر بنا لیتی ہے وہ اپنا دوسرا مرکز قائم کر لیتی ہے مگر اب کی دفعہ انسان نے وہ معجزہ دیکھا جس کی مثال مکھی کا چھتہ نہیں دکھا سکتا۔

جماعت کے اُسی فرد نے جس نے نوجوانی کی حالت میں شہد کی مکھیوں والا معجزہ دکھایا تھا اُس نے اُدھیڑ عمر سے بھی گزر کر دشمن کو چیلنج کیا کہ ہم اپنا گھر اُجڑنے نہیں دیں گے، ہم اپنا نیا چھتہ بنائیں گے اور دکھا دیں گے کہ ہمارے عزم کا مقابلہ کرنے والی اور کوئی قوم نہیں۔ اور تم یہ نظارہ دیکھ رہے ہو منزلیں گزرتی جاتی ہیں اور سفر ایک ہی پرواز میں طے نہیں ہوتا۔ ہم نے قادیان سے پرواز کی اور کچھ دیر لاہور ٹھہرے۔ پھر ایک پرواز کی اور کچھ آدمی احمد نگر چلے گئے اور کچھ چنیوٹ میں ہی ٹھہر گئے اور کچھ اُس جگہ کی تلاش میں گئے جہاں وہ اپنا نیا چھتہ بنائیں گے۔ اب ہم معماروں کی طرح نیا چھتہ بنا رہے ہیں اور اِس امید میں ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ اِسے شہد کے ساتھ بھر دیں گے اور مکھیاں سمٹ کر دوبارہ یہاں آ بیٹھیں گی۔ تم طالبعلم اس انتظار میں ہو کہ چھتہ بن جائے تو ہم وہاں جا بیٹھیں، احمد نگر والے اُس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب ہم معماروں کی طرح وہ چھتہ تیار کریں گے جس میں اُنہوں نے بیٹھنا ہے۔ یہ نشان جس طرح اسلام میں ظاہر ہوا ہے شاید ہی کسی دوسرے مذہب میں ظاہر ہوا ہو۔ یہ چیزیں منفردانہ حیثیت رکھتی ہیں۔ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نے باقی انبیاء کے مقابلہ میں اپنی منفردانہ حیثیت کو پیش کیا ہے۔ آپ کے اتباع نے بھی اپنی منفردانہ حیثیت کو پیش کیا ہے۔ میں تاریخ کا بڑا مطالعہ کرنے والا ہوں میں نے یہ مثال کہیں بھی نہیں دیکھی کہ ایک نوجوان نے اپنی نوجوانی میں ایک چھتہ قائم رکھا ہو اور پھر اُسے بڑھاپے میں بھی اُسے قائم رکھنے کی توفیق ملی ہو۔ تم دیکھو گے کہ ایک شخص جوانی میں ایک چیز بناتا ہے اور پھر وہ بنتی چلی جاتی ہے۔ ایک شخص بڑھاپے میں ایک چیز بناتا ہے اور پھر وہ بنتی چلی جاتی ہے مگر ایک شخص نے اپنی جوانی میں بھی ایک ایسے حملہ کا مقابلہ کیا جس نے جماعت کو تہہ و بالا کر لینے کا تہیہ کر لیا تھا۔ ابھی تو میں نے خلافت کا جھگڑا نظر انداز کر دیا ہے جب میں صرف ۲۵ سال کی عمر کا تھا اور دشمن نے ہمارا چھتہ اُجاڑنے کی کوشش کی۔ غرض ایک شخص سے جوانی میں بھی یہ کام لیا گیا ہو اور پھر بڑھاپے میں اُس سے بھی زیادہ خطرناک حالت میں اُس سے وہی کام لیا گیا ہو اور اُس نے جماعت کو پھر اکٹھا کر دیا ہو اِس کی مثال دنیا میں کہیں اَور نہیں ملتی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ ایک بڑھیا بڑی محنتی تھی۔ اُس نے سوت

کات کات کر اُس کی مزدوری سے سونے کے کڑے بنائے لیکن ایک چور آیا اور ایک رات زبردستی وہ کڑے چھین کر لے گیا۔ اُس بڑھیا نے چور کی شکل پہچان لی۔ سال دو سال بعد اُس بڑھیا نے پھر کڑے بنا لئے۔ ایک دن وہ گلی میں بیٹھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ چرخہ کات رہی تھی کہ وہ چور لنگوٹی پہنے پاس سے گزرا۔ اُس عورت نے اُس کی شکل پہچان لی اور آواز دے کر کہا بھائی ذرا بات سن جانا۔ وہ شخص چور تھا اور اُسے معلوم تھا کہ میں نے اِس گھر میں چوری کی ہے اُسے کھٹکا پیدا ہوا کہ کہیں مجھے پکڑوا نہ دیا جائے۔ وہ بھاگا۔ اُس عورت نے کہا میں تجھے پکڑواتی نہیں ہوں صرف ایک بات کرنی ہے۔ اُس عورت نے کچھ اِس انداز سے یہ بات کہی کہ اس چور کا خوف دور ہو گیا اور وہ ٹھہر گیا۔ اُس عورت نے کہا میں نے تمہیں اتنا ہی بتانا تھا کہ حلال وحرام میں کتنا فرق ہے۔ میں نے محنت مزدوری کر کے سونے کے کڑے بنائے تھے اور وہ تو لے گیا لیکن تمہاری اب بھی لنگوٹی کی لنگوٹی ہے اور میرے پاس اب بھی کڑے موجود ہیں۔ ہمیں غیر مبائع کہا کرتے تھے کہ قادیان میں ہونے کی وجہ سے اِن کو یہ قبولیت حاصل ہے اور لوگ اِن کی طرف اِس لئے آتے ہیں کہ اِن کے پاس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قائم کردہ مرکز ہے صرف اِسی لئے اِن کے گرد جماعت اکٹھی ہو رہی ہے لیکن خدا تعالیٰ نے ہمیں وہاں سے نکال دیا اور مخالف کو یہ دیکھنے کا موقع ملا کہ قادیان سے نکلنے کے بعد بھی مخالف ہماری طاقت کو نقصان نہیں پہنچا سکا۔ ہم اُس عورت کی طرح اُنہیں کہتے ہیں کہ تمہاری وہی لنگوٹی کی لنگوٹی ہے اور ہمارے پاس کڑے اب بھی موجود ہیں۔ ہم قادیان سے نکل کر بھی کمزور نہیں ہوئے بلکہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہوئے ہیں اور اِس کا ثبوت یہ ہے کہ پہلے ہم ایک ایک دو دو مبلّغوں کی دعوتیں کرتے تھے اور اب ہم درجنوں کی دعوتیں کرتے ہیں۔ کیونکہ اب مبلّغوں کے رسالے باہر جانے شروع ہو گئے ہیں اور وہ دن دور نہیں جب ایک ہی دفعہ مبلغوں کی بٹالین باہر جائیں گی۔ وہ دن دور نہیں جب مبلّغوں کے بریگیڈ باہر جائیں گے۔ وہ دن دُور نہیں جب مبلّغوں کے ڈویژن تبلیغ اسلام کے لئے باہر جائیں گے۔ (اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی)

(الفضل ۱۱؍ اپریل ۱۹۶۱ء)

۱؎ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۱۵ مطبوعہ لاہور ۱۸۹۲ء

صحابیات کے نمونہ پر چلنے کی کوشش کرو

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

صحابیات کے نمونہ پر چلنے کی کوشش کرو

(لجنہ اماء اللہ لاہور سے خطاب فرمودہ ۴؍جون ۱۹۵۰ء بمقام رتن باغ لاہور)

تشہّد تعوذ، سورہ فاتحہ اور سورہ الفلق کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میری طبیعت آجکل ایسی تو نہیں کہ میں یہاں کوئی تقریر کرسکتا۔ لیکن ایک دن جبکہ مجھے شدید ہیٹ سٹروک کی تکلیف تھی اور میں سر درد سے اپنے بستر پر پڑا ہوا تھا لاہور کی لجنہ اماء اللہ کی چند عہدیدار میرے پاس ربوہ پہنچیں اور اُنہوں نے کہا ہم نے سنا ہے کہ آپ تبدیلی آب و ہوا کے لئے بلوچستان جارہے ہیں۔ ہم چاہتی ہیں کہ وہاں جانے سے قبل ہمارے اجتماع میں بھی ایک تقریر کرجائیں۔ اپنی حالت کو دیکھتے ہوئے فوری طور پر میرا ذہن اِس طرف گیا کہ میں انکار کردوں لیکن جب میں نے دیکھا کہ میں تو اپنے کمرہ میں بھی گرمی اور لو لگنے کی وجہ سے بیمار ہوں اور بخار، سر درد اور دیگر کئی قسم کے عوارض میں مبتلا ہوں اور یہ اِس شدید گرمی میں لاہور سے چل کر آئی ہیں اور میں نے سمجھا کہ اگر میں اِن کی بات کو ردّ کردوں تو شاید یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو۔ چنانچہ میں نے اِن سے کہہ دیا کہ اچھا میں تقریر کردوں گا لیکن میری تقریر شام کے وقت رکھنا تاکہ گرمی میں باہر نکلنے سے مجھے تکلیف نہ ہو۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ملک میں چونکہ وقت کی پابندی کی عادت نہیں اِس لئے سمجھانے کے باوجود لجنہ اماء اللہ نے میری تقریر کے لئے پانچ بجے کا اعلان کردیا حالانکہ میں نے سات بجے یا زیادہ سے زیادہ ساڑھے چھ بجے وقت مقرر کرنے کی اِنہیں ہدایت دی تھی۔ جب میں یہاں پہنچا اور میں نے اِس بارہ میں شکوہ کیا تو لجنہ اماء اللہ کی طرف سے مجھے یہ جواب دیا گیا کہ عورتیں چونکہ وقت پر نہیں آتیں اس لئے ہم نے پانچ بجے کا اعلان کردیا تاکہ

آہستہ آہستہ دو گھنٹے میں تمام عورتیں جمع ہو جائیں گی۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ اگر یہی طریق آئندہ بھی اختیار کیا گیا تو عورتیں یہ سمجھنے لگ جائیں گی کہ ہمیں دو گھنٹے پہلے بلا لیا جاتا ہے ہم دو گھنٹے گزار کر جائیں گی۔ پھر اِن عورتوں کو وقت پر لانے کے لئے تین گھنٹہ پہلے اعلان کرنا پڑے گا، پھر جب وہ دیکھیں گی کہ اُنہیں تین تین گھنٹے انتظار کرنا پڑتا ہے تو وہ تین گھنٹے لیٹ پہنچا کریں گی۔ اس پر انہیں چار گھنٹے پہلے بلانا پڑے گا اور آہستہ آہستہ یہ حالت ہو جائے گی کہ اگر بدھ کو پانچ بجے تقریر کرنی ہو تو اس کے لئے یہ اعلان کرنا پڑے گا کہ منگل کو پانچ بجے جلسہ ہوگا تا کہ عورتیں بدھ کے دن پانچ بجے وقت پر پہنچ جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس قسم کی عادت ڈالی جائے اُسی قسم کی عادت پڑ جاتی ہے۔ صحیح طریق یہ ہے کہ تم اپنے جلسوں کے اوقات کا جو اعلان کرو اُس کے مطابق عین وقت پر کارروائی شروع کر دو اس طرح عورتوں کے دلوں میں یہ احساس پیدا ہوگا کہ ہمیں وقت پر پہنچنے کی کوشش کرنی چاہئے اور جو عورتیں بعد میں آئیں گی وہ دل میں شرمندہ ہوں گی کہ ہم اپنی سستی کی وجہ سے تقریریں سننے سے محروم رہیں اور وہ کوشش کریں گی کہ آئندہ صحیح وقت پر پہنچیں۔ آج میں نے عین سات بجے آ کر تقریر شروع کر دی ہے اور یہی وقت میں نے تقریر کے لئے مقرر کیا تھا لیکن لجنہ اماء اللہ کے پروگرام کے مطابق میں دو گھنٹے دیر سے آیا ہوں۔ اس تمہید کے بعد اور یہ نصیحت کرنے کے بعد کہ آئندہ مردوں اور عورتوں کے جلسے ٹھیک وقت پر شروع ہونے چاہئیں میں اُس مضمون کی طرف آتا ہوں جس کے لئے میں نے ابھی قرآن کریم کی ایک سورۃ پڑھی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ فلق میں ایک وسیع مضمون بیان فرمایا ہے جس کو بیان کرنا ایک بہت بڑے وقت کا متقاضی ہے اور درحقیقت اس کے لئے کئی گھنٹے بھی کافی نہیں ہو سکتے لیکن میری صحت کے لحاظ سے شاید اِس وقت چند منٹ بولنا بھی مشکل ہو اور پھر میرا گلا بھی بیٹھا ہوا ہے تاہم میں کوشش کروں گا کہ جس قدر بیان کر سکتا ہوں بیان کر دوں۔ ضمناً میں اِس وقت ایک اَور بات کا بھی ذکر کر دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ عورتیں بھی قوم کا ویسا ہی حصہ ہیں جیسا کہ مرد اس کا ایک حصہ ہیں۔ تم یہ بات اپنے ذہنوں میں سے نکال دو کہ تم قوم کا حصہ نہیں ہو۔ جب تک تم اِس بات کو اپنے ذہنوں میں سے نہیں نکالو گی تم کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکو گی۔

اِس بات کا خیال مجھے اِس وجہ سے پیدا ہوا کہ جب لجنہ اماء اللہ کی چند نمائندہ خواتین میرے پاس ربوہ آئیں تو اُن میں سے ایک خاتون نے مجھے بار بار کہا کہ آدمیوں کو تو آپ سے فائدہ اُٹھانے کے لئے بہت سا وقت مل جاتا ہے لیکن ہمیں نہیں ملتا۔ آخر مجھے کہنا پڑا کہ کیا تم اپنے آپ کو آدمی نہیں سمجھتیں!!

آدمی کے معنی ہیں جو آدم کی اولاد ہو اور آدم کی اولاد ہونے کے لحاظ سے جس طرح مرد اُس کی اولاد ہیں اِسی طرح عورتیں بھی اس کی اولاد ہیں پس تم بھی ویسے ہی آدمی ہو جیسے وہ آدمی ہیں۔ اگر پہلے ہی تم اپنے آپ کو آدمیت سے خارج کر لیتی ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم خود مردوں کے لئے ظلم کا راستہ کھولتی ہو۔ بہر حال عورتیں بھی قوم کا ایک حصہ ہیں اور وہ ان قوانین سے مستثنیٰ نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قوموں کی ترقی اور ان کے تنزل کے متعلق جاری کئے ہوئے ہیں۔

یہ چھوٹی سی سورۃ جس کی میں نے ابھی تلاوت کی ہے اور جسے سورۃ الفلق کہا جاتا ہے اس میں قوموں کی ترقی اور تنزل کے متعلق بعض احکام بیان کئے گئے ہیں جن کو مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قُلْ** اے محمد! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تُو لوگوں سے کہہ دے کہ **اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ**[1] میں مخلوق کے پیدا کرنے والے یا خلق کے پیدا کرنے والے ربّ کی پناہ مانگتا ہوں۔ دنیا میں جب کسی سے کوئی بات کہی جاتی ہے تو اُس کی غرض یا تو دوسرے کو یہ بتانا ہوتی ہے کہ میرا مذہب اور میرا عقیدہ یہ ہے اور یا دوسرے کو چیلنج کرنا مقصود ہے کہ میں تو اِس راستہ پر قائم ہوں اگر تم اس کے خلاف ہو تو بیشک اپنا زور صَرف کر لو مجھے تمہاری مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں۔ گویا لوگوں سے کچھ کہنا یا تو اِس رنگ میں ہوتا ہے جیسے استاد اپنے شاگرد سے کوئی بات کہتا ہے یا باپ اپنے بیٹے سے کوئی بات کہتا ہے یا ماں اپنی بیٹی سے کوئی بات کہتی ہے۔ مثلاً باپ اپنے بیٹے سے کہتا ہے میں تجھے بتاتا ہوں کہ میرا مذہب یہ ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر تم میری عظمت کو پہچانتے ہو تو تمہارا فرض ہے کہ تم بھی اسی مذہب کو اختیار کرو۔ یا ماں اپنی بیٹی سے کہتی ہے کہ میں تمہیں سچی بات بتاؤں میرا عقیدہ تو یہ ہے اور اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ میں چاہتی ہوں کہ تم بھی اس عقیدہ پر غور کرو۔ لیکن کبھی طعنہ کے طور پر بھی

اپنے دشمن کو یہی الفاظ کہے جاتے ہیں اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ میرا مذہب تو یہ ہے اب تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو بے شک کرلو۔غرض قُلْ کا لفظ یا تو چیلنج کیلئے استعمال ہوتا ہے اور یا پھر دوسروں کو اپنی تعلیم کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہوتا ہے۔پس قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ میں ایک طرف تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا گیا ہے کہ ہم نے تجھے ایسی اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی ہے جو قوم کے تمام مردوں اور عورتوں کے لئے انتہائی طور پر مفید ہے۔ایسی اعلیٰ اور مفید اور بابرکت تعلیم کہ تُو اپنے نفس تک ہی محدود نہ رکھ بلکہ دنیا کے تمام لوگوں تک اسے پہنچا اور سب کو اِس پر عمل کرنے کی طرف توجہ دلا۔دوسری طرف قُلْ کہہ کر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ تو اپنے دشمنوں سے کھلے طور پر کہہ دے کہ میں تمہاری مخالفتوں اور دکھوں اور فریبوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا میں اپنی باتوں پر مضبوطی سے قائم ہوں اور تمہیں چیلنج دیتا ہوں کہ تم نے میری مخالفت میں جو کچھ زور لگانا ہے لگالو۔گویا یہ ایسی سورۃ ہے جس میں دوستوں کو بھی مخاطب کیا گیا ہے اور دشمنوں کو بھی مخاطب کیا گیا ہے۔دوستوں کو بلایا گیا ہے کہ آؤ اور اِس تعلیم پر عمل کرو۔اور دشمنوں کو چیلنج کیا گیا ہے کہ تم اپنی ساری طاقتوں کو اکٹھا کرلو اور میرے مٹانے کے لئے پورا زور صرف کرلو پھر بھی میں ہی غالب رہوں گا تم غالب نہیں آسکتے۔یہی وجہ ہے کہ قُلْ والی سورتیں مسلمانوں میں بڑی اہم سمجھی جاتی ہیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ قرآن کریم کا دل ہے۔اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص رات کو سوتے وقت آخری تین سورتیں اور آیت الکرسی پڑھ کر اور اپنے ہاتھوں کو پھونک کر دونوں ہاتھ اپنے سارے جسم پر پھیر لے وہ مختلف قسم کے توہمات اور بیماریوں اور پریشانیوں اور بے اطمینانیوں سے بچ جاتا ہے۔[۲]

پس لفظ قُلْ نے بتا دیا کہ اس میں دوست بھی مخاطب ہیں اور دشمن بھی مخاطب ہیں دوستوں کو یہ کہا گیا ہے کہ آؤ اور اس تعلیم پر عمل کرو جو میں تمہارے سامنے پیش کررہا ہوں۔اور دشمنوں کو چیلنج دیا گیا ہے کہ تم اپنی ساری طاقتوں کو اکٹھا کرکے مجھ پر حملہ کردو اور پھر دیکھو کہ کون کامیاب ہوتا ہے۔میں تو انہی باتوں پر قائم ہوں جو تمہارے سامنے پیش کررہا ہوں۔اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ تحدی کوئی معمولی بات نہیں۔کسی شخص کا اپنے تمام دوستوں سے یہ کہنا کہ

میرے اندر فلاں خوبی پائی جاتی ہے تمہیں بھی یہی کہتا ہوں کہ تم اِس خوبی کو اپنے اندر پیدا کرو کوئی معمولی بات نہیں ہوسکتی۔ تم ایک اجنبی کے سامنے یہ کہہ سکتی ہو کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن تم اپنی بیٹی کے سامنے یہ نہیں کہہ سکتیں کیونکہ وہ جانتی ہے کہ فلاں دن ابّا آئے اور وہ کسی بات پر خفا ہوئے تو باوجود اِس کے کہ کھانا موجود تھا تم نے غصہ میں آ کر کہہ دیا کہ کھانا بلی کھا گئی ہے اور اِس طرح تم نے جھوٹ بولا۔

ایک مشہور مصنف لکھتا ہے کہ تم اپنے بچوں کے سامنے اپنے آپ کو بطور ایک ناصح اور مشفق کے تو پیش کرو مگر نمونہ کے طور پر نہیں ورنہ تمہارے گھر کا انتظام سب درہم برہم ہو جائے گا۔ مثلاً جب تم خود پورا سچ نہیں بولتیں اور تمہاری اس کمزوری سے تمہارے گھر والے واقف ہیں تو تم یہ نہ کہا کرو کہ بیٹی میں کتنا سچ بولنے والی ہوں کیونکہ اگر تم ایسا کہو گی تو تمہاری بیٹی پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ وہ خواہ زبان سے نہ کہے اپنے دل میں ضرور کہے گی کہ ہماری امّاں خود تو جھوٹ بولتی ہے اور کہتی یہ ہے کہ میں کتنا سچ بولنے والی ہوں۔ لیکن اگر تم یہ کہو کہ بیٹی ہم سے بڑے بڑے قصور سرزد ہوئے ہیں لیکن خدا کرے تم ان قصوروں سے بچ جاؤ تو اس بات کا اس کے دل پر گہرا اثر ہوگا اور وہ سمجھے گی کہ یہ جو کچھ کیا جارہا ہے مجھے ہوشیار کرنے کے لئے کیا جارہا ہے۔ پس حالات سے واقف انسان کے سامنے **قُلْ** کہہ کر بات کرنا اور اپنا نمونہ اُس کے سامنے پیش کرنا کوئی معمولی بات نہیں اور یہ جرأت سوائے کسی بڑی ہمت اور استقلال اور سچائی کے پابند انسان کے جس کا عمل اعلیٰ درجہ کا متقیانہ ہو اور کسی میں نہیں ہوسکتی۔

دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب اللہ تعالیٰ کا الہام نازل ہوا کہ جا اور اپنی قوم کو ہمارے عذاب سے ڈرا تو آپ نے ساری قوم کو جمع کیا اور فرمایا اے لوگو! اگر میں یہ کہوں کہ مکہ کی اس پہاڑی کے پیچھے ایک بڑا بھاری لشکر اُترا ہوا ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری اس بات کو مان لو گے؟ واقعہ یہ تھا کہ مکہ کی اس پہاڑی کے پیچھے کوئی بڑا لشکر چھپ ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ پیچھے میدان ہی میدان تھا جس میں میلوں میل تک چیزیں دکھائی دیتی تھیں اور اُس میدان میں کسی لشکر کا اُترنا اور مکہ والوں کا اِس سے بے خبر رہنا ایسی ہی ممکن بات تھی جیسے کوئی یہ کہے کہ اِس جلسہ گاہ میں جس میں اِس وقت تم بیٹھی ہوئی ہو، تین ہاتھی کھڑے ہیں۔ اگر کوئی شخص

ایسی بات کہے تو کیا مان لوگی کہ واقعہ میں ہاتھی کھڑے ہیں؟ تم فوراً کہوگی کہ جلسہ گاہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اگر ہاتھی ہوتے تو ہمیں نظر نہ آ جاتے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر انہیں اتنا یقین تھا کہ باوجود اِس کے کہ یہ ناممکن بات تھی انہوں نے کہا ہاں اگر آپ کہیں گے تو ہم ضرور مان لیں گے کیونکہ آپ اتنے بڑے سچے انسان ہیں کہ ہمارے واہمہ وخیال میں بھی یہ نہیں آ سکتا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اِس پر آپ نے فرمایا اچھا اگر یہ بات ہے تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اِس وقت اسلام کو اپنا دین مقرر فرمایا ہے وہ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ ہے اور بتوں کے اندر کسی قسم کی طاقت نہیں اور اُس نے مجھے تمہاری اصلاح کے لئے مأمور کے طور پر مبعوث فرمایا ہے۔ اِس پر انہوں نے فوراً شور مچا دیا کہ یہ شخص پاگل ہوگیا ہے، اِس کا دماغ پھر گیا ہے اور ہمیں بتوں سے منحرف کرنا چاہتا ہے۔[۳]

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے کہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ [۴] اے دشمنو! تم اتنا تو سوچو کہ تم میں میرے عزیز اور رشتہ دار موجود ہیں، میرے چچازاد بھائی تم میں ہیں، میرے ماموں زاد بھائی تم میں ہیں، ان کے لڑکے اور لڑکیاں بھی موجود ہیں اِسی طرح دور اور نزدیک کے اور کئی رشتہ دار تم میں پائے جاتے ہیں اور پھر ساری عمر میں تم میں ہی رہا ہوں کیا تم اِس بات کو سمجھ نہیں سکتے کہ میں جو کچھ کہتا ہوں سچ کہتا ہوں۔ تم اگر میری تکذیب میں صداقت پر قائم ہو تو تم بتاؤ کہ کیا میں نے کبھی جھوٹ بولا ہے۔ اگر میں کہیں باہر رہتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ ہمیں کیا پتہ تم نے کیسی زندگی بسر کی ہے لیکن ساری عمر تم میں رہا ہوں اور تم جانتے ہو کہ میں نے آج تک جھوٹ نہیں بولا پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ اب میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہ جھوٹ اور افتراء ہے۔ یہ دلیل ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کی قرآن کریم نے پیش کی ہے اتنی زبردست ہے کہ انسان کا دل اِس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ایک دفعہ ایک یہودی سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قرض لیا جو چند دنوں کے بعد آپ نے واپس کر دیا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اِس یہودی کو خیال آیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سادہ آدمی ہیں وہ بھول چکے ہوں گے کہ انہوں نے قرض ادا کر دیا ہے یا نہیں

اس لئے میں دوبارہ ان سے قرض کا تقاضا کرتا ہوں چنانچہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ یہودی آپ کے پاس آیا اور اُس نے کہا آپ نے مجھ سے اتنا قرض لیا تھا مگر ابھی تک آپ نے ادا نہیں کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا تو خیال ہے کہ میں ادا کر چکا ہوں۔ اس نے کہا بالکل غلط ہے آپ نے ہرگز روپیہ ادا نہیں کیا۔ آپ نے پھر فرمایا کہ میں ادا کر چکا ہوں۔ پھر آپ نے مجلس والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کسی کو یاد پڑتا ہو کہ میں نے یہ قرض ادا کر دیا ہے تو وہ بتائے۔ اِس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! میں گواہ ہوں میرے سامنے آپ نے اس یہودی کو قرض ادا کر دیا تھا اور اب یہ بالکل جھوٹ بولتا ہے۔ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ میں قرض ادا کر چکے تھے اور یہودی بھی اِس بات کو جانتا تھا جب اس صحابیؓ نے اُٹھ کر گواہی پیش کر دی تو کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ کہنے لگا مجھے یاد آ گیا ہے فلاں موقع پر آپ نے قرض ادا کر دیا تھا۔ جب وہ واپس چلا گیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا یہ بات تو ٹھیک ہے کہ میں نے قرض ادا کر دیا تھا اور وہ یہودی بھی مان گیا ہے مگر جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تم اُس موقع پر موجود نہیں تھے تم نے یہ کس طرح گواہی دے دی۔ اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! جانے بھی دیجئے ہم رات اور دن آپ کو سچ بولتے ہوئے دیکھتے ہیں، آپ خدا کی باتیں بتاتے ہیں تو ہم مانتے ہیں، دین کی باتیں بتاتے ہیں تو ہم مانتے ہیں پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ہم اس موقع پر یہ خیال کر لیتے کہ آپ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ سچ نہیں بول رہے۔ بے شک میں اُس موقع پر موجود نہیں تھا اور میرے سامنے آپ نے قرض نہیں دیا مگر جب آپ کہتے ہیں کہ میں نے قرض دے دیا تھا تو یقیناً آپ سچ فرماتے ہیں اور ہم اِس کی سچائی کے گواہ ہیں کیونکہ ہم رات اور دن آپ کو سچ بولتے ہوئے دیکھتے ہیں۔[۵] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو آپ ہنس پڑے اور خاموش ہو گئے۔

اب دیکھو یہ کتنے یقین کی بات ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات کہتے ہیں اور وہ صحابیؓ باوجود اِس کے کہ موقع پر موجود نہیں تھے پھر بھی گواہی کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص رات اور دن سچ بولتا ہے وہ اِس موقع پر بھی سچی بات ہی کہہ رہا ہے

جھوٹ نہیں کہہ رہا۔ تو اِس جگہ قُلْ کا لفظ استعمال کرنا کوئی معمولی بات نہیں ۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! تیرے اخلاق اتنے اعلیٰ ہیں اور تیری خوبیاں اتنی نمایاں ہیں کہ اگر تو کہہ دے کہ میں ایسا ہوں تو سب لوگوں کو ماننا پڑے گا کہ وہ بات سچ ہے اور اُنہیں لازماً تیری بات کے پیچھے ہی چلنا پڑے گا۔ دوسری طرف اِس میں دشمن کو چیلنج دیا گیا ہے کہ میری تعلیم تو یہ ہے اگر تم میں طاقت ہے تو آؤ اور مقابلہ کرلو آخر یہی ہوگا کہ تم ہارو گے اور میں جیتوں گا یہ چیز بھی ایسی ہے جو کوئی معمولی آدمی پیش نہیں کرسکتا۔

جب فتح مکہ ہوئی تو کفار میں سے سات آدمی ایسے تھے جن کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم تھا کہ وہ جہاں ملیں اُن کو قتل کر دیا جائے کیونکہ اُنہوں نے مسلمانوں پر انتہائی دردناک مظالم کئے ہوئے تھے۔ انہی میں ایک ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی تھی جس نے اُحد کے موقع پر اُس شخص کے لئے انعام مقرر کیا تھا جو حضرت حمزہؓ کو قتل کر دے۔ اور پھر جب ایک شخص نے حضرت حمزہؓ کو جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے قتل کر دیا تو اِس نے اُن کا کلیجہ نکال کر چبایا اور اُن کے کان اور ناک وغیرہ کاٹ کر مُثلہ کر دیا۔ پس چونکہ اِس کا جرم نہایت ظالمانہ اور انسانیت کے ماتھے پر ایک خطرناک داغ تھا اِس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کے قتل کا بھی حکم نافذ فرما دیا۔ مگر وہ عورت ہوشیار تھی جب مکہ میں اسلامی لشکر داخل ہوا تو وہ کہیں روپوش ہوگئی اور تلاش کے باوجود لوگوں کو نہ مل سکی۔ ایک دن جب کہ مکہ کی عورتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کے لئے جارہی تھیں وہ بھی کپڑا اوڑھ کر ان کے ساتھ مل گئی اور آپ کی بیعت کرنے کے لئے چلی گئی۔ بیعت کے الفاظ دُہراتے دُہراتے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اِس مقام پر پہنچے کہ کہو کہ ہم اقرار کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو ہندہ رُک نہ سکی اور وہ بے اختیار کہنے لگی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا اب بھی ہم کسی اَور کو معبود بنائیں گے؟ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ آپ اکیلے تھے اور ہم جتھے والے تھے آپ کمزور تھے اور ہم طاقتور تھے، آپ کے پاس کوئی روپیہ نہیں تھا اور ہم دولت مند تھے مگر باوجود اِس کے کہ آپ کے پاس کوئی بھی ایسی چیز نہیں تھی جس سے آپ کامیاب ہوسکتے پھر بھی آپ نے چیلنج دیا کہ میں جیتوں گا اور تم ہارو گے۔ اور پھر باوجود اِس کے کہ ہم نے آپ کا شدید مقابلہ کیا، ہم نے آپ پر

سخت سے سخت مظالم کئے، ہم نے اپنی طاقت اور دولت کو آپ کے خلاف صرف کیا اور باوجود اِس کے کہ جتھہ ہمارے پاس تھا، صنعت وحرفت ہمارے پاس تھی، تجارت ہمارے پاس تھی اور آپ اکیلے تھے پھر بھی آپ ہی جیتے اور ہم ہار گئے۔ اگر ہمارے معبودوں میں ایک رائی کے برابر بھی طاقت ہوتی تو کیا ہمارا یہی انجام ہوتا۔ اتنا بڑا نشان دیکھنے کے بعد اب یہ خیال بھی کس طرح کیا جا سکتا ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود بنائیں گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز پہچان لی اور فرمایا ہندہ ہے؟ آپ کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے خلاف تو قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس نے کہا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہَ! وہ وقت گزر گیا جب آپ کا زور مجھ پر چل سکتا تھا اب میں کافر ہندہ نہیں بلکہ مسلمان ہندہ ہوں تو دیکھو یہ چیلنج تھا جو دشمنوں کو دیا گیا تھا اور جس نے ثابت کر دیا کہ سچائی اور صداقت اگر ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی ہے۔

اسی طرح حضرت نوحؑ کا چیلنج قرآن کریم میں موجود ہے کہ تم بے شک اکٹھے ہو جاؤ اور مل کر مجھ پر حملہ کرو اور پھر دیکھو کہ میں کامیاب ہوتا ہوں یا تم کامیاب ہوتے ہو۔ پس "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" میں ایک طرف دوستوں کو دعوت دی گئی ہے کہ تم میرے اخلاق کو جانتے ہو، میری عادات سے واقف ہو تم بتاؤ کہ آیا میں سچ بولنے والا ہوں یا جھوٹ بولنے والا ہوں؟ اگر میری ہر بات اپنے اندر سچائی رکھتی ہے اور میرا ہر فعل اپنے اندر پاکیزگی رکھتا ہے تو آؤ اور میری اتباع کرو۔ دوسری طرف دشمنوں کو چیلنج دیا گیا ہے کہ میرا قدم راستی اور صداقت پر قائم ہے اگر تم میرا مقابلہ کرو گے تو ہار جاؤ گے۔ اس دعویٰ کو لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور آپ نے فرمایا "اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" میں خدا تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں۔ مگر کون سے خدا سے؟ اس خدا سے جو رَبِّ الْفَلَقِ ہے جو فَلَقِ کا پیدا کرنے والا ہے۔ فَلَقُ کے کئی معنی ہیں۔ فَلَقُ کے معنی مخلوق کے بھی ہیں۔ فَلَقُ کے معنی صبح کی روشنی کے بھی ہیں[۶] اور فَلَقُ کے معنی پَو پھٹنے کے بھی ہیں[۷] پس اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ کے ایک معنی یہ ہوئے کہ میں روشنی کے ربّ کی پناہ مانگتا ہوں۔ یعنی دنیا میں جب کبھی نور آتا ہے، جب کبھی روشنی آتی باوجود اِس کے کہ نور اور روشنی بڑی اچھی چیزیں ہیں پھر بھی اِس کے آنے کے ساتھ ہی فساد شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ نبی آئے اور فساد نہ ہو، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ نبی اچھی تعلیم دے اور لوگ

اُس کا انکار نہ کریں۔ ہر تعلیم کا لوگوں نے انکار کیا اور ہر نور جو ظاہر ہوا اُس کا اُنہوں نے مقابلہ کیا۔

سب سے پہلے آدمؑ آئے اور شیطان نے اُنہیں ورغلا کر جنت سے نکال دیا۔ پھر نوح آئے تو شیطان ان کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اسی طرح ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ آئے تو دنیا نے اُن کی مخالفت کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو پھر شیطانی قوتیں آپ کے مقابلہ میں کھڑی ہو گئیں۔ اِس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو آپ کے مقابلہ میں بھی طرح طرح کے منصوبے کئے گئے اور آپ کی آواز کو دبانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ پس فرماتا ہے **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ** تو یہ کہہ کہ میں اُس خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جس نے یہ نور اور روشنی پیدا کی ہے کیونکہ جس نے اس نور کو پیدا کیا ہے لازماً اِس کا فکر سب سے زیادہ اُسی کو ہوگا۔ ہم بیشک احمدی ہیں اور ہم میں اسلام کا درد پایا جاتا ہے مگر جتنا ہمیں اسلام اور احمدیت کے بچانے کی فکر ہے یہ صاف بات ہے کہ خدا تعالیٰ کو اس سے بہت زیادہ ہے۔ ہم صرف مومن ہیں اور خدا تعالیٰ مومنوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ پس ہماری اور اس کی آپس میں کوئی نسبت ہی نہیں ہو سکتی۔

اِس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے گلی میں اگر ہم کسی بچے کو دیکھیں کہ وہ گھوڑے کی زد میں آنے والا ہے تو لازماً ہم اُسے گھوڑے کی زد سے بچانے کی پوری کوشش کریں گے مگر بہر حال ہماری بے تابی اور ہماری جدوجہد اُس کی ماں کی بے تابی اور جدوجہد کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ایک ماں اپنے بچے کو بچانے کے لئے جس طرح دَوڑ کر آتی ہے اور جو کوشش اور جدوجہد کرتی ہے وہ بالکل اَور رنگ کی ہوتی ہے اور دوسرے آدمی کی جدوجہد اَور رنگ کی ہوتی ہے۔ یا مثلاً تیز بارش ہو رہی ہے اور مکانات گر رہے ہوں تو جس درد اور جوش کے ساتھ ایک مالک اپنے مکان کی حفاظت کر سکتا ہے وہ درد اور جوش کسی غیر میں نہیں پایا جا سکتا، خواہ وہ اس کے لئے کتنی ہی کوشش کرے۔ پس بے شک ہمارے دلوں میں بھی اسلام کی محبت ہے، ہمارے دلوں میں بھی احمدیت کی محبت ہے مگر جو محبت ہمارے خدا کو اسلام اور احمدیت سے ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ ہماری حیثیت صرف ایک دوست اور ایک ساتھی کی سی ہے اور خدا تعالیٰ کی حیثیت ایک خالق اور

مالک کی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یا اے قرآن مجید کے پڑھنے والے انسان! تو یہ کہہ کہ میں نور کے پیدا کرنے والے خدا کی پناہ مانگتا ہوں اور اُس سے کہتا ہوں کہ میں تیرے نور کی اشاعت اور تیرے دین کی مدد کے لئے کھڑا ہوا ہوں مگر دنیا مخالف ہے اور وہ میرے راستہ میں روکیں پیدا کر رہی ہے تو میری مدد فرما تا کہ میں اُس کو زیر کر سکوں اور تیرے نور کو دنیا میں پھیلا سکوں۔

اِس میں ایک طرف تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جماعت کو اِس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ تم میرے ساتھ دعاؤں اور گریہ وزاری میں شامل ہو جاؤ تا کہ اللہ تعالیٰ کا نور ظاہر ہو اور دشمن کی شرارتیں دور ہوں۔ اور جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں اِس حکم میں مرد بھی شامل ہیں اور عورتیں بھی شامل ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف مردوں کی طرف مبعوث نہیں ہوئے تھے بلکہ عورتوں کی طرف بھی مبعوث ہوئے تھے۔ دوسرے اس میں اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جب بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آتی ہے اور اُس کی طرف سے نور کا ظہور ہوتا ہے ہمیشہ لوگ اُسے پلٹ کر دوسری طرف لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور اچھی چیز کو بگاڑنے لگ جاتے ہیں۔ جب عورتوں کے متعلق یہ نصیحت کی جائے کہ اُنہیں اخلاق کی حدود کے اندر رہنا چاہئے اور بے پردگی سے بچنا چاہئے تو مرد جھٹ اِنہیں کال کوٹھڑیوں میں بند کر دیتے ہیں اور جب یہ نصیحت کی جائے کہ عورتوں کو آزادی دینی چاہئے تو وہ جھٹ اِنہیں سٹیج پر لے آتے ہیں اور سڑکوں پر بے پرد پھرانے لگ جاتے ہیں۔ گویا فَلَقْ کے مقام پر کھڑے ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ یا تو پورے دن والی حالت میں چلے جائیں گے یا پوری رات والی حالت میں چلے جائیں گے۔ پَو پھٹنے کا مقام وہ ہوتا ہے جہاں رات اور دن ملتے ہیں مگر اِس مقام پر کھڑا ہونے کے لئے نہ مرد تیار ہوتے ہیں اور نہ عورتیں تیار ہوتی ہیں۔

خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہا ہے کہ شراب حرام ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ اس میں کچھ فوائد بھی ہیں۔[۸] اب اس حکم کو سن کر ایک قوم نے کہا کہ جب شراب میں فوائد ہیں تو لاؤ شراب کے مٹکے تا کہ ہم صبح و شام پئیں اور بدمست رہیں۔ اور دوسروں نے کہا کہ جب شراب حرام ہے تو خواہ بیمار مر رہا ہو اُسے شراب کی ضرورت ہو پھر بھی اُسے شراب نہ دو حالانکہ شراب

دوائیوں میں پڑتا ہے۔ جتنی ٹنکچرز ہیں سب شراب سے تیار ہوتی ہیں۔ مثلاً دائم اپکاک، سپرٹ ایمونیا ایرومیٹک، ٹنکچر آیوڈین وغیرہ سب میں شراب ہوتی ہے گو اس کے صرف چند قطرے ہی ہوتے ہیں مگر بہر حال شراب دوائی کے طور پر انسان استعمال کر سکتا ہے اور شریعت نے اِس کی ممانعت نہیں کی لیکن ایک گروہ نے کہہ دیا کہ شراب دوائی کے طور پر بھی استعمال نہیں کی جاسکتی اور دوسرے نے کہہ دیا کہ مٹکے کے مٹکے پی جاؤ تو کوئی حرج نہیں۔ کچھ مردوں نے تو پردہ کو سرے ہی سے اُڑا دیا اور کچھ مردوں نے عورتوں پر اِتنا تشدد کیا کہ جب وہ باہر نکلتیں تو اُنہیں ڈولیوں میں بٹھاتے بلکہ فخر یہ کہا کرتے کہ ڈولی گھر میں آئے گی اور ڈولا مر کر نکلے گا۔ درمیانی مقام جس پر شریعت قائم کرنا چاہتی ہے اس کو اختیار کرنے کے لئے لوگ تیار نہیں ہوتے۔ اللہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ** ہم تجھ کو ایک نور دینے والے ہیں مگر اس نور کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ اسے اِدھر پھینکیں گے اور کچھ اُدھر پھینکیں گے۔ وسطی مقام جس پر تو کھڑا ہوگا اُس پر کھڑے ہونے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ پس اِس کے لئے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ اور اُس کی مدد سے ایسی کوشش کر کہ لوگ حقیقی توازن کو قائم رکھیں اور افراط اور تفریط کا شکار نہ ہو جائیں۔

تھوڑے ہی دن ہوئے میں نے اس بارہ میں ایک رؤیا بھی دیکھا ہے۔ گزشتہ دنوں جب میں اپنے رؤیا لکھوانے لگا تو یہ رؤیا لکھوانا میں بھول گیا۔ بعد میں مجھے خیال آیا کہ عورتوں میں میری ایک تقریر ہونے والی ہے شاید اللہ تعالیٰ کا یہی منشا ہے کہ میں سب سے پہلے اِس رؤیا کو عورتوں کے جلسہ میں بیان کروں، چنانچہ وہ رؤیا میں آج بیان کر دیتا ہوں۔ چند دن ہوئے میں نے ایک خواب میں دیکھا کہ ایک مرد ہے جو اپنے پاؤں سے کسی چیز کو مسل رہا ہے۔ مگر خواب میں مَیں اُس کو ایک مرد نہیں سمجھتا بلکہ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ تمام مردوں کا نمائندہ یا ان کا قائم مقام ہے۔ اُس مرد پر ایک چادر پڑی ہوئی ہے اور وہ اپنے پیروں کو زمین پر اِس طرح مار رہا ہے جیسے کسی چیز کو مسلنے کے لئے بار بار پیر مارے جاتے ہیں۔ اُس وقت میں یہ سمجھتا ہوں کہ جہاں اِس کے پیر ہیں وہاں کیچڑ میں دنیا بھر کی عورتیں مچھلیوں کی صورت میں پڑی ہوئی ہیں اور وہ اُن کو اپنے پیروں سے مسلنا چاہتا ہے۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں عورتوں کی ہمدردی کا

جذبہ پیدا ہوگیا اور میں اُس کے سینہ پر چڑھ گیا اور پھر میں نے اپنی لاتیں لمبی کیں اور جہاں اُس کے پاؤں ہیں وہاں میں نے بھی اپنے پاؤں پہنچا دیئے۔ مگر وہ تو ان عورتوں کو مسلنے کے لئے اپنے پیر مار رہا ہے اور میں اُس کے پاؤں کی حرکت کو روکنے اور ان عورتوں کو اُبھارنے کیلئے اپنے پاؤں لمبے کر رہا ہوں۔ اِسی دوران میں مَیں ان عورتوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں۔

''اے عورتو! تمہارے لئے آزادی کا وقت آ گیا ہے تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے اسلام اور احمدیت کے ذریعہ تمہاری ترقی کے راستے کھول دیئے ہیں اگر اس وقت بھی تم نہیں اُٹھو گی اور اگر اِس وقت بھی تم اپنے مقام اور درجہ کے حصول کے لئے جدوجہد نہیں کرو گی تو کب کرو گی''۔ میں نے دیکھا کہ جوں جوں میں نے اُن کو اُبھارنے کے لئے اپنے پیر ہلانے شروع کئے نیچے سے وہ مچھلیاں جن کو میں عورتیں سمجھتا ہوں اُبھرنی شروع ہوئیں اور وہ اتنی نمایاں ہوگئیں کہ میرے پیروں میں اِس کی وجہ سے کھجلی شروع ہوگئی اور اُس آدمی کے پیر آپ ہی آپ کھلنے شروع ہوگئے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے وہ بالکل کھل گئے۔ پھر میں نے اپنے مضمون کو بدل دیا اور عورتوں سے مخاطب ہوتے ہوئے میں نے کہا۔ **اگر اِس وقت مرد اور عورت مل کر کام نہیں کریں گے اور اسلام کے غلبہ کی کوشش نہیں کریں گے تو اسلام دنیا میں غالب نہیں آ سکے گا۔ تم کو چاہئے کہ تم اپنے مقام کو سمجھو اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہوئے دین کی جتنی خدمت بھی کر سکو اتنی خدمت کرو۔ پھر میں اور زیادہ زور سے کہتا ہوں کہ اگر تمہارے مرد تمہاری بات نہیں مانتے اور وہ دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش نہیں کرتے اور تمہیں بھی دین کا کام نہیں کرنے دیتے تو تم ان کو چھوڑ دو اور اُنہیں بتا دو کہ تمہارا اُن سے اُسی وقت تک تعلق رہ سکتا ہے جب تک وہ دین کی خدمت کے لئے تیار رہتے ہیں** اور یہ الفاظ کہتے کہتے میری آنکھ کھل گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ ایثار اور قربانی سے ہی حقوق ملا کرتے ہیں اگر قربانی نہ کی جائے اور پھر امید یہ رکھی جائے کہ ہمیں ہمارے حقوق مل جائیں تو یہ ایک نادانی اور حماقت کا خیال ہوگا۔ یہ زمانہ ایسا ہے جس میں یورپ والوں نے تو عورتوں کو اِس قدر آزادی دے دی ہے کہ اب اس کے بُرے نتائج سے وہ چلا رہے ہیں اور اس آزادی نے ان کے نظامِ تمدن کو ہی بدل کر رکھ دیا

ہے۔ لیکن دوسری طرف مسلمانوں نے اتنی سختی کی ہے کہ عورت کی کوئی رائے ہی انہوں نے باقی نہیں رہنے دی۔ اِس وجہ سے ہمارے ملک کی عورت کو یہ عادت پڑ گئی ہے کہ وہ سنی سنائی بات پر یقین لے آتی ہے اور جو کچھ مرد کہتے ہیں مان لیتی ہے، خود سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ اب اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس لئے بھجوایا ہے کہ ان خرابیوں کا ازالہ ہو اور عورتوں کو ان کا پھر اصل مقام حاصل ہو۔ یہ زمانہ فَـلَـقْ کا زمانہ ہے جس میں نور پھٹ رہا ہے اور خدا تعالیٰ کی وحی کے ذریعہ پھر ایک تازہ روشنی کا ظہور ہو رہا ہے۔ اب ہماری جماعت میں یہ آواز بلند ہونی چاہئے کہ عورتوں کو زیادہ سے زیادہ اسلام اور احمدیت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے اگر تم صرف اس بات کو کافی سمجھتی ہو کہ تمہارے مرد دین سیکھ رہے ہیں تو تم کبھی بھی اعلیٰ درجہ کی قربانی نہیں کر سکتیں۔ اگر مردوں کا دین تمہارے لئے کافی ہوسکتا ہے تو پھر مردوں کی آزادی بھی تمہارے لئے کافی ہونی چاہئے اور مردوں کی ترقی بھی تمہارے لئے کافی ہونی چاہئے۔ پھر تمہارے لئے سوائے تاریک کونوں میں بیٹھنے کے اور کوئی کام نہیں رہے گا۔ لیکن اگر آزادی تمہارے لئے بھی ضروری ہے تو پھر تمہیں بھی اپنے دماغ سے سوچنے کی عادت ڈالنی چاہئے اور دین کو سمجھنے کی قابلیت پیدا کرنی چاہئے۔

میں ۱۹۲۴ء میں جب انگلستان گیا تو میں نے کتابوں میں پڑھا ہوا تھا کہ جب عورت اور مرد وہاں ریل میں اکٹھے سفر کر رہے ہوں اور عورت کو بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ نہ ہو تو مرد فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں اور عورت کو جگہ دے دیتے ہیں۔ ایک دفعہ ہم انڈر گراؤنڈ ریل میں سفر کر رہے تھے ایک دو دوست بھی میرے ساتھ تھے کہ ایک انگریز عورت اندر داخل ہوئی بھیڑ زیادہ تھی اور اس کے بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ نہ تھی مگر میں نے دیکھا کہ اُس کو بٹھانے کے لئے کوئی مرد کھڑا نہ ہوا وہ اسی طرح کھڑی رہی۔ جب گاڑی اور زور سے حرکت میں آئی تو ہلنے کی وجہ سے کبھی وہ ایک طرف گر جاتی اور کبھی دوسری طرف۔ میں نے یہ نظارہ دیکھا تو مجھ سے برداشت نہ ہوسکا اور میں نے اپنے ایک ساتھی کو کہہ کر اُسے جگہ دلا دی۔ جب وہ بیٹھ گئی تو ایک انگریز کہنے لگا ہم نے تو اسے جگہ نہیں دی تھی مگر آپ چونکہ غیر ملک کے ہیں اِس لئے آپ نے اسے بٹھا لیا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں عورتوں نے یہ شور مچا رکھا ہے کہ ہم وہی کچھ کریں گی جو مرد

کرتے ہیں اب اگر ان کا مطالبہ درست ہے تو جیسے ہم کھڑے ہیں یہ بھی کھڑی رہیں نہ عورتیں ہم کو جگہ دیں اور نہ ہم ان کو جگہ دیں۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ یوں تو مردوں کے ساتھ برابری کا دعویٰ کرتی ہیں اور جب ٹرین میں سوار ہونے کے لئے آتی ہیں تو چاہتی ہیں کہ مرد کھڑے ہو جائیں اور یہ بیٹھ جائیں۔ اگر یہ ہمارے برابر ہیں تو پھر ہماری طرح ہی کھڑی رہیں۔ اب اُس کا یہ جواب ہمارے نقطۂ نگاہ سے تو غلط تھا لیکن ان کے نقطۂ نگاہ سے صحیح تھا۔ اگر وہ واقعہ میں عورت اور مرد برابر ہیں تو انہیں قربانیاں بھی برابر کی کرنی پڑیں گی اور مردوں کے لئے کوئی وجہ نہیں ہوگی کہ وہ عورت کے لئے خاص طور پر قربانی کریں۔ لیکن اس گفتگو کا اتنا حصہ ضرور درست تھا کہ اگر عورتیں اپنے حقوق کا مطالبہ کرتی ہیں تو انہیں ساتھ ساتھ قربانیاں بھی کرنی پڑیں گی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اُحد کے موقع پر تشریف لے گئے تو ایک عورت بھی آپ کے ساتھ گئی جو سپاہیوں کو پانی پلاتی اور زخمیوں کو مرہم پٹی کرتی تھی۔ جب لڑائی ختم ہوئی تو صحابہؓ نے پوچھا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا اس عورت کو بھی ہم مالِ غنیمت میں سے کچھ دے دیں؟ آپ نے فرمایا کچھ کا کیا سوال ہے اُسے برابر کا حصہ دو جب یہ جہاد میں شامل ہوئی ہے تو اسے لازماً ویسا ہی حصہ ملے گا جیسے اور سپاہیوں کو ملتا ہے۔

پس عورتوں کو اپنی ذمہ داری سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اپنی آزادی کی جدوجہد کرنی چاہیئے مگر یورپ والی آزادی نہیں بلکہ وہ آزادی جو اسلام پیش کرتا ہے کیونکہ یورپ کی آزادی کی بنیاد بے دینی پر ہے اور اسلام جس آزادی کو پیش کرتا ہے اُس کی بنیاد مذہب اور روحانیت پر ہے۔ بہرحال اگر تم سمجھتی ہو کہ تم دین کی ویسی ہی ذمہ دار ہو جیسے مرد ذمہ دار ہیں تو تمہیں دین کے لئے قربانیاں بھی کرنی پڑیں گی اور وہ قربانیاں تم اُس وقت کرسکتی ہو جب تم قرآن بھی پڑھو اور حدیث بھی پڑھو اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کا بھی مطالعہ کرو اور سلسلہ کا لٹریچر بھی دیکھتی رہو تا کہ تمہاری معلومات وسیع ہوں اور تم میں دین کے لئے قربانی کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ اِس وقت حالت یہ ہے کہ مرد تو عام طور پر نمازی ہوتا ہے لیکن عورت نماز کی طرف بہت کم توجہ کرتی ہے یہی حال دوسرے ارکان کا ہے۔ زکوٰۃ کو لے لو تو اس میں کمزوری

ہوگی، صدقہ وخیرات کو لے لو کو تو اس میں کم ہوگی، روزہ کو لے لو تو اس کی طرف کم توجہ ہوگی، حالانکہ دین جس طرح مردوں کے لئے ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ہے۔ جب تم دینی مسائل پر عمل کرنے میں مردوں کے دوش بدوش چلو گی اور جب تم دین کا اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھو گی جیسے مرد اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتے ہیں تب تم صحیح معنوں میں جنت کی حقدار بن سکتی ہو اور تب خدا بھی کہے گا کہ میری جنت کے مستحق جس طرح مرد ہیں اسی طرح عورتیں بھی اس کی مستحق ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اگر مرد جنت کے اعلیٰ مقام پر ہوگا اور عورت کسی نچلے مقام پر ہوگی تو عورت بھی اس کے پاس رکھی جائے گی۔ اسی طرح اگر عورت اعلیٰ مقام پر ہوگی اور اسکا خاوند ادنیٰ مقام پر ہوگا تو عورت کی وجہ سے اس کے خاوند کو بھی اونچے مقام پر لے جایا جائے گا مگر یہ محض طفیلی مقام ہوگا اور طفیلی مقام کے متعلق شیخ سعدیؒ کا یہ شعر مشہور ہے کہ:

حقا کہ باعقوبت دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردئی ہمسایہ در بہشت

یعنی اپنے ہمسایہ کی کوشش یا اُس کے توسط سے جنت میں جانا تو دوزخ میں جانے سے بھی بدتر ہے اور میں اس کے لئے ہرگز تیار نہیں کہ اپنے ہمسایہ کا زیر احسان ہو کر جنت میں جاؤں۔ پس عورت کے لئے یہ ہرگز کافی نہیں کہ وہ صرف اِس بات پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہے کہ میں اپنے خاوند یا اپنے باپ یا اپنے بھائی کی مدد سے جنت میں چلی جاؤں گی۔ اسے کوشش کرنی چاہئے کہ وہ خود اعلیٰ مقام حاصل کرے تا کہ اَور رشتہ دار اس کے واسطہ سے اونچے مقام پر پہنچیں۔ اور خود غور کر کے دیکھ لو کہ ان دونوں میں سے کونسا بہتر مقام ہے۔ آیا یہ بہتر ہے کہ تم دوسروں کے طفیل جنت کا اعلیٰ مقام حاصل کرو یا یہ بہتر ہے کہ تمہاری وجہ سے دوسروں کو جنت کا اعلیٰ مقام حاصل ہو۔ اگر تم دوسروں کے طفیل جنت کے کسی اعلیٰ مقام پر پہنچتی ہو تو تمہاری آنکھیں ہمیشہ نیچی رہیں گی اور تم سمجھو گی کہ میں اس مقام پر اپنے حق کی وجہ سے نہیں آئی بلکہ دوسرے کی وجہ سے آئی ہوں۔ لیکن اگر تم اپنی جدوجہد اور کوشش سے اعلیٰ مقام حاصل کر لو تو تمہاری آنکھیں اونچی ہوں گی اور تم فخر سے یہ کہہ سکو گی کہ میری وجہ سے فلاں فلاں رشتہ دار اس مقام تک پہنچے ہیں۔ یہ اتنا

ممتاز اور نمایاں فرق رکھنے والی بات ہے کہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ اور غیر تعلیم یافتہ شخص بھی سمجھ سکتا ہے کہ اصل مقام یہی ہے کہ انسان خود اپنی نیکیوں کی وجہ سے اعلیٰ مقام حاصل کرے نہ کہ دوسرے کے طفیل ادنیٰ مقام سے ترقی کر کے اعلیٰ مقام تک پہنچے۔ پس تمہیں کوشش کرنی چاہئے کہ تم اپنے خاوندوں یا رشتہ داروں کی وجہ سے جنت کا اعلیٰ مقام حاصل نہ کرو بلکہ تمہاری وجہ سے تمہارے رشتہ داروں کو اعلیٰ مقام حاصل ہو۔ بے شک انسان خواہ ادنیٰ مقام والا ہو یا اعلیٰ مقام والا۔ آپس کی رشتہ داری کی وجہ سے جنت میں ایک ہی مقام پر رکھے جائیں گے مگر دونوں کی حیثیتوں میں بڑا فرق ہوگا۔

ایک بنیے کی عورت جو سونے سے لدی ہوتی ہے اور جس کے کان بندوں کے بوجھ سے لٹک رہے ہوتے ہیں کیا اُس کی بھی وہی حیثیت ہوتی ہے جو مارکیٹ میں ایک بنیے کو حاصل ہوتی ہے؟ وہ بنیا جب بولتا ہے تو ساری دنیا کان لگا کر سنتی ہے کہ لالہ جی کیا کہہ رہے ہیں کیونکہ اُس کی وجہ سے چیزوں کے بھاؤ میں اُتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے لیکن اُس کی عورت باوجود اِس کے کہ سونے کے زیورات سے بھری ہوئی ہوتی ہے تجارتی حلقوں میں وہ عزت نہیں رکھتی جو اُس کے خاوند کو حاصل ہوتی ہے۔ اِسی طرح بادشاہ کی بیوی ملکہ کہلاتی ہے اور وہ جہاں جاتی ہے لوگ اس کا استقبال کرتے ہیں لیکن بادشاہ کی خدمات کی وجہ سے جو عزت اُس کی ہوتی ہے وہ اُس کی بیوی کی نہیں ہوتی۔ لوگ اُس کا ادب بھی کرتے ہیں، اُس کی عزت بھی کرتے ہیں کیونکہ وہ بادشاہ کی بیوی ہوتی ہے لیکن یہ نہیں ہوتا کہ ضرورت کے موقع پر وہ اُس سے مشورہ لینے چلے جائیں اُس کی عزت محض طفیلی ہوتی ہے۔ اِسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فوقیت حاصل ہے وہ آپ کے صحابہؓ یا آپ کی بیویوں کو حاصل نہیں تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے براہِ راست بھی دین کے سمجھنے کی کوشش کی اور اِس وجہ سے ہمارے دل میں اُن کا بڑا احترام ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم آدھا دین عائشہ سے سیکھو[9] یہ کتنا بڑا درجہ ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدھا دین تو تم مردوں سے سیکھو لیکن آدھا دین عائشہ سے سیکھو۔ بیشک عائشہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام پر نہیں تھیں بلکہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے مقام پر بھی نہیں تھیں مگر یہ

بھی نہیں تھا کہ انہوں نے خود کوئی کوشش نہ کی ہو اور انہیں جو کچھ حاصل ہوا ہو محض طفیلی طور پر حاصل ہوا۔ انہوں نے اپنی ذات میں عقل سے کام لیا، فہم و فراست اور تدبر سے کام لیا اور اس قدر دین میں ترقی کی کہ مرد اُن کی تقریریں سنتے اور اُن سے مختلف مسائل دینیہ سمجھتے تھے۔

پس یاد رکھو یہ فَلَق کا زمانہ ہے اور جب پَو پھٹتی ہے تو ہر شخص جاگ اُٹھتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ بیداری کا وقت ہے۔ پھر بیدار ہونے کے بعد کوئی تو وضو کر کے نماز پڑھنے کے لئے مسجد کی طرف چل پڑتا ہے اور کوئی شراب پینے کے لئے شراب خانے کی طرف چل پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو اپنی امت اور جماعت کے لوگوں سے یہ کہہ دے کہ تم فَلَق والے ربّ کی پناہ مانگو یعنی بیداری کا وقت آ گیا ہے، اب سونے کا زمانہ گزر چکا ہے، پَو پھٹ چکی ہے اور لوگ آنکھیں ملتے ہوئے بیدار ہو رہے ہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آؤ اور کوشش کرو کہ تمہارا ہر قدم نیکی کی طرف اُٹھے خرابی اور بربادی کی طرف نہ اُٹھے۔ پھر اِس میں دشمن کو بھی چیلنج دیا گیا ہے کہ اِس روشنی کے وقت میں تو دنگا اور فساد کرے گا اور اس نور کو مٹانے کی کوشش کرے گا مگر یاد رکھ میرا خدا میرے ساتھ ہے وہ تیری شرارتوں اور سازشوں کے باوجود مجھے کامیاب کرے گا اور تو اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

بہرحال اِس تازہ رؤیا کی بناء پر جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے میں عورتوں کو اِس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اِس زمانہ میں پھر ایک نور ظاہر کیا ہے، پھر ایک سورج کا طلوع ہوا ہے جس سے تمام تاریکیاں جاتی رہی ہیں اس لئے تم اپنے مقام کو سمجھو اور اپنے اندر نئی بیداری اور نئی زندگی پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ترقی کے لئے بے انتہا مواقع پیدا کئے ہیں۔ تم بھی حضرت عائشہؓ کی نقل کرنے کی کوشش کرو، تم بھی حضرت حفصہؓ کی نقل کرنے کی کوشش کرو، تم بھی حضرت زینبؓ کی نقل کرنے کی کوشش کرو، تم بھی ان صحابیاتؓ کی نقل کرنے کی کوشش کرو جنہوں نے اپنے زمانہ میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ جس طرح فَلَق کے موقع پر نمازی نماز کیلئے چل پڑتا ہے اور شرابی شراب کیلئے چل پڑتا ہے، اسی طرح تم اِس وقت بُرا نمونہ بھی دکھا سکتی ہو اور

اچھا نمونہ بھی دکھا سکتی ہو۔ لیکن **قُلْ** کے لفظ میں اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اے محمد! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو اپنی اُمت کے لوگوں سے یہ کہہ دے کہ تم چونکہ میری اُمت میں سے ہو اس لئے تم وہ کرو جو میں کہتا ہوں اور تم اپنی زندگیوں کو اسلام کے احکام کے مطابق ڈھال کر اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ مفید اور نافع وجود بناؤ۔

(الفضل ۱۳، ۱۴ / جون ۱۹۶۲ء)

---

۱ الفلق: ۲

۲ بخاری کتاب فضائل القرآن باب فضل المعوذات و باب فضل سورة البقره

۳ بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورة تبت یدا ابی لهب

۴ یونس: ۱۷

۵ بخاری کتاب القضاء باب اذا علم الحاکم صدق شهادة الواحد (الخ)

۶ المنجد عربی اُردو صفحہ ۶۲۷۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۹۴ء

۷ المنجد عربی اُردو صفحہ ۶۱۷۔ کراچی ۱۹۹۴ء

۸ یسئلونک عن الخمر .... (البقرة: ۲۲۰)

۹ موضوعات کبیر۔ ملا علی قاری صفحہ ۷۳ مطبوعہ دھلی ۱۳۴۶ھ

کوشش کرو کہ تمہاری اگلی نسل پچھلی نسل سے زیادہ اچھی ہو

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کوشش کرو کہ تمہاری اگلی نسل پچھلی نسل سے زیادہ اچھی ہو

(خدام الاحمدیہ کوئٹہ سے خطاب فرمودہ ۱۸؍جولائی ۱۹۵۰ء بمقام کوئٹہ)

تشہّد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''دنیا میں اچھے سے اچھا کام کرنا یہ بہت فرق رکھنے والی چیزیں ہیں۔قومیں اپنی ترقی کے وقت بھی اچھا کام کرتی ہیں اور قومیں اپنے تنزل کے وقت بھی اچھا کام کرتی ہیں۔مگر قومیں اپنے تنزل کے وقت اچھا کام کرتی ہیں اور ترقی کے وقت اچھے سے اچھا کام کرتی ہیں۔ترقی کے لئے ضروری ہے کہ انسان کا اگلا قدم اس کے پچھلے قدم سے آگے پڑے اور جب کسی قوم کی ترقی کسی ایک نسل کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتی بلکہ اُس کی ترقی اس کی کئی نسلوں کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے تو اُس کے ہر فرد کو یہ مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اگلی نسل پچھلی نسل سے زیادہ اچھی ہو۔اگر اگلی نسل پچھلی نسل سے اچھی نہ ہو تو اُس کا قدم آگے کی طرف نہیں اُٹھ سکتا۔درحقیقت مسلمانوں کی تباہی کا بڑا موجب یہی ہوا کہ ماضی کو حال سے کاٹ دیا گیا اور مستقبل کے متعلق انہیں ناامید کر دیا گیا۔اُنہوں نے یہ سمجھ لیا کہ ماضی اپنی بنیادوں پر قائم ہے آئندہ آنے والا کوئی شخص اِس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔بہرحال ہمیں اپنے اعمال سے اور اپنے طریق سے ایسے کاموں سے احتراز کرنا چاہئے اور نوجوانوں میں ہمیشہ یہ روح پیدا کرنی چاہئے کہ وہ پہلوں سے روحانیت میں بڑھنے کی کوشش کریں۔بننا نہ بننا الگ بات ہے لیکن کم از کم اِس طرح دماغ تو اونچا رہتا ہے۔یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص اتنی ترقی نہ کر سکے کہ وہ پہلوں سے بڑھ

جائے مگر اسے نیچا کرنے میں اس کی مدد ہم کیوں کریں۔ ہم میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو درجہ حاصل ہے وہ ہر شخص سمجھتا ہے لیکن آپ کے درجہ کے متعلق سب سے پہلا مضمون جو میں نے لکھا اور وہ تشحیذ الاذہان میں شائع ہوا اُسے پڑھنے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے مجھے فرمایا۔ میاں تمہارا مضمون تو اچھا ہے مگر اسے پڑھ کر ہمارا دل خوش نہیں ہوا پھر آپ نے فرمایا۔ ہمارے بھیرہ کی ایک مثال ہے کہ ''اونٹ چالی تے ٹوڈا بتالی'' یعنی اونٹ کی تو چالیس روپے قیمت ہے اور اُس کے بچہ کی بیالیس روپے۔ کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ اونٹ کی قیمت تو بہرحال ایک بچے سے زیادہ ہونی چاہئے۔ بیچنے والے نے کہا اونٹ کے بچہ کی قیمت اس لئے زیادہ ہے کہ یہ اونٹ بھی ہے اور اونٹ کا بچہ بھی۔ یہ مثال دے کر آپ فرمانے لگے۔ میاں ہم تو امید رکھتے تھے کہ تم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی بڑھ کر مضمون لکھو گے لیکن ہماری یہ امید پوری نہیں ہوئی۔ ہمارے ہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوزیشن ایک بڑی پوزیشن تسلیم کی جاتی ہے لیکن میرے اندر ہمت پیدا کرنے کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مجھے یہ بات کہنے سے بھی نہ رُکے کہ تمہیں مرزا صاحبؑ سے بھی بڑھ کر مضمون لکھنا چاہئے تھا۔ پس میرے نزدیک کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ ہم اپنے کاموں میں اولوالعزمی قائم نہ رکھیں۔ اسلام میں کوئی Priesthood یا مولویت نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کیلئے ہر ایک کیلئے راستہ کھلا ہے۔ پس ہمیں نوجوانوں میں یہ احساس پیدا کرتے رہنا چاہئے کہ وہ کبھی بھی یہ نہ سمجھیں کہ وہ پہلوں سے بڑھ نہیں سکتے۔ پس اپنے اندر حقیقی روحانیت اور خدا تعالیٰ کا سچا عشق پیدا کرو اور اس بارہ میں کسی بڑی سے بڑی مشکل اور مصیبت کی بھی پرواہ نہ کرو۔ جیسے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک جگہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اے رسول! تو ان لوگوں سے کہہ دے کہ اگر خدا تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو تم پیچھے رہ جاتے اور میں اُس پر ایمان لے آتا[1] مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا نہیں تم نے صرف ایک جھوٹا بیٹا بنالیا ہے۔ اگر مسیح فی الواقعہ خدا تعالیٰ کے بیٹے ہوتے تو سب سے پہلے میں ایمان لاتا۔

حضرت نظام الدین صاحب اولیاءؒ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک دفعہ کہیں جا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کے ایک بڑے مخلص مرید بھی تھے جن کو آپ کا اپنے بعد خلیفہ بنانے کا ارادہ

تھا اوران کے علاوہ آپ کے اَور بھی مرید تھے۔ رستہ میں آپ کو ایک خوبصورت بچہ نظر آیا آپ کھڑے ہو گئے اور اُس بچہ کو بوسہ دیا۔ آپ کو بوسہ دیتے دیکھ کر آپ کی نقل میں آپ کے مریدوں نے بھی اُس بچہ کو بوسہ دینا شروع کر دیا۔ مگر وہ بڑے مرید جن کو آپ کا اپنے بعد خلیفہ بنانے کا ارادہ تھا وہ ایک طرف کھڑے رہے اور اُنہوں نے بوسہ دینے میں آپ کی اتباع نہ کی۔ جب آگے چلے تو دوسرے مریدوں نے آپس میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں کہ یہ بڑا مخلص بنا پھرتا ہے حضرت نظام الدین صاحب اولیاءؒ نے اس بچہ کو بوسہ دیا مگر اِس نے آپ کی اتباع نہیں کی۔ وہ چپ رہے اورکوئی جواب نہ دیا۔ کچھ دُور آگے گئے تو ایک بڑ بھونجا دانے بھون رہا تھا اُس نے آگ میں پتے ڈالے تو ایک شعلہ اونچا ہوا۔ حضرت نظام الدین صاحب اولیاءؒ آگے بڑھے اور آگ میں منہ ڈال کر اُسے چوم لیا۔ اِس پر وہ مرید بھی آگے بڑھا اور اس نے بھی آگ کو چوم لیا اور باقی مریدوں کو اشارہ کیا کہ وہ بھی آگ کو چومیں مگر وہ سب پیچھے ہٹ گئے اوران میں سے کوئی بھی آگے نہ بڑھا۔ پہلے تو ایک بچہ ملا تھا اور وہ خوبصورت لگا تھا جب حضرت نظام الدینؒ نے اسے بوسہ دیا تو آپ کی اتباع میں انہوں نے بھی اُسے چوم لیا مگر یہاں تو داڑھی اور بال جل جانے کا خطرہ تھا اس لئے وہ یہاں آپ کی نقل کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے حالانکہ اگر سچا عشق ہو تو انسان ہر قسم کے خطرات میں اپنے آپ کو جھونک دیتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ تو ان لوگوں سے کہہ دے کہ اگر خدا تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتو مجھے کیا انکار ہوسکتا ہے میں اس پر ایمان لے آتا۔ میں تو خدا تعالیٰ کا بیٹا ہونے کا اس لئے انکار کرتا ہوں کہ اس کا کوئی بیٹا ہو ہی نہیں سکتا۔

دوسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہر بات کی کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے اور اس غرض کو پورا کرنے کے لئے ہمیں پوری کوشش کرنی چاہئے۔ یہاں ہر دفعہ ایسا ہوا ہے کہ جلسوں کا پروگرام اس طرح بنایا جاتا ہے کہ اصل غرض کو پورا کرنے کے لئے وقت نہیں بچتا حالانکہ مجلس خدام الاحمدیہ کی تنظیم اس لئے قائم کی گئی ہے کہ ہر چیز حساب کی طرح ہر ممبر کو یاد ہو۔ وہ جب بھی کوئی پروگرام بنائیں اُنہیں علم ہونا چاہئے کہ فلاں کام پر کتنا وقت لگے گا، فلاں پر کتنا وقت لگے گا، ہم نے فلاں سے کتنی دیر تقریر کرانی ہے اور ہمارے پروگرام کے مطابق اُس کیلئے کتنا وقت

بچتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں جب یہ جلسہ ہوا تو ایک خادم کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وقت کی تقسیم کیسے ہوگی۔ پروگرام کا ہمیشہ ناقص ہونا انتظام کی کمی پر دلالت کرتا ہے۔ عید کے روز بھی جب مصافحہ کے وقت انتظام کے لئے میں نے قائد مجلس خدام الاحمدیہ کو بلایا تو اُنہوں نے جو طریق اختیار کیا وہ ماہرفن کا طریق نہیں تھا۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ کام تو ہوگیا مگر ایسا نہیں جس کی اُن سے امید کی جا سکتی تھی۔ اگر ایسا انتظام وہ قادیان میں کرتے تو یقیناً ناکام رہتے۔ میرے نزدیک جب خدام میں یہ نظام پایا جاتا ہے کہ ہر ۹ خدام کا ایک گروپ لیڈر رہے تو قائد کو جو کام کرنا چاہیئے تھا وہ یہ تھا کہ وہ اپنے دو سائقین کو بلاتے اور اُنہیں حکم دیتے کہ تم میں سے ایک اِس طرف کا انتظام کرے اور دوسرا دوسری طرف کا۔ بہرحال ہر چیز نظام کے نیچے آنی چاہیئے ورنہ خدام الاحمدیہ کی تنظیم قائم کرنے کی غرض وغایت پوری نہیں ہوسکتی۔

پھر میرے نزدیک دعوتوں میں جس طرح پھل رکھا جاتا ہے اِس سے نہ صرف وقت ضائع ہوتا ہے بلکہ چیز کا بھی ضیاع ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَآلَّةُ الْمُؤْمِنِ اَخَذَهَا حَيْثُ وَجَدَهَا [۲] یعنی کلمۂ حکمت مؤمن کی ملکیت ہے وہ جہاں اسے دیکھے لے لے۔ ہمارے ہاں تو رواج نہیں مگر یورپین ممالک میں ایک بفے سسٹم (Buffe System) ہوتا ہے وہ اس جیسے مواقع پر بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ صرف دو میزیں رکھ کر اُن پر پھل لگا دیا جاتا اور پھر مدعووین سے کہہ دیا جاتا کہ آیئے جو پسند ہو کھا لیجئے۔ اِس طرح بڑی آسانی سے یہ کام دس منٹ میں ختم ہو جاتا اور جلسہ کی اصل غرض کے لئے زیادہ وقت بچ جاتا۔ سرو (Serve) کرنے اور پھل اُٹھا کر لانے کا وقت بھی ضائع نہ ہوتا۔ میرے نزدیک آئندہ اس قسم کی تقریبات کا انتظام بفے سسٹم کی طرز پر ہونا چاہیئے تا کہ اخراجات بھی کم ہوں اور وقت بھی کم صرف ہو۔

نظم کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اور لوگ تو محض رسم کے طور پر ان موقعوں پر نظم پڑھ دیتے ہیں مگر ہمارا ظاہری رسوم سے کوئی تعلق نہیں۔ ہماری اِن موقعوں پر نظمیں پڑھنے سے کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے اور وہ مختلف مواقع کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً جلسہ سالانہ کے موقع پر بعض دفعہ میں بھی نظم کہہ دیتا ہوں اور دوسرے لوگ بھی مختلف نظمیں پڑھ دیتے ہیں کیونکہ

اُس موقع پر مختلف خیالات کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور ہر مضمون کی نظم وہاں سج جاتی ہے مگر جب طلباء اور خدام میں نظم پڑھی جاتی ہے تو نظم ان کے مناسب حال پڑھی جانی ضروری ہوتی ہے۔

خدام الاحمدیہ کو چاہیئے کہ وہ ہر مجلس میں تعلیم کا ایک سیکرٹری مقرر کریں جس کا ایک کام یہ بھی ہو کہ وہ جلسوں کے لئے نظموں اور مضامین کا انتخاب کیا کرے اور یہ مدنظر رکھے کہ نظمیں دعائیہ اور جوش پیدا کرنے والی ہوں۔ مثلاً پروگرام شروع ہونے سے پہلے کوئی خادم میری ایک نظم پڑھ رہا تھا جس میں نماز جیسے دعائیہ فقرات تھے۔ اِس قسم کی نظم طلباء اور خدام کیلئے مفید ہوسکتی ہے لیکن ایک عام تصوف کی نظم ان کے لئے زیادہ کارآمد نہیں ہوسکتی اور اس سے جوش دلانے کی غرض بھی حاصل نہیں ہوتی اس لئے آئندہ یہ خیال رکھا جائے کہ ایسے مواقع پر ایسی نظمیں رکھی جائیں جو دعائیہ اور جوش دلانے والی ہوں اور پھر سارے خدام پڑھنے والے کے ساتھ ساتھ اُنہیں دُہراتے چلے جائیں۔ اس سے طبائع میں جوش پیدا ہوتا ہے اور سننے والے مضمون کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب تو سننے والے کی صرف اس طرف توجہ ہوتی ہے کہ پڑھنے والے کی تال اور سر کیا ہے اور اُس کی آواز کیسی ہے۔ آواز اچھی ہوگی تو وہ تعریف کریں گے۔ لیکن اگر سننے والا سمجھتا ہو کہ یہ دعا ہے تو وہ اس کے مفہوم کو جذب کرنے کی کوشش کرے گا۔ پس آئندہ یہ ہونا چاہیئے کہ جب نظم پڑھنے والا نظم پڑھے تو دوسرے بھی اس کے ساتھ شریک ہوں اور ساتھ ساتھ دعائیہ الفاظ کو دُہرائیں اِس طرح دعا کی عادت بھی پڑے گی اور ذمہ داری اُٹھانے کا احساس بھی پیدا ہوگا۔

اِس کے بعد میں خدام الاحمدیہ کو اِس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہر چیز کیلئے ایک خاص زمانہ اور ایک خاص وقت ہوتا ہے۔ کوئی وقت جہاد کا ہوتا ہے، کوئی وقت روزہ کا ہوتا ہے اور کوئی وقت نماز کا ہوتا ہے اور عقلمند وہی ہوتا ہے جو جہاد کے وقت جہاد کرے اور نماز کے وقت نماز پڑھے اور روزہ کے وقت روزہ رکھے۔ یہ نہیں کہ وہ باقی چیزوں کو چھوڑ دے لیکن اُس خاص وقت میں اُسی چیز پر زور دے جس کیلئے وہ وقت مخصوص ہے۔

قرآن کریم میں خدا تعالیٰ بعض گناہوں کو کبیرہ قرار دیتا ہے اور بعض کو صغیرہ۔ صوفیاء کرام نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس گناہ میں کوئی انسان مبتلاء ہو وہی اُس کیلئے کبیرہ گناہ

ہے۔صرف یہ کہہ لینا کہ فلاں گناہ کبیرہ ہے اور فلاں صغیرہ یہ خلافِ عقل بات ہے۔ایک نامرد کے لئے بدنظری کبیرہ گناہ نہیں ہوگا۔اگر وہ کہتا ہے کہ میں بدنظری نہیں کرتا اِس لئے کبیرہ گناہ کا مرتکب نہیں ہوں تو ہم اُسے کہیں گے کہ تجھ میں اِس کی طاقت ہی نہیں پائی جاتی اس لئے یہ گناہ تمہارے نقطہ نگاہ سے کبیرہ گناہ نہیں۔تمہارے لئے کبیرہ گناہ وہ ہوگا جس کی حرص اور لالچ تمہارے اندر پائی جاتی ہے۔غرض جتنا جتنا خطرہ کسی گناہ کا کسی شخص کیلئے ہوگا اُتنا اُتنا ہی وہ اُس کیلئے کبیرہ ہوتا جائے گا اور جتنا جتنا خطرہ کم ہوگا اُتا اُتنا ہی وہ اس کے لئے صغیرہ ہوتا جائے گا۔گویا ایک شخص کے لئے ایک گناہ کبیرہ ہوگا اور دوسرے شخص کے لئے وہی گناہ صغیرہ ہوگا۔ مثلاً ایک ایسا آدمی جو غریب ہے اُس کے بچوں کو کھانے کو کچھ نہیں ملتا۔ان میں قناعت نہیں پائی جاتی۔اس کے لئے چوری کا زیادہ امکان ہے لیکن اگر وہ چوری نہیں کرتا تو وہ ایک کبیرہ گناہ سے گریز کرتا ہے اور اگر اس کے لئے جھوٹ کا موقع نہیں لیکن وہ اس سے بچتا ہے تو وہ ایک صغیرہ گناہ سے بچتا ہے کیونکہ اس کے لئے چوری کے موجبات زیادہ تھے اور جھوٹ کے کم تھے۔ لیکن ایک اَور شخص ہوتا ہے جس کے سامنے جھوٹی شہادت کا سوال ہوتا ہے۔مثلاً کوئی پٹواری ہوتا ہے یا کوئی عرضی نویس ہوتا ہے اُس کیلئے جھوٹ بولنے کے بہت مواقع ہوتے ہیں۔ سینکڑوں آدمیوں سے اُس کا کام ہوتا ہے، مختلف مقدمات میں اُسے بلایا جاتا ہے اور اُس کے لئے ہزاروں ایسے مواقع پیدا ہوتے ہیں جہاں اس کیلئے جھوٹ بولنے کا احتمال ہوتا ہے۔اگر ایسی نوکری والا جھوٹ سے بچتا ہے تو کبیرہ گناہ سے بچتا ہے۔لیکن اگر وہ کہے کہ میں نے چوری نہیں کی تو ہم کہیں گے کہ تمہارے لئے چوری کرنے کا کوئی موقع ہی نہیں تھا۔چالیس بیالیس روپے تمہیں گورنمنٹ دے دیتی ہے، چارہ ترکاریاں وغیرہ لوگ دے دیتے ہیں تمہاری عقل ماری گئی کہ تم چوری کرتے پھرو۔تمہارے لئے چوری گناہ صغیرہ اور جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے۔ پس اگر تم جھوٹ بول دیتے ہو تو خواہ تم ڈاکہ زنی نہیں کرتے چوری نہیں کرتے تو پھر بھی تم کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہو۔

اسی طرح اس زمانہ میں جبکہ تم ایک مامور من اللہ کی جماعت میں شامل ہو گئے ہو، تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ مامورین کی جماعتوں پر ابتلاء بھی آتے ہیں اس لئے انہیں ان ابتلاؤں کا مقابلہ

کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔ جیسے افغانستان میں ہمارے پانچ آدمیوں پر ابتلاء آیا اور انہوں نے اپنی جانیں پیش کر دیں۔ امیر عبدالرحمٰن کے زمانہ میں عبدالرحمان خان صاحب پر ابتلاء آیا اور وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ امیر حبیب اللہ خان کے زمانہ میں صاحب زادہ سید عبداللطیف صاحب پر ابتلاء آیا اور وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ امیر امان اللہ خان کے زمانہ میں نعمت اللہ خان صاحب اور ان کے دو ساتھیوں پر ابتلاء آیا اور وہ تینوں اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ مگر یہاں پانچ کا سوال نہیں بلکہ اصل دیکھنے والی بات یہ ہے کہ پانچ آدمیوں پر ابتلاء آیا اور پانچ میں سے پانچ ہی اس کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور اگر پانچ کے پانچ ڈٹے رہے ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر وہاں سَو آدمی بھی ہوتا تو وہ سَو کا سَو ڈٹا رہتا۔ اگر ہزار آدمی ہوتا تو ہزار بھی ڈٹا رہتا کیونکہ جتنی مثالیں ہمارے سامنے ہیں ان میں ایک بھی ایسی مثال نہیں کہ کسی کو ایسا ابتلاء پیش آیا ہو جس میں اُس کی جان کا خطرہ ہو اور وہ اپنی بات پر ڈٹا نہ رہا ہو۔ تمہیں بھی یہ چیز اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے۔ جب بھی کوئی سچائی دنیا میں آتی ہے اُس کے ماننے والوں کو قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ امیر خسرو کا ایک شعر ہے کہ

کشتہ گانِ خنجر تسلیم را
ہر فرماں از غیب جانے دیگر است

یعنی لوگ تو ایک دفعہ مرتے ہیں مگر جو اپنی مرضی خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیتے ہیں ان پر ہر روز نئی موت آیا کرتی ہے کیونکہ ہر موقع پر انہیں خدا تعالیٰ کی آواز پہنچتی رہے گی اور وہ اُس پر لبیک کہتے رہیں گے۔ پس اگر تم بھی خدا تعالیٰ کا سچا بندہ بننا چاہتے ہو تو تم اس بات کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو بلکہ ایسے موقع پر خوشی کی ایک لہر تمہارے چہروں پر دوڑ جائے اور تم ہر مصیبت کو انعام سمجھ کر قبول کرو۔ تم تو ایک سچائی کے ماننے والے ہو لیکن بعض دفعہ لوگ اپنے جھوٹے عشق کے لئے بھی یہ نمونہ پیش کر دیتے ہیں۔

صلاح الدین ایوبی کے زمانہ میں قرامطہ فرقہ نے بہت طاقت حاصل کر لی تھی۔ اُس وقت فرانس کا بادشاہ فلپ نامی تھا اور انگلینڈ کا رچرڈ۔ رچرڈ نے صلاح الدین ایوبی سے سمجھوتہ کرنا چاہا۔ اِس پر فلپ نے خیال کیا کہ اگر رچرڈ نے صلاح الدین ایوبی سے صلح کر لی اور کوئی سمجھوتہ

طے پا گیا تو میں چھوٹا ہو جاؤں گا۔ اِس لئے اُس نے جھٹ قرامطہ کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا اور یہ تجویز ہوئی کہ دونوں مل کر مقابلہ کریں گے۔قرامطہ کے امام اور فلپ کے درمیان ملاقات کا وقت مقرر ہوا اور یہ ملاقات پہاڑی پر ایک قلعہ میں طے پائی۔

قرامطیوں کا امام وہاں آیا اور فلپ بھی چوری چھپے وہاں گیا۔فلپ نے قرامطہ کے امام سے کہا کہ ہر بادشاہ جب دوسرے کے پاس کوئی معاہدہ طے کرنے جاتا ہے تو وہ دوسرے سے کہتا ہے آیا اُس کے پاس ایسی کوئی چیز بھی موجود ہے جسے وہ پیش کر سکتا ہے؟ تم جانتے ہو میں تو ایک ملک کا بادشاہ ہوں اب تم بتاؤ کہ تمہارے پاس مجھے دینے کیلئے کیا کچھ ہے؟ جس مکان میں ملاقات ہو رہی تھی وہ ایک چھ منزلہ مکان تھا۔جس کی ہر منزل کے سامنے چھجے تھے اور ہر چھجے کے کناروں پر کھڑکیاں تھیں، ہر کھڑکی کے سامنے ایک ایک سپاہی کھڑا تھا۔قرامطہ کے امام نے کہا اچھا میں بتاؤں کہ میرے پاس تمہیں دینے کو کیا کچھ ہے؟ اُس نے سر ہلایا۔اُس کے سر ہلانے کی دیر تھی کہ نچلی منزل کے تین آدمیوں نے یکدم نیچے چھلانگ لگا دی اور وہ چُور چُور ہو گئے۔ پھر قرامطہ کے امام نے کہا فلپ شاید تم یہ خیال کرو کہ اِنہیں اپنے انجام کا پتہ نہیں تھا یا اِنہیں خیال ہو کہ وہ مریں گے نہیں اس لئے اب میں تمہیں پھر وہی نظارہ دکھاتا ہوں۔اس نے پھر اپنا سر ہلایا اور اُس کے سر ہلانے پر دوسری منزل کے تین آدمیوں نے بھی یکدم چھلانگیں لگا دیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔فلپ پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنی بات کسی اور وقت پر ملتوی کر دی اور وہاں سے چلا گیا۔اب دیکھو اُن کے اندر نور نہیں تھا ایک جھوٹا عشق تھا مگر پھر بھی انہوں نے موت کی پرواہ نہ کی۔

ولیم میور لکھتا ہے کہ جنگ احزاب کے موقع پر کفار سات آٹھ ہزار کی تعداد میں تھے اور مسلمان صرف پندرہ سَو تھے۔میرے نزدیک دشمن کی تعداد پندرہ ہزار تھی اور مسلمان سات سَو تھے اور تاریخ بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔گویا دشمن بیس گنے سے بھی زیادہ تھا لیکن اگر میور کی تعداد کو بھی مدنظر رکھ دیا جائے تب بھی کفار مسلمانوں سے چار پانچ گنا زیادہ تھے۔میور لکھتا ہے کفار مسلمانوں پر دن رات حملے کرتے تھے اور حملے باری بدل بدل کر کرتے تھے تاکہ مسلمان تھک جائیں۔ان کا ایک گروہ تھک جاتا تھا تو دوسرا آجاتا تھا لیکن مسلمانوں کی تعداد اتنی کم تھی

کہ وہ انہیں مختلف حصوں میں تقسیم نہیں کر سکتے تھے اس لئے ان کیلئے آرام کرنا مشکل تھا۔ لیکن پندرہ دن کی متواتر جنگ میں میں نہیں سمجھ سکتا کہ کس طرح بچ گئے۔ پھر وہ خود ہی جواب دیتا ہے کہ اِس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتنی محبت تھی کہ وہ اس کے مقابلہ میں کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ جب میں تاریخ پڑھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں کہ پندرہ سَو آدمیوں نے سات آٹھ ہزار کے لشکر جرار کا کس طرح مقابلہ کیا۔ جب مسلمان تھک جاتے تھے تو کفار خندق کود کر اندر آ جاتے تھے۔ اور جب دشمن پھاند کر اندر آ جاتا تھا تو مسلمان دَبتے چلے جاتے تھے اور دشمن زور پکڑتا جاتا تھا۔ لیکن جونہی وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے پاس جاتے (یہ خیمہ مدینہ کے درمیان تھا) تو وہ بے تاب ہو جاتے اور انسانوں کی شکلوں میں دیو معلوم ہوتے تھے اور دشمن کو دھکیلتے ہوئے پیچھے لے جاتے تھے۔ یہ جوش صرف اُس عشق کا نتیجہ تھا جو صحابہؓ کے دلوں میں پایا جاتا تھا۔

پس مومن کو چاہئے وہ ہر قربانی پیش کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہے۔ خدام الاحمدیہ کو چاہئے کہ وہ یہ روح اپنے اندر پیدا کریں، وہ اپنے اندر احساس پیدا کریں کہ ضرورت پڑنے پر خدا کیلئے اپنی جان پیش کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہیں گے۔ اگر تم اس کیلئے تیار ہو تو یقیناً تمہارے اندر وہ بشاشت ایمانی پیدا ہو جائے گی جس کے بغیر کوئی شخص نجات حاصل نہیں کر سکتا۔

(الفضل ۱۷؍ اکتوبر ۱۹۶۱ء)

---

۱ قل ان کان للرحمن ولد فانا اوّل العبدین (الزخرف:۸۲)

۲ ترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی فضل الغقه علی العبادة میں الفاظ یہ ہیں۔ "اَلْکَلِمَةُ الْحِکْمَةُ ضَآلَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا"

قرونِ اُولیٰ کی نامور خواتین اور صحابیات کے ایمان افروز واقعات

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

قرونِ اولیٰ کی نامور خواتین اور صحابیات کے ایمان افروز واقعات

(فرمودہ ۳۱؍جولائی ۱۹۵۰ء بمقام کوئٹہ)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو دنیا میں پیدا کیا تو اسے مرد و عورت دو حصوں میں پیدا کیا جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا[1] یعنی اے لوگو! اُس خدا کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا پھر اس جان کی قسم سے اس کا ساتھی پیدا کیا۔ وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ اور پھر ان دونوں سے آگے اُس نے بہت سے مرد اور عورت پیدا کئے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ اور تم اُس خدا کا تقویٰ اختیار کرو کہ جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تم دوسرے ساتھیوں سے کہتے ہو خدا کیلئے میری مدد کرو۔ وہ خدا جس کا نام لے کر تم اپنے دوستوں، ہمسایوں اور اہل دنیا سے مدد مانگا کرتے ہو آخر اس کا بھی کچھ حق ہونا چاہئے۔ وَالْاَرْحَامَ ؕ پھر اُن رشتہ داروں، عزیزوں اور دوستوں کا بھی جن کا نام لے کر تم مدد مانگا کرتے ہو خوف کیا کرو۔ مثلاً اگر کسی بچے کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ کہتا ہے ہائے اماں! ہائے ابا! یا کسی نوجوان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بھائیوں اور دوسرے

دوستوں کا واسطہ دے کر مدد حاصل کرتا ہے لیکن ان کا تم خیال نہیں کرتے ۔ اِن کی خاطر تم قربانی کرنے سے بھاگتے ہو اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تم پر نگران ہے ۔

اس کے مقابل پر بائبل میں جو عیسائیوں اور یہودیوں کی کتاب ہے ۔ انسان کی پیدائش کا یوں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کو ایک باغ میں رکھا ۔ اِس کے بعد خدا تعالیٰ نے دیکھا کہ حضرت آدم اکیلے ہیں ان کا کوئی ساتھی بھی ہونا چاہئے ۔ تب حضرت آدم جب سو رہے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایک پسلی کاٹی اور ایک عورت بنائی اور حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ یہ عورت تمہارے ساتھ رہے گی اور چونکہ وہ عورت نر سے پیدا ہوئی تھی اِس لئے وہ ناری کہلائی ۔[۲]

بہر حال ابتدائے زمانہ سے عورت اور مرد کی آپس میں مشارکت پائی جاتی ہے اور اِن دونوں پر بعض ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور مذہبی کتب ہمیشہ سے ان پر بحث کرتی آئی ہیں ۔ بائبل میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ عورت اس لئے پیدا کی گئی ہے تا مرد جنت میں اُداس نہ ہو لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ عورت اور مرد دونوں اس لئے پیدا کئے گئے تا ان کے ذریعہ جنت بسے اور خدا تعالیٰ کا قانون دنیا میں جاری ہو ۔ اگر ہم غور سے دیکھیں تو ان دونوں مقاصد میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے ۔ بائبل کہتی ہے کہ عورت کو اِس لئے پیدا کیا گیا تا وہ مرد کو خوش رکھے لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ مرد اور عورت کی پیدائش کی مشترکہ غرض یہ ہے کہ تا دنیا آباد ہو اور دونوں مل کر خدا تعالیٰ کی حکومت قائم کریں ۔ دونوں کے ذمہ انصاف ، عدل اور حسن سلوک کی دنیا بسانی ہے ۔ اب ظاہر ہے کہ جو قرآن کریم نے مقصد پیش کیا ہے وہ بہت عالی شان ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اِس مقصد کو پورا کرنے کیلئے خدا تعالیٰ نے انسان کے ذمہ کیا کیا ذمہ داریاں عائد کی ہیں اور کونسے ایسے ذرائع ہیں جن پر چل کر مرد و عورت دونوں اپنے مقصد پیدائش کو حاصل کر سکتے ہیں ۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام سے خدا تعالیٰ نے اسلام کی بنیاد رکھی مگر اس بنیاد میں عورت کا حصہ بھی شامل کیا گیا ہے ۔ حدیث میں آتا ہے اور ضمناً قرآن کریم میں بھی اِس کا ذکر آتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک رؤیا دکھایا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ آپ کے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام آپ سے ۱۲ سال بعد پیدا ہوئے اور اس ۱۲ سال کے عرصہ تک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے۔ ابھی حضرت اسماعیل علیہ السلام سات آٹھ سال کے تھے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنی رؤیا سنائی کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اُس وقت انسان کی قربانی کی جاتی تھی، لوگ بتوں کو خوش کرنے کیلئے انسان کو اور خصوصاً اپنے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ لوگوں میں انسانی قربانی کا رواج ہے تو آپ سمجھے کہ اِس رؤیا سے اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہے کہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کروں۔ آپ نے اِس کا حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ذکر کیا اور جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا آپ نے جو دیکھا ہے اُس کو پورا کیجئے میں صبر کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو جنگل میں لے گئے تا اُن کی والدہ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اُلٹا لٹا دیا تا اُن کی تکلیف کو دیکھ کر دہشت پیدا نہ ہو۔ جب آپ ذبح کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہام کیا کہ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا [۳] جب تو اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے پر تیار ہو گیا ہے تو تو اپنی رؤیا کو پورا کر چکا یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر عملاً تجھے اپنا اکلوتا بیٹا ذبح کرنا پڑے تو تو اُسے ذبح کر سکتا ہے مگر اب اِس کی ضرورت نہیں کیونکہ آئندہ سچے دین میں انسان کے ذبح کرنے کا طریق جاری نہیں رہے گا۔ یہ طریق چونکہ درست نہیں تھا اس لئے آج سے اِسے مٹایا جاتا ہے۔

لیکن درحقیقت یہ رؤیا جو دکھائی گئی تھی اِس میں یہ پیشگوئی تھی کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ایک ایسی جگہ چھوڑ آئیں گے جس کو مقام محمدی کے لئے چنا گیا ہے چنانچہ آپ کو کچھ دیر کے بعد دوبارہ الہام ہوا کہ حضرت ہاجرہ اور اس کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کے مقام پر لے جاؤ۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کے مقام پر لے گئے۔ مکہ کے ارد گرد کئی میل

تک کوئی آبادی نہیں تھی ۔آپ نے ایک مشکیزہ پانی اور کھجوروں کی ایک تھیلی اُن کے پاس رکھ دی اور واپس چل پڑے۔ رؤیا میں درحقیقت یہی دکھایا گیا تھا کہ اِس سے مراد چھری سے ذبح کرنا نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی خاطر اسے ایسی جگہ چھوڑ آؤ جہاں کھانے کو نہ روٹی ملے اور نہ پینے کو پانی گویا اپنی طرف سے تم اُسے ذبح کر آؤ گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مکہ کے مقام پر پہنچے تو ایک مشکیزہ پانی اور کھجوروں کی ایک تھیلی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کے پاس رکھ کر چپکے سے کھسکے تا کہ بیوی ملامت نہ کرے۔آپ جب واپس جارہے تھے تو اُس محبت کی وجہ سے جو قدرتی طور پر خاوند کو بیوی سے ہوتی ہے آپ بار بار مڑ کر دیکھتے تھے۔ جب آپ نے بار بار پیچھے دیکھا تو حضرت ہاجرہ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آپ کسی معمولی کام کے لئے نہیں جارہے بلکہ اس میں کوئی راز ہے۔حضرت ہاجرہ آپ کے پیچھے گئیں اور کہا ابراہیم ! کیا ہمیں یہاں اکیلے چھوڑے جارہے ہو؟ آپ نے اِس کا کوئی جواب نہ دیا۔حضرت ہاجرہ آپ کے پیچھے پیچھے کچھ دُور تک چلتی گئیں اور بار بار یہ کہتی تھیں کہ کیا تم ہمیں یہاں چھوڑ کر جارہے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ حضرت ہاجرہ سمجھ گئیں کہ وقت اور درد کی وجہ سے آپ کوئی جواب نہیں دیتے۔آخر حضرت ہاجرہ نے کہا۔ابراہیم ! تم کس کے حکم سے ہمیں یہاں چھوڑ کر چلے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے منہ سے کچھ نہیں کہا کیونکہ محبت کے جذبات کی وجہ سے آپ بول نہیں سکتے تھے آپ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔تب حضرت ہاجرہ نے کہا اِذاً لَّا یُضَیِّعُنَا ۔اگر تم ہمیں خدا تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے یہاں چھوڑ کر جارہے ہو تو فکر کی کوئی بات نہیں ۔جس خدا نے تمہیں ہم کو یہاں چھوڑنے کا حکم دیا ہے وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ یہ کہہ کر آپ واپس چلی گئیں لیکن مشکیزہ میں جو پانی تھا اور تھیلی میں جو کھجوریں تھی وہ آخر چند دن ہی چل سکتی تھیں۔ جب یہ چیزیں ختم ہوگئیں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ستانا شروع کیا کہ مجھے کھانا دو، مجھے پانی دو، وہاں پانی کہاں تھا سینکڑوں میل تک کوئی آبادی نہیں تھی۔حضرت اسماعیل علیہ السلام نے شدتِ پیاس کی وجہ سے بیہوش ہونا شروع کیا۔آپ روتے تھے اور پانی مانگتے تھے۔ پھر کچھ دیر کے بعد غشی طاری ہو جاتی تھی۔ پھر ہوش آتی تو پانی مانگتے۔ پھر غشی طاری ہو جاتی۔ ماں نے جب اپنے بیٹے کی یہ حالت دیکھی

تو گھبرا کر اُٹھیں اور صفا اور مروہ ٹیلوں پر جا کر اِدھر اُدھر پانی تلاش کرنا شروع کیا۔ آپ پہلے صفا پر چڑھ جاتیں اور اِردگرد دیکھتیں کہ شاید کوئی قافلہ آ رہا ہو تو میں اُسے توجہ دلاؤں کہ ہمیں کچھ پانی دے۔ جب اُنہیں کوئی قافلہ نظر نہ آتا تو وہ مروہ پر چڑھ جاتیں اور دوسری طرف دیکھتیں تا کوئی قافلہ نظر آئے اور اُس سے پانی حاصل کیا جائے۔ صفا اور مروہ کے درمیان نیچی زمین تھی۔ حضرت ہاجرہ جب وہاں آتیں تو بچے سے نظر ہٹ جاتی اِس لئے یہ درمیانی فاصلہ آپ دَوڑ کر طے کرتیں۔ اِسی لئے صفا اور مروہ کے درمیانی فاصلہ کو حاجی لوگ دوڑ کر طے کرتے ہیں۔ بہرحال حضرت ہاجرہ صفا اور مروہ کے درمیانی فاصلہ کو دَوڑ کر طے کرتی تھیں تا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیکھتی رہیں۔ اِسی طرح آپ نے سات چکر لگائے۔ ساتویں چکر پر فرشتہ کی آواز آئی کہ اے ہاجرہ! جا اپنے بچے کے پاس۔ خدا تعالیٰ نے وہاں پانی کا انتظام کر دیا ہے۔ چنانچہ آپ واپس آئیں اور آپ نے دیکھا کہ جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام تڑپ رہے تھے وہاں ایک چشمہ پھوٹ رہا ہے۔[۴] جس کو زَم زَم کہتے ہیں اور جس کا پانی حاجی لوگ بطور تبرک لاتے ہیں۔ غرض یہ مکہ کی بنیاد تھی اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کی دوبارہ بنیاد رکھی تو کہا اے خدا! اس شہر کے رہنے والوں میں ایسا نبی مبعوث کیجیو جو اِنہیں تیری آیات پڑھ پڑھ کر سنائے، اِنہیں تیری کتاب سکھائے، اس کی حکمتیں سنائے اوران کے قلوب کا تزکیہ کرے۔[۵] گویا مکہ کی جو بنیاد رکھی گئی تھی وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے لئے تھی۔ اس بنیاد میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں شامل تھے۔ یعنی ایک مرد اور ایک عورت۔

غرض اللہ تعالیٰ نے شروع سے ہی جب سے اسلام کی بنیاد رکھی عورت اور مرد دونوں کا حصہ رکھ کر چلایا تھا لیکن بدقسمتی سے دنیا میں جب بھی تغیرات ہوتے ہیں کئی چیزیں نظر انداز ہو جاتی ہیں۔ عام طور پر جن لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کہ حکومت صرف مرد ہی کرتے ہیں مگر تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ملکوں میں عورتیں بھی حکومت کرتی رہی ہیں اور مرد ان کے تابع ہوتے تھے۔ عورتوں کی حکومت میں بھی ظلم ہوتے تھے کیونکہ دونوں میں اتفاق اور اتحاد کی روح نہیں پائی جاتی اور دنیا صرف دونوں کے اتفاق واتحاد سے ہی چل سکتی ہے ورنہ

عورتوں نے بھی بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے بھی اُس نے کام لیا۔ اُنہیں الہام ہوا کہ اُن کے ہاں ایک بچہ ہوگا، فرعون دشمن ہے وہ اُسے مارنے کا ارادہ کرے گا اِس لئے جب وہ پیدا ہوا اُسے ٹوکرے میں ڈال کر دریا میں ڈال دینا۔[۶] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایسا ہی کیا۔ اب یہ کام ہر ماں نہیں کرسکتی۔ ایک کروڑ میں سے ننانوے لاکھ ننانوے ہزار نو سَو ننانوے عورتیں ایسی جرأت نہیں کرسکتیں یا شاید کئی نسلوں میں بھی کوئی ایک عورت ایسی پیدا نہ ہو کہ جسے اِس قسم کا خواب آئے اور وہ اِس خواب کی بناء پر اپنے بیٹے کو دریا میں ڈال دے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایسا کیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون کی بیوی کا ذکر آتا ہے باوجود اس کے کہ فرعون شدید دشمن تھا وہ ایمان رکھنے والی تھی اور ہمیشہ دعائیں کرتی رہتی تھی کہ اے اللہ! تو شرک کی ظلمت کو دور کردے اور سچائی کو دنیا میں قائم کر۔[۷]

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بھی بڑی قربانی کی۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں اور عیسائیوں نے بعض غلط باتیں اُن کی طرف منسوب کردی ہیں مگر اُنہیں جانے دو۔ مجھے ایک بات نظر آتی ہے جس سے ان کا وسعت حوصلہ معلوم ہوتا ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب کا حکم ہوا۔ بہت کم مائیں ہونگی جو اِس قسم کے نظارہ کو دیکھ سکتی ہوں۔ بائبل میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب صلیب پر لٹکایا گیا اُس وقت حضرت مریم موجود تھیں۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر ایسے وقت مائیں بھاگ جایا کرتی ہیں اور وہ اپنے بچوں کی تکلیف کو برداشت نہیں کرسکتیں لیکن حضرت مسیح کی والدہ اُس وقت موجود تھیں۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام نے دیکھا کہ اُن کی ماں اِس طرح اپنے دل کو حوصلہ دے کر کھڑی ہے کیونکہ وہ سمجھتی ہے کہ خدا تعالیٰ کا حکم یہی ہے اور مجھے وہ منظور ہے تو وہاں آپ کا ایک شاگرد تھوما نامی کھڑا تھا حضرت مسیح علیہ السلام نے صلیب پر لٹکے ہوئے درد و کرب کی حالت میں تھوما کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے تھوما! یہ تیری ماں ہے۔ اور حضرت مریم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اے عورت! یہ تیرا بیٹا ہے۔ ماں کا لفظ نہیں بولا تا رقت پیدا نہ ہو۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ میں

اپنی جگہ پرتھوما کو تیرا بیٹا بناتا ہوں۔ اِس میں یہ اشارہ تھا کہ صلیب پر مرنے یا ہمارے عقیدہ کے مطابق صلیب کے بعد کی زندگی میں جو تکالیف تمہیں پہنچنی ہیں اِن میں میرا یہ مخلص مرید تمہاری ایسی خدمت کرے گا جیسے میں۔ اِس لئے آئندہ کے لئے تم اسے اپنا بیٹا بنالو۔ گویا شروع سے ہی یہ سلسلہ چلا آیا ہے کہ عورتیں عظیم الشان کام سرانجام دیتی رہی ہیں۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس میں عورت نے قربانی میں مرد کا ساتھ نہ دیا ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا۔ آپ غارِ حرا میں عبادت کر رہے تھے کہ الہام ہوا۔
اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ [8]
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت گھبرائے۔ جب آپ گھر تشریف لائے تو آپ کانپ رہے تھے۔ آپ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ، زَمِّلُوْنِیْ۔ مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ چنانچہ آپ کو کپڑا اوڑھا دیا گیا۔ گھبراہٹ ذرا کم ہوئی تو حضرت خدیجہؓ نے دریافت فرمایا کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اِس اِس طرح غار حرا میں عبادت کر رہا تھا کہ ایک فرشتہ آیا اور اُس نے مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا ہے کہ جاؤ اور میرا پیغام دنیا کو پہنچاؤ۔ میں ڈرتا ہوں کہ نہ معلوم میں اِس کام کو کرسکوں گا یا نہیں۔ حضرت خدیجہؓ نے فرمایا کَلَّا وَاللّٰہِ لَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا مجھے خدا کی قسم ہے خدا تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ پھر آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے کہا آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کے بوجھ اُٹھاتے ہیں ناداروں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حادثات میں حق کی مدد کرتے ہیں۔ اِس زمانہ میں یہی شاندار اخلاق شمار ہوتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے فرمایا۔ اِن اخلاق کے ہوتے ہوئے خدا تعالیٰ آپ کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔[9] پھر فرمایا۔ میرا ایک بھائی ہے وہ عیسائی ہے اور بڑا عالم ہے اُس سے اِس بارہ میں ہدایت طلب کرتی ہوں۔ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ اُس نے بتایا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس چیز کا خوف تھا ورقہ نے اُس کی تصدیق کی اور کہا یہ فرشتہ کسی پر کبھی نہیں آتا مگر اُسے سخت تکالیف پہنچتی ہیں۔ ورقہ نے کہا۔ کاش! میں اُس

وقت زندہ ہوتا جب آپؐ کی قوم آپؐ کو وطن سے باہر نکال دے گی اگر اُس وقت میں زندہ ہوا توانْصُرُکَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا میں کمر باندھ کر آپ کی مدد کروں گا۔ مکہ کے لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑی عزت سے پیش آتے تھے اِس لئے آپ حیران ہو گئے اور فرمایا۔ اَوَمُخْرِجِیَّ ھُمْ کیا وہ مجھے باہر نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں کیونکہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یہ فرشتہ کسی پر آیا ہو اور اُس کی قوم نے اُسے باہر نہ نکال دیا ہو۔[۱۰] آخر ایسا ہی ہوا یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے ایمان لانے والی اور آپ کو حوصلہ دلانے والی عورت ہی تھی اور پھر حضرت خدیجہؓ نے ۱۳ سال تک آپ کی تکالیف میں آپ کا ساتھ دیا اور کسی وقت بھی ڈگمگائیں نہیں۔ پھر آپ کی تمام بیویوں کے حالات کو اسلام میں بیان کرنے کی وجہ آخر کیا ہے؟ اِس کی وجہ یہی ہے کہ دنیا میں عورت اور مرد دونوں مل کر کام کرتے ہیں۔ دنیا میں کوئی نئی بنیاد قائم نہیں ہوتی جس میں عورت اور مرد دونوں شامل نہ ہوں۔ جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے عورت اور مرد کو اس لئے بنایا ہے کہ تا دنیا آباد ہو۔ گویا جب تک عورت اور مرد دونوں کو نہ بنایا جاتا دنیا آباد نہیں ہوسکتی تھی۔

یہی حال روحانی دنیا کا ہے۔ روحانی دنیا بھی اُس وقت تک آباد نہیں ہوتی جب تک عورت اور مرد دونوں مل کر کام نہ کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی وجہ سے عورتوں کو دین کی تعلیم میں شامل رکھتے تھے۔ آپ جب وعظ فرماتے تھے تو عورتوں کو اِس میں شامل ہونے کے لئے حکم فرماتے تھے۔ مثلاً عید ہے۔ عید کا خطبہ سننے کیلئے آپ عورتوں کو بھی دعوت دیتے تھے۔ آپ کی یہ ہدایت تھی کہ خواہ عورتوں کو اپنا کام چھوڑ کر ہی خطبہ میں شامل ہونا پڑے اُنہیں شامل ہونا چاہیئے۔[۱۱] پھر عورتوں نے کہا کہ ہم کام کاج میں لگی رہتی ہیں اِس لئے ہم باقاعدہ طور پر وعظوں اور خطبات میں شامل نہیں ہوسکتیں آپ کوئی نہ کوئی وقت عورتوں کے لئے مخصوص فرما دیں۔ اِس پر آپ نے ہفتہ میں سے ایک دن عورتوں کے لئے مخصوص کر دیا۔[۱۲] عورتیں مردوں کے جلسوں میں بھی شامل ہوتی تھیں اور اس مخصوص دن بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نصائح سے مستفید ہوا کرتی تھیں۔

اِس سے پتہ لگتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو کتنی اہمیت دی ہے چنانچہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی نے دین سیکھنا ہو تو نصف دین عائشہؓ سے سیکھے۔[۱۳] اِس کا مطلب یہ تھا کہ میں نے عائشہؓ کو ایسی ٹریننگ دے دی ہے کہ عورتوں کے متعلق جو نصف مسائل ہیں وہ ان سے سیکھے جا سکتے ہیں۔ غرض خالی مرد کام نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم کو شروع سے آخر تک پڑھ کر دیکھ لو تمام مسائل، احکام اور انعامات میں عورت اور مرد دونوں کا ذکر ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جاتا ہے نیک مرد تو ساتھ ہی کہا جاتا ہے نیک عورتیں۔ اگر کسی جگہ ذکر ہے کہ عبادت کرنے والے مرد تو ساتھ ہی یہ ذکر ہوگا کہ عبادت کرنے والی عورتیں۔ پھر اگر یہ ذکر ہے کہ جنت میں مرد جائیں گے تو ساتھ ہی یہ ذکر ہوگا کہ جنت میں عورتیں بھی جائیں گی۔ مرد کی اگر اعلیٰ درجہ کی نیکیاں ہیں اور وہ جنت میں ایک اعلیٰ مقام پر رکھا جاتا ہے تو اُس کی بیوی جس کی نیکیاں اُس مقام کے مناسب حال نہیں اپنے خاوند کی وجہ سے اسی مقام پر رکھی جائیں گی۔ اسی طرح اگر عورت اعلیٰ نیکیوں کی مالک ہے اور ان کی وجہ سے وہ جنت میں اعلیٰ مقام پر رکھی جاتی ہے تو اس سے ادنیٰ نیکیاں رکھنے والا خاوند بھی اس کی وجہ سے اُسی مقام پر رکھا جائے گا۔

غرض تمام معاملات میں خدا تعالیٰ نے عورت اور مرد دونوں کی ذمہ داریوں کو اہمیت دی ہے۔ بعد کے زمانہ میں بیشک اِس تعلیم میں بہت فرق پڑ گیا مگر جہاں تک ابتدائی زمانہ کا سوال ہے اُس زمانہ میں عورتیں دین کی خدمت کرتی تھیں۔ انہیں خدمت کا احساس تھا وہ جہاد کے لئے بھی باہر جاتی تھیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ کیا مرد ہم سے زیادہ خدا تعالیٰ کے مقرب ہیں کہ وہ جہاد میں شامل ہوں اور ہم شامل نہ ہوں۔ ہم بھی جہاد میں شامل ہوا کریں گی۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ چنانچہ وہ عورت ایک جنگ میں شریک ہوئی اور جب مالِ غنیمت تقسیم ہوا تو اُس کو بھی باقاعدہ طور پر حصہ دیا گیا۔ بعض صحابہؓ نے کہا کہ اِس کو حصہ دینے کی کیا ضرورت ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں اِس کو بھی حصہ دیا جائے گا۔ چنانچہ اس عورت کو حصہ دیا گیا پھر آپ کی یہ سنت ہوگئی کہ جب مرد جہاد پر جاتے تھے تو مرہم پٹی کے لئے عورتیں بھی ساتھ چلی جاتی تھیں۔[۱۴] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کی جنگوں میں بھی عورتیں شامل ہوتی رہیں اور بعض جنگوں پر عورتوں نے کمان بھی کی ہے چنانچہ اسلام میں جب فتنہ اُٹھا تو خدا تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت

حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں فوج کی کمان کی اور خود اونٹ پر سوار ہو کر فوج کو لڑایا۔[۱۵] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں عورتیں فنونِ جنگ سے بھی واقف ہوا کرتی تھیں۔

پھر ان میں ایسی دلیری تھی کہ اپنے حق کی خاطر خلیفۂ وقت کے سامنے بھی بولنے سے نہیں رُکتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ یہ سوال پیدا ہوا کہ مہر کتنا دیا جائے۔ اب تو ہندوستان میں اس بارہ میں بہت سی لغویات پیدا ہوگئی ہیں مثلاً مہر باندھ دیا جاتا ہے ایک من مچھروں کے پَر۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی مرد کی طاقت سے زیادہ مہر باندھا جانے لگا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں اِس کی اجازت نہیں دوں گا۔ مردوں نے کہا ٹھیک ہے۔ عورتوں میں سے ایک صحابیہؓ آپ کے پاس آئی اور کہا عمرؓ! تم نے یہ کیا نئے مسائل بتانے شروع کر دیئے ہیں قرآن کریم میں تو لکھا ہے کہ تم اپنی بیویوں کو اگر ڈھیروں ڈھیر سونا بھی دے دو تو اُن سے واپس نہ لو۔ اگر ڈھیروں ڈھیر سونا کسی نے دینا ہی نہیں تو اس آیت کے قرآن میں لائے جانے کی کیا ضرورت تھی حضرت عمرؓ نے اُسی وقت اپنا حکم منسوخ کر دیا اور فرمایا مدینہ کی عورتیں عمرؓ سے بھی زیادہ قرآن کریم جانتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کس طرح وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک لفظ کو سمجھتی تھیں اور چاہتی تھیں کہ وہ ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔

ایک جنگ میں حضرت علیؓ کے بڑے بھائی جعفرؓ شہید ہوگئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے چند افراد ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے باقی سب کافر تھے اور مکے میں رہ گئے تھے۔ جب واپس آئے تو عورتوں نے اپنے اپنے مردوں پر رونا شروع کیا اُس وقت رونے کی ممانعت نہیں ہوئی تھی؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرے اور دریافت فرمایا یہ شور کیسا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ مدینہ کی عورتیں اپنے بھائیوں، بچوں اور خاوندوں پر رو رہی ہیں۔ انسان کے ساتھ آخر بشریت تو لگی ہوئی ہے آپ کی نظر جب جعفرؓ کے گھر پر پڑی تو وہاں بالکل سناٹا تھا۔ آپ کی طبیعت میں رقت پیدا ہوئی اور فرمایا جعفرؓ پر تو رونے والا کوئی نہیں۔ یہ معمولی بات تھی آپ کا ہرگز یہ منشاء نہ تھا کہ حضرت جعفرؓ پر رویا جائے اور نہ آپ رونا پسند کرتے تھے۔ صرف یہ نظارہ دیکھ کر کہ اِرد گرد عورتیں اپنے مردوں پر رو رہی ہیں لیکن جعفرؓ کا گھر سُونا پڑا ہے

آپ کے منہ سے یہ کلمہ نکل گیا کہ جعفرؓ پر تو کوئی نہیں رو رہا اس لئے کہ ان کے رشتہ دار وہاں نہیں تھے اور دوسروں کے رشتہ دار مدینہ میں تھے یہ خبر عورتوں میں پہنچی۔ انہوں نے فوراً رونا بند کر دیا اور مدینہ کی ساری عورتیں حضرت جعفرؓ کے گھر پہنچ گئیں اور وہاں رونا شروع کر دیا۔ حضرت جعفرؓ کے گھر سے جب رونے کی آواز آئی تو آپ بہت گھبرائے اور دریافت فرمایا کہ یہ شور کیسا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! آپ نے ہی فرمایا تھا کہ جعفرؓ پر رونے والا کوئی نہیں عورتوں نے جب یہ سنا تو انہوں نے خیال کیا کہ واقعہ میں ہم سے غلطی ہوگئی۔ ہم اپنے بچوں، بھائیوں، باپوں اور خاوندوں پر رو رہی تھیں ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی کے بھائی پر ان سے زیادہ رونا چاہئے۔ آپ کا بھائی ہمارے بچوں، بھائیوں، باپوں اور خاوندوں سے مقدم ہے۔ آپ نے فرمایا میرا تو یہ مطلب نہیں تھا یونہی میرے منہ سے ایک فقرہ نکل گیا تھا ورنہ میں تو رونا پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ نے ایک شخص سے کہا انہیں رونے سے منع کر و لیکن ان عورتوں کو تو یہ احساس تھا کہ پہلے ہم سے یہ غلطی ہوگئی تھی ہم نے اپنے مُردوں پر رونا شروع کر دیا تھا دراصل ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی پر رونا چاہئے تھا۔ اس مرد نے بہتیرا کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ رونا بند کر دو لیکن وہ کہنے لگیں۔ جاؤ جاؤ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی مارا گیا ہے ہم اِس پر ضرور روئیں گی۔

ہر قوم میں بعض کم سمجھ والے آدمی ہوتے ہیں اور بعض زیادہ سمجھ دار ہوتے ہیں۔ وہ شخص بھی کم سمجھدار تھا جب اُسے عورتوں نے یہ جواب دیا تھا تو اُسے چاہئے تھا کہ خاموش رہتا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! میں نے ان عورتوں تک آپ کا حکم پہنچایا تھا لیکن اُنہوں نے مانا نہیں۔ ہماری پنجابی کی طرح عربی میں بھی ایک محاورہ ہے فلاں کے منہ پر مٹی ڈال۔ آپ نے فرمایا ان کے منہ پر مٹی ڈال اور اس سے آپ کا یہ مطلب تھا کہ انہیں رونے دو۔ خود بخود رودھو کر چپ ہو جائیں گی لیکن وہ شخص زیادہ سمجھدار نہیں تھا وہ آپ کا مطلب نہ سمجھ سکا اُس نے مٹی اُٹھا کر عورتوں کے منہ پر ڈالنا شروع کی۔ حضرت عائشہؓ ناراض ہوئیں اور فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ منشاء نہیں تھا۔ اُس شخص نے پھر شکایت کی آپ نے فرمایا عائشہؓ نے جو کچھ کہا ہے وہ ٹھیک ہے۔ اب بتاؤ کہ کتنی عورتیں ہیں جو اپنے قومی کاموں

کی خاطر اپنے جذبات کی پرواہ نہیں کرتیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آجکل بھی ہزاروں ایسی عورتیں ملیں گی جو قومی ذمہ داریوں کے سامنے اپنی ضرورتوں کو نظرانداز کر دیتی ہیں لیکن وہاں تو وہ اپنے رشتہ داروں پر رورہی تھیں کہ اُنہیں آواز آئی کہ جعفرؓ پر رونے والا کوئی نہیں یہ آواز سنتے ہی وہ رُک گئیں اور فوراً حضرت جعفرؓ کے گھر چلی گئیں۔ جس طرح سائیکل کو فوراً موڑ نا مشکل ہے اسی طرح ان عورتوں کے جوش کو موڑ نا بھی مشکل تھا لیکن وہاں ایسا ہی ہوا عورتیں اپنے مردوں پر آنسو بہا رہی تھیں اور جذبات کی رَو میں بہی جا رہی تھیں کہ یکدم انہیں رسول کریم ﷺ کی آواز آئی اور انہوں نے اپنے جذبات کو دبا دیا اور رونا بند کر دیا۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک عورت کا بچہ مر گیا تھا وہ قبر پر کھڑی رو رہی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پاس سے گزرے اور آپ نے اُسے صبر کی تلقین کی۔ وہ عورت کہنے لگی کہ دوسروں کو نصیحت کرنا آسان امر ہے جس کا اپنا بچہ مر گیا ہو تکلیف کا احساس اُسی کو ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے فرمایا۔ میرے تو سات بچے فوت ہو چکے ہیں اور یہ کہہ کر آپ چلے گئے۔ کسی شخص نے اُس عورت سے کہا۔ اے عورت! کیا تم نے پہچانا نہیں یہ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ وہ عورت دوڑتی ہوئی آپ کے پاس آئی اور کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میں صبر کرتی ہوں آپ نے فرمایا۔ اب صبر کرنے کا کیا فائدہ اَلصَّبْرُ لِاَوَّلِ وَھْلَۃٍ صبر تو شروع میں ہی ہوتا ہے۔

یہ مثال میں نے اس لئے دی ہے کہ انسان جوش میں آیا ہوا ہو تو اُس کیلئے رُکنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جیسے وہ عورت جوش کی حالت میں تھی مگر اُس حالت میں اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہ پہچانا حالانکہ وہ آپ پر ایمان لانے والوں میں سے تھی۔ پس ان عورتوں کو اپنے مُردوں پر روتے ہوئے فوراً رُک جانا بہت بڑے تصرف اور طاقت کی علامت ہے۔ غرض آدم علیہ السلام سے لیکر آخر تک ہر زمانہ میں مذہب عورتوں کا ذکر کرتا آیا ہے۔ چنانچہ مکہ کی تعمیر کے وقت اسلام حضرت ہاجرہ کا بھی ذکر کرتا ہے۔ حالانکہ نبی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت اسلام اُن کی والدہ کا ذکر کرتا ہے حالانکہ نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت قرآن کریم اُن کی والدہ کا

ذکر کرتا ہے حالانہ نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کی تاریخ کو کیوں محفوظ رکھا گیا؟ اِس سے صرف یہی بتانا مقصود تھا کہ یہ عمارت تمہاری اپنی بنائی ہوئی ہے اِس لئے تمہارا بھی اِس میں حصہ ہے۔

انسان جو کام کرتا ہے اس سے اُسے پیار ہوتا ہے۔ اپنے بنائے ہوئے گھر کو کوئی شخص برباد نہیں کرتا۔ بچے ریت کے گھروندے بناتے ہیں مگر جب کوئی دوسرا بچہ اُنہیں گرا دیتا ہے تو وہ اس سے لڑ پڑتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے عورتوں پر یہ واضح کر دیا ہے کہ دین میں ان پر ویسی ہی قربانیاں عاید ہوتی ہیں جیسی مردوں پر۔ یہ نہ کرنا کہ تم اسے چھوڑ دو اور سمجھ لو کہ یہ صرف مردوں کی چیز ہے ایسا کروگی تو دین کمزور ہو جائے گا۔

اِس زمانہ میں جو نازک دَور مسلمانوں پر آیا ہے وہ ایسا ہے کہ آج سے چار پانچ سَو سال پہلے کوئی اِس کا خیال بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اگر آج سے چار پانچ سَو سال قبل کے مسلمانوں کو اِس زمانہ کی حالت نقشہ پر دکھا دی جاتی تو اِس پر کوئی اعتبار نہ کرتا لیکن آج بھی اگر نقشے پر رنگ دے دیئے جائیں اور بتایا جائے کہ پُرانے زمانہ میں مسلمانوں کی حکومت فلاں فلاں جگہ تک پھیلی ہوئی تھی اور اب اِس کی حکومت فلاں جگہ تک ہے یا پُرانے زمانہ میں مسلمانوں کی علمیت اتنی تھی اور اب اتنی ہے تو ہر عقلمند عورت اور ہر عقلمند مرد کو غش آ جائے گا۔ ہم معمولی غموں کے قصّے سنتے ہیں تو رونا آ جاتا ہے مگر اسلام کا دکھ تو اتنا بڑا ہے کہ ہر مسلمان جس کو اسلام سے ذرا بھی تعلق ہے اُس پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ یہی یورپ جو آج ساری دنیا پر حکومت کر رہا ہے اِس کا اکثر حصہ مسلمانوں کے ماتحت تھا۔ پولینڈ پر مسلمانوں کی حکومت تھی، آسٹریا پر مسلمان قابض تھے، ہنگری ان کے قبضہ میں تھا، فرانس کے ساحلوں تک وہ پھیلے ہوئے تھے، جنوبی اٹلی پر ان کی حکومت تھی، فن لینڈ اور سپین پر ان کی حکومت تھی، ادھر ایشیا میں سوائے جاپان کے باقی سب ملکوں اور جزائر پر مسلمانوں کا قبضہ تھا، افریقہ کے کثیر حصوں پر ان کی حکومت تھی۔ امریکہ اُس وقت معلوم نہ تھا لیکن معلوم دنیا میں سوائے چند حبشی قبائل کے کوئی ملک ایسا نہ تھا جس پر مسلمان قابض نہ تھے اور پھر جہاں قبضہ نہ تھا وہاں اِن کی ایسی دہشت اور رُعب چھایا ہوا تھا کہ وہاں کے رہنے والے محض مسلمانوں کے رحم پر تھے۔ اُس زمانہ میں صرف ایک حکومت تھی جو مسلمانوں

کے علاوہ تھی اور وہ حبشہ کی حکومت تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب مسلمانوں پر کفار نے مظالم ڈھائے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان حبشہ کی طرف چلے جائیں وہاں کا بادشاہ ان کو پناہ دے گا۔ اِس پر بعض مسلمان حبشہ کی طرف چلے گئے اور باوجود اس کے کہ کفارِ مکہ نے بہت کوششیں کیں کہ مسلمان ان کے حوالے کر دیئے جائیں حبشہ کا بادشاہ ایسا کرنے پر تیار نہ ہوا اور مسلمان اُس کی حکومت میں آرام کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اِس بادشاہ کو بعد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تبلیغی خط لکھا اور وہ مسلمان بھی ہوگیا اور وہ خط اُس نے بطور تبرک چاندی کے بنے ہوئے ایک کیسکٹ (CASKAT) میں رکھا اور اپنے وزراء کو دیا اور ہدایت کی کہ ہمیشہ کے لئے یہ خط محفوظ رکھا جائے کیونکہ ہمارے ملک کیلئے یہ تعویز کام دے گا۔ حبشہ کے بادشاہ کا مسلمانوں پر یہ احسان تھا کہ اُس نے چالیس پینتالیس مسلمانوں کو پناہ دی بعد میں اُس وقت کا بادشاہ نجاشی مسلمان بھی ہوگیا مگر اُس کا وارث عیسائی تھا۔ حبشہ کے دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے مسلمانوں کی حکومت تھی۔ اس کے اِرد گرد مسلمانوں کی بڑی بڑی شہنشاہیاں تھیں۔ مثلاً مصر کی فاطمی حکومت اس کے ساحلوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کے لشکر ٹڈی دل کی طرح اس کے ساحلوں سے گزر جاتے تھے مگر وہ حبشہ کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ آجکل چالیس پینتالیس آدمیوں کو پناہ دینا ایسا کارنامہ نہیں کہ کوئی حکومت پناہ دینے والی کی عزت کرے لیکن مسلمانوں نے ۱۳۰۰ سال تک حبشہ کے احسان کو یاد رکھا مگر عیسائیوں کی حالت یہ ہے کہ جب مسلمان کمزور ہوئے تو انہوں نے سَو سال تک بھی برداشت نہ کیا اور جنوبی اٹلی پر قبضہ کرلیا۔ غرض یہ ایک ہی حکومت تھی جو مسلمانوں کے زمانۂ اقتدار میں قائم رہی اور اس کی وجہ یہی تھی کہ مسلمان یہ بتانا چاہتے تھے کہ جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کی ادنیٰ سے ادنیٰ بھی خدمت کی ہے وہ اس کی حفاظت کریں گے۔

پس مسلمانوں کی یہ عظمت اگر مٹ جائے تو یہ ایسی چیز نہیں کہ کوئی شریف النفس اور حساس دل خواہ وہ عورت ہو یا مرد اِس کے صدمہ سے اپنے نفس پر قابو رکھ سکے۔ لیکن کسی مصیبت کے آنے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اس مصیبت کو جاری رکھا جائے۔ جب بھی خدا تعالیٰ توفیق

دے اسے ختم کر دینا چاہئے۔ مسلمانوں پر یہ مصیبت اِس لئے آئی کہ انہوں نے دین کو چھوڑ دیا اور دنیا کو اپنا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کمانے سے منع نہیں فرمایا مگر اُس نے یہ کہا ہے کہ پہلے دین کا کام کرو اور پھر دنیا کماؤ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بھی دنیوی کام کرتے تھے، وہ زمینداریاں بھی کرتے تھے تجارتیں بھی کرتے تھے مگر وہ اِن کو دین کے تابع رکھتے تھے اور جب بھی خدا تعالیٰ کی آواز آتی تھی وہ اِنہیں چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔

حضرت حسنؓ نے حضرت علیؓ سے ایک سوال کیا کہ کیا آپ کو مجھ سے محبت ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں۔ حضرت حسنؓ نے پھر سوال کیا کہ کیا آپ کو خدا تعالیٰ سے بھی محبت ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں۔ حضرت حسنؓ نے کہا تب تو آپ ایک رنگ میں شرک کے مرتکب ہوئے۔ شرک اِسی کو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اُس کی محبت میں کسی اَور کو شریک بنا لیا جائے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ حسنؓ! میں شرک کا مرتکب نہیں ہوں میں بے شک تجھ سے محبت کرتا ہوں لیکن جب تیری محبت خدا تعالیٰ کی محبت سے ٹکرا جائے تو میں فوراً اِسے چھوڑ دوں گا۔ توحید کے معنی یہ ہیں کہ انسان ایسے کاموں میں نہ پڑے جو خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں آجائیں۔ وہ بیشک دنیا کمائے، زمینداریاں کرے، تجارتیں کرے مگر جب یہ آواز آئے کہ خدا تعالیٰ اُسے بلاتا ہے تو فوراً وہ کام چھوڑ دے اور خدا تعالیٰ کی آواز کی طرف دَوڑ جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں جب بعض مسلمانوں نے اِس میں کوتاہی دکھائی تو قرآن کریم میں ان کے خلاف احکام نازل ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ مومن ہیں اور پھر ان سے کوتاہی سرزد ہوئی ہے وہ قابل سزا ہیں اور جو منافق ہیں انہوں نے اپنے نفاق کا ثبوت دے دیا ہے۔

یہاں پھر میں ایک ایسی عورت کا واقعہ بیان کرتا ہوں جس نے خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں نہ صرف اپنے خاوند کی محبت کو ٹھکرایا بلکہ اسے ملامت بھی کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں متعدد جنگیں ہوئیں مگر ان سب سے زیادہ خطرناک جنگ وہ تھی جب یہ خبر آئی کہ روما کی فوجیں عرب پر حملہ کرنے کے لئے آرہی ہیں۔ عرب کے مقابلہ میں روما کی اُس وقت ایک ایسی ہی طاقت تھی جیسے آجکل انگریز حکومت کسی دس بارہ لاکھ کی آبادی کے ملک پر حملہ کر دے۔ اُس وقت روما کی حکومت میں لبنان کا ملک شامل تھا، آرمینیا تھا، سارا ٹرکی تھا، روس کے کچھ

حصے تھے، آسٹریا تھا، ہنگری تھا، لیبیا تھا، افریقہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ جو حصے تھے وہ بھی روما کی حکومت کے ماتحت تھے ان سب ملکوں کی کل آبادی دو کروڑ تھی لیکن ان کے مقابلہ میں عرب کی کل آبادی دو اڑھائی لاکھ تھی۔ پھر وہ روپے والے تھے۔ غرض مسلمانوں پر سب سے زیادہ نازک موقع اُس وقت آیا جب انہوں نے یہ خبر سنی کہ روما کی حکومت عرب پر حملہ آور ہو رہی ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا کہ بجائے اِس کے کہ روما کی فوجیں ہم پر حملہ آور ہوں مناسب ہوگا کہ ان کے مقابلہ کے لئے ہم خود باہر جائیں۔ چنانچہ آپ دس بارہ ہزار افراد پر مشتمل ایک فوج ساتھ لے کر روما کے لشکر کے مقابلہ کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔ اس موقع پر آپ نے حکم دے دیا کہ سب مخلص مومن اس جنگ کیلئے چل پڑیں۔ اِس سے قبل آپ نے خود ایک صحابیؓ کو کسی کام کیلئے باہر بھیجا تھا جب آپ مقابلہ کے لئے مدینہ سے روانہ ہو گئے تو وہ صحابیؓ واپس آئے۔ وہ مدت کے بعد واپس آئے تھے جب مدینہ پہنچے تو اُنہیں صرف اتنا پتہ لگا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی دُور سے آتا ہے اور دیر کے بعد گھر آتا ہے تو قدرتی طور پر وہ اپنی بیوی سے پیار کرتا ہے۔ وہ صحابیؓ بھی گھر آئے اور چاہا کہ بیوی سے پیار کریں مگر اُس نے پرے ہٹا کر کہا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو جنگ کیلئے باہر گئے ہوئے ہوں اور تجھے بیوی سے پیار سوجھ رہا ہے۔ اِس کا اِس صحابیؓ پر اتنا اثر ہوا کہ وہ اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کیلئے باہر چلے گئے۔ اب یہ خدا کی محبت اور اس کے خاوند کی محبت کا مقابلہ تھا۔ یہ نہیں کہ اُس صحابیہ کو اپنے خاوند سے محبت نہیں تھی بلکہ جب یہ سوال آ گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف میں ہیں اور ان کا خاوند آرام میں ہے تو وہ برداشت نہ کر سکیں۔

غرض جب خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کا کسی اَور سے مقابلہ آ جاتا ہے تب دین اس میں روک بنتا ہے۔ اسلام دنیا کمانے، تجارتیں اور زمینداریاں کرنے میں روک نہیں بنتا ہاں یہ کہتا ہے کہ جب یہ زمینداریاں اور تجارتیں وغیرہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں آ جائیں تو ہر سچے اور مخلص مؤمن کا فرض ہے کہ انہیں چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے، اِس کو تقویٰ کہتے ہیں۔ ورنہ یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ دنیا کمانے سے روکتا ہے درست نہیں۔ صحابہ تجارتیں کرتے تھے،

زمینداریاں کرتے تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود زمینداری کرتے تھے چنانچہ جب خیبر فتح ہوا تو آپ نے اُس کا ایک حصہ اپنے خاندان کے لئے وقف کر دیا تھا۔ بہر حال دنیا کمانا منع نہیں۔ ہاں جب خدا تعالیٰ کی آواز آ جائے تو دوسرے تمام کاموں کو چھوڑ کر اُس طرف متوجہ ہو جانا چاہیئے۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے۔

خدا تعالیٰ کی آواز تو بہت بڑی چیز ہے دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ماں اپنے کام میں مشغول ہوتی ہے لیکن جب اُسے بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو وہ سب کام چھوڑ کر اُس کی طرف دَوڑ پڑتی ہے۔ مثلاً ایک عورت دودھ دوھ رہی ہوتی ہے، فرض کرو کہ وہ کسی اونچی جگہ پر بیٹھی دودھ دوھ رہی ہے (اور دودھ کا خراب ہو جانا زمیندار کے لئے بہت بڑا نقصان ہے) اِدھر سے اسے بچہ کے رونے کی آواز آ جاتی ہے تو وہ عورت دودھ پھینک کر بچہ کی طرف چلی جائے گی۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی آواز آئے تو ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اب کوئی اَور کام کرنا ہمارے لئے جائز نہیں۔

اسلام کے تنزل کے زمانہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں ان میں کمزوریاں تھیں وہاں ان کے اندر بعض اچھی خوبیاں بھی پائی جاتی تھیں۔ خلفائے عباسیہ کی حکومت جب کمزور ہوئی تو اُس وقت خلیفہ کی حالت ایسی ہی تھی جیسے ہندوستان پر جب انگریزوں نے قبضہ کر لیا تو مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی حالت تھی۔ عکہ تک تمام علاقہ چھن گیا تھا ایک دفعہ خلیفہ جب شطرنج کے مہروں کی طرح رہ گیا تھا۔ عکہ میں سے ایک قافلہ گزر رہا تھا کہ ایک عورت کو کسی عیسائی نے چھیڑا اور اسے قید کر لیا وہ ایک دیہاتی عورت تھی اُسے یہ علم نہیں تھا کہ آجکل مسلمانوں پر ضعف کا زمانہ آیا ہوا ہے وہ مسلمانوں کی پہلی شان ہی سمجھتی تھی، معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں عورتوں میں تعلیم کم ہوگئی تھی۔ اس لئے جوش میں آ کر کہا یَـالَلْـخَـلِیْـفَة۔ اے خلیفہ! میں تمہیں اپنی مدد کیلئے پکارتی ہوں۔ حالانکہ اُس وقت عیسائی بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی شکست دے چکے تھے اور خلیفہ تو اُس وقت دہلی کے آخری بادشاہ کی طرح تھا۔ قافلہ کے لوگ اُس عورت کی اِس بات پر ہنس پڑے اور کہا یہ کتنی پاگل ہے خلیفہ کو تو اِس وقت کوئی پوچھتا بھی نہیں لیکن یہ اس کو مدد کے لئے پکار رہی ہے۔ وہ سارا راستہ اِس لطیفہ پر ہنستے آئے۔ پرانے زمانہ میں ریل وغیرہ کی سہولتیں نہیں

تھیں اس لئے خبریں دیر سے پہنچتی تھیں ۔ جب کوئی تجارتی قافلہ شہر میں آتا تو لوگ اس کا استقبال کرتے اور اُس سے تازہ خبریں پوچھتے ۔ اِسی طرح جب یہ قافلہ بغداد پہنچا تو لوگ جمع ہو گئے اور کہا کوئی تازہ لطیفہ سناؤ۔ قافلہ والوں نے بتایا فلاں جگہ سے جب ہم گزر رہے تھے تو کسی عیسائی نے ایک مسلمان دیہاتی عورت کو چھیڑا اور اس نے جوش میں آ کر کہا یَـالَـلْخَلِیْفَةَ! یہ کتنی عجیب بات ہے کہ خلیفہ کی حالت تو اِس وقت ایک وظیفہ خوار کی سی ہے اور وہ اسے اپنی مدد کیلئے پکار رہی تھی ۔ پھیلتے پھیلتے یہ خبر خلیفہ کے دربار میں بھی پہنچی ۔ باوجود اِس کے کہ خلیفہ کی حیثیت اُس وقت محض ایک وظیفہ خوار کی سی تھی لیکن دہلی کے بادشاہوں کی طرح وہ اُس زمانہ میں بھی اپنا دربار لگایا کرتا تھا۔ دربار میں کسی شخص نے دوسرے کے کان میں کہا کہ یہ لطیفہ ہوا ہے ۔ اُس درباری نے تو یہ بات لطیفہ کے رنگ میں بیان کی تھی لیکن خلیفہ کے ذہن میں اب بھی یہ بات تھی کہ وہ بادشاہ ہے ۔ یہ بات سن کر اُس کے دل پر ایک چوٹ سی لگی اور وہ تخت سے اُتر آیا اور ننگے پاؤں باہر نکل گیا اور کہنے لگا میرے ساتھ کوئی جائے یا نہ جائے میں ضرور جاؤں گا اور یا تو اس عورت کو چھڑا لاؤں گا یا وہیں مارا جاؤں گا ۔ یہ ایک ایسی چیز تھی کہ جب ایک بناوٹی اور موم کی مانند خلیفہ کے منہ سے بھی یہ بات نکلی کہ خواہ کوئی میرے ساتھ جائے یا نہ جائے میں جاؤں گا اور اُس عورت کو چھڑا لاؤں گا یا خود مارا جاؤں گا تو بہت سے اور مومنوں نے بھی خیال کیا کہ ہم بھی اس مظلوم عورت کو بچانے کے لئے نکلیں چنانچہ ہزاروں ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر تیار ہو گیا ۔ پھر جب اِردگرد کے علاقہ میں خبر پہنچی تو دوسرے نوابوں نے بھی یہ خیال کیا کہ ہم کیوں پیچھے رہیں وہ بھی اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر اس کے ساتھ مل گئے ۔ جب خلیفہ شام تک پہنچا تو ایک لشکر جرار اکٹھا ہو گیا ۔ چنانچہ لڑائی ہوئی اور وہ عورت دشمن کے پنجہ سے چھڑا لی گئی ۔

پس اگر ایک مظلوم عورت کی آواز نے جس میں رحم کی اپیل پائی جاتی تھی ایک مردہ خلیفہ کے اندر جس کی حکومت نہیں تھی صرف گورنر کچھ روپے دے دیتے تھے اور ان کے ساتھ وہ شطرنج اور شراب میں اپنا وقت صَرف کر دیتا تھا ایک بیداری پیدا کر دی اور اُس نے اس کی رحم کی اپیل سے متأثر ہو کر یہ ارادہ کر لیا کہ وہ جب تک اس مظلوم عورت کو دشمن سے نجات نہیں

دلائے گا واپس نہیں آئے گا۔ تو خدا اور اُس کے رسول کی آواز ہمارے اندر یہ جوش کیوں پیدا نہیں کرتی۔ اِس وقت عملاً خدا اور اس کا رسول اپنی مدد کے لئے پکار کر رہے ہیں لیکن باوجود اِس کے کہ ہم ان کی آواز سنتے ہیں ہمیں کوئی غیرت نہیں آتی کہ ہم بیدار ہوں اور ایسے کام کریں جن سے خدا اور اس کے رسول کی حکومت دنیا میں قائم ہو۔

ایک بزرگ نے جو بھوپال کے رہنے والے تھے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ ایک نحیف اور کمزور انسان زمین پر پڑا ہے وہ کوڑھی ہے، آنکھیں اُس کی نکلی ہوئی ہیں ناک اور منہ پر زخم ہیں اور ان زخموں پر کثرت سے مکھیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا تو کون ہے جو اِس حالت میں پڑا ہوا ہے۔ اُس نے کہا میں خدا ہوں۔ میں نے کہا ہم تو قرآن کریم میں پڑھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اتنا حسین ہے کہ اس سے زیادہ حسین اَور کوئی نہیں اور تم کہتے ہو کہ میں خدا ہوں۔ اُس نے کہا میں بھوپال کا خدا ہوں۔ بھوپال والوں کے نزدیک میری ایسی ہی حالت ہے۔ نہ وہ میرا احترام کرتے ہیں نہ ان میں میرا ادب ہے۔ مجھ سے انہیں کوئی محبت نہیں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ غلام کا بھی انہیں لحاظ ہوگا مگر میرا انہیں کوئی لحاظ نہیں۔

پس خدا خدا تو ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ انسان کے دل میں اُس کی کیا قدر ہے۔ اِسی طرح رسول ہیں۔ رسول رسول تو ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ انسان کے دل میں اُس کی کیا قدر ہے۔ آخر وہ کون سی بات ہم میں پائی جاتی ہے جو دوسروں کیلئے کشش کا موجب ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قربانیاں کیں وہ کہاں ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انکسار کا نمونہ دکھایا وہ کہاں ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غریبوں پر مہربانی کی جو حالت تھی وہ کہاں ہے؟ اگر کسی میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں یا وہ اپنے اندر ایسی خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو ہم کہیں گے کہ اُس کا خدا اور اُس کا رسول زندہ ہیں۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ ان کی آواز نہیں سنتا اور وہ خدا تعالیٰ کی آواز کو نہیں سنتے تو وہ زندہ کیسے ہوئے۔ سو تم ایسی روح اپنے اندر پیدا کرو کہ جس سے معلوم ہو کہ تمہارا خدا اور رسول دونوں زندہ ہیں۔ تم اسلامی اخلاق اور اسلامی علوم سیکھو اور ان پر عمل کرو اور اِس کیلئے قرآن کریم کا پڑھنا ضروری ہے جس میں لکھا ہے کہ یوں کرنا چاہئے اور یوں نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن اگر ہمیں اس کے معنی نہیں آتے یا معنے تو

آتے ہیں مگر ہم اسے پڑھتے نہیں تو اِس کا فائدہ کیا؟

مصر کے ایک عالم نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اُس نے قرآن کریم کے نزول کی اٹھارہ اغراض بیان کر کے اِس پر تمسخر اُڑایا ہے۔ ان میں سے تین اغراض اس نے یہ بتائی ہیں کہ قرآن کریم اس لئے نازل ہوا ہے کہ دوسرے سے چار آنے یا آٹھ آنے لے کر اس کے حق میں جھوٹی قسم کھائی جائے۔ دوسرے قرآن کریم اس لئے نازل ہوا ہے تا ریشم کا غلاف چڑھا کر اسے طاق میں رکھ دیا جائے۔ تیسرے قرآن کریم اس لئے نازل ہوا ہے تا ہر چیز کو صفائی سے رکھا جائے مگر قرآن کریم پر سے گرد کو نہ ہٹایا جائے۔ اسی طرح اس نے اٹھارہ اغراض گنائی ہیں۔ اس نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کی نزول کی باقی سب اغراض ہیں صرف اس کا پڑھنا یا اس پر عمل کرنا اس کے نزول کی غرض نہیں۔ فرض کرو اگر قرآن کریم ہمیں آتا نہیں یا اس کو ہم پڑھتے نہیں تو اس کا فائدہ ہی کیا؟

ہمارے استاد حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ عورتوں سے جب میں پوچھتا ہوں کہ کیا قرآن کریم پڑھتی ہو؟ تو بہت سی عورتیں یہ جواب دیتی ہیں کہ ہم تو اَن پڑھ ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ سب غلط عذر ہیں بلکہ یہ بات کہہ کر وہ اپنے گناہ کو بڑھا لیتی ہیں۔ پڑھی ہوئی عورت کے پاس اگر اس کے کسی عزیز کا خط آتا ہے تو وہ اسے ایک دفعہ پڑھ کر رکھ دیتی ہے لیکن اگر کسی اَن پڑھ عورت کے عزیز کا خط آجائے تو وہ جب تک سات دفعہ کسی سے پڑھوا کر سن نہ لے اُسے چین نہیں آتا۔ وہ ایک شخص سے خط پڑھواتی ہے تو سمجھتی ہے کہ شاید یہ کوئی بات چھوڑ گیا ہو۔ پھر وہ دوسرے کے پاس جاتی ہے تو اس کے متعلق بھی وہ یہی خیال کرتی ہے۔ پھر تیسرے کے پاس جاتی ہے۔ اِسی طرح وہ کئی افراد سے خط پڑھوا کر سنتی ہے پھر کہیں اسے صبر آتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے جب دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ پڑھی ہوئی عورت تو اپنے کسی عزیز کے خط کو ایک ہی دفعہ پڑھ کر رکھ دیتی ہے لیکن اَن پڑھ عورت سات سات آٹھ آٹھ دفعہ اسے پڑھوا کر سنتی ہے تو اسے قرآن کریم بھی زیادہ سننا چاہئے اور بار بار سننا چاہئے تا پڑھنے والے کی غفلت سے کوئی بات چھوٹ گئی ہو تو وہ اَور کسی سے پڑھا کر سن لے۔

بہر حال قرآن کریم کا پڑھنا مقدم ہے۔ پھر اس پر عمل اِس طرح ہوگا کہ ہمیں دوسروں کو قرآن کریم سکھانا ہوگا اور اس بارہ میں ہمیں کبھی بھی دوسرے سے دشمنی کا طریق اختیار نہیں کرنا۔ اس سے آگے کئی بحثیں ہیں کہ عورتوں کو تعلیم دینی چاہیے یا نہیں؟ حکومت میں یہ کہاں تک حصہ لے سکتی ہیں؟ پردہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ مسلمانوں میں ایک فریق مذہبی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ پردہ اسلام سے ثابت ہے مگر بعض دوسرے لوگ پردہ کے مخالف ہیں وہ اسے پسند نہیں کرتے۔ ان حالات میں ہماری عورتوں کو چاہیے کہ وہ دوسری عورتوں کو نرمی اور پیار اور محبت سے سمجھائیں۔ وہ انہیں علمی اور عملی لحاظ سے بیمار سمجھیں اور ان کے علاج کی طرف متوجہ ہوں۔ جب کسی ماں کا بچہ بیمار ہوتا ہے تو وہ اس پر قہقہے نہیں لگاتی بلکہ بیمار بچہ کو دیکھ کر اُس کے اندر زیادہ رحم پیدا ہوتا ہے۔ تم تندرست بچہ اور تندرست عورت کی طرف اتنا دھیان نہیں کرتیں جتنا دھیان تم ایک بیمار بچے یا ایک بیمار عورت کی طرف کرتی ہو۔ پس ہمیشہ دوسروں کے غلط خیالات کی ہمدردی سے اصلاح کرنی چاہیے۔ ساتھ ہی خدا تعالیٰ سے دعائیں کرنی چاہئیں کہ وہ ان کی اصلاح کرے اور اس غلط روش سے جس پر وہ جا رہی ہیں انہیں محفوظ رکھے۔ پھر اگر دوسری عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ پردہ اسلام سے ثابت نہیں تو انہیں بھی چاہیے کہ وہ پردہ کی حامی عورتوں کو بجائے جاہل، بے دین اور بد تہذیب کہنے کے ہمدردی اور محبت سے اپنا نقطۂ نگاہ سمجھائیں۔ اگر اسلام میں پردہ کا حکم ہے جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں تو دوسروں کو مغربیت زدہ کہنے کی بجائے ہمدردی سے سمجھاؤ۔ آگے ان کی مرضی ہے کہ وہ تمہاری بات پر عمل کریں یا نہ کریں۔ ہم یورپ میں تبلیغ کرتے ہیں تو جو عورتیں احمدیت میں داخل ہوتی ہیں وہ پردہ نہیں کرتیں لیکن ہم انہیں کھلے طور پر بتا دیتے ہیں کہ اسلام عورت کو پردہ کا حکم دیتا ہے ہماری بہن رقیہ مارگرٹ آجکل یہاں آئی ہوئی ہیں۔ ربوہ میں جب وہ آئیں تو جمعہ کے لئے میری بیویوں کے ساتھ باہر نکلیں دوسری سب عورتوں کو پردہ کئے ہوئے دیکھ کر وہ بھی متأثر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ مجھے بھی کوئی کپڑا دے دو کہ میں پردہ کرلوں۔ غرض اسلام بیشک پردہ کا حکم دیتا ہے لیکن دوسری عورتوں کی اصلاح اِسی طرح ہوسکتی ہے کہ نرمی اور پیار کے ساتھ اُنہیں اِس طرف توجہ دلائی جائے اور بُرا بھلا نہ کہا جائے۔

میں نے ایک دفعہ لندن کے مبلغ سے کہا کہ وہ انگریز عورتیں جو اسلام میں داخل ہوں تم اُن

سے کہا کرو کہ بے شک ملکی حالات کی وجہ سے تم اِس وقت پردہ نہیں کرسکتیں لیکن یہ خیال رکھو کہ پردہ اسلامی حکم ہے اور تم بھی پردہ کی ویسی ہی پابند ہو جیسی دوسری عورتیں تا کہ انہیں اِس بات کا احساس ہو جائے اور جب بھی انہیں توفیق ملے وہ اِس پر عمل پیرا ہو جائیں۔ چنانچہ ان کی طرف سے اب تازہ رپورٹ یہ ملی ہے کہ اِس دفعہ عید پر عورتوں نے الگ جگہ پر نماز پڑھی ہے پہلے وہ علیحدہ نماز پڑھنا گوارہ نہیں کرتی تھیں لیکن اِس دفعہ اِس حد تک تیار ہوگئی ہیں انہوں نے الگ نماز پڑھنا برداشت کرلیا ہے۔ اِس طرز پر قرآن کریم کو سیکھو اور جس طرح تم نے قرآن کریم سیکھا ہے اس پر اگر کسی کو اعتراض ہے تو پیار اور اخلاص کے ساتھ ان کے پاس جاؤ اور ان کی اصلاح کی کوشش کرو اور پھر ان کو موقع بھی دو کہ وہ اپنے خیالات کا تم پر انحصار کریں۔ تم ایک ملک کی رہنے والی ہو، تم ایک نبی ایک قرآن کی طرف منسوب ہونے والی، آخر دشمنی کیسی؟ اگر کوئی تعلیم یافتہ ہے تو وہ غیر تعلیم یافتہ کو جا کر سمجھائے اور اگر غیر تعلیم یافتہ حق پر ہیں تو وہ تعلیم یافتہ طبقہ کو سمجھائیں۔ اگر تم اِس طرح عمل کرو تو تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ اور ملکی اور غیر ملکی کے درمیان جو اِس وقت دُوری ہے وہ دُور ہو جائے گی اور پھر اکٹھے بیٹھنے سے ذہن میں فکری اتحاد بھی پیدا ہوتا ہے اور دلوں میں صفائی پیدا ہو جاتی ہے۔

(الفضل ربوہ ۱۴، ۲۱ رنومبر ۱۹۶۲ء)

---

۱ النساء: ۲

۲ پیدائش باب ۲ آیت ۷ تا ۲۳۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء مفہوماً

۳ الصّٰفّٰت: ۱۰۶

۴ بخاری کتاب الانبیاء باب قول اللّٰہ تعالیٰ واتخذ اللّٰہ ابراھیم خلیلا

۵ ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم (البقرۃ:۱۳۰)

۶ واوحینا الی ام موسٰی ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم (القصص:۸)

۷ وضرب اللّٰہ مثلا للذین امنوا امرات فرعون اذ قالت ربّ ابن لی عندک بیتًا فی الجنۃ ونجنی من فرعون وعملہٖ ونجنی من القوم الظلمین (التحریم:۱۲)

۸؎ العلق: ۲ تا ۴

۹، ۱۰؎ بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (الخ)

۱۱؎ بخاری کتاب العیدین باب اذا لم یکن لھا جلباب فی العید

۱۲؎ بخاری کتاب العلم باب ھل یجعل للنساء یوما (الخ)

۱۳؎ موضوعات کبیر ملا علی قاری صفحہ ۷۳ مطبوعہ دھلی ۱۳۴۶ھ

۱۴؎ ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی النساء یفزون

۱۵؎ تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۵۶۸ تا ۵۷۵۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور اُس کی دی ہوئی توفیق سے فضلِ عمر فاؤنڈیشن کو سیّدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی حقائق و معارف سے بھری ہوئی سلسلہ تصانیف الموسوم ''انوار العلوم'' کی اکیسویں جلد احبابِ جماعت کی خدمت میں پیش کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقُنَا اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَزِیْز۔

انوار العلوم کی اکیسویں جلد حضرت فضلِ عمر خلیفۃ المسیح الثانی کی ۲۵ رد سمبر ۱۹۴۸ء تا ۱۸ رجولائی ۱۹۵۰ء کی ۲۴ مختلف تقاریر و تحریرات پر مشتمل ہے۔

الٰہی منشا کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چلّہ کشی کے لئے ہوشیار پور تشریف لے گئے۔ اس چلّہ کشی کے دوران اللہ تعالیٰ نے آپ کی تضرعات اور دعاؤں کو قبول فرماتے ہوئے آپ کو ایک عظیم الشان پیش خبری سے نوازا۔ حضور علیہ السلام نے اس پیشگوئی کو ایک اشتہار ۲۰ رفروری ۱۸۸۶ء میں شائع فرمایا۔ اس پیشگوئی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو پسرِ موعود کی مہتم بالشان خبر عطا فرمائی جس کی علامات میں بیان کیا گیا تھا کہ وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا، علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا، تین کو چار کرنے والا ہوگا، اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا، قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ پسر موعود کے بارہ میں پیشگوئی میں بیان فرمودہ علامات کا شاندار ظہور حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کے بابرکت وجود میں ہوا اور اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر حضرت فضلِ عمر نے

۱۹۴۴ء میں مصلح موعود ہونے کا اعلان فرمایا۔

حضرت فضلِ عمر اپنی ذہانت و فطانت اور اپنے علومِ ظاہری و باطنی اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور استعدادوں کے ذریعہ سے نہ صرف جماعت احمدیہ کی ولولہ انگیز قیادت فرماتے رہے بلکہ آپ کے وجود باجود نے اقوامِ عالَم بِالخصوص مسلم اُمّہ کی بھی راہنمائی اور رستگاری فرمائی۔ گویا کہ اپنوں نے بھی فیض پایا اور غیروں نے بھی استفادہ کیا اور یوں قوموں نے آپ سے برکت حاصل کی۔ کلامُ اللّٰہ کا مرتبہ آپ کے ذریعہ سے ایسی شان کے ساتھ ظاہر ہؤا کہ اغیار بھی آپ کے علمِ قرآن کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔

''انوار العلوم'' کی اکیسویں جلد حضرت فضلِ عمر خلیفۃ المسیح الثانی کی ۲۴ تحریرات و تقاریر پر مبنی ہے جو کہ ۲۵ ؍دسمبر ۱۹۴۸ء سے ۱۸ ؍جولائی ۱۹۵۰ء کے عرصہ کی ہیں۔ یہ وہ تاریخی دَور ہے جب ہجرتِ قادیان کو ابھی تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا اور اس اولوالعزم خلیفہ کے ذریعہ پیشگوئی مصلح موعود کی ایک علامت ''وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا'' کا شاندار ظہور نئے مرکزِ احمدیت ربوہ کی تعمیر کے افتتاح کے ذریعہ بھی ہو چکا تھا جو کہ ۲۰ ؍ستمبر ۱۹۴۸ء کو ہؤا۔ حضور نے ۱۹۴۹ء میں نئے مرکز میں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ ربوہ میں ۱۹۴۸ء کا جلسہ سالانہ ۱۹۴۹ء کے شروع میں اور خدام الاحمدیہ کا پہلا اجتماع ۱۹۴۹ء میں منعقد ہؤا جس کے تینوں دن حضور نے خطاب فرمایا اور حضور نے خدام الاحمدیہ کی قیادت بھی خود سنبھال لی۔ اس عرصہ میں حضور کوئٹہ دوبارہ تشریف لے گئے وہاں مختلف تقریبات سے متعدد خطابات فرمائے۔ اِسی طرح جلسہ سالانہ ۱۹۴۹ء کے موقع پر بھی آپ نے جو خطابات فرمائے یہ سب مواد اِس جلد کی زینت ہے۔

جلسہ ہائے سالانہ، اجتماع خدام الاحمدیہ کے خطابات کے علاوہ آپ نے ۱۷ ؍فروری ۱۹۴۹ء کو جماعت احمدیہ راولپنڈی کو اپنی نصائح سے نوازا۔ کمپنی باغ سرگودہا

میں استحکامِ پاکستان کے حوالہ سے آپ کا خطاب بھی اس کتاب میں شامل اشاعت ہے۔
دسمبر ۱۹۴۸ء میں جماعت احمدیہ کا مرکزی جلسہ اپنے مقررہ ایّام میں ربوہ میں نہ ہو سکا تھا کیونکہ انتظامات نہ ہو سکے تھے۔ یہ جلسہ اپریل ۱۹۴۹ء میں ہوًا لیکن دسمبر میں جماعت احمدیہ لاہور نے جلسہ کا انعقاد کیا جس سے حضور نے دو خطابات فرمائے۔ یہ دونوں خطابات جِلد ہٰذا میں شامل ہیں۔ ایک جرمن نَو احمدی کے اعزاز میں تین تقاریب ہوئیں ان مواقع پر جو خطابات حضور نے فرمائے اُن کو بھی کتاب کی زینت بنایا گیا ہے۔ اِسی طرح جامعۃ المبشرین اور تعلیم الاسلام ہائی سکول کی طرف سے بیرون ممالک سے آئے ہوئے مربیان کے اعزاز میں دی گئی دعوتوں میں بھی حضور نے خطاب فرمایا ان خطابات کو بھی افادہ عام کے لئے اِس کتاب میں شائع کیا گیا ہے۔
حضرت مصلح موعود کی جنوری ۱۹۵۰ء میں ایک کتاب ''اسلام اور ملکیتِ زمین'' کے نام سے شائع ہوئی جو دراصل کمیونسٹ تحریک پاکستان کی اُس آواز کے جواب میں تھی جو ملکیتِ زمین کے نام پر اصلاح کرنا چاہتے تھے اور اس کو اسلامی اصلاح کا نام دیا جارہا تھا اور حکمران مسلم لیگ نے اس اصلاح کے لئے کمیٹیاں بھی تشکیل دے دیں۔ حضور نے اپنے مذہبی فرائض کی بجا آوری کرتے ہوئے یہ گوارا نہ کیا کہ مذہب کے نام پر کوئی ایسی بات کہی جائے جو مذہب سے ثابت نہ ہوتی ہو۔ چنانچہ آپ نے یہ پُراز معلومات تصنیف فرمائی اور ملکیتِ زمین کے بارے میں دینی نقطہ نگاہ بیان فرمایا۔ یہ تصنیف لطیف بھی اس کتاب کی زینت ہے۔
غرضیکہ جلد ہٰذا جہاں حضرت مصلح موعود کے تبحرِ علمی کی آئینہ دار ہے وہاں یہ کتاب ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۰ء کے تاریخی حالات پر بھی روشنی ڈالتی ہے اور تاریخِ احمدیت کے کئی اَوراق سے ہمیں آگاہی دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس علمی کاوش کو ہر لحاظ سے نافع الناس اور بابرکت بنائے۔ آمین

اِس جلد کی تیاری کے مختلف مراحل میں حسبِ سابق بہت سے بزرگان اور مربیان سلسلہ نے اس اہم اور تاریخی کام کی تدوین واشاعت میں خاکسار کی عملی معاونت فرمائی ہے۔مکرم مولانا فضل الٰہی بشیر صاحب اور مکرم چوہدری رشید الدین صاحب نے مسودات کی ترتیب واصلاح اور ابتدائی پروف ریڈنگ کے سلسلہ میں بہت محنت اور اخلاص سے خدمات سرانجام دی ہیں۔

مکرم عبدالرشید صاحب اٹھوال،مکرم حبیب اللہ باجوہ صاحب اور مکرم فضل احمد شاہد صاحب مربیان سلسلہ نے پروف ریڈنگ، حوالہ جات کی تلاش، مسودات کی نظرثانی، اعراب کی درستگی RECHECKING اور متفرق امور کے سلسلہ میں دلی بشاشت اور لگن سے اِس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔تعارف کتب مکرم مدثر احمد صاحب مربی سلسلہ کا تحریر کردہ ہے۔**فَجَزَاھُمُ اللہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔**

خاکسار ان سب احباب کا ممنونِ احسان اور شکر گزار ہے۔ نیز دُعا گو ہے کہ مولیٰ کریم ان سب دوستوں کے علم ومعرفت میں برکت عطا فرمائے، اپنی بے انتہاء رحمتوں اور فضلوں سے نوازے اور ہمیں ہمیشہ اپنی ذمہ داریاں احسن رنگ میں ادا کرنے اور حضرت مصلح موعود کے علمی فیضان کو احبابِ جماعت تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

والسلام

خاکسار

ناصر احمد شمس

سیکرٹری فضل عمر فاؤنڈیشن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تعارف کتب

یہ انوارالعلوم کی اکیسویں جلد ہے جو سیدنا حضرت فضل عمر خلیفۃ المسیح الثانی کی ۲۵؍دسمبر ۱۹۴۸ء تا ۱۸؍جولائی ۱۹۵۰ء کی ۲۴ مختلف تحریرات و تقاریر پر مشتمل ہے۔

(۱) افتتاحی خطاب جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ لاہور ۱۹۴۸ء

حضرت مصلح موعود نے جماعت احمدیہ لاہور کے جلسہ سالانہ کے موقع پر مؤرخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۴۸ء کو یہ مختصر افتتاحی خطاب فرمایا جس میں حضور نے فرمایا کہ ہر کام کرنے کے پیچھے کوئی مقصد ہوتا ہے اور ہر مقصد کے حصول کے لئے صحیح طریق اپنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز ہر مقصد کے حصول کے لئے عملی نمونہ کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ اِس تعلق میں آپ نے فرمایا کہ:۔

"دنیا میں جتنے کام ہوتے ہیں ان کے کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ ہوتا ہے اور جتنے کام کرنے والے ہوتے ہیں اُن کے سامنے کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ نہ ہی صحیح راستے پر چلے بغیر کوئی قوم منزل پر پہنچ سکتی ہے اور نہ مقصد کے بغیر کوئی قوم یکجہتی سے کام کر سکتی ہے اس امر کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا ہے کہ فَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ہر گھر جس میں تم داخل ہونا چاہتے ہو اُس کے دروازہ میں سے داخل ہو جاؤ۔ یعنی ہر وہ کام جسے تم اختیار کرنا چاہتے ہو اس کے حصول کا جو طریق ہے وہ اختیار کرو"۔

(۲) تقریر جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ لاہور ۱۹۴۸ء

جماعت احمدیہ لاہور کے جلسہ سالانہ کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے

۲۶؍دسمبر ۱۹۴۸ء میں یہ معرکۃ الآراء تقریر فرمائی۔ اس سال ہندوستان سے ہجرت کرنے کے بعد پاکستان میں نیا مرکز ربوہ کی تعمیر مکمل نہ ہونے کی وجہ سے دسمبر میں جلسہ سالانہ نہ ہو سکا۔ اِس لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس سال مرکز جلسہ سالانہ ربوہ میں ایسٹر ہالیڈیز (Easter Holidays) میں کیا جائے گا۔ اِس کے بعد آپ نے جلسہ سالانہ کے موقع پر مکانات اور خوراک کی کمی کو پورا کرنے کے متعلق احباب جماعت کے سامنے چند تجاویز رکھیں اِسی طرح ربوہ کی زمین کی خرید کے متعلق بھی ہدایات فرمائیں۔ بعض لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے وساوس کہ جب قادیان ہمیں واپس مل جانا ہے تو پھر ایک نیا شہر آباد کرنے کی ضرورت کیا ہے، کا جواب دیتے ہوئے عارضی مرکز کی ضروریات اور اُس کے فوائد بیان فرمائے نیز اس یقین کا اظہار فرمایا کہ قادیان ہمیں ضرور واپس ملے گا۔ قادیان سے ہجرت کرنے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات اور اپنے رؤیاء وکشوف کا ذکر فرمایا اور احباب جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

''پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اِس عارضی مرکز کے بارہ میں غفلت میں نہ رہے۔ زمین کی قیمتیں بڑھتی چلی جائیں گی۔ قادیان میں ایسا ہی ہوا تھا یہاں تک کہ بیس بیس ہزار روپیہ فی کنال تک قیمت پہنچ گئی تھی۔ ہم نے خود انجمن کے لئے ساٹھ ہزار روپیہ پر ایک ٹکڑہ زمین خریدا تھا اِسی طرح جو اِس جگہ میں برکتیں ہونگی اُن سے بھی ان کو حصہ ملتا رہے گا۔ درس وتدریس ہوگا، نئی نئی تحریکوں میں جلد از جلد حصہ لینے کا موقع ملے گا۔ پس جماعت کو اس بارہ میں سستی نہیں کرنی چاہیئے۔ جس خدا نے مکہ کو برکت دی ہے، جس خدا نے مدینہ کو برکت دی ہے، جس خدا نے قادیان کو برکت دی ہے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اُس کے خزانے میں ابھی بہت سی برکتیں باقی ہیں تم گھبراؤ نہیں خدا تعالیٰ اِس جگہ کو بھی بابرکت بنا دے گا۔''

اِس خطاب کے آخر پر آپ نے فرمایا۔

’’پہلے مسلمانوں کے پاس اپنا کوئی وطن نہیں تھا لیکن اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل سے ایک مقام عطا فرمایا ہے جسے ہم اپنا وطن کہہ سکتے ہیں۔...... اِس وطن کے مل جانے کے بعد ہماری ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ پہلے زمانہ میں اگر کوئی مُلک اِس پر حملہ کرتا تھا یا کسی مُلک سے ہمارے مُلک کی لڑائی ہو جاتی تھی تو ہم کہتے تھے کہ اس مُلک پر انگریز حکومت کرتا ہے اس لئے ہمیں لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ انگریز جائے اور دشمن سے لڑے...... اب انگریز جا چکا ہے اِس لئے اب اس کی حفاظت کی ذمہ داری اخلاقی اور مادی طور پر مسلمانوں پر ہی ہے پس اب اپنے اندر بیداری پیدا کریں اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی کوشش کریں‘‘۔

اِسی طرح بعض لوگوں کی طرف سے یہ سوال اُٹھایا گیا کہ کشمیر کی جنگ جہاد ہے یا نہیں؟ اِس کا تفصیل کے ساتھ جواب ارشاد فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

’’اب بھی اگر تم نے اپنی ذمہ داریوں کو نہ سمجھا تو تم اس سے بھی زیادہ حسرت کے ساتھ اپنے ہاتھ ملو گے جس قدر حسرت کے ساتھ تم نے مشرقی پنجاب میں اپنے ہاتھ ملے تھے۔ اِس وقت بجائے اِس کے کہ کشمیر کی مدد کی جاتی یہ بحثیں شروع ہوگئیں ہیں کہ آیا کشمیر کی جنگ جہاد ہے یا نہیں؟‘‘

آخر پر جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

’’پس اپنے اندر ایک نیا تغیر پیدا کرو اور جو نئی ذمہ داریاں خدا تعالیٰ نے تمہارے سپرد کی ہیں اُنہیں دوسروں سے زیادہ محسوس کرو۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اِس وقت حکومت تمہاری نہیں تم پاکستان میں اقلیت میں ہو اور اس کے فوائد دوسروں کو پہنچیں گے تم کو تو نہیں پہنچیں گے لیکن تم اس بات کے مدعی ہو کہ تم نے خدا تعالیٰ کی مخلوق اور تمام بنی نوع انسان کے لئے کام کرنا ہے۔ تم نے یہ نہیں دیکھنا کہ اِس سے تم کو فائدہ پہنچتا ہے یا کسی اور کو۔ تم نے یہ دیکھنا ہے کہ تم اپنی ذمہ داریوں کو سب سے زیادہ ادا کرتے ہو۔‘‘

(۳) ہر☆ عبدالشکور کنزے کے اعزاز میں دعوتوں کے مواقع پر تین تقاریر

۱۹؍ جنوری ۱۹۴۹ء کو لاہور کی جماعت نے جرمن نومسلم ہر عبدالشکور کنزے کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ اِس موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

''جرمنوں نے اطالویوں کی مدد سے ایک عربی ملک ٹنیشیا (تیونس) پر یورش کی تا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو ختم کریں لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکی، اُنہیں ہزیمت ہوئی اور اب جب اسلام کے مبلغ اُس ملک میں پہنچے تو وہ اُن کے تمدن، اُن کے مذہب اور اُن کی اخلاقیات پر وہی کونے کا پتھر بن کر کچھ اِس طرح گرے کہ اُن کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ ختم ہو گیا اور اُنہیں حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے ہی بنی۔''

۲۴؍ جنوری ۱۹۴۹ء کو جماعت احمدیہ لاہور نے جرمن نومسلم ہر عبدالشکور کنزے کے اعزاز میں دعوتِ عشائیہ دی۔ دعوت کے خاتمہ پر تلاوت کے بعد جناب شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور نے ایک مختصر تقریر کے ساتھ جماعت کی طرف سے ہر عبدالشکور کنزے کو مرحباً کہا جس کے جواب میں مسٹر کنزے نے جماعت احمدیہ لاہور کا شکریہ ادا کرنے کے بعد قادیان کے حصول کے لئے مخلصانہ اور دردمندانہ دعائیں کرنے کی درخواست کی۔ اِس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے خطاب فرمایا جس میں ہر عبدالشکور کنزے کے قبول احمدیت کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

''یوروپین لوگوں میں سے جنہوں نے اسلام کو بطور اسلام قبول کیا ہے مسٹر کنزے دوسرے آدمی ہیں۔ پہلے آدمی بشیر احمد آرچرڈ ہیں وہ بھی نہایت مخلص اور اسلام کے ساتھ ایک قسم کا عشق رکھنے والے ہیں۔ وہ پہلے

آدمی ہیں جس نے مجھ پر یہ اثر ڈالا کہ انگریزوں کی بھی روحانی اصلاح ہو سکتی ہے۔''

اِسی طرح جرمن قوم کے بارے میں آپ نے فرمایا:۔

''میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح یہ قوم سائنس اور دیگر دنیاوی علوم میں آگے بڑھی ہوئی ہے، جس طرح وہ علمی طور پر یورپ کو لیڈ کر رہی ہے اِسی طرح وہ مذہب میں بھی آگے بڑھ جائے گی اور تمام یورپ کو مذہبی طور پر لیڈ کرے گی۔ ...... حضرت مسیح علیہ السلام بیشک ایشیا میں پیدا ہوئے تھے مگر بعد میں عیسائیت یورپ میں بھی پھیلی۔ اِسی طرح اب اسلام کی بھی یورپ میں پھیلنے کی باری ہے اور جس طرح اٹلی کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ اُس نے ابتدا میں عیسائیت کو قبول کیا اور اِس کے بعد عیسائیت کو تمام یورپ میں پھیلایا اِسی طرح اسلام کے لئے بھی تو کوئی نہ کوئی ملک مقدر ہوگا جو اسلام کو قبول کر کے اُسے آگے تمام یورپ میں پھیلائے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ وہ ملک جرمنی ہے''۔

اِسی طرح آپ نے اُردو زبان کے متعلق فرمایا:۔

''یورپ میں احمدیت پھیلنے کی وجہ سے اُردو زبان بھی دوسرے ممالک میں پھیل جائے گی کیونکہ جو یوروپین لوگ احمدی ہوتے ہیں وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کا مطالعہ کرنے کے لئے اُردو زبان سیکھتے ہیں۔ اور ایک دن ایسا آئے گا جب پاکستان کا ہر ایک آدمی یہ سمجھنے لگ جائے گا کہ ہمیں فارن لینگوئج یا اُردو زبان کے علاوہ کسی اَور زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کی ضرورت نہیں۔''

جماعت احمدیہ سیالکوٹ کی طرف سے ۳رفروری ۱۹۴۹ء کو چار بجے بعد دوپہر مسٹر عبدالشکور کنزے کے اعزاز میں عصرانہ دیا گیا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے بھی شمولیت فرمائی۔ چوہدری نذیر احمد صاحب جنرل سیکرٹری جماعت احمدیہ سیالکوٹ نے ایڈریس پیش کیا جس کے جواب میں مسٹر عبدالشکور کنزے نے تقریر کی۔ آخر پر حضرت

خلیفۃ المسیح الثانی نے ایک اہم تقریر فرمائی جس میں آپ نے مسٹر عبدالشکور کنزے کا ذاتی تعارف کروایا اور اُن کے اسلام قبول کرنے کی تفصیلات پر روشنی ڈالی اور ان کے اشاعت اسلام کے جذبہ کے پیش نظر اُن کی دینی تعلیم و تربیت کے متعلق پروگرام بیان فرمایا۔

نوٹ: مسٹر عبدالشکور کنزے اپنے بعض حالات و وجوہات کی وجہ سے اب جماعت احمدیہ کے ممبر نہیں رہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ سے سچا اور حقیقی تعلق قائم کرنے میں ہی ہماری کامیابی ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۷؍ فروری ۱۹۴۹ء کو جماعت احمدیہ راولپنڈی سے یہ روح پرور خطاب فرمایا جس میں حضور نے جماعت کو اپنی تنظیم مضبوط کرنے، خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے اور عورتوں اور بچوں کی تربیت کرنے کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی تھی۔ حضور نے فرمایا کہ:۔

"تقسیم ملک کی وجہ سے ہم پر ذمہ داریاں بھی بڑھ گئی ہیں کیونکہ ہماری تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ راولپنڈی کی جماعت جو پہلے بہت چھوٹی سی جماعت تھی غالباً پچیس تیس افراد پر مشتمل تھی لیکن اب اِس کی تعداد تین چار سَو کے درمیان ہے۔ اور اگر مستورات کو بھی اِس میں ملا لیا جائے تو اِس کی تعداد پندرہ سَو یا دو ہزار کے قریب بن جاتی ہے۔ تعداد کے بڑھنے کی نسبت سے بیداری کا پیدا ہونا بھی ضروری ہے۔ اِس لئے جماعت کو اپنے چندوں کو بڑھانا چاہئے اپنی قربانیوں کے معیار کو بلند کرنا چاہئے اور پھر سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط کرنا چاہئے تاکہ اس کی زیادہ سے زیادہ تائید حاصل ہو۔ یہ امر یاد رکھو کہ کامیابی کے لئے جن مادی سامانوں کی ضرورت

ہے وہ ہمارے پاس نہیں صرف ایک ہی چیز ہے جو ہمیں محفوظ رکھ سکتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنا اور اُسی سے مدد مانگنا ہے۔''

پھر فرمایا:۔

''خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ کی بنیاد مادیات پر نہیں ہوتی۔ پس میں جماعت کے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے اندر محبت الٰہی پیدا کریں اِس طرح کہ خدا تعالیٰ کو ان کے متعلق غیرت پیدا ہو جائے وہ خدا تعالیٰ کی عبادت میں ترقی کریں۔ خشیت الٰہی میں ترقی کریں تہجد پڑھنے کی عادت ڈالیں اور ان کا خدا تعالیٰ کے ساتھ جو تعلق ہے اُسے مضبوط بنائیں۔''

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ کی روشنی میں فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک اپنی اور اپنے اہل وعیال کی تربیت کا ذمہ دار ہے۔ نہ صرف اپنی اصلاح کرو بلکہ اپنی اولاد کو بھی حقیقی مومن بنانے کی کوشش کرو۔

(۵) ربوہ میں پہلے جلسہ سالانہ کے موقع پر افتتاحی تقریر

۱۵/اپریل ۱۹۴۹ء کو نئے مرکز ربوہ میں صبح ۹ بجے جماعت احمدیہ کا پہلا مبارک اور تاریخی سالانہ جلسہ حضرت مصلح موعود کی ایمان افروز تقریر اور ہزار ہا مومنین کی دردوکرب اور سوز وگداز سے بھری ہوئی عاجزانہ دعاؤں اور التجاؤں کے روح پرور ماحول میں شروع ہوا۔ اِس موقع پر حضرت مصلح موعود نے افتتاحی خطاب میں فرمایا:۔

''یہ جلسہ تقریروں کا جلسہ نہیں یہ جلسہ اپنے اندر ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے ایسی تاریخی حیثیت جو مہینوں یا سالوں یا صدیوں تک نہیں جائے گی بلکہ بنی نوع انسان کی اِس دنیا پر جو زندگی ہے اِس کے خاتمہ تک جائے گی۔ اِس میں شامل ہونے والے لوگ ایک جلسہ میں شامل نہیں ہو رہے بلکہ روحانی

لحاظ سے وہ ایک نئی دنیا، ایک نئی زمین اور ایک نئے آسمان کے بنانے میں شامل ہو رہے ہیں۔''

اِس کے بعد حضور نے نہایت رقت آمیز رنگ میں قرآن کی وہ دعائیں بلند آواز سے پڑھنا شروع کیں جو حضرت ابراہیم نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کو وادی مکہ میں چھوڑتے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور کی تھیں۔ جلسہ میں شامل تمام دوست حضور کے ساتھ اِن دعاؤں کو دُہراتے گئے۔ حضور نے فرمایا:۔

''حضرت ابراہیم کے ذریعہ انسان کو ذبح کر کے قربانی کرنے کی بجائے خدا تعالیٰ نے چاہا کہ وہ دینِ حقہ کے لیے ایسے قربانی کرنے والے پیدا کرے جو اپنی جان کو مار کر اس دنیا کے جدوجہد سے بھاگنا نہیں چاہتے بلکہ دنیا میں زندہ رہ کر دنیا کی کشمکشوں میں سے گزر کر دنیا کی مصیبتوں کو جھیل کر دنیا کی تکالیف کو برداشت کر کے اپنی مردانگی کا ثبوت دینا چاہتے ہیں یہی وہ حقیقی قربانی ہے جو شاندار ہوتی ہے۔''

حضور نے حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہ کی بے مثال قربانی کے واقعات کا تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کرتے ہوئے عرض کی:۔

''اے خدا! جس طرح تو نے مکہ اور مدینہ اور قادیان کو برکتیں دیں اِسی طرح تو ہمارے اِس نئے مرکز کو بھی مقدس بنا اور اِسے اپنی برکتوں سے مالا مال فرما۔ یہاں پر آنے والے اور یہاں پر بسنے والے، یہاں پر مرنے والے اور یہاں پر جینے والے سارے کے سارے خدا تعالیٰ کے عاشق اور اُس کے نام کو بلند کرنے والے ہو اور یہ مقام اسلام کی اشاعت کے لیے، احمدیت کی ترقی کے لیے، روحانیت کے غلبہ کے لیے، خدا تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لیے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اونچا کرنے کے لیے اور اسلام کو تمام اَدیان پر غالب کرنے کے لیے بہت اہم اور اونچا اور صدر مقام

ثابت ہو۔‘‘

اِس کے بعد حضور نے سجدہ کیا اور حضور کے ساتھ ہزاروں مخلصین بھی سربسجود ہو گئے اور ربُّ العرش سے اِس مقام کے بابرکت ہونے کے متعلق اشکوں کی جھڑی اور آہ و بکا کے شور کے ساتھ دعائیں کی گئیں۔

(۶) آئندہ وہی قومیں عزت پائیں گی جو مالی و جانی قربانیوں میں حصہ لیں گی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے برموقع جلسہ سالانہ ربوہ ۱۶؍ اپریل ۱۹۴۹ء کو خواتین سے خطاب فرمایا۔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کے نئے مرکز ربوہ میں یہ پہلا جلسہ سالانہ تھا جس کی وجہ سے بہت زیادہ دِقتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اور عارضی انتظامات کئے گئے تھے۔ اس لئے اِس اولوالعزم خلیفہ نے جماعت میں جوش اور ولولہ پیدا کرنے کے لئے حج کی مثال دی کہ کس طرح لوگ وہاں مشکلات کا سامنا کرتے ہیں لیکن ان کو محسوس نہیں کرتے کیونکہ روح کی سہولتیں ہمیشہ خدا تعالیٰ کی راہ میں تکالیف اُٹھانے سے ہی میسر آتی ہیں اور جو لوگ انبیاء پر ابتداء میں ایمان لاتے ہیں، مشکلات میں سے گزرتے ہیں اور قربانیاں کرتے ہیں وہی بڑے سمجھے جاتے ہیں۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ یہ وہ لوگ تھے جو بڑے سمجھے جاتے تھے۔ مگر ان کے بڑے سمجھے جانے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کو آرام زیادہ میسر آتا تھا بلکہ ان کے بڑے سمجھے جانے کی وجہ یہ تھی کہ دین کی خاطر اُنہوں نے دوسروں سے زیادہ تکلیفیں برداشت کی تھیں۔ اِس لئے اب آپ لوگوں کو تو صرف ایک سال اِن تکالیف کا تجربہ ہو رہا ہے۔ اگلے سال شاید یہ نعمت آپ لوگوں کو میسر نہ آئے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہاں مرکز قائم ہو گیا تو اگلے سال بہت سی سہولتیں میسر آ جائیں گی۔ اِس کے بعد آپ نے خواتین کو

خود اور اپنے بچوں کو دین کی خاطر قربانیاں کرنے کے لئے تیار کرنے کی تلقین فرمائی اور صحابیات کی بے مثال قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''وہی عورت عزت کی مستحق ہے جو بچہ نہیں جنتی شیر جنتی ہے، جو انسان نہیں جنتی فرشتے جنتی ہے''۔

اِسی طرح پاکستان کی حفاظت کی خاطر جنگ میں حصہ لینے کے لئے تحریک کی اور خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

''میں تمہیں تمہارے فرائض کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ تمہارے مرد بزدلی دکھارہے ہیں اور جب اُنہیں بُلایا جاتا ہے کہ آگے آؤ تو وہ کئی قسم کے بہانے بنانے لگ جاتے ہیں، کبھی کوئی عذر کردیتے ہیں اور کبھی کوئی۔ وہ جتنے عذر کرتے ہیں قرآن کریم میں وہ سب کے سب منافقوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ تمہارا یہ کام ہے کہ تم اپنی آئندہ نسلوں کو آزاد بناؤ۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اپنے خاوندوں سے کہو کہ یا تو تم دین کے لئے قربانی کرو یا آئندہ ہمارے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ تمہارے لئے تلوار پکڑ کر جہاد کرنے کا موقع تو بہت کم آتا ہے تمہارا جہاد یہی ہے کہ تم اپنے خاوند، اپنے باپ، اپنے بھائیوں اور اپنے بیٹوں سے کہو کہ اگر تم لڑائی کے لئے تیار نہیں ہوگے تو ہم تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھیں گی۔...... پس اپنی اصلاح کرو اور صحابیاتؓ کا نمونہ اپنے سامنے رکھو۔ اگر تمہارے خاوند اور بیٹے اور بھائی اور دوسرے رشتہ دار خدا تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے تو وہ ابدی زندگی پائیں گے اور اگر جی چرائیں گے تو جیسا کہ میں نے بتایا ہے ذِلّت تمہارے سامنے کھڑی ہے اور وہ بہرحال تمہیں قبول کرنی پڑے گی۔''

(۷) قادیان سے ہجرت اور نئے مرکز کی تعمیر

حضرت مصلح موعود نے ۱۶راپریل ۱۹۴۹ء کو جلسہ سالانہ منعقدہ ربوہ میں تقریر

فرمائی جس میں قادیان سے ہجرت اور نئے مرکز کی تعمیر اور اس سے وابستہ ذمہ داریوں کی طرف اور اس نئے مرکز کے ذریعہ جماعت کو جو روز افزوں عظیم الشان ترقیات مل رہی ہیں اُن کے متعلق تفصیل کے ساتھ ارشادات فرمائے۔

۱۔ نئے مرکز کے قیام کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

''دوسرے لوگ تو مرکز کے بغیر رہ سکتے ہیں لیکن ہمارے سارے کام محورِ خلافت کے گرد چکر لگاتے ہیں اور اس کے معنی یہ ہیں کہ کام کرنے کے لئے کارکن بھی ہونے چاہئیں اور ایسے ادارے بھی ہونے چاہئیں جہاں کام چلانے کی تربیت دی جائے اور یہ ساری باتیں تنظیم چاہتی ہیں۔ یہ ساری باتیں ایک مقام چاہتی ہیں۔''

۲۔ احباب کو انگریزی ترجمہ قرآن کریم اور تفسیر کبیر کی جلدیں خریدنے کی طرف توجہ دلائی۔

۳۔ اسلام کو جلد سے جلد تمام دنیا پر غالب کرنے کے سامان پیدا کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے کی طرف توجہ دلائی اور ایران، امریکہ، مشرقی افریقہ، اُردون، عمان، سپین میں جماعت کے قیام کی خوشکن تفصیلات بیان فرمائیں۔

۴۔ احباب کو ربوہ آنے کے لئے ٹرین کو زیادہ ذریعہ سفر بنانے کی تلقین فرمائی تا کہ ریلوے حکام ریلوے اسٹیشن کو قائم رکھیں۔

اِسی طرح پاکستان کی حفاظت اور استحکام کے لئے فوج میں نوجوانوں کو جانے اور فوجی ٹریننگ حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی اور اِس سلسلہ میں جہلم کی جماعت کی تعریف فرمائی کہ اِس جماعت کے نوجوانوں کی کثیر تعداد نے محاذِ کشمیر پر جا کر ٹریننگ حاصل کی اور وقت کی ضروریات کو پورا کیا۔ اِسی طرح فرقان فورس کے لئے ریکروٹ لینے کیلئے جماعتوں کے دَورے کے دوران گوجرانوالہ اور فیصل آباد کی بوڑھی احمدی خواتین کے بے مثال جذبۂ قربانی کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے اپنے بچے پیش کئے۔

۵۔ انشورنس کے متعلق ایک دوست کے سوال کے جواب میں حضور نے فرمایا کہ اب تک انشورنس کا جو طریق رائج ہے وہ اسلام کے خلاف ہے۔ جب کوئی ایسا طریق نکل آئے گا جو اسلام کی اجازت میں آ جاتا ہو تو میں اس کو جائز قرار دے دوں گا۔

۶۔ ربوہ میں رہائش رکھنے والوں کو حضور نے ہدایات فرمائیں اور ان کے لئے شرائط مقرر فرمائیں۔

۷۔ قادیان سے ہجرت کیوں کی گئی؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ دنیا میں اشاعت اسلام کا کام سب سے اہم اور مقدم ہے اور واقعات نے بتا دیا ہے کہ یہ کام قادیان میں رہ کر نہیں ہو سکتا تھا۔ اِس لئے فرائض دینی کی بجا آوری تقاضا کرتی تھی کہ حضرت مسیح ناصری کے طریق عمل کو اختیار کیا جائے اور قادیان سے ہجرت کی جائے۔

۸۔ جماعت کی علمی ترقی کے لئے آپ نے مختلف موضوعات اور علوم کے بارے میں آسان زبان میں کتب لکھنے اور شائع کرنے کے متعلق یہ بہت ہی شاندار اور جامع سکیم جماعت کے سامنے پیش فرمائی۔

(۸) رمضان کے علاوہ بھی روزے رکھے جائیں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۶؍ جولائی ۱۹۴۹ء کو بمقام یارک ہاؤس کوئٹہ میں خطاب فرماتے ہوئے درج ذیل امور کی طرف توجہ دلائی۔

''رمضان ہمیں اِس طرف توجہ دلاتا ہے کہ مؤمن کو اپنی روحانیت کی تکمیل کے لئے دوسرے ایام میں بھی روزے رکھنے چاہئیں۔ ...... اسلام نے جس قدر عبادتیں مقرر کی ہیں وہ کسی معین وقت کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ہیں اور سال کے ہر حصہ میں اُن پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ سب سے بڑی عبادتیں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں۔ گو زکوٰۃ سال میں ایک دفعہ مقرر ہے مگر صدقہ کو

جاری کر کے خدا تعالیٰ نے اِس کو سارے سال میں پھیلا دیا ہے۔ اِسی طرح حج کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ نے عمرہ رکھ دیا ہے تا کہ اِس کے فوائد ہمیشہ حاصل کئے جائیں۔غرض روزانہ پانچ وقت کی نماز کے ساتھ نوافل لگا کر، سال میں ایک دفعہ دی جانے والی زکوٰۃ کے ساتھ صدقہ لگا کر اور حج کے ساتھ عمرہ لگا کر خدا تعالیٰ نے اِس طرف توجہ دلائی ہے کہ ان عبادتوں کے لئے وقت کا معین کرنا صرف بطور مشق کے ہے اور مؤمن کو یہ بتانے کے لئے ہے کہ وہ دوسرے اوقات میں بھی ایسا کرتا رہے۔ اِسی طرح رمضان بھی یہ بتانے کے لئے آتا ہے کہ سال کے باقی ایام میں بھی روزے رکھا کرو۔ تعین وقت اصلی نہیں بلکہ صرف مؤمن کو باقی ایام میں ایسا کرنے کی طرف توجہ دلانے کے لئے ہے۔ گویا رمضان کا مہینہ مؤمن کے لئے روحانی ٹریننگ کا زمانہ ہے''۔

(۹) کوشش کرو کہ اُردو ہماری مادری زبان بن جائے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۹ جولائی ۱۹۴۹ء بمقام کوئٹہ احمدی نوجوانوں کو زریں ہدایات دیتے ہوئے درج ذیل دو باتوں کی طرف توجہ دلائی۔

۱۔ اُردو زبان کو اپناؤ اور اِس کو اتنا رائج کردو کہ یہ تمہاری مادری زبان بن جائے۔

۲۔ کوئی احمدی نوجوان ایسا نہیں ہونا چاہئے جو قرآن کریم کا ترجمہ نہ جانتا ہو۔

آپ نے فرمایا:

''قرآن کریم کے اندر سارے علوم آجاتے ہیں۔ میں پرائمری فیل ہوں لیکن میں تمام مذاہب کو چیلنج کر کے کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی ایسا اعتراض ہو جس کا قرآن کریم کے ساتھ ٹکراؤ ہوتا ہو تو میں اس کا جواب دوں گا اور خالی جواب ہی نہیں دوں گا بلکہ اعتراض کرنے والے کو چپ کرا کے چھوڑوں گا۔ قرآن کریم کے اندر سارے گُر موجود ہیں اور اصل عقل گروں سے ہی آتی ہے۔ اگر تم قرآن کریم پڑھ لو تو تمہارے اندر وہ مادہ پیدا ہو جائے گا جس سے

تم ہر قسم کے دشمن کا مقابلہ کر سکو گے اور تمہاری عقل اِتنی تیز ہو جائے گی کہ دنیا کا کوئی علم ایسا نہیں ہوگا جس سے تم مرعوب ہو۔‘‘

(۱۰) باقاعدگی سے نمازیں پڑھنے، اس کے اثرات پر غور کرنے اور دوسروں کو وعظ و نصیحت کرنے کی عادت پیدا کرو

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۸؍اگست ۱۹۴۹ء کو پارک ہاؤس کوئٹہ میں لجنہ اماء اللہ کوئٹہ کے ایک اجلاس سے خطاب فرمایا۔ جس میں کئی غیر احمدی خواتین نے بھی شرکت کی۔ اِس خطاب میں حضور انور نے سب سے پہلے اجلاس مقررہ وقت سے دیر کے بعد شروع ہونے کی وجہ سے وقت کی پابندی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

’’کسی شخص کے بڑا ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ وقت کی زیادہ پابندی کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اوقات کی پابندی کیا کرتے تھے‘‘۔

اور پھر لجنہ اماء اللہ کو نماز کی پابندی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

’’اوّل: یہ بات مدنظر رکھنی چاہئے کہ باقاعدگی سے نماز ادا کریں۔ دوم دینی مشاغل میں وہ یاد رکھے کہ جس طرح جسم کی غذا ہے اُسی طرح روح کی بھی غذا ہے جس طرح جسم کو غذا نہ ملے تو وہ مَر جاتا ہے اِسی طرح روح بھی بغیر غذا کے مَر جاتی ہے۔ مگر نہ جسمانی غذا جسم کا مقصود ہے نہ روحانی غذا روح کا مقصود ہے۔ جسمانی غذا ہم اِس لئے استعمال کرتے ہیں تا خون پیدا ہو اور طاقت حاصل ہو اور اُس طاقت سے ہم دوسرے کام کریں۔ اِسی طرح روحانی غذاؤں کی بھی یہی غرض ہے کہ ہمیں روحانی طاقت ملے جس کے ذریعہ ہم دوسرے کام کر سکیں۔ اگر غذا ہی اصل مقصود ہوتی تو خدا تعالیٰ یہ کیوں فرماتا۔

فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ۝ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ کہ لعنت ہے ایسے نمازیوں پر جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض نمازیوں کی نماز اُن کے لئے لعنت کا موجب بھی ہوسکتی ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دوسری عبادات پر خوش نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان کے ذریعہ جو طاقت پیدا ہوتی ہے اُس کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیے۔ ...... روحانی طاقتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے اندر ایک جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ دوسرے شخص کے اندر بھی وہی اخلاقِ فاضلہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اُس کے اندر پائے جاتے ہیں۔''

اِسی طرح آپ نے لجنہ اماء اللہ کو تبلیغ کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

(۱۱) اسلام اور موجودہ مغربی نظریے

مؤرخہ ۲۱؍اگست ۱۹۴۹ء کو جماعت احمدیہ کوئٹہ کے زیر اہتمام پارک ہاؤس کے احاطہ میں ایک شاندار جلسہ ہوا جس میں حضرت مصلح موعود نے ''اسلام اور موجودہ مغربی نظریے'' کے زیر عنوان ایک نہایت پُر معارف تقریر فرمائی۔ جماعت احمدیہ کوئٹہ کے افراد کے علاوہ چھ سَو کے قریب غیر احمدی معززین بھی اِس جلسہ میں شریک ہوئے۔ اِس تقریر میں آپ نے مغربی نظریوں پر اسلام کے نظریوں کی فوقیت مدلل طور پر ثابت کی اور فرمایا:۔

''اِس زمانہ میں مغربی اقوام کے مختلف نظریات اسلام سے ٹکراتے ہیں جن میں سے بعض مذہبی ہیں اور بعض سیاسی اور اقتصادی۔ لیکن کوئی ایک نظریہ بھی ایسا نہیں جس میں مغرب کو شکست فاش نہ ہوئی ہو۔ مذہبی نظریوں میں سے سب سے بڑا توحید کا نظریہ ہے۔ عیسائیت نے جب ترقی کی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُنہوں نے خدا اور خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا...... آج اگر عیسائیوں سے پوچھا جائے تو وہ صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہماری مراد صرف یہ

ہے کہ حضرت خدا کے مقرب تھے ورنہ خدا ایک ہی ہے...... اِسی طرح طلاق کا مسئلہ ہے۔ آج امریکہ، انگلستان میں بھی طلاق کے قوانین بنائے جارہے ہیں اِس طرح اسلامی نظریہ کو درست تسلیم کیا جارہا ہے...... اِسی طرح حرمت شراب، کثرتِ ازدواج، جوا اور سزائے موت کے قوانین و نظریات ہیں جن میں اسلامی نظریات کو فتح نصیب ہو رہی ہے''۔

(۱۲) خدام الاحمدیہ کے قیام سے وابستہ توقعات

۳۰؍اکتوبر ۱۹۴۹ء میں خدام الاحمدیہ کے نویں سالانہ اجتماع میں خدام الاحمدیہ سے خطاب کرتے ہوئے خدام کو اُن کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ مجھے افسوس کے ساتھ یہ اعلان کرنا پڑتا ہے کہ خدام الاحمدیہ نے میری توقعات کو اُس حد تک پورا نہیں کیا جو میں نے اِس کے قیام کے وقت اِس سے وابستہ کی تھیں۔ اِس وجہ سے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ خود اِس کا صدر بنوں تا اپنے منشاء کو ان پر واضح کرتا رہوں۔ لہٰذا آئندہ کے لئے خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا صدر میں ہوا کروں گا اور شوریٰ کی طرح آئندہ اِس کے اجتماع میری صدارت میں ہوا کریں گے۔

اِسی طرح انتخاب صدر کے متعلق زریں ہدایات دیں کہ صدارت کے لئے نام تجویز کرتے وقت محض یہ خیال نہ رکھا جائے کہ اِس کا تعلق کسی بڑے خاندان سے ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کا عمل اسلام اور احمدیت کی شان کے مطابق ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی نمازوں کا پابند نہیں اور دین کی خدمت کے لئے ہر وقت پیش پیش نہیں رہتا تو وہ محبت کی بجائے نفرت کا مستحق ہے۔

اِسی طرح آپ نے ایک احمدی نوجوان کے معنی یہ بیان فرمائے کہ اسے اپنی زبان پر قابو ہو، وہ محنتی ہو، وہ دیندار ہو، وہ پنج وقت کا نمازی ہو وہ قربانی وایثار کا مجسمہ ہو اور کلمۂ حق کو زیادہ سے زیادہ پہنچانے میں نڈر ہو۔

(۱۳) اسلامی شعار اختیار کرنے میں ہی تمہاری کامیابی ہے

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۳۱؍ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ کے سالانہ اجتماع پر اجتماع کے دوسرے دن خدام سے جو خطاب فرمایا اُس میں آپ نے خدام کو فیشن پرستی کی لعنت کو ترک کرنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ جو قوم فیشن یا سماج کے رواجوں سے مرعوب ہو کر اپنا مطمح نظر بھول جاتی ہے اُس کے لئے ترقی کی تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔

حضور نے داڑھی رکھنے کی تلقین فرمائی اور جرمن نومسلم ہر عبدالشکور کنزے کو سٹیج پر کھڑا کر کے فرمایا دیکھو اِن کی گزشتہ سات پشتوں میں بھی کسی نے داڑھی نہیں رکھی ہوگی لیکن جونہی اِنہوں نے اسلام قبول کیا داڑھی کو اس کا طرۂ امتیاز سمجھتے ہوئے فوراً رکھ لی۔

اِس کے بعد حضور نے چندہ میں نادہند احباب کو توجہ دلائی اور خدام کو تلقین فرمائی کہ تمہارے عزیزوں، رشتہ داروں اور ہمسایوں میں سے جو نادہند ہیں اُن کو تلقین کرو۔

اِس کے بعد حضور نے اسلامی لباس اور دیگر اسلامی طور و طریق کے متعلق اپنی زریں ہدایات سے خدام کو نوازا۔

(۱۴) خدام الاحمدیہ کا نائب صدر صدر انجمن کا اور ہر مجلس کا قائد مقامی امیر کی مجلس عاملہ کا رُکن ہوا کرے گا

حضرت مصلح موعود نے یہ مختصر مگر جامع خطاب مؤرخہ یکم نومبر ۱۹۴۹ء کو برموقع اختتام اجتماع خدام الاحمدیہ فرمایا تھا۔ اس خطاب میں حضور نے اپنے خدام کو زریں ارشادات سے نوازتے ہوئے انتظامی اور تربیتی امور کی طرف توجہ دلائی۔ جن میں سے

چند ایک حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ خدام کا کوئی امتیازی نشان یا وردی ہونی چاہیے یا کوئی بیج ہونا چاہیے۔

۲۔ زائرین کے لیے علیحدہ سٹیج ہونا چاہیے اور میرے ساتھ جو لوگ مقامِ اجتماع میں آیا کریں اُن سے بھی باقاعدہ پوچھ گچھ ہونی چاہیے۔

۳۔ نائب صدر اپنی سرکاری حیثیت سے صدر انجمن احمدیہ کا ممبر ہوا کرے گا۔ اِسی طرح مجلس کا قائد بھی مقامی امیر کی مجلس عاملہ کا رُکن ہوا کرے گا۔

۴۔ مجلس مرکزیہ پانچ ہزار تک چندے کی طوعی تحریک کر سکے گی۔

۵۔ خدام کے عہد میں جان مال اور عزت کے علاوہ ''وقت'' کا اضافہ فرمایا۔

۶۔ تبلیغ کے طریقوں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ:۔

''تبلیغ تین طریقوں سے ہوسکتی ہے۔ دوستی سے، خدمت سے اور مظلومی سے۔''

۷۔ خدام کو فوجی زندگی کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی۔

۸۔ اساتذہ کو طلباء کی اخلاقی نگرانی کی تلقین فرمائی۔

۹۔ تمام خدام کو کھڑے کر کے دونوں عہد خدام کا عہد اور قادیان کے حصول کا عہد دُہرائے۔

(۱۵) پاکستان کی ترقی اور اس کے استحکام کے سلسلہ میں زریں نصائح

۱۱رنومبر ۱۹۴۹ء کو جماعت احمدیہ سرگودھا نے کمپنی باغ میں ایک پبلک جلسہ منعقد کیا تھا۔ یہ جلسہ اِس لحاظ سے ایک ممتاز خصوصیت کا حامل تھا کہ اس میں پہلی بار سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے سرگودہا اور مضافات کے ان ہزارہا احمدی وغیر احمدی احباب کو جو اِس تقریب میں شمولیت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے اپنی قیمتی نصائح اور ہدایات

سے مستفیض فرمایا اور اُنہیں اسلامی احکام پر عمل پیرا ہونے اور پاکستان کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی طرف نہایت دِلآویز پیرایہ میں توجہ دلائی۔ حضور کی تقریر اوّل سے آخر تک انتہائی دلچسپی، پورے انہماک اور توجہ کے ساتھ سنی گئی۔ حضور نے پاکستان کی حفاظت وسلامتی کا خیال رکھنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا۔

''ہم نے خود کہا تھا کہ خدایا! ہمیں یہ ملک دے اب اِس کو صحیح طور پر قائم رکھنا اور اسے ترقی دینا ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہم اپنے فرائض کو نہیں سمجھیں گے تو ہم شرمندہ ہوں گے اس جہاں میں بھی اور اگلے جہاں میں بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کہے گا کہ میں نے تمہیں یہ ملک دیا تمہارے مطالبہ پر مگر تم نے اسے ضائع کر دیا۔''

پاکستان کی آمدن بڑھانے کے لئے آپ نے تمام طبقہ ہائے زندگی کے لوگوں کو دیانتداری سے اپنا ٹیکس ادا کرنے اور پاکستان کی حفاظت کے لئے زیادہ سے زیادہ نوجوانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی تلقین فرمائی۔

اُن دنوں اخباروں میں یہ چرچا تھا کہ گورنمنٹ پاکستان اسلام کی حکومت قائم کرنے کے لئے کچھ نہیں کرتی ہم نے تو پاکستان اسلام کے لئے مانگا تھا اِس کے متعلق بصیرت افروز ارشادات فرمائے اور آخر پر ارشاد فرمایا:۔

''محض نعرے لگا لینا کسی قوم کی کامیابی کی علامت نہیں ہوتی اگر اِس وقت سارے لوگ نعرہ تکبیر بلند کرنے لگ جائیں گے۔ اگر اس وقت سارے لوگ یہ کہنے لگ جائیں گے کہ پاکستان زندہ باد۔ ہندوستان مردہ باد تو اس سے ہندوستان کی ایک چوہیا بھی نہیں مرے گی لیکن اگر سب لوگ ان باتوں پر عمل کرنے لگ جائیں جن کا ابھی میں نے ذکر کیا ہے۔ تاجر ٹیکس دینے لگ جائیں، عوام الناس بغیر ٹکٹ کے ریل کا سفر نہ کریں، نوجوان بے ہودہ باتوں میں اپنا وقت ضائع کرنے کی بجائے تعلیم میں ترقی کریں اور جو مضبوط نوجوان ہیں وہ فوجوں میں بھرتی ہوں اور افسر رشوت خوری کی عادت کو ترک کر دیں

اور تمام کام دیانتداری اور محنت کے ساتھ کریں تو پاکستان عملی رنگ میں مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔ پھر آپ ایک دفعہ بھی پاکستان زندہ باد نہ کہیں نتیجہ یہی نکلے گا کہ پاکستان زندہ باد''

(۱۶) الرحمت

نومبر ۱۹۴۹ء کو پاکستان میں اخبار الفضل کو جبری طور پر بند کروا دیا گیا۔ اس خلا کو پورا کرنے کے لئے اخبار ''الرحمت'' کی بنیاد حضرت مصلح موعود نے رکھی۔ اور ۲۱ نومبر ۱۹۴۹ء کو مکرم شیخ روشن دین صاحب تنویر کی ادارت میں ''الرحمت'' جاری کیا گیا۔ اور مئی ۱۹۵۱ء تک ایک کامیاب دینی ترجمان کی حیثیت سے باقاعدگی کے ساتھ نکلتا رہا۔ اخبار ''الرحمت'' کے پرنٹر و پبلشر مکرم مسعود احمد خان صاحب دہلوی اور مینجر مکرم مولوی محمد عبداللہ صاحب اعجاز تھے۔

اِس اخبار میں پورے التزام کے ساتھ حضرت مصلح موعود کے روح پرور خطبات چھپتے تھے۔ برصغیر پاک و ہند کے علمائے سلسلہ کی تقاریر اور مضامین نیز بیرونی ممالک کے مجاہدین کی معلومات افزا رپورٹیں بھی شائع کی جاتی تھیں۔ ربوہ کی تازہ خبریں بھی باقاعدگی سے درج کی جاتی تھیں۔ سیدنا حضرت مصلح موعود نے ''الرحمت'' کے اجراء پر ایک نہایت مفصل اور حقیقت افروز افتتاحی مضمون سپردِ قلم فرمایا جو اِس کے پہلے شمارہ کے صفحہ ۳ اور جلد ۴ پر شائع ہوا۔ اِس میں آپ نے اس پرچہ کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

''اِس پرچہ کی بنیاد مذہب اور اخلاق پر ہوگی اور صلح اور آشتی پر ہوگی۔ یہ پرچہ سیاسیات سے الگ رہے گا۔ اختلافات کو بڑھائے گا نہیں کم کرنے کی کوشش کرے گا۔ جہاں تک عوامی تعلقات کا سوال ہے۔ یہ پاکستان اور ہندوستان کے عوام کے جوش میں آئے ہوئے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی

کوشش کرے گا اور ہر غداری کی روح کو خواہ وہ پاکستان میں سر اُٹھائے یا ہندوستان میں سر اُٹھائے دبانے کی کوشش کرے گا۔ بلکہ صرف ہندوستان اور پاکستان میں ہی نہیں دنیا کے ہر گوشہ کے لوگوں کے لئے ''الرحمت'' رحمت کا نشان بننے کی سعی کرے گا۔''

اِسی طرح آپ نے پاکستان کے احمدیوں کو حکومت پاکستان کا اور ہندوستان کے احمدیوں کو ہندوستان کی حکومت کا فرمانبردار رہنے کی تلقین کی اور فرمایا:۔

''ہم اس دائمی سچائی کو جو قرآن کریم میں بار بار بیان کی گئی ہے کبھی نہیں چھوڑ سکتے کہ جو شخص جس حکومت میں رہتا ہے وہ اُس کا فرمانبردار رہے اور اس کے ساتھ پوری طرح تعاون کرے۔''

(۱۷) دنیا کے معزز ترین انسان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

۲۶ دسمبر ۱۹۴۹ء کو حضرت مصلح موعود نے جلسہ سالانہ ربوہ میں افتتاحی خطاب فرمایا جس میں حضور نے پرندوں کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جب شکاری ان پر فائر کرتا ہے تو وہ اُڑ کر دوسری جگہ اکٹھے ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اِسی طرح ہم بھی آرام سے اور اطمینان سے دنیا کی چالاکیوں اور ہوشیاریوں اور فریبوں سے بالکل غافل ہو کر اپنی آرام گاہ میں اطمینان اور آرام سے بیٹھتے تھے کہ چالاک شکاری نے آسمانی پرندوں کے جھنڈ پر فائر کیا مگر وہ پرندے ایک آواز پر پھر ایک نئے مرکز میں جمع ہو گئے۔آپ نے فرمایا:۔

''آؤ ہم اپنے ازلی ابدی آقا کے حضور عاجزانہ التجائیں کریں اور دشمن کو گھٹنے ٹیک کر یہ اقرار کرنے پر مجبور کریں کہ دنیا کا معزز ترین انسان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔''

(۱۸) قادیان سے ہماری ہجرت ایک آسمانی تقدیر تھی

حضرت مصلح موعود نے ۲۷ دسمبر ۱۹۴۹ء کو جلسہ سالانہ کے موقع پر یہ خطاب فرمایا جس میں اِس امر پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی کہ قادیان سے ہمیں کیوں ہجرت کرنی پڑی۔ اِس بارے میں حضور نے فرمایا کہ ہمارا یہاں آنا کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ دیر کی ایک الٰہی تقدیر ہے۔ اس ہجرت کے بارے میں یسعیاہ کی کتاب میں بھی ذکر ہے اور زکریا نے بھی اِس کا ذکر کیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حَرِّزْ عِبَادِیْ اِلَی الطُّوْرِ حدیث صحیح مسلم میں اِس کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں بھی اِس کا واضح اشارہ ملتا ہے۔ حضور نے اپنی رؤیا کا بھی تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا جس میں ربوہ کی طرف ہجرت کا اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور وہ قبل از ہجرت الفضل میں بھی شائع ہو چکی تھی۔ پھر آپ نے ربوہ کی معجزانہ آبادکاری اور اس میں میٹھے پانی کے نکلنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

اور فرمایا۔

''اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ربوہ کی پوزیشن کیا ہے۔ ربوہ کو خدا تعالیٰ نے مسیح موعود کا دوسرا مسکن مقرر فرمایا ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسیح موعود کی الہامی جائے پناہ قرار دیا ہے۔ میرے الہامات نے اِس پیشگوئی کے قرب میں پورا ہونے کا اعلان کیا ہے۔ سو اَب یہ مقدس ہے جس طرح خدا تعالیٰ کی مقدس جگہیں ہوتی ہیں۔''

اسی طرح آپ نے ربوہ کے تقدس کے متعلق فرمایا:۔

''پس اب یہ ایک مقدس مقام ہے اور یہاں کی عبادتیں دوسری جگہوں کی عبادتوں سے اچھی ہیں۔ اور یہاں کی رہائش دوسری جگہوں کی رہائش سے اچھی ہے۔''

اِس مرکز کے قائم ہونے سے جماعت کو جو ترقیات مل رہی تھیں ان کا تذکرہ بھی فرمایا اِسی طرح آپ نے احباب جماعت کو تحریک جدید میں اپنی رقوم بطور امانت

رکھوانے کی تلقین فرمائی۔

آپ نے بار بار ربوہ آنے کی نصیحت فرمائی۔ احباب جماعت کے بار بار مرکز میں آنے سے مشکلات کے حل میں مدد ملے گی۔ دفاتر میں کام کریں۔ اِس کی تعمیر میں حصہ لیں۔ اپنے بچوں کو تعلیم دلائیں۔ اجتماعی عبادات سے فائدہ اُٹھائیں۔ اِس طرح جماعت مضبوط ہوگی۔ اِسی طرح آپ نے ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے لوگوں کو فرمایا:۔

''مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پچھلی دفعہ بھی اور اِس دفعہ بھی میں نے دیکھا ہے کہ ان کے چہروں پر ایک افسردگی سی طاری ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایسا کیوں ہے؟ دوسرے لوگ مایوس رہیں تو رہیں ہمارا تو ایک زندہ خدا ہے۔ ہمارے لئے مایوسی اور افسردگی کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی بلکہ مومن تو ہزار بھٹیوں سے بھی گزر کر پھر بھی خوش رہتا ہے۔''

''پس میں مہاجرین سے کہتا ہوں کہ تم اپنی اُمنگوں اور امیدوں کو بڑھاؤ اور یہ بات مت بھولو کہ خدا تعالیٰ نے تم سے ابھی بہت کچھ کام لینے ہیں۔ جتنا بیج تم ڈالا کرتے ہو تمہیں اتنی ہی کھیتی ملتی ہے۔ مگر میں خدا تعالیٰ کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ تمہارا جو کچھ نقصان ہوا ہے اُس سے بہت زیادہ تمہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ملے گا۔''

اِسی طرح آپ نے احباب جماعت کو قادیان کی حفاظت کے لئے جو چندہ کے وعدہ جات کئے تھے اُن کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی۔

(۱۹) اسلام اور ملکیت زمین

پاکستان میں کمیونسٹ تحریک نے مختلف سیاسی پارٹیوں کے ساتھ ملکر یہ آواز بلند کرنا شروع کی کہ ملکیت زمین کے بارے میں ہمارے ملک میں اصلاح کی ضرورت ہے مگر جو اصلاح تجویز کی اگرچہ وہ تفصیلاً وہی تھی جو کمیونزم نے تجویز کی ہے لیکن اس کا نام

’’اسلامی اصلاح‘‘ رکھ دیا۔ بعض حلقوں نے اسلامی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر ایسی شکل دینے کی کوشش کی کہ لوگ اِس تحریک کو اسلامی ہی سمجھیں۔ بعض نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے تعامل کو نظر انداز کر کے کچھ نئے معانی اُن آیات اور احادیث کو دے دیئے جن سے اُن کے نظریہ کی تصدیق ہوتی تھی۔

برسر اقتدار مسلم لیگ پارٹی نے اِس پروپیگنڈا سے متأثر ہو کر زمیندارہ سسٹم کی اصلاح کیلئے پنجاب، سندھ، سرحد اور مشرقی بنگال میں کمیٹیاں مقرر کر دیں جن کی رپورٹوں پر غور کرنے کے بعد مرکزی مسلم لیگ نے ایک رپورٹ تیار کی جس پر مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے زمیندارہ اصلاح سے متعلق کچھ اصول وضع کئے اور فیصلہ کیا کہ بڑی بڑی زمینداریاں اور جاگیرداری بہر حال ختم کر دی جائے اور صوبائی حکومتوں کو توجہ دلائی کہ وضع کردہ اصولوں کو جاری کرنیکی کوشش کریں۔

جہاں تک حکومت وقت کے فیصلوں کا تعلق تھا حضرت مصلح موعود کو اس پر بحث کرنیکی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ آپ کا یہ قطعی مسلک تھا کہ سیاسی امور سیاسی لوگوں پر ہی چھوڑ دیئے جائیں لیکن ایک بین الاقوامی مذہبی جماعت کے دینی راہنما کی حیثیت سے آپ نے یہ گوارا نہ کیا کہ اسلام کے نام پر کوئی ایسی بات کہی جائے جو اسلام سے ثابت نہ ہو چنانچہ آپ نے اِس اہم مذہبی فرض کی بجا آوری کیلئے ’’اسلام اور ملکیت زمین‘‘ کے نام سے ایک پُر از معلومات یہ کتاب تحریر فرمائی جو جنوری ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی۔

یہ کتاب ۱۲ ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں آپ نے ملکیت اشیاء کے قانون، ملکیت زمین کے اصول، جاگیرداری، وسیع رقبہ اراضی کی ملکیت، لگان اور بٹائی پر زمین دینے اور حکومت کا عوام کی جائیداد پر جبراً قبضہ کرنے کے مسائل پر خالص اسلامی نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالی۔ نیز سندھ زمیندارہ کمیٹی اور مسلم لیگ کی زمیندارہ کمیٹیوں کی بعض خامیوں پر عقلی بحث کی اور آخر میں کسانوں اور کاشت کاروں کی حالت زار کی اصلاح کیلئے ایسی مفید تجاویز بتائیں جن سے ملک میں رائج شدہ فرسودہ زمیندارہ نظام کی کایا

پلٹ سکتی تھی۔

اِس کتاب میں حضور نے ایک طرف مسلم لیگی حکومت کو بھی زبردست انتباہ کیا کہ اگر اُس نے غیر طبعی یا غیر شرعی تجاویز کی طرف توجہ کی تو وہ کمیونزم کے حملہ کا مقابلہ کرنیکی طاقت کھو بیٹھے گی دوسری طرف بڑے زمینداروں کو بھی توجہ دلائی کہ:۔

''اسلام کی بنیاد اخوت اور رحم پر ہے۔ ان کو اپنے بھائیوں کی مشکلات کے حل کرنے میں سیاسی لیڈروں سے زیادہ کوشاں ہونا چاہیے۔ اگر وہ غریب زمیندار کی مدد کو خودخوشی سے کریں گے اور ایسے قوانین کے بنانے میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں گے جن سے ظلم دور ہو جائے اور اُن کا غریب بھائی آرام سے زندگی بسر کرے تو یہ بات دین اور دنیا دونوں میں ان کیلئے عزت اور آرام کا موجب ہوگی اور وہ اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے سرخرو جا سکیں گے ورنہ وہ سمجھ لیں کہ اگر حکومت اسلامی احکام کے ادب سے کوئی جابرانہ قانون نہ بھی بنائے تو بھی خدائی عذاب سے اُن کو دوچار ہونا پڑے گا اور کوئی چیز بھی اُن کو نہ بچا سکے گی۔''

حضرت مصلح موعود کی اِس معرکۃ الآراء تصنیف کی بھاری خصوصیت یہ تھی کہ اسمیں آپ نے مسلمانانِ عالم کو اِس حقیقت کی طرف متوجہ کر کے اتمام حجت کر دی کہ:۔

''پس کوئی شخص میری بات سنے یا نہ سنے میں یہ صاف کہہ دیان چاہتا ہوں کہ ہمیں کمیونزم کے خوف کیوجہ سے کوئی بات نہیں کہنی چاہیے۔ اگر کمیونزم اچھی چیز ہے تو اس سے خوف کے کوئی معنی نہیں ہمیں شوق سے اسے قبول کرنا چاہیے اور اس کے خلاف سب باتوں کو چھوڑ دینا چاہیے۔ خواہ مذہب کے نام پر کہی جاتی ہوں یا کسی اور نام پر جو بات ٹھیک ہے وہ بہر حال ٹھیک ہے۔ لیکن اگر کمیونزم غلط ہے تو پھر محض اِس وجہ سے کہ وہ ایک ایسی تعلیم پیش کر رہی ہے جس کی وجہ سے عوام الناس اُسکی طرف بھاگے جا رہے ہیں ہمارا اُس کو قبول کر لینا خودکشی کے مترادف ہوگا اور ہمیں بہادروں کی صف میں نہیں بلکہ بزدلوں کی

صف میں کھڑا کرے گا۔''

(۲۰) علمائے جماعت اور طلبائے دینیات سے خطاب

۸مئی ۱۹۵۰ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے بیرونی ممالک سے آئے ہوئے مبلغین اور کچھ جانے والے مبلغین بعض غیر ملکی طلباء اور انڈونیشیا کے مسٹر سپارجا کے اعزاز میں ساڑھے چار بجے سہ پہر احاطہ جامعۃ المبشرین ربوہ میں ایک دعوت چائے دی۔ جس میں ڈیڑھ سَو کے قریب معززین شریک ہوئے اِس موقع پر حضور نے ایک خطاب فرمایا جو مبلغین سلسلہ، علماء سلسلہ اور طلباء دینیات کے لئے ایک مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اِس خطاب میں آپ نے ایسی دعوت کا اہتمام کرنے کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ اِس سے دوسرے نوجوانوں کے دلوں میں بھی یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایک اچھا کام ہے جس میں ہمیں بھی حصہ لینا چاہیے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیں آنے والوں اور جانے والوں کے لئے بعض خیالات جو مستقل حیثیت رکھتی ہیں اُن کے اظہار کا موقع مل جاتا ہے۔فرمایا:۔

''ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کے معیارِ اخلاق اور ان کے معیارِ دین اور ان کے معیارِ تقویٰ کو زیادہ سے زیادہ بلند ترین اور ان کے اندر پہلوں سے زیادہ قربانی کا احساس پیدا کریں۔

ایسے مبلغین پیدا کئے جائیں جو موجودہ ضرورتوں کو سمجھنے والے اور نئے زاویوں اور نئے نقطۂ نگاہ سے موجودہ مسائل پر گہری نظر رکھنے والے ہوں۔ زمانۂ حال کی ضروریات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالیں اور مرکز کے ہر لفظ کی اطاعت کریں۔ طلباء کو درسی کتب کے علاوہ مختلف علمی کتابوں کا بھی مطالعہ کرتے رہنا چاہیے اور اپنے معلومات کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنا چاہیے۔''

حضرت مصلح موعود نے وسعت مطالعہ اور محبت الٰہی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

''طلباء اپنے اندر تدبر کا مادہ پیدا کریں۔طلباء کو اپنے اندر روحانیت، دینداری اور محبت باللہ کی روح پیدا کرنی چاہیے۔اور طلباء کے اندر اتنی روحانیت ہونی چاہیے کہ اُن کا اُٹھنا بیٹھنا اور اوڑھنا بچھونا،سونا جاگنا، بولنا اور خاموش رہنا سب کچھ خدا کے لئے ہو۔ایک آگ ہو ایک جلن اور سوزش ہو جو ہر وقت بیتاب رکھے۔''

(۲۱) تعلیم الاسلام ہائی سکول اور مدرسہ کے قیام واستحکام میں ایک نوجوان کا تاریخی کردار

مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۵۰ء کو بوقت چھ بجے شام تعلیم الاسلام ہائی سکول کے اساتذہ اور طلباء کی طرف سے چنیوٹ میں بیرونی ممالک کے اُن تمام مبلغین کے اعزاز میں ایک دعوتِ طعام دی گئی جو اُس وقت ربوہ میں موجود تھے۔ایڈریس اور جوابِ ایڈریس کے بعد سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ایک ایمان افروز تقریر فرمائی جو جماعت کے لئے ایک مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔آپ نے شہد کی مکھیوں کی مثال دیتے ہوئے تلقین فرمائی کہ:۔

''جس طرح جب شہد کی مکھیوں کے چھتہ کو جب کوئی انسان اُجاڑنا چاہتا ہے تو شہد کی مکھیوں کی نوجوان پود وہ نئی پود جو اپنی عمر کو باقی سمجھتی ہے اور اس دنیا میں اپنا ایک زندہ مقصد قرار دیتی ہے وہ ملکہ کی سب سے بڑی بیٹی جو اُن کی آئندہ ہونے والی ملکہ ہوتی ہے۔اُسے لیکر اُڑ جاتی ہیں اور پیشتر اِس کے کہ شہد کا چھتہ تباہ کیا جائے وہ نیا چھتہ بنا لیتی ہیں اور نئے سرے سے اپنی زندگی کو شروع کر دیتی ہیں اور اپنے لئے ایک نیا مقام اور نیا مرکز بنانا شروع کر دیتی ہیں۔نوجوانوں کے لئے اِس میں بہت بڑا سبق ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ کم از کم تم میں ایک مکھی سے تو زیادہ عزم ہونا چاہیے۔جب شہد کا چھتہ

اُجاڑا جاتا ہے تو نوجوان مکھیاں انسان کو چیلنج کرتی ہیں کہ تم نے ہمیں اُجاڑا ہے لیکن تم ہمارے عزم کو نہیں اُجاڑ سکتے۔ ہم اِس کے ساتھ ایک نیا چھتہ تیار کریں گی۔ اِسی طرح ہم ہر مصیبت پر ہر آفت ہر ابتلاء ہر امتحان کے موقع پر اپنی نسلوں اور اولادوں کو کہہ سکتے ہیں کہ اے اشرف المخلوقات کی نسلو! آفات اور مصائب سے گھبرانا نہیں۔ تمہیں کم از کم اتنا عزم تو دکھانا چاہیے جتنا شہد کی مکھیاں دکھاتی ہیں۔''

حضرت مصلح موعود نے قادیان سے ہجرت کرنے کے بعد ربوہ میں نیا مرکز بنانے کے متعلق فرمایا۔

''اب ہم معماروں کی طرح نیا چھتہ بنا رہے ہیں اور اِس امید میں ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اِسے شہد کے ساتھ بھر دیں گے اور مکھیاں کٹ کر دوبارہ یہاں آ بیٹھیں گی۔''

اِسی طرح غیر مبائعین کے اِس اعتراض کے جواب میں کہ قادیان ہونے کی وجہ سے ان کو یہ قبولیت حاصل ہے اور لوگ ان کی طرف اِس لئے آتے ہیں کے ان کے پاس حضرت مسیح موعود کا قائم کردہ مرکز ہے صرف اسی لئے اِن کے گرد جماعت اکٹھی ہو رہی ہے۔ حضرت مصلح موعود نے فرمایا۔

''خدا تعالیٰ نے ہمیں قادیان سے نکال دیا ہم قادیان سے نکل کر بھی کمزور نہیں ہوئے بلکہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہوئے ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ پہلے ہم ایک ایک دو دو مبلغوں کی دعوتیں کرتے تھے اور اب ہم درجنوں کی دعوتیں کرتے ہیں کیونکہ اب مبلغوں کے رسالے باہر جانے شروع ہو گئے ہیں اور وہ دن دُور نہیں جب ایک ہی دفعہ مبلغوں کی بٹالین باہر جائیں گی۔ وہ دن دُور نہیں جب مبلغوں کے بریگیڈ باہر جائیں گے۔ وہ دن دُور نہیں جب مبلغوں کے ڈویژن تبلیغ اسلام کے لئے باہر جائیں گے۔''

(۲۲) صحابیات کے نمونہ پر چلنے کی کوشش کرو

۴ جون ۱۹۵۰ء کو رتن باغ لاہور میں مقامی لجنہ اماء اللہ کا ایک خاص اجلاس منعقد ہوا جس میں حضرت مصلح موعود نے ناسازئ طبع کے باوجود تقریباً پون گھنٹے تک ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ جس میں اجلاسات میں وقت کی پابندی کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ اِسی طرح فرمایا کہ عورتیں بھی قوم کا ویسا ہی حصہ ہیں جیسا کہ مرد اس کا ایک حصہ ہیں۔ سورۂ فلق کی تفسیر فرماتے ہوئے بتایا کہ اس میں قوموں کی ترقی اور تنزل کے متعلق بعض احکام بیان کئے گئے ہیں جن کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ لفظ قُلْ کے معنی اور حکمتیں بیان فرمائیں اور فلق لفظ کی پُر معارف تفسیر بیان کرتے ہوئے لجنہ اماء اللہ کو نصیحت فرمائی کہ تم اپنے مقام کو سمجھو اور صحابیات کے نمونہ پر چلتے ہوئے دین کے لئے کارہائے نمایاں سرانجام دینے کی کوشش کرو اور اپنے اندر نئی بیداری اور نئی زندگی پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ترقی کے لئے بے انتہا مواقع پیدا کئے ہیں۔ تم بھی حضرت عائشہؓ کی نقل کرنے کی کوشش کرو، تم بھی حضرت حفصہؓ کی نقل کرنے کی کوشش کرو، تم بھی ان صحابیات کی نقل کرنے کی کوشش کرو جنھوں نے اپنے زمانہ میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔

(۲۳) کوشش کرو کہ تمہاری اگلی نسل پچھلی نسل سے زیادہ اچھی ہو

۱۸ جولائی ۱۹۵۰ء کو کوئٹہ میں مقامی مجلس خدام الاحمدیہ کی طرف سے سیدنا حضرت مصلح موعود کے اعزاز میں ایک دعوت دی گئی جس میں مقامی جماعت کے علاوہ کئی غیر احمدی معززین بھی شریک ہوئے۔ اس موقع پر قائد مقامی نے حضور کی خدمت اقدس میں اپنے کام کی سالانہ رپورٹ بھی پیش کی۔ جس کے بعد حضور نے خدام سے خطاب

کرتے ہوئے ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا:۔

''ترقی کے لئے ضروری ہے کہ انسان کا اگلا قدم اُس کے پچھلے قدم سے آگے پڑے اور جب کسی قوم کی ترقی کسی ایک نسل کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتی بلکہ اس کی ترقی اس کی کئی نسلوں کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے تو اُس کے ہر فرد کو یہ مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اگلی نسل پچھلی نسل سے زیادہ اچھی ہو۔ نوجوانوں میں ہمیشہ یہ روح پیدا کرنی چاہیے کہ وہ پہلوں سے روحانیت میں بڑھنے کی کوشش کریں۔''

اِسی طرح آپ نے تلقین فرمائی:۔

''ہر چیز نظام کے نیچے آنی چاہیے ورنہ خدام الاحمدیہ کی تنظیم قائم کرنے کی غرض وغایت پوری نہیں ہوسکتی۔ اِسی طرح دعوتوں میں وقت بچانے کے لئے بفے سسٹم شروع کریں اور اجلاسات میں ایسی نظمیں رکھی جائیں جو دعائیہ اور جوش دلانے والی ہوں اور پھر سارے خدام پڑھنے والے کے ساتھ ساتھ انھیں دُہراتے چلے جائیں۔''

نیز آپ نے فرمایا کہ:۔

''مأمورین کی جماعتوں پر ابتلاء بھی آتے ہیں اس لئے انہیں ان ابتلاؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔''

(۲۴) قرونِ اُولیٰ کی نامور خواتین اور صحابیات کے ایمان افروز واقعات

۱۹۵۰ء کے موسم گرما میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کوئٹہ تشریف لے گئے تھے۔ کوئٹہ کی لجنہ نے حضور کے اعزاز میں ایک دعوتِ چائے کا اہتمام کیا۔ جس میں معزز غیر احمدی مستورات بھی مدعو کی گئی تھیں۔ اس موقع پر حضور نے یہ تقریر ارشاد فرمائی۔ جس میں

حضور نے انسان کی پیدائش کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی۔ نیز حضور نے عورتوں کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور قرآن و احادیث کی روشنی میں عورتوں کو ذمہ داریوں اور انعامات کے لحاظ سے مردوں کے برابر ٹھہرایا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں:۔

''قرآن کریم کو شروع سے آخر تک پڑھ کر دیکھ لو تمام مسائل احکام اور انعامات میں عورت اور مرد دونوں کا ذکر ہے مثلاً اگر یہ کہا جاتا ہے کہ نیک مرد تو ساتھ ہی کہا جاتا ہے نیک عورتیں۔ اگر کسی جگہ ذکر ہے کہ عبادت کرنیوالے مرد تو ساتھ ہی یہ ذکر ہوگا کہ عبادت کرنے والی عورتیں۔ پھر اگر یہ ذکر ہے کہ جنت میں مرد جائیں گے تو ساتھ ہی یہ ذکر ہوگا کہ جنت میں عورتیں بھی جائیں گی۔ مرد کی اگر اعلیٰ درجہ کی نیکیاں ہیں اور وہ جنت میں ایک اعلیٰ مقام پر رکھا جاتا ہے تو اس کی بیوی جس کی نیکیاں اس کے مقام کے مناسب حال ہیں اپنے خاوند کی وجہ سے اُسی مقام میں رکھی جائیگی۔ اِسی طرح اگر عورت اعلیٰ نیکیوں کی مالک ہے اور ان کی وجہ سے وہ جنت میں اعلیٰ مقام پر رکھی جاتی ہیں تو اس سے ادنیٰ نیکیاں رکھنے والا خاوند بھی اُس کی وجہ سے اُسی مقام میں رکھا جائے گا۔ غرض تمام معاملات میں خدا تعالیٰ نے عورت اور مرد کی ذمہ داریوں کو اہمیت دی ہے۔''

انڈیکس

مرتبہ: مکرم فضل احمد شاہد صاحب

مضامین

مسلم لیگ

مصائب

مصیبت

مطالعہ

مظالم

منافق

مومن

ن

نبی

نزلہ

نماز

نوجوان

و

وقت

وقفِ زندگی

آیات قرآنیہ

احادیث

حدیث بالمعنیٰ

(ترتیب بلحاظ صفحات)

اسماء

غ

مقامات

کتابیات